اسلامی قانون

کی

تشکیل میں صحابہؓ کا کردار

ڈاکٹر عرفان خالد ڈھلوں

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اسلامی قانون
کی تشکیل میں صحابہ رض کا کردار

ڈاکٹر عرفان خالد ڈِھلّوں

الفیصل
ناشران و تاجرانِ کتب
غزنی سٹریٹ اُردو بازار لاہور

297.1409 Irfan Khalid Dhiloon, Dr.
Islami Qanoon ki Tashkeel main Sahaba ka Kirdar/ Dr. Irfan Khalid Dhiloon.- Lahore: Al-Faisal Nashran, 2016.
490p

1. Fiqah Islami   I. Title Card.

ISBN 978-969-503-1041-4

اکتوبر 2016ء
محمد فیصل نے
آر۔آر پرنٹرز سے چھپوا کر شائع کی۔

قیمت:-/600 روپے

AL-FAISAL NASHRAN
Ghazni Street, Urdu Bazar, Lahore. Pakistan
Phone: 042-37230777 & 042-37231387
http: www.alfaisalpublishers.com
e.mail: alfaisalpublisher@yahoo.com

فہرست

فہرست	۵
پیش لفظ	۱۳
☆۔باب اوّل: اسلام میں صحابہؓ کا مقام	۱۵
صحابی کی تعریف	۱۶
لغوی تعریف	۱۶
محدثین کے نزدیک صحابی کی تعریف	۱۶
اصولیین کے ہاں صحابی کی تعریف	۱۷
محدثین اور اصولیین کی تعریفات کا جائزہ	۱۹
ایمان کی شرط	۱۹
رؤیت کی شرط	۲۳
لِقاء وصحبت کی شرط	۲۶
طویل اور مطلق صحبت کی شرط	۲۷
غزوات میں شرکت کی شرط	۲۸
اِتباع واخذِ علم کی شرط	۲۸
بلوغت کی شرط	۳۰
غیر ممیز کی رؤیت	۳۰
راجح تعریف	۳۱
معرفتِ صحابی کے طریقے	۳۱
دعویٰ صحابیت	۳۲
امتیازاتِ صحابہؓ	۳۴
قبولِ اسلام میں سبقت	۳۴

نزولِ شریعت کے عینی شاہد ۳۶

سیرتِ صاحبِ شریعت کے عینی شاہد ۳۶

مدرسہ نبوت کے اوّلین تلامذہ ۳۶

شریعتِ اسلامی کے اوّلین مزاج شناس ۳۷

دین کے سچّے راویٔ اوّل ۳۷

ایمانِ صحابہؓ، معیارِ ایمان ۴۰

انبیاء کے سوا تمام انسانوں پر صحابہؓ کی فضیلت ۴۱

صحابہؓ کو مغفرت کی بشارتیں ۴۲

قرآنی و نبوی گواہیاں ۴۲

صحابہؓ کی توبہ کی فضیلت ۵۰

عدالتِ صحابہؓ ۵۳

عدالت کا لغوی معنی ۵۳

عدالت کی اصطلاحی تعریف ۵۵

عدالتِ صحابہؓ سے مراد ۵۷

عدالتِ صحابہؓ پر قرآن کی گواہیاں ۵۸

عدالتِ صحابہؓ پر نبوی ارشادات ۷۷

عدالتِ صحابہؓ پر اقوالِ ائمہ ۸۴

عدالتِ صحابہؓ کی حکمت ۸۶

عدالتِ صحابہؓ پر مخالفین کے اقوال ۸۶

مخالفین کے اقوال کا جائزہ ۸۷

عدالت اور عصمت ۸۹

عدالت اور خطا ۹۱

عدالت اور ضبط ۹۲

☆۔ **باب دوم: نقل و روایت میں الفاظ صحابہؓ کی حجیت** ۹۷

عہدِ نبوی کی طرف اضافت والے الفاظ ۹۸

عہدِ نبوی کی طرف عدمِ اضافت والے الفاظ ۱۰۵

لفظ السُّنَّۃ کا استعمال ۱۰۸
مجہول صیغۂ امر ونہی ۱۱۴
نسخ سے متعلق الفاظ ۱۲۳
تفسیری اقوال ۱۲۶
صحابی کے قول یا فعل کا حدیث سے تعارض ۱۲۹
☆۔باب سوم: صحابہؓ کی اجتہادی تربیت اور اسالیبِ اجتہاد ۱۳۹
اسلامی قانون سازی: ایک تعارف ۱۴۰
حیاتِ نبوی میں قانون سازی کی صورتیں ۱۴۳
حیاتِ نبوی کے بعد قانون سازی کا اصولِ اجتہاد ۱۴۶
اجتہاد کی تعریف ۱۴۶
شرائط اجتہاد ۱۴۷
اجتہاد کا دائرہ کار ۱۴۸
اجتہاد میں غلطی ۱۴۹
حیاتِ نبوی میں اجتہاد کی اجازت: ایک اصولی بحث ۱۵۱
صحابہؓ کی اجتہادی تربیت ۱۶۰
استفسار کی اجازت ۱۶۰
اجتہاد کی تربیت ۱۶۱
مشاورت ۱۶۶
غیر منصوص مسائل میں اِذنِ اجتہاد ۱۶۸
اجتہاد کرنے کا حکم ۱۶۹
صحابہؓ بطور قاضی، حاکم اور امیرِ لشکر ۱۷۰
اجتہاداتِ صحابہؓ عدالتِ نبوی میں ۱۷۳
فقہاء صحابہ کرامؓ ۱۸۰
حضرت ابوبکر صدیقؓ ۱۸۳
حضرت عمرؓ ۱۸۴
حضرت عثمانؓ ۱۸۴

حضرت علیؓ	۱۸۵
حضرت زید بن ثابتؓ	۱۸۵
حضرت معاذ بن جبلؓ	۱۸۶
حضرت اُبی بن کعبؓ	۱۸۶
حضرت عبداللہ بن مسعودؓ	۱۸۷
حضرت عبداللہ بن عباسؓ	۱۸۸
حضرت عائشہؓ	۱۷۹
دیگر فقہاء صحابہ کرامؓ	۱۸۹
مفتی صحابہ کرامؓ	۱۹۰
قرّاء صحابہ کرامؓ	۱۹۰
صحابہؓ کے اسالیبِ اجتہاد	۱۹۲
قرآن وسنت کی طرف رجوع	۱۹۲
قرآن وسنت کو رائے پر ترجیح	۱۹۵
رائے دینے میں احتیاط	۱۹۶
بغیر علم رائے سے اجتناب	۱۹۷
مفروضات پر رائے نہیں	۱۹۸
نصوص کی توضیح اور ان کے معنی ومفہوم کا تعیّن	۱۹۹
متعدد پہلوؤں والی نص کے کسی ایک پہلو کا تعیّن	۲۰۱
نصوص کا ظاہری تعارض دُور کرنا	۲۰۱
روحِ تشریع کے ادراک سے غیر منصوص حکم کی تلاش	۲۰۳
نص کا ظاہر ترک کر کے علتِ خفی پر عمل	۲۰۵
نص کی عدم موجودگی میں عمومات وکلیات سے استدلال	۲۰۶
اجماع کا اسلوب	۲۰۷
مصلحت عامہ	۲۰۹
سدِّ ذریعہ	۲۱۱
تفسیرِ نصوص	۲۱۳

اسبابِ نزول کا بیان ۲۱۶

ناسخ ومنسوخ کا بیان ۲۲۱

قوانینِ امم سابقہ کا بیان ۲۲۲

☆۔باب چہارم: اجتہاداتِ صحابہؓ کی قانونی حیثیت ۲۲۵

اِجماعِ صحابہؓ ۲۲۶

اِتفاق خلفائے راشدینؓ ۲۲۷

شیخین کا اتفاق ۲۳۱

مشہور قولِ صحابی جس پر دوسرے خاموش ہیں ۲۳۳

اتفاق کے بعد اختلاف ۲۴۵

اختلاف کے بعد اتفاق ۲۴۸

اجماعِ صحابہؓ سے تابعی کی مخالفت ۲۵۱

اِجماعِ صحابہؓ سے نسخ ۲۵۸

منفرد قولِ صحابی ۲۵۹

حنفی علمائے اصول کی آراء ۲۵۹

مالکی اصولیین کا موقف ۲۶۴

شافعی علمائے اصول کا نقطۂ نظر ۲۶۵

حنبلی اصولیین کا مسلک ۲۶۹

ظاہری، اشعری، معتزلی اور دیگر علماء کی آراء ۲۷۱

قائلین کے دلائل ۲۷۱

مخالفین کے دلائل ۲۹۱

فریقین کے دلائل کا جائزہ ۳۰۶

صحابہؓ کے اختلافی اقوال ۳۰۸

دلیل کے ساتھ ترجیح ۳۱۲

دو اقوال پر اتفاقِ صحابہؓ کے بعد تیسرا قول لانا ۳۱۴

صحابہؓ کے دو اقوال میں سے ایک پر اتفاق ۳۱۸

اجتہادِ صحابی کی صحابی پر حجیت ۳۲۷

مذہبِ صحابی سے عموم کی تخصیص ۳۳۱

☆۔باب پنجم: اجتہاداتِ صحابہؓ کے اسلامی قانون پر اثرات ۳۳۷

صحابہؓ کے فقہی مدارس اور ائمہ مذاہب کی تاریخی وفکری اساسیات ۳۳۸

مدرسہ حضرت ابن عباسؓ اور امام شافعیؒ ۳۴۱

مدرسہ حضرت زیدؓ و حضرت ابن عمرؓ اور امام مالکؒ و امام شافعیؒ ۳۴۴

مدرسہ حضرت ابن مسعودؓ اور امام ابوحنیفہؒ و امام شافعیؒ ۳۵۲

امام محمدؒ و امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ ۳۵۹

مدرسہ حضرت ابوموسیٰؓ و حضرت انسؓ اور تابعین ۳۵۹

مدرسہ حضرت معاذؓ اور امام اوزاعیؒ ۳۶۰

مدرسہ حضرت عبداللہ بن عمروؓ اور امام لیثؒ ۳۶۲

نص اور رائے پر صحابہؓ کا موقف اور ائمہ اربعہ کا رجحان ۳۶۴

مختلف جہتوں سے صحابہؓ کے فقہی گروہ ۳۶۴

پہلی جہت: نصوص سے استفادہ ۳۶۴

دوسری جہت: نص نہ ہونے پر رائے کا استعمال ۳۶۷

امام ابوحنیفہؒ اور رائے کا استعمال ۳۷۰

امام مالکؒ اور رائے کا استعمال ۳۷۲

امام شافعیؒ اور رائے کا استعمال ۳۷۴

امام احمد بن حنبلؒ اور رائے کا استعمال ۳۷۵

اصحابِ حدیث اور اصحابِ رائے ۳۷۵

اختلافِ صحابہؓ کا اسلامی قانون پر اثر و نفوذ ۳۷۹

اختلافِ صحابہؓ پر اقوالِ ائمہ ۳۸۱

اسبابِ اختلافِ صحابہؓ ۳۸۲

اختلافِ صحابہؓ کا اثر و نفوذ ۳۹۰

اسلامی قانون میں اجتہاداتِ صحابہؓ سے استدلال ۳۹۴

طہارت ۳۹۵

وضو ۳۹۷

تیمم ۳۹۹

نماز	۴۰۱
نمازِ جمعہ	۴۰۶
سجدۂ تلاوت	۴۰۷
مریض کی نماز	۴۰۸
مسافر کی نماز	۴۱۰
نمازِ عید	۴۱۱
نمازِ جنازہ	۴۱۲
زکوٰۃ	۴۱۵
روزہ	۴۱۸
اعتکاف	۴۱۹
حج	۴۲۰
نکاح	۴۲۲
رضاعت	۴۲۶
مدتِ حمل	۴۲۶
طلاق	۴۲۸
خُلع	۴۳۱
عدّت	۴۳۲
رجعت	۴۳۲
ایلاء	۴۳۴
ظہار	۴۳۴
میراث	۴۳۵
وصیّت	۴۳۶
بیوع	۴۳۷
اجارہ	۴۳۸
گواہی	۴۳۹
نے	۴۴۰

قسم ونذر	۴۴۱
قصاص	۴۴۲
دِیَت	۴۴۴
رجم	۴۴۶
چوری	۴۴۶
شراب نوشی	۴۴۷
اِرتداد	۴۴۷
رجال	۴۴۹
حضرات صحابہ کرامؓ	۴۴۹
دیگر شخصیات	۴۵۸
مصادر ومراجع	۴۶۹
اصطلاحات	۴۸۹

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ

وَّعَلٰى اَصۡحَابِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكۡ وَسَلِّمۡ

پیش لفظ

امام مالکؒ (م ۱۷۹ھ) نے فرمایا تھا کہ انہوں نے الموطا ۴۰ سال میں تالیف کی تھی۔ اس بات سے حوصلہ لیتے ہوئے اور امام عالی مقامؒ سے نسبت قائم کرنے کے شوق میں یہ عرض ہے کہ زیرِ نظر کتاب کی تالیف کا عرصہ ۲۰ سے زائد برسوں پر محیط ہے۔

اس کتاب کی شروعات ۱۹۹۳ء میں ہوئیں جب میں نے مرکز تحقیق دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری لاہور کے فقہی و تحقیقی مجلّہ ''منہاج'' کے لیے ''قولِ صحابی کی فقہی حیثیت'' پر ایک مضمون لکھا جو اپریل ۱۹۹۴ء میں شائع ہوا تھا۔ بعد میں یہی مضمون میرے پی ایچ ڈی کے خاکہ (Synopsis) کی اساس بنا جسے میں نے ۱۹۹۶ء میں پنجاب یونیورسٹی میں جمع کرایا اور جو ۱۹۹۷ء میں منظور ہوا۔ ''آثارِ صحابہؓ کی تشریعی حیثیت اور فقہِ اسلامی پر اُن کے اثرات'' کے موضوع پر اپنا مقالہ ۲۰۰۳ء میں پیش کیا جس پر ۲۰۰۵ء میں یونیورسٹی نے مجھے ڈاکٹریٹ کی ڈگری دی اور مقالہ شائع کرنے کی اجازت بھی دی۔

پی ایچ ڈی کا مقالہ مقررہ مدت میں لکھنا اور جمع کرانا ہوتا ہے۔ موضوع کی اہمیت کے باعث مجھے یہ احساس اور خواہش تھی کہ اس پر مزید کام کروں۔ لہٰذا مقالہ جمع کرانے کے بعد ۲۰۱۴ء تک اس موضوع پر کام جاری رہا اور بالآخر ''اسلامی قانون کی تشکیل میں صحابہؓ کا کردار'' کے نام سے یہ کتاب مکمل ہوئی، اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ۔

میں نے یہ کتاب تالیف کرنے کے دوران میں اُن قارئین کو پیش نظر رکھا ہے جو اسلامی قانون کے متعلق جاننے کا ذوق وشوق رکھتے ہیں۔ یہ کوشش کی گئی ہے کہ فقہی و قانونی مباحث کو آسان پیرائے میں بیان کیا جائے تاکہ یہ کتاب عام قاری کی اسلامی قانون سے دلچسپی اور ذوق میں اضافہ کا باعث بنے۔

اس کتاب کی نظر ثانی میرے فاضل دوست حافظ عبداللہ صاحب استاذ شیخ زائد اسلامک سنٹر پنجاب یونیورسٹی نے کی ہے۔ آپ نے اپنی قیمتی مصروفیات کے باوجود متعدد نشستوں میں کتاب کا متن پڑھا اور بعض

اصلاحات تجویز فرمائیں۔ اس ضمن میں پہلی نشست ۵ فروری ۲۰۱۴ء اور آخری ۴ نومبر ۲۰۱۴ء کو ہوئی تھی۔

قرآنی آیات کے ترجمہ کے لیے مولانا شاہ عبدالقادرؒ (م ۱۸۱۵ء)، مولانا شاہ رفیع الدینؒ (م ۱۸۱۸ء)، مولانا شاہ محمد احمد رضا خان بریلویؒ (م ۱۹۲۱ء)، مولانا فتح محمد جالندھریؒ (م ۱۹۲۹ء)، مولانا اشرف علی تھانویؒ (م ۱۹۴۳ء)، مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ (م ۱۹۷۹ء) اور پیر محمد کرم شاہ الازہریؒ (۱۹۹۸ء) کے تراجم سے استفادہ کیا گیا ہے۔ اگر کسی آیت کے ایک ترجمہ کے کسی لفظ کے مقابلہ میں دوسرے ترجمہ میں بہتر لفظ محسوس کیا تو اسے اختیار کرلیا گیا ہے۔

قرآنی آیات اور نبوی احادیث پر اِعراب لگانے، مصادر سے اخذ کرنے اور حوالہ جات کے اندراج میں بھرپور انسانی احتیاط برتی گئی ہے۔ اس کے باوجود اگر کوئی غلطی رہ گئی ہے تو اللہ تعالیٰ سے میں معافی مانگتا ہوں اور معزز قارئین سے گزارش کرتا ہوں کہ وہ ایسی غلطی سے مطلع فرمائیں۔

اس کتاب کی تالیف میں جن حضرات نے تعاون کیا، میں ان سب محسنین کے لیے دعا گو ہوں۔ میں نے اس کتاب کی تیاری میں جن لائبریریوں سے استفادہ کیا ہے، دعا ہے کہ وہ ہمیشہ آباد رہیں۔

الفیصل ناشران وتاجرانِ کتب لاہور کے سربراہ جناب محمد فیصل صاحب کا شکریہ ادا کرنا بھی ضروری ہے کہ انہوں نے اس کتاب کی اشاعت کا اہتمام کیا۔

آخر میں اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ یہ کام قبول فرمالیں۔ اللہ تعالیٰ مجھے، میرے والدین اور اساتذہ کرام، میری بیوی اور اولاد، میرے بھائی اور بہنوں، میرے دوست اور احباب اور دیگر تمام مسلمانوں کی مغفرت فرمادیں اور یہ بھی دعا ہے کہ ہمیں روزِ آخرت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت نصیب ہو، آمین۔

عرفان خالد ڈھلوں

لاہور

۲۷ رمضان ۱۴۳۷ھ/ ۲ جولائی ۲۰۱۶ء

باب اوّل

اسلام میں صحابہؓ کا مقام

اس باب میں اسلامی قانون کے دو بنیادی مآخذ قرآن مجید اور احادیثِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ اقوالِ ائمہ کی روشنی میں صحابہ کرامؓ کا مقام و مرتبہ بیان کیا گیا ہے۔ اسلامی قانون کی تشکیل میں صحابہؓ کے کردار پر بحث کرنے سے قبل یہ جاننا ضروری ہے کہ اسلام میں صحابہ کرامؓ کس مقام و مرتبہ پر فائز ہیں۔ یہ اس لیے ضروری ہے کہ جو شخص جتنا زیادہ اہم اور صاحبِ مرتبہ ہوتا ہے اس کا قول اور فعل اتنا ہی زیادہ اہم ہوتا ہے۔

اس مقصد کے لیے باب اوّل کو مندرجہ ذیل چار فصول میں تقسیم کیا گیا ہے۔ ان کے تحت بحث کے نتیجہ میں یہ بات نکھر کر اور واضح ہو کر سامنے آجائے گی کہ اسلام میں صحابہ کرامؓ اہم ترین مقام پر فائز ہیں:

☆ صحابی کی تعریف

☆ امتیازاتِ صحابہؓ

☆ صحابہؓ کو مغفرت کی بشارتیں

☆ عدالتِ صحابہؓ

صحابی کی تعریف

لغوی تعریف

عربی زبان میں لفظ صحابی صُحْبَةٌ سے ماخوذ ہے۔ قاضی ابوبکر باقلانیؒ کے مطابق علمائے لغت کے مابین اس امر میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ لفظ صحابی صُحْبَةٌ سے نکلا ہے(۱)۔ اسی سے لفظ صاحب ہے اور صاحب ساتھی کو کہتے ہیں۔ حافظ سخاویؒ نے لکھا ہے: لغوی طور پر صحابی کا اطلاق اس پر ہوتا ہے جو ساتھی ہو اور ساتھ رہے(۲)۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت ابوبکر صدیقؓ کو ہجرت سے آگاہ فرمایا تو انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی: اَلصُّحْبَةَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ؟ یارسول اللہ! کیا میں بھی آپ کے ساتھ ہوں گا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اَلصُّحْبَةُ (۳) ہاں تم بھی میرے ساتھ ہو گے۔ اس سے قبل جب حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ہجرت کی اجازت طلب کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں فرمایا تھا:

لَا تَعْجَلْ لَعَلَّ اللّٰهُ يَجْعَلُ لَكَ صَاحِبًا (۴)

جلدی مت کرو، شائد اللہ تمہارے لیے کوئی ساتھی بنادے

لہٰذا لغوی طور پر ''صحابی'' کا لفظ اس شخص کے لیے بولا جاتا ہے جو کسی کی صحبت میں رہے، اس کا ساتھی ہو، اس کا صاحب ہو اور اس کے ساتھ رہنا خود پر لازم کرلے۔

محدّثین کے نزدیک صحابی کی تعریف

محدّثین نے صحابی کی تعریف میں مختلف پیرائے اختیار کیے ہیں:

امام مالکؒ کے نزدیک جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاتے ہوئے آپ کے ساتھ ایک سال

۱۔ الکفایة فی علم الروایة ص۵۱۔ التقیید والإیضاح ص۲۹۶۔ فتح المغیث ۴/۷۸۔ تهذیب الأسماء واللغات ص۱۷۳

۲۔ فتح المغیث ۴/۷۷

۳۔ ابن ہشام، السیرة النبویة ۲/۱۲۹۔ ابن کثیر، السیرة النبویة ۲/۲۳۳

۴۔ ابن ہشام، السیرة النبویة ۲/۱۲۴، ۱۲۸۔ ابن کثیر، السیرة النبویة ۲/۲۳۲

یا ایک ماہ یا ایک دن رہا یا آپ کو دیکھا، وہ آپ کے صحابہؓ میں سے ہے(۱)۔

امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک ہر وہ شخص جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں ایک سال یا ایک ماہ یا ایک دن یا ایک لحہ رہا یا آپ کا دیدار کیا وہ آپ کے صحابہؓ میں سے ہے(۲)۔

امام بخاریؒ لکھتے ہیں: مسلمانوں میں سے جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں رہا یا آپ کو دیکھا وہ آپ کے صحابہؓ میں سے ہے(۳)۔

حافظ خطیب بغدادیؒ نے کہا ہے: ہمارے نزدیک صحابی وہ ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں رہا خواہ یہ صحبت دن میں ایک لحہ کے لیے ہو(۴)۔

ابن الصلاحؒ نے لکھا ہے: علمائے حدیث کے ہاں معروف یہ ہے کہ جس مسلمان نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا وہ آپ کے صحابہؓ میں سے ہے(۵)۔

محی الدین نوویؒ نے محدثین کی تعریف کو صحیح قرار دیا ہے(۶)۔

حافظ ابن کثیرؒ نے صحابی ہونے کے لیے حالتِ اسلام میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار ضروری قرار دیا ہے۔ انہوں نے طویل صحبتِ نبوی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی شرط نہیں لگائی۔ وہ لکھتے ہیں: جمہور سلف اور خلف علماء کا یہی قول ہے(۷)۔

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے صحابی کی تعریف یوں کی ہے: جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاتے ہوئے آپ سے ملاقات کی اور اسلام پر فوت ہوا(۸)۔

جلال الدین سیوطیؒ نے بھی حافظ ابن حجر عسقلانیؒ جیسی تعریف کی ہے(۹)۔

اصولیین کے ہاں صحابی کی تعریف

صحابی کی تعریف میں چند مشہور علمائے اصولِ فقہ کے اقوال یہ ہیں:

۱۔ مجموع فتاویٰ إبن تیمیة ۲۰/۲۹۸

۲۔ مناقب احمد بن حنبل ص ۱۶۱۔ الکفایة فی علم الروایة ص ۵۱

۳۔ صحیح البخاری، کتاب المناقب، باب فضائل أصحاب النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم ۱/۵۱۵

۴۔ الکفایة فی علم الروایة ص ۵۰

۵۔ علوم الحدیث ص ۲۶۳

۶۔ تهذیب الأسماء واللغات ص ۱۷۳۔ صحیح مسلم بشرح النووی، کتاب الفضائل، باب فضل الصحابة ثم الذین یلونهم ۱۶/۸۵۔ التقریب ص ۳۴

۷۔ الباعث الحثیث شرح اختصار علوم الحدیث ص ۱۶۹

۸۔ الإصابة ۱/۷۔ نزهة النظر ص ۵۷

۹۔ تدریب الراوی ۲/۲۰۹

ابوالحسین بصریؒ نے صحابی کے لیے دو باتوں کا ہونا ضروری قرار دیا ہے: ایک یہ کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجالس میں طویل عرصہ بیٹھا ہو...... اور دوسری بات یہ کہ وہ آپ کا تابع بن کر، آپ سے استفادہ اور اِتباع کرنے کی غرض سے آپ کے پاس طویل عرصہ ٹھہرا ہو(۱)۔

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں: ہر وہ شخص صحابی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس خواہ ایک لمحہ کے لیے بیٹھا ہو اور اگر چہ آپ سے ایک جملہ ہی سنا ہو، یا آپ سے کوئی معاملہ دیکھا ہو اور پھر اسے یاد رکھا ہو(۲)۔

ابوالخطاب کلوذانیؒ لکھتے ہیں: اکثر علماء کے مطابق صحابی وہ ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اِتباع اور پیروی کی غرض سے آپ کے پاس طویل عرصہ ٹھہرا رہا ہو(۳)۔

سیف الدین آمدیؒ نے لکھا ہے: ہمارے اکثر اصحاب اور امام احمد بن حنبلؒ کی رائے میں صحابی وہ ہے جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا، اگر چہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت کے خواص سے بہرہ ور نہ ہو سکا، نہ آپ سے روایت کی اور نہ آپ کی صحبت میں زیادہ عرصہ رہا ہو(۴)۔ ابن حاجبؒ نے بھی صحابی کے لیے ضروری قرار دیا ہے کہ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار کیا ہو(۵)۔

عبدالعزیز بخاریؒ نے جمہور اصولیین کے نزدیک صحابی کی یہ تعریف لکھی ہے: یہ نام اس شخص کے لیے ہے جس نے خود کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاص کر لیا ہو اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اِتباع اور آپ سے استفادہ کرنے کی غرض سے آپ کے ساتھ طویل عرصہ رہا ہو(۶)۔

قاضی محب اللہ نے صحابی کی تعریف میں لکھا ہے: صحابی وہ ہے جو مسلمان ہو اور جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرتے ہوئے آپ کی طویل صحبت پائی ہو(۷)۔

دیگر علماء نے بھی صحابی کی تعریف کی ہے۔ مثلاً سعید بن میسبؒ کے نزدیک صحابی وہ ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک یا دو سال ٹھہرا ہو یا آپ کے ہمراہ ایک یا دو غزوات میں شرکت کی ہو(۸)۔ واقدیؒ کا یہ قول ہے: میں نے اہلِ علم کو یہ کہتے ہوئے دیکھا کہ صحابی وہ ہے جس نے اپنی بلوغت اور حالتِ اِیمان میں رسول اللہ

۱۔ المعتمد فی أصول الفقه ۲/۱۷۲

۲۔ ابن حزم، الإحکام فی أصول الأحکام ۵/۸۹

۳۔ التمهید فی أصول الفقه ۳/۱۷۳

۴۔ آمدی، الإحکام فی أصول الأحکام ۲/۳۲۱

۵۔ منتهٰی الوصول و الأمل ص۸۱

۶۔ عبدالعزیز بخاری، کشف الأسرار ۲/۱۲/۷

۷۔ مسلّم الثبوت ۲/۱۵۸

۸۔ الکفایة فی علم الروایة ص ۵۰۔ التقریب ص۳۴۔ تدریب الراوی ۲/۲۱۱

صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار کیا ہو(۱)۔

محدثین اور اصولیین کی تعریفات کا جائزہ

صحابی کی تعریف میں علمائے حدیث اور علمائے اصولِ فقہ کے مابین اختلاف پایا جاتا ہے۔ ذیل میں ان کی بیان کردہ تعریفات میں اختلافات کا جائزہ لیا جاتا ہے:

ایمان کی شرط

بعض علماء نے صحابی کے لیے ایمان کی شرط کا صراحتاً ذکر کیا ہے، جبکہ بعض نے اس کا ذکر نہیں کیا۔ ان کا اس بات پر اتفاق ہے کہ صحابی کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مبارکہ میں آپ پر ایمان لانا ضروری ہے(۲)۔ جو شخص اُس عہد میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار اور ملاقات کے باوجود آپ پر ایمان کی سعادت سے محروم رہا وہ صحابی نہیں ہے، اگرچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے بعد اس کا قبولِ اسلام ثابت ہو(۳)۔

منافقین بھی دائرہ صحابیت سے خارج ہیں۔ ان کا دعویٰ اسلام اگرچہ حیاتِ نبوی میں تھا اور وہ صحبتِ نبوی بھی رکھتے تھے مگر ان کا اسلام، اقرار باللسان تھا، تصدیق بالقلب نہیں تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حذیفہ بن یمانؓ کو تمام منافقین کے نام بتا دیے تھے اور حکم فرمایا تھا کہ ان ناموں کو ظاہر مت کرنا(۴)۔ اس سوال پر کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان منافقین کے قتلِ عام کا حکم کیوں نہیں دیتے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا:

اَکْرَہُ اَنْ یَّتَحَدَّثَ النَّاسُ اَنَّ مُحَمَّدًا یَقْتُلُ اَصْحَابَہٗ (۵)

میں ناپسند کرتا ہوں کہ لوگ یہ باتیں کریں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے اصحاب کو قتل کر دیتے ہیں۔

اس حدیث میں لفظ اَصْحَاب اپنے اصطلاحی معنی میں استعمال نہیں ہوا ہے۔ اس سے صحابہؓ مراد نہیں بلکہ قوم کے بعض لوگ ہیں جن کا کردار منافقانہ تھا۔ حضرت حذیفہ بن یمانؓ سے مروی ایک روایت میں ہے کہ جب صحابہ کرامؓ نے عرض کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان منافقین کے قبائل کو پیغام بھیجیں کہ ہر قوم اپنے منافق کا سر آپ کے پاس بھیج دے تو یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا:

لَا، اَکْرَہُ اَنْ یَّتَحَدَّثَ الْعَرَبُ بَیْنَھَا اَنَّ مُحَمَّدًا قَاتَلَ لِقَوْمِہٖ، حَتّٰی اِذَا اَظْھَرَ اللّٰہُ

۱۔ الکفایة فی علم الروایة ص ۵۰۔ تدریب الراوی ۲/۲۱۲۔ أسد الغابة ۱/۱۱۹۔ التقیید والإیضاح ص ۲۹۵

۲۔ شرح مختصر الروضة ۲/۱۸۵۔ البحر المحیط فی أصول الفقه ۴/۳۰۳

۳۔ شرح الکوکب المنیر ۲/۴۶۷۔ المواهب اللدنیة ۳/۳۷۸

۴۔ البدایة والنهایة ۵/۱۹

۵۔ حوالہ بالا

بِهِمْ أَقْبَلَ عَلَيْهِمْ يَقْتُلُهُمْ (۱)

نہیں، میں یہ ناپسند کرتا ہوں کہ عرب آپس میں یہ باتیں کریں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنی ہی قوم کے قاتل ہیں، جب اللہ تعالیٰ آپ کو ان پر غلبہ عطا کریں گے تو آپ ان کے قتل کی طرف متوجہ ہو جائیں گے۔

اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو منافقین کے جنازہ سے بھی منع کر دیا تھا:

وَ لَا تُصَلِّ عَلٰۤى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّ لَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ اِنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ مَاتُوْا وَ هُمْ فٰسِقُوْنَ (۲)

اور (پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم!) ان میں سے کوئی مر جائے تو آپ کبھی اس پر نمازِ جنازہ نہ ادا کریں اور نہ ان کی قبر پر جا کر کھڑے ہوں۔ یہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کفر کرتے رہے اور نافرمان ہو کر ہی مرے۔

اہل کتاب میں سے جس نے اعلانِ نبوت سے قبل آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی وہ صحابی نہیں ہے (۳)۔ وہی ملاقات معتبر ہے جو اعلانِ نبوت کے بعد حالتِ ایمان میں ہو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی ہونے کی شہادت دینا کافی نہیں ہے۔ اسی لیے ورقہ بن نوفل صحابی نہیں ہیں، حالانکہ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نبی ہونا جان لیا تھا مگر اعلانِ نبوت نہیں ہوا تھا۔ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ورقہ بن نوفل کے بارے میں پوچھا گیا۔ حضرت خدیجہؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: ورقہ نے آپ کی تصدیق کی تھی اور وہ آپ کے نبی ظاہر ہونے سے پہلے وفات پا گئے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا:

أُرِيتُهُ فِي الْمَنَامِ وَعَلَيْهِ ثِيَابٌ بَيَاضٌ وَ لَوْ كَانَ مِنْ أَهْلِ النَّارِ لَكَانَ عَلَيْهِ لِبَاسٌ غَيْرُ ذٰلِكَ (۴)

مجھے وہ خواب میں دکھائے گئے اور ان پر سفید لباس تھا، اگر وہ اہل جہنم میں سے ہوتے تو ان پر کوئی اور لباس ہوتا۔

۱۔ البداية و النهاية ۵/۲۰

۲۔ التوبة ۹:۸۴

۳۔ الإصابة ۱/۷۔ نزهة النظر ص ۵۷۔ فتح المغيث ۴/۸۲

۴۔ جامع الترمذی، ابواب الرؤيا عن رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم، باب ما جاء فی رؤیا النبی صلی اللّٰه علیه وسلم فی المیزان و الدلو
امام ترمذیؒ نے یہ حدیث بیان کرنے کے بعد لکھا ہے: یہ حدیث غریب ہے۔ اس حدیث کا ایک راوی عثمان بن عبدالرحمٰن علمائے حدیث کے نزدیک قوی نہیں ہے۔ غریب حدیث سے مراد وہ حدیث ہے جسے روایت کرنے والا صرف ایک شخص ہو۔

جس نے یہ جان کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی کہ آپ نبی مبعوث ہوں گے لیکن وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا عہد نہ پا سکا وہ صحابی نہیں ہے، جیسے بُحَیْرَہ راہب (۱)۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کے بعد اور آپ کی حیات مبارکہ میں یا آپ کی رحلت کے بعد جو شخص مرتد ہو کر مرا وہ صحابی نہیں ہے (۲)، جیسے عبیداللہ بن جحش، مقیس بن صُبابہ اور ابن خطل۔

اگر ایمان وصحبتِ نبوی پانے کے بعد، حیاتِ نبوی ہی میں کوئی شخص مرتد ہو جانے کے بعد دوبارہ مسلمان

۱۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چچا جناب ابو طالب کے ہمراہ تجارتی سفر پر شام گئے تھے۔ ان کا تجارتی قافلہ شام کے علاقہ بُصریٰ میں ٹھہرا۔ یہاں بُحَیْرَہ نامی ایک مسیحی راہب رہتا تھا۔ اس نے قافلہ والوں کی ضیافت کی۔ اس میزبانی کی وجہ یہ تھی کہ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قافلے میں یوں دیکھا کہ ایک بادل آپ کے اوپر سایہ فگن تھا اور جس درخت کے نیچے آپ تشریف فرما ہوئے اس کی ڈالیاں بھی آپ پر جھک گئی تھیں۔ اس ضیافت پر بُحَیرہ نے سب قافلہ والوں کو بلایا تھا۔ بحیرہ کے پوچھنے پر لوگوں نے کہا کہ سوائے ایک چھوٹے بچے ۔ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ۔ کے سب آ گئے ہیں۔ وہ بچہ عمر میں سب سے چھوٹا ہونے کی وجہ سے ہمارے کجاووں کے پاس رہ گیا ہے۔ بحیرہ آپ کو لے کر آیا، سب لوگوں کے ساتھ بٹھایا اور آپ کو بغور دیکھنے لگا۔ بحیرہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ سوالات پوچھے جس کے آپ نے جوابات دیئے۔ اس نے آپ کی پُشت مبارک اور آپ کے دونوں شانوں کے درمیان مہرِ نبوت دیکھی۔ اس نے آپ کے چچا جناب ابو طالب سے بھی سوالات پوچھے۔ اس نے جناب ابو طالب سے کہا: اپنے بھتیجے کو لے کر واپس چلے جاؤ اور یہود سے اس کی حفاظت کرو۔ اگر انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ لیا اور جو کچھ میں نے اس بچے کے بارے میں جان لیا ہے اگر یہودیوں کو بھی معلوم ہو گیا تو وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ضرور نقصان پہنچائیں گے۔ تمہارے اس بھتیجے کی بڑی شان ہونے والی ہے۔ ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ ۱/۱۹۱، ۱۹۴۔ ابن کثیر، السیرۃ النبویۃ ۱/۲۴۳

بُحَیْرَہ راہب کا واقعہ امام ترمذیؒ نے بھی تفصیل کے ساتھ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ سے روایت کیا ہے۔ اس روایت میں یہ بھی ہے کہ بحیرہ کے کہنے پر جناب ابو طالب نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت ابو بکرؓ اور حضرت بلالؓ کے ہمراہ واپس بھیج دیا تھا۔ امام ترمذیؒ نے کہا ہے کہ یہ حدیث حَسن ہے غریب ہے اور ہم اس سند کے سوا کسی اور سند سے اس حدیث کو نہیں جانتے۔ جامع الترمذی، أبواب المناقب، باب ما جاء فی بدء نبوۃ النبی صلی اللہ علیہ و سلم ۔

شبلی نعمانیؒ (م ۱۹۱۴ء) نے لکھا ہے: ''یہ روایت ناقابلِ اعتبار ہے۔ اس روایت کے جس قدر طریقے ہیں سب مُرسَل ہیں، یعنی راوی اوّل واقعہ کے وقت موجود نہیں تھا، اور وہ اس راوی کا نام نہیں بیان کرتا جو شریکِ واقعہ تھا۔ اس روایت کا سب سے مستند طریقہ یہ ہے جو ترمذی میں مذکور ہے۔ ترمذیؒ نے اس روایت کے متعلق لکھا ہے کہ ''حسن اور غریب ہے، اور ہم اس حدیث کو اس طریقہ کے سوا کسی اور طریقہ سے نہیں جانتے''۔ حَسن کا رتبہ صحیح حدیث سے کم ہوتا ہے اور جب غریب ہو تو اس کا رتبہ اس سے بھی گھٹ جاتا ہے۔ اس حدیث کا ایک راوی عبدالرحمان بن غزوان ہے جو منکر حدیثیں بیان کرتا ہے۔ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ شریکِ واقعہ نہ تھے اور وہ اوپر کے راوی کا نام نہیں بتاتے۔ راویت کے مطابق حضرت ابو بکرؓ اور حضرت بلالؓ بھی اس سفر میں شریک تھے، حالانکہ اس وقت حضرت بلالؓ کا وجود بھی نہ تھا اور حضرت ابو بکرؓ بچے تھے۔ حافظ ابن حجرؒ رواۃ پرستی کی بنا پر اس حدیث کو صحیح تسلیم کرتے ہیں، لیکن چونکہ حضرت ابو بکرؓ اور حضرت بلالؓ کی شرکت بداہتہً غلط ہے، اس لیے مجبوراً اقرار کرتے ہیں کہ اس قدر حصہ غلطی سے روایت میں شامل ہو گیا ہے''۔ تفصیل ملاحظہ ہو: سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم از شبلی نعمانی ۱/۱۸۲ و مابعد

۲۔ الإصابة ۱/۸۔ فتح الباری ۷/۳۔ نزهة النظر ص ۵۸۔ فتح المغيث ۴/۸۳۔ شرح الكوكب المنير ۲/۴۶۷۔ تيسير التحرير ۳/۶۶

ہوا، پھر صحبت نبوی سے فیض یاب ہو کر اسلام پر جان دی تو وہ صحابی ہے(۱)، جیسے حضرت عبداللہ بن ابی سرحؓ۔

اگر ارتداد اور دوبارہ قبولِ اسلام کے بعد وہ شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ہی میں فوت ہوا مگر دیدار یا ملاقات نصیب نہ ہوئی، یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں جس سے ارتداد سرزد ہوا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے بعد وہ مسلمان ہو گیا اور مسلمان ہی فوت ہوا، جیسے اشعث بن قیس اور عمرو بن معدی کرب، تو اس کے صحابی ہونے میں علماء کا اختلاف ہے:

حنفی اور مالکی اصولیین کے مطابق ایسا شخص صحابی نہیں ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ صحبتِ نبوی بھی نماز اور روزہ کی طرح اعمال میں سے ہے۔ رجوع سے قبل کی صحبتِ نبوی، بوجہ ارتداد، اب کافر کی صحبتِ نبوی جیسی ہو گئی۔ قبولِ اسلام کے بعد، مرتد سے قبل از ارتداد اور پھر دورانِ ارتداد کی نمازوں اور روزوں کی قضا کا مطالبہ نہیں کیا جاتا۔ دیگر اعمال کی طرح صحبت بھی ارتداد سے باطل ہو جاتی ہے، جو مرتد کے رجوع سے نہیں لوٹے گی۔ مرتد کا دوبارہ قبولِ اسلام، جدید اسلام ہے(۲)۔

جمہور محدّثین اور شافعی اور حنبلی اصولیین کے نزدیک ایسا شخص صحابی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ارتداد سے سابقہ اعمال ضائع نہیں ہوتے۔ دوبارہ قبولِ اسلام سے سابقہ صحبتِ نبوی بھی لوٹ آئے گی(۳)۔

ان کی دلیل حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی یہ فرمانِ نبوی ہے:

أَنَا فَرَطُكُمْ عَلَى الْحَوْضِ وَ لَأُنَازِعَنَّ أَقْوَامًا لَأَغْلِبَنَّ عَلَيْهِمْ فَأَقُوْلُ رَبِّ أَصْحَابِيْ أَصْحَابِيْ فَيُقَالُ إِنَّكَ لَا تَدْرِيْ مَا أَحْدَثُوْا بَعْدَكَ (۴)

میں حوضِ کوثر پر تمہارا پیش رو ہوں گا۔ چند لوگوں سے متعلق مجھ سے جھگڑا ہو گا۔ پھر میں ان پر غالب رہوں گا اور کہوں گا: اے میرے رب! یہ میرے اصحاب ہیں، یہ میرے اصحاب ہیں۔ جواب ملے گا: آپ نہیں جانتے ان لوگوں نے آپ کے بعد جو نئی باتیں کیں۔

اوپر درج حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مذکور لوگوں کے متعلق جاننے کے باوجود انہیں

۱۔ التقييد و الإيضاح ص۲۹۲۔نزهة النظر ص۵۸۔شرح الكوكب المنير ۲/۴۶۸۔تيسير التحرير ۳/۶۶۔ مسلّم الثبوت ۲/۱۵۸

۲۔ البحر المحيط ۴/۳۰۴۔ حاشية البناني ۲/۱۶۷۔التقييد و الإيضاح ص۲۹۲۔فواتح الرحموت ۲/۱۵۸۔ ملا علی قاری، شرح نخبة الفكر ص۱۷۶۔تيسير التحرير ۳/۶۶

۳۔ فتح الباری ۷/۴۔ الإصابة ۱/۸۔ نزهة النظر ص۵۸۔ البحر المحيط ۴/۳۰۴۔ ابن حزم، الإحكام في أصول الأحكام ۵/۹۰

۴۔ صحيح مسلم، كتاب الفضائل، باب حوض نبيّنا صلى الله عليه و سلم و صفاته

اَصْحَابِیْ یعنی میرے اصحاب فرمایا(۱)۔

جمہور علماء کی ایک دلیل قرآن مجید کی یہ آیت ہے:

وَ مَنْ یَّرْتَدِدْ مِنْکُمْ عَنْ دِیْنِهٖ فَیَمُتْ وَ هُوَ كَافِرٌ فَاُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِی الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَةِ وَ اُولٰٓئِكَ اَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ (۲)

اور جو کوئی تم میں سے اپنے دین سے پھر جائے اور کافر ہی مرے، تو ایسے لوگوں کے اعمال دنیا اور آخرت دونوں میں برباد ہو جائیں گے اور یہی لوگ دوزخی ہیں جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔

مسئلہ مذکورہ میں دوسرے گروہ کی رائے لائق ترجیح ہے۔ ارتداد سے اس شخص کے سابقہ اعمال ضائع ہو جاتے ہیں جو کافر ہو کر مرے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت اشعث بن قیسؓ کے دوبارہ اسلام کو قبول فرما کر ان سے بیعت لی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا:

اَلْاِسْلَامُ یَجُبُّ مَا كَانَ قَبْلَهٗ (۳)

اسلام پچھلے تمام گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔

جب قبولِ اسلام سے سابقہ تمام گناہ جن میں ارتداد بھی شامل ہے، مٹ جاتے ہیں تو ان گناہوں کے اثرات بھی باقی نہیں رہتے۔

رؤیت کی شرط

اکثر محدثین نے صحابی کے لیے رؤیت یعنی دیدارِ نبوی کا ذکر کیا ہے۔ کچھ نے رؤیت کے بجائے لِقاء یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کو ضروری کہا ہے۔ بعض نے رؤیت اور لقاء دونوں کو ضروری قرار دیا ہے۔ جمہور اصولیین نے ملاقات وصحبت کی شرط لگائی ہے، البتہ بعض نے صحبت کے ساتھ رؤیت کا ذکر بھی کیا ہے۔

۱۔ اس حدیث کا متن بتاتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اِنَّكَ لَا تَدْرِیْ مَا اَحْدَثُوْا بَعْدَكَ سے پہلے اَصْحَابِیْ فرمایا تھا۔ مذکورہ حدیث میں لفظ اَصْحَابِیْ کے بارے میں ابن حجر عسقلانیؒ (م ۸۵۲ھ) نے اقوال لکھے ہیں کہ ان سے مراد وہ لوگ ہیں جو حضرت ابوبکر صدیقؓ کے عہد خلافت (۱۱ تا ۱۳ھ) میں مرتد ہو گئے تھے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ان کے خلاف قتال کیا اور وہ حالتِ کفر میں مارے گئے تھے۔ صحابہ کرامؓ میں سے کسی نے ارتداد کا ارتکاب نہیں کیا تھا۔ اس حدیث میں لفظ اَصْحَابِیْ سے مشہور صحابہ کرامؓ کی مذمت لازم نہیں آتی۔ بعض روایات میں لفظ اُصَیْحَابِیْ تصغیر کے ساتھ استعمال ہوا ہے جو لوگوں کی بہت قلیل تعداد پر دلالت کرتا ہے۔ فتح الباری، کتاب الرقاق، باب كيف الحشر ۳۸۵/۱۱ [السعودية]

۲۔ البقرة ۲:۲۱۷

۳۔ الطبقات الكبرىٰ ۴۹۷/۷

اگر رؤیتِ نبوی کی شرط ضروری قرار دی جائے تو اس سے وہ صحابہ کرامؓ جو کسی شرعی عذر اور مانع کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار نہ کر سکے، شرفِ صحابیت سے محروم ہو جاتے ہیں۔ مثلاً حضرت ابن اُمِ مکتومؓ نابینا تھے، حالانکہ وہ صحابہ کرامؓ میں سے ہیں۔ اس لیے رؤیت کے بجائے ملاقات کی شرط درست ہے۔ رؤیت کے حوالے سے علماء نے لکھا ہے کہ رؤیت وہی معتبر ہے جو اعلانِ نبوت کے بعد ہو(۱)۔ اعلانِ نبوت سے قبل کسی پیغمبر پر ایمان لانا شریعت کے مطالبات میں سے نہیں ہے۔

اگر کسی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو قبل از اعلانِ نبوت دیکھا اور اسی زمانہ میں وہ شخص دینِ ابراہیمی پر فوت ہو گیا تو وہ صحابی نہیں ہے، جیسے زید بن عَمرو بن نُفَیل۔

ایک مسئلہ خواب میں رؤیتِ نبوی کا ہے۔ حضرت انس بن مالکؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ رَاٰنِیْ فِی النَّوْمِ فَقَدْ رَاٰنِیْ اِنَّهٗ لَا یَنْبَغِی لِلشَّیْطَانِ اَنْ یَّتَمَثَّلَ فِیْ صُوْرَتِیْ (۲)

جس شخص نے مجھے خواب میں دیکھا اس نے مجھے ہی دیکھا، کیونکہ شیطان میری صورت میں نہیں آ سکتا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھ لینے سے اصطلاحی طور پر رؤیت ثابت نہیں ہوتی۔ اس سے کسی کا صحابی ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ صحابی ہونے کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عالمِ محسوسات میں دیکھنا ضروری ہے(۳)۔ اس بات پر علماء کا اِجماع (۴) ہے کہ جس شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے خواب میں دیکھا وہ صحابی نہیں ہے(۵)۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بذریعہ کشف (۶) دیکھنے سے بھی رؤیت ثابت نہیں ہوتی۔ رؤیت وہی معتبر ہے

۱۔ التقیید و الإیضاح ص۲۹۶ ۔فتح المغیث ۸۲/۴۔ المواهب اللدنیة ۳۸۰/۳

۲۔ صحیح مسلم، کتاب الرؤیا، باب قول النبی علیه الصلوٰة و السلام: مَنْ رَآنِیْ فِی الْمَنَامِ فَقَدْ رَآنِیْ

۳۔ التقیید و الإیضاح ص ۲۹۵

۴۔ اِجماع ایک تسلیم شدہ ماخذ قانونِ اسلامی ہے۔ علمائے اصولِ فقہ کے نزدیک اِجماع کی تعریف یوں ہے: حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے بعد کسی زمانہ میں امتِ مسلمہ کے مجتہدین کا کسی مسئلہ کے شرعی حکم پر متفق ہو جانا۔ اس اتفاق کے لیے کسی شرعی دلیل کا ہونا ضروری ہے۔ اسلامی اصولِ قانون میں اِجماع ایک قطعی دلیل ہے جس کی مخالفت جائز نہیں اور جسے ماننا لازمی ہے۔

۵۔ شرح الکوکب المنیر ۴۶۶/۲

۶۔ یہ تصوف کی اصطلاح ہے۔ اہلِ تصوف کے مطابق ایک سالک ریاضت کر کے اپنا باطن صاف کرتا اور سلوک کی منزلیں طے کرتا ہے۔ بالآخر وہ روحانی کیفیت کے اس مقام پر پہنچ سکتا ہے جہاں اس کی چشمِ باطن کے سامنے سے حقائق کے پردے اُٹھ جاتے ہیں۔ وہ ان حقائق کا مشاہدہ کر لیتا ہے جس کا ادراک ظاہری حواس سے نہیں کیا جا سکتا۔

جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت سے قبل اور اس عالمِ رنگ و بو میں ہو(۱)۔

قرآن مجید اور احادیث سے ثابت ہے کہ جنّوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن مجید سنا اور وہ آپ پر ایمان لائے تھے(۲)۔ انسانوں کی طرح جن بھی ایمان لانے کے مکلّف و ذمہ دار ہیں۔ جنّوں میں سے جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی وہ صحابہؓ کے حکم میں داخل ہیں۔ علماء کرام نے یہی رائے راجح قرار دی ہے(۳)۔

۱۔ فتح الباری ۷/۳۔ التقیید و الإیضاح ص ۲۹۵۔ المواهب اللدنية ۳/۳۸۱۔ الحاوی للفتاویٰ ۲/۴۵۴۔ الفتاویٰ الحدیثیة ص ۳۰۰

۲۔ قرآن مجید میں ہے: ﴿وَ اِذْ صَرَفْنَآ اِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ يَسْتَمِعُوْنَ الْقُرْاٰنَ فَلَمَّا حَضَرُوْهُ قَالُوْٓا اَنْصِتُوْا فَلَمَّا قُضِيَ وَلَّوْا اِلٰى قَوْمِهِمْ مُّنْذِرِيْنَ. قَالُوْا يٰقَوْمَنَآ اِنَّا سَمِعْنَا كِتٰبًا اُنْزِلَ مِنْ بَعْدِ مُوْسٰى مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ يَهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ وَ اِلٰى طَرِيْقٍ مُّسْتَقِيْمٍ﴾ [الأحقاف ۴۶: ۲۹-۳۰] اور جب ہم جنّات کی ایک جماعت کو آپ کی طرف لے آئے تھے تاکہ وہ قرآن سنیں۔ تو جب وہ آپ کی خدمت میں پہنچے تو (آپس میں) کہنے لگے: خاموش ہو کر سنو۔ جب تلاوت ہو چکی تو وہ ڈرانے والے اور خبردار کرنے والے بن کر اپنی قوم کی طرف پلٹے۔ انہوں نے جا کر کہا: اے ہماری قوم کے لوگو! ہم نے ایک کتاب سنی ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد نازل کی گئی ہے، اپنے سے پہلے نازل شدہ کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے اور سچے اور سیدھے راستے کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔

﴿قُلْ اُوْحِيَ اِلَيَّ اَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ فَقَالُوْٓا اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا﴾ [الجن ۷۲:۱] آپ فرما دیں: میری طرف وحی کی گئی ہے کہ جنّوں کی ایک جماعت نے قرآن کو بڑے غور سے سنا ہے، پھر انہوں نے (جا کر دوسرے جنّات کو) بتایا کہ ہم نے ایک عجیب قرآن سنا ہے۔

احادیث میں ہے: حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرامؓ کی ایک جماعت کے ہمراہ عکاظ بازار کے لیے روانہ ہوئے۔ آسمان کی خبروں اور شیاطین کے درمیان حجاب حائل ہو چکا تھا اور ان پر چنگاریاں پھینکی جانے لگیں۔ جب شیطان اپنی قوم کے پاس واپس لوٹے تو ان لوگوں نے پوچھا: کیا بات ہے؟ انہوں نے جواب دیا: آسمان کی خبر کے درمیان کوئی شے حائل ہو گئی ہے اور ہم پر چنگاریاں پھینکی جاتی ہیں۔ اس نے کہا: تمہارے اور آسمان کی خبر کے درمیان کوئی چیز حائل ہو گئی ہے، تم زمین کے مشرق و مغرب میں چل کر دیکھو کہ کون سی نئی بات ظاہر ہوئی ہے۔ وہ روانہ ہوئے اور زمین کے مشرق و مغرب میں پھرنے لگے کہ کون سی نئی بات ان کے اور آسمان کی خبر کے درمیان حائل ہو گئی ہے۔

جب وہ نخلہ کے مقام پر پہنچے تو وہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کرامؓ کو نماز کی امامت فرما رہے تھے۔ جب انہوں نے قرآن سنا تو اس کی طرف کان لگایا۔ یہ لوگ آپس میں کہنے لگے کہ یہی ہے جو تمہارے اور آسمان کی خبر کے درمیان حائل ہے۔ یہیں سے یہ لوگ اپنی قوم کے پاس لوٹ گئے اور کہا: اے ہماری قوم! ہم نے عجیب قرآن سنا ہے جو نیکی کی طرف رہنمائی کرتا ہے، ہم تو اس پر ایمان لے آئے ہیں اور ہم اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنائیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر آیت ﴿قُلْ اُوْحِيَ اِلَيَّ اَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ﴾ [الجن ۷۲:۱] نازل فرمائی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جن کے قول کے بارے میں بذریعہ وحی اطلاع دی گئی تھی۔ صحیح البخاری، کتاب التفسیر، باب قُلْ اُوْحِيَ اِلَيَّ

۳۔ فتح المغیث ۴/۸۰۔ شرح الکوکب المنیر ۲/۴۷۶۔ التقیید و الإیضاح ص ۲۹۵۔ المواهب اللدنية ۳/۳۸۰۔ فتح الباری ۷/۳۔ الإصابة ۱/۷

ملائکہ کی طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبعوث ہونے میں علماء کا اختلاف ہے(۱)۔ جمہور کے نزدیک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار (مثلاً سفرِ معراج میں) کرنے والے ملائکہ صحابی نہیں ہیں، کیونکہ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو عالمِ شہود میں نہیں دیکھا تھا۔ مزید یہ کہ حضرات صحابہ کرامؓ پر لکھنے والوں میں سے کسی نے بھی ملائکہ کو صحابہ میں شمار نہیں کیا ہے(۲)۔ یہی رائے راجح معلوم ہوتی ہے۔

لِقاء وصحبت کی شرط

جمہور اصولیین نے صحبتِ نبوی کو ضروری قرار دیا ہے۔ بعض محدثین نے بھی صحبت کی شرط لگائی ہے۔ بعض نے ''اِجتماع'' کا لفظ استعمال کیا ہے اور بعض نے ''لِقاء'' کا ذکر کیا ہے۔ ''لِقاء'' کا لفظ ''رؤیت''، ''صحبت'' اور ''اِجتماع'' سب کو شامل کرتا ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ کے مطابق: ''لِقاء'' میں بیٹھنا، چلنا، لین دین و معاملہ کرنا اور ایک کا دوسرے کے پاس بیٹھنا خواہ اس سے بات نہ کی ہو، سب شامل ہیں۔ ایک کا دوسرے کو دیکھنا بھی لقاء میں شامل ہے خواہ یہ دیکھنا ارادتاً ہو یا ایسا محض اتفاق سے ہو(۳)۔

اصولیین کہتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جس شخص کی صحبت ثابت ہو، اس کے لیے رؤیت ضروری نہیں ہے(۴)۔ محدثین کے مطابق جس شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا اس کی صحبت ثابت ہوگئی(۵)۔ دیکھنے کی شرط اس وقت ہے جب کوئی مانع موجود نہ ہو(۶)۔

جس نے حیاتِ نبوی کا زمانہ پایا، اسلام قبول کیا لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات نہ کی تو وہ صحابی نہیں ہے، جیسے اویس قرنیؒ۔ یحییٰ بن عثمان بن صالح مصریؒ کے نزدیک جس نے ایمان کے ساتھ حیاتِ نبوی کا عہد پالیا خواہ اس کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات نہ بھی ہوئی ہو، وہ صحابی ہے(۷)۔ لیکن یہ رائے تمام محدثین اور اصولیین کی آراء سے ہٹ کر ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلانِ نبوت سے قبل آپ سے جس شخص کی ملاقات ثابت ہو، وہ بعد از اعلانِ نبوت اسلام لایا مگر حالتِ ایمان میں اس کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات ثابت نہیں تو وہ صحابی

۱۔ فتح الباری ۳/۷۔ أسد الغابة ۱۲/۱۔ تفسیر الفخر الرازی ۴۵/۲۴۔ المواهب اللدنية ۲۶۹/۲۔ الیواقیت و الجواهر ۴۰/۲۔ الفتاویٰ الحدیثیة ص۶۲۔ فتح المغیث ۸۱/۴

۲۔ التقیید و الإیضاح ص۲۵۹۔ فتح المغیث ۸۱/۴۔ المواهب اللدنية ۲۶۶/۲

۳۔ حاشیة لقط الدرر شرح نخبة الفکر ص۱۱۴۔ إمعان النظر شرح نخبة الفکر ص۲۰۴

۴۔ البحر المحیط ۳۰۳/۴۔ ارشاد الفحول ص۱۲۹

۵۔ الإصابة ۷/۱۔ الباعث الحثیث ص۱۷۰

۶۔ المواهب اللدنية ۳۸۰/۳

۷۔ تدریب الراوی ۲۱۲/۲

نہیں ہے، جیسے عبداللہ بن ابی الحمساءؓ۔ جس نے بعد از اعلانِ نبوت مگر حالتِ کفر میں ملاقات کی، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت سے قبل مسلمان ہو گیا لیکن حالتِ ایمان میں ملاقات نہ ہوئی، وہ بھی صحابی نہیں ہے۔

جس نے حالتِ ایمان میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے بعد مگر قبل از تدفین آپ کو دیکھا، وہ بھی صحابی نہیں ہے، جیسے ابوذ ؤیب الہذ لیؒ۔ علماء نے یہی رائے راجح قرار دی ہے (۱)۔ جس نے اپنے زمانۂ کفر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی پھر آپ کی رحلت کے بعد مسلمان ہو گیا تو وہ بھی صحابی نہیں ہے (۲)۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جسے بطور سزا ملک بدر کر دیا وہ بھی صحابی نہیں ہے، کیونکہ اسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنی صحبت سے نکال دیا ہے (۳)، جیسے الحکم بن ابی العاص۔

طویل اور مطلق صحبت کی شرط

اصولیین کا ایک گروہ صحابی کے لیے طویل صحبتِ نبوی کا قائل ہے۔ ان میں ابوالحسین بصریؒ، کلوذانیؒ، عبدالعزیز بخاریؒ اور قاضی محب اللہ بہاری شامل ہیں (۴)۔ ان کے نزدیک ''صحابی'' کا اطلاق صرف اس شخص پر ہوتا ہے جس کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صحبت طویل اور مجالس کثیر ہوں۔ عرف میں ''صاحب'' وہ ہے جو اتنا طویل عرصہ کسی کے ساتھ رہا ہو جسے صحبت کہا جا سکے۔ عرف میں کسی چیز کا استعمال لغت میں اس کے استعمال پر مقدم ہوتا ہے (۵)۔ صحابی ہونا ایک عظیم شرف و منزلت ہے جو اس وقت تک حاصل نہیں ہو سکتی جب تک صحبت میں رہ کر اس شخص کی طبیعت اور عادات ظاہر نہ ہو جائیں (۶)۔

اصولیین کا دوسرا گروہ محدثین کی طرح مطلق صحبت کا قائل ہے۔ ان میں ابن حزمؒ، قاضی ابویعلیٰؒ، آمدیؒ اور ابن حاجبؒ وغیرہ شامل ہیں۔ ان کے نزدیک لغت میں صحبت سے مراد صاحب کا مصحوب کے ساتھ اکٹھا ہونا ہے۔ صحبت قلیل اور کثیر دونوں مدتوں کے لیے ہوتی ہے (۷)۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت نصیب ہو جانا ہی

۱۔ البحر المحیط ۳۰۵/۵۔ فتح الباری ۳/۷۔ شرح الکوکب المنیر ۴۶۶/۲۔ فتح المغیث ۸۰/۴۔ المواھب اللدنیۃ ۳۸۰/۳

۲۔ تدریب الراوی ۲۰۹/۲۔ الإصابۃ ۷/۱

۳۔ ابن حزم، الإحکام فی أصول الأحکام ۸۹/۵

۴۔ المعتمد فی أصول الفقہ ۱۷۲/۲۔ عبدالعزیز بخاری، کشف الأسرار ۵۶۰/۲۔ تیسیر التحریر ۶۶/۳۔ مسلّم الثبوت ۱۵۸/۲۔ نہایۃ الوصول ۲۹۰۹/۷

۵۔ تیسیر التحریر ۶۶/۳

۶۔ حوالہ بالا ۶۶/۳

۷۔ آمدی، الإحکام فی أصول الأحکام ۳۲۱/۲۔ ابن حزم، الإحکام فی أصول الأحکام ۹۱/۵۔ منتھی الوصول والأمل ص ۸۱۔ العدۃ فی أصول الفقہ ۹۸۸/۳۔ التمہید فی أصول الفقہ ۱۷۳/۳

عظیم شرف ومنزلت ہے، حتیٰ کہ جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار کرلیا وہ بھی صحابی ہے(۱)۔

طویل صحبت کی شرط عائد کرنے والے علماء اس کی کم از کم مدت میں اختلاف رکھتے ہیں۔ سعید بن مسیّبؒ کے نزدیک یہ مدت ایک سال اور ایک غزوہ میں شرکت ہے۔ عبدالعزیز بخاریؒ نے اپنے شیخ المایمرغیؒ سے روایت کیا ہے کہ یہ مدت چھ ماہ ہے(۲)۔ امام غزالیؒ، ابن اثیرؒ، زرکشیؒ اور قاضی محب اللہ بہاریؒ وغیرہ کے نزدیک یہ مدت متعین نہیں ہے(۳)۔

بعض اصولیین مثلاً ابوالحسین بصریؒ نے کثرتِ مجالس کی شرط لگائی ہے جس کی رُو سے وفود کی صورت میں آ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کرنے والے لوگ صحابہؓ میں شمار نہیں ہوتے(۴)۔ ابن فُورکؒ نے بھی وفود کو صحابہؓ میں شمار نہیں کیا(۵)۔

غزوات میں شرکت کی شرط

سعید بن میبؒ نے صحابی کے لیے ایک یا دو غزوات میں شرکت ضروری قرار دی ہے۔ لیکن اس سے حضرت حسّان بن ثابتؓ صحابی نہیں رہتے، کیونکہ آپ نے کسی غزوہ میں شرکت نہیں کی تھی۔ اس تعریف پر تنقید کی گئی ہے۔ ابن الصلاحؒ کے نزدیک یہ قول سعید بن میبؒ کی طرف منسوب کرنا صحیح نہیں ہے، اس کی اسناد میں ایک ضعیف راوی محمد بن عمر واقدی ہے(۶)۔ امام نوویؒ کے مطابق یہ قول ضعیف ہے(۷)۔ ابن حجر عسقلانیؒ نے لکھا ہے: مسلمانوں کا عمل اس قول کے خلاف ہے(۸)۔

اِتباع واخذِ علم کی شرط

بعض اصولیین مثلاً ابوالحسین بصریؒ اور کلوزانیؒ وغیرہ نے صحبتِ نبوی کے لیے یہ شرط عائد کی ہے کہ وہ اِتباع اور اخذِ علم کی غرض سے ہو۔ اس شرط کا صراحت سے ذکر غیر ضروری ہے۔ ایک مسلمان کے لیے ایمان کے ساتھ ساتھ اطاعتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو لازم کر لینا بھی ضروری ہوتا ہے ورنہ ایمان قبول نہیں ہے، صحابی ہونا تو

۱۔ قواطع الأدلة ۱/۳۹۲، ۳۹۳

۲۔ عبدالعزیز بخاری، کشف الأسرار ۲/۵۶۰

۳۔ المستصفی فی علم الأصول ص۱۳۱۔ جامع الأصول ۱/۷۴۔ زرکشی، البحر المحیط فی اصول الفقه ۴/۳۰۳۔ تیسیر التحریر ۳/۶۶۔ مسلّم الثبوت ۲/۱۵۸

۴۔ المعتمد فی أصول الفقه ۲/۱۷۲

۵۔ البحر المحیط فی أصول الفقه ۴/۳۰۱

۶۔ التقیید و الإیضاح ص۲۹۷

۷۔ التقریب ص ۳۴

۸۔ فتح الباری ۷/۳

ایمان لانے کے بعد کی بات ہے۔ایمان اور التزامِ اتباع واطاعت لازم وملزوم ہیں۔قرآن مجید کی ایک صریح نص ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

فَلَا وَ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَ يُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا(۱)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پروردگار کی قسم! یہ لوگ جب تک اپنے تنازعات میں آپ کو منصف نہ بنائیں اور جو فیصلہ آپ کریں اس سے اپنے دل میں تنگ نہ ہوں بلکہ اسے خوشی سے مان لیں، تب تک مومن نہیں ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ سے محبت کا دعویٰ اِتباعِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے مشروط ہے۔فرمانِ الٰہی ہے:

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَ يَغْفِرْلَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ(۲)

(پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم!) آپ (لوگوں سے) فرما دیں: اگر تم اللہ تعالیٰ کو دوست رکھتے ہو تو میری پیروی کرو، اللہ تعالیٰ بھی تمہیں دوست رکھیں گے اور تمہارے گناہ معاف کر دیں گے اور اللہ تعالیٰ بخشنے والے مہربان ہیں۔

صحابہ کرامؓ ہمہ وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اِتباع میں ہوتے تھے۔محمد بن کعب قرظیؒ نے حضرت حذیفہ بن یمانؓ سے ایک مرتبہ دریافت کیا: آپ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کیسا برتاؤ کرتے تھے۔ حضرت حذیفہؓ نے جواب دیا: اللہ کی قسم! ہم سب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت میں سرگرم رہتے تھے(۳)۔

صحابہ کرامؓ ہروقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اخذِ علم کرتے رہتے تھے۔مکتبِ نبوی کی قلیل صحبت بھی کثیر علم کا باعث ہوا کرتی تھی۔زمانۂ امن کی مجالسِ نبوی میں شرکت ہو یا غزوات وسفر میں آپ کی رفاقت، وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے علم حاصل کر رہے ہوتے تھے۔ایامِ امن میں انہوں نے سیرتِ نبوی کے مختلف پہلوؤں کا مطالعہ کیا اور دورانِ غزوات انہوں نے آپ سے وہ تعلیم حاصل کی جس کا حصول حالتِ امن میں ممکن نہ تھا۔صحبتِ نبوی کا ایک ایک لمحہ اخذِ علم کا باعث ہوتا تھا۔یہ محال ہے کہ صحابہ کرامؓ صحبتِ نبوی میں رہے ہوں اور ان کا ارادہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع اور آپ سے اخذِ علم کا نہ ہو۔

۱۔ النسآء ۴:۶۵

۲۔ ال عمران ۳:۳۱

۳۔ ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ ۲/۲۴۲

بلوغت کی شرط

واقدیؒ نے صحابی کے لیے اپنے ایامِ بلوغت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھنا ضروری قرار دیا ہے۔ اس شرط کی رُو سے حضرت عبداللہ بن عباسؓ صحابی نہیں رہتے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے وقت تیرہ برس کے تھے۔ واقدیؒ کے اس قول پر تنقید کی گئی ہے۔ زرکشیؒ اور شوکانیؒ نے واقدیؒ کی رائے ضعیف قرار دی ہے (۱)۔ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ اور قسطلانیؒ کے نزدیک یہ قول مردود ہے (۲)۔ جلال الدین سیوطیؒ نے اسے شاذ کہا ہے (۳) یعنی یہ قول صرف واقدیؒ کا ہے، کسی اور نے ایسا نہیں کہا۔ لہٰذا واقدیؒ کا یہ قول معتبر نہیں ہے اور صحابیت کے لیے بلوغت کی شرط نہیں ہے۔

غیر ممیز کی رؤیت

غیر ممیز وہ بچہ ہے جس کی عمر سات سال سے کم ہو اور جو دائیں اور بائیں میں فرق نہ کر سکے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا ہے کہ بچہ جب سات سال کا ہو جائے اور وہ دائیں اور بائیں میں فرق کر سکے تو اسے نماز ادا کرنے کا کہو۔

حضرت معاذ بن عبداللہ بن خُبیب جُہنیؒ اپنی بیوی سے روایت کرتے ہیں کہ اس سوال کے جواب میں کہ بچے کو نماز کب ادا کرنی چاہیے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اِذَا عَرَفَ يَمِيْنَهٗ مِنْ شِمَالِهٖ فَمُرُوْهُ بِالصَّلٰوةِ (۴)

جب وہ دائیں اور بائیں میں پہچان کرنے لگے تو اسے نماز ادا کرنے کا حکم دو۔

حضرت سَبُرَۃ بن معبد جُہنیؒ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مُرُوْا الصَّبِيَّ بِالصَّلٰوةِ اِذَا بَلَغَ سَبْعَ سِنِيْنَ (۵)

جب بچہ سات سال کا ہو جائے تو اسے نماز ادا کرنے کا حکم دو۔

علماء کے ہاں یہ مسئلہ اختلافی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کے وقت نابالغ کو ممیز ہونا چاہیے یا اس کے لیے ممیز ہونا ضروری نہیں ہے۔ بعض کے نزدیک نابالغ کا ممیز ہونا ضروری ہے، ان میں ابن معینؒ،

۱۔ البحر المحيط فی أصول الفقه ۳۰۲/۴۔ ارشاد الفحول ص ۱۲۹

۲۔ فتح الباری ۴/۷۔ المواهب اللدنية ۳۷۹/۳

۳۔ تدريب الراوی ۲۱۲/۲

۴۔ سنن أبی داؤد، كتاب الصلوة، باب متى يؤمر الغلام بالصلوة

۵۔ حوالہ بالا

ابوزرعہ رازیؒ، ابوحاتمؒ ، ابن عبدالبرؒ ، ابوسعید علائیؒ اور عراقیؒ وغیرہ شامل ہیں (۱)۔ ابن حجر عسقلانیؒ ، قسطلانیؒ اور ابن نجارؒ وغیرہ کے نزدیک تمیز ضروری نہیں ہے (۲)۔ جو علماء تمیز کی شرط لگاتے ہیں انہوں نے بچوں کو تابعین میں شمار کیا ہے۔ جن کے ہاں تمیز ضروری نہیں انہوں نے بچوں کو صحابہؓ میں شامل کیا ہے۔

صحابہ کرامؓ کے سوانح نگاروں کا عمل اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ صحابی کے لیے رؤیت کے وقت تمیز ضروری نہیں ہے۔ ابن عبدالبرؒ نے تمیز کی شرط تو لگائی ہے لیکن انہوں نے اپنی کتاب **الإستیعاب فی معرفة الأصحاب** میں بچوں کا ذکر صحابہؓ میں کیا ہے (۳)۔

راجح تعریف

محدثین اور اصولیین کی بیان کردہ تعریفوں کا جائزہ لینے کے بعد صحابی کی یہ تعریف راجح معلوم ہوتی ہے:

''جس نے حالتِ ایمان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی اور جو اسلام پر فوت ہوا''۔

ابن حجر عسقلانیؒ ، سیوطیؒ ، عراقیؒ اور ابن نجارؒ کے نزدیک بھی صحابی کی تعریف یہی ہے (۴)۔

معرفتِ صحابی کے طریقے

معرفتِ صحابی کے طریقے مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ تواتر سے ثابت ہو کہ فلاں شخص صحابیٔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔

۲۔ کسی شخص کا صحابی ہونا مشہور ہو جائے، لیکن اس میں تواتر نہ پایا جائے۔

۳۔ صحابی کے قول سے دوسرے شخص کا صحابی ہونا لازم آئے، مثلاً صحابی یہ کہے: ''میں اور فلاں شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر تھے'' یا ''ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے''۔ البتہ شرط یہ ہے کہ دوسرا شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کے وقت مسلمان ہو۔

۴۔ صحابی یہ خبر دے کہ فلاں شخص صحابی ہے۔ تمام صحابہؓ عدول ہیں لہٰذا یہ خبر مقبول ہے۔ راوی عادل ہو تو خبر واحد مقبول ہے۔

۵۔ کوئی شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرے تو وہ صحابی ہے۔

۱۔ التقیید و الإیضاح ص ۲۹۲۔ شرح الکوکب المنیر ۲/۴۷۱۔ البحر المحیط فی أصول الفقه ۴/۳۰۲۔ تیسیر التحریر ۳/۶۵

۲۔ فتح الباری ۷/۲۔ المواهب اللدنیة ۳/۳۷۹۔ شرح الکوکب المنیر ۲/۴۷۰

۳۔ ابن عبدالبرؒ کا موقف ملاحظہ ہو: الإستیعاب ۱/۴۷

۴۔ ملاحظہ ہو: الإصابة ۱/۷۔ تدریب الراوی ۲/۲۰۹۔ التقیید و الایضاح ص ۲۹۲۔ شرح الکوکب المنیر ۲/۴۶۵

۶۔ ثقہ تابعی بیان کرے کہ فلاں شخص کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت حاصل ہے۔

۷۔ جس کے بارے میں ثابت ہو جائے کہ وہ مہاجرین یا انصار میں سے ہے۔

۸۔ کوئی شخص خود اپنے بارے میں یہ کہے: ''میں صحابیٔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہوں'' یا ''میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں رہا ہوں''۔ ایسا شخص خود اپنے صحابی ہونے کا دعویٰ کر رہا ہے(۱)۔

دعویٔ صحابیت

کسی شخص کا صحابی ہونے کا دعویٰ قبول کرنے سے متعلق دو آراء ہیں:

۱۔ پہلی رائے جمہور علماء کی ہے۔ ایسے شخص کا یہ قول قبول کیا جائے گا کہ وہ صحابیٔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے لیکن تین شرطوں کے ساتھ:

ا۔ اس کا عادل ہونا ثابت ہو۔ اس کی عدالت کا تقاضا ہے کہ وہ جھوٹ نہیں بولتا، ظاہری طور پر اس کا دعویٰ مقبول ہے،

ب۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہم عصر ہو اور

ج۔ کسی دوسرے کا قول اس کے دعویٰ کی تردید نہ کرتا ہو۔ کسی اور شخص کے صحابی ہونے میں صحابی کی خبر قبول کی جاتی ہے تو اس کی اپنے صحابی ہونے کی خبر بدرجہ اولیٰ مقبول ہے(۲)۔

۲۔ بعض علماء کی رائے ہے کہ صحابی ہونے کا دعویٰ قبول نہیں کیا جائے گا(۳)۔ یہ دعویٰ اپنی ذات کے لیے گواہی ہے۔ انسان کی اپنے حق میں گواہی غیر معتبر ہے۔ یہ دعویٰ قبول کر لینے سے دوسروں پر لازم ہوگا کہ اس کا قول لیں اور وہ جو روایت کرے، اسے قبول کریں۔ مزید یہ کہ اس دعویٰ سے ذاتی منفعت کا حصول لازم آتا ہے۔ یہ رائے

۱۔ شرح مختصر الروضة ۲/۱۸۷۔ نزهة النظر ص ۵۸۔ التقريب ص۳۴۔ الخلاصة فی أصول الحديث ص۱۲۴۔ الباعث الحثيث شرح إختصار علوم الحديث ص۱۸۰۔ تدريب الراوی ۲/۲۱۳۔ منتهٰی الوصول والأمل ص۸۱۔ الإصابة ۱/۹۔ الكفاية ص۵۲۔ نهاية الوصول ۷/۲۹۱۱۔ ارشاد الفحول ص۱۳۰۔ فتح المغيث ۳/۸۹۔ حاشية البنانی ۲/۱۶۷۔ تيسير التحرير ۳/۶۷۔ شرح الكوكب المنير ۲/۴۷۸۔ التمهيد فی أصول الفقه ۳/۱۷۵۔ البحر المحيط فی أصول الفقه ۴/۳۰۵۔ التقييد و الإيضاح ص۲۹۹۔ المعتمد فی أصول الفقه ۲/۱۷۲۔ العدة فی أصول الفقه ۳/۱۹۰۔ آمدی، الإحكام فی أصول الأحكام ۲/۳۲۲۔ مسلّم الثبوت ۲/۱۶۱

۲۔ نزهة النظر ص ۵۸۔ التقريب ص۳۴۔ تدريب الراوی ۲/۲۱۳۔ الخلاصة فی أصول الحديث ص۱۲۴۔ الإصابة ۱/۹۔ الكفاية ص۵۲۔ المعتمد فی أصول الفقه ۲/۱۷۲۔ تيسير التحرير ۳/۶۷۔ شرح الكوكب المنير ۲/۴۷۹۔ التمهيد فی أصول الفقه ۳/۱۷۶۔ العدة فی أصول الفقه ۳/۹۹۰۔ حاشية البنانی ۲/۱۶۷

۳۔ آمدی، الإحكام فی أصول الأحكام ۲/۳۲۲۔ البحر المحيط فی أصول الفقه ۴/۳۰۶۔ ارشاد الفحول ص۱۳۰۔ نهاية الوصول ۷/۲۹۱۱۔ منتهٰی الوصول و الأمل ص۸۱۔ مسلّم الثبوت ۲/۱۶۱

قاضی ابوعبداللہ صمیریؒ، ابن قطانؒ، ابن سمعانیؒ، ابن حاجبؒ، ارمویؒ اور طوفیؒ وغیرہ کی ہے۔

دعوان جبائیؒ نے یہ شرط لگائی ہے کہ کوئی دوسرا عادل شخص بھی اس کے قول کی خبر دے، یا ظاہری طور پر موافقت پائی جائے، یا یہ بات صحابہؓ کے درمیان پھیل گئی ہو، یا بعض صحابہؓ نے اس پر عمل کیا ہو (۱)۔ زرکشیؒ کے مطابق کوئی دوسرا اصحابی بھی اس کے بارے میں خبر دے (۲)۔ ابن ہمامؒ نے کہا ہے کہ مدعی اگر عادل ہے تو ظاہر میں اس کا قول سچا ہے اور ظن کا فائدہ دیتا ہے، وہ قطعی اور یقینی نہیں ہے (۳)۔ آمدیؒ بھی ایسے قول کا ظاہر میں اعتبار کرتے ہیں (۴)۔ شوکانیؒ کے نزدیک قبولِ دعویٰ کے لیے ضروری ہے کہ اس کی سچائی پر قرائن دلالت کرتے ہوں (۵)۔

جمہور کا موقف ہے کہ ذاتی منفعت کے الزام کی وجہ سے یہ قول رد نہیں کیا جا سکتا۔ ایسا ہوتا ہے کہ راوی کی روایت قبول کی جاتی ہے اگرچہ اس خبر کا راوی کو فائدہ ہوتا ہو۔ یہ قول گواہی نہیں بلکہ ایسے شخص کی اپنے بارے میں خبر ہے جس سے دوسرے کا کوئی نقصان نہیں ہے یا اس پر کوئی چیز لازم نہیں آتی کیونکہ قولِ صحابی حجت نہیں ہے، جبکہ گواہی سے دوسرے پر نقصان لازم آتا ہے۔

مندرجہ بالا بحث میں جمہور علماء کا موقف راجح معلوم ہوتا ہے۔ انہوں نے دعویٰ صحابیت کے لیے جو تین شرائط عائد کی ہیں وہ معقول ہیں۔ جب صاحبِ قول کی عدالت اور اس کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہم عصر ہونا ثابت ہو جائے اور کسی دوسرے صحابی کا قول اس کا دعویٰ باطل نہ کرے تو پھر یہ دعویٰ قبول ہونا چاہیے۔

۱۔ آمدی، الإحکام فی أصول الأحکام ۲/۳۲۳۔ منتهى الوصول و الأمل ص ۸۱

۲۔ البحر المحیط فی أصول الفقه ۴/۳۰۶

۳۔ تیسیر التحریر ۳/۶۷

۴۔ آمدی، الإحکام فی أصول الأحکام ۲/۳۲۲

۵۔ ارشاد الفحول ص ۱۳۰

امتیازاتِ صحابہؓ

دین اسلام میں صحابہ کرامؓ ایک امتیازی مقام ومرتبہ پر فائز ہیں۔ان کے بعد کسی طبقۂ انسانی کو یہ اعزاز حاصل رہا ہے اور نہ ہوگا۔دینی اعتبار سے بعض خصائص و امتیازات صرف صحابہ کرامؓ کے لیے ہیں۔جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت ختم ہے اسی طرح صحابہ کرامؓ کے بعد یہ خصائص و امتیازات کسی کو حاصل نہیں ہیں۔

قبولِ اسلام میں سبقت

صحابہ کرامؓ یہ اعزاز رکھتے ہیں کہ انہوں نے صاحبِ شریعت حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت پر سب سے پہلے لبیک کہا۔انہوں نے وحیِ الٰہی کی تصدیق اور قبولِ اسلام میں سبقت کی۔صحابہ کرامؓ نے اسلام کی دعوت کو اس وقت قبول کیا جب دوسرے اس کی مخالفت کر رہے تھے۔انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حمایت و تائید اور دین اسلام کی نشر و اشاعت میں اپنی ہر متاعِ عزیز قربان کر دی۔کوئی ترغیب اور کسی قسم کا لالچ حضرات صحابہ کرامؓ کی اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ وفاداریوں کو خرید نہ سکا۔کوئی جبر اور خوف اسلام پر ان کی استقامت میں لرزش پیدا نہ کر سکا۔کوئی دوسرا رشتہ ان کے دینی رشتے کو توڑ نہ سکا۔کوئی جاہلی نسلی تعصب اور خاندانی وقار اُن کے قبولِ اسلام میں رکاوٹ نہ بن سکا۔گھر اور گلیوں کی محبت انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ چھوڑنے پر مجبور نہ کر سکی۔انہوں نے گھر بار چھوڑ دیئے لیکن وہ ہر حال میں اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وفادار رہے۔

قرآن مجید میں صحابہ کرامؓ کو یوں خراجِ تحسین پیش کیا گیا ہے:

وَ السّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَ الْاَنْصَارِ وَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ رَضُوْا عَنْهُ وَ اَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ (۱)

۱۔ التوبة ۹:۱۰۰

وہ مہاجرین اور انصار(۱) جنہوں نے سب سے پہلے ایمان لانے میں سبقت کی، نیز وہ جنہوں نے راستبازی کے ساتھ ان کی پیروی کی، اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہوئے اور وہ اللہ تعالیٰ سے راضی ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے ایسے باغات تیار کیے ہیں جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہیں۔ ان میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ یہی عظیم کامیابی ہے۔

قرآن مجید میں مہاجرین صحابہ کرامؓ کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَ أُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَ أُوْذُوْا فِيْ سَبِيْلِيْ وَ قٰتَلُوْا وَقُتِلُوْا لَأُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَ لَأُدْخِلَنَّهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهٰرُ ثَوَابًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَ اللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الثَّوَابِ (۲)

تو جو لوگ میرے لیے وطن چھوڑ گئے اور اپنے گھروں سے نکالے گئے اور ستائے گئے اور لڑے اور قتل کیے گئے، میں ان کے گناہ دُور کردوں گا اور انہیں بہشتوں میں داخل کروں گا جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کے ہاں سے بدلہ ہے اور اللہ تعالیٰ کے ہاں اچھا بدلہ ہے۔

صحابہ کرامؓ نے دنیوی مال و متاع پر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ترجیح دی۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے انصار صحابہؓ سے فرمایا:

اَمَا تَرْضَوْنَ اَنْ يَّذْهَبَ النَّاسُ بِالْاَمْوَالِ وَ تَرْجِعُوْنَ اِلَى رِحَالِكُمْ بِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَوَاللّٰهِ مَا تَنْقَلِبُوْنَ بِهِ خَيْرٌ مِّمَّا يَنْقَلِبُوْنَ بِهِ

کیا تم یہ بات پسند نہیں کرتے کہ یہ لوگ تو مال و دولت لے جائیں اور تم اپنے گھروں کی طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ساتھ لے کر لوٹو، اور اللہ کی قسم! جو چیز تم لے کر جا رہے ہو وہ سب سے بدرجہا بہتر ہے جس کو وہ لوگ لے کر جاتے ہیں۔

صحابہؓ نے فوراً اقرار کیا: کیوں نہیں اے اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! ہم راضی ہوئے۔ (۳)

۱۔ مہاجرین سے مراد وہ صحابہ کرامؓ ہیں جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر اپنے آبائی وطن مکہ سے ترکِ سکونت کی اور ہجرت کرکے مدینہ آگئے تھے۔
مدینہ میں رہنے والے صحابہ کرامؓ جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مہاجرین کو مدینہ میں خوش آمدید کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمیشہ ساتھی و مددگار رہے، مہاجرین کو اپنا بھائی بنایا اور انہیں اپنے ہاں آباد کیا، وہ انصار کہلاتے ہیں۔

۲۔ آل عمران ۳:۱۹۵

۳ صحیح البخاری، کتاب الجهاد و السیر، باب ما کان النبی صلی اللّٰہ علیه و سلم یعطی المؤلفة قلوبهم

نزولِ شریعت کے عینی شاہد

حضرات صحابہ کرامؓ نے نزولِ شریعت اسلامی کا زمانہ پایا تھا۔ وہ اُن حالات اور واقعات کے عینی شاہد ہیں جو وجہِ نزولِ شریعت بنے۔ وہ احکامِ شریعت کے شانِ نزول سے آگاہ تھے۔ کئی صحابہ کرامؓ خود شانِ نزول تھے۔ انسانوں میں سے صرف صحابہ کرامؓ ہی کا طبقہ یہ علم رکھتا ہے کہ قرآن مجید کی کون سی آیت کس موقع پر نازل ہوئی تھی۔ نصوصِ شریعت کے اسبابِ تنزیل کی براہِ راست معرفت ہونے کی بنا پر تعبیرِ نصوص جیسا اہم کام صحابہؓ کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ واحدیؒ نے لکھا ہے: اسبابِ نزول کے بارے میں کوئی بات کہنا درست نہیں سوائے ان لوگوں کی روایت اور سماعی بیان کے جنہوں نے نزولِ قرآن کو خود دیکھا، اسبابِ نزول پر توقف کیا اور اس علم کے بارے میں تحقیق کی۔ یہ لوگ صرف صحابہ کرامؓ ہی ہیں (۱)۔

سیرتِ صاحبِ شریعت کے عینی شاہد

صحابہ کرامؓ نے صاحبِ شریعت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ پاک کا نہایت قریب سے مشاہدہ کیا۔ انہوں نے شرعی نصوص کا نفاذ حیاتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں دیکھا۔ زمانۂ امن اور حالتِ جنگ میں، فرحت وانبساط اور غم کی کیفیتوں میں، تحمل اور غصہ میں، خانگی امور اور ریاستی نظامت میں، حالتِ نیند اور عالمِ بیداری میں، دورانِ عبادت اور معاملاتِ خرید وفروخت میں، غرض صحابہ کرامؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مبارکہ کا ہر پہلو قریب سے دیکھا۔ انہوں نے ایک ایک فعلِ نبوی کو اپنے ذہنوں پر نقش کیا اور پھر ان تمام مشاہدات کا اپنی زندگیوں میں لازمی اہتمام کیا۔ صحابہ کرامؓ جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کرتے ہوئے دیکھتے، اسی طرح کرنے کی کوشش کرتے۔ اس امر کی ایک گواہی حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا یہ قول ہے : اللہ تعالیٰ نے ہماری طرف حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اس وقت میں بھیجا کہ ہم کچھ نہ جانتے تھے۔ پس ہم اسی طرح کرتے ہیں جس طرح ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کرتے ہوئے دیکھا (۲)۔

مدرسۂ نبوت کے اوّلین تلامذہ

صحابہ کرامؓ نے احکامِ الٰہی کی تعلیم براہِ راست صاحبِ وحی سے حاصل کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ کے نفوس کا تزکیہ فرمایا اور انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دی۔ قرآن مجید اس کی گواہی ان الفاظ میں دیتا ہے:

۱۔ أسباب النزول ص ۴

۲۔ الموطا، کتاب الصلوۃ، باب قصر الصلوۃ فی السفر ص ۱۲۵، ۱۲۶۔ المدونۃ الکبریٰ ۱/ ۲۰۸۔ سنن ابن ماجہ، کتاب إقامۃ الصلوۃ، باب تقصیر الصلوۃ فی السفر ۱/ ۵۵۸۔ المستدرك، کتاب الصلوۃ ۱/ ۲۵۸

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَ يُزَكِّيْهِمْ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ اِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ (۱)

اللہ تعالیٰ نے مومنوں پر بڑا احسان کیا ہے کہ اُن میں انہی میں سے ایک رسول بھیجا۔ یہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی آیات پڑھ پڑھ کر سناتے اور اُنہیں پاک کرتے اور قرآن اور دانائی سکھاتے ہیں، اور پہلے تو یہ لوگ صریح گمراہی میں تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قول اور فعل سے صحابہؓ کو تعلیم دی تھی۔ صحابہؓ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے صرف احکامِ دین ہی حاصل نہیں کیے بلکہ آدابِ زندگی بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سیکھے تھے۔ حضرت عُبادہ بن صامتؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: خُذُوْا عَنِّی (۲) یعنی مجھ سے سیکھو۔

صحابہ کرامؓ متنِ شریعت اور مفہومِ شریعت دونوں کے فہمِ اوّل ہیں۔ انہوں نے شریعت کے احکام ہی نہیں سیکھے بلکہ عقل و دانش بھی اس ذات صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل کی جس کا ذریعۂ علم وحیِ الٰہی ہے۔ صحابہ کرامؓ عقل و فراست کے بلند مقام پر فائز ہیں۔ ان کا مأخذِ علم بعد والے تمام زمانوں کے سب انسانوں کے مأخذِ علم سے زیادہ معتبر، صائب اور درست ہے۔

شریعتِ اسلامی کے اوّلین مزاج شناس

صحابہ کرامؓ شریعتِ اسلامی کے اوّلین مزاج شناس ہیں۔ وہ شارع اور شریعت کی غرض و منشا سے سب سے زیادہ آگاہ ہیں۔ قانون کی اصل غرض و منشا سے آگاہ اس کا شارع و مقنن ہوتا ہے۔ جو انسان شارع سے جتنا زیادہ قریب ہے اس کے لیے قانون کی غرض و منشا کا جاننا اتنا ہی زیادہ آسان ہوتا ہے اور اس ضمن میں اس شخص کا فہم و ادراک اتنا ہی زیادہ صائب و درست ہوتا ہے۔ صحابہ کرامؓ نے شارع کی منشا اور شریعت کے اغراض و مقاصد کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں رہ کر براہِ راست سمجھا ہے اور صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی احکامِ شریعت میں حقیقی منشائے الٰہی کو جاننے والے ہیں۔

دین کے سچے راویٔ اوّل

صحابہ کرامؓ دین کے سچے راویٔ اوّل ہیں۔ وہ اس سلسلے کی پہلی کڑی ہیں جس سے احکامِ دین ہم تک پہنچے ہیں۔ وہ صاحبِ وحی اور اپنے بعد والوں کے درمیان ایک لازمی واسطہ ہیں۔ ان کی دعوت اور روایت اور گواہی بعد

۱۔ ال عمران ۳:۱۶۴

۲۔ صحیح مسلم، کتاب الحدود، باب حد الزنی

والوں کے لیے اخذِ دین اور ایمان کا ذریعہ بنی ہے۔ اگر اس پہلی کڑی کو بیچ سے نکال دیا جائے یا اسے مشکوک بنا دیا جائے تو پھر ہمارے دین اور ایمان کی کوئی بنیاد نہیں رہتی۔ احکامِ دین کو روایت کرنا صحابہ کرامؓ کے ان فرائض میں شامل تھا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں تفویض کیے تھے۔

ابن اسحاقؒ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ سے خطاب کر کے انہیں آپ کا پیغام دوسروں تک پہنچانے کا حکم دیا اور فرمایا تھا:

إِنَّ اللّٰهَ بَعَثَنِي رَحْمَةً وَّ كَافَّةً فَأَدُّوْا عَنِّي يَرْحَمُكُمُ اللّٰهُ (۱)

بے شک اللہ تعالیٰ نے مجھے ساری دنیا کے لیے رحمت بنا کر مبعوث کیا ہے، پس میری طرف سے پیغامِ دین پہنچانے کا حق ادا کرو، اللہ تعالیٰ تم پر رحم فرمائیں گے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

تَسْمَعُوْنَ وَ يُسْمَعُ مِنكُمْ وَ يُسْمَعُ مِمَّنْ يَسْمَعُ مِنكُمْ (۲)

تم مجھ سے سنتے ہو، پھر تم سے سنا جائے گا اور اُن سے سنا جائے گا جو تم سے سنتے ہیں۔

حضرت ابن عباسؓ سے مروی ایک اور حدیث میں فرمانِ نبوی ہے:

اِحْفَظُوْهُ وَ اَخْبِرُوْا بِهِ مِنْ وَّرَآئِكُمْ (۳)

اسے یعنی دین کو یاد رکھو اور اس سے اپنے بعد آنے والوں کو آگاہ کرو۔

حضرت ابوبکرةؓ روایت کرتے ہیں کہ حجۃ الوداع کے دن خطبہ دیتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا تھا:

اَلَا لِيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ مِنكُمُ الْغَائِبَ (۴)

خبردار! تم میں سے جو حاضر ہے اسے چاہیے کہ جو موجود نہیں اسے پہنچا دے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ایک حدیث میں فرمانِ نبوی ہے:

بَلِّغُوْا عَنِّي وَ لَوْ آيَةً (۵)

پہنچاؤ مجھ سے اگرچہ ایک آیت ہو۔

۱۔ ابن ہشام، السیرة النبویة ۴/۲۵۵

۲۔ سنن أبی داؤد، کتاب العلم، باب فضل نشر العلم

۳۔ صحیح مسلم، کتاب الإیمان، باب الأمر بالإیمان باللّٰہ تعالیٰ

۴۔ صحیح البخاری، کتاب العلم، باب لِیُبَلِّغِ الْعِلْمَ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ، کتاب المغازی، باب حجة الوداع

۵۔ صحیح الترمذی، کتاب العلم، باب ما جاء فی الحدیث عن بنی إسرائیل

حضرت مسوّر بن مخرمہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ سے فرمایا:

إِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَ جَلَّ بَعَثَنِي رَحْمَةً لِلنَّاسِ كَافَّةً فَأَدُّوا عَنِّي يَرْحَمُكُمُ اللّٰهُ

بے شک اللہ عزوجل نے مجھے تمام انسانوں کے لیے رحمت بنا کر مبعوث کیا ہے، پس تم میری طرف سے (پیغامِ دین پہنچانے کا حق) ادا کرو، اللہ تعالیٰ تم پر رحم فرمائیں گے۔

صحابہ کرامؓ نے عرض کی: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہم آپ کی طرف سے پیغامِ دین پہنچانے کا حق ادا کریں گے، پس آپ ہمیں جہاں چاہیں بھیج دیں(۱)۔

صحابہ کرامؓ نے یہ فریضہ بخوبی سرانجام دیا۔ انہوں نے دین کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جیسا سنا، اسی طرح دوسروں تک پہنچایا۔ جس طرح دین کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سیکھا، اسی طرح دوسروں کو سکھایا۔ جس طرح صاحبِ شریعت کو دین پر عمل پیرا دیکھا، اسی طرح اس پر خود عمل کیا اور دوسرں کو بتایا۔ صحابہ کرامؓ نے روایتِ دین میں کوئی کوتاہی نہیں کی بلکہ کمال دیانتداری سے یہ امانت اپنے بعد والوں کے سپرد کر دی۔ انہوں نے اس کام میں کسی خوف اور ملامت کی پروا نہیں کی۔ حضرت عبادۃ بن صامتؓ بیان کرتے ہیں کہ صحابہ کرامؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک پر جن باتوں کی بیعت کی تھی ان میں یہ بھی تھا: ہم ہمیشہ حق پر قائم رہیں گے یا حق بات کہیں گے اور اس کے کہنے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پروا نہیں کریں گے(۲)۔

روایتِ دین جیسے اہم فریضہ کی ادائیگی میں صحابہؓ نے کچھ نہیں چھپایا۔ انہوں نے صرف وہ احادیث روایت نہیں کیں جو راز تھیں اور جن کی روایت سے منع کر دیا گیا تھا۔ مثلاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت انسؓ کو راز کی ایک بات بیان فرمائی تھی۔ حضرت انسؓ نے وہ بات کسی کو نہیں بتلائی حتّٰی کہ اپنی والدہ کے پوچھنے پر بھی وہ بات انہیں نہ بتائی(۳)۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حذیفہ بن یمانؓ کو منافقین کے ناموں سے آگاہ فرما دیا تھا اور آپ کو یہ نام ظاہر کرنے سے منع کر دیا تھا(۴)۔ لیکن جن باتوں کی روایت سے منع نہیں کیا، صحابہ کرامؓ نے انہیں دانستہ طور پر نہیں چھپایا بلکہ مِن وعَن دوسروں تک پہنچایا۔ حضرت معاذ بن جبلؓ نے اپنی موت کے وقت ایک حدیث اس خوف سے بیان کر دی کہ کہیں حدیث چھپانے پر ان سے مواخذہ نہ ہو جائے(۵)۔

صحابہ کرامؓ سے نقل و روایت میں جھوٹ سرزد نہیں ہوا۔ وہ اس سے متعلق وعید سے بخوبی آگاہ تھے۔

۱۔ المعجم الکبیر ۸/۲۰

۲۔ سنن النسائی، کتاب البیعۃ، باب البیعۃ علی ان لا ننازع الأمر أھله ۱۵۶/۷

۳۔ صحیح مسلم، کتاب الفضائل، باب من فضائل أنس بن مالك ۱۹۲۹/۴

۴۔ الإستیعاب ۳۱۸/۲۔ الإصابة ۲۲۳/۲۔ أسد الغابة ۲/۷۰۶۔ البدایة والنھایة ۱۹/۵

۵۔ صحیح البخاری، کتاب العلم، باب من خصّ بالعلم قوماً دون قوم ۲۴/۱

حضرت مغیرۃ بن شعبہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إِنَّ كَذِبًا عَلَيَّ لَيْسَ كَكَذِبٍ عَلَى أَحَدٍ، مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ (۱)

بے شک مجھ پر جھوٹ کسی اور پر جھوٹ کے مانند نہیں ہے۔ جس نے جان بوجھ کر مجھ پر جھوٹ باندھا پس وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنالے۔

قرآن مجید اور احادیث میں صحابہ کرامؓ کی شان میں جو مدح وتوصیف بیان ہوئی ہے اس کا تقاضا ہے کہ یہ تسلیم کیا جائے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سب کچھ سچ نقل کیا ہے۔ اگر نقل و روایت میں جھوٹ کا احتمال ہو جائے تو اس سے صحابہ کرامؓ کی شان میں وارد نصوص کے تقاضوں کی نفی ہوتی ہے۔

وہ روایتِ حدیث میں نہ صرف جھوٹ سے پاک رہے بلکہ ان کی احتیاط کا یہ عالم تھا کہ کوئی حدیث بیان کرنے کے بعد فرماتے: ''یا جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا''۔ ابن سیرینؒ نے حضرت انسؓ کے بارے میں بتایا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی حدیث روایت کرتے تو گھبرا جاتے اور یہ فرماتے: ''یا جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا'' (۲)۔ عمروؒ بن میمونؒ نے بتایا کہ میں بلا ناغہ ہر شام حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے پاس جاتا تھا۔ میں نے انہیں یہ کہتے ہوئے کبھی نہیں سنا کہ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا''۔ پھر ایک دن ان کی زبان سے نکل گیا: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا'' تو حضرت ابن مسعودؓ نے سر جھکا لیا، آنکھیں بھر آئیں، گردن کی رگیں پھول گئیں اور کہنے لگے: ''اس سے کچھ کم فرمایا، یا زیادہ یا اس کے قریب یا اس کے مشابہ'' (۳)۔

ایمانِ صحابہؓ، معیارِ ایمان

صحابہ کرامؓ کی یہ شان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے ایمان کو دوسروں کے لیے معیارِ ایمان قرار دیا ہے:

فَإِنْ آمَنُوا بِمِثْلِ مَا آمَنْتُمْ بِهِ فَقَدِ اهْتَدَوْا (۴)

پھر اگر یہ لوگ بھی اسی طرح ایمان لے آئیں جس طرح تم ایمان لائے ہو، تو وہ ہدایت یاب ہو جائیں۔

مندرجہ بالا آیت کے اوّلین مخاطبین صحابہ کرامؓ ہیں۔ اس آیت کے الفاظ: بِمِثْلِ مَا آمَنْتُمْ بِهِ (جس

۱۔ صحیح البخاری، کتاب الجنائز، باب ما یکرہ من النیاحۃ علی المیّت

۲۔ سنن إبن ماجه، المقدمة، کتاب السنّة، باب التوقی فی الحدیث عن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه و سلم ۲۳/۱

۳۔ حوالہ بالا ۲۳،۲۲/۱

۴۔ البقرۃ ۲: ۱۳۷

طرح تم ایمان لائے ہو) کا خطاب صحابہ کرامؓ سے ہے۔ جو شخص مومن ہونے کا دعویدار ہے اسے دین اسلام پر ویسا ہی ایمان لانا ہوگا جیسا صحابہ کرامؓ کا ایمان تھا۔ دین اسلام پر ان کا ایمان ہی معیار ہے۔ اس معیار سے ذرہ بھر انحراف کرنے والا شخص ہدایت پر نہیں ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے۔

انبیاء کے سوا تمام انسانوں پر صحابہؓ کی فضیلت

صحابہ کرامؓ اس مقام پر بھی فائز ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے مبعوث کردہ نبیوں اور رسولوں کے سوا تمام انسانوں پر انہیں فضیلت حاصل ہے۔ انبیاء اور رسولوں کے سوا، کوئی دوسرا شخص کسی ایک صحابی کے مقام تک نہیں پہنچ سکتا۔

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إِنَّ اللّٰهَ اخْتَارَ أَصْحَابِي عَلَى الْعَالَمِينَ سِوَى النَّبِيِّينَ وَ الْمُرْسَلِينَ (۱)

بیشک اللہ تعالیٰ نے میرے صحابہ کو نبیوں اور رسولوں کے سوا تمام جہانوں پر منتخب فرمایا ہے۔

مجدد الف ثانیؒ نے لکھا ہے: صحبت کے برابر کوئی چیز نہیں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ اس صحبت ہی کے باعث انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کے سوا سب پر، خواہ وہ اویس قرنیؒ اور عمر مروانیؒ (۲) ہی ہوں، فضیلت لے گئے۔ حالانکہ صحبت کے سوا یہ دونوں حضرات بڑے درجوں تک پہنچے ہوئے تھے اور بڑے بڑے کمالات حاصل کر چکے تھے (۳)۔

مجدد الف ثانیؒ نے یہ بھی لکھا ہے: اصحاب کبارؓ کو حضرت سید البشر صلی اللہ علیہ وسلم کی پہلی ہی صحبت میں ابتداء میں وہ کچھ حاصل ہو جاتا تھا جو اُمت کے کامل اولیاء کو انتہاء میں بھی حاصل ہونا مشکل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت حمزہؓ کے قاتل حضرت وحشیؓ جو ایک ہی دفعہ حضرت خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے، خواجہ اویس قرنیؒ سے، جو سب تابعین سے بہتر ہیں، کئی درجے افضل ہیں۔ عبداللہ بن مبارکؒ سے پوچھا گیا کہ حضرت معاویہؓ افضل ہیں یا عمر بن عبدالعزیزؒ؟ تو عبداللہ بن مبارکؒ نے جواب دیا: وہ گرد و غبار جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حضرت معاویہؓ کے گھوڑے کی ناک میں داخل ہوا، وہ عمر بن عبدالعزیزؒ سے کئی گنا بہتر ہے (۴)۔

۱۔ اس حدیث کے رجال ثقہ ہیں البتہ بعض رجال کے بارے میں اختلاف ہے۔ مجمع الزوائد ۱۰/ ۱۸

۲۔ عمر مروانیؒ یہ عمر بن عبدالعزیزؒ ہیں۔ آپ کے دادا کا نام مروان بن الحکمؒ ہے۔

۳۔ مکتوبات امام ربانیؒ، دفتر اول، مکتوب ۱۲۰، ۱/ ۲۹۹

۴۔ حوالہ بالا، دفتر اول، مکتوب ۵۸، ۱/ ۱۳۱، ۱۳۲

صحابہؓ کو مغفرت کی بشارتیں

اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرامؓ کو یہ نوید سنائی ہے کہ وہ ان سے راضی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرات صحابہؓ کو مغفرت کی بشارت بھی دی جا چکی ہے۔ قرآن مجید کی متعدد آیات اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کئی احادیث اس کی گواہی دیتی ہیں:

قرآنی ونبوی گواہیاں

۱۔ قرآن مجید میں ہے:

وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ هَاجَرُوْا وَ جٰهَدُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَ الَّذِیْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْآ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّ رِزْقٌ كَرِیْمٌ(۱)

اور جو لوگ ایمان لائے اور وطن سے ہجرت کر گئے اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرتے رہے، اور جنہوں نے پناہ دی اور مدد کی، یہی لوگ سچے مسلمان ہیں۔ ان کے لیے مغفرت اور عمدہ رزق ہے۔

مندرجہ بالا آیت کی تفسیر میں فخر الدین رازیؒ نے لکھا ہے کہ حضرات صحابہ کرامؓ کو تمام گناہوں سے کامل معافی دی گئی ہے(۲)۔

۲۔ قرآنِ مجید میں ایک اور مقام پر صحابہ کرامؓ کے بارے میں فرمایا گیا ہے:

فَالَّذِیْنَ هَاجَرُوْا وَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ وَ اُوْذُوْا فِیْ سَبِیْلِیْ وَ قٰتَلُوْا وَقُتِلُوْا لَاُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَیِّاٰتِهِمْ وَ لَاُدْخِلَنَّهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ثَوَابًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَ اللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الثَّوَابِ (۳)

تو جو لوگ میرے لیے وطن چھوڑ گئے اور اپنے گھروں سے نکالے گئے اور لڑے اور قتل کیے

۱۔ الأنفال ۸:۷۴

۲۔ تفسیر الفخر الرازی ۱۵/۲۲۰

۳۔ آل عمران ۳:۱۹۵

گئے، میں ان کے گناہ دُور کردوں گا اور انہیں بہشتوں میں داخل کروں گا جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کے ہاں سے بدلہ ہے اور اللہ تعالیٰ کے ہاں اچھا بدلہ ہے۔

۳۔ بدری صحابہ کرامؓ کی خاص فضیلت کے بارے میں حضرت علیؓ سے مروی ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَعَلَّ اللّٰهُ اَنْ يَّكُوْنَ قَدِ اطَّلَعَ عَلٰى اَهْلِ بَدْرٍ فَقَالَ اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ فَقَدْ غَفَرْتُ لَكُمْ (۱)

شائد اللہ تعالیٰ نے جب اہلِ بدر کا حال دیکھا تو فرما دیا: تم جو چاہو کرو، میں نے تمہاری مغفرت کردی ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ مندرجہ بالا حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں: اس بات پر اتفاق ہے کہ اس حدیث میں صحابہ کرامؓ کے اُخروی احکام سے متعلق بشارت کا ذکر ہے (۲)۔

قرآن مجید میں کسی صحابی کی خطا اور لغزش کے ذکر کے ساتھ ہی ان کی معافی کی خبر بھی دے دی گئی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کسی صحابی کی خطا کا ذکر ہوا تو آپ نے بھی اس کے عند اللہ مغفور ہونے کی بشارت دی۔ صحابہ کرامؓ میں سے صرف چند ایسے تھے جن سے کوئی لغزش اور خطا ہوئی۔ وہ گناہ اور خطا سے معصوم نہیں تھے۔ صرف انبیاء کرام علیہم السلام ہی معصوم عن الخطا ہیں۔ یہ صحبتِ نبوی کا فیضان تھا کہ صحابہ کرامؓ گناہوں پر اصرار کرنے والے نہیں تھے۔ معصیت کا دانستہ ارتکاب ان سے بعید تھا۔ کوئی لغزش نادانستہ ہو جانے پر وہ نادم ہوتے اور اللہ تعالیٰ سے اپنے قصور کی فوراً معافی چاہتے تھے۔

۴۔ قرآن مجید میں صحابہ کرامؓ کی اس خوبی کا ذکر یوں بیان فرمایا گیا ہے:

وَ الَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ وَ مَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ وَ لَمْ يُصِرُّوْا عَلٰى مَا فَعَلُوْا وَ هُمْ يَعْلَمُوْنَ (۳)

اور وہ جب کوئی بُرا کام یا اپنے آپ پر ظلم کر بیٹھتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے ہیں اور اپنے گناہوں کی بخشش مانگتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ کے سوا گناہ بخش بھی کون سکتا ہے؟ اور وہ جان بوجھ کر اپنے کیے پر اَڑے نہیں رہتے۔

۱۔ صحیح البخاری، کتاب الجهاد و السیر، باب الجاسوس و قوله تعالی: لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّیْ

۲۔ فتح الباری ۷/۲۳۸

۳۔ ال عمران ۳:۱۳۵

۵۔ اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرامؓ کے قصور معاف کر دیئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ہدایت کی کہ وہ ان کی خطاؤں سے درگزر کریں اور انہیں معاف فرمادیا کریں۔ قرآن مجید میں ہے:

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ وَ لَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَ اسْتَغْفِرْ لَهُمْ (۱)

(رسول صلی اللہ علیہ وسلم!) اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے آپ کی طبیعت و مزاج اُن لوگوں کے لیے نرم واقع ہوا ہے اور اگر آپ تند مزاج اور سخت دل ہوتے تو یہ آپ کے پاس سے بھاگ جاتے، تو آپ انہیں معاف فرمادیں اور اُن کے لیے مغفرت مانگیں۔

۶۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ کے لیے دعائے مغفرت فرمائی۔ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا فرمائی:

اَللّٰهُمَّ اِنَّ الْعَيْشَ عَيْشُ الْآخِرَةِ فَاغْفِرْ لِلْأَنْصَارِ وَ الْمُهَاجِرَةِ (۲)

اے اللہ تعالیٰ! بے شک آخرت کی زندگی ہی زندگی ہے، پس آپ انصار اور مہاجرین کی مغفرت فرمادیں۔

قرآن مجید میں بعض صحابہ کرامؓ کی جو چند خطائیں بیان ہوئی ہیں وہ ان پر لعن طعن کے لیے نہیں ہیں۔ یہ ان کی مدح و مغفرت اور دوسروں کے لیے وعظ و نصیحت اور تنبیہ کے مضامین لیے ہوئے ہیں۔ مثلاً:

۷۔ سورت البقرۃ میں فرمایا:

عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَ عَفَا عَنْكُمْ (۳)

اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے کہ تم اپنے آپ سے خیانت کرتے تھے، سو اس نے تمہارا قصور معاف کر دیا اور تم سے درگزر فرمایا۔

جب رمضان کے روزے فرض ہوئے تو لوگ راتوں کو بھی اپنی عورتوں سے الگ رہتے تھے۔ بعض نے چپکے سے جماع کر لیا تو اللہ تعالیٰ نے مندرجہ بالا آیت نازل فرمائی تھی (۴)۔

۱۔ آل عمران ۳:۱۵۹

۲۔ صحيح البخاری، كتاب الجهاد و السير، باب التحريض على القتال

۳۔ البقرة ۲:۱۸۷

۴۔ حضرت براء بن عازبؓ روایت کرتے ہیں کہ جب رمضان کے روزے فرض کیے گئے تو لوگ رات کے وقت بھی اپنی بیویوں سے الگ رہا کرتے تھے، یہاں تک کہ تمام ماہِ رمضان گزر جاتا۔ کچھ لوگوں نے چپکے سے جماع کر لیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ صحيح البخاری، كتاب التفسير، باب قوله: أُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ ۲/۲۴۷

بقیہ اگلے صفحہ پر ....

۸۔ سورت آل عمران میں فرمایا:

وَ لَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗۤ اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ بِاِذْنِهٖ حَتّٰۤى اِذَا فَشِلْتُمْ وَ تَنَازَعْتُمْ فِی الْاَمْرِ وَ عَصَیْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَاۤ اَرٰىكُمْ مَّا تُحِبُّوْنَ مِنْكُمْ مَّنْ یُّرِیْدُ الدُّنْیَا وَ مِنْكُمْ مَّنْ یُّرِیْدُ الْاٰخِرَةَ ثُمَّ صَرَفَكُمْ عَنْهُمْ لِیَبْتَلِیَكُمْ وَ لَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ وَ اللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ (۱)

اللہ تعالیٰ نے (تائید ونصرت) کا جو وعدہ تم سے کیا تھا وہ اس نے پورا کر دیا۔ تم اس کے حکم ہی سے انہیں قتل کر رہے تھے۔ مگر جب تم نے کمزوری دکھائی اور اپنے کام میں باہم اختلاف کیا، اور جونہی وہ چیز اللہ تعالیٰ نے تمہیں دکھائی جس کی محبت میں تم گرفتار تھے (یعنی مال غنیمت) تم اپنے سردار کے حکم کی خلاف ورزی کر بیٹھے۔ اس لیے کہ تم میں سے کچھ دنیا کے طالب تھے اور کچھ آخرت کی خواہش رکھتے تھے۔ تب اللہ تعالیٰ نے تمہیں کافروں کے مقابلہ میں پسپا کر دیا تاکہ تمہاری آزمائش کرے۔ اور یہ حق ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پھر بھی تمہیں معاف کر دیا کیونکہ اللہ تعالیٰ مومنوں پر بڑی نظر عنایت رکھتے ہیں۔

مندرجہ بالا آیت بصراحت یہ بیان کرتی ہے کہ غزوہ احد (۳ھ) میں جن چند صحابہ کرامؓ سے جو خطا (۲) سرزد ہوئی تھی اسے اللہ تعالیٰ نے معاف کر دیا ہے۔

گزشتہ سے پیوستہ.........حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَیْكُمُ الصِّیَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴾ [البقرة ۲:۱۸۳] (اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کیے گئے ہیں جس طرح تم سے پہلے والے لوگوں پر فرض کیے گئے تھے تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ)، عہدِ رسالت میں یہ معمول تھا کہ جب لوگ نمازِ عشاء ادا کر لیتے تو ان پر کھانا پینا اور بیویوں سے جماع کرنا حرام ہو جاتا تھا اور وہ روزہ اگلی رات تک چلتا۔ ایک دن ایک شخص نے اپنے نفس سے خیانت کی اور اپنی بیوی سے جماع کر لیا حالانکہ وہ نمازِ عشاء ادا کر چکا تھا اور اس نے اپنا روزہ افطار نہیں کیا تھا۔ پس اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ لوگوں کے لیے آسانی، رخصت اور فائدہ ہو۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے یہ حکم نازل فرمایا: ﴿ عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَیْكُمْ وَ عَفَا عَنْكُمْ ﴾ [البقرة ۲:۱۸۷] (اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے کہ تم اپنے آپ سے خیانت کرتے تھے، سو اس نے تمہارا قصور معاف کر دیا اور تم سے درگزر فرمایا)۔ اللہ تعالیٰ نے یہ حکم اس لیے نازل فرمایا تاکہ اللہ تعالیٰ انسانوں کو نفع پہنچائیں اور اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے رخصت اور آسانی پیدا کی۔ سنن أبي داؤد، كتاب الصوم، باب مبدأ فرض الصيام

۱۔ آل عمران ۳:۱۵۲

۲۔ حضرت براء بن عازبؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ اُحد میں حضرت عبداللہ بن جبیرؓ کو امیر بنایا۔ لوگوں نے اپنے امیر کا حکم نہ مانا۔ اس آیت میں اسی واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس صرف بارہ آدمی رہ گئے تھے، باقی سب منتشر ہو گئے تھے۔ صحيح البخاري، كتاب التفسير، باب قوله وَ الرَّسُوْلُ يَدْعُوْكُمْ فِیْۤ اُخْرٰىكُمْ

۹۔ سورت النسآء میں فرمایا:

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا ضَرَبْتُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَتَبَيَّنُوا وَ لَا تَقُولُوا لِمَنْ أَلْقَى إِلَيْكُمُ السَّلَامَ لَسْتَ مُؤْمِنًا تَبْتَغُونَ عَرَضَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا فَعِنْدَ اللَّهِ مَغَانِمُ كَثِيرَةٌ، كَذَلِكَ كُنْتُمْ مِنْ قَبْلُ فَمَنَّ اللَّهُ عَلَيْكُمْ فَتَبَيَّنُوا إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا(۱)

مومنو! جب تم اللہ تعالیٰ کی راہ میں (جہاد کے لیے) باہر نکلا کرو تو تحقیق سے کام لیا کرو اور تمہیں جو شخص السلام علیکم کہے اُس سے یہ نہ کہو کہ تم مومن نہیں ہو، اور اس سے تمہاری غرض یہ ہو کہ دنیا کی زندگی کا فائدہ حاصل کرو۔ سو اللہ تعالیٰ کے پاس بہت سی غنیمتیں ہیں (وہ تمہیں غنی کر دے گا)۔ تم بھی تو پہلے ایسے ہی تھے، پھر اللہ تعالیٰ نے تم پر احسان کیا۔ تو تحقیق کر لیا کرو، اور جو عمل تم کرتے ہو اللہ تعالیٰ کو سب کی خبر ہے۔

اس آیت میں صحابہ کرامؓ کی ایک غلطی (۲) کی نشاندہی کرنے کے بعد انہیں ہدایت کی جا رہی ہے کہ وہ آئندہ تحقیق سے کام لیا کریں اور اپنے دوست اور دشمن میں تمیز کر لیا کریں۔

۱۰۔ سورت المآئدۃ میں ہے:

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَسْأَلُوا عَنْ أَشْيَاءَ إِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ وَ إِنْ تَسْأَلُوا عَنْهَا حِينَ يُنَزَّلُ الْقُرْآنُ تُبْدَ لَكُمْ عَفَا اللَّهُ عَنْهَا وَ اللَّهُ غَفُورٌ حَلِيمٌ (۳)

اے ایمان والو! ایسی باتیں مت پوچھو جو تم پر ظاہر کر دی جائیں تو تمہیں ناگوار ہوں۔ لیکن اگر تم انہیں ایسے وقت پوچھو گے جبکہ قرآن نازل ہو رہا ہو تو وہ تم پر کھول دی جائیں گی۔ اب تک جو کچھ تم نے کیا اسے اللہ تعالیٰ نے معاف کر دیا، اللہ تعالیٰ درگزر کرنے والے بُردبار ہیں۔

۱۔ النسآء: ۹۴

۲۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ روایت کرتے ہیں کہ کچھ مسلمان جہاد سے واپس آ رہے تھے۔ انہیں راستے میں ایک چرواہا ملا۔ اس نے مسلمانوں کو ''السلام علیکم'' کہا۔ مسلمانوں نے اسے مار ڈالا اور اس کی تمام بکریاں لے لیں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ صحیح البخاری، کتاب التفسیر، باب قوله: وَ لَا تَقُولُوا لِمَنْ أَلْقَى إِلَيْكُمُ السَّلَامَ لَسْتَ مُؤْمِنًا۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ایک اور حدیث میں ہے کہ قبیلۂ بنی سُلَیم کا ایک شخص جس کے ساتھ اس کی بکریاں بھی تھیں، وہ صحابہؓ کے ایک گروہ کے پاس سے گزرا۔ اس نے انہیں سلام کیا۔ صحابہؓ نے کہا کہ اس نے اپنی جان بچانے کے لیے ہمیں سلام کیا ہے۔ انہوں نے اسے قتل کر دیا اور اس کی بکریاں چھین کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے آئے۔ تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ صحیح الترمذی، کتاب تفسیر القرآن عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، باب و من سورۃ النسآء

۳۔ المآئدۃ ۵:۱۰۱

اس آیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیکار سوال (۱) پوچھنے سے صحابہ کرامؓ کو منع کیا گیا ہے اور ساتھ ہی یہ بھی بتا دیا گیا ہے کہ ان سے اس بارے میں اب تک جو کچھ ہوا، اللہ تعالیٰ نے اسے معاف فرما دیا ہے۔

۱۱۔ سورت التوبة میں ہے:

لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِىْ مَوَاطِنَ كَثِيْرَةٍ وَّ يَوْمَ حُنَيْنٍ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْئًا وَّضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُّدْبِرِيْنَ. ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَ اَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا وَ عَذَّبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ ذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ. ثُمَّ يَتُوْبُ اللّٰهُ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (۲)

اللہ تعالیٰ اس سے پہلے بہت سے مواقع پر تمہاری مدد کر چکے ہیں۔ ابھی غزوہ حُنین کے دن (اللہ تعالیٰ کی دستگیری کی شان تم دیکھ چکے ہو)۔ اس روز تمہیں اپنی کثیر تعداد کا گھمنڈ تھا مگر وہ تمہارے کچھ کام نہ آئی اور زمین اپنی وسعت کے باوجود تم پر تنگ ہوگئی اور تم پیٹھ پھیر کر پلٹ گئے تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی سکینت وسکون اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر اور مومنین پر نازل فرمایا اور وہ لشکر اتارے جو تمہیں نظر نہیں آتے تھے اور منکرین کو سزا دی کہ یہی بدلہ ہے ان لوگوں کا جو انکار کریں۔ پھر (تم یہ بھی دیکھ چکے ہو کہ) اس طرح سزا دینے کے بعد اللہ تعالیٰ جسے چاہتے ہیں توبہ کی توفیق بھی بخش دیتے ہیں، اللہ تعالیٰ درگزر کرنے والے اور رحم فرمانے والے ہیں۔

مندرجہ بالا آیات غزوہ حُنین (۸ھ) میں کثرتِ تعداد پر گھمنڈ اور میدان سے بھاگ جانے کی غلطی (۳) کا تذکرہ کر رہی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرامؓ کی اس غلطی سے درگزر فرمایا۔

۱۔ حضرت انس بن مالکؓ سے مروی ہے: ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا خطبہ ارشاد فرمایا جو میں نے پہلے کبھی نہیں سنا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لَوْ تَعْلَمُوْنَ مَا اَعْلَمُ لَضَحِكْتُمْ قَلِيْلًا وَ لَبَكَيْتُمْ كَثِيْرًا ، جو کچھ میں جانتا ہوں اسے اگر تم جانتے تو کم ہنستے اور زیادہ روتے۔ یہ سن کر صحابہؓ نے اپنے چہرے چادروں میں چھپا لیے اور رونے لگے۔ ایک شخص نے پوچھا: میرا باپ کون ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: فُلَانٌ، فلاں شخص تمہارا باپ ہے۔ اسے لوگ حرامی کہا کرتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے پوچھنے پر وہی نام بتایا جس کی طرف وہ منسوب کیا جاتا تھا۔ یہ سن کر اسے بہت رنج ہوا۔ تب یہ آیت نازل ہوئی۔ صحيح البخاری، كتاب التفسير، باب قوله: لَا تَسْـَٔلُوْا عَنْ اَشْيَآءَ اِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ

۲۔ التوبة ۹:۲۵۔۲۷

۳۔ غزوہ حُنین (۸ھ) میں مسلمانوں کی کثرتِ تعداد پر ناز کرتے ہوئے ایک شخص نے کہا تھا: یارسول اللہ! آج ہم کسی سے ہرگز مغلوب نہیں ہوں گے۔ ان کی تعداد بارہ ہزار تھی۔ تفسير الطبری، جامع البيان عن تاويل آی القرآن ۱۸۲/۱۴

۱۲۔ سورت التوبۃ میں اُن صحابہ کرامؓ کے قصور اور پھر ان کی مغفرت بیان کی گئی ہے جو غزوہ تبوک (۹ھ) میں اپنی سُستی کی وجہ سے شرکت نہیں کر سکے تھے(۱):

۱۳۔ سورت التوبۃ میں ہے:

وَ اٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّ اٰخَرَ سَيِّئًا عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْهِمْ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (۲)

اور کچھ لوگ ہیں کہ انہوں نے اپنے قصوروں کا اعتراف کر لیا ہے۔ ان کا عمل مخلوط ہے، کچھ نیک ہے اور کچھ بد۔ قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ اُن پر پھر مہربان ہو جائیں۔ بیشک اللہ تعالیٰ بخشنے والے اور رحم فرمانے والے ہیں۔

۱۴۔ سورت التوبۃ میں مزید ہے:

وَ عَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا حَتّٰى اِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَ ضَاقَتْ عَلَيْهِمْ اَنْفُسُهُمْ وَ ظَنُّوْٓا اَنْ لَّا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّآ اِلَيْهِ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوْبُوْا، اِنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ(۳)

اور اُن تینوں کو بھی اس نے معاف کیا جن کا معاملہ ملتوی کر دیا گیا تھا۔ جب زمین اپنی ساری وسعت کے باوجود اُن پر تنگ ہو گئی تھی اور ان کی اپنی جانیں بھی ان پر بھاری ہونے لگیں تھیں اور انہوں نے جان لیا تھا کہ اللہ تعالیٰ سے بچنے کے لیے کوئی جائے پناہ خود اللہ تعالیٰ ہی کے دامنِ رحمت کے سوا نہیں ہے، تو اللہ تعالیٰ اپنی مہربانی سے ان کی طرف متوجہ ہوئے تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف پلٹ آئیں، یقیناً اللہ تعالیٰ بڑے معاف کرنے والے اور رحیم ہیں۔

۱۵۔ سورت الممتحنۃ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّيْ وَ عَدُوَّكُمْ اَوْلِيَآءَ تُلْقُوْنَ اِلَيْهِمْ

۱۔ جہاد (غزوہ تبوک ۹ھ) میں سستی کی بنا پر شرکت نہ کر سکنے والے صحابہ کرامؓ کے نام یہ ہیں: حضرت کعب بن مالکؓ، حضرت مرارہ بن ربیع عمرویؓ اور حضرت ہلال بن امیہ واقفیؓ۔ ان تینوں نے کوئی عذر نہ تراشا اور اپنے گناہ کا اعتراف کر لیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر سب مسلمانوں نے ان سے معاشرتی میل جول ختم کر دیا۔ ان کی بیویوں کو بھی ان سے الگ رہنے کا حکم دے دیا گیا۔ بالآخر اللہ تعالیٰ نے ان تینوں صحابہ کی شان میں سورت التوبہ کی یہ آیات نازل فرمائیں اور ان کی توبہ قبول ہوئی۔ حضرت کعب بن مالکؓ نے خود یہ واقعہ تفصیل سے روایت کیا ہے۔ ملاحظہ ہو: صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب حدیث کعب بن مالک ۔ مصدر سابق، کتاب التفسیر، باب قوله: و علی الثلاثة

۲۔ التوبة ۹:۱۰۲

۳۔ التوبة ۹:۱۱۸

بِالْمَوَدَّةِ وَ قَدْ كَفَرُوْا بِمَا جَآءَكُمْ مِّنَ الْحَقِّ، يُخْرِجُوْنَ الرَّسُوْلَ وَ اِيَّاكُمْ اَنْ تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ رَبِّكُمْ، اِنْ كُنْتُمْ خَرَجْتُمْ جِهَادًا فِیْ سَبِيْلِیْ وَ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِیْ تُسِرُّوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَ اَنَا اَعْلَمُ بِمَآ اَخْفَيْتُمْ وَ مَآ اَعْلَنْتُمْ وَ مَنْ يَّفْعَلْهُ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ(۱)

اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اگر تم میری راہ میں جہاد کرنے کے لیے اور میری رضا جوئی کی خاطر (وطن چھوڑ کر گھروں سے) نکلے ہو تو میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ۔ تم ان سے اظہارِ محبت کرتے ہو، حالانکہ جو حق تمہارے پاس آیا ہے اسے ماننے سے وہ انکار کر چکے ہیں۔ ان کی روش یہ ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اور خود تمہیں صرف اِس قصور پر جلاوطن کرتے ہیں کہ تم اپنے رب اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے ہو۔ تم چُھپا کر انہیں دوستانہ پیغام بھیجتے ہو، حالانکہ جو کچھ تم چُھپا کر کرتے ہو اور جو اعلانیہ کرتے ہو، ہر چیز کو میں خوب جانتا ہوں۔ جو شخص بھی تم میں سے ایسا کرے وہ یقیناً راہِ ہدایت سے بھٹک گیا۔

اس آیت میں دشمنوں کو دوست بنانے سے منع کیا گیا ہے اور صحابہ کرامؓ کو یہ احساس دلایا ہے کہ تم جنہیں اپنا دوست بناتے ہو، انہوں نے تمہیں تمہارے وطن سے نکال دیا تھا(۲)۔

۱۶۔ سورت الجمعة میں ارشاد فرمایا:

وَ اِذَا رَاَوْا تِجَارَةً اَوْ لَهْوَا انْفَضُّوْا اِلَيْهَا وَ تَرَكُوْكَ قَآئِمًا، قُلْ مَا عِنْدَ اللّٰهِ

۱۔ الممتحنة ۶۰:۱

۲۔ یہ آیت حضرت حاطبؓ کی شان میں نازل ہوئی تھی جنہوں نے ایک عورت کے ہاتھ مشرکینِ مکہ کو ایک خط بھیجا تھا جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض امور کے متعلق معلومات تھیں۔ حضرت حاطبؓ نے ایسا اس لیے کیا تھا تاکہ اس کے بدلے میں مکہ کے لوگ وہاں حضرت حاطبؓ کے مال واسباب کی حفاظت کریں۔ ایسا انہوں نے کفر کی بنا پر یا دین اسلام سے پھر جانے کی وجہ سے نہیں کیا تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پوچھنے پر حضرت حاطبؓ نے اپنی صفائی میں کہا تھا: یا رسول اللہ! آپ مجھ پر جلدی نہ فرمایں۔ میں قریشی نہیں تھا بلکہ ان کے حلیفوں میں سے تھا۔ آپ کے ساتھ جو مہاجرین ہیں ان لوگوں کی مکہ والوں کے ساتھ رشتہ داریاں ہیں جس کی وجہ سے وہ ان کے گھروں اور اموال کی حفاظت کرتے ہیں۔ چونکہ نسب کے لحاظ سے میرا اُن سے کوئی تعلق نہیں تھا اس لیے میں نے چاہا کہ ان پر کوئی احسان کردوں تاکہ وہ میری قرابت کی حفاظت کریں۔ میں نے کفر یا اپنا دین چھوڑ دینے کی وجہ سے ایسا نہیں کیا۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اِنَّهٗ قَدْ صَدَقَكُمْ، اس نے تم سے سچ کہا۔ اس موقع پر حضرت عمرؓ نے کہا تھا: یا رسول اللہ! مجھے اجازت دیں میں اس کی گردن اڑا دوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اِنَّهٗ شَهِدَ بَدْرًا وَّ مَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّ اللّٰهَ عَزَّ وَ جَلَّ اطَّلَعَ عَلٰى اَهْلِ بَدْرٍ فَقَالَ: اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ فَقَدْ غَفَرْتُ لَكُمْ، وہ غزوہ بدر میں شریک ہوا تھا، کیا تمہیں معلوم ہے کہ شائد اللہ تعالیٰ نے اہل بدر کو دیکھ کر فرمایا تھا: جو چاہو کرو، میں نے تمہیں بخش دیا ہے۔ صحيح البخاری، کتاب التفسیر، سورة الممتحنة

خَيْرٌ مِّنَ اللَّهْوِ وَ مِنَ التِّجَارَةِ وَ اللّٰهُ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ (۱)

اور جب انہوں نے تجارت اور کھیل تماشا ہوتے دیکھا تو اس کی طرف لپک گئے اور آپ کو کھڑا چھوڑ دیا۔ آپ ان سے کہہ دیں کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ کے پاس ہے وہ کھیل تماشے اور تجارت سے بہتر ہے اور اللہ تعالیٰ سب سے بہتر رزق دینے والے ہیں۔

اس آیت میں صحابہ کرامؓ کو دنیا کی تجارت اور کھیل تماشوں کی طرف لپکنے اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو کھڑا چھوڑ دینے پر تنبیہ کی گئی (۲) اور یہ تعلیم دی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے پاس جو کچھ ہے وہ دنیا کی تجارت اور کھیل تماشے سے بہتر ہے۔

صحابہؓ کی توبہ کی فضیلت

بعض صحابہؓ سے تقاضائے بشریت کے تحت ایسے افعال سرزد ہوئے جو اسلامی قانون کی نظر میں جرم اور مستوجبِ سزا تھے۔ اس معاملہ کو یوں لینا چاہیے کہ ان چند صحابہؓ کی وجہ سے اسلام کا قانونِ جرم وسزا واضح ہو کر سامنے آ گیا۔ اگر یہ واقعات نہ ہوتے تو اسلامی احکام کا فوجداری پہلو عملی شکل اختیار نہیں کر سکتا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مبارکہ ہی میں قرآن وسنت کے دیگر تمام احکام نافذ ہو کر قابلِ عمل ہونے کی سند حاصل کر چکے تھے۔ بظاہر مشیتِ الٰہی یہ نظر آتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے چند صحابہؓ سے "قربانی" لی، ان سے "جرائم" سرزد ہوئے، ان پر اسلامی سزاؤں کا نفاذ کرایا گیا اور یوں اسلامی احکام کا فوجداری وتعزیری پہلو بھی اپنی عملی صورت میں دنیا کے سامنے آ گیا۔ اب اسلامی قانون کے کسی حکم سے متعلق یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ کبھی نافذ العمل نہیں رہا، یا یہ کہ آج اس کا نفاذ کس طرح ہوگا۔ جو کام ایک دفعہ وقوع پذیر ہو چکا ہو وہ دوبارہ بھی کیا جا سکتا ہے۔

صحابہ کرامؓ بلاشبہ تقویٰ، خوفِ الٰہی اور اخلاقیات کے بلند مقام پر فائز تھے۔ کوئی خطا سرزد ہو جانے پر وہ فوراً اپنے اللہ کے حضور مغفرت کے خواستگار ہوئے۔ انہوں نے عدالتِ نبوی میں حاضر ہو کر اپنے گناہوں کا اعتراف کیا اور سزا پا کر اسی دنیا میں پاک ہونا چاہا تا کہ وہ آخرت کی رسوائی اور سزا سے بچ سکیں۔ ایسے تقریباً تمام واقعات میں شہادت وگواہی کے بجائے اقرار واعتراف کی بنیاد پر سزاؤں کا نفاذ ہوا تھا۔

اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں ان کی توبہ بڑی فضیلت والی قرار دی گئی

۱۔ الجمعة ۶۲:۱۱

۲۔ مدینہ کے زمانہ قحط میں جمعہ کے روز ملکِ شام سے ایک قافلہ آیا جس کے ساتھ اونٹوں پر غلّہ لدا ہوا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کا خطبہ ارشاد فرما رہے تھے۔ لوگ اس قافلہ کی طرف دوڑ پڑے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس صرف بارہ افراد باقی رہ گئے تھے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی تھی۔ صحيح البخاری، كتاب الجمعة، باب إذا نفر النّاس عن الإمام فی صلوٰة الجمعة۔ صحيح مسلم، كتاب الجمعة، باب فی قوله تعالیٰ: وَ إِذَا رَاَوْا تِجَارَةً

ہے۔ مثلاً حضرت ماعز بن مالکؓ کی توبہ(۱) کے بارے میں حضرت بُرَیْدَۃؓ سے مروی حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَقَدْ تَابَ تَوْبَةً لَوْ قُسِمَتْ بَيْنَ أُمَّةٍ لَوَسِعَتْهُمْ (۲)

ماعزؓ نے ایسی توبہ کی ہے جو اگر اُمت کے لوگوں میں بانٹی جائے تو کافی ہو۔

حضرت بُرَیْدَۃؓ سے مروی ایک اور حدیث میں قبیلہ غامدیہ کی ایک صحابیہؓ کی توبہ(۳) کے بارے میں فرمانِ نبوی ہے:

فَوَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَقَدْ تَابَتْ تَوْبَةً لَوْ تَابَهَا صَاحِبُ مَكْسٍ لَغُفِرَ لَهُ (۴)

قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے! اس نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر ایسی توبہ ناجائز محصول لینے والا کرے تو اسے بھی بخش دیا جائے۔

صَاحِبُ مَكْسٍ یعنی ناجائز ٹیکس لینے والے کی توبہ کا ذکر اس لیے کیا گیا ہے کہ وہ انسانوں پر ظلم کرتا، ان کے حقوق غصب کرتا اور انہیں تنگ کرتا ہے۔ عوام سے ناجائز اور ظالمانہ ٹیکس وصول کرنے والے کو جنت میں داخلہ سے محروم کر دیا گیا ہے۔ حضرت عُقبہ بن عامرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ صَاحِبُ مَكْسٍ (۵)

ناجائز ٹیکس وصول کرنے والا جنت میں نہیں جائے گا۔

حضرت عمران بن حُصَینؓ سے مروی ایک حدیث میں قبیلہ جُہَینَہ کی ایک صحابیہؓ نے جو توبہ کی اس کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا:

۱۔ حضرت ماعز بن مالکؓ سے جرم زنا سرزد ہوا۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے اور کہا: یا رسول اللہ! مجھے پاک کیجیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں متعدد بار مختلف باتوں سے ٹالا مگر حضرت ماعزؓ نے ہر مرتبہ اپنی غلطی کا اقرار کیا۔ بالآخر حضرت ماعزؓ کے واضح اعتراف پر انہیں رجم کر دیا گیا۔ تفصیل ملاحظہ ہو: صحیح مسلم، کتاب الحدود، باب حد الزنی

۲۔ صحیح مسلم، کتاب الحدود، باب حد الزنی

۳۔ قبیلہ غامدیہ کی یہ خاتون رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئیں اور زنا سے حاملہ ہونے کا اقرار کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ٹالنا چاہا مگر وہ اپنے اقرار پر مُصر رہیں۔ انہیں بچہ کی پیدائش تک مہلت دی گئی جس کے بعد وہ بچہ لے کر پھر حاضر ہوئیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بچے کا دودھ چھڑانے تک مہلت دی۔ وہ بچہ لے کر پھر عدالتِ نبوی میں حاضر ہوئیں جبکہ بچے کے ہاتھ میں روٹی کا ٹکڑا تھا۔ تب ان خاتون کو رجم کر دیا گیا۔ تفصیل ملاحظہ ہو: صحیح مسلم، کتاب الحدود، باب حد الزنی

۴۔ صحیح مسلم، کتاب الحدود، باب حد الزنی

۵۔ سنن أبی داؤد، کتاب الخراج و الفیء و الإمارة، باب فی السعایة علی الصدقة

لَقَدْ تَابَتْ تَوْبَةً لَوْ قُسِمَتْ بَيْنَ سَبْعِيْنَ مِنْ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ لَوَسِعَتْهُمْ وَ هَلْ وَجَدْتَ تَوْبَةً اَفْضَلُ مِنْ اَنْ جَادَتْ بِنَفْسِهَا لِلّٰهِ تَعَالٰى (۱)

اس (عورت) نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر یہ ستر اہل مدینہ کے درمیان تقسیم کر دی جائے تو انہیں کافی رہے۔ تم نے اس سے بہتر توبہ کون سی دیکھی کہ اس نے اپنی جان اللہ تعالیٰ کی خاطر دے دی ہے۔

حضرت وائل بن حُجرؓ نے ایک حدیث روایت کی ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابی کی توبہ کی فضیلت میں فرمایا تھا:

لَقَدْ تَابَ تَوْبَةً لَوْ تَابَهَا اَهْلُ الْمَدِيْنَةِ لَقُبِلَ مِنْهُمْ (۲)

اس نے ایسی توبہ کی ہے جو اگر اہل مدینہ کرتے تو اُن سے قبول کر لی جاتی۔

۱۔ قبیلہ جُہینہ کی ایک خاتون نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہو کر زنا سے اپنے حمل کا اقرار کیا اور نفاذ حد کا مطالبہ کیا۔ انہیں بچے کی پیدائش تک مہلت دی گئی جس کے بعد وہ رجم کر دی گئیں۔ تفصیل ملاحظہ ہو: صحیح مسلم، کتاب الحدود، باب حد الزنی

۲۔ مسند أحمد ۶/۳۹۹

عدالتِ صحابہؓ

عدالت کا لغوی معنی

لفظ ''عدالت'' عَدُلَ یَعْدُلُ عَدْلٌ سے مصدر ہے یعنی عادل ہونا۔ عربی لغت میں عدل وہ چیز ہے جس سے انسانی نفوس صحیح وسلیم رہتے ہیں اور عدل کی ضد ظلم وجور ہے (۱)۔ عدل سے مراد وہ صفت ہے جس سے انسان خواہشات نفس کی طرف مائل نہیں ہوتا کہ وہ کوئی فیصلہ کرنے میں ظلم کرے۔ عدل سے مراد وہ حکم ہے جو حق وانصاف پر مبنی ہو (۲)۔ لغت میں عدل کے ایک سے زیادہ معانی ہیں، مثلاً:

۱۔ رضا

وَ اَشْهِدُوْا ذَوَیْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ (۳)

اور اپنے میں سے ان دو مردوں کو گواہ کرلو جن کے دین وامانت پر تم راضی ہو۔

امام طبریؒ نے لکھا ہے: و هما اللذان یرضی دینهما و امانتهما (۴) یعنی وہ دو جن دونوں کے دین اور امانت پر راضی ہو۔

امام بخاریؒ نے اسی مفہوم میں اپنی کتاب صحیح بخاری میں باب الشهداء عدول کے عنوان سے ایک باب قائم کیا ہے (۵)۔

۲۔ توسط

یعنی بغیر کسی زیادتی یا نقصان کے کسی کام میں درمیانی راہ۔

وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا (۶)

۱۔ لسان العرب، مادہ: عدل ۱۱/۴۳۱

۲۔ حوالہ بالا ۱۱/۴۳۰

۳۔ الطلاق ۶۵:۲

۴۔ جامع البیان فی تفسیر القرآن، جلد ۱۲، جزء ۲۸، صفحہ ۸۸

۵۔ صحیح البخاری، کتاب الشهادات، باب الشهداء عدول ۱/۳۶۰

۶۔ البقرة ۲:۱۴۳

اور اسی طرح ہم نے تمہیں اُمت معتدل بنایا ہے۔

وَسَطًا سے مراد عُدُوْلًا ہے(۱)۔

قرآن مجید کی آیت: وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا کے بارے میں حضرت ابوسعید خدریؓ نے فرمایا ہے: عُدُوْلًا (۲)۔

۳۔ **بدلہ ومعاوضہ**

وَ لَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ (۳)

اور نہ کسی سے کوئی بدلہ قبول کیا جائے گا۔

امام طبریؒ نے ابوالعالیہؒ سے مروی ایک قول لکھا ہے: وَ لَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ يعني فداء (۴)، یعنی فدیہ اور بدلہ۔

۴۔ **اشتراک**

ثُمَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ (۵)

پھر بھی جنہوں نے کفر کیا وہ اپنے رب کے ساتھ (اوروں کو) شریک ٹھہراتے ہیں۔

امام طبریؒ نے مجاہدؒ کا یہ قول نقل کیا ہے: يَعْدِلُوْنَ قال: يشركون (۶)، يَعْدِلُوْنَ یعنی وہ شریک ٹھہراتے ہیں۔

مفسر مراغیؒ نے اس آیت کے تحت لکھا ہے: فهو بمعنى يشركون به (۷)، یہ اس معنی میں ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہیں۔

۵۔ **برابری ومساوات**

اَوْ عَدْلُ ذٰلِكَ صِيَامًا (۸)

یا اس کے برابر روزے رکھے۔

۱۔ آمدی، الإحكام في أصول الأحكام ۳۲۰/۲۔ الموافقات في أصول الشريعة ۷۶/۴۔ شرح مختصر الروضة ۱۸۱/۲

۲۔ تفسير الطبري جامع البيان عن تأويل آی القرآن ۱۴۳/۳

۳۔ البقرة ۴۸:۲

۴۔ تفسير الطبري جامع البيان عن تأويل آی القرآن ۳۴/۲

۵۔ الأنعام ۱:۶

۶۔ تفسير الطبري جامع البيان عن تأويل آی القرآن

۷۔ تفسير المراغی ۷۱/۷

۸۔ المائدة ۹۵:۵

مراغیؒ عدل کا معنی واضح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: والعدل (بالفتح) المعادل للشیء والمساوی له (۱)۔ عدل سے مراد ہے کسی چیز کے برابر اور اس کے مساوی ہونا۔

ان کے علاوہ عدل کے معانی کَیل یعنی ماپنے کا آلہ اور استقامت کے بھی ہیں (۲)۔

عدالت کی اصطلاحی تعریف

فخر الاسلام بزدویؒ نے عدالت کی جو وضاحت کی ہے اس کا حاصل یہ ہے: عدالت سے مراد اِستقامت یعنی ٹھیک راستہ پر چلنا ہے۔ جو راستہ سیدھا ہو، اسے طریقِ عدل کہا جاتا ہے اور پگڈنڈیوں کو طریقِ جائر یعنی ظلم کا راستہ کہتے ہیں۔ عدالت دو قسم کی ہے: قاصرہ اور کاملہ۔ عدالت قاصرہ وہ ہے جس میں ظاہر اسلام اور عقل کا صحیح ہونا پایا جائے، کیونکہ اس میں اصل اور بنیادی چیز استقامت یعنی صحیح ہونا ہی ہے۔ لیکن اس اصل کے ساتھ ہمیشہ خواہشات لگی رہتی ہیں جو اسے راستے سے بھٹکاتی اور سیدھا چلنے سے روکتی ہیں۔

بزدویؒ فرماتے ہیں: کمالِ استقامت کی کوئی حد نہیں ہے کہ جس کا تعین کیا جا سکے، کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اس کی مرضی کے تحت مختلف ہوتی ہے۔ اس لیے استقامت میں ایسے درجہ کو کمال شمار کر لیا گیا ہے جس سے نہ تو کوئی نقص اور مشقت واقع ہو اور نہ ہی اس سے حدودِ شریعت کا ضیاع و نقصان ہو۔

وہ مزید کہتے ہیں: یہ استقامت، دین اور عقل دونوں کے خواہشات اور من مانی پر غالب ہونے کا نام ہے۔ اسی لیے کہا گیا ہے کہ جو گناہِ کبیرہ کا مرتکب ہوا، اس کی عدالت ختم ہوگئی اور اس پر جھوٹ کا الزام لگ گیا۔ جو شخص گناہِ کبیرہ کا ارتکاب نہیں کرتا لیکن صغیرہ گناہوں پر اصرار کرتا ہے وہ بھی مرتکبِ کبیرہ ہی کی طرح ہے۔ الزام لگنے اور عدالت میں نقص پیدا ہو جانے کے لحاظ سے صغیرہ کا ارتکاب کرنے والا، مرتکبِ کبیرہ ہی کے مانند ہے۔ البتہ جو شخص صغیرہ گناہ کا ارتکاب کرتا ہے مگر اس پر اصرار نہیں کرتا، اس کی عدالت کامل ہے اور شریعت کے مفاد میں اس کی بات حجت ہے۔ اگر مطلق عدالت کا لفظ استعمال کیا جائے تو اس سے مراد اِن دونوں صورتوں میں سے وہ صورت ہے جو زیادہ کامل ہے (۳)۔

شمس الائمہ سَرَخسیؒ کے مطابق: عدالت، استقامت یعنی ٹھیک راستہ پر چلنے کا نام ہے۔ جب کوئی شخص انصاف اور حق کے ساتھ فیصلہ کرنے میں راست روی اختیار کرے تو وہ عادل ہے۔

سَرَخسیؒ نے عدالت کی دو قسمیں بیان کی ہیں: ظاہری اور باطنی۔ ظاہری عدالت دین اور عقل سے ثابت ہوتی ہے۔ جس میں یہ دونوں چیزیں موجود ہیں وہ ظاہری طور پر عادل ہے، کیونکہ یہ دونوں اسے صحیح راہ پر رکھتی ہیں۔

۱۔ حوالہ بالا ۷/۳۰

۲۔ معجم متن اللغة ۴/۴۷

۳۔ عبدالعزیز بخاری، كشف الأسرار ۲/۵۸۳-۵۸۴

جبکہ باطنی عدالت انسانی معاملات کو دیکھے بغیر معلوم نہیں کی جا سکتی۔ اس کی کوئی آخری حد ممکن نہیں ہے، کیونکہ ان دونوں اقسام کے حوالے سے لوگوں میں فرق پایا جاتا ہے۔ لیکن جو شخص حرام فعل کا ارتکاب کرنے سے باز رہتا ہے وہ راہِ مستقیم پر گامزن ہے اور اسی عدالت کی بنا پر خبر کے حجت ہونے کا حکم لگایا جاتا ہے(۱)۔

امام غزالیؒ عدالت کی تعریف کرتے ہوئے کہتے ہیں: عدالت، دین اور سیرت میں درست راستہ پر چلنے سے عبارت ہے۔ اس سے انسان میں ایسی پختہ کیفیت پیدا ہوتی ہے جو اسے اس بات پر آمادہ کرتی ہے کہ وہ تقویٰ اور مروّت کو لازمی پکڑے۔ اس کے نتیجے میں انسانی نفوس کی ثقاہت حاصل ہو جاتی ہے اور وہ انسان قابلِ اعتبار سمجھے جاتے ہیں(۲)۔

فخر الدین رازیؒ نے بھی امام غزالیؒ کی تعریف جیسی تعریف کی ہے(۳)۔

قاضی بیضاویؒ لکھتے ہیں: عدالت سے مراد کسی شخص میں وہ عادت ہے جو اسے کبیرہ گناہ اور گھٹیا مباحات کے ارتکاب سے باز رکھتی ہے(۴)۔

ابوالبرکات نسفیؒ کے نزدیک بھی عدالت سے مراد کسی شخص کی وہ پختہ کیفیت ہے جو اسے دین کے حرام کردہ امور کا ارتکاب کرنے سے بچائے رکھتی ہے(۵)۔

ان تعریفات کی روشنی میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ دین میں ٹھیک راستہ پر چلنے، راست روی اختیار کرنے، اَوامر کا اِتباع کرنے، نواہی اور ممنوعاتِ دین سے باز رہنے، کبائر (۶) سے اجتناب کرنے اور صغائر پر اصرار نہ کرنے کا نام عدالت ہے۔

۱۔ المحرر فی أصول الفقه ۲۶۳/۱

۲۔ المستصفٰی فی علم الأصول ص ۱۲۵

۳۔ المحصول فی علم أصول الفقه ۱۰۲۲/۳

۴۔ الإبهاج فی شرح المنهاج ۳۱۴/۱

۵۔ نسفی، کشف الأسرار ۲۱/۲

۶۔ احادیث کی روشنی میں کبائر یہ ہیں: شرک، جادو، ناحق قتلِ انسانی، سودخوری، یتیم کا مال کھانا، جہاد سے فرار، پاکدامن مومنہ عورتوں پر تہمت لگانا، والدین کی نافرمانی، جھوٹی گواہی، والدین کو گالی دینا اور بیت اللہ کعبہ کی بے حرمتی کرنا۔ صحیح البخاری، کتاب الوصایا، باب قوله تعالىٰ: إِنَّ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ أَمْوَالَ الْيَتَامٰى۔ صحیح مسلم، کتاب الإیمان، باب الکبائر و أکبرها ۔سنن أبی داؤد، کتاب الوصایا، باب ما جاء فی تشدید فی أکل مال الیتیم۔سنن النسائی، کتاب الوصایا، باب إجتناب أکل مال الیتیم

چوری، شراب نوشی، زنا، لواطت، جھوٹی قسم، ڈکیتی، غیبت، اور جوئے کو بھی کبائر میں شمار کیا گیا ہے۔ التوضیح و التلویح ۴۳۶/۲۔ شرح الکوکب المنیر ۳۸۴/۲۔ کشف الأسرار للنسفی مع شرح نور الأنوار ۲۱/۲۔

صحابہ کرامؓ کو برا کہنا بھی کبائر میں شمار کیا گیا ہے۔ صحیح مسلم بشرح النووی ۳۹/۶

بقیہ اگلے صفحہ پر ......

عدالتِ صحابہؓ سے مراد

اس سے مراد یہ ہے کہ تمام صحابہؓ عدول ہیں۔ اَلصَّحَابَةُ كُلُّهُمْ عُدُوْلٌ ۔ان کی ذات ہر قسم کی جرح اور تعدیل سے بالا ہے۔انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دین حاصل کرنے اور اسے دوسروں کو منتقل کرنے میں انتہائی درجہ کی احتیاط اور کمال دیانتداری سے کام لیا۔وہ روایتِ دین میں جھوٹ سے پاک ہیں اور نقل روایت میں کمی وزیادتی کے دانستہ طور پر مرتکب نہیں ہوئے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منسوب ہر روایت کو قبول کرنے میں اس کے تمام رجال پر جرح وتنقید کی جائے گی، راویوں کے احوال کا جائزہ لیا جائے گا، ان کے کردار کا تزکیہ کیا جائے گا اور ان کے عدول ہونے کی تحقیق کی جائے گی، ماسوائے حضرات صحابہ کرامؓ کے۔صحابہ کرامؓ کو عدول قرار دیتے ہوئے دین میں ان کی روایت اور گواہی بغیر کسی تنقید کے اور مِن وعَن قبول کی جائے گی (۱)۔

امام جوینیؒ اور ابن صلاحؒ نے تمام صحابہؓ کے عدول ہونے پر اِجماع بیان کیا ہے (۲)۔ابن عبدالبرؒ نے

گزشتہ سے پیوستہ.........امام محی الدین نوویؒ نے صحیح مسلم کی شرح میں کبیرہ گناہ کی تعریف میں علماء کے اقوال جمع کیے ہیں:

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ جس چیز سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے اس کا کرنا کبیرہ گناہ ہے۔قاضی عیاضؒ نے اسے محققین کا مذہب لکھا ہے۔حضرت ابن عباسؓ ہی سے مروی ہے کہ کبیرہ گناہ وہ ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے جہنم یا غضب یا لعنت یا عذاب یا کوئی اور اس جیسا لفظ فرمایا ہو۔حسن بصریؒ سے بھی ایسا ہی منقول ہے۔بعض نے کہا ہے کہ کبیرہ گناہ وہ ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے آخرت میں جہنم اور دنیا میں کسی سزا (یعنی حد) کی وعید سنائی ہو۔امام غزالیؒ فرماتے ہیں: انسان جو گناہ ہلکا سمجھ کر کرتا ہے اور اس سے نہیں ڈرتا اور نہ ہی شرمندہ ہوتا ہے وہ کبیرہ ہے اور جس سے اسے ندامت ہوتی ہے اور آئندہ بچنے کا ارادہ ہوتا ہے وہ کبیرہ نہیں ہے۔ابن الصلاحؒ نے کہا ہے: کبیرہ کی کئی نشانیاں ہیں: ایک یہ کہ اس میں سزائے حد بتائی گئی ہو (جیسے زنا، چوری، شراب نوشی، قذف، ڈکیتی)، دوسری یہ کہ اس پر جہنم کے عذاب کی وعید ہو، تیسری یہ کہ اس کا فاعل فاسق قرار دیا گیا ہو اور چوتھی یہ کہ اس پر لعنت کی ہو۔صحیح مسلم بشرح النووی، کتاب الإیمان، باب الکبائر و أکبرھا۔

صغائر سے مراد ہر وہ ممنوع قول یا فعل ہے جس کے ارتکاب پر دنیا میں کوئی سزائے حد نہیں اور نہ ہی آخرت میں اس پر کوئی وعید ہے۔ شرح الکوکب المنیر ۳۸۸/۲

۱۔ الکفایة ص۴۶۔ التقریب ص۳۴۔ تدریب الراوی ۲/۲۱۴۔علوم الحدیث ص۲۶۴۔ فتح المغیث ۴/۹۳۔ التقیید و الإیضاح ص۳۰۱۔ الباعث الحثیث ص۱۸۱۔ الإستیعاب ۱/۳۸۔ العواصم و القواصم ۱/۳۶۹۔ جامع الأصول ۱/۷۳۔ الإصابة ۱/۱۰۔ توضیح الأفکار ۲/۱۹۰۔ إحکام الفصول فی أحکام الأصول ص۳۰۳۔آمدی، الإحکام فی أصول الأحکام ۲/۳۲۰۔ابن حزم، الإحکام فی أصول الأحکام ۵/۸۹۔نہایة الوصول ۷/۲۹۰۴۔ شرح مختصر الروضة ۲/۱۸۰۔ المستصفی فی علم الأصول ص ۱۳۰۔ البحر المحیط فی أصول الفقه ۴/۲۹۹۔ ارشاد الفحول ص۱۲۶۔ تیسیر التحریر ۳/۶۴۔ حاشیة البنانی ۲/۱۶۷۔ شرح الکوکب المنیر ۲/۴۷۳۔ روضة الناظر ۱/۳۰۰۔عبدالعزیز بخاری، کشف الأسرار ۲/۵۵۹-۵۶۰

۲۔ البرھان فی أصول الفقه ۱/۶۳۱۔ علوم الحدیث ص۲۶۵۔ التقیید و الإیضاح ص۳۰۱

لکھا ہے: اہلِ حق یعنی اہل السنۃ والجماعۃ (۱) کا اجماع ہے کہ تمام صحابہ کرامؓ عدول ہیں (۲)۔ حافظ ابن کثیرؒ، ابن حجر عسقلانیؒ اور سخاویؒ نے اَلصَّحَابَةُ كُلُّهُمْ عُدُوْلٌ کو اہلِ سنت و جماعت کا قول قرار دیا ہے (۳)۔

ابن اثیرؒ، ابن حاجبؒ، آمدیؒ، تاج الدین سبکیؒ، ابن لحامؒ اور ابن ہمامؒ وغیرہ نے تمام صحابہؓ کے عدول ہونے کو جمہور کا قول بیان کیا ہے (۴)۔ امام غزالیؒ اور ابن قدامہؒ نے لکھا ہے کہ تمام صحابہؓ کا عدول ہونا متقدمینِ اُمت اور جمہور متاخرین کا قول ہے (۵)۔

عدالتِ صحابہؓ پر قرآن کی گواہیاں

قرآن مجید کی متعدد آیات عدالتِ صحابہؓ پر دلالت کرتی ہیں:

صحابہؓ سے اللہ راضی

قرآن بتاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ صحابہ کرامؓ سے راضی ہیں اور صحابہ کرامؓ اللہ تعالیٰ سے راضی ہیں:

وَ السّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَ الْاَنْصَارِ وَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ رَضُوْا عَنْهُ وَ اَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ (۶)

وہ مہاجر اور انصار جنہوں نے سب سے پہلے دعوتِ ایمان پر لبیک کہنے میں سبقت کی، نیز وہ جنہوں نے بعد میں راستبازی کے ساتھ اُن کی پیروی کی، اللہ تعالیٰ اُن سے راضی ہوا اور وہ

۱۔ یہ لقب حدیثِ نبوی: مَا اَنَا عَلَيْهِ وَ اَصْحَابِي [جامع ترمذی، أبواب الإیمان، باب إفتراق هذه الأمة] جس راستہ پر میں اور میرے صحابہؓ ہیں، سے ماخوذ ہے اور یہ ان لوگوں کے لیے بولا جاتا ہے جو کتابِ الٰہی اور سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ساتھ جماعتِ صحابہ کرامؓ کے طریقوں کو بھی ماٰخذِ فقہ مانتے ہیں۔ چوتھی صدی ہجری میں علمائے حق کے لیے أَهْلُ السُّنَّةِ وَ الْجَمَاعَةِ کی اصطلاح عام ہوئی تھی۔ امام ابوالحسن الاشعریؒ (م ۳۳۰ھ) کو امام اہل السنۃ والجماعۃ کا لقب دیا گیا۔ سنّت سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طرزِ زندگی ہے اور جماعت سے مراد حضرات صحابہ کرامؓ ہیں۔ لہٰذا اہل السنۃ والجماعۃ سے مراد وہ تمام مسلمان ہیں جو اپنے اعتقادات، اعمال اور مسائل میں سنّتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات صحابہ کرامؓ کے اقوال و افعال کو اساس بناتے ہیں۔ تفصیل ملاحظہ ہو: اجتہاد اور تقلید از قاری محمد طیبؒ، ص ۷۵

۲۔ الإستیعاب ۱/ ۳۸

۳۔ الباعث الحثیث ص ۱۸۱۔ الإصابة ۱/ ۱۰۔ فتح المغیث ۴/ ۹۳

۴۔ جامع الأصول ۱/ ۷۴۔ منتهى الوصول و الأمل ص ۸۰۔ آمدی، الإحكام فی أصول الأحكام ۲/ ۳۲۰۔ جمع الجوامع ۲/ ۱۶۷۔ المختصر فی أصول الفقه علی مذهب الإمام أحمد بن حنبل ص ۸۸۔ تیسیر التحریر ۳/ ۶۴

۵۔ المستصفى فی علم الأصول ص ۱۳۰۔ روضة الناظر ۱/ ۳۰۰

۶۔ التوبة ۹: ۱۰۰

اللہ تعالیٰ سے راضی ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے باغات تیار کر رکھے ہیں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں اور ہمیشہ ان میں رہیں گے۔ یہی عظیم کامیابی ہے۔

قرآن کے ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

أُولَٰئِكَ كَتَبَ فِي قُلُوبِهِمُ الْإِيمَانَ وَأَيَّدَهُم بِرُوحٍ مِّنْهُ وَيُدْخِلُهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ أُولَٰئِكَ حِزْبُ اللَّهِ أَلَا إِنَّ حِزْبَ اللَّهِ هُمُ الْمُفْلِحُونَ (۱)

یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ تعالیٰ نے ایمان ثبت کر دیا ہے اور اپنی طرف سے ایک روح عطا کر کے انہیں قوت بخشی ہے۔ وہ انہیں ایسی جنتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔ ان میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ تعالیٰ سے راضی ہوئے۔ یہی لوگ اللہ تعالیٰ کا گروہ ہیں۔ خبردار رہو کہ اللہ تعالیٰ ہی کے گروہ والے فلاح پانے والے ہیں۔

ایک اور آیت میں ہے:

لَقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِي قُلُوبِهِمْ فَأَنزَلَ السَّكِينَةَ عَلَيْهِمْ وَأَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيبًا (۲)

اللہ تعالیٰ مومنوں سے خوش ہو گیا جب وہ درخت کے نیچے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے بیعت کر رہے تھے۔ ان کے دلوں کا حال اسے معلوم تھا، اس لیے اس نے ان پر سکینت نازل فرمائی اور انہیں جلد فتح عنایت کی۔

مندرجہ بالا قرآنی آیات اس بات پر دلیل ہیں کہ اللہ تعالیٰ صحابہ کرامؓ سے راضی ہیں۔ اللہ تعالیٰ فاسقوں اور نافرمانوں سے راضی نہیں ہوتے۔ اللہ تعالیٰ کا صحابہ کرامؓ سے راضی ہونا ان کی عدالت ثابت کرتا ہے۔

صحابہؓ بہترین راستہ پر گامزن

قرآن یہ گواہی بھی دیتا ہے کہ حضرات صحابہ کرامؓ بہترین راستہ پر گامزن ہیں:

قُلْ هَٰذِهِ سَبِيلِي أَدْعُو إِلَى اللَّهِ عَلَىٰ بَصِيرَةٍ أَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِي (۳)

۱۔ المجادلۃ ۲۲:۵۸

۲۔ الفتح ۱۸:۴۸

۳۔ یوسف ۱۰۸:۱۲

(پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم) آپ فرمادیں: میرا رستہ تو یہ ہے، میں اللہ کی طرف بلاتا ہوں، میں خود بھی پوری روشنی میں اپنا راستہ دیکھ رہا ہوں اور میرے پیروکار بھی۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا قول ہے کہ مندرجہ بالا آیت میں وَ مَنِ اتَّبَعَنِیْ سے مراد حضرات صحابہ کرامؓ ہیں (۱)۔

صحابہؓ بہترین گروہ

حضرات صحابہ کرامؓ ایک بہترین گروہ قرار دیے گئے ہیں:

کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ (۲)

اب دنیا میں وہ بہترین گروہ تم ہو جسے انسانوں کی اصلاح کے لیے میدان میں لایا گیا ہے۔ تم نیک کام کرنے کا حکم دیتے، بُرے کاموں سے منع کرتے اور اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہو۔

اس آیت کے اوّلین مخاطب صحابہ کرامؓ ہیں۔ حجۃ الاسلام غزالیؒ اور سیف الدین آمدیؒ نے لکھا ہے کہ مندرجہ بالا آیت میں صحابہ کرامؓ سے خطاب ہے (۳)۔

صحابہؓ اُمتِ وسط

حضرات صحابہ کرامؓ امتِ وسط تسلیم کیے گئے ہیں:

وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَ يَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا (۴)

اور اِسی طرح ہم نے تمہیں اُمتِ وسط بنایا ہے تاکہ تم لوگوں پر گواہ بنو اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم تم پر گواہ بنیں۔

ابن الصلاحؒ نے لکھا ہے: مفسرین اس بات پر متفق ہیں کہ مندرجہ بالا آیت صحابہ کرامؓ کے بارے میں ہے (۵)۔ خطیب بغدادیؒ فرماتے ہیں: قرآن مجید کی آیات کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّةٍ (اب دنیا میں وہ بہترین گروہ تم ہو) اور وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا (اور اِسی طرح ہم نے تمہیں اُمتِ وسط بنایا ہے) میں الفاظ اگرچہ عام ہیں

۱۔ تفسیر البغوی ۱/۴۵۳

۲۔ آل عمران ۳:۱۱۰

۳۔ المستصفی فی علم الأصول ص۱۳۰۔ آمدی، الإحکام فی أصول الأحکام ۲/۳۲۰

۴۔ البقرۃ ۲:۱۴۳

۵۔ علوم الحدیث ص۲۶۴

لیکن ان سے خاص مراد ہے اور ایک قول یہ ہے کہ یہ آیات صحابہ کرامؓ کے بارے میں آئی ہیں۔ صحابہ کرامؓ کے علاوہ کسی اور کے بارے میں یہ آیات نہیں ہیں (۱)۔ اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرامؓ کو اُمتِ وسط بنایا ہے۔ وَسَطًا سے مراد عُدُوْلًا ہے (۲) یعنی امتِ معتدل۔

قاضی باجیؒ کے مطابق قرآنی آیت لِتَكُونُوا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ (تاکہ تم لوگوں پر گواہ بنو) میں اللہ تعالیٰ نے صحابہؓ کو لوگوں پر گواہ بنایا ہے اور النَّاسُ (لوگ) سے مراد صحابہؓ کے علاوہ دوسرے لوگ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو صحابہؓ پر گواہ نہیں بنایا، لہٰذا صحابہؓ کی عدالت کے بارے میں گواہی لوگوں سے نہیں طلب کی جائے گی۔ قرآن مجید کی نص اس سے منع کرتی ہے۔ یہ گواہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے لی جائے گی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ کے عدول ہونے کی خبر دی ہے (۳)۔

امام شاطبیؒ کے نزدیک بھی مندرجہ بالا آیت کے مخاطبین خاص طور پر صحابہ کرامؓ ہی ہیں۔ شاطبیؒ لکھتے ہیں:

یہ نہیں کہا جائے گا کہ یہ خطاب اُمت کے لیے عام ہے اور صحابہؓ کے لیے خاص نہیں ہے، کیونکہ صحابہ کرامؓ ہی خاص طور پر اس آیت کے مخاطبین ہیں۔ اس خطاب میں صحابہؓ کے ساتھ ان کے بعد والے لوگ شامل نہیں ہیں، سوائے یہ کہ اسے ثابت کرنے کے لیے قیاس یا کوئی اور دلیل ہو۔ صحابہؓ ہی سب سے پہلے اس خطاب کے شمول میں داخل ہیں۔ انہوں نے وحی الٰہی کو براہِ راست رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے لیا تھا۔ پھر صحابہ کرامؓ کے طبقہ کو جن اوصاف سے نوازا گیا ہے، کسی اور کو اتنے کمال کے ساتھ نہیں نوازا گیا۔

امام شاطبیؒ مزید لکھتے ہیں: صحابہ کرامؓ سے ان اوصاف کی مطابقت اس بات کی دلیل ہے کہ وہ دوسروں کے مقابلے میں مدح و تعریف کے زیادہ لائق ہیں۔ مزید یہ کہ صحابہ کرامؓ کو اہلِ سنّت مسلمانوں نے علی الاطلاق اور علی العموم عدول قرار دیا ہے اور بغیر کسی استثناء کے ان کی روایات لی ہیں۔ جبکہ صحابہؓ کے علاوہ دوسروں میں سے صرف انہی کی روایات قبول کی گئی ہیں جن کی امامت و عدالت ثابت ہے۔ یہ چیز اس بات کی تصدیق کرتی ہے کہ دوسروں کے مقابلے میں صحابہ کرامؓ اس مدح و تعریف کے زیادہ لائق ہیں۔ لہٰذا خَيْرَ أُمَّةٍ (بہترین گروہ) اور وَسَطًا (وسط) یعنی عدول کا صحابہ کرامؓ پر مطلق طور پر اطلاق صحیح ہے (۴)۔

صحابہؓ اللہ کے مقربین

قرآن یہ گواہی بھی دیتا ہے کہ صحابہ کرامؓ اللہ تعالیٰ کے مقرب لوگ ہیں:

۱۔ الكفاية في علم الرواية ص ۴۶

۲۔ آمدی، الإحكام في أصول الأحكام ۳۲۰/۲۔ الموافقات في أصول الشريعة ۷۶/۴۔ شرح مختصر الروضة ۱۸۱/۲

۳۔ إحكام الفصول في أحكام الأصول ص ۳۰۴

۴۔ الموافقات في أصول الشريعة ۷۴/۴ ومابعد

وَ السّٰبِقُوْنَ السّٰبِقُوْنَ اُوْلٰٓئِكَ الْمُقَرَّبُوْنَ (۱)

اور آگے بڑھنے والے تو پھر آگے بڑھنے والے ہی ہیں۔ وہی تو اللہ تعالیٰ کے مقرب لوگ ہیں۔

صحابہؓ اللہ سے مدد یافتہ

اُوْلٰٓئِكَ كَتَبَ فِیْ قُلُوْبِهِمُ الْاِیْمَانَ وَ اَیَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ (۲)

یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ تعالیٰ نے ایمان ثبت کر دیا ہے اور اپنی طرف سے ایک روح عطا کر کے انہیں قوت بخشی ہے۔

کفر، فسق اور نافرمانی سے متنفر اور راست رو مومنین

وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَیْكُمُ الْاِیْمَانَ وَ زَیَّنَهٗ فِیْ قُلُوْبِكُمْ وَ كَرَّهَ اِلَیْكُمُ الْكُفْرَ وَ الْفُسُوْقَ وَ الْعِصْیَانَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الرّٰشِدُوْنَ (۳)

لیکن اللہ تعالیٰ نے تمہیں ایمان کی محبت دی اور اُسے تمہارے دلوں میں سجا دیا اور کفر اور گناہ اور نافرمانی سے تمہیں بیزار کر دیا۔ یہی لوگ راہِ ہدایت پر ہیں۔

صحابہؓ فلاح یافتہ اور کامیاب لوگ

قرآن میں ہے کہ صحابہ کرامؓ اللہ تعالیٰ کی طرف سے فلاح یافتہ اور کامیاب قرار دیئے گئے لوگ ہیں:

اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ هَاجَرُوْا وَ جٰهَدُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ اَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللّٰهِ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ (۴)

جو لوگ ایمان لائے اور وطن چھوڑ گئے اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں مال اور جان سے جہاد کرتے رہے، اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کے درجے بہت بڑے ہیں اور وہی مراد کو پہنچنے والے ہیں۔

لٰكِنِ الرَّسُوْلُ وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ جٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ وَ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْخَیْرٰتُ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (۵)

لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور جو لوگ آپ کے ساتھ ایمان لائے، سب اپنے مال اور جان سے لڑے۔ انہیں کے لیے بھلائیاں ہیں اور وہی فلاح یافتہ ہیں۔

۱۔ الواقعة ۵۶: ۱۰، ۱۱

۲۔ المجادلة ۵۸: ۲۲

۳۔ الحجرات ۴۹: ۷

۴۔ التوبة ۹: ۲۰

۵۔ التوبة ۹: ۸۸

صحابہؓ سے مغفرت واجرِ عظیم کا وعدہ

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَ الَّذِيْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَ رِضْوَانًا سِيْمَاهُمْ فِیْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِی التَّوْرٰةِ وَ مَثَلُهُمْ فِی الْاِنْجِيْلِ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْاَهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّ اَجْرًا عَظِيْمًا (۱)

محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں، اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں وہ کافروں پر تو سخت ہیں لیکن آپس میں رحم دل ہیں۔ تم جب انہیں دیکھو گے تو اُنہیں رکوع وسجود میں اور اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی خوشنودی کی طلب میں مشغول پاؤ گے۔ سجود کے اثرات ان کی پیشانیوں پر موجود ہیں جن سے وہ الگ پہچانے جاتے ہیں۔ ان کے یہی اوصاف تورات میں ہیں۔ اور انجیل میں ان کی مثال یوں دی گئی ہے کہ گویا ایک کھیتی ہے جس نے پہلے کونپل نکالی، پھر اسے تقویت دی، پھر وہ موٹی ہوئی اور اپنے تنے پر سیدھی کھڑی ہوگئی۔ کھیتی باڑی کرنے والوں کو وہ خوش کرتی ہے تاکہ کفار ان کے پھلنے پھولنے پر جلیں۔ اس گروہ کے جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے نیک عمل کیے ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان سے مغفرت اور عظیم اجر کا وعدہ کیا ہے۔

صحابہؓ سچے مومن

وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ هَاجَرُوْا وَ جَاهَدُوْا فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ الَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّ نَصَرُوْۤا اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّ رِزْقٌ كَرِيْمٌ (۲)

اور جو لوگ ایمان لائے اور وطن سے ہجرت کی اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کیا، اور جنہوں نے پناہ دی اور مدد کی، یہی لوگ سچے مسلمان ہیں۔ ان کے لیے مغفرت اور عمدہ رزق ہے۔

اللہ نے صحابہؓ کا نام صادقین رکھا

لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِيْنَ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَ اَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا

۱۔ الفتح ۴۸:۲۹

۲۔ الأنفال ۸:۷۴

مِّنَ اللّٰهِ وَ رِضْوَانًا وَّ يَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ أُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ (۱)

(نیز وہ مال) اُن غریب مہاجرین کے لیے ہے جو اپنے گھروں اور جائیدادوں سے نکال دیئے گئے ہیں۔ یہ لوگ اللہ کا فضل اور اس کی خوشنودی چاہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی حمایت پر کمربستہ رہتے ہیں۔ یہی سچے لوگ ہیں۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے ہمارا نام صادقین رکھا ہے (۲)۔

صحابہؓ پر اللہ کی سلامتی

اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرامؓ پر سلامتی بھیجی ہے:

قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَ سَلٰمٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى آللّٰهُ خَيْرٌ اَمَّا يُشْرِكُوْنَ (۳)

(رسول صلی اللہ علیہ وسلم!) فرمادیں! سب تعریف اللہ تعالیٰ ہی کو زیبا ہے اور اس کے بندوں پر سلام ہے جنہیں اس نے منتخب فرمایا۔ کیا اللہ تعالیٰ بہتر ہیں یا وہ جنہیں یہ لوگ شریک ٹھہراتے ہیں۔

سفیان ثوریؒ اور سُدّیؒ کا قول ہے کہ مندرجہ بالا آیت سے مراد صحابہ کرامؓ ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے بھی ایسا ہی قول مروی ہے (۴)۔ حافظ ابن کثیرؒ نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے: جب حضرات صحابہ کرامؓ قرآنی آیت: وَ سَلٰمٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى میں شامل ہیں تو حضرات انبیاء کرام بطریق اولیٰ اس آیت میں داخل ہیں (۵)۔

صحابہؓ روزِ قیامت رسوائی سے محفوظ

اللہ تعالیٰ نے یہ اعلان فرمایا ہے کہ صحابہ کرامؓ روزِ قیامت رسوائی سے محفوظ رہیں گے۔ قرآن میں ہے:

يَوْمَ لَا يُخْزِى اللّٰهُ النَّبِىَّ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ (۶)

اُس دن اللہ تعالیٰ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو اور اُن لوگوں کو جو آپ کے ساتھ ایمان لائے ہیں، رُسوا نہیں کرے گا۔

۱۔ الحشر ۸:۵۹

۲۔ الجامع لأحكام القرآن ۲۸۸/۸۔ العواصم من القواصم ص ۴۴

۳۔ النمل ۵۹:۲۷

۴۔ الإستيعاب ۲۶/۱۔ شرح السنة ۲۸/۱۴۔ ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم ۳۷۰/۳

۵۔ ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم ۳۷۰/۳

۶۔ التحریم ۸:۶۶

صحابہؓ کی تصدیق بذریعہ وحی

متعدد قرآنی آیات اس بات کی گواہی دیتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی صحابہ کرامؓ کی تصدیق فرمائی ہے، مثلاً اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ فَقِيْرٌ وَّ نَحْنُ اَغْنِيَآءُ سَنَكْتُبُ مَا قَالُوْا وَ قَتْلَهُمُ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ وَّ نَقُوْلُ ذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ (۱)

اللہ تعالیٰ نے اُن لوگوں کا قول سُن لیا ہے جو کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فقیر ہے اور ہم غنی ہیں۔ ان کی یہ باتیں بھی ہم لکھ لیں گے اور اس سے پہلے جو وہ پیغمبروں کو ناحق قتل کرتے رہے ہیں وہ بھی ان کے نامۂ اعمال میں ثبت ہے۔ (قیامت کے روز) ہم کہیں گے کہ لو اب عذابِ جہنم کا مزا چکھو۔

مندرجہ بالا آیت کا شانِ نزول یہ ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ایک یہودی عالم فنحاص کو اسلام کی دعوت دی۔ اس نے کہا: واللہ اے ابوبکر! ہمیں اللہ تعالیٰ کی کوئی ضرورت نہیں ہے بلکہ وہ ہمارا محتاج ہے۔ ہم اس کے سامنے عاجزی وزاری نہیں کرتے بلکہ وہ ہمارے سامنے ایسا کرتا ہے۔ ہم اس سے بے نیاز ہیں وہ ہم سے بے نیاز نہیں ہے۔ اگر وہ بے نیاز ہوتا تو ہم سے قرض نہ مانگتا جیسا کہ تمہارے دوست کا دعویٰ ہے۔ اللہ ہم سے قرض مانگتا ہے، ہمیں سود سے منع کرتا ہے اور خود ہمیں سود دیتا ہے۔ حضرت ابوبکرؓ نے غصہ میں اسے تھپڑ ماردیا۔ اس نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس شکایت کی اور اپنی کہی ہوئی باتوں سے مکر گیا۔ تب اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوبکرؓ کی تصدیق اور فنحاص کی تردید میں مندرجہ بالا آیت نازل کی (۲)۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے صحابہ کرامؓ کی تصدیق سے متعلق ایک اور دلیل ہے۔ حضرت زید بن ارقمؓ روایت کرتے ہیں: میں اپنے چچا کے ہمراہ تھا تو میں نے عبداللہ بن اُبی کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں پر خرچ نہ کرو، یہاں تک کہ وہ لوگ بکھر جائیں جو آپ کے اردگرد ہیں۔ اس نے یہ بھی کہا کہ اگر ہم مدینہ واپس ہوئے تو عزت والا ذلیل کو باہر نکال دے گا۔ میں نے یہ اپنے چچا سے بیان کیا اور میرے چچا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بات بتادی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن اُبی اور اس کے ساتھیوں کو بلایا۔ ان لوگوں نے قسم کھا کر اس بات سے انکار کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کی تصدیق کی اور مجھے جھوٹا سمجھا۔ مجھے اس کا ایسا دکھ ہوا کہ اس سے پہلے کبھی نہ ہوا تھا۔ چنانچہ میں اپنے گھر میں بیٹھ رہا۔ تب مندرجہ ذیل آیت نازل ہوئی تھی۔

۱۔ آل عمران ۳:۱۸۱

۲۔ ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ ۲/۲۰۷ ومابعد

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بلوایا اور میرے سامنے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے فرمایا: إِنَّ اللّٰهَ قَدْ صَدَّقَكَ (۱) بیشک اللہ تعالیٰ نے تمہیں سچا قرار دیا ہے۔ اس موقع پر نازل ہونے والی آیت یہ ہے:

إِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ إِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ إِنَّكَ لَرَسُوْلُهُ وَ اللّٰهُ يَشْهَدُ إِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ (۲)

(رسول صلی اللہ علیہ وسلم!) جب یہ منافق لوگ آپ کے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں: ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ یقیناً اللہ کے رسول ہیں، اور اللہ تعالیٰ جانتے ہیں کہ ضرور آپ اللہ کے رسول ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ گواہی دیتے ہیں کہ یہ منافقین جھوٹے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک اور صحابی حضرت عمیر بن سعدؓ کی تصدیق میں قرآن مجید کی یہ آیت نازل ہوئی تھی:

يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ مَا قَالُوْا وَ لَقَدْ قَالُوْا كَلِمَةَ الْكُفْرِ وَ كَفَرُوْا بَعْدَ إِسْلَامِهِمْ وَ هَمُّوْا بِمَا لَمْ يَنَالُوْا وَ مَا نَقَمُوْآ إِلَّآ أَنْ أَغْنٰهُمُ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهُ مِنْ فَضْلِهِ فَإِنْ يَّتُوْبُوْا يَكُ خَيْرًا لَّهُمْ وَ إِنْ يَّتَوَلَّوْا يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ عَذَاباً أَلِيْماً فِي الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ وَ مَا لَهُمْ فِي الْأَرْضِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّ لَا نَصِيْرٍ (۳)

یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی قسمیں کھا کر کہتے ہیں کہ انہوں نے وہ بات نہیں کہی، حالانکہ اُنہوں نے ضرور وہ کافرانہ بات کہی ہے۔ وہ اسلام لانے کے بعد کفر کے مرتکب ہوئے اور انہوں نے وہ کچھ کرنے کا ارادہ کیا جسے کر نہ سکے۔ یہ ان کا سارا غصہ اسی بات پر ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے فضل سے انہیں دولت مند کر دیا ہے۔ اب اگر یہ لوگ توبہ کر لیں تو اُنہی کے لیے بہتر ہے، اور اگر یہ باز نہ آئے تو اللہ تعالیٰ انہیں دنیا اور آخرت میں نہایت دردناک سزا دے گا اور زمین میں کوئی نہیں جو اُن کا کوئی حمایتی اور مددگار ہو۔

مندرجہ بالا آیت کا سببِ نزول یہ ہے کہ حضرت عمیر بن سعدؓ نے اپنے ایک رشتہ دار منافق جُلاس بن سوید کی یہ بات سن لی کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سچے ہوتے تو ہم گدھوں سے بھی بدتر ہوتے۔ حضرت عمیرؓ نے

۱۔ صحیح البخاری، کتاب التفسیر، باب قوله: إِذَا جَاءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ ۲/۷۲۷۔ تاریخ الأمم و الملوك ۳/۶۵۔ ابن ہشام، السيرة النبوية ۳/۳۰۳

۲۔ المنٰفقون ۶۳:۱

۳۔ التوبة ۹:۷۴

یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتا دی۔ اس پر جُلاس نے قسم کھائی کہ حضرت عمیرؓ نے جھوٹا الزام لگایا ہے۔ تب مندرجہ بالا آیت نازل ہوئی تھی۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ بعد میں جُلاس نے ایسی اچھی توبہ کر لی تھی کہ وہ اسلام اور بھلائی میں مشہور ہو گئے (۱)۔

صحابہؓ کی موافقت میں نزولِ وحی

صحابہ کرامؓ کی موافقت میں متعدد آیات نازل ہوئیں۔ مثلاً حضرت عمرؓ نے ایک مرتبہ مقامِ ابراہیم علیہ السلام (۲) کو مصلّٰی بنانے کا کہا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کاش ہم مقام ابراہیم علیہ السلام کو نماز ادا کرنے کی جگہ بنا لیتے (۳)۔ اس پر قرآن مجید کی مندرجہ ذیل آیت نازل ہوئی:

وَ اتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى (۴)

اور لوگوں کو حکم دیا تھا کہ جس مقام پر حضرت ابراہیم علیہ السلام عبادت کے لیے کھڑے ہوئے تھے اُس مقام کو مستقل جائے نماز بنالو۔

ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے عرض کی: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کاش آپ اپنی زوجات کو پردہ کا حکم دیں کیونکہ نیک و بد گفتگو کرتا ہے (۵)۔ اس پر مندرجہ ذیل آیتِ حجاب نازل ہوئی:

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَ بَنٰتِكَ وَ نِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ ذٰلِكَ اَدْنٰۤى اَنْ يُّعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ وَ كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا (۶)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم! آپ اپنی بیویوں اور بیٹیوں اور اہلِ ایمان کی عورتوں سے کہہ دیں کہ اپنے اوپر اپنی چادروں کے پلّو لٹکا لیا کریں۔ یہ زیادہ مناسب طریقہ ہے تا کہ وہ پہچان لی جائیں اور نہ ستائی جائیں۔ اللہ تعالیٰ بخشنے والے مہربان ہیں۔

۱۔ ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ ۲/۱۶۶

۲۔ مقام ابراہیم وہ پتھر ہے جس پر کھڑے ہو کر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خانہ کعبہ تعمیر کیا تھا۔ آپ کے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام آپ کو اینٹیں پکڑاتے جاتے تھے۔ دورانِ تعمیر یہ پتھر بھی حسب ضرورت سرکایا جاتا رہا۔ اس پتھر پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قدموں کے نشانات بھی تھے۔ پھر لوگوں کے چھونے سے وہ نشانات مٹ گئے۔ یہ مقام ابراہیم علیہ السلام پہلے دیوارِ کعبہ سے متصل تھا۔ پھر حضرت عمرؓ نے اپنے عہد خلافت میں اسے پیچھے ہٹا دیا تھا۔ ایک روایت میں یہ آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اصلی جگہ سے ہٹا کر وہاں رکھا تھا جہاں یہ اب موجود ہے۔ لیکن یہ روایت مرسل ہے (یعنی اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صحابی کے بجائے تابعی نے روایت کیا ہے)۔ درست یہی ہے کہ حضرت عمرؓ نے اسے پیچھے رکھا تھا۔ ملاحظہ ہو: تفسیر ابن کثیر، سورت البقرۃ، آیت ۱۲۵

۳۔ صحیح البخاری، کتاب الصلوٰۃ، باب ما جاء فی القبلۃ ۱/۵۸

۴۔ البقرۃ ۲:۱۲۵

۵۔ صحیح البخاری، کتاب الصلوٰۃ، باب ما جاء فی القبلۃ ۱/۵۸

۶۔ الأحزاب ۳۳:۵۹

ایک اور موقع پر حضرت عمرؓ نے زوجاتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے جو کہا، تقریباً وہی باتیں وحی کی صورت میں مندرجہ ذیل آیت میں نازل ہو گئیں (۱):

عَسٰى رَبُّهٗۤ اِنْ طَلَّقَكُنَّ اَنْ يُّبْدِلَهٗۤ اَزْوَاجًا خَيْرًا مِّنْكُنَّ مُسْلِمٰتٍ مُّؤْمِنٰتٍ قٰنِتٰتٍ تٰٓئِبٰتٍ عٰبِدٰتٍ سٰٓئِحٰتٍ ثَيِّبٰتٍ وَّ اَبْكَارًا (۲)

اگر (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) تم سب کو طلاق دے دیں تو کچھ بعید نہیں ہے کہ آپ کا پروردگار تمہارے بدلے آپ کو تم سے بہتر بیویاں عطا کر دے گا: مسلمان، ایمان والیاں، فرمانبردار، توبہ کرنے والیاں، عبادت گزار، روزہ رکھنے والیاں، شوہر دیدہ اور کنواریاں۔

مشہور منافق عبداللہ بن اُبی کی وفات پر اس کا بیٹا جو سچا مسلمان تھا وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور اپنے باپ کے کفن کے لیے آپ کی قمیص مانگی۔ روایت میں یہ بھی آتا ہے کہ ابن اُبی نے وصیت کی تھی کہ اس کی نمازِ جنازہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ادا فرمائیں۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی نمازِ جنازہ ادا فرمانا چاہی تو حضرت عمرؓ نے عرض کی کہ یہ آپ کے لائق نہیں ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اَنَا بَيْنَ خِيَرَتَيْنِ : اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ، مجھے دو کاموں میں اختیار دیا گیا ہے: ''آپ ان کے لیے استغفار کریں یا نہ کریں''۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن اُبی کی نمازِ جنازہ ادا فرمائی تھی۔ اس پر بعد میں حضرت عمرؓ کی موافقت (۳) میں قرآن مجید کی یہ آیت نازل ہوئی:

وَ لَا تُصَلِّ عَلٰۤى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّ لَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ اِنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ مَاتُوْا وَ هُمْ فٰسِقُوْنَ (۴)

اور (رسول صلی اللہ علیہ وسلم!) آئندہ ان میں سے کوئی شخص فوت ہو جائے تو آپ کبھی اُس کی نمازِ جنازہ ادا نہ فرمائیں اور نہ اُس کی قبر پر کھڑے ہوں۔ یہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کفر کرتے رہے اور مرے بھی تو وہ نافرمان تھے۔

اسیرانِ غزوہ بدر (۲ھ) کے بارے میں حضرت عمرؓ نے مشورہ دیا تھا کہ انہیں قتل کر دیا جائے (۵)۔ آپ کے مشورہ کی موافقت میں یہ آیت نازل ہوئی:

۱۔ صحیح البخاری، کتاب الصلوٰۃ، باب ما جاء فی القبلۃ ۱/۵۸

۲۔ التحریم۶۶:۵

۳۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الجنائز، باب فی الصلوٰۃ علی أھل القبلۃ ۱/۲۳۱

۴۔ التوبۃ ۹:۸۴

۵۔ تفسیر الفخر الرازی ۱۵/۲۰۲۔ مسند الإمام أحمد بن حنبل ۱/۳۸۳

مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗٓ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِى الْاَرْضِ تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا وَ اللّٰهُ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ وَ اللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ (۱)

نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے لیے یہ مناسب نہیں ہے کہ اس کے پاس قیدی ہوں جب تک وہ زمین میں غلبہ حاصل کر لے۔ تم لوگ دنیا کا سامان چاہتے ہو، حالانکہ اللہ تعالیٰ کے پیش نظر آخرت ہے اور اللہ تعالیٰ غالب اور حکمت والے ہیں۔

ابن سعدؒ نے لکھا ہے کہ غزوہ اُحد (۳ھ) میں صحابی حضرت مُصعب بن عمیرؓ کے ہاتھ میں پرچم اسلام تھا۔ ان کا دایاں ہاتھ کٹ گیا تو پرچم کو بائیں ہاتھ میں تھام لیا اور اس موقع پر انہوں نے جو فرمایا وہی الفاظ قرآن مجید میں یوں نازل ہوئے (۲):

وَ مَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اَفَاۡئِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ (۳)

اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تو ایک رسول ہی ہیں۔ ان سے پہلے بھی کئی رسول ہو گزرے ہیں۔ بھلا اگر وہ انتقال فرما جائیں یا شہید کر دیے جائیں تو تم اُلٹے پاؤں پھر جاؤ گے؟

سعید بن جُبیرؒ سے مروی ہے کہ حضرت معاذ بن جبلؓ نے حضرت عائشہ صدیقہؓ پر تہمت والے واقعہ (۴)

۱۔ الأنفال ۸:۶۷

۲۔ الطبقات الکبریٰ ۳/۱۲۱

۳۔ آل عمران ۳:۱۴۴

۴۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے خود اس تہمت (اِفک) والے واقعہ کو تفصیل سے یوں بیان فرمایا ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی غزوہ پر لے جانے کے لیے اپنی بیویوں کے درمیان قرعہ ڈالا کرتے تھے۔ جس کا نام قرعہ میں نکلتا اسے اپنے ساتھ لے جاتے۔ غزوہ بنی مصطلق (۵ھ) پر لے جانے کے لیے میرے نام کا قرعہ نکلا اور میں آپ کے ہمراہ گئی تھی۔ یہ واقعہ پردہ کا حکم نازل ہونے سے پہلے کا ہے۔ میں اپنے ہودج میں سوار رہتی تھی۔ اگر اترنے کی ضرورت ہوتی تو ہودج سمیت اتار لی جاتی تھی۔ اس طرح ہم سفر کرتے رہے۔ غزوہ سے واپسی پر جب ہم مدینہ کے قریب پہنچے تو ایک رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے روانگی کا حکم دیا۔ میں اٹھی اور لشکر سے دور رفع حاجت کے لیے چلی گئی۔ فارغ ہو کر واپسی پر مجھے خیال ہوا کہ میرا گلے کا ہار ٹوٹ کر کہیں گر گیا ہے۔ میں اسے تلاش کرنے لگی جس میں دیر لگ گئی۔ اس دوران میرا ہودج اٹھانے والے آئے اور اسے اٹھا کر اونٹ پر رکھ دیا۔ انہوں نے یہ سمجھا کہ میں ہودج میں موجود ہوں۔ اس زمانے میں عورتیں دبلی پتلی ہوا کرتی تھیں کیونکہ وہ کم کھاتی تھیں۔ میں کم عمر بھی تھی۔ ان لوگوں کو میرے ہودج کے بھاری یا ہلکا ہونے کا اندازہ نہ ہوا۔
جب میں ہار تلاش کر کے واپس آئی تو وہاں لشکر کا کوئی نام ونشان نہیں تھا۔ وہاں کوئی شخص بھی نہیں تھا جس سے کوئی بات کی جاتی۔ میں اس خیال سے اسی جگہ پر بیٹھ گئی کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے نہیں پائیں گے تو وہ تلاش کرنے اس جگہ ضرور آئیں گے۔ مجھے نیند آنے لگی۔ لشکر کے پیچھے ایک شخص حضرت صفوان بن معطلؓ گری پڑی چیزوں کی خبر رکھنے پر مامور تھا۔ وہ اس جگہ پہنچا جہاں میں موجود تھی۔ اس نے مجھے پہچان لیا کیونکہ پردہ کا حکم نازل ہونے سے پہلے اس نے مجھے

بقیہ اگلے صفحہ پر.........

گزشتہ سے پیوستہ .... دیکھا ہوا تھا۔ جب اس نے مجھے پہچانا تو با آواز بلند کہا: اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ میں اس کی آواز سن کر جاگ گئی اور فوراً دوپٹے سے اپنا چہرہ چھپا لیا۔ اللہ کی قسم اس نے مجھ سے کوئی بات نہیں کی اور میں نے اس کے منہ سے سوائے اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ کے اور کوئی جملہ نہیں سنا تھا۔ اس نے اپنی اونٹنی بٹھا دی۔ میں اونٹنی پر سوار ہو گئی اور وہ پیدل چلتے ہوئے اونٹنی کو ہانکنے لگا۔ جب میں لشکر میں پہنچی تو اس وقت دھوپ بہت تیز ہو چکی تھی۔

لشکر کے بعض لوگوں نے مجھ پر تہمت لگائی اور اپنی عاقبت خراب کر لی۔ ان میں پہلا شخص عبداللہ بن اُبی سلول تھا۔ میں مدینہ آ کر ایک ماہ تک بیمار رہی۔ اس دوران لوگ یہ خبر مشہور کرتے رہے اور مجھے اس کا کوئی علم نہیں تھا۔ ایک بات سے میں پریشان تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے اب پہلے جیسی محبت نہیں کرتے تھے۔ آپ مجھے دیکھنے اور میرا حال معلوم کرنے کے لیے تشریف لاتے اور فوراً واپس چلے جاتے تھے۔ آپ کے اس رویہ سے میں نے خیال کیا کہ آپ مجھ سے ناراض ہیں۔ ایک ماہ کے بعد جب میں تندرست ہوئی تو ایک روز اُمِ مِسْطَح ؓ کو ساتھ لے کر رفع حاجت کے لیے گئی۔ ہم لوگ رفع حاجت کے لیے جنگل میں جایا کرتے تھے۔ اس زمانہ میں بدبو کی وجہ سے گھروں میں بیت الخلا نہیں بنائے جاتے تھے۔ واپسی پر اُمِ مِسْطَح ؓ کا پاؤں اس کی چادر میں الجھا اور وہ گرتے ہوئے کہنے لگی: مِسْطَح ہلاک ہو۔ میں نے کہا: یہ کیا کہتی ہو، وہ تو غزوہ بدر میں شریک تھا اور تم اسے کوس رہی ہو۔ اُمِ مِسْطَح ؓ نے کہا: آپ بہت بھولی ہیں۔ کیا آپ کو نہیں معلوم کہ وہ کیا کہتا ہے؟ میں نے کہا: بتاؤ وہ کیا کہتا ہے۔ تب اُمِ مِسْطَح ؓ نے مجھے اس بہتان کی ساری بات بتائی۔

میں پہلے سے بیمار تھی۔ یہ سن کر اور بیمار ہو گئی۔ میں واپس گھر آئی۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے دیکھنے تشریف لائے تو دور ہی سے سلام کرنے کے بعد میرا حال پوچھا۔ میں نے عرض کی: مجھے میرے والدین کے گھر جانے کی اجازت دیں۔ میرا خیال تھا کہ میں جا کر اپنے والدین سے پوچھوں گی۔ اجازت ملنے پر میں اپنے والدین کے پاس آ گئی۔ میں نے اپنی والدہ سے پوچھا: لوگ کیا کہہ رہے ہیں؟ میری والدہ نے جواب دیا: میری بیٹی! تم اتنا غم نہ کرو۔ اللہ کی قسم! ایسا ہوتا ہے کہ جب کسی مرد کے پاس خوبصورت بیوی ہو اور اس سے مرد محبت بھی کرتا ہو تو اس کی سوکنیں اس طرح کی باتیں کیا کرتی ہیں۔ میں نے کہا: سبحان اللہ! لوگوں نے اتنی بڑی بات کہہ دی ہے اور آپ اسے معمولی خیال کرتی ہیں۔ میں اس رات بھر روتی رہی اور سوئی نہیں تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ اور حضرت اسامہؓ کو بلایا تاکہ میرے بارے میں مشورہ کریں۔ وحی نازل ہونے میں دیر ہو رہی تھی۔ حضرت اسامہؓ نے کہا: یا رسول اللہ! ہم نے عائشہؓ میں کوئی ایسی بات نہیں دیکھی ہے جو بُری ہو۔ حضرت علیؓ نے کہا: یا رسول اللہ! آپ فکر نہ کریں، اللہ تعالیٰ نے آپ پر کوئی تنگی تو نہیں کی۔ بہت سی اور نیک عورتیں موجود ہیں۔ آپ اس معاملہ میں بریرہ لونڈی سے دریافت کر لیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بریرہؓ کو بلوایا اور پوچھا: اے بریرہؓ! تم عائشہؓ کی کسی ایسی بات کو جانتی ہو جس سے تمہیں کوئی شبہ ہو۔ بریرہؓ نے جواب دیا: اللہ کی قسم جس نے آپ کو برحق رسول بنا کر بھیجا ہے! میں نے کوئی ایسی بات نہیں دیکھی جسے میں چھپاؤں۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ عائشہؓ کم عمر اور بھولی بھالی ہیں۔ آٹا گوندھ کر ویسے ہی چھوڑ دیتی ہیں اور سو جاتی ہیں جسے بکری آ کر کھا جاتی ہے۔

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر تشریف لائے اور فرمایا: کوئی ہے جو عبداللہ بن اُبی سلول سے اس بات کا بدلہ لے۔ اس نے تہمت لگا کر مجھے دکھ دیا ہے اور میرے اہل بیت کو بھی رنج پہنچایا ہے۔ اللہ تعالیٰ گواہ ہے کہ میں عائشہ کی اچھائی کے سوا کوئی برائی نہیں جانتا۔ تہمت لگانے والوں نے ایسے شخص (حضرت صفوان بن معطلؓ) کو متہم کیا ہے جس کی برائی بھی نہیں دیکھی گئی۔ وہ شخص ہمیشہ میرے ہمراہ میرے گھر آتا تھا۔ حضرت سعد بن معاذؓ نے کھڑے ہو کر کہا: یا رسول اللہ! میں اس سے بدلہ لوں گا۔ اگر وہ قبیلہ اوس سے تعلق رکھتا ہے تب بھی اسے قتل کر دوں گا۔ اگر وہ قبیلہ خزرج سے ہے تو آپ جو سزا تجویز فرمائیں گے وہی نافذ ہو گی۔ پھر خزرج کے سردار سعد بن عبادہؓ جو نیک اور صالح آدمی تھے وہ خزرج کا نام سن کر قبائلی حمیت میں کھڑے ہوئے اور حضرت سعد بن معاذؓ سے کہا: اللہ کی قسم تم اسے نہیں مار سکتے۔ پھر لوگوں میں تلخ کلامی ہونے لگی۔

بقیہ اگلے صفحہ پر........

گزشتہ سے پیوستہ.......... آپ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر کھڑے لوگوں کو خاموش کرانے لگے۔ پھر سب خاموش ہو گئے۔

حضرت عائشہؓ نے فرمایا: میں اس روز بھی روتی رہی۔ مجھے نیند نہیں آتی تھی۔ میں دو روز اور ایک رات برابر روتی رہی۔ صبح میرے والد حضرت ابوبکرؓ میرے پاس آئے کہ کہیں اتنا رونے سے میرا دل ہی نہ پھٹ جائے۔ وہ میرے پاس بیٹھے ہی تھے کہ ایک انصاریہ عورت نے اندر آنے کی اجازت مانگی۔ میں نے اسے اندر بلا لیا۔ وہ بھی آکر میرے ساتھ رونے لگی۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور میرے پاس آکر بیٹھ گئے۔ تہمت والے دن سے لے کر آج تک وہ میرے پاس نہیں بیٹھے تھے۔ ایک مہینہ گزر چکا تھا اور میرے معاملہ میں ابھی تک کوئی وحی نازل نہیں ہوئی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں گواہی دیتا ہوں کہ میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں۔ پھر فرمایا: اے عائشہ! تمہاری وجہ سے مجھے بہت دکھ پہنچا ہے۔ اگر تمہارا کوئی قصور نہیں ہے تو تمہاری برأت میں اللہ تعالیٰ ضرور حکم نازل فرمائیں گے۔ اگر تم سے واقعی کوئی غلطی ہو گئی ہے تو اللہ تعالیٰ سے معافی مانگو اور اس کی طرف توبہ کرو۔ بیشک جب بندہ اپنے گناہ پر نادم ہو کر توبہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول کرتے ہیں۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں: جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بات مکمل کر لی تو میرے آنسو بالکل خشک ہو چکے تھے۔ میں نے اپنے والد سے کہا کہ میری طرف سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جواب دیں۔ انہوں نے کہا: میں نہیں جانتا کہ کیا جواب دوں۔ پھر میں نے اپنی والدہ سے کہا: میری طرف سے جواب دیں۔ انہوں نے بھی یہی بات کہی۔ پھر میں خود ہی بولی، حالانکہ میں کم عمر تھی اور ابھی تک قرآن بھی اچھی طرح یاد نہیں ہوا تھا۔ میں نے کہا: لوگوں کی باتوں سے آپ کے دلوں میں جو بات بیٹھ گئی ہے اسے آپ نے سچ جان لیا ہے۔ میں کہتی ہوں کہ میں بے قصور ہوں اور اللہ تعالیٰ جانتے ہیں کہ میں بے قصور ہوں، تو آپ میری بات کا یقین نہیں کریں گے۔ اگر میں اقرار کرتی ہوں اور اللہ تعالیٰ جانتے ہیں کہ میں نے کوئی غلطی نہیں کی، تو آپ میری بات مان لیں گے۔ اللہ کی قسم! مجھے آپ لوگوں کے لیے سوائے حضرت یوسف علیہ السلام کے والد کی مثال کے کوئی اور مثال یاد نہیں آ رہی جنہوں نے فرمایا تھا: ﴿فَصَبْرٌ جَمِيلٌ وَاللَّهُ الْمُسْتَعَانُ عَلَىٰ مَا تَصِفُونَ﴾ [یوسف ۱۲: ۱۸] (میں بخوبی صبر کروں گا، جو بات تم بنا رہے ہو اس پر اللہ تعالیٰ ہی سے مدد مانگی جا سکتی ہے)۔ میں نے اپنا رخ دوسری طرف کر لیا اور بستر پر لیٹ گئی۔

حضرت عائشہؓ نے فرمایا: میں سوچ رہی تھی کہ میں اس تہمت سے پاک ہوں اور اللہ تعالیٰ ضرور میری برأت کے لیے حکم نازل فرمائیں گے۔ ساتھ ہی مجھے یہ خیال آتا کہ میرا اتنا مقام کہاں کہ میرے لیے وحی نازل ہو۔ ہاں یہ ہو گا کہ اللہ تعالیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں میری برأت کے بارے میں دکھا دیں گے۔ اللہ کی قسم! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابھی جانے کا ارادہ نہیں فرمایا تھا اور دیگر لوگ بھی اسی طرح بیٹھے ہوئے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کا نزول شروع ہو گیا۔ آپ کو پسینہ آنے لگا حالانکہ شدید سردی کا موسم تھا۔ پسینہ کے قطرے موتیوں کی طرح آپ کی پیشانی مبارک سے گر رہے تھے۔ نزولِ وحی مکمل ہونے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسکرائے۔ آپ نے سب سے پہلی بات یہ فرمائی: عائشہؓ! اللہ تعالیٰ نے تمہیں بری کر دیا ہے۔ میری والدہ نے کہا: اٹھو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاؤ۔ میں نے کہا: اللہ کی قسم! میں تو ان کے پاس نہیں جاؤں گی اور نہ شکریہ ادا کروں گی۔ میں تو صرف اللہ تعالیٰ کا شکریہ ادا کروں گی۔

حضرت عائشہؓ مزید فرماتی ہیں: اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل کیں: ﴿إِنَّ الَّذِينَ جَاءُو بِالْإِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنكُمْ لَا تَحْسَبُوهُ﴾ آخر تک دس آیات پڑھیں۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے فرمایا: میں مسطح بن اثاثہؓ کو رشتہ داری اور اس کی غربت کی وجہ سے مالی مدد کرتا تھا۔ اللہ کی قسم! اب میں اس پر کبھی خرچ نہیں کروں گا۔ اس نے حضرت عائشہؓ کے بارے میں بہت کہا ہے۔ پھر یہ آیات نازل ہوئیں: ﴿وَلَا يَأْتَلِ أُولُوا الْفَضْلِ مِنكُمْ وَالسَّعَةِ أَن يُؤْتُوا أُولِي

بقیہ اگلے صفحہ پر..........

کی خبر سنی تو کہا: سُبۡحٰنَكَ هٰذَا بُهۡتَانٌ عَظِيۡمٌ ۔اے اللہ! آپ پاک ہیں یہ تو بہت بڑا بہتان ہے۔ پھر یہ آیت اسی طرح نازل ہوئی تھی(۱)۔ سعید بن میبؒ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے حضرت زید بن حارثہؓ اور حضرت ایوب انصاریؓ ایسے تھے کہ وہ جب تہمتِ حضرت عائشہ صدیقہؓ والے واقعہ جیسی کوئی خبر سنتے تو کہتے: سُبۡحٰنَكَ هٰذَا بُهۡتَانٌ عَظِيۡمٌ ۔اے اللہ تعالیٰ! آپ پاک ہیں، یہ تو بہت بڑا بہتان ہے۔ پھر یہ آیت اسی طرح نازل ہوئی تھی(۲):

وَ لَوۡلَاۤ اِذۡ سَمِعۡتُمُوۡهُ قُلۡتُمۡ مَّا يَكُوۡنُ لَنَاۤ اَنۡ نَّتَكَلَّمَ بِهٰذَا سُبۡحٰنَكَ هٰذَا بُهۡتَانٌ عَظِيۡمٌ(۳)

اور کیوں ایسا نہ ہوا کہ جب تم نے اسے سنا تو تم نے یہ کہہ دیا ہوتا: ہمیں ایسی بات زبان سے نکالنا زیب نہیں دیتا۔ سبحان اللہ! یہ تو بہت بڑا بہتان ہے۔

عکرمہؒ سے روایت ہے کہ جب غزوہ اُحد (۳ھ) کی خبر عورتوں تک پہنچنے میں دیر ہوئی تو وہ حال معلوم کرنے کے لیے شہر مدینہ سے نکلیں۔ دو آدمی میدانِ جنگ سے واپس شہر آرہے تھے۔ کسی عورت نے ان سے دریافت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیسے ہیں۔ جواب ملا: وہ زندہ ہیں۔ عورت یہ خوشخبری سن کر کہنے لگی: پھر مجھے کوئی پروا نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جسے چاہے شہادت کا رتبہ نصیب کرے(۴)۔ اس عورت کے قول کے مطابق یہ آیت نازل ہوئی:

گزشتہ سے پیوستہ......... الۡقُرۡبٰى وَ الۡمَسٰكِيۡنَ وَ الۡمُهٰجِرِيۡنَ فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ وَلۡيَـعۡفُوۡا وَلۡيَـصۡفَحُوۡا اَلَا تُحِبُّوۡنَ اَنۡ يَّغۡفِرَ اللّٰهُ لَكُمۡ وَاللّٰهُ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ﴾ [النور ۲۴:۲۲] (تم میں سے جو صاحبِ فضل اور خوشحال ہیں وہ اس بات کی قسم نہ کھائیں کہ اپنے رشتہ دار، مسکین اور مہاجر فی سبیل اللہ لوگوں کی مدد نہیں کریں گے۔ انہیں معاف کر دینا چاہیے اور درگزر کرنا چاہیے۔ کیا تم نہیں چاہتے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں معاف کرے؟ اور اللہ تعالیٰ کی صفت یہ ہے کہ وہ غفور اور رحیم ہے)۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے کہا: اللہ کی قسم! میں یہی چاہتا ہوں اللہ تعالیٰ مجھے بخش دیں۔ میں اس کا خرچہ بند نہیں کروں گا۔

حضرت عائشہؓ نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت زینبؓ بنت جحشؓ سے بھی پوچھا کرتے تھے کہ عائشہؓ کیسی ہے۔ وہ یہی کہتی تھیں: یا رسول اللہ! میں اپنے کان اور اپنی آنکھ کا خوب خیال رکھتی ہوں، میں نے تو عائشہؓ میں کوئی برائی نہیں دیکھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں میں سے حضرت زینبؓ ہی میرے برابر کی تھیں اور وہ مجھ سے بڑھ کر رہنا چاہتی تھیں۔ مگر ان کی پرہیزگاری کی وجہ سے انہیں اللہ تعالیٰ نے بچا لیا۔ مگر ان کی بہن حمنہ بنت جحشؓ اپنی بہن کی خاطر لڑنے لگی اور جس طرح دوسرے تہمت لگانے والے ہلاک ہوئے وہ بھی ہلاکت میں پڑی۔ [صحیح البخاری، کتاب التفسیر، باب قوله: وَ لَوۡلَاۤ اِذۡ سَمِعۡتُمُوۡهُ قُلۡتُمۡ مَّا يَكُوۡنُ لَنَاۤ اَنۡ نَّتَكَلَّمَ بِهٰذَا سُبۡحٰنَكَ هٰذَا بُهۡتَانٌ عَظِيۡمٌ] اس واقعہ کا ذکر قرآن مجید میں ملاحظہ ہو: سورۃ النور ۲۴: آیات ۱۱ تا ۲۰۔

۱۔ الإتقان في علوم القرآن ۱/۳۸؛

۲۔ حوالہ بالا ۱/۳۸؛

۳۔ النور ۲۴:۱۶؛

۴۔ الإتقان في علوم القرآن ۱/۳۸؛

وَ يَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَآءَ (۱)

اور اللہ تعالیٰ تم میں سے کچھ لوگوں کو شہادت کی عزت بخشنا چاہتے ہیں۔

صحابیہؓ کی شکایت اللہ نے سنی

اللہ تعالیٰ نے ایک صحابیہؓ کی شکایت سات آسمانوں کے اوپر سے سُنی۔ یہ خاتون حضرت خولہ بنت ثعلبہؓ (۲) تھیں۔ حضرت خولہؓ نے اللہ تعالیٰ کی عدالت میں اپنے شوہر کے خلاف استغاثہ پیش کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے یہ استغاثہ سنا اور بذریعہ وحی حضرت خولہؓ کے حق میں مقدمہ کا فیصلہ دیا۔

حضرت عمرؓ اپنی خلافت کے زمانہ میں ایک دفعہ لوگوں کے ہمراہ جا رہے تھے۔ راستہ میں حضرت عمرؓ کو حضرت خولہؓ نے بہت دیر تک روکے رکھا اور ان سے باتیں کرتی رہیں۔ حضرت عمرؓ وہیں کھڑے ہو کر حضرت خولہؓ کی باتیں سنتے رہے۔ لوگوں نے کہا: یا امیر المؤمنین! کیا آپ اس بوڑھی خاتون کے لیے اتنی دیر تک کھڑے رہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کی قسم! اگر یہ مجھے آغازِ دن سے آخر دن تک روکے رکھتیں تو بھی میں ٹھہرا رہتا، سوائے فرض نمازوں کے۔ کیا تم جانتے ہو کہ یہ بوڑھی خاتون کون ہیں؟ یہ خولہ بنت ثعلبہؓ ہیں جن کی بات کو اللہ تعالیٰ نے سات آسمانوں کے اُوپر سے سنا تھا۔ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی بات سنیں اور عمر نہ سنے (۳)۔

حضرت عائشہؓ روایت کرتی ہیں: بڑی برکت والا ہے وہ جو ہر چیز کو سنتا ہے۔ میں حضرت خولہ بنت ثعلبہؓ کی بات اچھی طرح سن نہیں سکتی تھی اور ان کی کچھ باتیں مجھ سے مخفی رہیں۔ حضرت خولہؓ اپنے شوہر کی شکایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کرتے ہوئے کہہ رہی تھیں: یارسول اللہ! میرا شوہر میری جوانی کھا گیا (یعنی میں جوانی میں اس کے ساتھ رہی)، میرا پیٹ اس کے لیے چیرا گیا (یعنی میں نے اس کے بہت سے بچوں کو جنم دیا ہے)، جب میں بوڑھی ہوگئی اور میری اولاد بند ہوگئی تو اس نے مجھ سے ظہار (۴) کر لیا، یا اللہ! میں اپنی شکایت تجھ سے کرتی ہوں۔ حضرت خولہؓ یہ کہتی رہیں یہاں تک کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام یہ آیات لے کر نازل ہوئے (۵)

قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِيْ تُجَادِلُكَ فِيْ زَوْجِهَا وَ تَشْتَكِيْٓ اِلَى اللّٰهِ وَ اللّٰهُ

۱۔ آل عمران ۳:۱۴۰

۲۔ اہل تفسیر حضرت خولہؓ کے نسب میں اختلاف کرتے ہیں: بنت ثعلبہ، بنت دلیج، بنت خویلد، بنت صامت اور بنت حکیم۔ اہل علم کے مطابق حضرت خولہؓ کے نسب کے بارے میں یہ اختلافی آراء ایک دوسرے کو باطل قرار نہیں دیتیں۔ عورت کا نسب کبھی اس کے والد، کبھی اس کی والدہ اور کبھی اس کے دادا کی طرف کیا جاتا ہے اور یہ جائز ہے۔ الجامع لأحکام القرآن ۱۳/۲۷۲

۳۔ الجامع لأحکام القرآن ۱۷/۲۶۹، ۲۷۰

۴۔ شوہر کا اپنی بیوی کے جسم یا کسی عضو کو اپنی ماں کے جسم یا عضو کے مشابہ قرار دینا۔

۵۔ سنن ابن ماجه، أبواب الطلاق، باب الظهار

يَسْمَعُ تَحَاوُرَكُمَا إِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ بَصِيْرٌ (۱)

اللہ تعالیٰ نے اس عورت کی بات سن لی جو وہ اپنے شوہر کے بارے میں آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے جھگڑا کرتی ہے اور اللہ تعالیٰ سے شکایت کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ دونوں کی گفتگو سن رہے ہیں۔ بیشک اللہ تعالیٰ سننے والے اور دیکھنے والے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ روایت کرتے ہیں کہ حضرت خولہ بنت ثعلبہؓ کے شوہر حضرت اوس بن صامتؓ نے آپ کو دورانِ نماز دیکھا۔ جب وہ نماز سے فارغ ہوئیں تو ان کے شوہر نے انہیں اپنے پاس بلایا۔ حضرت خولہؓ نے انکار کیا تو حضرت اوسؓ غصے میں آ گئے تھے۔ عُروہؒ کہتے ہیں کہ حضرت اوسؓ نے حضرت خولہؓ سے یہ کہہ دیا: ''تم میرے لیے میری ماں کی پیٹھ کی طرح ہو''۔ زمانہ جاہلیت میں ظہار اور ایلاء (۲) طلاق کہلاتا تھا۔ حضرت خولہؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حَرُمْتِ عَلَيْهِ، تم اس پر حرام ہوگئی ہو۔ حضرت خولہؓ نے کہا: حضرت اوسؓ نے طلاق کا ذکر نہیں کیا تھا۔ پھر حضرت خولہؓ نے کہا: میں اللہ تعالیٰ کی عدالت میں شکایت کرتی ہوں اپنی محتاجی، تنہائی اور اپنے شوہر اور چچا زاد سے جدائی کے غم کی جس کے لیے میرے بطن نے بچے جنے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر فرمایا: حَرُمْتِ عَلَيْهِ، تم اس پر حرام ہوگئی ہو۔ حضرت خولہؓ ابھی واپس نہیں گئی تھیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر آیت نازل ہوگئی (۳): قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِيْ تُجَادِلُكَ فِيْ زَوْجِهَا وَ تَشْتَكِيْٓ إِلَى اللّٰهِ وَ اللّٰهُ يَسْمَعُ تَحَاوُرَكُمَا (۴)۔

حسن بصریؒ روایت کرتے ہیں کہ حضرت خولہؓ نے کہا: یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے زمانہ جاہلیت کے طریقے منسوخ کردیئے ہیں لیکن میرے شوہر نے مجھ سے ظہار کرلیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مَا أُوْحِيَ إِلَيَّ فِيْ هٰذَا شَيْءٌ، اس مسئلہ میں مجھ پر کچھ نازل نہیں ہوا ہے۔ حضرت خولہؓ نے کہا: یا رسول اللہ! آپ پر ہر چیز کے بارے میں وحی نازل ہوئی مگر یہ مسئلہ آپ سے پوشیدہ رکھا گیا؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: هُوَ مَا قُلْتُ لَكِ، میں نے تمھیں یہی کہنا تھا۔ اس پر حضرت خولہؓ نے کہا: میں اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت نہیں کروں گی بلکہ میں اللہ تعالیٰ سے اپنی شکایت کرتی ہوں۔ پس اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی (۵): قَدْ

۱۔ المجادلة ۵۸:۱

۲۔ بیوی سے ترک مقاربت کی قسم کھانا۔

۳۔ الجامع لأحكام القرآن ۱۷/۲۷۰

۴۔ المجادلة ۵۸:۱

۵۔ الجامع لأحكام القرآن ۱۷/۲۷۰، ۲۷۱

سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِیْ تُجَادِلُكَ فِیْ زَوْجِهَا (۱)۔

۱۔ المجادلة ۵۸:۱

سنن ابوداؤد میں اس صحابیہ کا نام حضرت خولہؓ بیان کیا گیا ہے۔ وہ خود روایت کرتی ہیں: میرے شوہر اوس بن صامتؓ نے مجھ سے ظہار کر لیا۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر شکایت کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس معاملہ میں مجھ سے جھگڑا کر رہے تھے اور مجھے فرما رہے تھے: اتَّقِي اللّٰهَ فَإِنَّهُ إِبْنُ عَمِّكِ ، اللہ تعالیٰ سے ڈرو، کیونکہ اب وہ تمہارا چچازاد بھائی ہے۔ حضرت خولہؓ بیان کرتی ہیں: میں وہاں سے نہیں ہٹی یہاں تک کہ قرآن نازل ہوا: ﴿قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِیْ تُجَادِلُكَ فِیْ زَوْجِهَا وَ تَشْتَكِیْ إِلَى اللّٰهِ وَ اللّٰهُ يَسْمَعُ تَحَاوُرَكُمَا اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ بَصِيْرٌ......﴾ [المجادلة ۵۸:۱تا۴]۔ اللہ تعالیٰ نے اس عورت کی بات سن لی جو وہ اپنے شوہر کے بارے میں آپ (پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم) سے جھگڑا کرتی ہے اور اللہ تعالیٰ سے شکایت کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ دونوں کی گفتگو سن رہے ہیں۔ بیشک اللہ تعالیٰ سننے والے اور دیکھنے والے ہیں...... یہ آیات نازل ہونے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: يُعْتِقُ رَقَبَةً، تمہارا شوہر ایک غلام آزاد کرے۔ حضرت خولہؓ نے عرض کی: اس کے پاس نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا: فَيَصُوْمُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ ، وہ دو مہینے مسلسل روزے رکھے۔ حضرت خولہؓ نے عرض کی: وہ بوڑھا ہے اور اس میں روزے رکھنے کی سکت نہیں ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: فَلْيُطْعِمْ سِتِّيْنَ مِسْكِيْنًا ، وہ ساٹھ مساکین کو کھانا کھلائے۔ حضرت خولہؓ نے کہا: اس کے پاس صدقہ کرنے کے لیے کچھ نہیں ہے۔

حضرت خولہ بنت ثعلبہؓ مزید کہتی ہیں: اتنے میں کھجوروں کا ایک تھیلا آیا۔ میں نے عرض کی: یا رسول اللہ! میں اسے کھجوروں کا دوسرا تھیلا دے دوں گی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قَدْ أَحْسَنْتِ إِذْهَبِيْ فَأَطْعِمِيْ بِهَا عَنْهُ سِتِّيْنَ مِسْكِيْنًا وَ ارْجِعِيْ إِلَى إِبْنِ عَمِّكِ تم نے ٹھیک کیا، جاؤ اور اس سے اپنے شوہر کی طرف سے ساٹھ مساکین کو کھلا دو، پھر اپنے چچا کے بیٹے کے پاس واپس چلی جاؤ۔ امام ابوداؤدؒ کہتے ہیں: حضرت خولہؓ نے اپنے شوہر کو بتائے بغیر اُن کی طرف سے کفارہ ادا کیا تھا۔ سنن ابوداؤد، کتاب الطلاق، باب فی الظهار

حضرت خولہؓ کے واقعہ میں ظہار کے متعلق جو قرآنی حکم نازل ہوا تھا اس کی تفصیل یہ ہے:

﴿قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِیْ تُجَادِلُكَ فِیْ زَوْجِهَا وَ تَشْتَكِیْ إِلَى اللّٰهِ وَ اللّٰهُ يَسْمَعُ تَحَاوُرَكُمَا اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ بَصِيْرٌ. اَلَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْكُمْ مِّنْ نِّسَآئِهِمْ مَّا هُنَّ اُمَّهٰتِهِمْ اِنْ اُمَّهٰتُهُمْ اِلَّا الّٰٓئِیْ وَلَدْنَهُمْ وَ اِنَّهُمْ لَيَقُوْلُوْنَ مُنْكَرًا مِّنَ الْقَوْلِ وَزُوْرًا وَ اِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ. وَ الَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا قَالُوْا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَآسَّا ذٰلِكُمْ تُوْعَظُوْنَ بِهٖ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ. فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَآسَّا فَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَاِطْعَامُ سِتِّيْنَ مِسْكِيْنًا ذٰلِكَ لِتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ﴾ [المجادلة ۵۸:۱تا۴] اللہ تعالیٰ نے اس عورت کی بات سن لی جو وہ اپنے شوہر کے بارے میں آپ (پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم) سے جھگڑا کرتی ہے اور اللہ تعالیٰ سے شکایت کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ دونوں کی گفتگو سن رہے ہیں۔ بیشک اللہ تعالیٰ سننے والے اور دیکھنے والے ہیں۔ تم میں سے جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کر بیٹھیں، یعنی انہیں اپنی مائیں کہہ بیٹھیں، تو ان کی بیویاں ان کی مائیں نہیں ہیں۔ ان کی مائیں تو وہی ہیں جنہوں نے ان کو جنا ہے۔ وہ لوگ ایک سخت ناپسند اور جھوٹی بات کہتے ہیں۔ بیشک اللہ تعالیٰ تو معاف فرمانے والے اور بخشنے والے ہیں۔ جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کر بیٹھیں، پھر وہ اپنی کہی ہوئی بات سے رجوع کرنا چاہیں تو قبل اس کے وہ دونوں ایک دوسرے کو ہاتھ لگائیں، ایک غلام آزاد کریں۔ اس سے تمہیں نصیحت کی جاتی ہے۔ اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ تعالیٰ اس سے باخبر ہیں۔ پھر جو شخص غلام نہ پائے تو وہ دو مہینے مسلسل روزے رکھے قبل اس کے کہ دونوں

بقیہ اگلے صفحہ پر

صحابی کے مطالبہ پر نزولِ وحی

حضرت عبداللہ بن عباسؓ روایت کرتے ہیں: ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حضرت ہلال بن امیہؓ نے اپنی بیوی پر شریک بن سحماء کے ساتھ زنا کا الزام لگایا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اَلْبَيِّنَةَ اَوْ حَدٌّ فِيْ ظَهْرِكَ ، گواہ لاؤ یا پھر تمہاری کمر پر حدِ (قذف، یعنی زنا کا الزام لگانے کی سزا ۸۰ کوڑے) جاری کی جائے گی۔ حضرت ہلالؓ نے کہا: یا رسول اللہ! جب ہم میں سے کوئی اپنی بیوی کو کسی شخص کے ساتھ زنا کرتا دیکھے تو کیا وہ جائے اور گواہ پکڑ کر لائے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہی فرماتے رہے: اَلْبَيِّنَةَ وَ اِلَّا حَدٌّ فِيْ ظَهْرِكَ ، گواہ لاؤ، ورنہ تمہاری کمر پر حد جاری کی جائے گی۔ حضرت ہلالؓ نے عرض کی: قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو برحق مبعوث فرمایا ہے، میں سچا ہوں، اللہ تعالیٰ ضرور میرے معاملہ میں حکم نازل فرمائیں گے جس سے میری کمر سزائے حد سے بچ جائے گی۔ اتنے میں حضرت جبریل علیہ السلام تشریف لائے اور حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ قرآنی آیات نازل ہوئیں:

> وَ الَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ وَ لَمْ يَكُنْ لَّهُمْ شُهَدَآءُ اِلَّا اَنْفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ اَحَدِهِمْ اَرْبَعُ شَهٰدٰتٍ بِاللّٰهِ اِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ۔ وَ الْخَامِسَةُ اَنَّ لَعْنَتَ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كَانَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ۔ وَ يَدْرَؤُا عَنْهَا الْعَذَابَ اَنْ تَشْهَدَ اَرْبَعَ شَهٰدٰتٍ بِاللّٰهِ اِنَّهٗ لَمِنَ الْكٰذِبِيْنَ۔ وَ الْخَامِسَةَ اَنَّ غَضَبَ اللّٰهِ عَلَيْهَآ اِنْ كَانَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ (۱)
>
> جو لوگ اپنی بیویوں پر الزام لگائیں اور ان کے پاس خود ان کے سوا کوئی اور گواہ نہ ہوں تو ان میں سے ایک شخص کی گواہی یہ ہے کہ وہ چار مرتبہ اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر گواہی دے کہ وہ (اپنے الزام میں) سچا ہے۔ اور پانچویں بار کہے کہ اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو اگر وہ ا(اپنے الزام میں) جھوٹا ہو۔ اور عورت سے سزا ٹل جائے گی اگر وہ چار مرتبہ اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر گواہی دے کہ یہ شخص (اپنے الزام میں) جھوٹا ہے اور وہ عورت پانچویں مرتبہ کہے کہ اس پر اللہ تعالیٰ کا غضب نازل ہو، اگر وہ (خاوند اپنے الزام میں) سچا ہے۔

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت کو بلوایا۔ حضرت ہلالؓ بھی آئے اور لعان کیا۔ اس موقع پر

گزشتہ سے پیوستہ ....ایک دوسرے کو چھوئیں۔ پھر جو شخص یہ بھی نہ کر سکے تو وہ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے۔ یہ حکم اس لیے ہے کہ تم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاؤ۔ یہ اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حدود ہیں اور انکار کرنے والوں کے لیے دردناک عذاب ہے۔

(۱) النور ۲۴: ۶ تا ۹

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے: إِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ أَنَّ أَحَدَكُمَا كَاذِبٌ فَهَلْ مِنْكُمَا تَائِبٌ ، بیشک اللہ تعالیٰ جانتے ہیں کہ تم دونوں میں سے ایک جھوٹا ہے، تو کیا تم دونوں میں سے کوئی توبہ کرتا ہے؟ پھر عورت کھڑی ہوئی اور چار مرتبہ لعان کیا۔ جب وہ پانچویں مرتبہ کہنے لگی تو لوگوں نے کہا: یہ بڑی سخت بات ہے، اگر جھوٹی ہوئی تو عذاب ہوگا۔ یہ سن کر وہ ہچکچائی اور گردن جھکا دی۔ ہم سمجھے کہ شائد اس نے رجوع کر لیا ہے۔ پھر اس عورت نے کہا: میں اپنی قوم کو ہمیشہ کے لیے بدنام نہیں کروں گی۔ پھر اس عورت نے پانچویں مرتبہ بھی لعان کر دیا۔

اس موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: أَبْصِرُوْهَا فَإِنْ جَاءَتْ بِهِ أَكْحَلَ الْعَيْنَيْنِ سَابِغَ الْأَلْيَتَيْنِ خَدَلَّجَ السَّاقَيْنِ فَهُوَ لِشَرِيْكِ بْنِ سَحْمَاءَ ، اس عورت کو دیکھتے رہنا، اگر اس نے سیاہ آنکھوں والا، بھاری سرین والا اور موٹی پنڈلیوں والا بچہ جنا تو وہ شریک بن سحماء کا ہے۔ اس عورت نے ویسا ہی بچہ جنا۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لَوْ لَا مَا مَضٰى مِنْ كِتَابِ اللّٰهِ لَكَانَ لِيْ وَ لَهَا شَأْنٌ (۱)، اگر قرآن کا حکم نہ آیا ہوتا تو تم دیکھتے کہ میں اس عورت کو کیسی سزا دیتا۔

عدالتِ صحابہؓ پر نبوی ارشادات

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کئی ارشادات صحابہ کرامؓ کی عدالت پر دلالت کرتے ہیں:

صحابہؓ کا زمانہ سب زمانوں سے بہتر

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا زمانہ سب زمانوں سے بہتر قرار دیا ہے۔ صحابہ کرامؓ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ پایا تھا۔ یوں صحابہ کرامؓ کا زمانہ سب زمانوں سے بہتر تھا۔

حضرت عمران بن حُصین سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

خَيْرُ أُمَّتِيْ قَرْنِيْ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ قَالَ عِمْرَانُ فَلَا أَدْرِيْ أَذَكَرَ بَعْدَ قَرْنِهِ قَرْنَيْنِ أَوْ ثَلَاثًا (۲)

میری اُمت میں سب سے بہتر زمانہ میرا ہے، پھر اُن کا جو اُن کے بعد متصل ہوں گے، پھر اُن کا جو اُن کے بعد متصل ہوں گے۔ حضرت عمرانؓ نے کہا: مجھے یاد نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے زمانہ کے بعد دو مرتبہ قرن فرمایا تھا یا تین مرتبہ۔

ابو المظفر سمعانیؒ اور ابن حجر عسقلانیؒ نے لکھا ہے: اس حدیث میں رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ

۱۔ صحيح البخاري، كتاب التفسير، سوة النور، باب قوله و يدرأ عنها العذاب أن تشهد أربع شهادات بالله إنه لمن الكاذبين

۲۔ حوالہ بالا، كتاب المناقب، باب فضائل أصحاب النبي صلى الله عليه و سلم

مراد لیے ہیں (۱)۔ نوویؒ لکھتے ہیں: علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ خیر القرون یعنی تمام زمانوں سے بہتر ہے اور اس سے مراد صحابہ کرامؓ ہیں (۲)۔

صحابہؓ اُمت کا بچاؤ اور امان

حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اَلنُّجُوْمُ اَمَنَةٌ لِلسَّمَاءِ فَاِذَا ذَهَبَتِ النُّجُوْمُ اَتَى السَّمَاءَ مَا تُوْعَدُ وَ اَنَا اَمَنَةٌ لِاَصْحَابِیْ فَاِذَا ذَهَبْتُ اَتَى اَصْحَابِیْ مَا يُوْعَدُوْنَ وَ اَصْحَابِیْ اَمَنَةٌ لِاُمَّتِیْ فَاِذَا ذَهَبَ اَصْحَابِیْ اَتَى اُمَّتِیْ مَا يُوْعَدُوْنَ (۳)

ستارے آسمان کا بچاؤ اور امان ہیں۔ جب ستارے مٹ جائیں گے تو آسمان پر جس بات کا وعدہ ہے وہ آ جائے گی (یعنی قیامت)، اور میں اپنے صحابہؓ کا بچاؤ ہوں، جب میں چلا جاؤں گا تو میرے صحابہؓ پر بھی وہ وقت آ جائے گا جس کا وعدہ ہے (یعنی فتنہ و فساد)، اور میرے صحابہؓ میری اُمت کا بچاؤ ہیں، جب میرے صحابہؓ چلے جائیں گے تو میری اُمت پر وہ وقت آ جائے گا جس کا وعدہ ہے۔

صحابہؓ کو دیکھنے والا باعث سلامتی و بھلائی

حضرت واثلہ بن اسقعؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَا يَزَالُوْنَ بِخَيْرٍ مَا دَامَ فِيْكُمْ مَنْ رَآنِیْ وَ صَاحَبَنِیْ (۴)

لوگ اس وقت تک سلامتی و بھلائی سے رہیں گے جب تک تم میں ایسا شخص موجود ہے جس نے مجھے دیکھنے اور مجھ سے رفاقت رکھنے والے کو دیکھا۔

صحابہؓ کا سب جہانوں پر انتخاب

حضرت جابر بن عبداللہؓ سے مروی حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اِنَّ اللّٰهَ اخْتَارَ اَصْحَابِیْ عَلَى الْعَالَمِيْنَ سِوَى النَّبِيِّيْنَ وَ الْمُرْسَلِيْنَ (۵)

بیشک اللہ تعالیٰ نے میرے صحابہ کو نبیوں اور رسولوں کے سوا تمام جہانوں پر منتخب فرمایا ہے۔

۱۔ قواطع الأدلة ۱/۳۹۳۔ فتح الباری ۷/۴

۲۔ صحیح مسلم بشرح النووی ۱۶/۸۴

۳۔ صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابةؓ، باب بیان أن بقاء النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم أمان لأصحابه

۴۔ المعجم الکبیر المجلد ۱۰، الجزء ۲۲، الصفحة ۵۹

۵۔ مجمع الزوائد ۱۰/۱۸۔ اس حدیث کے رجال ثقہ ہیں البتہ بعض رجال کے بارے میں اختلاف ہے۔

حضرت عویم بن ساعدةؓ سے مروی ایک فرمانِ نبوی ہے:

اِنَّ اللّٰهَ تَبَارَكَ وَ تَعَالٰى اَخْتَارَنِیْ وَ اَخْتَارَلِیْ اَصْحَابًا فَجَعَلَ لِیْ مِنْهُمْ وُزَرَاءَ وَّ اَنْصَارًا وَّ اَصْهَارًا (۱)

بے شک اللہ تعالیٰ نے مجھے منتخب فرمایا اور میرے لیے میرے صحابہ کو منتخب فرمایا، ان میں میرے لیے وزیر، مددگار اور رشتہ دار بنائے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا قول ہے:

بے شک اللہ تعالیٰ نے بندوں کے دلوں پر نظر ڈالی تو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی رسالت کے لیے مبعوث کیا اور اپنے علم کے ساتھ آپ کو منتخب کیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے دلوں پر نظر ڈالی اور آپ کے لیے صحابہؓ کا انتخاب کیا اور انہیں اپنے دین کے مددگار اور اپنے نبی کے وزیر اور مددگار بنایا (۲)۔

اللہ تعالیٰ کا تمام انسانوں پر صحابہ کرامؓ کو منتخب کرنا، ان کی عدالت ظاہر کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے یہ بعید ہے کہ وہ غیر عادل لوگوں کو اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مددگار اور ساتھی چُنے۔ اللہ تعالیٰ کی ہر بات سچائی اور عدل کے اعتبار سے کامل ہے، جیسا کہ قرآن مجید میں آیا ہے:

وَ تَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّ عَدْلًا (۳)

اور تمہارے پروردگار کی باتیں سچائی اور انصاف میں پوری ہیں۔

آمدیؒ نے لکھا ہے: اللہ تعالیٰ کا انتخاب غیر عادل شخص کے لیے نہیں ہو سکتا (۴)۔

صحابہؓ اُمت کے قائد اور شفیع

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ کو اُمت کے قائد اور شفیع قرار دیا ہے۔ حضرت بُریدةؓ سے مروی ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَا مِنْ اَحَدٍ مِّنْ اَصْحَابِیْ یَمُوْتُ بِاَرْضٍ اِلَّا بُعِثَ قَائِدًا وَّ نُوْرًا لَّهُمْ یَوْمَ الْقِیَامَةِ (۵)

۱۔ المستدرك، كتاب معرفة الصحابة

۲۔ معرفة الصحابة ۱/۱۴۲۔ الإستيعاب ۱/۲۶

۳۔ الأنعام ۶:۱۱۵

۴۔ آمدی، الإحكام في أصول الأحكام ۲/۳۲۰

۵۔ تحفة الأحوذي بشرح جامع الترمذي، كتاب المناقب، باب فيمن سبّ أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم۔ یہ حدیث غریب ہے۔ غریب وہ حدیث ہوتی ہے جسے روایت کرنے والا صرف ایک شخص ہو۔ یہ کیفیت اس کی سند کے تمام طبقات میں ہو، یا بعض میں ہو، یا کسی ایک طبقے میں صرف ایک راوی رہ جائے۔ اگر کہیں زیادہ بھی ہوں تو کوئی حرج نہیں، کیونکہ اعتبار کم سے کم تعداد کا ہوتا ہے۔ معجم اصطلاحات حدیث ص ۲۵۷

میرے صحابہؓ میں سے کوئی ایسا نہیں ہے کہ کسی زمین پر فوت ہو مگر یہ کہ وہ قیامت کے دن لوگوں کا قائد اور نور بن کر آئے گا۔

حضرت بُرَیدۃؓ سے مروی ایک اور حدیث کے الفاظ یوں ہیں:

مَنْ مَاتَ مِنْ اَصْحَابِیْ بِاَرْضٍ فَهُوَ شَفِیْعٌ لِاَهْلِ تِلْكَ الْاَرْضِ (۱)

میرے صحابہ میں سے جو کسی زمین پر فوت ہوگا وہ وہاں والوں کے لیے شفیع ہوگا۔

صحابہ کرامؓ میں اہلیتِ قیادت و شفاعت کا ہونا ان کی عدالت کا ثبوت ہے۔

صحابہؓ کھانے میں نمک کے مانند

حضرت انسؓ سے مروی حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَثَلُ اَصْحَابِیْ مَثَلُ الْمِلْحِ فِی الطَّعَامِ، لَا یُصْلِحُ الطَّعَامُ اِلَّا بِهِ (۲)

میرے صحابہؓ کی مثال کھانے میں نمک جیسی ہے جس کے بغیر کھانا عمدہ نہیں ہوتا۔

صحابہؓ پر آتشِ دوزخ حرام

حضرت جابر بن عبداللہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَا تَمَسُّ النَّارُ مُسْلِمًا رَاٰنِیْ اَوْ رَاٰی مَنْ رَاٰنِیْ (۳)

جس نے مجھے دیکھا، یا مجھے دیکھنے والے کو دیکھا، اسے جہنم کی آگ نہیں چھوئے گی۔

صحابہؓ زمین پر اللہ کے گواہ

حضرت انسؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ اَثْنَیْتُمْ عَلَیْهِ خَیْرًا وَجَبَتْ لَهُ الْجَنَّةُ وَ مَنْ اَثْنَیْتُمْ عَلَیْهِ شَرًّا وَجَبَتْ لَهُ النَّارُ۔ اَنْتُمْ شُهَدَاءُ اللّٰهِ فِی الْاَرْضِ، اَنْتُمْ شُهَدَاءُ اللّٰهِ فِی الْاَرْضِ، اَنْتُمْ شُهَدَاءُ اللّٰهِ فِی الْاَرْضِ (۴)

جسے تم نے اچھا کہا اس کے لیے جنت واجب ہوگئی اور جسے تم نے بُرا کہا اس پر جہنم واجب ہو گئی۔ تم زمین پر اللہ کے گواہ ہو، تم زمین پر اللہ کے گواہ ہو، تم زمین پر اللہ کے گواہ ہو۔

۱۔ معرفۃ الصحابۃ ۱۳۸/۲

۲۔ البحر الزخار المعروف بمسند البزار ۲۱۹/۱۳۔ اس حدیث کے راویوں میں ایک راوی اسماعیل بن مسلم ضعیف ہے اور حافظ نہیں ہے۔

۳۔ صحیح الترمذی، کتاب المناقب، باب ما جاء فی فضل من رأی النبی صلی اللہ علیہ وسلم

۴۔ صحیح مسلم، کتاب الجنائز، باب فیمن یثنی علیه أو شر من الموتی

اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ کو زمین پر اللہ تعالیٰ کے گواہ ٹھہرایا ہے اور عادل لوگ ہی گواہ ہوتے ہیں۔

صحابہؓ کے مرتبہ تک کوئی نہیں پہنچ سکتا

حضرت ابوسعید خدریؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَا تَسُبُّوْا اَصْحَابِیْ فَلَوْاَنَّ اَحَدَکُمْ اَنْفَقَ مِثْلَ اُحُدٍ ذَهَبًا مَا بَلَغَ مُدَّ اَحَدِهِمْ وَ لَا نَصِیْفَهٗ (۱)

میرے صحابہ کو بُرا نہ کہو، کیونکہ اگر تم میں سے کوئی اُحد پہاڑ کے برابر سونا اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرے تو بھی میرے صحابی کے ایک مُد (۲)) یا آدھے کو نہیں پہنچ سکتا۔

صحابہؓ سے حُسنِ سلوک کا حکم

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ سے حُسن سلوک کا حکم دیا ہے۔ حضرت عمرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اَحْسِنُوْا اَصْحَابِیْ (۳)

میرے صحابہؓ کے ساتھ اچھے طریقے سے پیش آؤ۔

حضرت عمرؓ سے مروی ایک اور فرمانِ نبوی ہے:

اَکْرِمُوْا اَصْحَابِیْ (۴)

میرے صحابہؓ کی عزت کرو

صحابہؓ سے متعلق پیغمبر کو اذیت دینے کی ممانعت

حضرت عبداللہ بن مُغفلؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اَللّٰهَ اَللّٰهَ فِیْ اَصْحَابِیْ لَا تَتَّخِذُوْهُمْ غَرَضًا بَعْدِی فَمَنْ اَحَبَّهُمْ فَبِحُبِّیْ اَحَبَّهُمْ وَ مَنْ اَبْغَضَهُمْ فَبِبُغْضِی اَبْغَضَهُمْ وَ مَنْ اٰذَاهُمْ فَقَدْ اٰذَانِیْ وَ مَنْ اٰذَانِیْ فَقَدْ اٰذَی اللّٰهَ وَ مَنْ اٰذَی اللّٰهَ فَیُوْشِكُ اَنْ یَّاْخُذَهٗ (۵)

۱۔ صحیح البخاری، کتاب المناقب، باب فضائل أصحاب النبی صلی اللہ علیه وسلم

۲۔ ایک مُد تقریباً ۶۸ء ۹۶۰ گرام کے برابر ہوتا ہے۔ ملاحظہ ہو: اوزان شرعیہ، ضمیمہ

۳۔ مسند أحمد بن حنبل ۲۶/۱

۴۔ الرسالۃ ص ۴۷۴

۵۔ صحیح الترمذی، کتاب المناقب، باب فیمن سب أصحاب النبی صلی اللہ علیه وسلم

میرے صحابہؓ کے بارے میں اللہ سے ڈرو، اللہ سے ڈرو۔ میرے بعد انہیں ہدفِ ملامت نہ ٹھہراؤ، اس لیے کہ جس نے ان سے محبت کی اس نے میرے لیے ان سے محبت کی، اور جس نے ان سے دشمنی کی اس نے میری عداوت کی نظر سے ان سے دشمنی کی، اور جس نے انہیں اذیت دی اس نے مجھے اذیت دی، اور جس نے مجھے اذیت دی اس نے اللہ تعالیٰ کو اذیت دی، اور جس نے اللہ تعالیٰ کو اذیت دی اللہ تعالیٰ اسے ضرور پکڑیں گے۔

ابن قدامہؒ کہتے ہیں: حضرات صحابہ کرامؓ سے عدالت چھین لینا ان کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت پہنچانا ہے(۱)۔

صحابہؓ کو بُرا کہنے کی ممانعت اور وعید

حضرت ابوسعید خُدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَا تَسُبُّوْا اَصْحَابِیْ فَلَوْاَنَّ اَحَدَكُمْ اَنْفَقَ مِثْلَ اُحُدٍ ذَهَبًا مَا بَلَغَ مُدَّ اَحَدِهِمْ وَ لَا نَصِیْفَهٗ (۲)

میرے صحابہ کو بُرا مت کہو۔ اگر تم میں سے کوئی اُحد پہاڑ کے برابر سونا اللہ کی راہ میں خرچ کرے تو بھی وہ ان میں سے کسی ایک کے مُد یا اس کے آدھے کو نہیں پہنچ سکتا۔

اس حدیث میں نہی یعنی ممانعت کا صیغہ (لَا تَسُبُّوْا) استعمال ہوا ہے جس کے مخاطب بعض صحابہؓ ہیں (۳)۔ جب ایک صحابی کے لیے دوسرے صحابی کو بُرا کہنے کی ممانعت ہے تو غیر صحابی کے لیے کسی صحابی کو بُرا کہنے کی ممانعت بدرجہ اولیٰ ہے۔

حضرت عویم بن ساعدةؓ کی روایت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اِنَّ اللّٰهَ تَبَارَكَ وَ تَعَالٰی اخْتَارَنِیْ وَ اخْتَارَلِیْ اَصْحَابًا فَجَعَلَ لِیْ مِنْهُمْ وُزَرَاءَ وَ اَنْصَارًا وَ اَصْهَارًا فَمَنْ سَبَّهُمْ فَعَلَیْهِ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَ الْمَلَائِكَةِ وَ النَّاسِ اَجْمَعِیْنَ لَا یُقْبَلُ مِنْهُ یَوْمَ الْقِیَامَةِ صَرْفٌ وَّ لَا عَدْلٌ (۴)

۱۔ شرح مختصر الروضة ۱۸۰/۲

۲۔ صحیح البخاری، کتاب المناقب، باب فضائل أصحاب النبی صلی اللّٰہ علیہ و سلم

۳۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ اور حضرت خالد بن ولیدؓ کے مابین جھگڑا ہوا۔ حضرت خالدؓ نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کے بارے میں کچھ نامناسب باتیں کیں جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا تھا۔ تفصیل ملاحظہ ہو: صحیح مسلم، کتاب الفضائل، باب تحریم سبّ الصحابة

۴۔ المستدرك، کتاب معرفة الصحابة

بے شک اللہ تبارک وتعالیٰ نے مجھے منتخب فرمایا اور میرے لیے صحابہ کو منتخب فرمایا، پھر ان میں سے میرے لیے وزیر، مددگار اور رشتہ دار بنائے۔ جس نے انہیں برا کہا، اس پر اللہ تعالیٰ، فرشتوں اور تمام انسانوں کی لعنت ہے۔ قیامت کے روز اس سے کوئی معاوضہ قبول ہوگا اور نہ کوئی بدلہ۔

حضرت معاذ بن جبلؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اَطِعْ کُلَّ اَمِیْرٍ وَ صَلِّ خَلْفَ کُلِّ اِمَامٍ وَ لَا تَسُبُّوْا اَحَدًا مِنْ اَصْحَابِیْ (۱)

ہر حکمران کی اطاعت کرو، ہر امام کے پیچھے نماز ادا کرو اور میرے صحابہ میں کسی کو گالی مت دو۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اِذَا رَاَیْتُمُ الَّذِیْنَ یَسُبُّوْنَ اَصْحَابِیْ فَقُوْلُوْا لَعْنَۃُ اللّٰہِ عَلٰی شَرِّکُمْ (۲)

جب تم ان لوگوں کو دیکھو جو میرے صحابہ کو برا کہتے ہیں تو کہو: تمہارے شر پر اللہ کی لعنت ہو۔

حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اِنَّ اللّٰہَ اخْتَارَنِیْ وَ اخْتَارَ اَصْحَابِیْ فَجَعَلَھُمْ اَصْحَارِیْ وَ جَعَلَھُمْ اَنْصَارِیْ وَ اَنَّہٗ سَیَجِیْئُ فِیْ آخِرِ الزَّمَانِ قَوْمٌ یَنْقِصُوْنَھُمْ، اَلَا فَلَا تَنَاکِحُوْھُمْ، اَلَا فَلَا تَنَاکِحُوْا اِلَیْھِمْ، اَلَا فَلَا تُصَلُّوْا مَعَھُمْ، اَلَا فَلَا تُصَلُّوْا عَلَیْھِمْ، عَلَیْھِمْ حَلَّتِ اللَّعْنَۃُ (۳)

بے شک اللہ تعالیٰ نے مجھے منتخب فرمایا اور میرے صحابہ کرام کو منتخب فرمایا، پھر انہیں میرے رشتہ دار اور میرے مددگار بنایا۔ زمانہ کے آخر میں ایسے لوگ آئیں گے جو صحابہ کرامؓ میں نقص نکالیں گے۔ خبردار ان کے ساتھ شادی بیاہ مت کرنا، خبردار ان کے ساتھ نماز مت ادا کرنا، خبردار ان کی نمازِ جنازہ مت ادا کرنا۔ ان پر لعنت حلال ہو چکی ہے۔

حضرت انسؓ کی ایک اور روایت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اِنَّ اللّٰہَ اخْتَارَنِیْ فَاخْتَارَلِیْ اَصْحَابِیْ وَ اَصْھَارِیْ وَ سَیَاْتِیْ قَوْمٌ یَسُبُّوْنَھُمْ وَ یَنْتَقِصُوْنَھُمْ فَلَا تُجَالِسُوْھُمْ وَ لَا تُشَارِبُوْھُمْ وَ لَا تُوَاکِلُوْھُمْ وَ لَا تُنَاکِحُوْھُمْ (۴)

۱۔ المعجم الکبیر ۹/۱۲۲ (دار احیاء)۔ اس حدیث کے راوی مکحولؒ نے یہ حدیث حضرت معاذ بن جبلؓ سے نہیں سنی ہے۔

۲۔ صحیح الترمذی، کتاب المناقب، باب فیمن سبّ أصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم

۳۔ الکفایۃ فی علم الروایۃ ص ۴۸

۴۔ کتاب الضعفاء الکبیر ۱/۱۲۶

بے شک اللہ تعالیٰ نے مجھے منتخب فرمایا، پھر میرے لیے میرے صحابہؓ اور میرے رشتہ دار منتخب کیے، اور جلد ایسی قوم آئے گی جو انہیں گالیاں دیں گے اور ان کی عیب جوئی کریں گے۔ پس تم ان لوگوں کے ساتھ مت بیٹھنا، ان کے ساتھ کھانا پینا مت اور نہ ان کے ساتھ بیاہ شادیاں کرنا۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ سَبَّ اَصْحَابِیْ فَعَلَیْهِ لَعْنَةُ اللّٰهِ (۱)

جس نے میرے صحابہؓ کو گالی دی، اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے۔

تابعی عطاؒ سے مروی ایک روایت میں بھی فرمانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے یہی الفاظ آئے ہیں (۲)۔

عدالتِ صحابہؓ پر اقوالِ ائمہ

اب ذیل میں چند مشہور ائمہ کرام کے اقوال پیش کیے جا رہے ہیں جس سے عدالتِ صحابہؓ پر اُمتِ مسلمہ کا موقف قطعی طور پر واضح ہو جاتا ہے:

۱۔ امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں: تمام صحابہ کرامؓ عدول ہیں۔ ان کی تعظیم وتوقیر ہم پر فرض ہے۔ ان میں سے کسی ایک کی خیرات کردہ کھجور ہم میں سے کسی ایک کے سارے مال کی خیرات سے اور کسی ایک صحابی کا صحبتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں بیٹھنا ہم میں سے کسی ایک کی ساری عمر کی عبادت سے افضل ہے (۳)۔

۲۔ عدالتِ صحابہ کرامؓ پر قرآنی دلائل دینے کے بعد خطیب بغدادیؒ لکھتے ہیں: یہ تمام آیات صحابہ کرامؓ کی گناہوں سے پاکیزگی، ان کی عدالت کی قطعیت اور بُرائیوں سے ان کی پاکدامنی پر دلالت کرتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ صحابہ کرامؓ کے باطن سے آگاہ ہیں، لہٰذا اللہ تعالیٰ کی طرف سے عدالتِ صحابہ پر گواہی کے بعد کسی مخلوق کی گواہی کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ اسی پاکیزگی وعدالت پر سمجھے جائیں گے جب تک ان سے کسی ایسے فعل کا ارتکاب ثابت نہ ہو جو ارادۂ معصیت کے تحت ہو اور اس فعل کی تاویل نہ ہو سکے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے صحابہؓ کو ایسے فعل کے ارتکاب سے محفوظ فرمایا ہے اور ان کی شان کو اس سے بلند و برتر کیا ہے (۴)۔

۱۔ البحر الزخار المعروف بمسند البزار ۱۲/۱۱۵۔ اس حدیث کی اسناد میں ایک راوی سیف بن عمرو ہے جس کے متعلق علمائے جرح وتعدیل کا کہنا ہے کہ وہ متروک ہے۔
محدثین کی اصطلاح میں جس حدیث کی سند میں کوئی راوی ایسا ہو جس پر جھوٹے ہونے کی تہمت ہو تو اس کی روایت کو متروک کہتے ہیں۔ معجم اصطلاحاتِ حدیث ص ۲۹۸

۲۔ إبن أبي شيبة، المصنّف، كتاب الفضائل، ما في ذكر الكف عن أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم ۷/۵۵۰

۳۔ ابن حزم، الإحكام في أصول الأحكام ۵/۸۹

۴۔ الكفاية في علم الرواية ص ۴۸

۳۔ ابن عبدالبرؒ کہتے ہیں: اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ کی جو شان بیان فرمائی ہے اس سے تمام صحابہؓ کی عدالت ثابت ہوتی ہے۔ اس شخص سے بڑھ کر عادل کوئی نہیں ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت ونصرت کے لیے پسند فرمایا ہو۔ اس سے افضل کوئی تزکیہ نہیں ہے اور اس سے زیادہ کامل کوئی تعدیل نہیں ہے(۱)۔

۴۔ بقول قاضی باجیؒ: تمام صحابہؓ عدول ہیں۔ اللہ نے ان کی تعدیل اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی فضیلت بیان فرمائی ہے، لہٰذا صحابہؓ کی عدالت سے متعلق سوال پوچھنے اور تفتیش کرنے کی ضرورت نہیں ہے(۲)۔

۵۔ امام غزالیؒ نے فرمایا: متقدمینِ اُمت اور جمہور متاخرین کے نزدیک حضرات صحابہ کرامؓ کی عدالت، اللہ تعالیٰ کی جانب سے ان کی تعدیل اور قرآن میں ان کی توصیف وتعریف سے معلوم شدہ ہے۔ ان کے بارے میں ہمارا یہی عقیدہ ہے۔ ماسوائے اس کے کہ کسی کا ارتکابِ فسق قطعی طور پر ثابت ہو جائے جبکہ وہ اس کا فسق ہونا جانتا ہو۔ ایسا ثابت نہیں ہے۔ لہٰذا صحابہ کرامؓ کی تعدیل کی ضرورت نہیں ہے۔ امام غزالیؒ مزید لکھتے ہیں: اللہ تعالیٰ، جو عالمِ غیب ہے، اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تعدیل سے زیادہ صحیح تعدیل کس کی ہو سکتی ہے(۳)۔

۶۔ ایسے ہی خیالات کا اظہار ابن قدامہؒ نے کیا ہے(۴)۔

۷۔ ابن الصلاحؒ فرماتے ہیں: صحابہؓ میں سے کسی ایک کے بارے میں بھی سوال نہیں ہو گا بلکہ یہ طے شدہ امر ہے۔ قرآن وسنّت کی نصوص اور اجماعِ اُمت سے وہ مطلق طور پر عدول ہیں(۵)۔

۸۔ ارمویؒ نے کہا ہے: جب ہم کسی انسان کی تعدیل کے معاملہ میں اپنے میں سے کسی ایک کی تحقیق وتزکیہ پر اکتفا کر لیتے ہیں جبکہ وہ بعض ظواہر کو بھی نہیں جانتا اور وہ جھوٹ سے معصوم بھی نہیں ہے، تو عالمِ غیب اللہ تعالیٰ جس کے علم سے زمین وآسمان کا ذرہ بھی باہر نہیں ہے، جس کے لیے جھوٹ جائز نہیں ہے اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم جو جھوٹ سے معصوم ہیں، ان دونوں کے تزکیہ پر اکتفا کرنا زیادہ لائق اور اولیٰ ہے(۶)۔

۹۔ ابن حجر عسقلانیؒ کے مطابق: اللہ تعالیٰ کی جانب سے صحابہ کرامؓ کو عدول قرار دیے جانے کے بعد انہیں مخلوق میں سے کسی کی تعدیل کی ضرورت نہیں ہے(۷)۔

۱۔ الإستيعاب في معرفة الأصحاب ۴/۱

۲۔ إحكام الفصول في أحكام الأصول ص۳۰۳

۳۔ المستصفى في علم الأصول ص۱۳۰

۴۔ روضة الناظر ۳۰۱/۱

۵۔ علوم الحديث ص۲۶۴

۶۔ نهاية الوصول ۲۹۰۶/۷

۷۔ الإصابة في تمييز الصحابة ۱۱/۱

۱۰۔ ابن نجارؒ کہتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے جس کی مدح کی ہو وہ عدول کیسے نہیں ہوگا؟ اگر دو افراد کے قول سے تعدیل ثابت ہو جاتی ہے تو پھر اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے کی گئی ایسی عظیم تعریف سے عدالت بھلا ثابت کیوں نہیں ہوگی (۱)۔

عدالتِ صحابہؓ کی حکمت

دین کی روایات کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرنے کا پہلا واسطہ اور کڑی صحابہ کرامؓ ہیں۔ اگر اس پہلی کڑی کو مشکوک بنا دیا جائے تو پھر دین کی عمارت متزلزل ہو جاتی ہے۔ جب بنیاد ہی پر اعتماد نہ ہو تو پھر عمارت کی مضبوطی اور پائیداری کے لیے کوئی دلیل نہیں لائی جا سکتی۔ اگر صحابہ کرامؓ کی ذات و کردار کو جرح و تعدیل کی سان پر چڑھا دیا جائے اور اس پہلے واسطہ اور کڑی سے اعتماد اٹھا لیا جائے تو پھر شریعت کی تفصیلات معتبر نہیں ٹھہرتیں۔ اگر صحابہ کرامؓ نعوذ باللہ جھوٹے قرار دے دیئے جائیں تو پھر نمازیں، روزے، نکاح، طلاق، میراث اور حدود وغیرہ کے تمام احکام مردود، غیر مقبول اور ساری شریعت باطل ہو جائے گی۔ شریعتِ اسلامی صرف حیاتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم تک محدود ہو کر رہ جائے گی۔ اُمتِ مسلمہ اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے دین پر عمل ہرگز نہیں کر سکے گی حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت تا قیامت ہے۔

عدالتِ صحابہؓ پر مخالفین کے اقوال

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے لکھا ہے: تمام صحابہ کرامؓ کے عدول ہونے کی مخالفت چند بدعتی لوگوں نے کی ہے (۲)۔ امام قرطبیؒ نے بھی مخالفین کو قلیل گروہ قرار دیا ہے (۳)۔ فخر الدین رازیؒ نے عدالتِ صحابہ پر طعن کے حوالے سے ابراہیم نظام اور خوارج (۴) کا ذکر کیا ہے (۵)۔

۱۔ شرح الكوكب المنير ۲/۴۷۵

۲۔ الإصابة في تمييز الصحابة ۱/۱۰

۳۔ الجامع لأحكام القرآن ۸/۲۸۸،۱۶/۲۹۹

۴۔ خوارج جنگِ صفین (۳۷ھ) میں ظاہر ہوئے۔ وہ حضرت علیؓ کے لشکر میں تھے۔ انہوں نے حضرت علیؓ کو تحکیم یعنی ثالث مقرر کرنے پر مجبور کیا، بعد میں تحکیم کو جرم و کفر قرار دیا اور حضرت علیؓ کے خلاف لڑائی کا آغاز کر دیا۔ یہ لوگ اپنے افکار و عقائد میں بہت متشدد تھے۔ ان کے مطابق خلیفہ کا تقرر تمام مسلمان آزادانہ اور منصفانہ انتخاب سے کریں۔ خلافت کسی خاص گروہ مثلاً قریش کے ساتھ مخصوص نہیں ہے، بلکہ افضل یہ ہے کہ کسی غیر قریشی کو خلیفہ بنایا جائے۔ خلیفہ عدل پر قائم رہنے تک اپنے منصب پر فائز رہے گا۔ اگر وہ شریعت کے احکام نافذ نہ کرے اور کج روی اختیار کرے تو اسے معزول بلکہ قتل کرنا جائز ہے۔ ہر گنہگار کافر ہے، خواہ یہ گناہ غلطی سے ہو۔ اسی لیے وہ حضرت علیؓ کو تحکیم کے معاملہ میں (نعوذ باللہ) کافر کہتے تھے۔ جدل و مناظرہ اور شعر و ادب ان کا محبوب مشغلہ تھا۔ طلاقتِ لسانی اور فصاحت و بلاغت خوارج کا وصف تھا۔ تفصیل ملاحظہ ہو: استاذ ابوزہرہ کی کتاب المذاهب الإسلامية ص ۹۷

۵۔ المحصول في علم أصول الفقه ۳/۹۵۶

مخالفین کا یہ قلیل گروہ بھی مختلف آراء رکھتا ہے۔ان کے اقوال اور دلائل مندرجہ ذیل ہیں (۱):

پہلا قول: صحابہ کرامؓ بھی دوسروں کی طرح ہیں، لہٰذا اُن کی عدالت کی تحقیق کی جائے گی۔بعض صحابہؓ سے ایسے افعال سرزد ہوئے جو عدالت کو مجروح کرتے ہیں۔ان میں سے بعض منافق ہوئے، کسی سے صدورِ کِذب ہوا اور کچھ مرتد ہوئے۔البتہ اگر کسی کی عدالت ظاہر ہو اور وہ قطعی طور پر عدول ہے تو پھر اس کی عدالت معلوم نہیں کی جائے گی، جیسے خلفائے اربعہ یعنی حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ۔

اس قول کے حاملین میں سے بعض کی یہ رائے ہے کہ مشاجرات یعنی صحابہ کرامؓ کے مابین سیاسی جھگڑوں کے ظہور اور شہادتِ حضرت عثمانؓ سے قبل تمام صحابہؓ عدول ہیں، مگر مشاجرات اور فِتن کے بعد ان کا حال دوسروں کے مانند ہے۔

دوسرا قول: تمام صحابہؓ عدول ہیں، سوائے ان کے جنہوں نے حضرت علیؓ کے خلاف قتال کیا۔بعض کے مطابق ان تمام صحابہؓ کی روایت مردود کیونکہ فریقین میں سے ایک ضرور منافق ہے اور وہ غیر معلوم اور غیر معیّن ہے۔

تیسرا قول: صحبتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں مشہور صحابہ کرامؓ عدول ہیں۔

مخالفین کے اقوال کا جائزہ

مندرجہ بالا تینوں اقوال باطل ہیں۔قرآن اور احادیث میں صحابہ کرامؓ کے جن فضائل، اوصاف اور مقام و مرتبہ کا ذکر ہے، ان سے یہ اقوال موافقت نہیں رکھتے۔قرآنی اور نبوی گواہیوں کا لازمی تقاضا یہی ہے کہ تمام صحابہؓ بغیر کسی استثناء کے عدول ہیں۔عہدِ صحابہؓ میں خلافِ عدالت کسی فعل کے ارتکاب اور فِسق ظاہر ہونے کے واقعات اتنے شاذ ہیں کہ اس سے تمام صحابہؓ کی عدالت مجروح نہیں ہوتی۔اسی لیے محدّثین نے فِسق کے معاملہ میں صحابہؓ کی تعداد کے نادر ہونے کو عدم قرار دیا ہے (۲) یعنی وہ اتنے کم ہیں کہ نہ ہونے کے برابر ہیں۔مورخین نے بعض صحابہ کرامؓ کے بارے میں جو نادر باتیں لکھی ہیں ان کے متعلق ابن الانباریؒ کہتے ہیں کہ وہ سب توجہ کے لائق نہیں ہیں کیونکہ وہ صحیح نہیں ہیں اور جو کچھ صحیح ہے اس کی صحیح تاویل کی گئی ہے (۳)۔

۱۔ آمدی، الإحکام فی أصول الأحکام ۳۲۰/۲۔ المستصفی فی علم الأصول ص ۱۳۰۔ تدریب الراوی ۲۱۴/۲۔ ارشاد الفحول ص ۱۲۷۔ شرح الکوکب المنیر ۴۷۶/۲۔ إحکام الفصول فی أحکام الأصول ص۳۰۳۔ حاشیۃ البنانی ۱۶۷/۲۔ نہایۃ الوصول ۲۹۰۴/۷۔ تیسر التحریر ۶۴/۳۔الإصابۃ ۱۲/۱۔ فتح المغیث ۹۸/۴۔ الباعث الحثیث ص۱۸۲۔ جامع المعقول والمنقول ۵۵/۱۔البحر المحیط فی أصول الفقہ ۳۰۰/۴

۲۔ توضیح الأفکار ۴۳۶/۲

۳۔ البحر المحیط فی أصول الفقہ ۳۰۰/۴۔ ارشاد الفحول ص ۱۲۹۔ فتح المغیث ۱۰۰/۴

مخالفین نے اپنے موقف کی حمایت میں بعض احادیث سے استدلال کیا ہے۔ مثلاً حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَيَرِدَنَّ عَلَيَّ نَاسٌ مِنْ أَصْحَابِي الْحَوْضَ حَتَّى عَرَفْتُهُمْ اخْتَلِجُوا دُونِي، فَأَقُولُ، أَصْحَابِي، فَيَقُولُ لَا تَدْرِي مَا أَحْدَثُوا بَعْدَكَ (۱)

میرے سامنے میرے اصحاب میں سے کچھ لوگ حوضِ کوثر پر اتریں گے، حتیٰ کہ میں ان کو پہچان لوں گا۔ وہ میرے سامنے سے پکڑ کر لے جائے جائیں گے۔ میں کہوں گا: یہ میرے اصحاب ہیں۔ اللہ فرمائیں گے: آپ نہیں جانتے کہ انہوں نے آپ کے بعد کیا کیا ہے۔

مخالفین کا اس حدیث سے استدلال درست نہیں ہے۔ یہاں ان لوگوں کے بارے میں وعید آئی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے بعد مرتد ہو گئے تھے اور حالت ارتداد میں فوت ہوئے تھے۔ ایک صحابی کے لیے یہ ضروری ہے کہ اس کا خاتمہ بالایمان ہو۔ مندرجہ بالا حدیث سے صحابہؓ کی عدالت پر طعن کا کوئی جواز نہیں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مرتد ہو جانے والوں پر لفظ أَصْحَابِي کا اطلاق ظاہر پر کیا تھا، باطن پر نہیں۔ اس کی دلیل روایت کے یہ الفاظ ہیں: لَا تَدْرِي مَا أَحْدَثُوا بَعْدَكَ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ نہیں جانتے کہ انہوں نے آپ کے بعد کیا کیا۔ علماء نے بھی ظاہر کو بنیاد بناتے ہوئے تمام صحابہ کرامؓ کے عدول ہونے کا موقف اختیار کیا ہے۔

مخالف گروہ کا کہنا ہے کہ صحابہؓ میں منافقین کا وجود عدالت سے متصادم ہے۔ منافقین کی مذمت میں سورت المنافقون بھی ہے، لہٰذا تمام صحابہؓ عدول قرار نہیں دیئے جا سکتے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ منافقین اپنے نفاق میں مشہور تھے۔ وہ تعداد میں بہت کم تھے۔ قرآن مجید اور احادیث میں منافقین کی نشانیاں بیان کر دی گئی تھیں جس سے ان کا نفاق پوشیدہ نہیں رہ سکتا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حذیفہ بن یمانؓ کو ان کے بارے میں بتا دیا تھا (۲)۔

جہاں تک سورت المنافقون کا تعلق ہے تو یہ سورت منافقین کی مذمت میں نازل ہوئی تھی، صحابہ کرامؓ کے خلاف نہیں اتری تھی۔ شانِ صحابہؓ میں اس سورت سمیت متعدد سورتوں میں آیات موجود ہیں۔ علمائے اُمت نے کسی منافق کو صحابہ میں شمار نہیں کیا۔ جس شخص پر نفاق کا الزام لگا، اس کی روایت ہی نہیں لی گئی۔ روایات کے اسلامی ذخیرہ میں کسی منافق کی کوئی روایت نہیں ملتی (۳)۔

۱۔ صحیح البخاری، کتاب الحوض، باب قول اللہ: إِنَّا أَعْطَيْنَاكَ الْكَوْثَرَ

۲۔ الإستیعاب ۲/۳۱۸۔ الإصابة ۲/۲۲۳۔ أسد الغابة ۲/۷۰۶

۳۔ البحر المحیط فی أصول الفقه ۴/۳۰۰

جہاں تک مخالفین کے تیسرے قول کا تعلق ہے تو یہ ایک شاذ قول ہے۔ جب اَلصَّحَابَۃُ کُلُّھُمْ عُدُوْلٌ کی بات ہوتی ہے تو اس میں مشہور اور مجہول یعنی وہ جن کے حالات محدثین کے ہاں معروف ہوں اور جن کے حالات محدثین کے ہاں معروف نہ ہوں، تمام صحابہ کرامؓ شامل ہیں (۱)۔ محدثین نے مشہور اور مجہول تمام صحابہ کرامؓ کی عدالت تسلیم کی ہے۔ ابوالحسین بصریؒ نے تو عہدِ رسالت کے تمام مسلمانوں کو عدول کہا ہے (۲)۔ سرخسیؒ پہلے تین قرنوں یعنی عہدِ صحابہؓ، عہدِ تابعینؒ اور عہدِ تبع تابعینؒ کے تمام مجہول حضرات کو بھی عدول قرار دیتے ہیں، جب تک کہ ان کی عدالت زائل ہونے کی وجہ ظاہر نہ ہو (۳)۔ عبدالعزیز بخاریؒ نے بھی لکھا ہے کہ پہلے تین قرنوں کے مجہول کی خبر مقبول ہے، کیونکہ اس زمانہ میں اصل عدالت تھی (۴)۔

ان کی دلیل وہ حدیث ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری اُمت میں سب سے بہتر زمانہ میرا ہے، پھر اُن کا جو اُن کے بعد متصل ہوں گے، پھر اُن کا جو اُن کے بعد متصل ہوں گے۔ راوی حضرت عمرانؓ فرماتے ہیں کہ مجھے یاد نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے زمانہ کے بعد دو مرتبہ قرن فرمایا تھا یا تین مرتبہ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عیدالفطر کے چاند سے متعلق ایک اعرابی کی گواہی قبول فرمائی تو اس کی عدالت کی تحقیق نہیں کی بلکہ صرف اس کے اسلام کے بارے میں تفتیش فرمائی تھی (۵)۔

عدالت اور عصمت

عدالتِ صحابہؓ سے یہ مراد نہیں ہے کہ صحابہؓ کی عصمت بھی ثابت ہے۔ بشری طبائع کا یہ خاصہ ہے کہ ان سے معصیت کا امکان ہو۔ صحابہؓ کو عدول قرار دینے سے وہ دائرہ بشریت سے خارج نہیں ہو جاتے۔ کسی نے یہ دعویٰ نہیں کیا کہ ان سے خلافِ تقویٰ و شرع کام سرزد ہونا محال ہے یا وہ انبیاء کرام علیہم السلام کے مانند معصوم ہیں (۶)۔

۱۔ توضیح الأفکار ۲/۴۶۳

۲۔ المعتمد فی أصول الفقه ۲/۳۶

۳۔ المحرر فی أصول الفقه ۱/۳۴۲

۴۔ عبدالعزیز بخاری، کشف الأسرار ۲/۹۳ ذ

۵۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک دیہاتی آیا اور اس نے کہا: یارسول اللہ! میں نے ماہِ رمضان کا چاند دیکھا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پوچھا: اَتَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ، کیا تم اس بات کی گواہی دیتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے؟ اس نے کہا: ہاں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: اَتَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ، کیا تم اس بات کی گواہی دیتے ہو کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں؟ اس نے کہا: ہاں۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یَابِلَالُ اَذِّنْ فِی النَّاسِ فَلْیَصُوْمُوْا غَدًا، اے بلالؓ! لوگوں کو اطلاع کر دو کہ وہ کل روزہ رکھیں۔ سنن أبی داؤد، کتاب الصوم، باب فی شهادة الواحد علی رؤیة هلال رمضان

۶۔ البحر المحیط فی أصول الفقه ۴/۳۰۰۔ فتح المغیث ۴/۱۰۰۔ ارشاد الفحول ص ۱۲۹۔ العواصم والقواصم ۳/۲۲۳

صحابہ کرامؓ سے کسی معصیت کا ہو جانا محال نہیں ہے، لیکن ان سے عمداً اور عادتاً ارتکاب گناہ اور معاصی پر اصرار ضرور محال ہے۔ ان کے کردار و سیرت کی پاک دامنی اور ان کے تقویٰ و عدالت کی گواہی خود اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے۔ چند ایک صحابہؓ سے کسی معصیت کا ہو جانا ان کی عدالت کو متاثر نہیں کرتا۔ جن چند صحابہ کرامؓ سے خطائیں ہوئیں انہوں نے اللہ تعالیٰ سے اپنی خطاؤں کی فوراً معافی چاہی اور توبہ کے خواستگار ہوئے۔ ان کی توبہ نہ صرف قبول ہوئی بلکہ اس کی فضیلت بھی بیان کر دی گئی۔ قاضی ابن العربیؒ نے اس حوالے سے لکھا ہے کہ جن گناہوں سے توبہ کر لی جائے ان سے عدالت ساقط نہیں ہوتی (۱)۔

جن چند ایک صحابہ کرامؓ سے تقاضائے بشریت کے تحت معصیت سرزد ہوئی، انہوں نے جس انداز سے خود کو محاسبہ کے لیے پیش کیا اور جس طرح رب تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی توبہ چاہی، اس کی نظیر حضرات صحابہ کرامؓ کے سوا انسانوں کے کسی اور طبقہ میں ملنی مشکل ہے۔ انہوں نے احساسِ ندامت کے فوراً بعد خود کو عدالتِ نبوی میں سزا کے لیے پیش کیا۔ دورانِ تفتیش سزا سے بچنے اور اقبالی بیان سے منحرف ہونے کے مواقع بار بار دیئے جاتے رہے مگر انہوں نے دنیا ہی میں خود کو پاک کرنے میں استقامت دکھائی (۲)۔ صحابہؓ کے کردار کا یہ عظیم پہلو ہے۔ ان کے بعد

۱۔ العواصم من القواصم ص ۵۴۳

۲۔ حضرت انس بن مالکؓ نے بیان کیا ہے: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھا۔ ایک شخص آیا اور اس نے عرض کی: یا رسول اللہ! میں نے ایسے گناہ کا ارتکاب کیا ہے جو مستوجب سزائے حد ہے، مجھ پر حد جاری کریں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے اس کے گناہ سے متعلق کچھ نہ پوچھا۔ پھر نماز کا وقت ہو گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ اس شخص نے نماز ادا کی۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہوئے تو وہ شخص پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آ کھڑا ہوا اور کہا: یا رسول اللہ! میں نے حد والے گناہ کا ارتکاب کیا ہے، مجھ پر سزائے حد جاری کریں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: أَلَيْسَ قَدْ صَلَّيْتَ مَعَنَا، کیا تم نے ہمارے ساتھ نماز نہیں ادا کی؟ اس نے کہا: جی ہاں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: فَإِنَّ اللَّهَ قَدْ غَفَرَ لَكَ ذَنْبَكَ أَوْ قَالَ حَدَّكَ. پھر اللہ تعالیٰ نے تمہارا گناہ فرما دیا ہے، یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا: تیری سزائے حد کو بخش دیا ہے۔ صحیح البخاری، کتاب المحاربین من أهل الكفر و الردة، باب إذا أقر بالحد

ایک اور واقعہ میں حضرت ابو ہریرہؓ نے بیان کیا ہے: ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا۔ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف فرما تھے۔ اس نے آپ کو پکارا اور کہا: یا رسول اللہ! میں نے زنا کیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا چہرہ مبارک اس سے دوسری طرف کر لیا۔ وہ آپ کے سامنے دوسری طرف سے آیا اور کہا: یا رسول اللہ! میں نے زنا کیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر اس سے اپنا رخِ انور پھیر لیا۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے تیسری طرف سے آیا اور کہا: یا رسول اللہ! میں نے زنا کا ارتکاب کیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر اس سے چہرہ پھیر لیا تو وہ چوتھی طرف سے آپ کے سامنے آیا۔ جب وہ شخص چار بار اپنے خلاف گواہی دے چکا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے بلایا اور فرمایا: کیا تم پاگل ہو گئے ہو۔ اس نے کہا: یا رسول اللہ! نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پوچھا: کیا تم شادی شدہ ہو؟ اس نے جواب دیا: یا رسول اللہ! ہاں۔ تب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسے لے جا کر سنگسار کر دو۔
صحیح البخاری، کتاب المحاربین من أهل الكفر و الردة، باب سوال الإمام المقر هل أحصنت

کوئی اور زمانہ ایسے پاکیزہ نفوس کی بطور طبقہ مثال پیش نہیں کر سکا جنہوں نے سب کے سامنے اپنے قصور کا اعتراف کیا، خوشی سے اپنے لیے سزا کا مطالبہ کیا اور سزا پا کر دنیا ہی میں اپنے نفوس کی تطہیر کر لی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی صحابی کی توبہ کے بعد اسے لعن طعن کرنے کی ممانعت فرمائی ہے۔ مثلاً حضرت عمرؓ راوی ہیں کہ ایک شخص کو سزا ہوئی، کسی نے بُرا جملہ کہا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَا تَلْعِنُوْهُ فَوَاللّٰهِ مَا عَلِمْتُ اِلَّا اَنَّهٗ یُحِبُّ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ (۱)

اس پر لعن مت کرو۔ اللہ کی قسم! میں جانتا ہوں کہ یہ شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرتا ہے۔

حضرت ابوسعید خدریؓ کی روایت میں ہے کہ ایک بدوی نے انصار کے متعلق بُری بات کہی تھی۔ اسے حضرت عمرؓ کے پاس لایا گیا تو آپ نے اسے اس لیے کچھ نہ کہا کہ اسے صحبتِ نبوی کا شرف حاصل تھا (۲)۔ ابن حجر عسقلانیؒ نے لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ نے اس شخص کو سزا نہ دینے کے علاوہ اس کی ملامت بھی نہیں کی تھی۔ یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ صحابہؓ یہ اعتقاد رکھتے تھے کہ کوئی چیز صحابی کی عزت اور مرتبہ کا بدل اور اس کے مساوی نہیں ہو سکتی (۳)۔

عدالت اور خطا

عدالتِ صحابہؓ سے یہ مراد بھی نہیں ہے کہ ان سے خطا اور غلطی محال ہے۔ خطا عدالت کی نفی نہیں کرتی۔ خطا پر کوئی مسؤلیت اور جواب طلبی نہیں ہے۔ حضرت ابوذر غفاریؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اِنَّ اللّٰهَ تَجَاوَزَ عَنْ اُمَّتِی الْخَطَاَ وَ النِّسْیَانَ وَ مَا اسْتُکْرِهُوْا عَلَیْهِ (۴)

۱۔ حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص جس کا نام عبداللہ اور لقب حمار تھا، لایا گیا۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہنسا کر محظوظ کیا کرتا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے شراب پینے کی سزا میں کوڑے لگوائے تھے۔ ایک دن پھر وہ نشہ کی حالت میں لایا گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے کوڑے مارنے کا حکم دیا۔ اسے کوڑے لگائے گئے۔ لوگوں میں سے ایک شخص نے کہا: اس پر اللہ کی لعنت ہو، یہ کس قدر نشہ کی حالت میں لایا جاتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لَا تَلْعِنُوْهُ فَوَاللّٰهِ مَا عَلِمْتُ اِلَّا اَنَّهٗ یُحِبُّ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ، اس پر لعنت نہ کرو، اللہ کی قسم! میں جانتا ہوں کہ وہ اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہے۔

ایک اور واقعہ ہے: حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص نشہ کی حالت میں لایا گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے مارنے کا حکم دیا۔ ہم میں سے کوئی اپنے ہاتھ سے اور کوئی اپنی جوتیوں سے اور کوئی اپنے کپڑوں سے اسے مار رہا تھا۔ جب ہم اسے مار چکے تو ایک شخص نے کہا: اسے کیا ہو گیا ہے، اللہ اسے رسوا کرے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لَا تَکُوْنُوْا عَوْنَ الشَّیْطٰنِ عَلٰی اَخِیْکُمْ، اپنے بھائی کے خلاف شیطان کے مددگار نہ بنو۔
صحیح البخاری، کتاب الحدود، باب ما یکرہ من لعن شارب الخمر

۲۔ الإصابة فی تمییز الصحابة ۱/۱۳

۳۔ حوالہ بالا ۱/۱۳

۴۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الطلاق، باب طلاق المکرہ و الناسی

بیشک اللہ نے میری اُمت سے درگزر کیا خطا اور بھول چوک پر اور جس پر زبردستی کی جائے۔

اجتہادی امور میں خطا پر بھی اجر و ثواب کی خوشخبری دی گئی ہے۔ حضرت عمرو بن العاصؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إِذَا حَكَمَ الْحَاكِمُ فَاجْتَهَدَ فَأَصَابَ فَلَهُ أَجْرَانِ وَ إِذَا حَكَمَ فَاجْتَهَدَ ثُمَّ أَخْطَأَ فَلَهُ أَجْرٌ (۱)

جب حاکم نے فیصلہ کرنے کے لیے اجتہاد کیا اور وہ درست رہا تو اس کے لیے دو اجر ہیں اور جب حاکم نے فیصلہ کرنے کے لیے اجتہاد کیا اور غلطی کی تو اس کے لیے ایک اجر ہے۔

تفتازانیؒ لکھتے ہیں: عدالت، اجتہادی امور میں خطا کی نفی نہیں کرتی کیونکہ اس میں کوئی فسق نہیں ہے بلکہ اس پر اجر کی نوید سنائی گئی ہے (۲)۔

عدالت اور ضبط

چند ایسے واقعات ملتے ہیں کہ بعض صحابہؓ نے بعض کے اقوال پر نقد و طعن کیا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے میراث میں دادی کے چھٹے حصے کے مسئلہ پر حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کی روایت قبول کرنے میں تأمل فرمایا اور اس پر گواہ طلب کیا تھا (۳)۔

حضرت عمرؓ اور حضرت عائشہؓ نے مطلقہ کو دورانِ عدت نان و نفقہ اور رہائش نہ ملنے کے بارے میں حضرت فاطمہ بنت قیسؓ کی روایت قبول نہیں کی تھی (۴)۔

۱۔ صحیح البخاری، کتاب الإعتصام بالکتاب و السنّة، باب أجر الحاکم إذا إجتهد فأصاب أو أخطأ

۲۔ التوضیح و التلویح ۲/۵۱۷

۳۔ ابن شہاب زہریؒ نے روایت کیا ہے: حضرت ابوبکر صدیقؓ کے پاس ایک دادی یا نانی آئی اور اس نے کہا: میرا پوتا، یا میرا نواسا فوت ہو گیا ہے۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ میراث میں میرا حصہ ہے، تو میرا کیا حصہ ہے؟ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے فرمایا: میں نے اس بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ نہیں سنا، میں لوگوں سے پوچھوں گا۔ نمازِ ظہر کے بعد آپ نے لوگوں سے پوچھا: کیا تم میں سے کسی نے سنا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دادی کی میراث کے بارے میں کچھ فرمایا ہو؟ حضرت مغیرہ بن شعبہؓ نے کہا: ہاں میں نے سنا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے چھٹا حصہ دلوایا ہے۔ حضرت ابوبکرؓ نے پوچھا: کیا آپ کے علاوہ کوئی اور شخص بھی اسے جانتا ہے؟ حضرت محمد بن مسلمہؓ کھڑے ہوئے اور کہا: حضرت مغیرہؓ نے سچ کہا ہے۔ پھر حضرت ابوبکر صدیقؓ نے دادی کو چھٹا حصہ دلوایا۔ سنن الدارمي، کتاب الفرائض، باب قول أبي بکر الصدیق في الجدّات

۴۔ حضرت فاطمہ بنت قیسؓ روایت کرتی ہیں کہ وہ ابوعمرو بن حفص بن مغیرہؓ کے نکاح میں تھیں۔ اس نے حضرت فاطمہ کو تین طلاقیں دیں۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں اور آپ سے پوچھا کہ کیا وہ ابوعمرو کے گھر سے جا سکتی ہیں؟ رسول

بقیہ اگلے صفحہ پر ......

حضرت عمرؓ نے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کی طلب اِذن والی حدیث پر ان سے گواہ طلب کیا تھا(۱)۔

حضرت عائشہؓ نے حضرت عمرؓ کی روایت کہ میت پر اس کے عزیزوں کے رونے سے عذاب ہوتا ہے، کو قبول نہیں کیا تھا(۲)۔

گزشتہ سے پیوستہ ...... اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ وہ حضرت ابن ام مکتومؓ کے گھر چلی جائیں۔ عروہؒ کہتے ہیں کہ حضرت عائشہ نے حضرت فاطمہ بنت قیسؓ کی بات کا انکار کیا۔

امام شعبیؒ نے حضرت فاطمہ بنت قیسؓ کی حدیث بیان کرتے ہوئے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہؓ کو نہ گھر دلوایا اور نہ خرچہ۔ اسود نے مٹھی بھر کنکر شعبیؒ کی طرف پھینکتے ہوئے کہا: کیا آپ اسے روایت کرتے ہیں، حالانکہ حضرت عمرؓ نے فرمایا تھا: ہم اللہ تعالیٰ کی کتاب اور اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّت کو ایک عورت کے قول کی وجہ سے نہیں چھوڑ سکتے۔ ہمیں نہیں معلوم کہ وہ بھول گئی ہے یا اسے یاد رکھا ہے۔ مطلقہ ثلاثہ کو رہائش بھی ملے گی اور خرچہ بھی، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿لَا تُخْرِجُوهُنَّ مِنْ بُيُوتِهِنَّ وَ لَا يَخْرُجْنَ إِلَّا أَنْ يَأْتِينَ بِفَاحِشَةٍ مُبَيِّنَةٍ﴾ [الطلاق ۶۵:۱] انہیں ان کے گھروں سے مت نکالو مگر جب وہ کوئی کھلی بے حیائی کریں۔ **صحیح مسلم، کتاب الطلاق، باب المطلقة ثلاثا لا نفقة لها۔ صحیح البخاری، کتاب النکاح، باب قصة فاطمة بنت قیس**

۱۔ حضرت ابوسعید خدریؓ روایت کرتے ہیں: میں انصار کی ایک مجلس میں تھا کہ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ گھبرائے ہوئے تشریف لائے اور فرمایا: میں نے حضرت عمرؓ سے تین بار اجازت مانگی تو اجازت نہ ملنے پر میں واپس چلا گیا۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا: تمہیں اندر آنے سے کس نے روکا تھا؟ میں نے کہا: میں نے تین بار اجازت مانگی، اجازت نہ ملنے پر میں واپس چلا آیا، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا: ''جب تم میں سے کوئی شخص تین بار اجازت مانگے اور اسے اجازت نہ ملے تو اسے چاہیے کہ وہ واپس چلا جائے''۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا: اللہ کی قسم! آپ کو اس پر گواہ پیش کرنا ہوگا۔ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے لوگوں سے پوچھا: کیا تم میں سے کسی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حدیث سنی ہے؟ حضرت اُبی بن کعبؓ نے کہا: اللہ کی قسم! آپ کی گواہی کے لیے قوم کا سب سے کم عمر شخص کھڑا ہوگا۔ راوی کہتے ہیں کہ میں اس وقت سب سے کم عمر تھا۔ میں حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کے ساتھ گیا اور حضرت عمرؓ کے پاس جا کر کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا فرمایا ہے۔ **صحیح البخاری، کتاب الاستئذان، باب التسلیم و الاستئذان ثلاثا**

۲۔ حضرت عبداللہ بن عبیداللہ بن ابی ملیکہؒ سے مروی روایت میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا: جب حضرت عمرؓ زخمی ہوئے تو حضرت صہیبؓ روتے ہوئے پہنچے اور کہنے لگے: افسوس اے میرے بھائی، افسوس اے میرے ساتھی۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا: اے صہیبؓ! کیا تم مجھ پر روتے ہو! حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا: إِنَّ الْمَيِّتَ يُعَذَّبُ بِبَعْضِ بُكَاءِ أَهْلِهِ عَلَيْهِ میت کو اس کے گھر والوں کے رونے کے سبب سے عذاب ہوتا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت عمرؓ وفات پا گئے تو میں نے حضرت عائشہؓ سے یہ حدیث بیان کی۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا: اللہ حضرت عمرؓ پر رحم فرمائے، بخدا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ مومن کو اس کے گھر والوں کے رونے کی وجہ سے عذاب دیتے ہیں، بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا تھا: إِنَّ اللّٰهَ لَيَزِيدُ الْكَافِرَ عَذَابًا بِبُكَاءِ أَهْلِهِ عَلَيْهِ، اللہ تعالیٰ ایک کافر کا عذاب اس کے گھر والوں کے رونے کی وجہ سے زیادہ کر دیتے ہیں۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ نے یہ بھی فرمایا تھا: تمہارے لیے قرآن کافی ہے: ﴿وَ لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ﴾ [الأنعام ۶:۱۶۴] کوئی گناہگار کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔ **صحیح البخاری، کتاب الجنائز، باب قول النبی صلی اللّٰه علیه و سلم یعذب المیّت ببعض بکاء أهله علیه**

حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے حضرت ابو ہریرہؓ کی اس روایت پر طعن کیا تھا کہ جس نے نماز جنازہ ادا کی، اسے ایک قیراط (۱) اور جس نے نماز جنازہ ادا کی اور جنازہ کے پیچھے چلا، اسے دو قیراط کا ثواب ہوگا (۲)۔

صحابہ کرامؓ نے ایک دوسرے کی روایات پر جو نقد وطعن اور انہیں قبول کرنے میں جو تحقیق وتفتیش کی ہے اس کا مقصد راوی صحابی کی عدالت پر شک کرنا نہیں تھا۔ بلکہ ایسا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث قبول کرنے میں احتیاط کے طور پر کیا گیا تھا تاکہ قبولِ روایت سے قبل یہ یقین ہو جائے کہ راوی سہو، نسیان اور عدم حفظ کا شکار نہیں ہوا بلکہ نقل وروایت میں ضبط کے تمام تقاضے پورے ہوئے ہیں۔ صحابہ کرامؓ نے ثبوتِ ضبط کے لیے راوی پر نقد وطعن کیا تھا۔ اسی لیے علماء نے قبولِ خبر کے لیے راوی میں اسلام، عدالت اور عقل کے علاوہ ضبط کی شرط بھی عائد کی ہے (۳)۔

ضبط سے مراد یہ ہے کہ کلام کو اس طرح سنا جائے جیسا سننے کا حق ہے، پھر اس کے معنی ومراد کو سمجھا جائے، اسے اچھی طرح یاد کیا جائے، پھر اس کی حفاظت اس طرح کی جائے کہ اسے دوسرے تک پہنچانے کے وقت تک وہ ذہن سے محو نہ ہو (۴)۔ وہی راوی ضبط والا ہے جس کی روایات ضبط اور اتقان میں مشہور اور ثقہ راویوں کی روایات کے موافق ہوں، اگرچہ وہ معنی کے اعتبار ہی سے موافق ہوں (۵)۔

بہت سی چیزیں ضبط پر اثر انداز ہو سکتی ہیں، مثلاً راوی کا سوءِ حفظ، اس کی غفلت، راوی میں وہم کا زیادہ ہو جانا، راوی کی روایت سے ثقہ راویوں کی مخالفت کرنا، راوی کا نسیان اور تساہل میں معروف ہونا وغیرہ وغیرہ۔ ان چیزوں کی موجودگی راوی میں ضبط کی نفی کرتی ہے۔ عدمِ ضبط کی وجہ سے اس کی روایت مردود ہوگی، لیکن عدمِ ضبط کی وجہ سے ایک صحابی کی عدالت کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا۔ لہٰذا بعض صحابہ کرامؓ کی روایات کا مقبول نہ ہونا یا راوی صحابہؓ سے ان کی روایات پر گواہی طلب کرنا ضبط میں یقین واطمینان کے لیے تھا۔

۱۔ ایک قیراط تقریباً ۲۱۸ء۷ ملی گرام کے برابر ہوتا ہے۔ ملاحظہ ہو: اوزانِ شرعیہ، ضمیمہ

۲۔ حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث بیان کی: مَنْ صَلّٰى عَلٰى جَنَازَةٍ فَلَهُ قِيْرَاطٌ وَ مَنْ صَلّٰى عَلَيْهَا وَ تَبِعَهَا فَلَهُ قِيْرَاطَانِ. جس آدمی نے نمازِ جنازہ ادا کی تو اسے ایک قیراط اور جس آدمی نے نمازِ جنازہ ادا کی اور جنازہ کے پیچھے چلا اسے دو قیراط ثواب ہوگا۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے حضرت ابو ہریرہؓ سے فرمایا: دیکھیں، یہ آپ کیا فرما رہے ہیں، آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت زیادہ احادیث روایت کرتے ہیں۔ حضرت ابو ہریرہؓ نے حضرت ابن عمرؓ کا ہاتھ پکڑا اور حضرت عائشہؓ کے پاس جا کر ان سے پوچھا۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا: حضرت ابو ہریرہؓ نے سچ کہا۔ الطبقات الکبریٰ ۳۳۲/۴۔ مزید ملاحظہ ہو: صحیح البخاری، کتاب الجنائز، باب فضل إتباع الجنائز

۳۔ علوم الحدیث ص۱۰۴۔ الکفایۃ ص۵۲۔ التقیید و الإیضاح ص۱۳۸۔ تدریب الراوی ۳۰۰/۱۔ توضیح الأفکار ۱۱۴/۲۔ المختصر فی أصول الحدیث ص۶۳۔ عبدالعزیز بخاری، کشف الأسرار ۵۷۱/۲۔ التوضیح و التلویح ۴۲۵/۲۔ المحرر فی أصول الفقہ ۲۵۸/۱

۴۔ عبدالعزیز بخاری، کشف الأسرار ۵۷۹/۲۔ المحرر فی أصول الفقہ ۲۶۱/۱

۵۔ علوم الحدیث ص ۹۵

اسی لیے حضرت ابوبکر صدیقؓ نے حضرت مغیرۃ بن شعبہؓ سے گواہ طلب فرمایا تھا۔

اسی لیے حضرت عمرؓ نے حضرت فاطمہ بنت قیسؓ کی روایت کو قرآن وسنت کے منافی جانا اور یہ فرمایا تھا: ہم اللہ تعالیٰ کی کتاب اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو نہیں چھوڑیں گے، ہمیں نہیں معلوم کہ وہ بھول گئی یا اس نے یاد رکھا(۱)۔

اسی لیے حضرت عائشہ صدیقہؓ نے بھی عدمِ ضبط کے سبب سے حضرت فاطمہ بنت قیسؓ کی روایت کو قبول نہیں کیا تھا۔ حضرت عائشہؓ نے اس موقع پر یہ فرمایا تھا: فاطمہ کو کیا ہو گیا ہے، کیا وہ اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتی (۲)۔

اسی لیے حضرت عمرؓ نے اجازت طلب کرنے کی روایت پر حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے جو گواہ طلب کیا تھا وہ بھی قبولِ حدیث میں احتیاط کی وجہ سے تھا۔ حضرت عمرؓ نے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے فرمایا تھا: میں آپ پر الزام نہیں لگاتا لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث روایت کرنے کا معاملہ سخت اور اہم ہے (۳)۔

اسی لیے حضرت عائشہ صدیقہؓ نے عزیزوں کے رونے سے میّت پر عذاب ہونے کی روایت قبول نہیں کی تھی اور یہ فرمایا تھا: اللہ تعالیٰ حضرت عمرؓ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ پر رحم کرے، ان دونوں نے جھوٹ نہیں بولا، لیکن حضرت عمرؓ سے بھول ہوئی ہے (۴)۔

حضرت علیؓ کسی سے حدیث لینے میں اتنے محتاط تھے کہ وہ راوی سے حلف بھی لیا کرتے تھے (۵)۔

جہاں تک ان بعض روایات کا تعلق ہے جن میں یہ بیان ہوا ہے کہ کسی صحابی نے دوسرے صحابی کے لیے ''کِذب'' کا لفظ استعمال کیا ہے (۶) تو اس کی حقیقت یہ ہے کہ صحابہ کرامؓ کے درمیان ''کِذب'' کا لفظ جھوٹ کے

۱۔ صحیح مسلم، کتاب الطلاق، باب المطلقۃ ثلاثا لا نفقۃ لھا ۲/۱۱۱۹۔ کتاب الحجۃ علی أھل المدینۃ ۴/۶۴، ۶۵۔ ابویوسف، کتاب الآثار ص ۱۳۲

۲۔ صحیح البخاری، کتاب الطلاق، باب قصۃ فاطمۃ بنت قیس ۲/۸۰۲

۳۔ سنن أبی داؤد، کتاب الأدب، باب کم مرۃ یسلّم الرجل فی الإستئذان ۳/۳۵۰

۴۔ الطبقات الکبریٰ ۳/۳۴۶۔ مزید ملاحظہ ہو: صحیح مسلم، کتاب الجنائز، باب المیت یعذب ببکاء أھلہ علیہ ۲/۶۴۱، ۶۴۳

۵۔ حضرت اسماء بن حکیمؓ روایت کرتے ہیں: میں نے حضرت علیؓ سے یہ سنا ہے کہ جب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی حدیث سنتا تو اللہ تعالیٰ جس قدر چاہتے مجھے اس پر عمل کی اتنی توفیق دیتے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے کوئی شخص مجھے حدیث بیان کرتا تو میں اس سے حلف لیتا تھا۔ جب وہ حلف اٹھاتا تو مجھے یقین آ جاتا۔ سنن أبی داؤد، کتاب الصلوٰۃ، باب فی الاستغفار

۶۔ مثلاً عاصمؒ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت انس بن مالکؓ سے دعائے قنوت کے بارے میں پوچھا تو حضرت انسؓ نے فرمایا تھا: قنوت پڑھی جاتی تھی۔ میں نے پوچھا: رکوع سے پہلے پڑھی جاتی تھی یا رکوع کے بعد؟ حضرت انسؓ نے جواب دیا: رکوع سے پہلے۔ عاصمؒ نے کہا کہ فلاں شخص کہتا ہے کہ حضرت انسؓ نے فرمایا کہ رکوع کے بعد قنوت پڑھی جاتی تھی۔ حضرت انس بن

بقیہ اگلے صفحہ پر

بجائے ''خطا'' کے معنی میں مستعمل تھا(۱)۔

صحابہ کرامؓ روایتِ حدیث میں ضبط کا اہتمام کرتے تھے۔ اگر انہیں عدمِ ضبط کا اندیشہ ہوتا تو وہ روایت نہیں کیا کرتے تھے۔ مثلاً حضرت زید بن ارقمؓ سے کہا گیا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی حدیث بیان فرمائیں تو انہوں نے فرمایا: ہم بوڑھے ہو گئے ہیں، ہم پر نسیان غالب ہو گیا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث بیان کرنا بہت اہم بات ہے (۲)۔

صحابہ کرامؓ کا قبولِ حدیث میں نقد وطعن، کسی صحابی کی تکذیب یا اس کی عدالت کو مجروح نہیں کرتا بلکہ اس اقدام سے دینی روایات کو قبول کرنے میں صحابہ کرامؓ کے خلوص اور انتہائی احتیاط کا پتہ چلتا ہے۔

عدالتِ صحابہؓ کے حوالے سے یہ بات واضح ہو گئی ہے کہ صحابہؓ کی ذات و کردار پر جرح وتنقید کیے بغیر ان کے اقوال، روایات اور اخبار مقبول ہیں۔

گزشتہ سے پیوستہ...... مالکؓ نے جواب دیا: كَذَبَ یعنی اس نے جھوٹ بولا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رکوع کے بعد قنوت صرف ایک ماہ پڑھی تھی۔ حضرت ابو درداءؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے خطبہ دیا اور فرمایا تھا: جس نے صبح پائی تو اس کے لیے وتر نہیں ہیں۔ یہ بات حضرت عائشہؓ سے کہی گئی تو آپؓ نے فرمایا تھا: كذب أبو الدرداء كان النبي صلى الله عليه وسلم يصبح فيوتر یعنی حضرت ابو درداءؓ نے جھوٹ بولا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم صبح پاتے اور وہ وتر پڑھتے تھے۔ الكامل في ضعفاء الرجال ۶۳/۱

۱۔ منهج النقد عند المحدثين ص۷۹۔ السنة و مكانتها في التشريع الإسلامي ص ۲۴۴

۲۔ سنن ابن ماجه، المقدمة، كتاب السنة، باب التوقي في الحديث عن رسول الله صلى الله عليه وسلم ۲۴/۱

باب دوم

نقل وروایت میں الفاظِ صحابہؓ کی حجیت

اسلامی فقہی وقانونی ادب میں صحابہ کرامؓ کے ایسے الفاظ ملتے ہیں جو اُن کے اپنے اجتہادات کو ظاہر نہیں کرتے۔ انہوں نے یہ الفاظ صرف نقل اور روایت کیے ہیں۔ کبھی وہ یہ الفاظ نقل کرتے ہوئے ان کی اضافت عہدِ نبوی کی طرف کرتے ہیں اور کبھی ایسی اضافت کیے بغیر یہ الفاظ روایت کر دیتے ہیں۔ صحابہ کرامؓ سے منقول ایسے الفاظ بھی ملتے ہیں جن میں لفظ السُّنَّةُ کا استعمال کیا گیا ہے۔ کہیں وہ اپنے الفاظ میں امر کا مجہول صیغہ استعمال کرتے ہیں۔ ان سے تفسیری اقوال بھی مروی ہیں۔ اس باب میں صحابہ کرامؓ سے مروی ایسے ہی الفاظ کی فقہی وقانونی حجیت پر بحث کی گئی ہے۔ باب کے آخر میں اس بات کا بھی جائزہ لیا گیا ہے کہ اگر صحابی کا قول یا فعل اس کی اپنی ہی روایت یا کسی دوسرے صحابی کی روایت کے خلاف ہے تو پھر ایسی صورت میں روایت حجت ہے یا اس صحابی کا قول وفعل حجت ہے۔

اس مقصد کے لیے باب کو مندرجہ ذیل سات فصول میں تقسیم کیا گیا ہے:

☆ عہدِ نبوی کی طرف اضافت والے الفاظ

☆ عہدِ نبوی کی طرف عدم اضافت والے الفاظ

☆ لفظ السُّنَّةُ کا استعمال

☆ مجہول صیغۂ امر ونہی

☆ نسخ سے متعلق الفاظ

☆ تفسیری اقوال

☆ صحابی کے قول یا فعل کا حدیث سے تعارض

عہدِ نبوی کی طرف اضافت والے الفاظ

صحابہؓ کے الفاظ کی ایک صورت یہ ہے جس میں صحابی نے کسی فعل کی اضافت عہدِ نبوی(۱) کی طرف کی ہے۔ مثلاً حضرت انسؓ کا قول ہے:

وَ كُنَّا نُصَلِّي عَلَى عَهْدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ رَكْعَتَيْنِ بَعْدَ غُرُوْبِ الشَّمْسِ قَبْلَ صَلٰوةِ الْمَغْرِبِ (۲)

اور ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں غروب آفتاب کے بعد نمازِ مغرب سے پہلے دو رکعتیں ادا کرتے تھے۔

حضرت جابر بن عبداللہؓ نے فرمایا:

لَقَدْ كُنَّا نَعْزِلُ عَلَى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ (۳)

ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں عَزْل (۴) کیا کرتے تھے۔

حضرت ابوسعید خدریؓ کی روایت ہے:

كُنَّا نُخْرِجُ فِيْ عَهْدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ يَوْمَ الْفِطْرِ صَاعًا مِنْ طَعَامٍ(۵)

ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں عید الفطر کے دن ایک صاع (۶) کھانا صدقہ میں دیا کرتے تھے۔

۱۔ روایات میں یہ الفاظ آتے ہیں: فِيْ عَهْدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ، فِيْ زَمَانِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ، اس سے مراد اس عالمِ رنگ و بو میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مبارک کا عہد اور زمانہ ہے۔ ورنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عہد اور آپ کا زمانہ تو روزِ قیامت تک ہے۔

۲۔ صحیح مسلم، کتاب صلوٰۃ المسافرین وقصرھا، باب إستحباب رکعتین قبل صلوٰۃ المغرب

۳۔ حوالہ بالا، کتاب النکاح، باب حکم العزل

۴۔ عَزْل: دورانِ جماع مادۂ تولید کو بیوی کے رحم میں ڈالنے کے بجائے باہر پھینک دینا۔

۵۔ صحیح البخاری، کتاب الزکوٰۃ، باب الصدقۃ قبل العید

۶۔ ایک صاع ۲۷۲ء۱۸۴۲ء۳ کلوگرام کے برابر ہے۔ ملاحظہ ہو: اوزانِ شرعیہ، ضمیمہ

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا قول ہے:

كَانَ الرِّجَالُ وَ النِّسَاءُ يَتَوَضَّاؤُنَ فِيْ زَمَانِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّم جَمِيْعًا (۱)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں مرد اور عورتیں سب (ایک برتن کے پانی سے) وضو کرتے تھے۔

بعض علماء کہتے ہیں کہ ایسے قولِ صحابی کی حیثیت مُسند روایت (۲) جیسی نہیں ہے (۳)۔ مثلاً ابوبکر اسماعیلیؒ کی رائے ہے کہ یہ قول مرفوع (۴) نہیں ہے (۵)۔ وہ یہ دلیل دیتے ہیں کہ اس بات کا احتمال ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اُن افعال کی اطلاع نہ ہو جن کی صحابی نے اپنے قول میں عہدِ نبوی کی طرف اضافت کی ہے۔

مثلاً حضرت عمرؓ نے حضرت رفاعہ بن رافعؓ سے پوچھا: کیا تم ایسا کرتے تھے کہ جب کوئی شخص اپنی عورت سے صحبت کرے تو اِکسال (۶) کی صورت میں غسل کرے۔ حضرت رفاعہؓ نے جواب دیا: ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایسا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے حرام ہونے کا حکم نازل نہیں ہوا تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس بارے میں کوئی حکم نہیں فرمایا تھا۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا: کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا علم تھا؟ انہوں نے جواب دیا: میں یہ نہیں جانتا۔ حضرت عمرؓ نے مہاجرین وانصار کو جمع کر کے ان سے مشورہ لیا، سب نے کہا کہ اس صورت میں غسل واجب نہیں ہے۔ حضرت معاذؓ اور حضرت علیؓ نے فرمایا کہ جب ختنہ گاہ ختنہ گاہ سے تجاوز کر جائے تو غسل واجب ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا: افسوس تم بدری صحابہ آپس میں اختلاف کرتے ہو، تمہارے بعد والے تم سے زیادہ اختلاف کریں گے۔ حضرت علیؓ نے فرمایا: زوجاتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کی اس حالت سے سب سے زیادہ باخبر ہوں گی۔ حضرت عمرؓ نے اپنی بیٹی اور زوجۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت

۱۔ صحيح البخاري، كتاب الوضوء، باب وضوء الرجل مع إمرأته

۲۔ مُسند وہ حدیث ہے جس کی سند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک متصل ہو۔ ایک رائے یہ بھی ہے کہ مسند وہ حدیث ہے جس کی سند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچے لیکن اس کے لیے اتصال ضروری نہیں ہے۔ ایک رائے یہ ہے کہ متصل ہر وہ حدیث ہے جس کی سند متصل ہو لیکن مروی عنہ یعنی جس سے روایت کیا جا رہا ہے اس کے لیے ضروری نہیں ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی ہو۔ صحابی و تابعی تک متصل سند والی روایت بھی مسند ہے۔ اصول حدیث مصطلحات وعلوم جلد ۱، ص ۸۰ ۷۔ معجم اصطلاحات حدیث ص ۳۴۰

۳۔ احكام الفصول ص ۳۲۰۔ التبصرة ص ۳۳۳۔ قواطع الأدلة ۳۸۹/۱

۴۔ مرفوع: وہ قول، فعل، تقریر یا صفت جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب ہو اور جسے کوئی صحابی بیان کرے۔ معجم اصطلاحات حدیث ص ۳۳۱۔ تقریر کی وضاحت آگے صفحہ ۸۷ کے حاشیہ میں آ رہی ہے۔

۵۔ المجموع شرح المهذب ۶۰/۱۔ تدريب الراوی ۱۸۶/۱

۶۔ اِکسال یعنی کسی نے بیوی سے جماع کیا لیکن انزال نہیں ہوا۔

حفصہؓ کے پاس آدمی بھیجا۔ انہوں نے جواب دیا کہ مجھے اس کا علم نہیں ہے۔ پھر حضرت عمرؓ نے حضرت عائشہ صدیقہؓ سے معلوم کروایا تو انہوں نے جواب دیا: جب ختنہ گاہ ختنہ گاہ سے تجاوز کر جائے تو غسل واجب ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا: جو شخص اس قول کے خلاف کہے گا میں اسے سزا دوں گا(۱)۔

جمہور کا موقف

جمہور علماء ایسے قولِ صحابی کی شرعی حیثیت و حجیت کے قائل ہیں جس میں کسی فعل کی اضافت عہدِ نبوی کی طرف کی گئی ہو۔ حاکم نیشاپوریؒ، قاضی باجیؒ، ابو اسحاق شیرازیؒ، ابو المظفر سمعانیؒ، ابو الخطاب کلوذانیؒ اور ابن نجارؒ وغیرہ نے کہا ہے کہ ایسا قول مُسند کے درجہ میں ہے(۲)۔ البتہ حاکم نیشاپوریؒ نے راوی صحابی کے لیے صحبتِ نبوی میں معروف ہونے کی شرط لگائی ہے(۳)۔ باجیؒ کے نزدیک صحابی نے فعل کا ذکر اس طور سے کیا ہو کہ ایسا فعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نہ تو پوشیدہ رہ سکتا ہو اور نہ آپ نے اس کی نکیر فرمائی ہو(۴)۔ ابن الصلاحؒ، محی الدین نوویؒ اور حافظ ابن حجر عسقلانیؒ کے مطابق یہ قول مرفوع کی قبیل سے ہے(۵) یعنی یہ قول مرفوع تقریری حکمی ہے(۶)۔ امام

۱۔ مسند إحمد بن حنبل ۱۱۵/۵۔ مجمع الزوائد، کتاب الطهارة، باب فی قوله الماء بالماء ۲۷۱/۱

۲۔ معرفة علوم الحدیث ص ۲۲۔ احکام الفصول ص ۳۲۰۔ التبصرة فی أصول الفقه ص۳۳۳۔ قواطع الأدلة ۳۸۹/۱۔ التمهید فی أصول الفقه ۱۸۲/۳۔ شرح الکوکب المنیر ۴۸۳/۲۔ توضیح الأفکار ۲۷۳/۱

۳۔ معرفة علوم الحدیث ص ۲۲

۴۔ احکام الفصول ص ۳۲۰

۵۔ علوم الحدیث ص۴۳۔ تدریب الراوی ۱۸۵/۱۔ فتح الباری ۲۵۹/۱۔ نزهة النظر ص ۵۶

۶۔ مرفوع تقریری حکمی: اس سے مراد ایسا قول ہے جس میں صحابی یہ خبر دے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایسا کیا کرتے تھے۔ یہ خبر اس لحاظ سے مرفوع کے حکم میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے اس فعل سے بظاہر آگاہ تھے۔ مرفوع کی دیگر اقسام یہ ہیں:

مرفوع قولی تصریحی: جس میں راوی صراحت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول بیان کرے۔

مرفوع فعلی تصریحی: جس میں راوی صراحت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل بیان کرے۔

مرفوع قولی حکمی: جس میں راوی ایسی بات بیان کرے جو اسرائیلیات سے نہ ہو، اس میں اجتہاد کا دخل نہ ہو، وہ لغت اور شرح غریب سے نہ ہو جیسے ابتدائے خلق اور انبیاء کے حالات، وہ مستقبل کی جنگوں، فتنوں اور احوالِ قیامت کے متعلق نہ ہو اور نہ ہی وہ ایسی خبر ہو جس کا تعلق کسی مخصوص فعل کے ثواب وعقاب سے ہو۔ یہ سب کچھ اجتہاد سے معلوم نہیں ہو سکتا۔ صحابہؓ کا ماخذ کتبِ قدیمہ کے بجائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات تھی۔

مرفوع فعلی حکمی: جس میں صحابی ایسا کام کرے جس میں اجتہاد کا دخل نہ ہو۔

مرفوع تقریری تصریحی: جس میں راوی صراحت سے یہ کہے: میں نے یا فلاں نے یہ فعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں کیا اور اس فعل پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار بیان نہ کرے۔

تفصیل ملاحظہ ہو: النکت نزهة النظر فی توضیح نخبة الفکر ص ۱۴۰ وما بعد

نوویؒ نے لکھا ہے: اکثر محدثین اور ہمارے اصحاب نے کتب فقہ میں ایسے قولِ صحابی کا استعمال مرفوع روایت کے طور پر کیا ہے(۱)۔ اگر کسی فعل کی اضافت عہدِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہو تو یہ اس فعل کے جواز یا وجوب کی دلیل ہے اور صحابی نے وہ قول حجت کے طور پر ذکر کیا ہے(۲)۔

خطیب بغدادیؒ اور امام غزالیؒ نے بھی یہ قول حجت قرار دیا ہے(۳)۔ ابن حاجبؒ نے لکھا ہے: جمہور کے نزدیک یہ جماعت کا عمل ہے لہٰذا بطورِ اجماع حجت ہے(۴)۔

بعض علماء نے اس بات سے اختلاف کیا ہے کہ یہ قول بطورِ اجماع حجت ہے۔ طوفیؒ نے لکھا ہے: بعض شوافع علمائے اصولِ فقہ کے نزدیک ایسا قول اِجماع کا فائدہ نہیں دیتا۔ مزید یہ کہ اس فعل کی اضافت اُس زمانے کے تمام اہلِ اِجماع کی طرف نہیں کی جا سکتی(۵)۔ امام شوکانیؒ نے بھی لکھا ہے کہ ایسے قول پر اِجماع نقل کرنے کا حکم نہیں لگایا جا سکتا(۶)۔

جمہور کے دلائل

جمہور علماء کے اہم دلائل مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ بظاہر ایسے قول سے صحابی کا مقصد ہمیں احکامِ شریعت سکھانا ہے، اور ایسا قول صرف اسی صورت میں شرعی حکم ہو سکتا ہے جب صحابہ کرامؓ نے عہدِ نبوی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے یہ فعل کیا ہو اور آپ نے اس سے منع نہ فرمایا ہو۔

۲۔ صحابی نے یہ قول حجت و دلیل کے طور پر بیان کیا ہے۔ اس کی عہدِ نبوی کی طرف اضافت اس لیے کی گئی ہے تا کہ حجت و دلیل قائم ہو۔ ایسا تب ہی ممکن ہے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس فعل سے آگاہ ہوں اور آپ نے اسے برقرار رکھا ہو۔

۳۔ ظاہر میں ایسے قول سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس فعل سے آگاہ تھے اور اسے آپ نے برقرار رکھا۔ تقریر(۷) مرفوع احادیث میں سے ایک ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اس فعل کو برقرار رکھنا اس فعل

۱۔ المجموع شرح المهذب ۱/۶۰

۲۔ شرح مختصر الروضة ۲/۱۹۸۔ إتحاف ذوی البصائر بشرح روضة الناظر ۲/۸۶۲

۳۔ الکفایة ص ۴۲۳۔ المستصفی ص ۱۰۵

۴۔ منتهی الوصول والأمل ص ۸۲

۵۔ شرح مختصر الروضة ۲/۱۹۹

۶۔ ارشادالفحول ص۵۹

۷۔ تقریر: اگر کسی کام پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ناپسندیدگی کا اظہار نہ کیا ہو تو یہ تقریری حدیث کہلاتی ہے۔ آپ صلی اللہ

بقیہ اگلے صفحہ پر ....

کے متعلق آپ کے حکم کا قائم مقام ہے۔

۴۔ صحابہ کرامؓ فعل کی اضافت عہد نبوی کی طرف اس لیے کرتے تھے تاکہ یہ واضح ہو جائے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس فعل سے آگاہ تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع نہیں فرمایا تھا، ورنہ صحابہ کرامؓ کی طرف سے اس اضافت کا کوئی فائدہ نہیں رہتا۔

۵۔ بظاہر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں صحابہؓ دینی امور میں سے کوئی کام از خود نہیں کیا کرتے تھے۔ وہ جو بھی دینی کام سرانجام دیتے تھے اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم و اجازت ہوتی تھی۔ لہٰذا صحابہؓ کا یہ قول مُسند کے درجہ میں ہے۔

۶۔ اگر شریعت کی رُو سے وہ فعل جائز نہ ہوتا تو بذریعہ وحی منع کر دیا جاتا کیونکہ وحی کا سلسلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت تک جاری تھا۔ صحابہؓ جائز اور غیر ممنوع فعل ہی انجام دیتے اور اس پر عمل جاری رکھتے تھے۔

۷۔ عہد نبوی کی طرف اضافت والے الفاظ تکرارِ فعل اور اس فعل پر صحابہؓ کے استمرار و دوام دونوں کا فائدہ دیتے ہیں۔ یہ بات بعید ہے کہ صحابی کا قول کسی فعل کا بار بار ہونا بھی ظاہر کرے اور وہ فعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوشیدہ بھی رہے۔

۸۔ یہ بات صحابی سے متوقع نہیں ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کسی فعل سے انکار جاننے کے باوجود اسے روایت کرے۔

۹۔ كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ (وہ سب کرتے تھے) تمام صحابہؓ کو ظاہر کرتا ہے۔ اس صیغہ سے اجماع نقل کیا گیا ہے۔ یہ الفاظ اس پر دلالت کرتے ہیں کہ صحابی نے یہ فعل تمام کی طرف سے بیان کیا ہے کیونکہ صحابی نے اسے کسی معین حکم کی دلیل کے طور پر کہا ہے۔ پس لازم ہے کہ اسے اجماع پر محمول کیا جائے۔ اگر صحابی نے وہ فعل ایک یا بعض صحابہؓ کی طرف سے بیان کیا ہوتا تو وہ صحابی اسے کسی معیّن حکم کی دلیل کے طور پر نہ کہتے، کیونکہ ایک یا بعض صحابہؓ کا قول حجت نہیں ہے۔

۱۰۔ جہاں تک الفاظ: "جب ختنہ گاہ ختنہ گاہ سے تجاوز کر جائے" کا تعلق ہے تو ابتدائے اسلام میں اس پر غسل واجب نہیں تھا۔ لوگ اِکسال پر غسل نہیں کرتے تھے۔ پھر یہ حکم منسوخ ہو گیا۔ بعض کو اس کے نسخ کا علم نہ ہوا اور وہ

گزشتہ سے پیوستہ............علیہ وسلم کا یہ اقرار ان طریقوں سے پہچانا جا سکتا ہے:

۱۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے مکمل خاموشی ہو، جو اکثر حالات میں نظر آتی ہو۔

۲۔ کسی بات پر خوشی کا اظہار ہو۔

۳۔ قول کے ذریعے تائید کی ہو، مثلاً کہا ہو: اَصَبْتَ السُّنَّةَ، یعنی تم نے سنّت کے مطابق کیا ہے۔

۴۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے کسی بات پر استحسان اور رضامندی کا اظہار ہو۔

معجم اصطلاحات حدیث ص ۱۴۷

سابقہ حکم پر عمل کرتے رہے۔ کسی کام کے تسلسل میں یہ ممکن ہے کہ بعض لوگوں سے اس کا حکم مخفی رہا ہو۔ جہاں تک کسی نہی یعنی ممانعت کا تعلق ہے تو وہ اذنِ نبوی ہی سے ہو سکتا ہے۔

اس مسئلہ میں جمہور کا یہ موقف راجح معلوم ہوتا ہے کہ اگر قولِ صحابی میں کسی فعل کی اضافت عہدِ نبوی کی طرف ہو تو وہ مُسنَد اور مرفوع کے درجہ پر ہے اور شرعی دلیل ہے۔ یہ اس لیے ہے کیونکہ صحابی نے اپنے قول میں فعل کی اضافت عہدِ نبوی کی طرف اس لیے کی ہے کہ وہ اسے حجت اور دلیل کے طور پر پیش کرے، اور یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس فعل سے آگاہ تھے۔

البتہ ایسا قول اس فعل کے جواز پر دلالت کرتا ہے یا وجوب پر؟ اس کا تعین صحابی کے الفاظ اور ان کے حسبِ مفہوم ہوگا۔ یہ ضروری نہیں ہے کہ کسی فعل کی عہدِ نبوی کی طرف اضافت اس فعل کے وجوب ہی پر دلالت کرے۔ یہ بھی ضروری نہیں ہے کہ صحابہ کرامؓ عہدِ نبوی میں کوئی فعل اس لیے کرتے تھے کہ وہ ان پر واجب تھا، جیسا کہ حضرت انسؓ کا قول ہے:

كُنَّا نُصَلِّي عَلَى عَهْدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَكْعَتَيْنِ بَعْدَ غُرُوْبِ الشَّمْسِ قَبْلَ صَلٰوةِ الْمَغْرِبِ

ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں غروبِ آفتاب کے بعد نمازِ مغرب سے قبل دو رکعات ادا کرتے تھے۔

یہاں غروبِ آفتاب کے بعد نمازِ مغرب سے قبل دو رکعات ادا کرنے کی اضافت عہدِ نبوی کی طرف ہے، لیکن اس سے وجوب ثابت نہیں ہوتا کیونکہ حضرت انسؓ کے اسی قول میں آگے ہے:

كَانَ يَرَانَا نُصَلِّيْهِمَا فَلَمْ يَأْمُرْنَا وَ لَمْ يَنْهَنَا (۱)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں دو رکعات ادا کرتے دیکھا کرتے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نہ اس کا حکم کرتے اور نہ ہمیں اس سے منع فرماتے تھے۔

عہدِ نبوی کی طرف اضافت کی وجہ سے ایسا قول حجت ہے۔ یہ اس بنا پر حجت نہیں ہے کہ یہ تمام صحابہؓ کا عمل ہے اور ان کا اجماع ظاہر کرتا ہے۔ عہدِ نبوی میں انعقادِ اجماع کی ضرورت نہیں تھی۔ کسی مسئلہ کا حکمِ شرعی معلوم کرنے کے لیے وحیِ الٰہی اور ذاتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم دونوں ذرائع موجود تھے۔ اجماع تو حیاتِ نبوی کے بعد ہوا کرتا ہے (۲)۔

۱۔ صحيح مسلم، كتاب صلٰوة المسافرين وقصرها، باب إستحباب ركعتين قبل صلٰوة المغرب

۲۔ ميزان الأصول ص ۷۱۷

اگر الفاظ یہ بتائیں کہ کسی فعل کی اضافت عہدِ نبوی کی طرف ہے لیکن بعد میں صحابہؓ نے اسے ترک کر دیا تھا تو ایسا فعل شرعی دلیل اور حجت نہیں ہے۔ مثلاً حضرت جابر بن عبداللہؓ کا قول ہے:

بِعْنَا اُمَّهَاتُ الْاَوْلَادِ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ اَبِى بَكْرٍ، فَلَمَّا كَانَ عُمَرُ نَهَانَا فَانْتَهَيْنَا (۱)

ہم لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیقؓ دونوں کے زمانوں میں امہات الأولاد (۲) کو فروخت کیا، پھر جب حضرت عمرؓ کا زمانہ تھا تو انہوں نے ہمیں اس سے منع کیا، پس ہم رُک گئے۔

۱۔ سنن أبي داؤد، كتاب العتق، باب في عتق أمهات الأولاد

۲۔ اُمہاتُ الأولاد وہ لونڈیاں تھیں جن کے بطن سے ان کے آقا کا بچہ پیدا ہو چکا ہوتا تھا۔ حضرت عمرؓ نے اپنے عہدِ خلافت (۱۳ھ تا ۲۳ھ) میں یہ قانون دیا تھا کہ آقا کے مرتے ہی امہات الأولاد آزاد ہو جاتی تھیں، انہیں بیچنا جائز نہیں تھا اور نہ ہی انہیں بطور ہبہ کسی اور کو منتقل کیا جا سکتا تھا۔ محققین کے مطابق امہات الأولاد کی خرید و فروخت خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات اور آپ کی رحلت کے بعد حضرت ابوبکرؓ کے عہدِ خلافت (۱۱ھ تا ۱۳ھ) میں بھی جائز نہیں تھی۔ اگر تھی تو وہ شروع میں ہوگی۔ آخر عمر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی ممانعت کر دی تھی۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے امہات الأولاد کی خرید و فروخت سے منع کر دیا تھا اور فرمایا تھا: لَا يُبَعْنَ وَلَا يُوْهَبْنَ وَلَا يُوْرَثْنَ يَسْتَمْتِعُ بِهَا سَيِّدُهَا مَادَامَ حَيًّا وَ اِذَا مَاتَ فَهِيَ حُرَّةٌ [الدارقطنى، كتاب المكاتب]، امہات الأولاد کی خرید و فروخت نہیں ہوگی، انہیں ہبہ نہیں کیا جائے گا اور نہ ہی انہیں وراثت میں منتقل کیا جائے گا۔ جب تک آقا زندہ ہے اُم الولد سے فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ جب آقا مر جائے تو وہ آزاد ہے۔ تفصیل ملاحظہ ہو: اسلام میں غلامی کی حقیقت از مولانا سعید احمد اکبرآبادی، ص ۱۳۸ و مابعد

عہدِ نبوی کی طرف عدم اضافت والے الفاظ

نقل و روایت میں صحابہ کرامؓ کے بعض الفاظ ایسے ہیں جن میں فعل کی اضافت عہدِ نبوی کی طرف نہیں ہوتی۔ مثلاً حضرت ابوسعید خدریؓ کا قول ہے:

كُنَّا نُطْعِمُ الصَّدَقَةَ صَاعًا مِنْ شَعِيرٍ (۱)

ہم صدقہ میں ایک صاع (پیمانہ) جَو کھانے کے لیے دیا کرتے تھے۔

ابواُمامہ اسعد بن سہلؓ کا قول ہے:

كُنَّا نَشْهَدُ الْجَنَائِزَ فَمَا يَجْلِسُ اٰخِرُ النَّاسِ حَتّٰى يُوْذَنُوْا (۲)

ہم جنازوں میں جاتے تو آخری شخص بھی بغیر اجازت نہیں بیٹھتا تھا۔

حضرت عائشہؓ کے الفاظ ہیں:

كَانَ اَصْحَابُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَالِحُوْنَ اَرْضَهُمْ (۳)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ اپنی زمین بٹائی (۴) پر دیتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا قول ہے:

كُنَّا لَا نَرٰى بِالْخِبْرِ بَاْسًا حَتّٰى كَانَ عَامُ اَوَّلٍ فَزَعَمَ رَافِعٌ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنْهُ (۵)

ہم مخابرہ یعنی بٹائی میں کوئی برائی نہیں سمجھتے تھے، یہاں تک کہ پہلا سال ہوا تو حضرت رافعؓ نے بتایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا تھا۔

۱۔ صحيح البخاری، كتاب الزكوة، باب صدقة الفطر صاع من شعير

۲۔ الموطا، كتاب الجنائز، باب الوقوف للجنائز والجلوس على المقابر

۳۔ مسند أبي حنيفة ص ۲۶۸

۴۔ زمین کو بٹائی پر دینا: مزارع کسی کی زمین کاشت کرے اور اس سے پیدا ہونے والی فصل کا ایک مقرر حصہ اپنے عمل کے معاوضہ کے طور پر لے۔ اسے فقہی اصطلاح میں مخابرہ کہتے ہیں۔

۵۔ صحيح مسلم، كتاب البيوع، باب كرآء الأرض

جمہور محدثین کے نزدیک جس قولِ صحابی کی اضافت عہدِ نبوی کی طرف نہ ہو وہ موقوف (۱) کے قبیل سے ہے اور حجت نہیں ہے۔ یہ قول اس صورت میں حجت ہوتا ہے جب اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تقریر ثابت ہو اور ایسا صرف عہدِ نبوی ہی میں ہو سکتا ہے۔ یہ قول تمام صحابہؓ کے فعل پر بھی دلالت نہیں کرتا جب تک یہ صراحت نہ ہو کہ وہ تمام اہلِ اجماع کی طرف سے ہے۔ ایسے قول میں اجماع بیان نہیں کیا گیا (۲)۔

حاکم نیشاپوریؒ نے کہا ہے کہ اگر نبوی صحبت میں مشہور صحابی کا قول ہے تو یہ مُسْنَد ہے (۳)۔ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے ایسا قول مرفوع قرار دیا ہے (۴)۔

ابن قدامہؒ حنبلی نے لکھا ہے: بعض اصحابِ شافعی کہتے ہیں کہ یہ قول تمام کے فعل پر دلالت نہیں کرتا (۵)۔ شافعی مذہب کے سیف الدین آمدیؒ نے اسے بعض شافعیہ کے بجائے بعض اصولیین کی طرف منسوب کیا ہے (۶)۔ سیف الدین آمدیؒ کا موقف درست ہے کیونکہ وہ شافعی مذہب کو ابن قدامہؒ سے بہتر جانتے تھے (۷)۔ ابوالحسین بصریؒ اور فخر الدین رازیؒ وغیرہ نے بھی یہ قول مرفوع کے حکم میں داخل کیا ہے (۸)۔ آمدیؒ اور ابن حاجبؒ نے لکھا ہے کہ اکثر کے نزدیک ایسے قول میں مذکور فعل پوری جماعت کا عمل ہے (۹)۔ کلوذانیؒ نے بھی یہ فعل صحابہ کرامؓ کی جماعت کے فعل پر محمول کیا ہے (۱۰)۔ ظاہر میں اس فعل پر صحابہ کرامؓ کا اِجماع نقل کیا گیا ہے (۱۱)۔

جمہور اصولیین نے ایسے قولِ صحابی کی حجیت پر جو دلائل دیئے ہیں وہ تقریباً وہی ہیں جو عہدِ نبوی کی طرف اضافت والے قول کی حجیت پر ہیں۔ مثلاً یہ کہ ظاہر میں یہ قول نقل کرنے سے صحابی کا مقصد ہمیں شرعی احکام کی تعلیم دینا ہے۔ صحابی کا یہ قول اقامتِ حجت اور کسی حکم کے اثبات میں ہے اور یہ صرف اسی صورت میں ہو سکتا ہے جب

۱۔ موقوف سے مراد وہ قول، فعل یا تقریر ہے جو صحابی کی طرف منسوب ہو۔

۲۔ الكفاية ص ۴۲۴۔ علوم الحديث ص ۴۳۔ التقريب ص ۶۔ التقييد والإيضاح ص ۶۸۔ توضيح الأفكار ۱/۲۷۴۔ الباعث الحثيث ص ۵۶۔ شرح مختصر الروضة ۲/۱۹۹، ۲۰۱۔ ارشاد الفحول ص ۱۱۵۔ إتحاف ذوی البصائر ۲/۸۶۲۔ تدريب الراوی ۱/۱۸۵

۳۔ معرفة علوم الحديث ص ۲۲

۴۔ نزهة النظر ص ۵۷۔ الباعث الحثيث ص ۵۶

۵۔ إتحاف ذوی البصائر ۲/۸۶۵

۶۔ آمدی، الإحكام فی أصول الأحكام ۲/۳۲۷

۷۔ إتحاف ذوی البصائر ۲/۸۶۶

۸۔ المعتمد فی أصول الفقه ۲/۱۷۴۔ المحصول فی علم أصول الفقه ۳/۱۰۴۹

۹۔ آمدی، الإحكام فی أصول الأحكام ۲/۳۲۷۔ منتهى الوصول والأمل ص ۸۲

۱۰۔ التمهيد فی أصول الفقه ۳/۱۸۴

۱۱۔ فواتح الرحموت ۲/۱۶۲۔ تيسير التحرير ۳/۶۹

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں صحابہ کرامؓ وہ فعل کرتے رہے ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس فعل کا علم ہو اور آپ نے اس سے منع نہ فرمایا ہو۔ یہ اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ ایسا فعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تقریر پر دلالت کرتا ہے اور شرعی حجت ہے۔ ظاہر میں اس فعل پر صحابہؓ کا اجماع نقل کیا گیا ہے۔ كُنَّا نَفْعَلُ كَذَا (ہم ایسا کیا کرتے تھے) یا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ كَذَا (وہ ایسا کیا کرتے تھے) کا معنی یہ ہوا کہ سب صحابہ کرامؓ یہ فعل کیا کرتے تھے۔ راوی صحابی نے وہ فعل تمام صحابہ کرامؓ کی طرف سے بیان کیا ہے، لہٰذا ایسا قولِ صحابی حجت ہے۔

جمہور اصولیین مزید کہتے ہیں: اگر راوی صحابی نے وہ فعل کسی ایک صحابی یا ایک گروہِ صحابہؓ کا فعل بیان کیا ہوتا تو راوی اسے کسی معیّن حکم کے اثبات کے لیے بطور دلیل نہ کہتے، کیونکہ کسی ایک یا بعض کا قول حجت نہیں ہے۔ البتہ ایسے قول کو اِجماع کہنے والوں کے مطابق اس اجماع کی حیثیت ظنّی ہے، قطعی (۱) نہیں ہے (۲)۔

اس مسئلہ میں جمہور علمائے اصولِ فقہ اور ان کے علاوہ محدّثین میں سے حاکم نیشاپوریؒ اور حافظ ابن حجر عسقلانیؒ وغیرہ کا یہ موقف راجح نظر آتا ہے کہ ایسا قولِ صحابی جس میں کسی فعل کی اضافت عہدِ نبوی کی طرف نہ ہو، مرفوع کے حکم میں ہے اور حجت ہے۔ صحابی نے اپنے قول میں جمع کا صیغہ استعمال کیا ہے۔ ظاہر میں اس سے سب صحابہ کرامؓ کا فعل مراد لینا راجح ہے۔

اگر یہ فعل کسی ایک یا بعض صحابہ کا ہوتا تو صحابی کی عدالت کا تقاضا ہے کہ وہ کسی ایک یا بعض کے لیے جمع کا صیغہ استعمال نہ کرتے اور کسی ایک یا بعض کا فعل بطور دلیل پیش نہ کرتے۔ صحابی کو یہ معلوم تھا کہ وہ یہ فعل شرعی حکم کے اثبات میں بطور دلیل پیش کر رہے ہیں اور ایسا اس وقت ہی ہو سکتا ہے جب صحابہؓ عہدِ نبوی میں وہ فعل کرتے رہے ہوں۔ پھر اس فعل پر صحابہ کرامؓ کا استمرار و دوام یہ ظاہر کرتا ہے کہ انہیں اس فعل سے منع نہیں کیا گیا تھا اور یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تقریر پر دلالت کرتا ہے۔

۱۔ دلیل قطعی میں دو چیزوں کا ہونا ضروری ہے: ایک یہ کہ وہ قطعی الثبوت ہو یعنی جس کے ثابت ہونے میں کوئی شک نہ ہو۔ جو ہم تک بطریق تواتر پہنچے، جیسے قرآن مجید اور سنّتِ متواترہ۔ دوسری چیز یہ کہ وہ دلیل قطعی الدلالت ہو یعنی وہ اپنے معنی و مفہوم کے اعتبار سے بھی قطعی ہو، اس میں کسی دوسرے معنی و مفہوم کی کوئی گنجائش نہ ہو اور اس کی تاویل یا تخصیص نہ ہو سکے۔ دلیلِ قطعی علمِ یقینی کا فائدہ دیتی ہے اور کسی قسم کے احتمال کی نفی کرتی ہے۔ اس کا حکم یہ ہے کہ اس پر عمل واجب ہے۔ اس کا منکر کافر ہے، جیسے نماز اور زکوٰۃ دلیلِ قطعی سے ثابت ہیں اور ان کا منکر کافر ہے۔
دلیلِ ظنّی سے مراد وہ دلیل ہے جو قطعی الثبوت نہ ہو اور نہ ہی قطعی الدلالت ہو۔ ایسی دلیل سے یقین کا فائدہ حاصل نہیں ہوتا۔

۲۔ فواتح الرحموت ۱۶۲/۲

لفظ اَلسُّنَّۃُ کا استعمال

نقل و روایت میں قولِ صحابی کی ایک صورت یہ موجود ہے کہ صحابی نے لفظ اَلسُّنَّۃُ (سنت) یا مِنَ السُّنَّۃِ (سنت میں سے ہے) کو مطلق طور پر استعمال کیا ہے۔ مثلاً حضرت علیؓ کا قول ہے:

اِنَّ مِنَ السُّنَّۃِ اَنْ یَمْشِیَ اِلَی الْعِیْدِ (۱)

بیشک یہ سنت میں سے ہے کہ آدمی نمازِ عید کے لیے چل کر جائے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا قول ہے:

مِنَ السُّنَّۃِ اَنْ یُّخْفِی التَّشَھُّدُ (۲)

یہ سنت میں سے ہے کہ تشہد چپکے سے پڑھا جائے۔

کیا ایسے قولِ صحابی میں استعمال کیے گئے لفظ السُّنَّۃُ سے مراد سنتِ نبوی ہے؟ اس بارے میں علمائے اصولِ فقہ کے دو فکری گروہ ہیں:

پہلا گروہ

حنفی اصولیین مثلاً ابوالحسن کرخیؒ، ابوبکر جصاصؒ، ابوزید دبوسیؒ، فخر الاسلام بزدویؒ اور شمس الائمہ سرخسیؒ کے نزدیک مطلق لفظ اَلسُّنَّۃُ کو سنتِ نبوی پر محمول نہیں کیا جائے گا۔ ایسا قول مُسنَد نہیں ہے (۳)۔

شافعی اصولیین میں سے ابوبکر محمد بن عبداللہ صیرفیؒ کے نزدیک ایسے قول کی اضافت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نہیں ہے (۴)۔ ابوبکر اسماعیلیؒ بھی اس قول پر موقوف کا حکم لگاتے ہیں (۵)۔ ایک اور شافعی اصولی امام جوینیؒ کے مطابق محققین نے اقوالِ صحابہ میں پائے جانے والے لفظ اَلسُّنَّۃُ کو سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر

۱۔ سنن إبن ماجه، كتاب إقامة الصلوٰة، باب ماجاء في الخروج إلى العيد ماشياً

۲۔ سنن أبي داؤد، كتاب الصلوٰة، باب اخفاء التشهد

۳۔ تيسير التحرير ۳/۷۰۔ المحرر في أصول الفقه ۱/۸۳۔ أصول الجصاص ۲/۶۴۔ عبدالعزیز بخاری، كشف الأسرار ۲/۵۶۴، ۵۶۵

۴۔ التمهيد في أصول الفقه ۳/۱۷۷

۵۔ المجموع شرح المهذب ۱/۵۹۔ طبقات الشافعية الكبرىٰ ۲/۸۰

محمول کرنے سے انکار کیا ہے(۱)۔ امام ابن حزمؒ نے ایسے قولِ صحابی کو مُسند نہیں کہا اور اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف قطعی قرار نہیں دیا ہے(۲)۔ شمس الائمہ سرخسیؒ اور ابن فورکؒ کے مطابق امام شافعیؒ کا قولِ جدید(۳) یہ ہے کہ مطلق لفظ اَلسُّنَّةُ سے مراد سنّتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نہیں ہے اور یہ مرفوع نہیں ہے(۴)۔

اس گروہ کے اہم دلائل مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ لفظ السُّنَّةُ سے شرعاً وہ طریقہ مراد ہے جس پر رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ چلے۔ اَلسُّنَّةُ کا حکم یہ ہے کہ اس کا اِتباع کیا جائے گا۔ یہ دلیل سے ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے قول اور فعل سے دین کے جس راستے پر چلے وہ واجبِ اتباع ہے۔ اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صحابہ کرامؓ کے راستہ اور طریقہ کا بھی اِتباع کیا جائے گا۔ لیکن مطلق اَلسُّنَّةُ سے کسی اتباع کی فرضیت ثابت نہیں ہوتی۔

۲۔ مطلق لفظ اَلسُّنَّةُ صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاص نہیں ہے، بلکہ سنّتِ نبوی اور غیر نبی کی سنّت دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ اس کا ثبوت احادیثِ نبوی کے علاوہ اقوالِ صحابہؓ سے بھی ملتا ہے۔

مثلاً حضرت عرباض بن ساریہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَ سُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ الْمَهْدِيِّيْنَ (۵)

پس تم پر لازم ہے میری سنّت اور خلفائے راشدین ہدایت یافتہ کی سنّت۔

مندرجہ بالا حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اور خلفائے راشدین کے لیے سنّت کا لفظ استعمال فرمایا ہے۔

ابن ابی لیلیٰؒ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إِنَّ مُعَاذًا قَدْ سَنَّ لَكُمْ سُنَّةً كَذٰلِكَ فَافْعَلُوْا (۶)

معاذؓ نے تمہارے لیے ایک سنّت جاری کر دی ہے، لہٰذا تم بھی یوں ہی کرو۔

یہ روایت بتاتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبلؓ کے فعل کو سنّت کہا ہے۔

۱۔ البرهان في أصول الفقه ۱/ ۶۴۹

۲۔ ابن حزم، الإحكام في أصول الأحكام ۲/ ۷۲

۳۔ کئی مسائل میں امام شافعیؒ سے دو اقوال منقول ہیں: قولِ جدید اور قولِ قدیم۔ اگر کسی ایک مسئلہ پر امام شافعیؒ کے دو اقوال ہوں تو قولِ قدیم مرجوح ہے اور قولِ جدید امام شافعیؒ کا مذہب ہے۔ امام شافعیؒ نے اپنی زندگی کے آخری چار سال مصر میں بسر کیے اور وہیں وفات (۲۰۴ھ) پائی تھی۔ آپ نے اپنی تمام جدید کتب مثلاً الأم انہی آخری چار سالوں میں لکھی تھیں۔

۴۔ المحرر في أصول الفقه ۱/ ۲۸۴۔ توضيح الأفكار ۱/ ۲۶۶

۵۔ سنن أبي داؤد، كتاب السنّة، باب في لزوم السنّة

۶۔ حوالہ بالا، كتاب الصلوة، باب كيف الأذان

حضرت جریر بن عبداللہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ سَنَّ فِي الإِسْلاَمِ سُنَّةً حَسَنَةً فَعُمِلَ بِهَا بَعْدَهُ كُتِبَ لَهُ مِثْلُ أَجْرِ مَنْ عَمِلَ بِهَا وَ لاَ يُنْقَصُ مِنْ أُجُورِهِمْ شَيْءٌ وَ مَنْ سَنَّ فِي الإِسْلاَمِ سُنَّةً سَيِّئَةً فَعُمِلَ بِهَا بَعْدَهُ كُتِبَ عَلَيْهِ مِثْلُ وِزْرِ مَنْ عَمِلَ بِهَا وَ لاَ يُنْقَصُ مِنْ أَوْزَارِهِمْ شَيْءٌ (۱)

جس نے اسلام میں اچھے طریقے کی بنیاد ڈالی، پھر اس کے بعد اس پر عمل کیا گیا تو اسے اتنا ثواب ملے گا جتنا اس پر عمل کرنے والوں کو ہوگا اور عمل کرنے والوں کے اجور میں کمی نہیں ہوگی۔ جس نے اسلام میں بُرے طریقے کی بنیاد ڈالی، پھر اس کے بعد اس پر عمل کیا گیا تو اس پر عمل کرنے والوں کے گناہ کے برابر اُسے گناہ ملے گا اور عمل کرنے والوں کے گناہوں میں کمی نہیں ہوگی۔

اس حدیث میں ایک شخص کے عمل کو خواہ وہ اچھا ہے یا برا، سنّت کہا گیا ہے۔

حضرت علیؓ نے فرمایا:

جَلَدَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَرْبَعِيْنَ وَ أَبُوبَكْرٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ أَرْبَعِيْنَ وَ عُمَرُ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ ثَمَانِيْنَ وَ كُلٌّ سُنَّةٌ وَ هٰذَا أَحَبُّ إِلَيَّ (۲)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے چالیس کوڑے لگائے، حضرت ابوبکر صدیقؓ نے چالیس کوڑے لگائے اور حضرت عمرؓ نے اسّی کوڑے لگائے اور یہ سب سنّت ہیں اور یہ مجھے سب سے زیادہ پسندیدہ ہے۔

مندرجہ بالا قول میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ تینوں کے اعمال کے لیے حضرت علیؓ نے سنّت کا لفظ استعمال کیا ہے۔

۳۔ صحابہ کرامؓ کی عادات سے یہ ظاہر ہے کہ جب وہ سنّتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ارادہ کرتے تو لفظ سنّت کی اضافت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کر کے اس لفظ کو مقید کر دیتے تھے۔ مثلاً ایک موقع پر حضرت عمرؓ نے صُبَيّ بن معبدؓ سے فرمایا:

هُدِيْتَ لِسُنَّةِ نَبِيِّكَ (۳)

تمہیں تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّت بتائی گئی ہے۔

۱۔ صحيح مسلم، كتاب العلم، باب من سنّ سنّة حسنة أو سيئة

۲۔ حوالہ بالا، كتاب الحدود، باب حد الخمر

۳۔ الطبقات الكبرىٰ ۱۴۵/۶۔ سنن النسائي، كتاب مناسك الحج، باب القِران ۱۶۱/۵

۴۔ لفظ اَلسُّنَّةُ کے مطلق استعمال سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ صحابی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اشارہ کیا ہے یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلفاء کرامؓ کی جانب اس کی اضافت کی ہے۔ جب لفظ اَلسُّنَّةُ کے مراد و معنی میں تردد ہو تو اسے حجت ماننے کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی۔

۵۔ لفظ اَلسُّنَّةُ سے سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم مراد اُس وقت لی جاتی ہے جب کوئی دلیل یہ بتلائے کہ یہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت مراد ہے، کسی غیر نبی کی سنت مراد نہیں ہے۔ مطلق لفظ اَلسُّنَّةُ کو بلا دلیل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مقید کرنا درست نہیں ہے۔

۶۔ جب صحابی اپنے اجتہاد سے کسی معاملہ میں کوئی حکم اختیار کرتا ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنے ہوئے قول پر قیاس کر کے یا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اخذ کیا ہوتا ہے اس سے استنباط کر کے اس حکم کی اضافت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کر دیتا ہے۔ جب اس بات کا احتمال ہو تو پھر لفظ اَلسُّنَّةُ کو مُسْنَد قرار دینا جائز نہیں ہے۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے کوئی شخص کہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے تو اسے قرآن مجید کی کسی آیت کی طرف مضاف نہیں کیا جا سکتا۔

۷۔ علمائے سلف لفظ اَلسُّنَّةُ کا اطلاق حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمرؓ کے طریقوں پر کیا کرتے تھے۔

۸۔ اگر مطلق لفظ اَلسُّنَّةُ سے صحابی کی مراد سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے اور یہ مرفوع ہے تو پھر صحابی کا قول یوں ہوتا: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

دوسرا گروہ

جمہور علمائے اصولِ فقہ مطلق لفظ اَلسُّنَّةُ کو مُسْنَد مرفوع قرار دیتے اور اس سے سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم مراد لیتے ہیں۔ حنفی عالم اصولِ فقہ عبدالعزیز بخاریؒ نے کہا ہے کہ ہمارے عام متقدمین اصحاب، اصحابِ شافعی اور جمہور اصحابِ حدیث لفظ اَلسُّنَّةُ کو سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر محمول کرتے ہیں (۱)۔ مالکی اصولیین (۲)، شافعی اصولیین (۳)، حنبلی اصولیین (۴)، ان کے علاوہ علمائے حدیث (۵) اور معتزلی مذہب سے تعلق رکھنے والے ایک

۱۔ عبدالعزیز بخاری، كشف الأسرار ۲/۵۶۵

۲۔ منتهى الوصول والأمل ص ۸۲۔ إحكام الفصول في أحكام الأصول ص ۳۱۷

۳۔ آمدی، الإحكام في أصول الأحكام ۲/۳۳۶۔ المستصفى ص ۱۰۵۔ المحصول في علم أصول الفقه ۳/۱۰۴۸۔ منهاج الأصول مع شرحه نهاية السول ۳/۱۸۷۔ التبصرة في أصول الفقه ص ۲۳۱

۴۔ التمهيد في أصول الفقه ۳/۱۷۷۔ الواضح في أصول الفقه ۳/۲۲۲۔ شرح مختصر الروضة ۲/۱۹۵۔ إتحاف ذوي البصائر ۲/۸۵۷

۵۔ جامع الأصول ۱/۵۰۔ علوم الحديث ص ۴۵۔ الكفاية ص ۴۲۱۔ التقريب ص ۶۔ نزهة النظر ص ۵۶۔ تدريب الراوي ۱/۱۸۸

اصولی ابوالحسینؒ بصری (۱) بھی یہی رائے رکھتے ہیں۔ ابن حاجبؒ، آمدیؒ، ارمویؒ، نوویؒ اور شوکانیؒ نے اسے جمہور کا مذہب قرار دیا ہے (۲)۔

جمہور علماء کے اہم دلائل مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ لفظ کو اس کے ظاہر پر محمول کیا جاتا ہے۔ سنت کا لفظ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف راجع ہے۔ لہٰذا السُّنَّةُ سے صحابی کی مراد سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ اس قول سے غیر نبی کو مراد لینے کا احتمال بعید ہے۔ لفظ کو ظاہر پر محمول کیا جاتا ہے، احتمال پر نہیں۔

۲۔ جب السُّنَّةُ مطلق کہا جاتا ہے تو اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہی مراد لی جاتی ہے۔ جیسے اگر کوئی شخص یہ کہے: هٰذَا الْفِعْلُ طَاعَةٌ یہ فعل اطاعت ہے، تو اس سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت ہی سمجھی جائے گی، اگرچہ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ دوسروں مثلاً خلفائے راشدین اور حکمرانوں کی اطاعت جائز ہے۔

۳۔ سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اصل ہے اور سنتِ خلفائے راشدین اس کے تابع ہے۔ صحابی کا مقصد شریعت کو بیان اور نقل کرنا ہے۔ صحابی نے جس چیز کا ارادہ کیا ہے اسے اصل کی طرف راجع کرنا بہتر ہے، بہ نسبت اس کے کہ اسے فرع کی طرف لوٹایا جائے۔

۴۔ سنت کا لفظ دلیل قائم کرنے کے لیے استعمال کیا گیا ہے اور دلیل سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہے۔ سنتِ خلفائے راشدین اگرچہ حجت ہے اور لفظ اَلسُّنَّةُ اسے شامل کرتا ہے لیکن سنتِ خلفائے راشدین کے حجت ہونے میں اختلاف اور سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی حجیت پر اتفاق ہے۔ لہٰذا قولِ صحابی اَلسُّنَّةُ کو اس چیز پر محمول کرنا جس میں کوئی اختلاف نہیں، زیادہ بہتر اور اولیٰ ہے۔

۵۔ حدیث: فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَ سُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ الْمَهْدِيِّيْنَ (پس تم پر لازم ہے میری سنت اور خلفائے راشدین ہدایت یافتہ کی سنت)، اس دلیل کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث میں لفظ سُنَّةٌ مقید استعمال ہوا ہے اور خلفائے راشدین کی طرف اس کی اضافت کی گئی ہے۔ جبکہ یہاں سوال مطلق لفظ اَلسُّنَّةُ کا ہے۔ مطلق کا حکم مقید کے مطابق نہیں ہوا کرتا۔ مقید لفظ اَلسُّنَّةُ کا غیر نبی پر اطلاق کرنے میں کوئی اعتراض نہیں ہے۔ اعتراض یہ ہے کہ مطلق اَلسُّنَّةُ سے غیر نبی کی سنت مراد نہیں لی جائے گی۔

حدیث: إِنَّ مُعَاذًا قَدْ سَنَّ لَكُمْ سُنَّةً كَذٰلِكَ فَافْعَلُوْا (معاذؓ نے تمہارے لیے ایک سنت جاری

۱۔ المعتمد فی أصول الفقه ۲/۱۷۴

۲۔ منتهى الوصول ص ۸۲۔ آمدی، الإحكام فی أصول الأحكام ۲/۳۳۶۔ نهاية الوصول ۷/۳۰۰۴۔ تدريب الراوی ۱/۱۸۸۔ ارشاد الفحول ص ۹۳

کردی ہے، لہٰذا تم بھی اسی طرح کرو) میں بھی سُنَّۃٌ مقید ہے۔ جن روایات میں اسے غیر نبی سے مقید کیا گیا ہے وہاں یہ تعیّن ہو گیا ہے کہ سنّت کی اضافت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نہیں ہے۔

۶۔ شراب نوشی پر کوڑوں کی تعداد سے متعلق حضرت علیؓ کا قول: وَكُلٌّ سُنَّةٌ (اور یہ سب سنّت ہیں) میں سنّت سے حضرت علیؓ کی مراد سنّتِ نبوی ہے۔ چالیس کوڑے سنّتِ نبوی ہے۔ چالیس سے زیادہ کوڑے تعزیر ہے جسے حضرت عمرؓ نے واجب کیا کیونکہ شراب نوشی تہمت کا باعث ہوتی ہے۔ اسی لیے حضرت علیؓ نے فرمایا تھا:

فَإِنَّهُ إِذَا شَرِبَ سَكِرَ وَإِذَا سَكِرَ هَذَى وَإِذَا هَذَى افْتَرَى (۱)

جب آدمی شراب پیئے گا تو مست ہو جائے گا اور جب مست ہو گا تو واہیات بکے گا اور جب واہیات بکے گا تو تہمت بھی لگائے گا۔

مزید یہ کہ یہ ثابت نہیں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حدِ زنا اور حدِ قذف کی طرح شربِ خمر پر کوڑوں کی تعداد مقرر فرمائی ہو۔ اسی لیے حضرت علیؓ نے حضرت عمرؓ کے زمانہ میں شراب نوشی پر اسی کوڑوں کا فتویٰ دیا۔ لہٰذا حضرت علیؓ کے قول: وَكُلٌّ سُنَّةٌ کا معنی یہ ہے کہ ان میں سے ہر کوئی اس کی مقدار کے تعیّن میں کوڑے مارنے کی ان اقسام کی طرف گیا ہے، اور دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ مقیّد ہے (۲)۔

۷۔ صحابہ کرامؓ اَلسُّنَّةُ یا مِنَ السُّنَّةِ وغیرہ کے الفاظ استعمال کرتے تھے۔ وہ احتیاط کے طور پر اور کسی غلطی سے بچنے کے لیے قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا) کے قطعی الفاظ ترک کر دیتے تھے۔

مندرجہ بالا دونوں گروہوں کے دلائل کو مدِ نظر رکھتے ہوئے یہ کہا جا سکتا ہے کہ اگر صحابی کے قول میں لفظ اَلسُّنَّةُ مطلق استعمال ہو تو اس سے سنّتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مراد لینے اور اسے مُسنَد اور مرفوع قرار دینے میں جمہور علماء کا موقف راجح نظر آتا ہے۔ مطلق لفظ اَلسُّنَّةُ کو بلا دلیل اور محض احتمال پر غیر نبی کی طرف اضافت کرنا درست نہیں ہے۔ اس کی غیر نبی کی طرف اضافت کے لیے کوئی دلیل یا قرینہ چاہیے۔ مخالفین نے اپنی تائید میں جو مثالیں پیش کی ہیں ان میں لفظ اَلسُّنَّةُ کی اضافت غیر نبی کی طرف پائی جاتی ہے کیونکہ وہاں اس کی دلیل موجود ہے۔ اس اضافت کی وجہ سے وہ لفظ مطلق نہ رہا بلکہ مقیّد ہو گیا۔ لیکن مطلق لفظ اَلسُّنَّةُ کو اس کے ظاہر پر محمول کرتے ہوئے اس سے سنّتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم مراد لینا راجح معلوم ہوتا ہے۔

۱۔ الموطا، كتاب الأشربة، باب ما جاء في حد الخمر

۲۔ إحكام الفصول في أحكام الأصول ص ۳۱۹

مجہول صیغۂ امر و نہی

صحابہ کرامؓ نے اپنے اقوال میں ایسے الفاظ بھی استعمال کیے ہیں جن سے کسی فعل کا حکم تو ثابت ہوتا ہے مگر اس فعل کے کرنے کا حکم دینے والا یعنی آمر، یا اسے نہ کرنے کا حکم دینے والا یعنی ناہی مجہول ہے۔ ان اقوال میں آمر یا ناہی معلوم نہیں ہوتے کہ وہ کون ہیں۔

مثلاً حضرت اُبی بن کعبؓ کے الفاظ ہیں:

إِنَّمَا كَانَتْ رُخْصَةً فِي أَوَّلِ الْإِسْلَامِ ثُمَّ أُمِرْنَا بِالْغُسْلِ بَعْدُ (۱)

شروع اسلام میں رخصت تھی (کہ اکسال کی صورت میں غسل واجب نہیں تھا)، پھر ہمیں غسل کا حکم دیا گیا۔

حضرت اُمِ عطیہؓ نے روایت کیا ہے:

كُنَّا نُؤْمَرُ أَنْ نَخْرُجَ يَوْمَ الْعِيدِ (۲)

ہمیں حکم دیا جاتا تھا کہ روزِ عید (نمازِ عید ادا کرنے کے لیے) گھر سے نکلیں۔

حضرت انسؓ کی روایت ہے:

أُمِرَ بِلَالٌ أَنْ يَشْفَعَ الْأَذَنَ وَ أَنْ يُوتِرَ الْإِقَامَةَ إِلَّا الْإِقَامَةَ (۳)

حضرت بلالؓ کو یہ حکم دیا گیا کہ وہ اذان میں جُفت کلمات کہیں اور اقامت میں، سوائے قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوۃُ کے، طاق کہیں۔

حضرت سہل بن سعدؓ روایت کرتے ہیں:

كَانَ النَّاسُ يُؤْمَرُوْنَ أَنْ يَضَعَ الرَّجُلُ الْيَدَ الْيُمْنٰى عَلٰى ذِرَاعِهِ الْيُسْرٰى فِي الصَّلٰوةِ (۴)

۱۔ سنن إبن ماجه، كتاب الطهارة وسننها، باب ماجاء في وجوب الغسل إذا التقى الختانان

۲۔ صحيح البخارى، كتاب العيدين، باب التكبير أيام منى

۳۔ حوالہ بالا، كتاب الأذان، باب الأذان مَثنى و مَثنى

۴۔ حوالہ بالا، باب وضع اليمين على اليسرى في الصلوة

لوگوں کو یہ حکم دیا جاتا تھا کہ دورانِ نماز آدمی دایاں ہاتھ اپنے بائیں ہاتھ کی کلائی پر رکھے۔

حضرت ابو ہریرۃؓ کے الفاظ ہیں:

نُهِيَ اَنْ يُّصَلِّيَ الرَّجُلُ مُخْتَصِرًا (۱)

آدمی کو کمر پر ہاتھ رکھ کر نماز ادا کرنے سے منع کیا گیا تھا۔

حضرت اُمِ عطیہؓ کا قول ہے:

كُنَّا نُنْهٰى اَنْ نُحِدَّ عَلٰى مَيِّتٍ فَوْقَ ثَلَاثٍ اِلَّا عَلٰى زَوْجٍ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّ عَشْرًا (۲)

ہمیں کسی میّت پر تین دن سے زیادہ سوگ کی ممانعت کی جاتی تھی مگر شوہر کی وفات پر چار ماہ دس دن سوگ کا حکم تھا۔

حضرت اُمِ عطیہؓ کی ایک اور روایت میں ہے:

نُهِيْنَا عَنْ اِتِّبَاعِ الْجَنَائِزِ وَ لَمْ يُعْزَمْ عَلَيْنَا (۳)

ہمیں جنازوں کے پیچھے جانے سے منع کر دیا گیا تھا اور ایسا کرنا ہمارے لیے ضروری نہیں قرار دیا گیا تھا۔

بطور مثال اوپر بیان کردہ صحابہ کرامؓ کی روایات میں اَمر و نہی کے مجہول صیغے استعمال کیے گئے ہیں جیسے: اُمِرْنَا: ہمیں حکم دیا گیا، كُنَّا نُؤْمَرُ: ہمیں حکم دیا جاتا تھا، اُمِرَ بِلَالٌ: حضرت بلال کو یہ حکم دیا گیا، كَانَ النَّاسُ يُؤْمَرُوْنَ: لوگوں کو یہ حکم دیا جاتا تھا، نُهِيَ: منع کیا گیا، كُنَّا نُنْهٰى: ہمیں منع کیا جاتا تھا اور نُهِيْنَا: ہمیں منع کیا گیا۔ ان مجہول صیغوں میں حکم تو موجود ہے لیکن آمر مجہول ہے۔ ان میں اس بات کی صراحت موجود نہیں ہے کہ حکم دینے والا کون ہے۔

حضرات صحابہ کرامؓ کی طرف سے نقل و روایت میں استعمال کیے گئے ایسے الفاظ کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ کیا یہ کسی شرعی حکم کو ثابت کرنے میں حجت ہیں یا اس حوالے سے ان الفاظ کی کوئی حیثیت نہیں ہے؟ اس بارے میں علمائے اصولِ فقہ کے دو مکاتبِ فکر ہیں:

مخالفین

علمائے اصولِ فقہ کا ایک گروہ قولِ صحابی کی اس قسم کو مرفوع تسلیم نہ کرتے ہوئے اسے حجت نہیں مانتا۔ اس گروہ میں حنفی اصولیین میں سے ابوالحسن کرخیؒ، ابوبکر جصاصؒ، ابوزید بزدویؒ، شمس الائمہ سرخسیؒ، مالکی علماء میں سے

۱۔ صحیح البخاری، کتاب الصلوٰۃ، أبواب العمل فی الصلوٰۃ، باب الخصر فی الصلوٰۃ

۲۔ حوالہ بالا، کتاب الحیض، باب الطیب للمرأۃ عند غسلها من الحیض

۳۔ حوالہ بالا، کتاب الجنائز، باب إتباع النساء الجنازۃ

قاضی ابوبکر باقلانیؒ، شافعی علماء میں سے ابوبکر صیرفیؒ، ابوبکر اسماعیلیؒ، جوینیؒ اور ظاہری مذہب میں سے ابن حزمؒ وغیرہ شامل ہیں(۱)۔

ان علماء کے اہم دلائل مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ اصل یہ ہے کہ انسان ذمہ داری سے بری ہے۔ اسے کسی ایسے لفظ سے ذمہ دار نہیں بنایا جاسکتا جو وجوب اور غیر وجوب کے درمیان متردّد ہے۔

۲۔ اس بات کا احتمال ہے کہ أُمِرْنَا (ہمیں حکم دیا گیا) سے مراد اِنَّ اللّٰهَ اَمَرَنَا (بے شک اللہ تعالیٰ نے ہمیں حکم دیا) ہو اور یہ بھی احتمال ہے کہ اس سے مراد امام یعنی حکمران اور اُمت ہو۔

۳۔ جب صحابی اپنے قول میں أُمِرْنَا استعمال کرے تو اس سے اللہ تعالیٰ کا وہ حکم مراد نہیں لیا جائے گا جس کا اس نے قرآن مجید میں ذکر کیا ہے۔ اسی طرح مطلق لفظ اُمِرْنَا سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم بھی قطعی طور پر مراد نہیں لیا جاسکتا، کیونکہ یہ احتمال ہے کہ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کوئی اور آمر ہو جس کی پیروی صحابی پر لازم ہے جیسے کہ کوئی خلیفہ راشد۔ مثلاً قرآن مجید میں ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ(۲)

اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمانبرداری کرو اور جو تم میں سے صاحب حکم ہیں اُن کی بھی۔

مندرجہ بالا آیت تین آمروں کی اطاعت لازم قرار دے رہی ہے: اللہ تعالیٰ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ولی الأمر۔ پس اَمر صرف اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ اس میں ولی الأمر بھی شامل ہے۔ اسی طرح مطلق نہی یعنی ممانعت کا معاملہ ہے۔ یہ تمام احتمالات ایسے قولِ صحابی کے مرفوع ہونے میں رکاوٹ ہیں۔

۴۔ یہ بھی احتمال ہے کہ صحابی نے لفظ کے اَمر یا نہی ہونے کا گمان کیا حالانکہ وہ اَمر یا نہی نہ ہو۔

۱۔ أصول الجصاص ۲/۶۴۔ عبدالعزیز بخاری، کشف الأسرار ۲/۵۶۵۔ البرهان فی أصول الفقه ۱/۴۱۷۔ ابن حزم، الإحکام فی أصول الأحکام ۲/۷۲۔ فواتح الرحموت ۲/۱۶۱۔ المحرر فی أصول الفقه ۱/۲۸۴۔ میزان الأصول ص ۴۴۶۔ التمهید فی أصول الفقه ۳/۱۷۸۔ آمدی، الإحکام فی أصول الأحکام ۲/۳۲۵۔ الکاشف عن المحصول ۲/۱۰۲۔ المستصفی ص ۱۰۵۔ التبصرة فی أصول الفقه ص ۳۳۱۔ الواضح فی أصول الفقه ۳/۲۲۲۔ شرح الکوکب المنیر ۲/۴۸۵۔ قواطع الأدلة ۱/۳۸۷۔ توضیح الأفکار ۱/۲۶۹۔ ارشاد الفحول ص ۹۳۔ المعتمد فی أصول الفقه ۲/۱۷۳۔ المجموع شرح المهذب ۱/۱۴۵۹

۲۔ النسآء ۴:۵۹

۵۔ صحابہ کرامؓ عادتاً جب کوئی حکمِ نبوی بیان کرتے تو اس کی اضافت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کرتے اور یہ صراحت کر دیتے تھے کہ یہ اَمر یا نہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ہے۔ مثلاً حضرت براء بن عازبؓ فرماتے ہیں:

اَمَرَنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ سَلَّمَ بِإِبْرَارِ الْمُقْسِمِ (۱)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حکم دیا قسم دینے والے کو سچا کرنے کا یعنی اس کی بات تسلیم کر لینے کا۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا قول ہے:

كُنَّا نَشْتَرِی الطَّعَامَ مِنَ الرُّكْبَانِ جِزَافًا فَنَهَانَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ سَلَّمَ اَنْ نَبِیْعَهُ حَتّٰی نَنْقُلَهُ مِنْ مَكَانِهِ (۲)

ہم سواروں سے اناج خریدتے تھے ڈھیر کے ڈھیر یعنی بغیر ماپے اور بغیر تولے، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اسے بیچنے سے منع کیا جب تک ہم اسے اس کی جگہ سے کہیں اور منتقل نہ کر لیں۔

۶۔ حنظلہ سدوسیؒ نے بیان کیا کہ انہوں نے حضرت انس بن مالکؓ سے یہ سنا:

كَانَ يُؤْمَرُ بِالسَّوْطِ فَتُقْطَعُ ثَمَرَتُهُ، ثُمَّ يُدَقُّ بَيْنَ حَجَرَيْنِ ثُمَّ يُضْرَبُ بِهِ

کوڑا لانے کا حکم دیا جاتا تو (شاخ) کے پھلوں کو توڑا جاتا پھر اسے دو پتھروں کے درمیان کوٹا جاتا پھر اس سے (مجرم کو) مارا جاتا۔

اس پر حنظلہؒ نے حضرت انس بن مالکؓ سے پوچھا: یہ کس کے زمانہ میں ہوتا تھا؟ حضرت انسؓ نے فرمایا: حضرت عمرؓ کے زمانہ میں (۳)۔

اس سے واضح ہوا کہ صحابہؓ جب اَمر یا نہی کا صیغہ مطلق بیان کرتے تو اس سے ان کی مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم نہیں ہوتا تھا۔ وہ مطلق لفظ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اضافت مراد نہیں لیتے تھے۔ جب یہ احتمال ہو تو پھر مطلق اَمر یا نہی کا تعین بغیر دلیل کے نہیں ہوگا۔ ایسا اَمر یا نہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے قطعی نہیں ہے۔ اسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بجائے صحابی کی طرف مضاف کیا جائے گا۔ ایسا قول محض قولِ صحابی ہے، لہٰذا حجت نہیں ہے۔

۱۔ سنن ابن ماجه، كتاب الكفارات، باب إبرار المقسم

۲۔ حوالہ بالا، كتاب التجارات، باب النهي عن بيع الطعام قبل ما لم يقبض

۳۔ ابن ابی شیبہ، المصنّف، كتاب الحدود، في السوط من يامر به أن يدق

ابوالسعادات ابن اثیرؒ نے بیان کیا ہے کہ ایسا مطلق قول اس صورت میں حجت نہیں ہے جب وہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے علاوہ کسی اور صحابی کا قول ہو۔ اگر اس کے راوی حضرت ابوبکر صدیقؓ ہیں تو وہ قطعی طور پر مرفوع ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کوئی اور شخص حضرت ابوبکر صدیقؓ کو حکم نہیں دے سکتا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خود حضرت ابوبکر صدیقؓ صاحبِ امر ونہی بنے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اُمِرْنَا (ہمیں حکم دیا گیا) کے الفاظ اسی وقت کہے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو کسی کام کا حکم دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی اور کے اَمر کے حضرت ابوبکر صدیقؓ پابند نہیں تھے۔ حیاتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں اور اس کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ کے علاوہ دوسرے لوگ بھی امیر مقرر کیے گئے تھے، لہٰذا اُن کی طرف اَمر کی اضافت کرنا بھی جائز ہے(۱)۔

قائلین

جمہور جن میں علمائے اصولِ فقہ اور علمائے حدیث شامل ہیں، ان کے نزدیک صحابی کا ایسا قول حجت ہے۔ اس کی اضافت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہوگی اور اسے مُسْنَد اور مرفوع تسلیم کیا جائے گا۔ اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی آمر اور ناہی مراد ہوں گے، خواہ صحابی نے یہ قول حیاتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں کہا ہو یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے بعد کہا ہو۔

جمہور علماء کے اہم دلائل مندرجہ ذیل ہیں (۲):

۱۔ تمام صحابہؓ عادل ہیں۔ وہ اہلِ زبان تھے۔ بظاہر وہ اَمر ونہی کے صیغے اس وقت تک نہیں کہتے تھے جب تک وہ تحقیق اور یقین نہیں کر لیتے تھے اور اُن پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد واضح نہیں ہو جاتی تھی۔ یہ احتمال ضعیف

۱۔ جامع الأصول من أحاديث الرسول صلى الله عليه وسلم ۴۹/۱

۲۔ منتهى الوصول والأمل ص ۸۲۔ آمدی، الإحكام في أصول الأحكام ۳۲۵/۲۔ ارشاد الفحول ص ۹۳۔ نهاية الوصول ۳۰۰۲/۷۔ شرح مختصر الروضة ۱۹۲/۲۔ حاشية البناني ۱۷۳/۲۔ المعتمد في أصول الفقه ۱۷۳/۲۔ احكام الفصول ص ۳۱۸۔ نفائس الأصول ۳۰۰۶/۷۔ الواضح في أصول الفقه ۲۲۲/۳۔ التبصرة في أصول الفقه ص ۳۳۱۔ التمهيد في أصول الفقه ۱۷۸/۳۔ شرح الكوكب المنير ۴۸۳/۲۔ قواطع الأدلة ۳۱۴/۱۔ نهاية السول في شرح منهاج الأصول ۱۸۷/۳۔ اتحاف ذوي البصائر ۸۵۵/۲۔ الإبهاج في شرح المنهاج ۳۲۸/۲۔ توضيح الأفكار ۲۶۹/۱۔ المستصفى ص ۱۰۵۔ التحصيل من المحصول ۱۴۴/۲۔ ميزان الأصول ص ۴۴۷۔ المختصر في أصول الفقه على مذهب الإمام احمد بن حنبل ص ۸۹۔ الكاشف عن المحصول ۱۰۲/۶۔ الآيات البينات على شرح جمع الجوامع ۳۸۱/۳۔ جامع الأصول من أحاديث الرسول صلى الله عليه وسلم ۴۹/۱۔ نزهة النظر ص ۵۷۔ الكفاية ص ۴۲۱۔ فتح الباري ۱۸۲/۲۔ الباعث الحثيث ص ۵۹۔ التقريب ص ۶۔ المجموع شرح المهذب ۵۹/۱، ۲۵۷/۶۔ علوم الحديث ص ۴۵۔ تدريب الراوي ۱۸۸/۱

ہے کہ صحابی نے جسے اَمر یا نہی گمان کیا، وہ اَمر یا نہی نہ ہو۔

۲۔ صحابہ کرامؓ نے حیاتِ نبوی کا عہد پایا تھا اور اس عہد سے قرب کی بنا پر وہ یہ الفاظ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اَوامر ونواہی کے لیے استعمال کرتے تھے، لہٰذا اِن الفاظ کو استعمال کے عرف پر محمول کیا جائے گا۔ جیسے حضرت انسؓ کا قول ہے: اُمِرَ بِلَالٌ اَنْ يَّشْفَعَ الْاَذَنَ وَاَنْ يُّوْتِرَ الْاِقَامَةَ اِلاَّ الْاِقَامَةَ (۱) حضرت بلالؓ کو حکم دیا گیا کہ اذان میں جفت کلمات کہیں اور اقامت میں سوائے قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوۃ کے، طاق کہیں۔ کسی نے حضرت انسؓ سے یہ نہیں پوچھا کہ حکم دینے والا کون ہے۔ صحابہؓ جانتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی ہی آمر ہے۔

۳۔ جب تک کوئی قرینہ اور دلیل اس کے برعکس دلالت نہ کرے، اُمِرْنَا (ہمیں حکم دیا گیا) اور نُهِيْنَا (ہمیں منع کیا گیا) کے مطلق صیغے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف راجع ہوں گے کیونکہ اصل یہ ہے کہ شرعی امور میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی ہی آمر اور ناہی ہے۔

۴۔ اُمِرْنَا اور نُهِيْنَا جیسے صیغوں کی اضافت صرف اس ذات کی طرف ہوسکتی ہے جو اَوامر اور نواہی میں انسانی مصالح اور فوائد کا علم رکھتی ہے۔ یہ علم اللہ تعالیٰ کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کسی اور کے پاس نہیں ہے۔

۵۔ اَمر اور نہی صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی سے صادر ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ جو شخص اَمر یا نہی دیتا ہے وہ مبلّغ اور مخبر ہے، آمر یا ناہی نہیں ہے۔

۶۔ صحابی کا ایسے قول سے مقصد شرعی امور میں سے کسی کے اثبات یا عدمِ اثبات پر حجت و دلیل قائم کرنا ہوتا ہے، محض خبر دینا نہیں ہے۔ لہٰذا ایسے قول کی اضافت کسی ایسی ذات کی طرف کرنا ہوگی جس کے قول سے دلیل لی جاتی ہو، جو احکامِ شریعت صادر کرتی ہو اور جو واجب اتباع ہو۔ یہ حجت انسانوں میں سے صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اَمر اور نہی ہی سے ہوسکتی ہے۔ ایسا قول اس ذات کی طرف منسوب نہیں کیا جاسکتا جس کا قول حجت نہ ہو۔

۷۔ جو شخص کسی حکمران کا اطاعت گزار اور اس کی طرف سے اَوامر ونواہی کا اعلان کرنے والا ہو، وہ اگر یہ کہے: اُمِرْنَا بِكَذَا (ہمیں اس چیز کا حکم دیا گیا) اور نُهِيْنَا عَنْ كَذَا (ہمیں اس چیز سے منع کیا گیا) تو اس سے حکمران کا اَمر و نہی سمجھا جاتا ہے۔ صحابہ کرامؓ نے اطاعتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے اوپر لازم کرلیا تھا۔ ان کے اقوال: اُمِرْنَا بِكَذَا اور نُهِيْنَا عَنْ كَذَا وغیرہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اَمر اور نہی سمجھا جائے گا۔

۸۔ ایسے قول سے اللہ تعالیٰ کا اَمر اور نہی مراد نہیں لیا جاسکتا کیونکہ اللہ تعالیٰ کے اَوامر ونواہی کسی ایک صحابی کے ساتھ خاص نہیں بلکہ وہ سب صحابہؓ میں معروف تھے۔ البتہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اَوامر ونواہی کے بارے میں ایسا نہیں ہے۔ بعض صحابہؓ نے انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا تھا اور بعض اِن اَوامر ونواہی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں سن سکے تھے۔

۱۔ صحیح البخاری، کتاب الأذان، باب الأذان مثنی مثنی

۹۔ اس قول کی اضافت کسی خلیفہ راشد، کسی والی یا کسی امیر کی طرف بھی نہیں ہوسکتی کیونکہ وہ سب حکمران صاحبِ شریعت نہیں تھے۔ ایسے قول میں ان کا آمر اور ناہی ہونے کا احتمال بعید ہے۔ اَمر و نہی کے مطلق صیغہ کو اس ذات کی طرف منسوب کیا جاتا ہے جسے اَمر و نہی کا اختیار حاصل ہو اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

۱۰۔ ایسے قول میں آمر اور ناہی کی اضافت اُمت کی طرف بھی نہیں ہوسکتی کیونکہ صحابہ کرامؓ بھی اُمت میں شامل ہیں۔ اُمِرْنَا بِكَذَا اور نُهِينَا عَنْ كَذَا میں تمام صحابہؓ کی طرف اشارہ ہے۔ وہ خود کو حکم نہیں دے سکتے۔ مزید یہ کہ ایک صحابی کا قول دوسرے صحابی پر حجت نہیں ہے۔

۱۱۔ اس قول میں کسی احتمال سے انکار نہیں، لیکن ظاہر میں یہی ہے کہ اگر غیر نبی کی طرف اضافت کا قرینہ نہ ہو یا اس کی وضاحت و بیان نہ ہو تو پھر ایسا قول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف راجع ہوگا۔ لیکن جب صحابی نے ایسا قول دلیل اور حجت کے طور پر پیش کیا ہو تو ظاہر متعین ہو جاتا ہے اور احتمال ختم ہو جاتا ہے۔

۱۲۔ یہ بات کہ اگر ایسا قول مرفوع ہے تو صحابی نے یوں کیوں نہ کہا: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا)، اَمَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا) یا نَهَى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا) وغیرہ وغیرہ۔ اس کا جواب یہ ہے کہ صحابہ کرامؓ احتیاط کے طور پر اس طرح کے قطعی الفاظ استعمال نہیں کیا کرتے تھے۔

اس مسئلہ میں جمہور علماء کا موقف ان کے قوی تر دلائل کی بنا پر لائق ترجیح ہے۔ تمام صحابہ کرامؓ عدول تھے۔ ان کی عدالت کا تقاضا ہے کہ انہوں نے جو بیان کیا، برحق بیان کیا۔ وہ اہل زبان تھے۔ انہوں نے اوامر کو اوامر اور نواہی کو نواہی ہی بیان کیا۔ وہ اس بات سے بخوبی آگاہ تھے کہ اَمر یا نہی کا صیغہ استعمال کر کے وہ احکامِ شریعت کی تبلیغ کر رہے ہیں۔ ان کا مقصد کسی فعل کے شرعی طور پر کرنے یا اس سے باز رہنے پر دلیل و حجت قائم کرنا تھا۔ امر اور نہی کی اضافت ایسے آمر اور ناہی کی طرف کی جاتی ہے جس کا اَمر و نہی شریعت میں حجت ہو، اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ ایسے قولِ صحابی کو مرفوع مانتے ہوئے حجت تسلیم کیا جائے گا۔ جو چیز صحابہ کرامؓ پر واجب تھی وہ ہم پر بھی واجب ہے اور جو چیز ان پر حرام تھی وہ ہمارے لیے بھی حرام ہے۔ لہٰذا جب صحابہؓ نے کسی چیز کے بارے میں بیان کیا کہ وہ ان کے لیے مامور بہ (جسے کرنے کا کہا جائے) یا منہی عنہ (جس سے منع کیا جائے) تھی تو وہ چیز ہمارے لیے بھی مامور بہ یا منہی عنہ ہے۔ ہم نے شریعت کے اَوامر و نواہی صحابہؓ سے لیے ہیں جنہوں نے یہ سب صاحب شریعت صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل کیا تھا۔

صحابہؓ نے روایات میں کچھ اور مجہول صیغے بھی استعمال کیے ہیں مثلاً: اُوْجِبَ عَلَيْنَا (ہم پر واجب کیا گیا)، حُرِّمَ عَلَيْنَا (ہم پر حرام کیا گیا)، اُبِيْحَ لَنَا (ہمارے لیے مباح کر دیا گیا)، حُظِرَ لَنَا (ہمارے لیے ممنوع قرار دیا گیا) اور رُخِّصَ لَنَا (ہمیں رخصت و اجازت دی گئی)۔

مثلاً حضرت اُم عطیہؓ کا قول ہے:

وَ قَدْ رُخِّصَ لَنَا عِنْدَ الطُّهْرِ اِذَا اغْتَسَلَتْ اِحْدَانَا مِنْ مَحِيْضِهَا فِي نُبْذَةٍ مِنْ كُسْتِ أَظْفَارٍ (۱)

جب ہم میں سے کوئی حیض سے پاک ہوتی تو ہمیں کست اظفار (ایک خوشبو) کی اجازت دی گئی تھی۔

حضرت انسؓ نے فرمایا:

وُقِّتَ لَنَا فِي قَصِّ الشَّارِبِ وَ تَقْلِيْمِ الأَظْفَارِ وَ نَتْفِ الإِبِطِ وَ حَلْقِ العَانَةِ اَنْ لَا نَتْرُكَ اَكْثَرَ مِنْ اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً (۲)

ہمارے لیے میعاد مقرر کی گئی مونچھیں کترنے، ناخن کاٹنے اور بغل اور زیر ناف کے بال مونڈنے کی کہ ہم ان کو چالیس دن سے زیادہ نہ چھوڑیں۔

علاء الدین سمرقندیؒ نے اس بات پر علماء کا اجماع نقل کیا ہے کہ اُوْجِبَ عَلَيْنَا كَذَا (ہم پر یہ واجب کیا گیا)، حُرِّمَ عَلَيْنَا كَذَا (ہم پر یہ حرام کیا گیا) اور اُبِيْحَ لَنَا كَذَا (ہمارے لیے یہ مباح کیا گیا) وغیرہ میں مُوْجِب یعنی کسی چیز کو واجب کرنے والے، مُحَرِّم یعنی کسی چیز کو حرام قرار دینے والے اور مُبِيْح یعنی کسی چیز کو مباح کرنے والے، سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں (۳)۔

ابوالمظفر سمعانیؒ نے بیان کیا ہے کہ اس بات پر اتفاق ہے کہ رُخِّصَ لَنَا اَنْ نَفْعَلَ كَذَا (ہمیں رخصت دی گئی کہ ہم یہ فعل کریں) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف راجع ہوگا (۴)۔ اس سے یہی مراد لی جائے گی کہ کسی فعل میں رخصت دینے والے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ ابواسحاق شیرازیؒ نے بھی اس پر علماء کا اتفاق بیان کیا ہے (۵)۔ لہٰذا ایسا قولِ صحابی حجت ہے۔

اسلامی قانون میں کسی چیز کو واجب، مباح، حرام یا حلال قرار دینا اور کسی شرعی امر میں میعاد مقرر کرنا وغیرہ کا اختیار اللہ تعالیٰ کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کسی کو حاصل نہیں ہے۔ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بجائے کسی اور کی طرف ایسے قول کی اضافت کر دی جائے تو پھر نبی اور غیر نبی میں کوئی فرق نہیں رہتا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقنن یعنی قانون ساز ہونے کی ایک دلیل قرآن مجید کی یہ آیت ہے:

۱۔ صحیح البخاری، کتاب الحیض، باب الطیب للمرأة عند غسلها من المحیض
۲۔ صحیح مسلم، کتاب الطهارة، باب خصال الفطرة
۳۔ میزان الأصول ص ۴۴۷
۴۔ قواطع الأدلة ۱/۳۸۸
۵۔ التبصرة في أصول الفقه ص ۳۳۱

يَأْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوفِ وَ يَنْهٰهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ يُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَ يُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ (۱)

وہ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) انہیں نیک کام کا حکم دیتے ہیں اور انہیں بُرے کام سے روکتے ہیں اور پاک چیزوں کو اُن کے لیے حلال کرتے ہیں اور ناپاک چیزوں کو اُن پر حرام ٹھیراتے ہیں۔

صحابی نے کسی چیز کے شرعی حکم کا ذکر کرتے ہوئے وجوب، حرمت، اباحت اور رخصت کے الفاظ اس وقت ہی استعمال کیے تھے جب صحابی نے انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسا حکم سنا جس کے وجوب یا حرمت یا اباحت یا رخصت مراد لینے پر احوالِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم یا اجماعِ صحابہؓ دلالت کرتے ہوں۔

صحابہ کرامؓ جن کا مقصد احکامِ شریعت پہنچانا تھا، ان سے یہ بعید ہے کہ وہ محض اپنے احتمال سے یہ کہہ دیں کہ ہمارے لیے فلاں چیز واجب یا حرام یا مباح کر دی گئی تھی یا ہمیں فلاں چیز میں رخصت دے دی گئی تھی، اور واقعہ یہ ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وجوب، حرمت، اباحت اور رخصت وغیرہ کے الفاظ بیان ہی نہ فرمائے ہوں۔

۱۔ الأعراف ۷:۱۵۷

نسخ سے متعلق الفاظ

اسلامی روایتی ادب کے مطالعہ سے یہ پتہ چلتا ہے کہ صحابہ کرامؓ نے اپنے اقوال میں نسخ (۱) کی خبر دیتے ہوئے کچھ الفاظ استعمال کیے ہیں، مثلاً: كَانَ الْحُكْمُ كَذَا ثُمَّ نُسِخَ ، پہلے حکم یہ تھا پھر منسوخ کر دیا گیا، نُسِخَ هَذَا الْحُكْمُ، یہ حکم منسوخ کر دیا گیا، كَانَ الْحُكْمُ عَلَيْنَا كَذَا ثُمَّ نُسِخَ، پہلے ہم پر یہ حکم تھا پھر منسوخ کر دیا گیا، نُسِخَتْ هَذِهِ الْآيَةُ، یہ آیت منسوخ کر دی گئی، هَذِهِ الْآيَةُ مَنْسُوخَةٌ، یہ آیت منسوخ ہے، كَانَ هَذَا الْحُكْمُ ثُمَّ نُسِخَ، پہلے یہ حکم تھا پھر منسوخ کر دیا گیا، هَذَا الْخَبَرُ مَنْسُوخٌ، یہ خبر منسوخ ہے، هَذَا مَنْسُوخٌ، یہ منسوخ ہے

۱۔ نسخ کی اصل یہ آیت ہے: ﴿مَا نَنْسَخْ مِنْ آيَةٍ أَوْ نُنْسِهَا نَأْتِ بِخَيْرٍ مِنْهَا أَوْ مِثْلِهَا أَلَمْ تَعْلَمْ أَنَّ اللّٰهَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ﴾ [البقرة ۲:۱۰۶] جو آیت ہم منسوخ کر دیتے ہیں یا بھلا دیتے ہیں تو ہم اس سے بہتر یا ویسی ہی لاتے ہیں، کیا تم نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھتے ہیں۔

نسخ کا لغوی مفہوم ہے: ایک چیز کو کسی دوسری چیز سے زائل کرنا، یا اسے باطل کرنا، یا اس کا حکم ختم کر دینا۔ علمائے اصولِ فقہ نے نسخ کی جو تعریفیں کی ہیں ان کا مفہوم یہ ہے: شرعی دلیل کے ذریعے کسی شرعی حکم کو ختم کر دینا، یا عام حکم کو خاص کرنا، مطلق کو مقید کرنا، یا کسی حکم کی مدت کا بیان کرنا۔ نسخ کا اصول اسلامی قانون کی نصوص یعنی قرآن مجید اور احادیث میں کارفرما ہے۔ نسخ صرف حیاتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی میں ممکن تھا۔

نسخ کی متعدد مثالیں موجود ہیں۔ مثلاً مکی دور میں شروع اسلام میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر دو رکعات نمازِ صبح کے وقت فرض تھی، پھر اس کے ساتھ دو رکعات نمازِ شام کے وقت بھی فرض کر دی اور پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معراجِ سماوی (۲۷ رجب ۱۰ نبوی) کے موقع پر مسلمانوں پر پانچ نمازیں فرض ہوئیں۔ عيون الأثر في فنون المغازي و الشمائل و السير ۱/۱۰۹

قرآنی حکم کے مطابق شروع اسلام میں یہ واجب تھا کہ ایک شخص اپنے والدین اور رشتہ داروں کے حق میں وصیت کرے۔ [البقرة ۲:۱۸۰، ۱۸۱]۔ لیکن بعد میں قرآن نے والدین، اولاد اور دیگر رشتہ داروں کے حصے وراثت میں مقرر کر دیئے [النساء ۴:۱۱] اور نبوی حکم کے تحت وارث کے حق میں وصیت کی ممانعت کر دی گئی، سنن أبي داؤد، كتاب الوصايا، باب ما جاء في الوصية للوارث ۔ غیر وارث کے حق میں ایک تہائی مال تک وصیت کرنا مستحب قرار دے دیا گیا۔ صحيح مسلم، كتاب الوصية

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے قربانی کا گوشت تین دن سے زیادہ گھروں میں رکھنے سے منع فرمایا تھا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی اجازت دے دی۔ سنن أبي داؤد، كتاب الضحايا، باب حبس لحوم الأضاحي

اسلامی قانون میں نسخ حکمتِ الٰہی اور انسانی مصالح کے عین مطابق تھا۔ اس اصول کے ذریعے اللہ تعالیٰ کے بندوں کو احکام میں تخفیف اور سہولتیں میسر آئیں۔ بعض علماء نے قرآن میں نسخ کا انکار کیا ہے۔

اور ھَذَا نَاسِخٌ، یہ ناسخ یعنی منسوخ کرنے والا ہے۔

کیا ان الفاظ سے نسخ ثابت ہوتا ہے؟ اس پر علمائے اصولِ فقہ کے دو گروہ ہیں:

قائلین

احناف (۱) کے نزدیک ایسے الفاظ سے نسخ ثابت ہوتا ہے۔ اگر صحابی نے کہا: ھَذَا نَاسِخٌ، یہ ناسخ ہے، تو یہ قول مقبول ہے۔ فخر الدین رازیؒ نے حنفی اصولی ابوالحسن کرخیؒ کی یہ رائے لکھی ہے کہ اگر راوی نے ناسخ متعیّن کر دیا اور کہا: ھَذَا نَسَخَ ھَذَا، اس نے اس کو منسوخ کیا، تو ممکن ہے کہ اس نے ایسا اجتہاد سے کہا ہو۔ لہٰذا اس قول کی طرف رجوع کرنا واجب نہیں ہے۔ لیکن اگر راوی نے ناسخ متعیّن نہیں کیا اور یہ کہا: ھَذَا مَنْسُوْخٌ تو ایسا قول قبول کرنا واجب ہے، کیونکہ اگر اس میں نسخ کا ظہور نہ ہوا ہوتا تو صحابی اپنی روایت میں لفظ نسخ کا مطلق ذکر نہ کرتا (۲)۔ ابوالمظفر سمعانیؒ نے ابوالحسن کرخیؒ کا یہ قول لکھا ہے کہ اگر صحابی وجوب نسخ والی دلیل بیان کر دے تو نسخ میں اس کا قول قبول کیا جائے گا (۳)۔

حنبلی اصولیین (۴) کے نزدیک اگر صحابی آیت یا خبر یعنی حدیث کا ناسخ بیان کر دے تو اس کا قول قبول ہے۔ صحابی کا قول: ھَذَا الْخَبَرُ مَنْسُوْخٌ، یہ خبر منسوخ ہے، قبول کیا جائے گا (۵)۔

قائلین علمائے اصول کے اہم دلائل یہ ہیں:

۱۔ نسخ کسی احتمال سے واقع نہیں ہوتا اور صحابہ کرامؓ اس بات سے زیادہ آگاہ تھے۔ لہٰذا یہ ثابت ہوا کہ جب صحابی نے کسی حکم کے متعلق یہ کہا کہ وہ منسوخ ہے تو اس نے یہ ضرور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہوگا۔

۲۔ صحابی جس کی عدالت پر اعتماد کیا جاتا ہے، وہ اگر ناسخ متعیّن کرتا ہے تو یہ تعیّن اس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک وہ تاریخ اور تعارض سے واقفیت نہ رکھتا ہو۔ اس کے نزدیک جو مراد ہے وہ قرائن کے مشاہدہ سے ہے۔ اس کا ایک چیز کو منسوخ کہنا اس کی بصیرت و علم کی وجہ سے ہے۔ نسخ کے مسئلہ میں اجتہاد کی گنجائش نہیں ہے (۶)۔

۳۔ اگر صحابی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی خبر روایت کی تو اسے قبول کرنا واجب ہے۔ اگر صحابی یہ کہے: کَانَ ھَذَا الْخَبَرُ مَنْسُوْخًا، یہ خبر منسوخ تھی، تو اس قول کو لینا واجب ہے۔

۱۔ فواتح الرحموت شرح مسلّم الثبوت ۲/ ۹۵

۲۔ المحصول فی علم أصول الفقه ۳/ ۶۷

۳۔ قواطع الأدلة ۱/ ۴۳۹

۴۔ شرح الکوکب المنیر ۳/ ۵۶۷۔ الواضح فی أصول الفقه ۴/ ۳۲۰۔ اتحاف ذوی البصائر ۲/ ۸۲۲

۵۔ التمهید فی أصول الفقه ۳/ ۱۸۹۔ اتحاف ذوی البصائر ۲/ ۸۶۷

۶۔ فواتح الرحموت ۲/ ۲۵

مخالفین

دوسرا گروہ شافعی علماء (۱) کا ہے۔ وہ یہ کہتے ہیں کہ ایسے قول سے کسی حکم کا نسخ ثابت نہیں ہوتا۔ یہ قول معرفتِ نسخ کے صحیح طرق میں شامل نہیں ہے۔ امام غزالیؒ فرماتے ہیں: اگر صحابی کہے کہ یہ حکم منسوخ ہوگیا، تو اس سے کوئی حکم منسوخ نہیں ہوگا جب تک وہ یہ نہ کہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا: یہ حکم منسوخ ہے (۲)۔

شافعی علماء کا یہ استدلال ہے کہ صحابی کے قول میں احتمال ہے کہ اس نے ایسا اپنے اجتہاد سے کہا ہو۔ ممکن ہے کہ اس نے جس کو نسخ گمان کیا، وہ نسخ ہی نہ ہو۔ اس نے اپنے گمان کی قوت سے جس کو ناسخ سمجھا اس میں خطا کی ہو۔ صحابی کا قول حجت نہیں ہے، جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول بالاِ تفاق حجت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کردہ خبر، صحابی کی عدالت، ثقاہت اور اس کے شاہدِ وحی ہونے کی وجہ سے قبول کی جاتی ہے، جبکہ دعویٰ نسخ کا تعلق اجتہاد و نظر سے ہے اور صحابی غیر معصوم ہے۔

اس مسئلہ میں احناف کا موقف راجح معلوم ہوتا ہے۔ صحابہ کرامؓ دین میں احکام کی اہمیت سے آگاہ تھے۔ وہ جانتے تھے کہ احکام کے مقنن و شارع اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ وہ جانتے تھے کہ کسی حکمِ شرعی کو منسوخ بتلانا، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کو منسوخ بتلانا ہے۔ یہ انتہائی ذمہ داری کا کام ہے۔ تمام صحابہ کرامؓ عدول ہیں۔ ان کی عدالت کا تقاضا ہے کہ انہوں نے اس اہم کام میں کوئی شرعی حکم محض اپنی رائے اور اجتہاد سے منسوخ نہیں بتایا، بلکہ انہوں نے اس بارے میں ضرور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہوگا۔

۱۔ آمدی، الإحکام فی أصول الأحکام ۳/۱۶۳۔ المحصول فی علم أصول الفقه ۳/۶۷۔ المستصفی فی علم الأصول ص ۱۰۲۔ قواطع الأدلة ۱/۴۳۹۔ نهایة السول ۲/۶۰۸

۲۔ المستصفی فی علم الأصول ص ۱۰۲

تفسیری اقوال

حضرات صحابہ کرامؓ سے تفسیری اقوال بھی منقول ہیں۔ اگر قرآنی آیت کی تفسیر خود قرآن یا سنّتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نہ ملے تو پھر صحابہ کرامؓ کے تفسیری اقوال کی طرف رجوع کیا جاتا ہے۔ بقول زرکشیؒ: صحابہ کرامؓ تفسیرِ قرآن کو سب سے زیادہ جاننے والے تھے۔ وہ قرائن و دلائل سے واقف تھے اور اللہ تعالیٰ نے انہیں حیران کن فہم عطا کیا تھا (۱)۔ حافظ ابن کثیرؒ نے لکھا ہے: جب ہم کسی آیت کی تفسیر قران یا سنّت میں نہ پائیں تو پھر اقوالِ صحابہؓ کی طرف رجوع کریں گے۔ وہ تفسیرِ قرآن کو بہت زیادہ جانتے تھے کیونکہ اس وقت جو قرائن واحوال تھے ان کا علم صحابہ کرامؓ ہی کو ہے۔ انہیں فہمِ تام اور صحیح علم حاصل تھا اور وہ اعمالِ صالح کرنے والے تھے (۲)۔ ابن عقیلؒ کا کہنا ہے: صحابہ کرامؓ میں عربی زبان کی معرفت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سماع، دونوں چیزیں جمع ہیں۔ وہ تأویل اور تنزیل دونوں کو سب سے زیادہ جانتے تھے۔ اس لیے ہم ان کا قول حجت ٹھہراتے ہیں (۳)۔ البتہ یہ ضروری ہے کہ کوئی قرآنی آیت یا نبوی حدیث یا کسی صحابی کا قول اس تفسیرِ صحابی کے خلاف نہ ہو، خواہ اس قول کے مشہور ہونے کا علم ہو یا نہ ہو (۴)۔

صحابہ کرامؓ کے تفسیری اقوال کو مندرجہ ذیل اقسام میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

۱۔ آیات کے اسبابِ نزول میں تفسیر: صحابی کا وہ قول جس میں کسی آیت کا سببِ نزول یا اسی قبیل میں سے کوئی بات بیان کی گئی ہو، مثلاً صحابی یہ کہے: یہ آیت فلاں بارے میں نازل ہوئی ہے، ایسے تفسیری قول کا حکم یہ ہے کہ وہ مرفوع ہے اور مُسنَد حدیث کے درجہ پر ہے (۵)۔

۱۔ البرہان فی علوم القرآن ۲/۱۷۶

۲۔ ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم ۱/۳

۳۔ الواضح فی أصول الفقہ ۴/۶۵

۴۔ اعلام المؤقعین ۴/۱۵۵

۵۔ معرفۃ علوم الحدیث ص۲۰۔ علوم الحدیث ص۵۴۔ المختصر فی أصول الحدیث ص۵۴، لباب النقول ص۱۴۔ توضیح الأفکار ۱/۲۸۱۔ الباعث الحثیث ص۵۶۔ التحبیر فی علم التفسیر ص۸۶۔ الإتقان فی علوم القرآن ۱/۱۲۶۔ مجموع فتاویٰ إبن تیمیۃ، کتاب مقدمۃ التفسیر ۱۳/۳۴۰

۲۔ صحابہ کرامؓ کے وہ تفسیری اقوال جو ایسی چیز کے بارے میں ہیں جس میں اجتہاد کا دخل اور مجال نہ ہو اور نہ وہ لغتِ عرب سے منقول ہو، ایسے قول کا حکم مرفوع حدیث کا ہے۔ جیسے بدءِ خلق اور قصص انبیاء میں سے ماضی کی خبریں یا مستقبل کے امور مثلاً ملاحم یعنی بڑی اور خونریز جنگیں، فتنے، جنت و دوزخ کی صفات اور وہ خبریں جو کسی عمل پر مخصوص ثواب اور مخصوص اُخروی سزا سے متعلق ہوں۔ ان تمام چیزوں میں اجتہاد کی مجال نہیں ہے اور یہ سب مرفوع کے حکم میں ہیں (۱)۔

۳۔ قرآن مجید کی کسی آیت کی تفسیر میں صحابی کا ایسا قول جو اہلِ لغت سے منقول ہو تو اس کا مرفوع ہونا حتمی و یقینی نہیں ہے (۲)۔

۴۔ تفسیری اقوال جن کا آیات کے اسبابِ نزول سے کوئی تعلق نہیں ہے اور نہ جن کی رسول اللہ صلی اللہ علیٰ وسلم کی طرف اضافت ہے، ایسے مطلق تفسیری اقوال موقوف کے حکم میں ہیں (۳)۔

زرکشیؒ لکھتے ہیں: قرآن مجید کی تفسیر میں صحابی کا حکم مرفوع کا ہے، جیسا کہ حاکم نیشاپوریؒ اور ابوالخطاب کلوذانیؒ نے کہا ہے: جب ہم یہ کہتے ہیں کہ قولِ صحابی حجت نہیں ہے تو اس سے یہ احتمال ہوتا ہے کہ اس کی طرف رجوع نہیں کرنا چاہیے۔ مگر پہلا قول درست ہے (کہ قولِ صحابی سے اخذ کرنا چاہیے) کیونکہ اس کا قول رائے کے باب سے نہیں بلکہ روایت کی اقسام میں سے ہے (۴)۔

حافظ ابن قیمؒ نے لکھا ہے: حاکم نیشاپوریؒ نے المُستَدرَك میں فرمایا کہ ہمارے نزدیک تفسیرِ صحابہؓ مرفوع حدیث کے حکم میں ہے۔ اس سے یہ مراد ہے کہ تفسیرِ صحابی سے استدلال کیا جا سکتا ہے اور اس سے حجت و دلیل قائم کی جا سکتی ہے۔ اس سے یہ مراد نہیں ہے کہ صحابی کا قول عین قولِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ دوسری توجیہ یہ ہے کہ صحابہؓ سے جو معانیٔ قرآن منقول ہیں ان کی نسبت یہ سمجھا جائے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ معانی صحابہؓ کو بیان فرما دیئے تھے اور ان کے سامنے قرآن کی تفسیر کر دی تھی۔

وہ مزید لکھتے ہیں: صحابہؓ کبھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام اور آپ ہی کے الفاظ سے تفسیر نقل کرتے ہیں اور کبھی صرف معنی بیان کر دیتے ہیں اور یہ روایت بالمعنی ہے۔

حافظ ابن قیمؒ دوسری توجیہ کو بہتر قرار دیتے ہیں (۵)۔

۱۔ التحبير في علم التفسير ص ۸۶۔ توضيح الأفكار ۲۸۱/۱۔ شرح نخبة الفكر ص ۱۵۷

۲۔ توضيح الأفكار ۲۸۱/۱

۳۔ علوم الحديث ص ۴۶۔ المختصر في علوم الحديث ص ۵۴۔ توضيح الأفكار ۲۸۱/۱

۴۔ البرهان في علوم القرآن ۱۵۷/۲

۵۔ اعلام الموقعين ۱۵۳/۴-۱۵۴

حاکم نیشاپوریؒ نے اپنی کتاب المستدرك میں تفسیرِ صحابی کو مُسنَد حدیث قرار دیا ہے (۱) اور یوں اُسے عام کردیا ہے۔لیکن انہوں نے اپنی ایک اور کتاب معرفة علوم الحديث میں اس بات کی تصریح کی ہے کہ تفسیرِ صحابی موقوف حدیث میں سے ہے اور جب ہم یہ کہتے ہیں کہ تفسیرِ صحابی مُسنَد ہے تو یہ اس روایت کے متعلق کہتے ہیں جو سببِ نزول سے متعلق ہو(۲)۔یہاں حاکم نیشاپوریؒ نے تخصیص کردی ہے کہ وہی تفسیرِ صحابی مُسنَد ہے جس میں سببِ نزول بیان کیا گیا ہو،ورنہ وہ موقوف ہے۔یہی رائے جلال الدین سیوطیؒ کی ہے(۳)۔

۱۔ المستدرك، كتاب التفسير، ذكر فضيلة سورة الفاتحة ما أنزلت مثلها فى الكتب المتقدمة ۲/۲۵۸

۲۔ معرفة علوم الحديث ص ۲۰

۳۔ الإتقان فى علوم القرآن ۲/۴۴۴

صحابی کے قول یا فعل کا حدیث سے تعارض

صحابہ کرامؓ سے بعض ایسی روایات ملتی ہیں جن سے یہ پتہ چلتا ہے کہ راوی صحابی کا اپنا کوئی قول یا فعل اس کی اپنی یا کسی دوسرے صحابی کی روایت کے خلاف ہے۔ مثلاً حضرت ابو ہریرۃؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إِذَا شَرِبَ الْكَلْبُ فِي إِنَاءِ أَحَدِكُمْ فَلْيَغْسِلْهُ سَبْعًا (۱)

جب تم میں سے کسی کے برتن میں کتا پانی پیئے تو اس شخص کو چاہیے کہ وہ اس برتن کو سات مرتبہ دھولے۔

جبکہ حضرت ابو ہریرۃؓ کا فتویٰ ہے کہ برتن کو تین بار دھو کر پاک کر لیا جائے (۲)۔

حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

أَيُّمَا امْرَأَةٍ نَكَحَتْ بِغَيْرِ إِذْنِ مَوَالِيهَا فَنِكَاحُهَا بَاطِلٌ، ثَلٰثَ مَرَّاتٍ (۳)

جو عورت اپنے ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کرے تو اس کا نکاح باطل ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات تین مرتبہ دہرائی۔

جبکہ حضرت عائشہ صدیقہؓ کا یہ عمل ہے کہ آپ نے اپنے بھائی حضرت عبدالرحمٰن کی غیر موجودگی میں اپنی بھانجی کا نکاح کرایا تھا (۴)۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز ادا فرماتے تو اپنے کندھوں تک اپنے دونوں ہاتھ اٹھاتے۔ اسی طرح رکوع کرنے سے پہلے اور

۱۔ صحیح البخاری، کتاب الوضوء، باب إذا شرب الكلب في الإناء

۲۔ سنن الدارقطنی، کتاب الطهارة، باب ولوغ الكلب في الإناء ۶۶/۱

۳۔ سنن أبي داؤد، کتاب النكاح، باب في الولي

۴۔ حضرت عائشہؓ نے اپنی بھانجی حضرت حفصہ بنت عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ کا نکاح حضرت منذر بن زبیرؓ سے کرایا تھا۔ کتاب الحجة علی أهل المدينة ۱۱۰/۳ وما بعد۔ المحرر في أصول الفقه ۶/۲

رکوع کرنے کے بعد اپنا سر مبارک اٹھاتے وقت اپنے دونوں ہاتھ اٹھاتے تھے اور دونوں سجدوں کے درمیان دونوں ہاتھ نہیں اٹھاتے تھے(۱)۔

جبکہ مجاہدؒ روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت ابن عمرؓ کے پیچھے نماز ادا کی تو آپ نے تکبیر اولیٰ کے سوا کہیں بھی رفع الیدین نہیں کیا(۲)۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مفتوحہ اراضیِ خیبر کو فوجیوں میں تقسیم کیا تھا(۳)۔ لیکن حضرت عمرؓ نے اپنے دورِ خلافت میں اہل سواد سے فتح کی گئی ارضِ عراق فوجیوں میں تقسیم نہیں کی تھی(۴)۔

ابو العالیہؒ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہؓ کے ہمراہ نماز ادا فرما رہے تھے۔ اتنے میں ایک نابینا شخص آیا اور پانی کے گڑھے میں گر پڑا۔ کچھ لوگ اس پر ہنس دیئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز سے فارغ ہوئے تو آپ نے فرمایا:

مَنْ ضَحِكَ فَلْيُعِدْ وُضُوئَهُ ثُمَّ لِيُعِدْ صَلَاتَه(۵)

جو شخص نماز میں ہنس دے اسے چاہیے کہ وہ دوبارہ وضو کرے اور نماز دہرائے۔

لیکن حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کے بارے میں آتا ہے کہ انہوں نے اس حدیثِ قہقہہ پر عمل نہیں کیا(۶)۔

اگر اثرِ صحابی یعنی اس کا قول یا فعل کسی خبر یعنی حدیث کے خلاف ہو تو اس کی مندرجہ ذیل ممکنہ صورتیں ہیں:

۱۔ صحابی خود حدیث کا راوی ہے۔ اس کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں:

  ۱۔ صحابی کا قول یا عمل، روایت کرنے سے قبل کا ہے اور

  ۲۔ اس کا قول یا عمل، روایت کرنے کے بعد کا ہے۔

۲۔ صحابی خود راوی نہیں ہے۔ اس کی بھی دو صورتیں ممکن ہیں:

  ۱۔ صحابی کا قول یا عمل، حدیث کے اس تک پہنچنے سے قبل کا ہے اور

  ۲۔ اس کا قول یا عمل، حدیث کے اس تک پہنچنے کے بعد کا ہے۔

اگر صحابی خود راوی ہے اور اس کا خلاف حدیث قول یا عمل، روایت کرنے سے قبل کا ہے یا صحابی غیر راوی

۱۔ صحیح مسلم، کتاب الصلوٰۃ، باب إستحباب رفع الیدین ۲۹۲/۱

۲۔ تقویم الأدلّة ص ۲۰۳۔ عبدالعزیز بخاری، کشف الأسرار ۱۰۰/۳

۳۔ صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب غزوۃ ذات القرد ۶۰۸/۲

۴۔ ابو عبید، کتاب الأموال ص ۵۷

۵۔ عبدالرزّاق، المصنّف، کتاب الصلوٰۃ، باب الضحك والتبسّم فی الصلوٰۃ

۶۔ عبدالعزیز بخاری، کشف الأسرار ۱۰۶/۳۔ المحرر فی أصول الفقه ۷/۲

ہے اور اس کا خلاف حدیث قول یا عمل، اس حدیث کے اس تک پہنچنے سے قبل کا ہے تو ایسے قول یا عمل کو استحسانا اس بات پر محمول کیا جائے گا کہ یہ حدیث سننے سے قبل تھا اور جب صحابی تک خبر پہنچی تو اس نے اپنا وہ قول یا عمل ترک کر کے حدیث کی طرف رجوع کر لیا ہوگا۔ اس سے روایت کی تکذیب نہیں ہوتی بلکہ حدیث حجت ہے(۱)۔

مثلاً حرمتِ خمر کا حکم نازل ہونے کے بعد بھی بعض صحابہ کرامؓ شُربِ خمر کا فعل کرتے رہے کیونکہ ان تک تحریمِ خمر کا حکم ابھی پہنچا نہیں تھا اور وہ یہ اعتقاد رکھتے تھے کہ شراب حلال ہے۔ لیکن جب ان تک اس کی حرمت کا حکم پہنچا تو وہ اس سے باز آ گئے حتیٰ کہ مندرجہ ذیل آیت نازل ہوئی(۲):

لَيْسَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِيْمَا طَعِمُوْٓا اِذَا مَا اتَّقَوْا وَّ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ثُمَّ اتَّقَوْا وَّ اٰمَنُوْا ثُمَّ اتَّقَوْا وَّ اَحْسَنُوْا وَ اللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ (۳)

جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کیے اُن پر اُن چیزوں کا کچھ گناہ نہیں جو وہ کھا پی چکے، جبکہ وہ پہلے بھی ڈرتے تھے اور ایمان رکھتے تھے اور نیک کام کیا کرتے تھے۔ پھر (ان احکام کے بعد بھی) وہ ڈرتے ہیں اور ایمان رکھتے ہیں اور پھر بھی ڈرتے ہیں اور اچھے کام کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اچھے کام کرنے والوں سے محبت کرتے ہیں۔

اگر یہ معلوم نہ ہو کہ صحابی کا خلاف حدیث قول یا فعل وہ حدیث روایت کرنے یا صحابی تک پہنچنے سے قبل کا ہے یا بعد کا، تو یہ خیال کیا جائے گا کہ وہ قول یا فعل حدیث معلوم ہونے سے پہلے کا ہے اور صحابی نے حدیث کی طرف رجوع کر لیا تھا(۴)۔ ایسا باور کرنا ضروری ہے کیونکہ دو صورتوں میں سے اَحسن پر عمل کرنا واجب ہے، جب تک اس کے خلاف کوئی دلیل نہ پائی جائے(۵)۔

اگر صحابی کا قول یا فعل کسی ایسی حدیث کے خلاف ہے جس کا صحابی پر مخفی رہنا ممکن ہے تو اس قول یا فعل کی کوئی حیثیت نہیں ہے اور حدیث حجت ہے(۶)۔

۱۔ المحرر في أصول الفقه ۲/۵۔ تقويم الأدلّة ص ۲۰۲۔ عبدالعزیز بخاری، کشف الأسرار ۳/۹۸-۹۹۔ التلويح ۲/۴۴۰

۲۔ عبدالعزیز بخاری، کشف الأسرار ۳/۹۸

۳۔ المآئدة ۵:۹۳

۴۔ المحرر في أصول الفقه ۲/۵۔ نسفی، کشف الأسرار ۲/۴۵۔ التلويح ۲/۴۴۰

۵۔ عبدالعزیز بخاری، کشف الأسرار ۳/۹۹۔ المحرر في أصول الفقه ۲/۵

۶۔ المحرر في أصول الفقه ۲/۷

مثلاً حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کا قہقہہ والی حدیث پر عمل نہ کرنا۔ قہقہہ حوادثِ نادرہ یعنی شاذونادر ہونے والے واقعات میں سے ہے۔ جس کا کسی پر مخفی رہنا ممکن ہے(۱)۔ ابوالعالیہؒ نے جو روایت کیا ہے وہ حوادثِ نادرہ میں سے ہے اور اس بات کا احتمال ہے کہ یہ حدیث حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے مخفی رہی ہو، اس لیے انہوں نے اس پر عمل نہیں کیا۔ جب صحابی کے خلاف حدیث قول یا اس کے فعل کو بہتر وجہ پر محمول کرنا ممکن ہو تو بعض صحابہ کا حدیث کے خلاف کرنے سے اس حدیث پر عمل ترک نہیں ہوتا۔ یہاں یہ ممکن ہے کہ حدیث مخفی رہنے کی وجہ سے صحابی کا قول یا عمل خلافِ حدیث تھا اور اس نے اپنی رائے سے فتویٰ دیا۔ اگر صحابی تک وہ حدیث پہنچتی تو وہ اپنی رائے یا عمل سے ضرور رجوع کر لیتے(۲)۔

اگر حدیث کو روایت کرنے کے بعد راوی صحابی کا قول یا فعل اس حدیث کے خلاف ہے، یا صحابی غیر راوی ہے اور اس نے حدیث معلوم ہونے کے بعد اس کے خلاف عمل کیا یا فتویٰ دیا تو ایسے قول یا فعل کی شرعی حیثیت پر فقہی آراء مندرجہ ذیل ہیں:

احناف کا موقف

احناف کہتے ہیں کہ خلافِ حدیث عمل یا فتویٰ کی صورت میں حدیث ساقط اور صحابی کے عمل اور فتویٰ کا اعتبار ہوگا۔ اسے اس پر محمول کیا جائے گا کہ صحابی کو اس حدیث کا حکم منسوخ ہونے کا علم تھا یا وہ صحابی اس حکم کی دلالت سے آگاہ تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے مراد ایجاب (۳) نہیں بلکہ ندب (۴) تھی۔ دین میں صحابہؓ کے فضل و مرتبہ کے پیش نظر یہ بعید ہے کہ وہ ناسخِ حدیث سے آگاہ نہ ہونے کے باوجود حدیث ترک کریں، اس کے خلاف عمل کریں اور عمداً غلطی کا ارتکاب کریں۔ ایسی صورت میں یہ باور کرنا واجب ہے کہ صحابی کو ناسخِ حدیث کا علم تھا یا یہ کہ حدیث کا حکم وجوب پر مبنی نہیں تھا(۵)۔

۱۔ التوضیح ۲/۴۴۱

۲۔ المحرر فی أصول الفقه ۲/۸۔ عبدالعزیز بخاری، کشف الأسرار ۳/۱۰۶

۳۔ ایجاب اصولیین کی اصطلاح ہے۔ فقہاء کے ہاں اسے وجوب کہا جاتا ہے۔ ایجاب سے مراد کسی عمل کو لازم قرار دینا ہے۔ ایسے عمل کا مطالبہ لازمی وحتمی ہوتا ہے۔ اس عمل کا تارک گناہ کا مستحق ہے۔ احناف کے علاوہ دیگر فقہاء کے ہاں واجب اور فرض ایک ہی چیز ہے۔ احناف کہتے ہیں کہ فرض دلیل قطعی مثلاً قرآن اور حدیث متواتر سے ثابت ہوتا ہے، جبکہ واجب دلیل ظنی مثلاً خبر واحد سے ثابت ہوتا ہے۔ مزید یہ کہ فرض کا منکر کافر ہے اور واجب کا منکر کافر نہیں ہے۔

۴۔ ندب علمائے اصولِ فقہ کی اصطلاح ہے جسے فقہاء مندوب کہتے ہیں۔ ندب یا مندوب سے مراد وہ فعل ہے جس کا مطالبہ غیر حتمی وغیر لازمی ہوتا ہے۔ البتہ مندوب پر عمل کرنے والے سے اجر وثواب کا وعدہ کیا گیا ہے۔ اسے سنت، نفل، تطوع، احسان اور فضیلت بھی کہا جاتا ہے۔

۵۔ المحرر فی أصول الفقه ۲/۵، ۷۔ میزان الأصول ص ۴۴۴۔ عبدالعزیز بخاری، کشف الأسرار ۳/۹۸

مثلاً حضرت عبادہ بن صامتؓ نے ایک حدیث کو روایت کیا ہے۔ اس حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

خُذُوا عَنِّی خُذُوا عَنِّی فَقَدْ جَعَلَ اللّٰہُ لَھُنَّ سَبِیلاً اَلْبِکْرُ بِالْبِکْرِ جَلْدُ مِائَۃٍ وَّنَفِیُ سَنَۃٍ وَّالثَّیِّبُ بِالثَّیِّبِ جَلْدُ مِائَۃٍ وَّ الرَّجْمُ (۱)

مجھ سے احکامِ دین سیکھ لو، مجھ سے احکامِ دین سیکھ لو۔ اللہ تعالیٰ نے عورتوں کے لیے ایک راہ نکالی ہے۔ جب غیر شادی شدہ کسی غیر شادی شدہ سے زنا کرے تو اسے سو کوڑے مارے جائیں اور ایک سال کے لیے جلاوطن کیا جائے، اور شادی شدہ کسی شادی شدہ سے زنا کرے تو اسے سو کوڑے مارے جائیں اور رجم کیا جائے۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمرؓ کے نزدیک محصن یعنی شادی شدہ زانی کو صرف رجم کیا جائے گا، اسے کوڑے نہیں مارے جائیں گے (۲)۔ ان شیخین کا عمل اس بات کی دلیل ہے کہ محصن زانی کو کوڑے مارنے کا حکم منسوخ ہے (۳)۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ماعزؓ کو صرف رجم کیا تھا (۴)۔

حضرت عمر فاروقؓ نے ایک شخص ربیعہ بن امیہ بن خلف کو شراب نوشی کے جرم میں خیبر جلاوطن کر دیا تھا۔ ربیعہ خیبر سے بھاگ کر شام کے رومی گورنر ہرقل سے جا ملا تھا۔ اس نے وہاں نصرانیت اختیار کر لی تھی۔ اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا تھا: اللہ کی قسم! میں کبھی کسی کو جلاوطن نہیں کروں گا (۵)۔ اگر جلاوطنی حد ہوتی تو حضرت عمرؓ قسم نہ کھاتے کیونکہ ارتداد سے حد ترک نہیں ہوتی (۶)۔

حضرت علیؓ نے فرمایا تھا: فتنہ کے لیے جلاوطنی کافی ہے (۷)۔ آپ کا ایک اور قول ہے: لوگوں کو فتنہ میں ڈالنے کے لیے ان کی جلاوطنی کافی ہے (۸)۔

اگر جلاوطنی حد ہوتی تو یہ امر حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ دونوں سے مخفی نہیں رہ سکتا تھا۔ اقامتِ حد حکمران کا

۱۔ صحیح مسلم، کتاب الحدود، باب حد الزنی

۲۔ المحلی بالآثار ۱۲/۱۷۴

۳۔ تقویم الأدلّة ص ۲۰۳

۴۔ صحیح مسلم، کتاب الحدود، باب من إعترف علی نفسه بالزنی ۳/۱۳۲۰

۵۔ عبدالعزیز بخاری، کشف الأسرار ۳/۱۰۳۔ تقویم الأدلّة ص ۲۰۴۔ جصاص، احکام القران ۳/۲۵۶

۶۔ عبدالعزیز بخاری، کشف الأسرار ۳/۱۰۳

۷۔ حوالہ بالا ۳/۳۰۴۔ تقویم الأدلّة ص ۲۰۴

۸۔ عبدالرزاق، المصنّف، باب النفی ۷/۳۱۴

فرضِ منصبی ہے اور حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ خلفائے راشدین میں سے تھے(۱)۔

راوی کا اپنی روایت کے خلاف عمل یا تو اندازے اور تکے سے ہوسکتا ہے جس کا صحابی سے گمان نہیں کیا جاسکتا، یا یہ ممکن ہے کہ نص محتمل ہو یعنی اس میں ایک سے زیادہ احتمالات پائے جاتے ہوں اور راوی اپنے اجتہاد سے احتمال کی دو صورتوں میں سے کوئی ایک اختیار کرلے۔ لیکن اِس کا بھی گمان نہیں کیا جاسکتا کیونکہ راوی جانتا ہے کہ دوسرے کا اجتہاد اس کے اجتہاد کے خلاف ہوسکتا ہے۔ جب یہ دونوں صورتیں باطل ہیں تو صرف ایک صورت باقی رہ جاتی ہے کہ راوی کو اس حدیث کے ناسخ کا علم تھا، یا وہ اس حدیث کی تخصیص یا تاویل جانتا تھا، یا وہ اس بارے میں اجماعِ صحابہؓ کا علم رکھتا تھا، لہٰذا اس کا قول واجب ہے(۲)۔ تمام صحابہؓ عدول ہیں۔ انہوں نے نص کے ظاہر کو کسی قطعی دلیل کے بغیر ترک نہیں کیا ہوگا۔ دیگر راویوں کے برعکس صحابی مشاہدہ اور سماع کا حامل ہوتا ہے۔ مشاہدہ اور سماع دونوں معتبر ہیں (۳)۔

اگر صحابی نے کسی مفسر نص، جو کوئی تاویل قبول نہیں کرتی، کو ترک کیا تو اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ صحابی کو ناسخ کا علم ہے کیونکہ مفسر (۴) کی مخالفت کرنے میں یہ امکان ہے کہ گناہِ کبیرہ کا ارتکاب ہو جائے۔ صحابہ کرامؓ اس سے عالی مرتبہ ہیں کہ وہ کبیرہ کا ارتکاب کریں۔ پھر یہ تاویل کا احتمال بھی نہیں رکھتا جب تک کوئی مؤوّل نہ ہو۔ لہٰذا عملِ صحابی سے صرف نسخ ثابت ہوگا۔ نسخ کے بارے میں ایک صحابی کا علم یا تو صحت وصواب پر مبنی ہے یا خطا پر۔ اس کا مبنی بر خطا ہونا باطل ہے۔ صحابی کا غیر ناسخ کو ناسخ قرار دینے کا احتمال بعید ہے۔ مفسر کا ناسخ اس جیسا ہی ہوگا، اس میں خطا کا احتمال نہیں ہے۔ لہٰذا دوسری صورت، یعنی صحابی کا ناسخ کے بارے میں علم مبنی بر صواب ہونا، متعین ہوگئی۔ پس اس کا اِتباع واجب ہے(۵)۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی رفعِ یدین والی روایت کے خلاف آپ کا اپنا عمل احناف کے نزدیک اس روایت کا نسخ ثابت ہونے پر ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ مجاہدؒ نے جو کہا وہ طاوسؒ کے اس قول کے برعکس ہے کہ انہوں نے

۱۔ عبدالعزیز بخاری، کشف الأسرار ۳/۱۰۴۔ جصاص، أحکام القرآن ۱/ ۲۵۶

۲۔ میزان الأصول ص ۴۴۴-۴۴۵

۳۔ فواتح الرحموت ۲/۱۶۳

۴۔ مفسر سے مراد وہ لفظ ہے جو اپنے معنی پر اس طرح دلالت کرے کہ اس کے معنی میں کسی تخصیص اور تاویل کا احتمال باقی نہ رہے، یا اگر اس کا صیغہ مجمل ہے یعنی اس کا معنی مخفی ہے تو شارع نے خود اس کی تشریح تفسیر اتنی واضح اور قطعی کردی ہو کہ اس کا اجمال اور اخفا زائل ہو جائے۔ مفسر میں تخصیص اور تاویل کی گنجائش نہیں ہوتی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے بعد مفسر کے منسوخ ہونے کا احتمال باقی نہیں رہتا۔

۵۔ فواتح الرحموت ۲/۱۶۳

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو وہ عمل کرتے ہوئے دیکھا جو اُن کی اپنی روایت کردہ حدیث کے موافق تھا، تو احناف اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ ایسا جائز ہے کہ حضرت ابن عمرؓ نے ویسا ہی کیا ہو جیسا طاوسؒ نے روایت کیا، لیکن حضرت ابن عمرؓ نے یہ نسخ کا علم ہونے سے قبل کیا ہوگا۔ جب انہیں اس کے نسخ کا علم ہوا تو اسے ترک کر دیا اور وہ عمل کیا جس کا ذکر مجاہدؒ نے حضرت ابن عمرؓ کے حوالے سے کیا ہے۔ یہ ضروری ہے کہ ہم صحابہ کرامؓ کی روایت کو یوں لیں اور ان سے وہم کی نفی کریں جب تک کہ وہ ثابت نہ ہو جائے، ورنہ حضرات صحابہ کرامؓ کی بہت سی روایات ساقط ہو جائیں گی (۱)۔

حنفی اصولیین میں سے ابوالحسن کرخیؒ کا یہ موقف ہے کہ خبر یعنی حدیث کے ظاہر پر عمل کرنا اَولیٰ ہے کیونکہ راوی کا مذہب حجت نہیں ہے اور قولِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حجت ہے۔ لہٰذا حجت قول چھوڑ کر غیر حجت قول کو لینا جائز نہیں ہے (۲)۔

مالکیوں کا موقف

امام مالکؒ کے نزدیک اگر صحیح خبر اور اثر یعنی صحابی کے قول یا فعل کے مابین تعارض ہو تو ایسی صورت میں صحابی کا اثر، صریح نص پر مقدم ہے کیونکہ صحابہ کرامؓ اہلِ علم، حدیث کے حافظ اور شاہدِ وحی تھے۔ ان کا عمل یا فتویٰ صریح نص کے خلاف ہے تو یہ حدیث کی عدمِ صحت اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عدمِ ثبوت یا اس حدیث کے منسوخ ہونے کی دلیل ہے (۳)۔

شوافع کا موقف

اگر راوی صحابی کا عمل یا فتویٰ روایت کے خلاف ہے تو امام شافعیؒ کے نزدیک صحابی کی روایت کا اعتبار ہوگا، اس کے عمل یا فتویٰ کا اعتبار نہیں ہوگا (۴)۔

سیف الدین آمدیؒ نے لکھا ہے: صحابی جو خبر روایت کرے وہ مجمل ہوگی، یا ظاہر المعنی ہوگی، یا اپنی دلالت میں قطعی نص ہوگی۔

اگر خبر مجمل ہے اور کئی احتمالات رکھتی ہے تو پھر خبر کو اسی احتمال پر محمول کیا جائے گا جس پر راوی صحابی نے

۱۔ عبدالعزیز بخاری، کشف الأسرار ۳/۱۰۰

۲۔ المحصول فی علم أصول الفقه ۳/۱۰۴۳۔ آمدی، الإحکام فی أصول الأحکام ۲/۳۴۲۔ المعتمد فی أصول الفقه ۲/۱۷۵

۳۔ التعارض والترجیح ۲/۲۳۴

۴۔ البرهان فی أصول الفقه ۱/۴۴۲۔ التبصرة فی أصول الفقه ص ۳۴۳۔ التمهید فی أصول الفقه ۳/۱۹۳۔ آمدی، الإحکام فی أصول الأحکام ۲/۳۴۲

اسے محمول کیا ہے۔ لیکن راوی صحابی کا متعیّن احتمال دوسرے مجتہد پر حجت نہیں ہے حتیٰ کہ وہ خود غور وفکر کرے۔

اگر صحابی اس مجمل خبر میں کوئی دوسرا احتمال پاتا ہے تو پھر اس کا اِتباع واجب ہے، ورنہ راوی کا تعیّن لائق ترجیح اور واجب ہے۔

اگر لفظ اپنے معنی میں ظاہر ہے لیکن راوی اسے کسی اور معنی پر محمول کرتا ہے اور راوی کی مخالفت کا ماخذ معلوم ہو جاتا ہے تو پھر اس دلیل پر عمل واجب ہے۔ ایسا کرنا اس لیے واجب نہیں ہے کہ راوی نے اس پر عمل کیا ہے کیونکہ ایک مجتہد کا عمل دوسرے مجتہد پر واجب نہیں ہے۔

اگر ماخذ معلوم نہ ہو تو پھر لفظ کے ظاہری معنی پر عمل کیا جاتا ہے۔ راوی عادل ہے اور اس نے خبر کو یقین محکم کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے۔ اسی اصل کی بنا پر خبر پر عمل واجب ہے۔

اگر خبر اپنی دلالت میں قطعی ہے اور وہ کسی تاویل یا مخالفت کا احتمال نہیں رکھتی تو پھر راوی کے لیے روایت کی مخالفت کرنے کی کوئی اور وجہ نہیں ہو سکتی سوائے اس کے کہ راوی کو ناسخ کا علم ہے۔ لیکن یہ ممکن ہے کہ راوی کی نظر میں جو ناسخ ہے وہ مجتہدین کے نزدیک ناسخ نہ ہو۔ اس کی نظر میں جو چیز حجت ہے وہ دوسروں کے نزدیک حجت نہ ہو۔ لہٰذا محتمل امر کی خاطر نص ترک نہیں کی جائے گی جس میں کوئی احتمال نہیں ہے(۱)۔

ابو اسحاق شیرازیؒ کے مطابق: یہ احتمال ہے کہ صحابی کو حدیث کا ناسخ معلوم ہو مگر یہ بھی احتمال ہے کہ وہ اس ناسخ کو بھول گیا ہو یا اس نے حدیث کی تاویل کر دی ہو۔ لہٰذا ثابت سنت، ممکنہ نسخ سے ترک نہیں کی جائے گی۔ ظاہر میں بھی یہی ہے کہ صحابی ناسخ کا علم نہیں رکھتا۔ اگر اس کے پاس ناسخ کا علم ہوتا تو وہ اسے بھی کسی وقت ضرور روایت کرتا۔ صحابی سے کتمانِ علم کا گمان نہیں کیا جا سکتا۔ اگر صحابی سے ناسخ کی روایت ظاہر نہیں ہوئی تو یہ امر اس بات کی دلیل ہے کہ اس سے نسیان واقع ہوا ہے(۲)۔

حنابلہ کا موقف

امام احمد بن حنبلؒ کے مطابق: اگر راوی اپنی روایت کے خلاف فتویٰ دے تو اس کی روایت پر عمل ہوگا، اس کے فتویٰ پر عمل نہیں کیا جائے گا۔ راوی کی مخالفت سے ترکِ حدیث واجب نہیں ہے(۳)۔

ابو الخطاب کلوذانیؒ کے نزدیک: اگر راوی اپنی روایت کردہ حدیث پر عمل ترک کرتا ہے تو یہ احتمال ہے کہ وہ حدیث بھول گیا ہے، یا اس کی تاویل کر لی ہے، یا وہ حدیث منسوخ ہو گئی ہے۔ جب تک ان میں سے کسی احتمال کی

۱۔ آمدی، الإحکام فی أصول الأحکام ۳/۳۴۲، ۳۴۳

۲۔ التبصرة فی أصول الفقه ص ۳۴۳

۳۔ إعلام المؤقعین ۳/۳۵

وضاحت نہ ہو جائے، راوی کے فعل پر توقف کیا جائے گا۔ توقف کی صورت میں قولِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی باقی رہتا ہے جس کی طرف رجوع کرنا واجب ہے(۱)۔

حافظ ابن قیمؒ نے راوی کے خلاف روایت قول یا عمل کے حسبِ ذیل احتمالات گنوائے ہیں:

۱۔ راوی حدیث بیان کر کے اسے بھول گیا ہو۔

۲۔ حدیث اس کے سامنے ہو مگر اس مسئلہ پر حدیث کی دلالت اس کی سمجھ میں نہ آئی ہو۔

۳۔ کوئی ایسی تاویل اس کی ذہن میں بیٹھ گئی ہو جو مرجوح ہو لیکن وہ اسے راجح مانتا ہو۔

۴۔ کوئی اور دلیل اس کے ذہن میں آ گئی ہو جسے وہ اپنی دانست میں خلافِ حدیث سمجھ کر ترجیح دے چکا ہو، گو نفسِ امر میں واقعہ اس طرح نہ ہو۔

۵۔ کسی اور کا فتویٰ اس کے سامنے ہو جسے اپنے سے بڑا عالم سمجھ کر اس کی تقلید میں فتویٰ دے دیا ہو اور یہ فرض کر لیا ہو کہ اتنا بڑا عالم خلافِ حدیث فتویٰ اسی وقت دیتا ہے جب اس کے پاس کوئی قوی تر دلیل ہو۔

اگر ان وجوہات میں سے کوئی بھی وجہ نہ ہو تب بھی وہ آخر غیر معصوم ہے۔ غیر معصوم کے مقابلے میں معصوم کو چھوڑ دینا اور غیر نبی کے مقابلے میں نبی کو ترک کر دینا درست نہیں ہے(۲)۔

راوی صحابی کا روایت کرنے کے بعد اس کے خلاف فتویٰ یا عمل اور غیر راوی صحابی کا حدیث معلوم ہونے کے بعد اس کے خلاف فتویٰ یا عمل اس بات پر محمول کرنا راجح نظر آتا ہے۔ اس صحابی نے ناسخِ حدیث معلوم ہونے یا حکمِ حدیث کی دلالت سے آگاہ ہونے کے بعد کہ حدیث کے حکم سے وجوب نہیں بلکہ ندب مراد ہے، ایسا کیا ہوگا۔

صحابہ کرامؓ کے بارے میں یہ گمان کہ وہ حدیث کو دانستہ ترک کر دیں یا اپنی روایت کردہ حدیث کے خلاف دانستہ عمل کریں، ان کی عدالت کے خلاف ہے۔ صحابہ کرامؓ سے کذب کا ارتکاب بعید ہے۔ انہوں نے حدیث کو بلا دلیل ترک نہیں کیا ہوگا۔ ان کے بارے میں تساہل، غفلت، سہو، نسیان اور خطا کے احتمالات قائم کرنے سے کہیں بہتر ہے کہ ان کے خلافِ حدیث قول یا عمل کو یوں لیا جائے کہ وہ حدیث کا ناسخ جان گئے تھے، یا انہیں حکمِ حدیث کی دلالت معلوم ہو گئی تھی کہ اس کے حکم سے وجوب نہیں بلکہ ندب مراد ہے، لہٰذا انہوں نے خلافِ حدیث عمل کیا یا فتویٰ دیا۔ اوّل الذکر اور مؤخر الذکر دونوں ہی احتمالات ہیں۔ لیکن اوّل الذکر احتمالات کی صورت میں حضرات صحابہ کرامؓ کی شان میں کمی واقع ہوتی ہے اور مؤخر الذکر احتمالات کو ماننے پر ترکِ حدیث لازم آتا ہے۔

۱۔ التمهيد في أصول الفقه ۱۹۴/۳

۲۔ إعلام الموقعين ۴۰/۳

کسی بھی مسئلہ پر کوئی رائے دیتے وقت اور کوئی موقف اختیار کرنے سے پہلے یہ بات پیش نظر رکھنا نہایت ضروری ہے کہ حضرات صحابہ کرامؓ ہمارے دین اسلام کے سلسلۂ روایات کی پہلی کڑی ہیں۔ اگر ان کی شان میں نقص واقع کر دیا جائے تو پھر صحابہ کرامؓ کی بیان کردہ روایات پر اعتماد کیسے رہے گا۔ احادیث پر اعتماد کرنے سے قبل ضروری ہے کہ انہیں پہنچانے اور نقل و روایت کرنے والی پہلی کڑی حضرات صحابہ کرامؓ پر اعتماد کیا جائے اور ان کے بارے میں اُحسن پہلو اختیار کیا جائے۔

باب سوم

صحابہؓ کی اجتہادی تربیت اور اسالیبِ اجتہاد

اسلامی قانون کی تشکیل اور اُمتِ مسلمہ کی شرعی و قانونی رہنمائی میں صحابہ کرامؓ نے جو مجتہدانہ کردار ادا کیا اس کے پیچھے کس کی تربیت کارفرما تھی، اس تربیت کے اہم خدوخال کیا تھے، صحابہؓ کے اجتہادات کی نوعیت کیا تھی، ان اجتہادات کے پس منظر میں کون کون سے اصول کارفرما تھے اور صحابہؓ نے اپنی اجتہادی ذمہ داریوں کو کیسے نبھایا، یہ سب سوالات اس باب کا موضوع ہیں۔ ان کے جوابات تلاش کرنے کے لیے باب ہذا کو مندرجہ ذیل پانچ فصول میں تقسیم کیا گیا ہے:

☆ اسلامی قانون سازی: ایک تعارف

☆ حیاتِ نبوی میں اجتہاد کی اجازت: ایک اصولی بحث

☆ صحابہؓ کی اجتہادی تربیت

☆ فقہاء صحابہ کرامؓ

☆ صحابہؓ کے اسالیب اجتہاد

اسلامی قانون سازی: ایک تعارف

اسلامی قانون سازی کو تشریع اسلامی بھی کہا جاتا ہے۔عربی زبان میں لفظ تشریع شرع کا مصدر ہے جو الشریعة سے ماخوذ ہے۔اہلِ لغت کے ہاں الشریعة سے مراد پانی پینے کی وہ جگہ ہے جہاں سے لوگ پانی پیتے اور لیتے ہیں(۱)۔ایک لغوی تعریف یہ بھی کی گئی ہے: تشریع سے مراد اونٹوں کو ایسے گھاٹ پر لے جانا ہے جہاں پانی زمین سے باقاعدہ کھینچ کر یا حوض کے ذریعے پلانے کی ضرورت نہ ہو(۲)۔

قرآن مجید ہمیں یہ بتاتا ہے کہ زندگی کا ذریعہ و ماخذ پانی ہے۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَ جَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ (۳)

اور ہم نے پانی سے ہر زندہ چیز کو پیدا کیا۔

شریعہ کا اطلاق واضح راستہ اور طریق پر بھی ہوتا ہے۔قرآن مجید میں ہے:

ثُمَّ جَعَلْنٰكَ عَلٰى شَرِيْعَةٍ مِّنَ الْاَمْرِ (۴)

پھر ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دین کے کھلے رستے پر قائم کر دیا۔

معلوم ہوا کہ شریعت اسلامی ایسا واضح راستہ ہے جو انسانوں کو زندگی کے ماخذ تک پہنچاتا ہے۔شریعہ کا ایک معنی قضا یعنی قاضی کا فیصلہ بھی ہے(۵)۔

لفظ تشریع کی اصطلاحی تعریف ان الفاظ میں کی گئی ہے: ایسے قوانین بنانا جن سے مکلّفین کے اعمال اور انہیں پیش آنے والے واقعات و حوادث کے احکام معلوم ہو سکیں(۶)۔تشریع کا معنی قانون سازی کرنا ہے۔اگر یہ

۱۔ الصحاح، باب العين فصل الشين ۱۲۳۶/۳۔ تهذيب اللغة، باب العين والشين مع الراء ۴۲۵/۱۔ تاج العروس، فصل الشين من باب العين ۳۹۴/۵۔لسان العرب، كتاب العين المهملة، فصل الشين المعجمة ۱۷۵/۸

۲۔ تاج العروس، فصل الشين من باب العين ۳۹۶/۵۔ ترتيب القاموس المحيط ۶۹۹/۲

۳۔ الأنبياء ۳۰:۲۱

۴۔ الجاثية ۱۸:۴۵

۵۔ كشاف إصطلاحات الفنون ۷۶۰/۱

۶۔ خلاصة تاريخ التشريع الإسلامی ص ۷

قانون سازی ادیانِ سماوی کے ذریعے ہو تو سماوی تشریع ہے اور اگر اس کا مقنّن انسان ہے تو یہ قانون سازی وضعی تشریع کہلاتی ہے۔

تشریعِ اسلامی دو حصوں پر مشتمل ہے:

۱۔ پہلے حصے کا تعلق سماوی یا الٰہی تشریع سے ہے۔ اس میں وہ تمام قوانین شامل ہیں جو اللہ تعالیٰ نے مکلّفین کے عقائد و اعمال سے متعلق مقرر کیے اور بذریعہ وحی اپنے آخری رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے قلبِ مبارک پر اتارے جو قرآن مجید کی شکل میں مکمل اور حتمی ہیں۔

۲۔ قرآن مجید کے ساتھ سنّت ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول، فعل اور تقریر پر مشتمل ہے۔ یہ تشریعِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے جو احادیث کی صورت میں اُمتِ مسلمہ کے پاس ہے۔ اُمت کے علمائے سلف نے احادیث کی جانچ اور پرکھ میں انسانی احتیاط کی انتہا تک پہنچ کر جو کوششیں کیں ان کا یہ ثمرہ ہے کہ صحت و سقم کے اعتبار سے تمام احادیث واضح اور متعیّن ہیں۔ جس طرح قرآن کی حفاظت کا ذمہ اللہ تعالیٰ نے خود لیا ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں فرما دیا ہے:

وَ رَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ (۱)

اور ہم نے آپ کی خاطر آپ کے ذکر کو بلند کر دیا۔

تشریعِ الٰہی اور تشریعِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم دونوں ہی مصدرِ اصلی اور حجت ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تشریعِ الٰہی کے بیان، توضیح اور تشریعِ احکام کا مختار بنایا ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

وَ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ (۲)

اور ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ کتاب نازل کی ہے تاکہ جو لوگوں کی طرف نازل ہوا ہے وہ آپ ان کے لیے کھول کر بیان کر دیں۔

اور فرمایا:

وَ مَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَ مَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا (۳)

اور جو چیز تمہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دیں وہ لے لو اور جس چیز سے وہ تمہیں منع فرمائیں اس سے باز رہو۔

اور فرمایا:

۱۔ الإنشراح ۹۴:۴

۲۔ النحل ۱۶:۴۴

۳۔ الحشر ۵۹:۷

يَأْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوفِ وَ يَنْهٰهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ يُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَ يُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ(۱)

وہ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) انہیں نیک کام کا حکم دیتے ہیں اور بُرے کام سے انہیں روکتے ہیں اور پاک چیزوں کو ان کے لیے حلال کرتے ہیں اور ناپاک چیزوں کو ان پر حرام ٹھہراتے ہیں۔

تشریع الٰہی اور تشریع رسول صلی اللہ علیہ وسلم دونوں کا نام شریعت اسلامی ہے۔ان دونوں ہی سے دین کی تکمیل ہوئی۔اپنی رحلت (۱۲ ربیع الاوّل ۱۱ھ) سے تین ماہ اور تین دن پہلے یعنی ۹ ذی الحجہ ۱۰ھ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب میدانِ عرفات میں اپنا تاریخی خطبہ حجۃ الوداع ارشاد فرما چکے تو اللہ تعالیٰ نے یہ اعلان فرمادیا:

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَ رَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا(۲)

آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین کامل کردیا اور اپنی نعمتیں تم پر پوری کردیں اور تمہارے لیے اسلام کو دین پسند کیا۔

اس آیت کے بعد حلال وحرام کا کوئی حکم نہیں اترا۔اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم دونوں کی طرف سے احکام آجانے کے بعد دین مکمل ہوا اور نعمت پوری ہوئی۔

تشریع الٰہی کا مصدر وماخذ ارادۂ الٰہی ہے جو زبانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ادا ہوا ہے۔تشریع رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے دو مآخذ ہیں: ایک وحی الٰہی اور دوسرا فہم رسول صلی اللہ علیہ وسلم جو ہر لحظہ ارادۂ الٰہی کے زیرنگرانی تھا۔اس بات کی گواہی خود وحیِ الٰہی دیتی ہے:

وَ مَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى(۳)

اور وہ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) تو اپنی خواہش سے بولتے ہی نہیں ہیں مگر یہ کہ جو اُن کی طرف وحی کی جاتی ہے۔

فہمِ نبوی کا ہر لحظہ ارادۂ الٰہی کے زیرنگرانی ہونے پر ایک اور قرآنی گواہی ہے:

قُلْ اِنَّمَآ اَتَّبِعُ مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ مِنْ رَّبِّيْ (۴)

۱۔ الأعراف ۷:۱۵۷

۲۔ المائدۃ ۵:۳

۳۔ النجم ۵۳:۳

۴۔ الأعراف ۷:۲۰۳

(پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم) آپ فرمادیں: میں تو صرف اس کی پیروی کرتا ہوں جو میرے رب کی طرف سے میری طرف وحی کی جاتی ہے۔

وحیِ الٰہی قرآن مجید کی صورت میں اور فہمِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احادیث کی شکل میں ہمارے پاس موجود ہے جس کے راویٔ اوّل حضرات صحابہ کرامؓ ہیں۔ قولِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم تو آپ کے اپنے الفاظ میں روایت ہوا ہے۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل صحابہ کرامؓ کے الفاظ میں روایت ہوا ہے۔ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عمل کرتے ہوئے دیکھا اور اسے اپنے الفاظ میں دوسروں کو بیان کیا ہے۔

حیاتِ نبوی میں قانون سازی کی صورتیں

تشریعِ اسلامی یعنی اسلامی قانون سازی کا آغاز نزولِ وحی سے ہوا۔ تمام احکامِ شریعت ایک ہی بار نازل نہیں ہوئے بلکہ تھوڑا تھوڑا کر کے اترتے رہے۔ اسلامی معاشرے میں انسانی ضرورتوں کے مطابق احکام دیئے جاتے رہے۔ یہ احکام اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دونوں کی طرف سے تھے۔ اس تشریع احکام کی عام طور پر مندرجہ ذیل صورتیں ہوا کرتی تھیں:

ا۔ کوئی واقعہ پیش آنے پر قانون سازی

اگر کوئی واقعہ پیش آتا، یا لوگ کسی مسئلہ سے دوچار ہو جاتے تو اس واقعہ کے تناظر میں یا اس مسئلہ کے حل کے لیے حکم نازل کردیا جاتا تھا۔ مثلاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت مَرثد غَنَوِیؓ کو یہ فریضہ سونپ کر مکہ بھیجا کہ وہ ضعیف اور کمزور مسلمانوں کو وہاں سے نکال لائیں۔ مکہ میں ایک مشرکہ عورت عناق نے خود کو حضرت مرثدؓ کے لیے پیش کیا۔ حضرت مرثدؓ نے اس عورت کی بات نہ مانی اور مدینہ آ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی خواہش یعنی عناق سے نکاح کرنے کا اظہار کیا(۱)۔ اس پر اللہ تعالیٰ کا یہ حکم نازل ہوا:

۱۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص کا نام مرثد بن ابی مرثد تھا۔ وہ قیدیوں کو مکہ سے نکال کر مدینہ لے جایا کرتا تھا۔ مکہ میں ایک زانیہ عورت عناق حضرت مرثدؓ کی دوست تھی۔ حضرت مرثدؓ نے مکہ کے قیدیوں میں سے ایک قیدی کے ساتھ وعدہ کیا تھا کہ وہ اسے مدینہ لے جائے گا۔ حضرت مرثدؓ نے بیان کیا کہ وہ ایک چاندنی والی رات میں مکہ کی دیواروں میں سے ایک دیوار کے نیچے آئے۔ دیوار کے ساتھ میرا سایہ دیکھ کر وہاں عناق بھی آ گئی۔ اس نے مجھے پہچانا اور کہا: تم مرثد ہو؟ میں نے کہا: ہاں میں مرثد ہوں۔ عناق نے حضرت مرثدؓ کو اپنے ہاں رات گزارنے کی دعوت دی۔ حضرت مرثدؓ نے اسے کہا: اے عناق! اللہ تعالیٰ نے زنا حرام کیا ہے۔ یہ سن کر عناق نے شور مچانا شروع کر دیا: اے خیمہ والو! یہ شخص تمہارے قیدیوں کو اٹھا کر لے جاتا ہے۔

حضرت مرثدؓ نے بیان کیا: آٹھ مرد میرے پیچھے دوڑے۔ میں خندمہ (ایک پہاڑ) کی طرف نکل گیا اور ایک غار میں گھس گیا۔ وہ لوگ بھی غار میں گھس گئے اور میرے سر کے پاس آ کر کھڑے ہو گئے۔ انہوں نے پیشاب کیا جو میرے سر پر

بقیہ اگلے صفحہ پر ....

وَ لَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ وَ لَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ وَّ لَوْ اَعْجَبَتْكُمْ (۱)

اور (مومنو!) مشرکہ عورتوں سے جب تک وہ ایمان نہ لائیں نکاح نہ کرنا، کیونکہ مشرکہ عورت خواہ تمہیں کیسی ہی بھلی لگے اس سے مومن لونڈی بہتر ہے۔

حضرت حکیم بن حزامؓ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے ایک مرتبہ صدقے کا اناج خریدا اور اپنے قبضہ میں لینے سے قبل ہی اسے فروخت کر کے نفع کما لیا۔ پھر وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور قصہ بیان کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا:

لَا تَبِعْهُ حَتّٰى تَقْبِضَهُ (۲)

اسے اپنے قبضہ میں لینے سے قبل اسے فروخت مت کرو

۲۔ کسی سوال کے جواب میں قانون سازی

کبھی ایسا ہوتا کہ صحابہ کرامؓ کوئی سوال پوچھتے تو اس کے جواب میں قرآنی حکم نازل ہو جاتا تھا، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس بارے میں کوئی حکم جاری فرما دیتے تھے۔ مثلاً یتیموں سے متعلق ایک سوال کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی:

وَ يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْيَتٰمٰى قُلْ اِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَيْرٌ وَ اِنْ تُخَالِطُوْهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ (۳)

اور وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے یتیموں کے متعلق دریافت کرتے ہیں، آپ فرما دیں کہ اُن

گزشتہ سے پیوستہ .... پڑنے لگا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں اندھا کر دیا، وہ مجھے دیکھ نہ سکے اور واپس لوٹ گئے۔ میں اپنے دوست کے پاس آیا (جسے قید سے چھڑا کر مدینہ لے جانے کا وعدہ کیا تھا) اور اسے اٹھایا۔ وہ بھاری شخص تھا۔ میں ایک جگہ اذخر پہنچا، اس کی زنجیریں توڑ دیں اور اسے اپنی پیٹھ پر لاد لیا۔ وہ مجھے تھکائے دیتا تھا۔ یہاں تک کہ میں مدینہ پہنچا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوا۔ میں نے عرض کی: یا رسول اللہ! میرا نکاح عناق سے کر دیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے اور مجھے کوئی جواب نہ دیا۔ پھر یہ آیت اتری: ﴿وَ لَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ وَلَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ وَّ لَوْ اَعْجَبَتْكُمْ﴾ [البقرۃ ۲:۲۲۱] اور (مومنو!) مشرکہ عورتوں سے جب تک وہ ایمان نہ لائیں نکاح نہ کرنا، کیونکہ مشرکہ عورت خواہ تمہیں کیسی ہی بھلی لگے اس سے مومن لونڈی بہتر ہے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے فرمایا: اس عورت سے نکاح نہ کرو۔ صحیح الترمذی، کتاب تفسیر القرآن عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، باب ومن سورۃ النور

۱۔ البقرۃ ۲:۲۲۱

۲۔ سنن النسائی، کتاب البیوع، باب بیع الطعام قبل أن یستوفی

۳۔ البقرۃ ۲:۲۲۰

کی اصلاح بہت اچھا کام ہے اور اگر تم انہیں (کاروبار میں) اپنے ساتھ شامل کرنا چاہتے ہو تو وہ تمہارے بھائی ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ ہم نے حضرت مقدادؓ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجا۔ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ اگر کسی شخص کی مذی (۱) نکلے تو وہ کیا کرے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

تَوَضَّأْ وَانْضَحْ فَرْجَكَ (۲)

وضو کرلو اور اپنی شرمگاہ کو دھولو

۳۔ کسی واقعہ یا سوال کے بغیر قانون سازی

ایسا بھی ہوا کہ کسی واقعہ یا سوال کے بغیر ہی اللہ تعالیٰ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے کوئی حکم دے دیا گیا۔ مثلاً قصاص کے بارے میں قرآنی حکم نازل ہوا:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِی الْقَتْلٰی (۳)

اے ایمان لانے والو! تمہیں مقتولوں کے بارے میں قصاص (یعنی خون کے بدلے خون) کا حکم دیا جاتا ہے۔

طلاق کے بارے میں یہ حکم اترا:

اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ (۴)

طلاق دو بار ہے۔

وارث کے حق میں وصیت کرنا، بچے کے نسب اور زانی کی سزا کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم دیا ہے:

لَا تَجُوْزُ وَصِيَّةٌ لِوَارِثٍ، وَ الْوَلَدُ لِلْفِرَاشِ وَ لِلْعَاهِرِ الْحَجَرُ (۵)

وارث کے لیے وصیت جائز نہیں ہے، اور بچہ اس کا ہے جس کے بستر پر پیدا ہوا، اور زانی کے لیے پتھر ہیں۔

۱۔ مذی سفیدی مائل پتلی رطوبت ہے جو حصول لذت کے وقت خارج ہوتی ہے۔

۲۔ صحیح مسلم، کتاب الحیض، باب المذی

۳۔ البقرۃ ۲:۱۷۸

۴۔ البقرۃ ۲:۲۲۹

۵۔ ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ ۴/۲۵۲

حیاتِ نبوی میں شرعی احکام کی معرفت کا واحد ذریعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی تھی۔ حضرات صحابہ کرامؓ مسئلہ کا شرعی حکم جاننے کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رجوع کیا کرتے تھے اور آپ ہی کے ذریعے انہیں مسئلہ کے بارے میں حکمِ الٰہی یا حکمِ نبوی ملتا تھا۔ غیر منصوص مسائل یعنی ایسے مسائل جن کے متعلق قرآن اور سنّت میں نص موجود نہ ہو، ان کا شرعی حکم تلاش کرنے کا اختیار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی ہی میں صحابہ کرامؓ کو تفویض کر دیا تھا۔ انہوں نے غیر منصوص مسائل میں اجتہاد سے کام لیا۔ یوں اُمت مسلمہ میں قانون سازی کا اختیار سب سے پہلے صحابہ کرامؓ کے سپرد ہوا۔

حیاتِ نبوی کے بعد قانون سازی کا اصولِ اجتہاد

دین اسلام کا خمیر اُن ابدی اصولوں پر اٹھایا گیا ہے جو ہر زمان و مکان میں انسان کے لیے راہِ ہدایت اور باعثِ فلاح و نجات ہیں، اس عارضی دنیا میں بھی اور آخرت کی ابدی زندگی میں بھی۔ اسلام کے مزاج میں ٹھہراؤ اور جمود نہیں ہے۔ وہ حیاتِ انسانی کے بارے میں تنگ نظری کا رویّہ نہیں اپناتا۔ وہ انسانی زندگی کے لیے مفید اور مثبت گوشوں کو پھلتا پھولتا ہوا دیکھنا چاہتا ہے۔ وہ انسانی ترقی میں حائل رکاوٹوں کو دُور کرتا اور متبادل آسانیاں اور سہولتیں مہیا کرتا ہے۔ ایسے انسانی حوادث و مسائل جن کے بارے میں شریعتِ اسلامی کے دونوں بنیادی مآخذ قرآن مجید اور سنّتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں کوئی صریح حکم نہیں ملتا، انہیں حل کرنے کے لیے اسلام ایک طریقہ فراہم کرتا ہے جو اجتہاد کہلاتا ہے۔

اجتہاد کی تعریف

اجتہاد عربی زبان کے لفظ جھد سے ماخوذ ہے جس کا معنی ہے کسی کام کی انجام دہی میں ایسی انتہائی کوشش اور طاقت صرف کرنا جس میں محنت اور مشقت برداشت کرنی پڑے (۱)۔ اگر کسی کوشش میں محنت اور مشقت نہ پائی جائے تو وہ اجتہاد نہیں ہے۔ اگر ایک شخص نے ایک سو کلوگرام وزنی پتھر اٹھایا تو اس نے جدوجہد اور انتہائی کوشش کی جبکہ ایک ہزار گرام وزن اٹھانے کو انتہائی مشقت نہیں کہا جائے گا۔

علمائے اصولِ فقہ نے اجتہاد کی جو اصطلاحی تعریفیں کی ہیں ان کی روشنی میں یہ واضح ہوتا ہے کہ اجتہاد ایک مجتہد کی اس انتہائی کوشش کا نام ہے جو فقہِ اسلامی کے تفصیلی دلائل یعنی مآخذ سے بذریعہ استنباط کسی شرعی عملی حکم کے حصول میں کی جائے (۲)۔

۱۔ المستصفی من علم الأصول ۲/۳۵۰۔ الإحکام فی أصول الأحکام ۴/۳۹۶

۲۔ التلویح بھامش التوضیح ۲/۱۷۱۔ المستصفی من علم الأصول ۲/۳۵۰۔ الإحکام فی أصول الأحکام ۴/۳۹۶۔ کشف الأسرار علی أصول فخر الإسلام البزدوی ۴/۱۴ (صدف پبلشرز)

اس ضمن میں چند اہم نکات مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ اجتہاد کے لیے ضروری ہے کہ اس میں اپنی حد تک انتہائی کوشش اور طاقت صرف کی جائے۔ کسی نئے مسئلہ کا شرعی حکم معلوم کرنے میں اتنی زیادہ کوشش کی جائے کہ غالب گمان حاصل ہو جائے کہ نئے مسئلہ کا جو حکم اخذ کیا گیا ہے وہی شریعت کا مقصد ومنشا ہے۔ اگر اس کوشش اور طاقت کے استعمال میں مجتہد کی طرف سے کوئی کمی رہ گئی تو وہ اجتہاد نہیں ہے۔ امام غزالیؒ فرماتے ہیں: اجتہاد تام یعنی مکمل اجتہاد یہ ہے کہ مجتہد شرعی احکام کے علم کی طلب میں اس حد تک کوشش کرے کہ خود اسے یہ محسوس ہو کہ اس سے زیادہ کوشش کرنے سے اب وہ عاجز ہے(۱)۔

۲۔ کسی حکم شرعی کی طلب میں وہی کوشش اجتہاد کہلاتی ہے جو اجتہاد کی صلاحیت رکھنے والے سے صادر ہو۔ غیر مجتہد شخص کسی شرعی حکم کو جاننے کے لیے کتنی ہی انتہائی کوشش کرے، اجتہاد نہیں ہے۔

۳۔ اجتہاد استنباط کے طریقہ سے ہونا چاہیے، یعنی شرعی حکم کا علم غور وفکر اور دلائل سے حاصل ہو۔ ہر وہ کوشش جو قرآن وسنت کی نصوص کے ظاہر سے احکام اخذ کرنے، مفتی سے ان کا علم حاصل کرنے، علمی کتب کے مطالعہ یا کسی علم وفن سے متعلق مسائل کے یاد کرنے سے اس علم کو حاصل کرنے کے لیے کی جائے، اجتہاد نہیں کہلاتی ہے۔ اگرچہ یہ کوشش لغوی طور پر اجتہاد ہے لیکن اصطلاح میں یہ اجتہاد کی تعریف سے خارج ہے۔

۴۔ اجتہادی کوشش کسی شرعی حکم کے ادراک میں ہونی چاہیے۔ کسی ایسے حکم کی جستجو جس کا تعلق لغت اور طبعی علوم وغیرہ سے ہو، اجتہاد نہیں کہلاتا خواہ وہ کوشش کتنی ہی محنت اور مشقت والی ہو۔

۵۔ اجتہاد شریعت کے عملی احکام میں ہوتا ہے۔ عقلی، لغوی اور حسی احکام معلوم کرنے کی کوشش اجتہاد نہیں کہلاتی۔ اسی طرح کسی شرعی علمی حکم مثلاً عقائد وغیرہ کے حکم کے ادراک کی کوشش کرنے والا بھی مجتہد نہیں ہے، اگرچہ متکلمین کے ہاں ایسی کوشش اجتہاد ہے(۲)۔

۶۔ اس کوشش کا تعلق شریعت کے ان احکام سے ہونا چاہیے جو ظنیات کے دائرہ میں آتے ہیں۔ جو احکام قطعی ہیں ان کو جاننے کی کوشش کرنے کو اجتہاد کا نام نہیں دیا جاتا۔

شرائطِ اجتہاد

اجتہاد کسی خاص طبقہ سے مخصوص نہیں ہے۔ اجتہاد کا مجاز ہر وہ شخص ہے جو اس کی صلاحیت رکھتا اور ان شرائط کو پورا کرتا ہے جو اس کی صلاحیت کے لیے ناگزیر ہیں۔ جو اجتہاد کرتا ہے وہ مجتہد ہے۔ ایک عورت بھی مجتہدہ ہو سکتی ہے۔ علمائے اصولِ فقہ نے اپنی کتب میں اجتہاد سے متعلق بعض شرائط کا ذکر کیا ہے جن کا ایک مجتہد میں پایا جانا

۱۔ المستصفی من علم الأصول ۲/۳۵۰

۲۔ البحر المحیط ۸/۲۲۷

ضروری ہے۔ مثلاً قرآن مجید کا علم، سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا علم، اجماع سے واقفیت، علمِ اصولِ فقہ سے آگاہی، فقہی احکام کا علم، عربی زبان کا علم، فقہی اختلافات کو تطبیق دینے کی صلاحیت، مقاصدِ شریعت سے واقفیت، فقہی اصول وکلیات کا علم، بنیادی عقائد کا علم، عدالت اور ذوقِ اجتہاد وغیرہ (۱)۔

ان شرائط میں سے کوئی ایک شرط بھی غیر اہم اور غیر عقلی نہیں ہے۔ استنباطِ احکام جیسے اہم کام کے لیے ایک مجتہد میں جن صلاحیتوں کا ہونا ضروری ہے یہ شرائط ان کی نشاندہی کرتی ہیں۔ یہ شرائط کسی ایسے فرد یا ادارے کی جانب سے نہیں ہیں جو اجتہاد کے اجازت نامے اور لائسنس جاری کرنے کا مجاز ہے۔ ان شرائط کے پیچھے کوئی ایسا ادارہ بھی نہیں ہے جس کے پاس ان پر عمل درآمد کے لیے قوتِ نافذہ ہو، جو ان شرائط کی خلاف ورزی کرنے والے کو سزا دیتا اور اس کے اجتہاد کو باطل قرار دیتا ہو۔ ان شرائط کے پیچھے اصل قوت اُمتِ مسلمہ ہے۔ اگر کوئی شخص ان شرائط کو ناممکن العمل یا غیر ضروری سمجھتا ہے تو وہ بصد شوق اجتہاد فرمائے۔ وہ اپنے اجتہاد کو اُمتِ مسلمہ کے سامنے لائے۔ اگر اسے اُمت درست سمجھتی ہے تو سندِ قبولیت دے دے گی، ورنہ ایسا اجتہاد اُمت میں رواج ہی نہیں پا سکے گا۔ ان شرائط کے پیچھے بس یہی اُمتِ مسلمہ کی قوتِ نافذہ ہے۔

یہ شرائط ایک مجتہد کی لازمی صلاحیتوں کا علم دیتی ہیں۔ یہ بات اہم ہے کہ اجتہادی صلاحیت ایک وہبی چیز ہے کسبی نہیں ہے کہ کوئی شخص محنت کرکے اسے حاصل کرلے۔ اس حوالے سے قاری محمد طیبؒ لکھتے ہیں کہ اجتہادی ملکہ ایک عطائے الٰہی ہے جو خاص خاص افرادِ اُمت کو عطا ہوتا ہے بعینہٖ اس طرح جیسے رسالت ونبوت کوئی فن نہیں ہے کہ جس کا جی چاہے محنت کرکے نبی بن جائے (۲)۔

اجتہاد کا دائرہ کار

مجتہدینِ اُمت کا حق قانون سازی محدود ہے۔ شریعت کے تمام قطعی احکام دائرہ اجتہاد سے باہر ہیں۔ منصوص یعنی وہ تمام احکام جن کے متعلق قرآن مجید یا سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی صریح اور قطعی نص موجود ہے ان میں اجتہاد نہیں ہوسکتا، جیسے نماز اور روزہ کی فرضیت اور زنا اور چوری کی حرمت کے احکام۔

اسلامی قانون کا ایک قاعدہ اصولیہ (لیگل میگزم) ہے:

لَا مَسَاغَ لِلْاِجْتِهَادِ فِي مَوْرِدِ النَّصِّ

جہاں نص موجود ہے وہاں اجتہاد کی گنجائش نہیں ہے۔

۱۔ الإحکام في أصول الأحکام ۳۹۷/۴ومابعد۔ المستصفی من علم الأصول ۳۵۰/۲۔ ارشاد الفحول ص ۴۱۹۔ أصول الجصاص ۳۶۷/۲۔ الموافقات في أصول الشریعة ۱۰۵/۴۔ کشف الأسرار علی أصول فخر الإسلام البزدوي (صدف پبلشرز) ۱۵/۴۔ التلویح ۱۷۱/۲۔ البحر المحیط ۲۲۹/۸

۲۔ اجتہاد اور تقلید ص ۳

اسی طرح اگر کوئی اجتہاد صریح نص سے ثابت کسی حکم کے خلاف ہے تو اس اجتہاد کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔

ایک اور قاعدہ اصولیہ ہے:

الإِجْتِهَادُ لَا يُعَارِضُ النَّصَّ

اجتہاد صریح نص کے خلاف نہیں ہوتا۔

البتہ ظنیات میں اجتہاد ہوگا۔ وہ احکام جن کی دلیل تو موجود ہے مگر وہ قطعی نہیں بلکہ ظنی ہے، ان میں اجتہاد سے کام لیا جائے گا۔ مثلاً زنا کی سزا سو کوڑے قطعی طور پر ثابت ہے۔ اس تعداد میں کمی بیشی نہیں ہو سکتی۔ لیکن کوڑے کی ساخت و نوعیت وغیرہ میں اجتہاد کیا جا سکتا ہے۔ یہ بات اہم ہے کہ نہ تو قطعی احکام کو ظنی احکام میں تبدیل کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی اجتہاد کر کے ظنی احکام کو قطعی احکام کی شکل دی جا سکتی ہے۔

اجتہاد میں غلطی

اگرچہ ظنی مسائل میں اہل حق علماء کا یہ اختلاف ہے کہ آیا ہر مجتہد مصیب و درست ہے یا صرف ایک لیکن اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ ظنیات میں غلطی کرنے والا گناہ گار نہیں بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اجر و ثواب کا مستحق ہے۔ اسلام میں اگر درست اجتہاد کرنے والے کو اجر سے نوازا گیا ہے تو مخطی مجتہد کو بھی اجر سے محروم نہیں رکھا گیا۔ غیر منصوص مسائل پر اجتہاد میں مقصود گمان اور ظن کا حصول ہوتا ہے۔ مصیب مجتہد اور مخطی مجتہد دونوں کے لیے اجر کی نوید ہے، البتہ ان کے اجور میں فرق ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرو بن العاصؓ کو دو افراد کے درمیان جھگڑے کا فیصلہ کرنے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا تھا:

إِنِ اجْتَهَدْتَ فَأَصَبْتَ لَكَ عَشَرَةُ أُجُورٍ وَإِنِ اجْتَهَدْتَ فَأَخْطَأْتَ فَلَكَ أَجْرٌ وَاحِدٌ (۱)

اگر تم نے اجتہاد کیا اور درست کیا تو تمہیں دس اجر ملیں گے، اور اگر تم نے اجتہاد کیا اور غلطی کی تو تمہیں ایک اجر ملے گا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دوسرے واقعہ میں حضرت عقبہ بن عامرؓ سے یہی فرمایا تھا۔ حضرت عقبہ بن عامرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس دو آدمی جھگڑتے ہوئے آئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے فرمایا: قُمْ يَا عُقْبَةَ اقْضِ بَيْنَهُمَا، اے عقبہ! اٹھو، ان دونوں کے درمیان فیصلہ کر دو۔ میں نے عرض کی: یا رسول اللہ! آپ مجھ سے زیادہ اس کے لائق ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

وَإِنْ كَانَ اقْضِ بَيْنَهُمَا فَإِنِ اجْتَهَدْتَ فَأَصَبْتَ فَلَكَ عَشَرَةُ أُجُورٍ [illegible]

۱۔ سنن الدارقطني، كتاب في الأقضية و الأحكام

اجْتَهَدْتَ فَاَخْطَاْتَ فَلَكَ اَجْرٌ وَاحِدٌ (۱)

اس کے باوجود تم ان دونوں کے درمیان فیصلہ کرو۔ اگر تم نے اجتہاد کیا اور تم اپنے اجتہاد میں درست رہے تو تمہارے لیے دس اجر ہیں، اور اگر تم نے اجتہاد کیا اور تم نے اپنے اجتہاد میں غلطی کی تو تمہارے لیے ایک اجر ہے۔

حضرت عمرو بن العاصؓ سے مروی ایک اور حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اِذَا حَكَمَ الْحَاكِمُ فَاجْتَهَدَ فَاَصَابَ فَلَهُ اَجْرَانِ وَ اِذَا حَكَمَ فَاجْتَهَدَ ثُمَّ اَخْطَاَ فَلَهُ اَجْرٌ (۲)

جب حاکم نے فیصلہ کرنے کے لیے اجتہاد کیا اور وہ درست رہا تو اس کے لیے دو اجر ہیں اور جب اس نے فیصلہ کرنے کے لیے اجتہاد کیا اور غلطی کی تو اس کے لیے ایک اجر ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اِذَا قَضَى الْقَاضِي فَاجْتَهَدَ فَاَصَابَ كَانَتْ لَهُ عَشْرَةُ اُجُوْرٍ وَ اِذَا قَضَى فَاجْتَهَدَ فَاَخْطَاَ كَانَ لَهُ اَجْرَانِ (۳)

جب قاضی نے فیصلہ کیا پھر اجتہاد کیا پھر اس کا اجتہاد درست ہوا تو اس کے لیے دس اجر ہیں، اور جب اس نے فیصلہ کیا پھر اجتہاد کیا پھر اجتہاد میں غلطی کی تو اس کے لیے دو اجر ہیں۔

اجتہاد ہی وہ طریقہ ہے جس سے نئے مسائل کا حل تجویز کیا جاتا ہے۔ اجتہاد دنیوی مسائل کا حل تلاش کرنے کا ہی نام نہیں ہے بلکہ یہ ایک طریقۂ عبادت بھی ہے کیونکہ اس پر اجر وثواب ہے۔ اُمتِ مسلمہ اجتہاد کے جواز پر ہمیشہ متفق رہی ہے۔ کسی دور میں بھی اس کی مخالفت نہیں کی گئی۔ مسلمانوں میں اجتہاد کا دروازہ نہ کبھی بند ہوا، نہ آج بند ہے اور نہ آئندہ بند ہوگا۔

الغرض، اجتہاد کی صورت میں محدود قانون سازی کا اختیار سب سے پہلے صحابہ کرامؓ کو تفویض ہوا تھا۔ اسلامی سلطنت کی جغرافیائی وسعت اور اُمتِ مسلمہ میں عددی اضافہ کے ساتھ نئے واقعات و مسائل نے ظہور کیا۔ ان میں متعدد مسائل ایسے تھے جن کے بارے میں قرآن وسنت سے براہِ راست رہنمائی نہیں ملتی تھی۔ ایسے مسائل کا شرعی حکم جاننے کے لیے لوگ صحابہ کرامؓ کی طرف رجوع کرتے اور ان کے بتائے ہوئے حکم پر عمل کرتے تھے۔ یوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد امورِ قانون سازی انجام دینے کی ذمہ داری براہِ راست صحابہ کرامؓ پر آن پڑی۔

۱۔ سنن الدارقطني، كتاب في الأقضية و الأحكام

۲۔ صحيح البخاري، كتاب الإعتصام بالكتاب و السنّة، باب أجر الحاكم إذا إجتهد أو أخطأ

۳۔ سنن الدارقطني، كتاب في الأقضية و الأحكام و غير ذلك

حیاتِ نبوی میں اجتہاد کی اجازت

ایک اصولی بحث

اس بات پر اتفاق ہے کہ رحلتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اجتہاد جائز ہے (۱)۔ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مبارکہ میں اجتہادِ صحابہؓ کے جواز یا عدم جواز پر علمائے اصولِ فقہ کا اختلاف ہے۔

عدم جواز کے قائلین

اصولیین کا ایک قلیل گروہ حیاتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں اجتہادِ صحابہؓ کی مطلق ممانعت کا قائل ہے۔ ان میں ابو علی جبائیؒ اور ابو ہاشم جبائیؒ وغیرہ شامل ہیں۔ ان کی رائے میں حیاتِ نبوی میں صحابہ کرامؓ، خواہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھے یا آپ سے دُور، کسی کو بھی اجتہاد کی اجازت نہیں تھی (۲)۔ ان علمائے اصول کے اہم دلائل مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ حیاتِ نبوی میں ایک مجتہد کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی مسئلہ کا حکم دریافت کرنا ممکن تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رجوع کیے بغیر اور آپ سے دور اجتہاد کرنا جائز نہیں ہے۔

۲۔ اجتہاد کا حکم غالب گمان پر ہوتا ہے، جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملنے والا حکم وحی پر مبنی اور قطعی ہے۔ وحی اور قطعی علم سے انحراف کر کے گمان اور ظن کی طرف رجوع جائز نہیں ہے۔ ایسا کرنا نص اور اجماع کو چھوڑ کر قیاس سے کام لینا اور قوی ترین کو چھوڑ کر کمزور ترین کی طرف جانے کے مترادف ہے، یہ درست نہیں ہے۔

۳۔ اجتہاد میں غلطی کا امکان ہے، جبکہ نص یعنی قرآن مجید اور سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملنے والا حکم

۱۔ آمدی، الإحکام فی أصول الأحکام ۴/۲۰۷۔ نهایة الوصول ۸/۳۸۱۶۔ شرح تنقیح الفصول ص ۱۹۳

۲۔ المعتمد فی أصول الفقه ۲/۲۴۳۔ المستصفی (مع فواتح الرحموت) ۲/۳۵۴۔ الواضح فی أصول الفقه ۵/۳۹۱۔ البرهان فی أصول الفقه ۲/۱۳۵۶۔ التبصرة ص ۵۱۹۔ فواتح الرحموت ۲/۳۷۴۔ حصول المامول ص ۱۶۰۔ البحر المحیط فی أصول الفقه (دار الکتبی) ۸/۲۵۵۔ ارشاد الفحول ص ۴۳۹۔ آمدی، الإحکام فی أصول الأحکام ۴/۲۰۷۔ شرح مختصر الروضة ۳/۵۸۹

مبنی بروحی، قطعی اور غلطی سے محفوظ ہے۔ حیاتِ نبوی میں ایک شخص نص سے حکم معلوم کرنے پر قادر ہوتا ہے۔ محفوظ راستہ پر چلنے کی قدرت رکھنے کے باوجود پُرخوف راستہ پر چلنا عقلاً قبیح ہے اور قبیح کو عقل ناجائز قرار دیتی ہے۔

۴۔ صحابہ کرامؓ مسائل کا حکم شرعی معلوم کرنے کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رجوع کیا کرتے تھے۔ اگر اجتہاد کی اجازت ہوتی تو وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رجوع نہ کرتے اور ان کے اجتہادات نقل ہوتے، جیسا کہ حیاتِ نبوی کے بعد والے اجتہاداتِ صحابہؓ ہم تک پہنچے ہیں۔

۵۔ حیاتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں اجتہادات واقع ہونے کے دلائل اخبارِ آحاد(۱) ہیں اور اخبارِ آحاد قطعی مسائل میں حجت نہیں ہیں۔ مثال کے طور پر حضرت معاذ بن جبلؓ کی روایت (۲) خبرِ واحد ہے۔

۶۔ اگر خبر واحد کو حجت تسلیم کر لیا جائے تو یہ صرف اس کے لیے حجت ہے جس کے حق میں وارد ہوئی ہے۔ خبر واحد کی حیثیت میں عموم نہیں ہے۔

جواز کے قائلین

جمہور علمائے اصول کے نزدیک حیاتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں صحابہ کرامؓ کو اجتہاد کی اجازت تھی۔ اس عہد میں صحابہؓ کے اجتہادات وقوع پذیر بھی ہوئے تھے۔ البتہ یہ علماء اس مسئلہ کی تفصیل میں اختلاف رکھتے ہیں:

پہلی رائے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دُور موجود صحابہ کرامؓ کو اجتہاد کی اجازت تھی لیکن آپ کے پاس رہنے والے صحابہؓ کو اجتہاد کی اجازت نہیں تھی (۳)۔ یہ رائے شافعی اصولیین ابن الصباغؒ اور امام غزالیؒ کی ہے اور امام

۱۔ اخبارِ آحاد جمع ہے خبر واحد کی۔ لغوی طور پر خبر واحد سے مراد وہ خبر ہے جسے ایک راوی نے ایک شخص ہی سے روایت کیا ہو۔ اصولیین کی اصطلاح میں یہ وہ خبر ہے جو تواتر کی حد کو نہ پہنچی ہو۔ الإبهاج ۲/۲۹۹، اور جس میں تواتر کی شرائط نہ پائی جائیں۔ تیسیر مصطلح الحدیث ص ۲۱۔ تواتر کی تعریف یہ ہے: جسے لوگوں کی اتنی کثیر تعداد نے روایت کیا ہو کہ ان کا کسی جھوٹ پر اتفاق کر لینا ممکن نہ ہو۔ تیسیر مصطلح الحدیث ص ۱۸

جمہور اصولیین کے نزدیک خبر واحد پر عمل واجب ہے۔ عہدِ رسالت میں اس پر عمل ہوتا تھا۔ صحابہ کرامؓ خبر واحد پر عمل کیا کرتے تھے۔ خبر واحد پر عمل پر صحابہ کرامؓ کا اجماع ہے۔ عبدالعزیز بخاری، کشف الأسرار ۲/۵۳۸، ۵۴۱، ۵۴۴۔ الإبهاج ۲/۳۰۰۔ ارشاد الفحول ص ۹۳، ۹۴۔ ابن حزم، الإحكام في أصول الأحكام ۱/۱۱۹۔ الوصول إلى الأصول ۲/۱۷۵۔ الإبهاج ۲/۳۰۶

۲۔ یہ حدیث اگلے صفحہ پر آرہی ہے۔

۳۔ المنخول ص ۴۶۸۔ المعتمد في أصول الفقه ۲/۲۱۲۔ البرهان في أصول الفقه ۲/۱۳۵۶۔ حصول المامول ص ۱۲۰۔ الوصول إلى الأصول ۲/۳۷۹۔ شرح مختصر الروضة ۳/۵۸۹۔ نهاية الوصول ۸/۳۸۱۶۔ آمدی، الإحكام في أصول الأحكام ۴/۴۰۷۔ ارشاد الفحول ص ۴۲۹۔ المستصفی (مع فواتح الرحموت) ۲/۳۵۴۔ البحر المحيط في أصول الفقه ۶/۲۲۰

جوینیؒ بھی اسی طرف میلان رکھتے ہیں۔ ان علماء کے اہم دلائل مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دور ایک مجتہد صحابی کے لیے آپ سے کسی مسئلہ میں قطعی اور یقینی علم کا حصول مشکل تھا۔ اگر دور مجتہد کو اجتہاد کی اجازت نہ ہوتی اور وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات تک مسئلہ کا حکم معلوم کرنا مؤخر کر دیتا تو اس سے کئی انسانی مصلحتوں کا نقصان ہوتا۔

۲۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دور صحابہ کرامؓ کے اجتہادات کے جواز پر حضرت معاذ بن جبلؓ کا واقعہ بطور دلیل موجود ہے جو حضرت معاذؓ کے بعض اصحاب سے روایت کیا گیا ہے:

أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ لَمَّا أَرَادَ أَنْ يَبْعَثَ مُعَاذًا إِلَى الْيَمَنِ قَالَ: كَيْفَ تَقْضِي إِذَا عَرَضَ لَكَ قَضَاءٌ؟ قَالَ: أَقْضِي بِكِتَابِ اللّٰهِ۔ قَالَ: فَإِنْ لَمْ تَجِدْ فِي كِتَابِ اللّٰهِ؟ قَالَ: فَبِسُنَّةِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ قَالَ: فَإِنْ لَمْ تَجِدْ فِي سُنَّةِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ وَ لَا فِي كِتَابِ اللّٰهِ؟ قَالَ أَجْتَهِدُ رَأْيِي وَ لَا آلُو۔ فَضَرَبَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ صَدْرَهُ وَ قَالَ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي وَفَّقَ رَسُولَ رَسُولِ اللّٰهِ لِمَا يُرْضِي رَسُولَ اللّٰهِ (۱)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت معاذؓ کو یمن کی طرف قاضی بنا کر بھیجنے کا ارادہ فرمایا تو آپ نے پوچھا: جب تمہارے سامنے مقدمہ پیش ہو تو کیسے فیصلہ کرو گے؟ حضرت معاذؓ نے عرض کی: میں کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ کروں گا۔ فرمایا: اگر کتاب اللہ میں نہ پاؤ؟ حضرت معاذؓ نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے مطابق فیصلہ کروں گا۔ فرمایا: اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت میں نہ پاؤ اور نہ ہی کتاب اللہ میں پاؤ؟ کہا: میں اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا اور اس میں کوئی کوتاہی نہیں کروں گا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سینے پر تھپکی دی اور فرمایا: سب تعریف اللہ کے لیے ہے جس نے رسول اللہ کے قاصد کو اس چیز کی توفیق دی جس سے اللہ کے رسول راضی ہیں۔

۱۔ صحيح الترمذي، كتاب الأحكام، باب ماجاء في القاضي يصيب و يخطئ

اس حدیث پر علماء نے کلام کیا ہے۔ امام ترمذیؒ نے لکھا ہے کہ ہم اس حدیث کو نہیں جانتے مگر اسی سند سے۔ اس کی اسناد متصل نہیں ہیں۔ جامع ترمذی، أبواب الأحكام، باب ما جاء في القاضي كيف يقضي۔ امام ابن حزمؒ کے مطابق یہ حدیث ساقط ہے، اس کے راویوں میں حارث بن عمرو مجہول ہے۔ لہٰذا اس حدیث سے دلیل لینا درست نہیں ہے۔ ابن حزم: الإحكام في أصول الأحكام ۶/ ۳۵

ابوالحسین بصریؒ کہتے ہیں کہ امت نے یہ حدیث قبول کی ہے۔ المعتمد في أصول الفقه ۲/ ۲۱۳۔

بقیہ اگلے صفحہ پر ......

۳۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں جوازِ اجتہاد پر کوئی دلیل نہیں ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرو بن العاصؓ کو بعض مقدمات میں فیصلہ کرنے کا حکم دیا تھا(۱) اور حضرت عقبہ بن عامرؓ کو بھی ایک مقدمہ کا فیصلہ کرنے کا حکم فرمایا تھا(۲)، تو اس بارے میں امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ حدیثِ حضرت معاذؓ مشہور روایت ہے، اُمت نے اسے قبول کیا ہے جبکہ دوسری روایات آخبارِ آحاد ہیں جو ثابت نہیں ہیں۔ اگر وہ ثابت ہوں بھی تو اس بات کا احتمال ہے کہ یہ اِن دونوں صحابہؓ کے لیے خاص ہیں یا کسی معیّن واقعہ کے لیے ہیں (۳)۔

کتنا فاصلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دُوری شمار کیا جائے؟ اس بارے میں امام غزالیؒ لکھتے ہیں: جو صحابی ایک فرسخ (۴) اور اس سے زیادہ فاصلہ پر ہوتا، وہ اجتہاد سے کام لیتا تھا(۵)۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دُور صحابہؓ کے لیے اجتہاد کے جواز میں بھی دو آراء ہیں۔ بعض اسے مطلق جائز قرار دیتے ہیں، جبکہ دوسروں کے نزدیک حیاتِ نبوی میں صرف ان غائبین کو اجتہاد کی اجازت تھی جنہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قاضی یا حکمران بنا کر دوسرے علاقوں کی طرف بھیجا تھا۔

دوسری رائے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں اُس صحابی کو اجتہاد کی اجازت تھی جسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے

گزشتہ سے پیوستہ .... امام غزالیؒ نے لکھا ہے: اس حدیث کو اُمت نے قبول کیا ہے اور کسی نے اس حدیث پر اعتراض اور اس کا انکار نہیں کیا۔ جو حدیث ایسی ہو جس میں کوئی طعن نہ ہو اور کوئی اس کا انکار نہ کرے تو اس حدیث کے مُرسَل ہونے میں کوئی قباحت نہیں ہے بلکہ اس کی اسناد پر بحث نہیں کی جائے گی۔ المستصفٰی ص ۲۹۳

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے بھی حدیثِ معاذؓ کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ ائمہ اجتہاد نے اس حدیث کو قبول کیا ہے۔ تلخیص الحبیر ۴/۱۸۳

حافظ ابن قیمؒ کہتے ہیں: اس حدیث کی سند میں ایک راوی حارث بن عمرو ہے جو اصحابِ حضرت معاذ بن جبلؓ میں سے کئی لوگوں سے نقل کرتا ہے لیکن ان کا نام نہیں لیتا۔ یہ شہرت میں اور زیادہ ہے بہ نسبت اس کے کہ کسی ایک کا نام لیتا۔ حضرت معاذ بن جبلؓ کے اصحاب کی شہرتِ علم و دین اور فضل وصدق خوب ظاہر ہے۔ ان کے اصحاب میں سے کسی پر بھی جھوٹ کا الزام نہیں لگا ہے۔ کسی پر جرح نہیں کی گئی ہے۔ وہ سب بہترین مسلمان تھے اور اہلِ علم کو اس بات میں کوئی شک نہیں ہے۔ اس سے نیچے کے راوی شعبہؒ (شعبہ بن حجاج، امیر المومنین فی الحدیث، م۱۶۰ھ) ہیں اور بعض ائمہ حدیث کا قول ہے کہ جس حدیث کے سند میں شعبہؒ ہوں، اسے دونوں ہاتھوں سے تھام لو۔ اعلام المؤقعین ۱/۲۰۲

۱۔ مسند أحمد بن حنبل ۴/۲۰۵۔ سنن الدارقطني، کتاب في الأقضية والأحکام ۴/۲۰۳

۲۔ سنن الدارقطني، کتاب الأقضية والأحکام ۴/۲۰۳

۳۔ المستصفٰی (وبذیله فواتح الرحموت) ۲/۳۵۵

۴۔ ایک فرسخ تین میل کے برابر ہے۔ الإفصاح في فقه اللغة، مادہ: ر س خ، ۲/۱۲۵۲۔ تین میل تقریباً ۴٫۸۲۸۰۳ کلو میٹر کے برابر ہیں۔

۵۔ المنخول من تعلیقات الأصول ص ۴۶۸

ایسا کرنے کا حکم دیا تھا(۱)، جیسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد بن معاذؓ کو بنوقریظہ کے محصورین کا فیصلہ کرنے کا حکم دیا تھا (۲)۔ البتہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابی کا اجتہاد برقرار رکھا تو ایسا اجتہاد جائز ہے، جیسے کافر مقتول کا سامان اسے قتل کرنے والے مسلمان سپاہی کو ملنے کے بارے میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کا اجتہاد (۳)۔

جرجانیؒ کا موقف ہے کہ اذنِ نبوی سے اجتہاد جائز ہے، اس کے بغیر جائز نہیں ہے(۴)۔

ابوبکر جصاصؒ نے لکھا ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں اجتہاد دو حالتوں میں جائز تھا: ایک یہ کہ جب آپ نے صحابہؓ سے مشورہ طلب فرمایا، جیسے اسیرانِ بدر کا معاملہ۔ دوسری حالت یہ کہ آپ کی موجودگی میں صحابہؓ نے آراء پیش کیں یا اجتہاد سے ماخوذ حکم بتایا۔ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے منظور فرمایا تو ایسا اجتہاد صحیح ہے اور اگر اسے مسترد فرمایا تو وہ اجتہاد باطل ہے۔

جس صورت میں اجتہاد جائز نہیں تھا وہ یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں ایسا اجتہادی حکم مستقل طور پر نافذ کر دیا جائے جس کے بارے میں آپ کی اجازت نہ ہو۔ یہ جائز نہیں ہے۔ کیونکہ ممکن ہے کہ کوئی ایسی نص نازل ہو چکی ہو جس میں حکم موجود ہو یا اس نص کی بنیاد پر حکم سمجھا جا سکتا ہو۔ جب کسی نے اپنے اجتہاد کی بنیاد

۱۔ البحر المحیط فی أصول الفقه ۲۲۰/۶۔ العدة فی أصول الفقه ۱۵۹۰/۸۔ آمدی، الإحکام فی أصول الأحکام ۴۰۷/۴۔ إرشاد الفحول ص ۴۳۰

۲۔ تاریخ الأمم والملوك ۵۶/۳۔ الطبقات الکبریٰ ۴۲۳/۳۔ کتاب الأموال ص ۱۳۰

۳۔ حضرت ابوقتادہؓ سے روایت ہے: ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ حنین کے سال (۸ھ) نکلے۔ جب ہم مقابلے پر آئے تو مسلمانوں میں افراتفری پیدا ہوئی۔ میں نے ایک مسلمان پر ایک مشرک کو غالب آتے دیکھا تو اس کی گردن پر تلوار مار کر اس کی زرہ کاٹ دی۔ اس نے پلٹ کر مجھے اتنے زور سے دبوچا کہ مجھے موت نظر آنے لگی۔ پھر وہ مر گیا اور مجھے چھوڑ دیا۔ میں حضرت عمرؓ سے ملا اور پوچھا کہ لوگوں کو کیا ہو گیا ہے یعنی وہ کیوں منتشر ہوئے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے جواب دیا: اللہ کا حکم ایسا ہی ہے۔ پھر مسلمان پلٹ کر حملہ آور ہوئے۔

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھ گئے اور فرمایا: مَنْ قَتَلَ قَتِيلاً لَهُ عَلَيْهِ بَيِّنَةٌ فَلَهُ سَلَبُهُ ، جس نے کسی کو قتل کیا اور اس کے پاس گواہ بھی ہو تو اسے مقتول کا تمام سامان ملے گا۔ میں نے کہا: میری گواہی کون دے گا؟ میں بیٹھ گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر اسی طرح فرمایا۔ میں کھڑا ہوا اور کہا: میری گواہی کون دے گا؟ اور میں بیٹھ گیا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی طرح فرمایا۔ میں پھر کھڑا ہوا تو آپ نے فرمایا: مَا لَكَ يَا اَبَا قَتَادَةَ ، ابوقتادہ! کیا ہوا؟ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سارا واقعہ بتا دیا۔ ایک شخص نے کہا: یہ سچ کہتا ہے اور اس کے مقتول کا سامان میرے پاس ہے، لیکن آپ میری طرف سے اس مال کو میرے پاس رہنے پر اسے راضی کر لیں۔

اس موقع پر حضرت ابوبکرؓ نے کہا: اللہ تعالیٰ کی قسم! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسا ارادہ نہیں فرمائیں گے کہ اللہ تعالیٰ کے ایک شیر سے جو اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے لڑتا ہے، سامان لے کر تمہیں دے دیں۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: صَدَقَ فَاَعْطِهِ ، اس نے سچ کہا، لہٰذا وہ سامان قتادہ کو دے دو۔ اس نے وہ سامان مجھے دے دیا۔ صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب قوله تعالیٰ: وَ يَوْمَ حُنَيْنٍ

۴۔ العدة فی أصول الفقه ۱۵۹۰/۸

پر کوئی حکم نافذ کر دیا تو یہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے آگے نکلنا ہے(۱)۔

تیسری رائے

اگر کسی صحابی کو اجتہاد سے منع نہیں کیا گیا تو اسے حیاتِ نبوی میں اجتہاد کی اجازت تھی(۲)۔

چوتھی رائے

کسی صحابی کا اجتہاد معلوم ہو جانے کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اس پر سکوت فرمانا اس اجتہاد کی قبولیت کے لیے کافی ہے(۳)۔

پانچویں رائے

اگر اجتہاد احکام میں ہوتا، جیسے کسی چیز کو فرض یا حرام قرار دینا، تو ایسے اجتہاد کی اجازت نہیں تھی۔ اس کے علاوہ دیگر مسائل میں اجتہاد کی اجازت تھی۔ یہ رائے امام ابن حزمؒ کی ہے(۴)۔

چھٹی رائے

اکثر اصولیین کے نزدیک حیاتِ نبوی میں صحابہ کرامؓ کو اجتہاد کی مطلق اجازت تھی، خواہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہوں یا آپ سے دور(۵)۔ البتہ آمدیؒ اور ابن حاجبؒ کے نزدیک اس عہد میں وقوعِ اجتہاد کے متعلق یقینی طور پر نہیں کہا جا سکتا۔ یہ محض گمان ہے کہ صحابہ کرامؓ نے اس عہد میں اجتہاد کیا تھا۔ ان دونوں اصولیین کا قولِ مختار یہی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مبارکہ میں اجتہاد جائز تھا(۶)۔

مطلق جواز کے قائلین کا استدلال درج ذیل ہے۔

۱۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس بات پر مامور کیے گئے تھے کہ آپ اپنے صحابہ کرامؓ کو شریک مشورہ کریں۔ قرآن مجید میں ہے:

۱۔ أصول الجصاص، ۲/۳۷۵ وبابعد

۲۔ آمدی، الإحكام في أصول الأحكام ۴/۴۰۷

۳۔ حوالہ بالا ۴/۴۰۷

۴۔ ابن حزم، الإحكام في أصول الأحكام ۵/۱۳۲

۵۔ آمدی، الإحكام في أصول الأحكام ۴/۴۰۷۔ المعتمد في أصول الفقه ۲/۲۱۲، ۲۲۳۔ الوصول الى الأصول ۲/۳۷۶۔ حصول المأمول ص۱۶۰۔ نهاية الوصول ۸/۳۸۱۶۔ تشنيف المسامع ۲/۲۰۹۔ التبصرة ص ۵۱۹۔ التحصيل من المحصول ۲/۲۸۳۔ شرح مختصر الروضة ۳/۵۸۹۔ الواضح في أصول الفقه ۵/۳۹۱۔ اللمع ص ۱۳۳

۶۔ آمدی، الإحكام في أصول الأحكام ۴/۴۰۷

وَ شَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ (۱)

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے کاموں میں اُن سے مشورہ لیا کریں۔

مشورہ اس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک صحابہ کرامؓ اجتہاد نہ کریں اور اپنی آراء نہ دیں۔

اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عدم موجودگی میں اور آپ سے دُور اجتہاد کی اجازت ہے تو آپ کے پاس ہوتے ہوئے اجتہاد کا جواز بدرجہ اولیٰ ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دُور اور آپ سے غیر حاضری میں اجتہادی غلطی کا معلوم ہو جانا ممکن نہیں ہے، جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں اجتہادی غلطی کی تلافی ممکن ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں اجتہاد کرنا گویا کتاب وسنت سے اجتہاد کرنا ہے۔

۳۔ ایسے متعدد واقعات مروی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس موجود اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دُور دونوں حالتوں میں صحابہؓ نے اجتہادات کیے۔ یہ واقعات اس بات پر دلیل ہیں کہ حیاتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں اجتہاد جائز تھا۔

مثلاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں حضرت ابوبکر صدیقؓ نے کافر مقتول کے سامان کے مسئلہ پر اپنی اجتہادی رائے دی (۲)۔ حضرت سعد بن معاذؓ نے محصورین بنوقریظہ کا فیصلہ کیا (۳)۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دُور اجتہاد کی ایک مثال یہ ہے کہ حضرت عمرؓ کے پاس ایک شخص آیا اور کہا کہ مجھے غسل کی حاجت ہوگئی اور پانی نہ مل سکا۔ حضرت عمارؓ نے حضرت عمرؓ سے کہا: کیا آپ کو یاد نہیں ہم سفر میں تھے اور غسل کی حاجت ہوگئی تھی۔ آپ نے نماز نہ ادا کی مگر میں نے مٹی میں لوٹ کر نماز ادا کر لی۔ پھر میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ واقعہ بیان کیا تو آپ نے فرمایا تھا: إِنَّمَا كَانَ يَكْفِيكَ هٰكَذَا یعنی تجھے صرف یہ کافی تھا، (یہ کہہ کر) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دونوں ہاتھوں کو زمین پر مارا، ان پر پھونک دیا اور پھر ان سے اپنے چہرہ مبارک اور ہاتھوں پر مسح کر لیا (۴)۔ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ لکھتے ہیں: اس حدیث سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ میں اجتہادِ صحابہؓ کا پتہ چلتا ہے (۵)۔

حیاتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں اجتہاداتِ صحابہ کے قائلین نے مخالفین کی طرف سے اٹھائے گئے اعتراضات کے جوابات یوں دیے ہیں:

۱۔ آل عمران ۳: ۱۵۹

۲۔ اس کا حوالہ پیچھے صفحہ ۱۴۳ پر حاشیہ ۲ میں آ چکا ہے۔

۳۔ الطبقات الکبریٰ ۴۲۳/۲۔ تاریخ الامم والملوک ۵۹/۳۔ صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب مرجع النبی صلی اللہ علیہ وسلم من الأحزاب ۵۹۱/۲

۴۔ صحیح البخاری، کتاب التیمم، باب ھل ینفخ فی یدیہ بعد ما یضرب ۴۸/۱۔ صحیح مسلم، کتاب الحیض، باب التیمم ۲۸۰/۱، ۲۸۱

۵۔ فتح الباری ۳۷۶/۱

۱۔ یہ اعتراض کہ قطعی علم کی طرف رجوع کا امکان ہوتے ہوئے غالب گمان سے اجتہاد جائز نہیں، اس کا جواب یہ ہے کہ قطعی علم کی طرف رجوع کا امکان غالب گمان سے اجتہاد سے منع نہیں کرتا، جیسے خبرِ واحد پر عمل جائز ہے اگر چہ خبرِ جماعت کی طرف رجوع ممکن ہو۔ یہ اسی طرح جائز ہے جیسے کوئی شخص اس چیز کی بنیاد پر فیصلہ کرے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اس کے پاس پہلے سے پہنچ گئی ہو، اگر چہ اس کے لیے ممکن ہو کہ وہ قولِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رجوع کرے۔ لہٰذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں اجتہاد ایسا ہے گویا وہ علم کی بنیاد پر حکم دے رہا ہے، کیونکہ غلطی کی صورت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسے اجتہاد سے روک دیں گے۔ پس لازم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں اجتہاد جائز ہو(۱)۔

۲۔ یہ بات کہ صحابہ کرامؓ مختلف وقائع کا حکم معلوم کرنے کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رجوع فرماتے تھے، ممکن ہے ایسا ان واقعات میں ہو جہاں صحابہؓ کو اجتہاد کی کوئی وجہ معلوم نہ ہو۔ اگر وجہ معلوم ہو جائے تو پھر مقصود تک پہنچنے کے لیے دو صورتوں میں سے ایک پر انسان قادر ہو جاتا ہے۔ اس کے لیے جائز ہے کہ وہ ایک طریقہ کو چھوڑ کر دوسرے طریقہ کی طرف رجوع کرے۔ یہ واضح بات ہے کہ اجتہاد ایک طریقہ ہے، جس کی بنا پر حکم تک پہنچا جا سکتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رجوع کرنا بھی ایک طریقہ ہے(۲)۔

۳۔ یہ اعتراض کہ حیاتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں جوازِ اجتہاد پر دلالت کرنے والی روایات کا تعلق اخبارِ آحاد سے ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ اگر چہ وہ اخبارِ آحاد ہیں لیکن اُمت انہیں قبول کرتی آئی ہے۔ اب یہ کہنا درست ہے کہ یہ روایات بالاتفاق قطعیت کا فائدہ دیتی ہیں اور فقہاء کی طرف سے اخبارِ آحاد کو قبول کرنے اور ان پر عمل ہونے کی وجہ سے یہ حدِ تواتر کو پہنچ گئی ہیں (۳)۔

۴۔ یہ درست نہیں ہے کہ ان اخبارِ آحاد سے عموم ثابت نہیں ہوتا۔ یہ عموم کا فائدہ دیتی ہیں۔ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں کسی معاصر کے اجتہاد کا جواز ملتا ہے تو پھر اس سے دوسروں کے حق میں بھی ضرورت کے وقت اجتہاد کا جواز ثابت ہوتا ہے۔

حاصلِ بحث

حیاتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں اجتہاد کے مطلق جواز اور اس کے عدم جواز پر فریقین کے دلائل کو مدنظر رکھتے ہوئے مطلق جواز کے قائلین کا موقف راجح نظر آتا ہے۔ اُس مبارک عہد میں صحابہؓ کو اجتہاد میں ہر طرح کی صورت حال پیش آتی رہی۔ کبھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ سے اُن کی رائے طلب فرمائی۔ بعض اوقات

۱۔ التبصرة فی أصول الفقه ص ۵۲۰

۲۔ آمدی، الإحکام فی أصول الأحکام ۴/۴۰۹

۳۔ نهایة الوصول ۳۸۲۲/۸۔ جصاص، أحکام القرآن ۱/ ۳۷

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی موجودگی میں انہیں کسی مقدمہ کا فیصلہ کرنے کا حکم دیا۔ کبھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کے مسائل حل کرنے کے لیے صحابہؓ کی تعیناتی دُور دراز علاقوں میں کی اور ایسا بھی ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عدم موجودگی میں کسی صحابی نے اپنی رائے سے کوئی اقدام کیا تو آپ نے اسے رد نہیں کیا۔

اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی صحابی کو اپنی موجودگی میں اجتہاد کا حکم دیا تھا تو اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت کے بغیر یا آپ کی غیر موجودگی میں اجتہاد کی ممانعت تھی۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی صحابی کو حکمران یا قاضی بنا بھیجا اور اسے یہ اختیار دیا کہ وہ کتاب وسنّت میں کسی مسئلہ کا حکم نہ ملنے پر اپنی رائے سے اجتہاد کرے تو اس سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ غیر حکمران یا غیر قاضی صحابی کو ایسی صورت حال میں کسی مسئلہ کا حکم دریافت کرنے کی اجازت نہیں تھی۔

حیاتِ نبوی میں نزولِ وحی کے ہر وقت امکان کے باوجود اجتہاداتِ صحابہؓ کے جو واقعات ملتے ہیں اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ انسانی مصلحتوں کی حفاظت ہو۔ شریعت کا مقصد بندوں کے مصالح کا تحفظ کرنا ہے۔ اگر صحابہؓ کے لیے اجتہاد کی اجازت نہ ہوتی اور انہیں ہر مسئلہ میں اور ہر جگہ پر صرف وحی کی طرف رجوع کرنے کا حکم ہوتا تو ممکن تھا کہ ناگزیر اور ضروری حالات میں کئی انسانی مصالح کا نقصان ہو جاتا، اور یہ مقاصدِ شریعت سے متصادم ہے۔

تاہم یہ بات اہم ہے کہ حیاتِ نبوی میں حضرات صحابہ کرامؓ عادتاً اجتہاد نہیں کرتے تھے۔ ایسا نہیں تھا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رجوع کیے بغیر ہر معاملہ میں اور ہر وقت ذاتی اجتہاد سے کام لیتے ہوں۔ وہ ایسا صرف ناگزیر صورتوں میں کیا کرتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض صحابہؓ کو اپنی موجودگی میں اجتہاد کی اجازت دی۔ مثلاً حضرت عمرو بن العاصؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی موجودگی میں حضرت علیؓ کو دو جھگڑنے والوں کے درمیان فیصلہ کرنے کا حکم دیا تھا(۱)۔ اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دُور صحابہ کرامؓ کے لیے بھی اجتہاد جائز تھا۔

حافظ ابن قیمؒ نے لکھا ہے: یہ اجتہادات اس بات کی دلیل ہیں کہ حیاتِ نبوی میں اجتہاد نہ صرف جائز رکھا گیا تھا بلکہ اس پر عمل بھی ہوا۔ ایسا صرف قرآن یا سنّت کی کسی نص کی عدم موجودگی میں اور اجتہاد کی واقعی ضرورت کے وقت ہوا۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ اور حضرت عمرؓ نے کئی مواقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں اجتہاد کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے تسلیم کیا تھا۔ ایسا صرف جزوی احکام میں تھا، کلی اور عام امور میں صحابہ کرامؓ کا یہ طریقہ نہیں تھا۔ اِن امور میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کسی صحابی نے اجتہاد نہیں کیا تھا(۲)۔

۱۔ المستدرك، كتاب الأحكام ۸۸/۴۔ مسند احمد بن حنبل ۲۰۵/۴۔ سنن الدارقطني، كتاب الأقضية والأحكام ۲۰۳/۴

۲۔ زاد المعاد ۳۹۴/۳

صحابہؓ کی اجتہادی تربیت

حضرات صحابہ کرامؓ دینی اعتبار سے انتہائی اہم منصب پر فائز تھے۔ انہیں بعد از حیاتِ نبوی کارِ نبوت کو جاری رکھنا اور اسلامی قانون سازی میں اہم کردار ادا کرنا تھا۔ حیاتِ نبوی میں وہ بطور معلم، قاضی، حاکم، والی اور عامل مبعوث ہو کر دور دراز علاقوں کی طرف بھیجے جاتے تھے۔ وہاں وہ مسلمانوں کی دینی و قانونی رہنمائی کرتے تھے۔ رحلتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ساری دنیا میں تبلیغ و تعلیم، قرآن و سنت کی تشریح و تعبیر اور انسانی مسائل کے شرعی حل جیسے اہم ترین امور کی ذمہ داری صحابہ کرامؓ ہی کو ادا کرنا تھی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ میں مجتہدانہ صلاحیت پیدا کرنے پر خصوصی توجہ فرمائی اور ان کی تربیت کی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں مختلف امور میں شریکِ مشورہ کیا۔ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے استفسار کرتے رہتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ کو ایسے مسائل جن کے بارے میں قرآن اور سنت کے نصوص خاموش ہوں، ان میں اجتہاد کرنے کی اجازت دی۔ بعض اوقات آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں حکم دیا کہ وہ آپ کی موجودگی میں کسی مقدمہ کا فیصلہ کریں۔ کبھی انہیں دوسرے علاقوں کی طرف معلم، قاضی، حاکم اور عامل وغیرہ بنا کر بھیجا۔ ایسی تمام ذمہ داریوں کو ادا کرنے سے صحابہ کرامؓ میں اجتہادی ملکہ بڑھا۔

استفسار کی اجازت

صحابہ کرامؓ جب کسی مسئلہ سے دوچار ہوتے تو فوراً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر مسئلہ بتاتے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا حکم چاہتے تھے۔

حضرت کعب بن مالکؓ نے ایک ایسی بکری جسے قریب المرگ ہونے پر پتھر سے ذبح کیا گیا تھا، اس کا گوشت اپنے گھر والوں کو کھانے سے منع کر دیا۔ حضرت کعبؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہو کر اس بکری کا گوشت کھانے سے متعلق پوچھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں وہ گوشت کھانے کی اجازت دے دی(۱)۔

۱۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے اپنے والد حضرت عمرؓ کے حوالے سے بیان کیا کہ ان کی ایک لونڈی سلع کے مقام پر بکریاں چرایا کرتی تھی۔ اس نے اپنے ریوڑ میں ایک بکری کو دیکھا کہ وہ قریب المرگ ہے۔ لونڈی نے ایک پتھر توڑا اور اس سے بکری کو

بقیہ اگلے صفحہ پر ....

حضرت ابوسعید خُدریؓ روایت کرتے ہیں کہ صحابہؓ کی ایک جماعت دورانِ سفر ایک قبیلہ کے پاس ٹھہری۔ قبیلہ کے سردار کو بچھو نے کاٹ لیا تھا۔ ایک صحابی نے سورت الفاتحہ پڑھ کر پھونکی جس سے سردار ٹھیک ہوگیا۔ صحابی نے معاوضہ میں بکریاں وصول کیں۔ انہوں نے بکریاں آپس میں تقسیم نہ کیں بلکہ واپس آ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں پوچھا۔ آپ نے بکریاں تقسیم کرنے کی اجازت دے دی(۱)۔

اجتہاد کی تربیت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ کو اجتہاد کی تربیت دی اور انہیں قیاس سے کام لینا سکھایا۔ آپ نے ان میں یہ صلاحیت پیدا کی کہ وہ قرآن وسنت کی روشنی میں نئے مسائل کا حل تلاش کریں۔ غیر منصوص احکام کو منصوص احکام پر قیاس کر کے انسانی مشکلات دور کریں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مبارکہ میں متعدد ایسے واقعات ملتے ہیں جن میں آپ نے صحابہ کرامؓ کو قیاس کے طریقہ سے احکام اخذ کرنے کی تربیت دی۔

حضرت عمرؓ نے ایک مرتبہ روزہ کی حالت میں اپنی بیوی کا بوسہ لے لیا۔ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہو کر واقعہ عرض کیا۔ آپ نے فرمایا:

گزشتہ سے پیوستہ ...... ذبح کر دیا۔ حضرت کعبؓ نے اپنے گھر والوں کو کہا کہ جب تک میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس خود جا کر یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کسی کو بھیج کر معلوم نہ کر والوں، تم اس بکری کا گوشت نہ کھاؤ۔ حضرت کعبؓ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے یا آپ کے پاس کسی کو بھیج کر حکم دریافت کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اس بکری کا گوشت کھانے کی اجازت عطا فرمائی۔ صحیح البخاری، کتاب الذبائح، باب ما أنهر الدم من القصب والمروة والحديد

۱۔ حضرت ابوسعید خُدریؓ سے روایت ہے کہ کچھ صحابہ کرامؓ سفر پر روانہ ہوئے۔ وہ ایک قبیلے کے پاس آ کر ٹھہرے اور ان سے کھانے پینے کی فرمائش کی مگر انہوں نے میزبانی کرنے سے انکار کر دیا۔ اس قبیلہ کے سردار کو ایک بچھو نے کاٹ لیا تھا۔ لوگوں نے اس کے علاج کی بہت کوشش کی مگر کوئی فائدہ نہ ہوا۔ کسی نے کہا: لوگوں کی جو جماعت تمہارے پاس آئی ہوئی ہے تم ان کے پاس جاؤ شائد ان میں سے کسی کے پاس اس کا علاج ہو۔ وہ لوگ صحابہ کرامؓ کے پاس آئے اور کہا: ہمارے سردار کو سانپ نے کاٹ لیا ہے، ہم نے بہت کوشش کی مگر اسے کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ کیا تم میں سے کسی کے پاس کچھ ہے؟ صحابہؓ میں سے کسی نے کہا: اللہ تعالیٰ کی قسم! ہاں مجھے دَم آتا ہے۔ لیکن جب ہم نے تم سے میزبانی کی درخواست کی تو تم نے ہماری میزبانی نہیں کی تھی۔ اس لیے واللہ میں دَم نہیں پڑھوں گا جب تک تم اس کا معاوضہ نہ مقرر کرو۔ وہ لوگ چند بکریاں دینے پر راضی ہوگئے۔ وہ صحابی گئے اور اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ پڑھ کر پھونکنے لگے۔ سردار اچھا ہو کر یوں چلنے پھرنے لگا جیسے اسے کسی چیز نے کاٹا ہی نہ ہو۔ قبیلہ والوں نے شرط پوری کر دی یعنی بکریاں دے دیں۔ کسی نے کہا: ان بکریوں کو تقسیم کر دو۔ جنہوں نے دَم پڑھا تھا انہوں نے کہا: تقسیم نہ کرو جب تک ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر سارا واقعہ بیان نہ کر دیں اور آپ کا حکم معلوم نہ کر لیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر ان صحابہؓ نے سارا واقعہ بیان کر دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وَ مَا يُدْرِيْكَ اَنَّهَا رُقْيَةٌ؟ اَصَبْتُمْ اقْسِمُوْا وَ اضْرِبُوْا لِيْ مَعَكُمْ بِسَهْمٍ تمہیں کس طرح معلوم ہوا کہ یہ دَم ہے؟ تم نے ٹھیک کیا، اسے تقسیم کر لو اور اپنے ساتھ میرا حصہ بھی مقرر کر لو۔ صحیح البخاری، کتاب الطب، باب النفث في الرقية

اَرَأَیْتَ لَوْ مَضْمَضْتَ مِنَ الْمَاءِ وَ اَنْتَ صَائِمٌ

تمہارا کیا خیال ہے اگر تم روزے کی حالت میں کُلّی کرو۔

حضرت عمرؓ نے کہا: اس میں کوئی حرج نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: فَمَهْ، تو پھر خاموش رہو(۱)۔

اس واقعہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بوسہ کے فعل کو قیاس کر کے اس کی نظیر کی طرف لوٹا دیا اور اس کی وجہ بیان فرما دی۔

حضرت ابوذر غفاریؓ سے روایت ہے کہ کچھ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور عرض کی: یا رسول اللہ! مال و دولت والے سب اجر لے گئے، وہ نماز ادا کرتے ہیں جس طرح ہم ادا کرتے ہیں، وہ روزہ رکھتے ہیں جیسے ہم رکھتے ہیں، لیکن وہ اپنے زائد اموال میں سے صدقہ دیتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اَوَ لَيْسَ قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ مَا تَصَدَّقُوْنَ بِهِ اِنَّ بِكُلِّ تَسْبِيْحَةٍ صَدَقَةً وَّ كُلِّ تَكْبِيْرَةٍ صَدَقَةً وَّ كُلِّ تَحْمِيْدَةٍ صَدَقَةً وَّ كُلِّ تَهْلِيْلَةٍ صَدَقَةً وَّ اَمْرٍ بِالْمَعْرُوْفِ صَدَقَةٌ وَّ نَهْيٍ عَنْ مُنْكَرٍ صَدَقَةٌ وَّ فِي بُضْعِ اَحَدِكُمْ صَدَقَةٌ

کیا تمہارے لیے بھی اللہ تعالیٰ نے صدقہ کا سامان نہیں کر دیا ہے کہ ہر تسبیح صدقہ ہے، ہر تکبیر صدقہ ہے، ہر تحمید صدقہ ہے، اچھی بات کا حکم صدقہ ہے، بُری بات سے روکنا صدقہ ہے اور ہر شخص کے بدن کے ٹکڑے میں صدقہ ہے۔

لوگوں نے عرض کی: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اگر ہم میں سے کوئی شخص اپنی شہوت پوری کرتا ہے یعنی اپنی بیوی سے صحبت کرتا ہے تو کیا اس میں بھی ثواب ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اَرَأَيْتُمْ لَوْ وَضَعَهَا فِيْ حَرَامٍ اَكَانَ عَلَيْهِ فِيْهَا وِزْرٌ فَكَذٰلِكَ اِذَا وَضَعَهَا فِي الْحَلَالِ كَانَ لَهُ اَجْرًا (۲)

تمہارا کیا خیال ہے اگر کوئی شخص اپنی شہوت کو حرام میں استعمال کرے تو اس پر اسے وبال ہوگا؟ اسی طرح جب وہ اسے حلال میں استعمال کرے تو اس کے لیے اجر ہے۔

یہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ممنوع چیز کو اس کے مقابلے کی حلال چیز پر قیاس کر کے بتایا دیا کہ کسی چیز کا حکم اس کی نظیر کے لیے بھی ہوتا ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص آیا اور اس نے عرض کی: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میری بیوی نے ایک سیاہ بچے کو جنم دیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے

۱۔ سنن أبي داؤد، كتاب الصوم، باب القبلة للصائم

۲۔ صحيح مسلم، كتاب الزكوة، باب بيان أن إسم الصدقة يقع على كل نوع من المعروف

فرمایا: تیرے پاس کوئی اونٹ ہے؟ اس نے کہا: ہاں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کس رنگ کے ہیں؟ اس نے کہا: سرخ۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اُن میں کوئی کالا بھی ہے؟ اس نے کہا: ہاں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ کہاں سے ہوا؟ اس نے کہا: میں سمجھتا ہوں کہ اس کی اصل یعنی کسی رگ نے ایسا بے رنگ نکالا ہوگا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

فَلَعَلَّ اِبْنَكَ هَذَا نَزَعَهُ عِرْقٌ (۱)

تیرے اس بچہ کو بھی شائد اس رگ ہی نے نکالا ہو۔

یوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابی کو سکھایا کہ وہ اپنے بچے کے اختلافِ رنگ کو اونٹ کے بچے کے اختلافِ رنگ پر قیاس کرے اور اس کے رنگ کا حکم اپنے بچے کے رنگ پر لگائے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک عورت حاضر ہوئی اور اس نے کہا کہ اس کی ماں نے حج کی منت مانی تھی لیکن وہ حج نہ کر سکی۔ کیا وہ اپنی ماں کی طرف سے حج کرے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے فرمایا:

حُجِّي عَنْهَا اَرَاَيْتِ لَوْ كَانَ عَلَى اُمِّكِ دَيْنٌ اَكُنْتِ قَاضِيَةً اقْضُوْا اللّٰهَ فَاللّٰهُ اَحَقُّ بِالْوَفَاءِ (۲)

تم اس کی طرف سے حج کرو۔ اگر تمہاری ماں پر کوئی قرض ہوتا تو کیا تم اسے ادا نہ کرتی؟ اللہ تعالیٰ کا حق ادا کرو۔ اللہ تعالیٰ کا حق سب سے زیادہ اس لائق ہے کہ اسے پورا کیا جائے۔

حضرت ابن عباسؓ کی ایک اور روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص آیا۔ اس نے عرض کی کہ اس کی ماں مرگئی ہے اور اس پر ایک ماہ کے روزے تھے، کیا وہ اس کی قضا کرے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کو فرمایا:

لَوْ كَانَ عَلَى اُمِّكَ دَيْنٌ اَكُنْتَ قَاضِيَهُ عَنْهَا

اگر تمہاری ماں پر قرض ہوتا تو تم کیا اسے ادا کرتے؟

اس شخص نے کہا: ہاں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

فَدَيْنُ اللّٰهِ اَحَقُّ اَنْ يُقْضَى (۳)

اللہ تعالیٰ کا قرض زیادہ حق دار ہے کہ اسے ادا کیا جائے۔

۱۔ صحیح البخاری، کتاب المحاربین من أهل الکفر والردة، باب ماجاء فی التعریض

۲۔ حوالہ بالا، أبواب العمرة، باب الحج والنذر عن المیّت والرجل یحج عن المرأة

۳۔ صحیح مسلم، کتاب الصیام، باب قضاء الصیام عن المیّت

ایک واقعہ اس عورت کا ہے جس کی ماں مرگئی تھی اور اس پر نذر کے پے در پے روزے تھے (۱)۔ ایک ایسے شخص کا واقعہ بھی مروی ہے جس کی بہن حج کی منّت مان کر بغیر حج کیے فوت ہوگئی تھی (۲)۔ ایسا ہی ایک واقعہ اس شخص کا ہے جس کا بوڑھا والد حج کیے بغیر فوت ہوگیا تھا (۳)۔ ان واقعات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ کو حج کی نذر اور روزوں کے کفارہ کو قرض کی ادائیگی پر قیاس کرنا سکھایا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت کا یہ اثر تھا کہ صحابہ کرامؓ نے قیاس سے کام لینا سیکھا۔ حیاتِ نبوی میں متعدد ایسے واقعات ملتے ہیں جن میں صحابہ کرامؓ نے قیاس سے کام لیا تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمار بن یاسرؓ کو کہیں بھیجا۔ ان پر غسل فرض ہوگیا۔ پانی نہ ملا تو وہ خاک میں لوٹ پوٹ ہوگئے۔ واپس آکر سارا واقعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بیان کیا۔ آپ نے فرمایا:

إِنَّمَا كَانَ يَكْفِيكَ هٰكَذَا

تمہیں دونوں ہاتھوں سے اس طرح کرنا کافی تھا۔

پھر آپ نے اپنے دونوں ہاتھوں کو زمین پر ایک بار مارا، پھر دائیں ہاتھ کو بائیں پر ملا اور اپنے ہاتھوں کی پشت اور اپنے چہرے پر ملا (۴)۔

اس واقعہ میں حضرت عمار بن یاسرؓ نے یہ قیاس کیا تھا کہ پانی سے غسل کے دوران سارا بدن دھویا جاتا ہے اور طہارت میں مٹی پانی کے قائم مقام ہے، اس لیے سارے جسم پر مٹی لگنی چاہیے۔ انہوں نے قیاس سے اجتہاد اس لیے کیا تھا کہ انہیں تیمم کا قرآنی حکم (۵) نہیں معلوم تھا۔ چونکہ نص کی موجودگی میں مجتہد کے قیاس کی کوئی حیثیت نہیں ہے، اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمارؓ کو صحیح حکم بتلا کر ان کی اصلاح فرمادی۔

اوپر یہ روایت گزر چکی ہے کہ حیاتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں ایک صحابی نے کسی قبائلی سردار کا سورت الفاتحہ سے علاج کرنے کے معاوضہ میں بکریاں وصول کی تھیں۔ اس صحابی نے اجرت کو کسی عام عمل کی اجرت پر قیاس کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس صحابی کا قیاس درست قرار دیتے ہوئے فرمایا تھا:

إِنَّ أَحَقَّ مَا أَخَذْتُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا كِتَابُ اللّٰهِ (٦)

۱۔ سنن ابن ماجه، كتاب الصيام، باب من مات وعليه صيام من نذر ۳۵۳/۲

۲۔ سنن النسائی، كتاب مناسك الحج، باب الحج عن الميّت الذى نذر أن يحج ۱۲۳/۵

۳۔ ابو یوسف، کتاب الآثار ص ۱۲۴

۴۔ صحیح البخاری، کتاب التيمّم، باب هل ينفخ فى يديه

۵۔ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَ اَيْدِيْكُمْ مِنْهُ [المآئدة:]
جب تم پانی نہ پاؤ تو پاک مٹی سے اپنے چہروں اور اپنے ہاتھوں کا مسح کرلو۔

۶۔ صحیح البخاری، کتاب الطب، باب الشرط فی الرُّقْيَة بقطيع من الغنم

جن چیزوں پر اجرت لینی جائز ہے ان میں سب سے زیادہ لائق اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے۔

حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بحرین سے ایک شخص آیا اوراس نے آپ کو سلام کہا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسے کوئی جواب نہ دیا۔ اس کے ہاتھ میں سونے کی انگوٹھی تھی اور وہ ریشمی جُبہ پہنے ہوئے تھا۔ اس نے دونوں چیزوں کو اتار کر پھر سلام کہا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے سلام کا جواب دیا۔ اس نے کہا: یارسول اللہ! میں ابھی ابھی آپ کے پاس حاضر ہوا، آپ نے مجھ سے منہ پھیر لیا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اِنَّهٗ كَانَ فِي يَدِكَ جُمْرَةٌ مِنْ نَارٍ

تمہارے ہاتھ میں جہنم کا انگارہ تھا۔

اس شخص نے کہا: پھر تو میں بہت سارے انگارے لایا ہوں۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اِنَّ مَا جِئْتَ بِهٖ لَيْسَ بِاَجْزَاَ عَنَّا مِنْ حِجَارَةِ الْحَرَّةِ وَ لٰكِنَّهٗ مَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا (۱)

تم جو انگارے لائے ہو وہ ہمارے لیے حَرّہ (۲) کے پتھروں سے زیادہ مفید نہیں ہیں، لیکن یہ دنیوی زندگی کا سامان ہے۔

اس واقعہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابی کے قیاس میں یہ نقص بیان فرمایا کہ جو سونا بطور زینت پہنا جائے اور جو سونا ضرورت کے وقت بطور مبادلہ استعمال کیا جائے، ان دونوں میں فرق ہے، اگر چہ ان دونوں کی اصل زمین کی مٹی ہے اور وہ حَرّہ کے پتھروں سے مشابہ ہیں۔

اہلِ قُباء پانی سے اِستنجا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی شان میں یہ آیت نازل فرمائی:

فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا (۳)

اس میں ایسے لوگ ہیں جو پاک رہنا پسند کرتے ہیں

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے گروہِ انصار! تم نے کون سا کام کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری تعریف بیان فرمائی ہے۔ اہلِ قُباء کے انصار کہنے لگے: ہم پانی سے اِستنجا کرتے ہیں (۴)۔ وہ مٹی کے ڈھیلوں سے استنجا کے بعد پانی سے طہارت حاصل کرتے تھے۔ اہلِ قُباء اپنے اجتہاد سے ایسا کرتے تھے۔ انہوں نے رسول اللہ

۱۔ سنن النسائي، كتاب الزينة، باب لُبْس خاتم صُفْر

۲۔ مدینہ طیبہ کے قریب ایک مقام جہاں سیاہ رنگ کے بڑے بڑے پتھر پڑے ہیں۔ معجم البلدان (دار الباز) ۲۸۳/۳

۳۔ التوبة ۱۰۸:۹

۴۔ الفصول في الأصول ۴۴/۴

صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں نہیں پوچھا تھا، اور نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا علم تھا حتیٰ کہ یہ آیت نازل ہوئی۔ اہلِ قُباء اجتہاد کو جائز سمجھتے تھے تو انہوں نے ایسا کیا، ورنہ وہ اس مسئلہ کے لیے ضرور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوتے۔

مشاورت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان امور میں صحابہ کرامؓ سے مشورہ کیا جن کے بارے میں کوئی وحی نازل نہیں ہوئی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات پر مامور فرمایا تھا کہ آپ اپنے صحابہ کرامؓ کو شریکِ مشورہ کرلیا کریں:

وَ شَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ (۱)

اور اپنے کاموں میں ان سے مشورہ لیا کریں۔

مشورہ طلب کرنے پر صحابہ کرامؓ نے اپنے فہم وفراست سے آزادانہ رائے دی۔ اس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ میں اجتہادی اہلیت پیدا کی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسیرانِ غزوۂ بدر (۲ھ) کے متعلق صحابہ کرامؓ سے مشورہ لیا۔ انہوں نے اس مسئلہ میں اپنی اپنی رائے دی۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے فرمایا: یہ ہماری برادری اور کنبہ کے لوگ ہیں۔ ان سے کچھ مال لے کر چھوڑ دیا جائے جس سے مسلمانوں کو کافروں سے مقابلہ کی طاقت حاصل ہو اور شائد یہ لوگ اسلام کی طرف راغب ہوں۔ حضرت عمرؓ نے رائے دی تھی کہ یہ قیدی ہمارے حوالے کردیں اور ہم میں سے ہر شخص اپنا اپنا رشتہ دار قتل کرے۔ حضرت عبداللہ بن رواحہؓ کی یہ رائے تھی کہ انہیں آگ میں سلگنے کے لیے پھینک دیا جائے (۲)۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو نماز کے لیے جمع کرنے کے طریقہ پر صحابہ کرامؓ سے مشورہ لیا۔ کسی صحابی نے یہ رائے دی کہ نماز کے وقت جھنڈا بلند کردیا جائے۔ کسی نے کہا کہ یہود کی مانند سنکھ بنالیا جائے۔ ایک رائے یہ تھی کہ نصاریٰ کی طرح ناقوس استعمال کیا جائے (۳)۔

۱۔ آل عمران ۳:۱۵۹

۲۔ صحيح مسلم، كتاب الجهاد، باب الإمداد بالملائكة في غزوة بدر و إباحة الغنائم ۳/۱۳۵۸

۳۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ مسلمان جب مدینہ آئے تو وقت کا اندازہ کرکے نماز کے لیے جمع ہوجایا کرتے تھے۔ ابھی تک نماز کے لیے کوئی اعلان نہیں ہوتا تھا۔ ایک روز مسلمانوں نے اس بارے میں مشورہ کیا۔ بعض صحابہؓ نے یہ رائے دی کہ مسیحیوں کے ناقوس کی طرح ایک ناقوس بنالیں۔ کچھ کی یہ رائے تھی کہ یہود کے سنکھ کی طرح ایک سنکھ بنالیں۔ حضرت عمرؓ نے کہا: ایک آدمی مقرر ہو جو نماز کے وقت اَلصَّلٰوۃُ اَلصَّلٰوۃُ کا اعلان کردے۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا: يَابِلَالُ قُمْ فَنَادِ بِالصَّلٰوةِ، اے بلال! اُٹھو اور نماز کا اعلان کردو۔

بقیہ اگلے صفحہ پر.........

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ بدر (۲ھ) میں مقامِ پڑاؤ سے متعلق صحابہ کرامؓ سے مشاورت کی۔ حضرت حُباب بن منذرؓ نے عرض کی: یارسول اللہ! ہمیں مطلع فرمایئے، کیا یہ مقام ایسا ہے جس کے بارے میں وحی نازل ہوئی ہے اور ہمیں یہ اختیار نہیں کہ ہم آگے بڑھیں یا پیچھے ہٹیں، یا یہ ایک رائے اور ایک جنگی تدبیر ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

بَلْ هُوَ الرَّاْىُ وَ الْحَرْبُ وَ الْمَكِيْدَةُ

بلکہ یہ ایک رائے اور جنگی تدبیر ہے۔

حضرت حبابؓ نے عرض کی: پھر یہ مقام اچھی جگہ نہیں ہے، آپ آگے چلیں اور چشمے کے قریب پڑاؤ ڈالیں، وہاں حوض بنا کر پانی جمع کر لیں اور دیگر تمام چشموں کو ناکارہ کر دیں تاکہ دشمنوں کو پانی نہ ملے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حبابؓ کی یہ جنگی تدبیر اختیار فرمائی (۱)۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ احزاب (۵ھ) کے موقع پر دو مشرک سرداروں عیینہ بن حصن اور حارث بن عوف کو نیک پیغام کے ساتھ مدینہ کے پھل بھیجنے کا ارادہ فرمایا۔ آپ نے اوس کے سردار حضرت سعد بن معاذؓ اور خزرج کے سردار حضرت سعد بن عُبادۃؓ سے مشورہ فرمایا۔ دونوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے استفسار کیا کہ اگر آپ کو اس چیز کا حکم دیا گیا ہے تو آپ اللہ کے حکم کو پورا فرمائیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَوْ كُنْتُ اُمِرْتُ بِشَیْءٍ لِمَ اَسْتَاْمِرُكُمَا، وَ لٰكِنْ هٰذَا رَاْيِیْ اَعْرِضُهٗ عَلَيْكُمَا

اگر مجھے کسی چیز کا حکم دیا گیا ہوتا تو میں تم دونوں سے مشورہ کیوں لیتا، بلکہ یہ میری رائے ہے جو میں نے تمہارے سامنے رکھ دی ہے۔

حضرت سعد بن معاذؓ نے عرض کی: ہمیں یقین ہے کہ آپ جن لوگوں کو یہ تازہ پھل بھیجنا چاہتے ہیں وہ انہیں چکھیں گے بھی نہیں۔ وہ پھل فروخت کر دیں گے یا کسی کو دے دیں گے۔ لہٰذا ہم انہیں اپنی کھانے کی چیزیں کیوں دیں۔ ہم ایسا ہرگز نہیں چاہتے۔ ہم تو انہیں صرف اپنی تلواروں کا مزا چکھانا چاہتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: فَنِعْمَ اِذًا، جیسا مناسب سمجھو کرو (۲)۔

گزشتہ سے پیوستہ .... حضرت انسؓ بن مالکؓ سے مروی حدیث میں ہے کہ جب زیادہ لوگ مسلمان ہو گئے تو انہوں نے یہ تجویز دی کہ نماز کے وقت کوئی ایسی علامت مقرر کر لی جائے جس سے وہ جان جایا کریں کہ نماز کا وقت ہو گیا ہے۔ بعض نے رائے دی کہ آگ روشن کر لی جائے۔ بعض نے کہا کہ ناقوس بجایا جائے۔ پھر حضرت بلالؓ کو حکم دیا گیا کہ وہ اذان میں جفت کلمات کہیں اور اقامت میں طاق کلمات کہیں۔ صحیح البخاری، کتاب الأذان، باب بدء الأذان، باب الأذان مثنی مثنی

۱۔ ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ ۲/۲۷۲۔ البدایۃ و النہایۃ ۳/۲۶۷

۲۔ عبدالرزاق، المصنّف، کتاب المغازی، واقعۃ الأحزاب و بنی قریظۃ

غیر منصوص مسائل میں اذنِ اجتہاد

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ کو اجازت دی کہ وہ ان مسائل کا شرعی حکم معلوم کرنے کے لیے اجتہاد کریں جن پر قرآن وسنت کی نصوص خاموش ہیں۔

مثلاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبلؓ کو قاضی بنا کر یمن روانہ فرمایا تو آپ نے حضرت معاذؓ سے پوچھا: فیصلہ کیسے کرو گے؟ انہوں نے کہا: کتابُ اللہ سے۔ آپ نے فرمایا: اگر کتابُ اللہ میں نہ پاؤ؟ عرض کی: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے۔ آپ نے فرمایا: اگر سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن میں نہ پاؤ؟ حضرت معاذؓ نے کہا: میں اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا اور اس میں کوتاہی نہیں کروں گا۔ اس پر رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا سینہ تھپکا اور فرمایا:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ وَفَّقَ رَسُوْلَ رَسُوْلِ اللّٰهِ لِمَا یُرْضِی رَسُوْلَ اللّٰهِ (۱)

سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قاصد کو اس چیز کی توفیق دی جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم راضی ہیں۔

ابوبکر جصاصؒ نے ایک روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبلؓ اور حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کو یمن کی طرف مبعوث فرمایا تو ان دونوں سے پوچھا: تم لوگوں کے درمیان فیصلہ کیسے کرو گے؟ انہوں نے عرض کی: کتابُ اللہ کے مطابق۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر تمہارے پاس ایسا معاملہ آجائے جو کتابُ اللہ میں نہ ہو؟ دونوں نے عرض کی: پھر ہم سنت کے مطابق فیصلہ کریں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر تمہارے پاس ایسا معاملہ آجائے جو سنت میں نہ ہو؟ وہ دونوں بولے: ہم ایک امر کو دوسرے امر پر قیاس کریں گے اور اِن دونوں میں سے جو حق سے زیادہ قریب ہوگا اس پر فیصلہ کریں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اَصَبْتُمَا تم دونوں نے درست کہا (۲)۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اِذَا شَكَّ اَحَدُكُمْ فِی صَلٰوتِهٖ فَلْيَتَحَرَّ الصَّوَابَ فَلْيُتِمَّ عَلَيْهِ (۳)

جب تم میں سے کسی کو نماز میں شک ہو تو ذہن پر زور ڈال کر سوچے کہ ٹھیک کیا ہے، پھر اس پر اپنی نماز پوری کرے۔

۱۔ صحیح الترمذی، کتاب الأحکام، باب ما جاء فی القاضی یصیب و یخطئ ۔ اس حدیث پر علماء کی آراء کا تفصیلی ذکر پیچھے صفحات ۱۳۹، ۱۴۰ پر گزر چکا ہے۔

۲۔ أصول الجصاص ۲/۲۲۷

۳۔ سنن أبی داؤد، کتاب الصلوۃ، باب إذا صلی خمساً

اس حدیث کے اوّلین مخاطبین حضرات صحابہ کرامؓ تھے۔ یہ حدیث بھی اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ صحابہ کرامؓ کو اجتہاد کی اجازت تھی۔

اجتہاد کرنے کا حکم

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض صحابہؓ کو اپنی موجودگی میں اجتہاد کرنے کا حکم دیا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرو بن العاصؓ کو اُن دو افراد کے درمیان فیصلہ کرنے کا حکم دیا جو جھگڑتے ہوئے آپ کے پاس آئے تھے۔ حضرت عمرو بن العاصؓ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: کیا میں آپ کی موجودگی میں فیصلہ دوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں (۱)۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد بن معاذؓ کو بنو قریظہ کے معاملہ میں فیصلہ کرنے کا حکم دیا تھا (۲)۔ حضرت معقل بن یسارؓ کو اپنی قوم میں فیصلہ کرنے کا حکم ملا (۳)۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عقبہ بن عامرؓ کو حکم دیا کہ وہ اُن دو آدمیوں کے درمیان فیصلہ کریں جو جھگڑتے ہوئے آپ کے پاس آئے تھے (۴)۔ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں کچھ لوگوں نے آپس میں ایک جھونپڑی کی ملکیت پر جھگڑا کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حذیفہ بن یمانؓ کو اُن کے درمیان فیصلہ کرنے کے لیے بھیجا (۵)۔

۱۔ سنن الدارقطني، كتاب في القضية و الأحكام

۲۔ حضرت ابو سعید خدریؓ روایت کرتے ہیں کہ حضرت سعد بن معاذؓ کی ثالثی پر رضامند ہو کر جب بنو قریظہ کے یہودی قلعہ سے نیچے اتر آئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعدؓ کو بلوایا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک حضرت سعدؓ رہائش پذیر تھے۔ حضرت سعدؓ ایک گدھے پر سوار ہو کر آئے۔ جب وہ نزدیک آ گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنے سردار کے استقبال کے لیے کھڑے ہو جاؤ۔ حضرت سعدؓ آئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھ گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ لوگ تمہارے حکم پر قلعوں سے اتر آئے ہیں۔ حضرت سعدؓ نے فیصلہ سنایا: ان میں سے لڑنے کے قابل لوگ قتل کر دیے جائیں اور ان کے بچوں کو قید کر لیا جائے۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لَقَدْ حَكَمْتَ فِيهِمْ بِحُكْمِ الْمَلَكِ تم نے فرشتہ کے حکم کے مطابق فیصلہ کیا ہے۔ صحيح البخاري، كتاب الجهاد، باب إذا نزل العدو

۳۔ المستدرك، كتاب معرفة الصحابة ۳/۵۷۷

۴۔ سنن الدارقطني، كتاب في الأقضية و الأحكام ۴/۲۰۳

۵۔ نمران بن جاریہ نے اپنے والد سے روایت کیا ہے کہ کچھ لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک جھونپڑی کے بارے میں جھگڑا کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر حضرت حذیفہ بن یمانؓ ان کا فیصلہ کرنے کے لیے گئے۔ حضرت حذیفہ بن یمانؓ نے یہ فیصلہ کیا کہ جھونپڑا اُن لوگوں کا ہے جن کی طرف رسی ہے جس سے وہ جھونپڑا باندھا جاتا ہے۔ جب حضرت حذیفہؓ واپس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: أَصَبْتَ وَ أَحْسَنْتَ یعنی تم نے ٹھیک کیا اور تم نے اچھا کیا۔ اس حدیث کی سند ضعیف ہے۔ سنن إبن ماجه، كتاب الأحكام، باب الرجلان يدعيان في خصّ

صحابہؓ بطور قاضی، حاکم اور امیرِ لشکر

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ کو مختلف علاقوں کی طرف قاضی، حاکم اور امیرِ لشکر بنا کر بھیجا جو وہاں اپنے اجتہادات سے مختلف امور کے فیصلے کیا کرتے تھے۔ مثلاً حضرت علیؓ یمن کے قاضی بنا کر بھیجے گئے تھے(۱)۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوعبیدہ بن جراحؓ کو وفدِ نجران کے ہمراہ نجران بھیجا اور انہیں یہ ہدایت فرمائی تھی:

أُخْرُجْ مَعَهُمْ فَاقْضِ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ فِيمَا اخْتَلَفُوا فِيهِ (۲)

ان لوگوں کے ساتھ جاؤ اور ان کے اختلافی امر میں ان کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کرو

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبلؓ اور حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کو بھی یمن کا حاکم بنایا تھا(۳)۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عتاب بن اَسیدؓ کو مکہ کا حاکم مقرر کیا تھا(۴)۔

حضرت علیؓ نے بطور قاضی یمن ایک مشہور فیصلہ کیا تھا۔ یمن میں لوگوں نے شیر کے شکار کے لیے ایک گڑھا بنایا تھا۔ لوگ ایک دوسرے کو دھکیل رہے تھے۔ ایک آدمی گڑھے میں گر پڑا تو وہ دوسرے سے چمٹ گیا، دوسرا تیسرے سے چمٹ گیا، یہاں تک کہ گڑھے میں چار آدمی گر پڑے جس میں موجود شیر نے ان کو زخمی کر دیا۔ ایک آدمی نے برچھے سے شیر کو مار دیا۔ چاروں زخمی اپنے زخموں کی تاب نہ لا کر مر گئے۔ ان کے ورثاء آپس میں جھگڑنے لگے اور ہتھیار نکال لیے۔ حضرت علیؓ نے ان کے درمیان فیصلہ کیا کہ جن لوگوں نے کنواں کھودا تھا ان کے قبائل سے دِیت کا چوتھائی، تہائی، نصف حصہ اور پوری دِیت جمع کرو۔ پہلے آدمی کو چوتھائی دِیت ملے گی، دوسرے کو تہائی، تیسرے کو نصف اور چوتھے آدمی کو پوری دِیت ملے گی(۵)۔

۱۔ سنن أبي داؤد، کتاب الأقضية، باب کيف القضاء ۲/۵۰۸

۲۔ ابن ہشام، السيرة النبوية ۲/۲۳۳م

۳۔ صحيح البخاري، کتاب الأحکام، باب أمر الوالي إذا وجّه أميرين ۲/۱۰۶۳

۴۔ ابن ہشام، السيرة النبوية ۴/۱۴۳،۸۳

۵۔ مسند أحمد بن حنبل ۱/۱۵۲۔ البداية و النهاية ۵/۱۰۷

دِیت عربی زبان کا لفظ ہے اور یہ وَدَیٰ یَدِیْ وَدْیٌ سے دِیَۃٌ ہے۔ وَدَیٰ القَاتِلُ القَتِیلَ قاتل نے مقتول کے ولی کو مال ادا کر دیا۔ دِیت اس تاوان کا نام ہے جو انسانی جان یا کسی جسمانی عضو کے بدل میں معاوضہ کے طور پر ادا کی جاتی ہے۔

اسلامی قانون میں انسانی جان کی دِیت ایک سو اونٹ ہے، خواہ یہ قتلِ عمد ہو یا قتلِ شبہ عمد یا قتلِ خطا۔ البتہ ان تینوں صورتوں میں اونٹوں کی عمریں مختلف ہیں۔ سنن ابن ماجه، أبواب الديات، باب من قتل عمدًا فرضوا بالدية، باب دية شبه العمد، باب دية الخطأ

ایک انسانی جان کی دِیت ایک سو اونٹ کا قانون قبل از اسلام رائج تھا جسے اسلام نے برقرار رکھا۔

بقیہ اگلے صفحہ پر..........

یمن ہی کا ایک اور واقعہ ہے۔ حضرت زید بن ارقمؓ سے مروی ہے کہ حضرت علیؓ نے یمن میں تین آدمیوں کے درمیان فیصلہ کیا جنھوں نے ایک طہر (پاکی کا زمانہ) میں عورت سے جماع کیا تھا اور اس سے ایک بچے کا باپ

گزشتہ سے پیوستہ......... عربوں کے ہاں پہلے ایک انسانی جان کی دِیَت دس اونٹ ہوا کرتی تھی۔ پھر ایک واقعہ کے بعد یہ دِیَت دس اونٹ سے بڑھ کر سو اونٹ ہوگئی۔

ابن ہشامؒ (م ۲۱۳ھ) نے نقل کیا ہے کہ زمزم کا کنواں کھودنے کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا حضرت عبدالمطلبؓ نے اپنے ساتھ قریش کا نامناسب رویہ دیکھا۔ آپ نے یہ نذر مانی کہ اگر اللہ تعالیٰ نے انہیں دس بیٹے دیئے اور وہ سب جوان ہو گئے تو قریش کے مقابلہ میں ان کی حفاظت کریں گے۔ وہ ان میں سے ایک بیٹا اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کعبہ میں ذبح کر دیں گے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت عبدالمطلبؓ کو دس بیٹوں سے نوازا۔ وہ سب جوان ہوئے۔ جب نذر پوری ہونے کا وقت آیا تو بیٹوں کے درمیان قرعہ ڈالا گیا۔ قرعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے والد ماجد حضرت عبداللہ کے نام نکلا۔ حضرت عبدالمطلب نے حضرت عبداللہ کو ذبح کرنے کی تیاری کی۔ قریش ان کے پاس آ گئے اور انہیں ایسا کرنے سے منع کیا۔ قریش نے مشورہ دیا کہ حضرت عبداللہ کو ذبح کرنے کے بجائے انہیں خیبر کی ایک عرّافہ کاہنہ کے پاس لے چلیں وہ جو کہے اسے قبول کر لیں۔ سب اس کے پاس گئے اور مقصدِ آمد بتایا۔ اس عورت نے پوچھا: تمہارے ہاں دِیَت کی مقدار کتنی ہے؟ لوگوں نے کہا: دس اونٹ۔ عرّافہ نے کہا: تم اپنے اس بیٹے عبداللہ اور دس اونٹوں کے درمیان قرعہ ڈالو۔ اگر قرعہ بیٹے کے نام نکل آئے تو دس اونٹ بڑھاتے جاؤ یہاں تک کہ تمہارا پروردگار راضی ہو جائے اور قرعہ اونٹوں کے نام نکل آئے۔ پھر تم اونٹ ذبح کر دینا، تمہاری نذر پوری ہو جائے گی اور تمہارا بیٹا بھی بچ جائے گا۔

حضرت عبداللہ اور دس اونٹوں کے درمیان قرعہ ڈالا گیا۔ ہر بار قرعہ حضرت عبداللہ کے نام نکلتا۔ یہاں تک کہ دوسری طرف اونٹوں کی تعداد سو ہو گئی۔ تب قرعہ سو اونٹوں کے نام نکلا۔ حضرت عبدالمطلب نے ایک سو اونٹ ذبح کیے۔ [ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ ۱/۱۰۴ [دار الفکر]۔ اس تاریخی واقعہ کے بعد ایک انسانی جان کی دِیَت ایک سو اونٹ مقرر ہوگئی جسے اسلام نے برقرار رکھا۔

ایک سو اونٹ کے علاوہ دیگر صورتوں میں بھی دِیَت کی مقداریں ملتی ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ سے مروی ہے: عہدِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں دِیَت کی کل رقم ۸ سو دینار یا ۸ ہزار دراہم تھی۔ پھر حضرت عمرؓ نے سونا رکھنے والوں پر ایک ہزار دینار، چاندی رکھنے والوں پر ۱۲ ہزار دراہم، گائے سے دِیَت دینے والوں پر ۲ سو گائیں اور بکری سے دِیَت دینے والوں پر ۲ ہزار بکریاں اور کپڑے کے جوڑے دینے والوں پر ۲ سو جوڑے دِیَت مقرر کی۔ سنن أبي داؤد، أبواب الديات، باب ما جاء في الدية كم هي

اُس زمانے میں سو اونٹ، سونے کے سکّے ایک ہزار دینار یا چاندی کے سکّے بارہ ہزار دراہم مالیت میں تقریباً برابر ہوتے تھے۔ بعد میں ان تینوں کی مالیت میں کافی فرق ہو گیا تو دِیَت کے تعیّن میں فقہاء کے مابین تین آراء ہوگئیں: بعض کے نزدیک اونٹ، بعض کے ہاں سونا اور بعض کے مطابق چاندی کو معیار بنایا جائے گا۔ سعودی عرب کی وزارتِ عدل ہر دو تین سال بعد بازاری قیمت کے مطابق ایک سو اونٹوں کی مالیت متعیّن کر دیتی ہے۔

پاکستان میں قانون قصاص و دیت ۱۹۹۰ء کے تحت چاندی کو دِیَت کی کم از کم مقدار کا اصل قرار دیا گیا ہے۔ اس قانون کی رو سے قرآن و سنت میں درج اسلامی قوانین اور مجرم اور مقتول کے ورثاء کی مالی حیثیت کو مدِّنظر رکھتے ہوئے عدالت دِیَت کی مقدار متعیّن کرے گی جو 30,630 گرام چاندی سے کم نہیں ہوگی۔ حکومت ہر سال یکم جولائی کو چاندی کی قیمت کا اعلان کیا کرے گی۔ [Qisas & Diyat Ordinance No. VII of 1990, S. 323]

ہونے کا ہر آدمی دعویٰ دار تھا۔ حضرت علیؓ نے پہلے دو آدمیوں سے پوچھا: تم اقرار کرتے ہو کہ یہ لڑکا تیسرے کا ہے؟ انہوں نے کہا: نہیں۔ پھر حضرت علیؓ نے دو کو الگ کیا اور ان سے پوچھا: تم اقرار کرتے ہو کہ یہ لڑکا تیسرے شخص کا ہے؟ انہوں نے کہا: نہیں۔ اسی طرح جب وہ دو سے پوچھتے کہ تم اس لڑکے کو تیسرے کا کہتے ہو تو وہ انکار کرتے۔ حضرت علیؓ نے ان کے درمیان قرعہ اندازی کی۔ جس کے نام قرعہ نکلا آپ نے اسے دو تہائی دیت کا ذمہ دار بنا دیا اور بچہ اس کے سپرد کر دیا(۱)۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ کو امیرِ لشکر بنا کر روانہ فرمایا جو بوقتِ ضرورت اجتہاد کرتے تھے۔ آپ نے حضرت عمرو بن العاصؓ کو غزوۂ ذات السلاسل (۲) میں امیرِ لشکر بنا کر بھیجا(۳)۔ ایک رات ان پر غسل فرض ہو گیا۔ وہ ڈرے کہ اگر غسل کیا تو مر جائیں گے۔ انہوں نے تیمّم کیا اور ساتھیوں کو نمازِ فجر کی امامت کرا دی۔ وہ خود کہتے ہیں: غزوہ ذات السلاسل کے دوران سردیوں میں مجھے ایک رات احتلام ہو گیا۔ مجھے یہ اندیشہ ہوا کہ اگر غسل کیا تو مر جاؤں گا۔ لہٰذا میں نے تیمّم کر کے اپنے ساتھیوں کو نمازِ فجر کی امامت کرا دی۔ انہوں نے اجتہاد کیا اور غسل نہ کرنے کا جواز یہ بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا (۴) اور تم اپنے آپ کو قتل مت کرو یقیناً اللہ تعالیٰ تم پر نہایت رحم کرنے والے ہیں (۵)۔

حضرت ابوعبیدہ بن الجراحؓ نے بطور سپہ سالار ایک مرتبہ ساحلِ سمندر پر پڑی مردار مچھلی کا گوشت کھانے کا فتویٰ دیا اور اپنے سپاہیوں سے فرمایا: ہم راہِ خدا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قاصد ہیں اور تم مجبور ہو گئے ہو، پس کھاؤ۔ پورے لشکر نے اس مچھلی کا گوشت کھایا(۶)۔

۱۔ سنن إبن ماجه، كتاب الأحكام، باب القضاء بالقرعة ۱۰۹/۳

۲۔ یہ قبائل لخم اور جذام سے جنگ تھی۔ یہ مقام وادی قُریٰ سے آگے ہے۔ اس کے اور مدینہ کے درمیان دس ایام کی مسافت ہے۔ جذام کے علاقے میں چشموں جنہیں سلسال کہا جاتا ہے، پر اترنے کے باعث اس غزوہ کو ذات السلاسل کا نام دیا گیا۔ صحيح البخاری، كتاب المغازی، باب غزوة ذات السلاسل ۔ الطبقات الكبرىٰ ۱۳۱/۲۔ الكامل في التاريخ ۱۵۶/۲

۳۔ صحيح البخاری، كتاب المغازی، باب غزوة ذات السلاسل ۶۲۵/۲

۴۔ النسآء ۲۹:۴

۵۔ سنن أبي داؤد، كتاب الطهارة، باب إذا خاف الجنب البرد أيتيمم ۱۳۴/۱

۶۔ حضرت جابرؓ روایت کرتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوعبیدہ بن الجراحؓ کو ہمارا سپہ سالار بنا کر ہمیں بھیجا تاکہ ہم قریش کے قافلہ سے ملیں۔ ہمیں کھانے کے لیے کھجور کا ایک تھیلہ دیا۔ اس کے سوا ہمیں کچھ اور نہ ملا۔ حضرت ابوعبیدہؓ ہمیں روزانہ ایک ایک کھجور کھانے کے لیے دیتے تھے۔ راوی نے حضرت جابرؓ سے پوچھا: آپ ایک کھجور سے کیا کرتے تھے؟ انہوں نے جواب دیا: ہم بچوں کی طرح اسے چوستے، پھر اس کے بعد تھوڑا سا پانی پی لیتے تھے۔ اتنی خوراک ہمیں سارے دن رات کے لیے کافی ہو جایا کرتی تھی۔

بقیہ اگلے صفحہ پر ......

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو سعید خدریؓ کو ایک چھوٹے لشکر کا امیر بنا کر بھیجا۔ ان لوگوں نے علاج کے لیے سورت الفاتحہ پڑھنے پر ایک علاقہ کی قوم سے اجرت حاصل کی تھی (۱)۔ حضرت ابو قتادہؓ نے سفر کے دوران شکار کیا اور ایک شخص کو حالتِ احرام میں اپنے شکار سے کھانے کا فتویٰ دیا تھا (۲)۔

اجتہاداتِ صحابہؓ عدالتِ نبوی میں

اصولی طور پر یہ بات طے ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہوتے ہوئے کسی صحابی کو قانون سازی کا

گزشتہ سے پیوستہ........ حضرت جابرؓ بیان کرتے ہیں: ہم سمندر کے کنارے پہنچے۔ وہاں ایک بڑی لمبی اور موٹی چیز نمودار ہوئی۔ جب ہم اس کے پاس گئے تو دیکھا کہ وہ ایک جانور ہے جسے عنبر کہتے ہیں۔ حضرت ابو عبیدہؓ نے فرمایا: یہ مردار ہے۔ پھر کہنے لگے: نہیں، ہم اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بھیجے ہوئے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں نکلے ہیں، تم بھوک کی وجہ سے مجبور کر دیئے گئے ہو، پس تم اسے کھاؤ۔

حضرت جابرؓ نے کہا: ہم تین سو افراد تھے اور وہاں ایک ماہ تک رہے۔ ہم نے اسے کھایا اور موٹے ہو گئے۔ ہم اس کی آنکھ کے حلقہ میں سے چربی کے گھڑے بھرتے تھے اور اس کے جسم سے بیل کے برابر گوشت کے ٹکڑے کاٹتے تھے۔ حضرت ابو عبیدہؓ نے ہم میں سے تیرہ افراد کو لیا اور وہ سب اس جانور کی ایک آنکھ کے حلقہ کے اندر بیٹھ گئے۔ ہم نے اس کی پسلیوں میں سے ایک پسلی اٹھا کر کھڑی کی، پھر اپنے اونٹوں میں سب سے بڑے اونٹ پر پالان باندھا، وہ اس کے حلقے میں سے گزر گیا۔ ہم نے اس کے گوشت کے بورے بنا لیے تھے۔ جب ہم مدینہ آئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سارا واقعہ بیان کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: هُوَ رِزْقٌ أَخْرَجَهُ اللّٰهُ لَكُمْ فَهَلْ مَعَكُمْ مِنْ لَحْمِهِ شَيْءٌ فَتُطْعِمُونَا، وہ اللہ تعالیٰ کا رزق تھا جسے تمہارے لیے اللہ تعالیٰ نے نکالا تھا۔ اگر تمہارے پاس اس کا کچھ گوشت ہے تو ہمیں بھی کھلاؤ۔ حضرت جابرؓ بیان کرتے ہیں کہ ہم نے اس جانور کا گوشت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجا اور آپ نے اسے کھایا۔ صحیح مسلم، كتاب الصيد و الذبائح، باب إباحة ميتات البحر

۱۔ صحيح البخاري، كتاب الطب، باب النفث في الرقية۔ اس واقعہ کی تفصیل پیچھے صفحہ ۱۴۷ پر بیان کی جا چکی ہے۔

۲۔ حضرت ابو قتادہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب حج کرنے کے لیے روانہ ہوئے تو لوگ بھی آپ کے ساتھ گئے۔ ایک گروہ جس میں حضرت ابو قتادہؓ بھی تھے اسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسرے راستے سے بھیجا اور فرمایا: تم دریا کا کنارا اختیار کرتے ہوئے ہم سے آملو۔ یہ لوگ دریا کے کنارے کنارے چلتے گئے۔ جب وہ لوگ واپس لوٹے تو سب نے احرام باندھا لیکن حضرت ابو قتادہؓ نے احرام نہ باندھا۔ وہ لوگ سفر کر رہے تھے کہ انہیں کچھ جانور نظر آئے۔ حضرت ابو قتادہؓ نے ان پر حملہ کر دیا اور ایک مادہ کو شکار کر لیا۔ لوگ اپنی سواریوں سے اترے اور اس کا گوشت کھایا۔ پھر وہ کہنے لگے: کیا ہم اس کا گوشت کھا لیں حالانکہ ہم حالتِ احرام میں ہیں؟ ہم نے اس کا بقیہ گوشت نہ کھایا اور اسے اٹھا لیا۔

جب لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچے تو انہوں نے پوچھا: یا رسول اللہ! ہم نے احرام باندھ لیا تھا اور حضرت ابو قتادہؓ نے احرام نہیں باندھا تھا۔ ہم نے کئی گورخر دیکھے، حضرت ابو قتادہؓ نے ان پر حملہ کر کے ان میں سے ایک مادہ کو شکار کر لیا۔ پھر ہم اترے اور اس کا گوشت کھایا۔ پھر ہم نے کہا: کیا ہم اس کا گوشت کھائیں جبکہ ہم نے احرام باندھا ہوا ہے؟ کچھ لوگوں نے اس کا بچا ہوا گوشت اٹھا لیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مِنْكُمْ أَحَدٌ أَمَرَهُ أَنْ يَحْمِلَ عَلَيْهَا أَوْ أَشَارَ إِلَيْهَا؟ تم میں سے کسی نے اس پر حملہ کرنے کے لیے حکم یا اشارہ کیا تھا؟ لوگوں نے کہا: نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: فَكُلُوا مَا بَقِيَ مِنْ لَحْمِهَا اس کا بچا ہوا گوشت کھاؤ۔ صحيح البخاري، كتاب المناسك، باب لا يشير المحرم إلى الصيد لكي يصطاده الحلال

حق نہیں تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس دنیا سے پردہ فرما جانے سے پہلے مختلف علاقوں کی طرف مقرر کیے گئے قاضیوں، حاکموں اور امیرانِ لشکر نے حق اجتہاد استعمال کیا تھا۔ یہ حق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے انہیں تفویض کیا گیا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دُور ہونے کی وجہ سے اُن علاقوں کے مسائل کا بہترین حل یہی تھا کہ وہاں کے قاضیوں، حاکموں اور امیرانِ لشکر کو یہ اختیار دے دیا جائے۔ جن واقعات میں صحابہ کرامؓ نے کسی سفر اور مہم کے دوران اجتہادات کیے، وہ مخصوص حالات تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دُوری اور مسائل کی فوری نوعیت اس بات کا تقاضا کرتی تھی کہ ایسے مواقع پر صحابہ کرامؓ ازخود اجتہاد کر کے احکام اخذ کریں اور درپیش مسائل کا شرعی حل تلاش کرلیں۔

تمام اجتہاداتِ صحابہؓ عدالتِ نبوی کی توثیق و منظوری سے مشروط تھے۔ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی صحابی کا اجتہاد مسترد فرما دیتے تو اس اجتہاد کی کوئی شرعی و قانونی حیثیت نہیں ہوتی تھی۔ صحابہؓ کے قضایا، فتاویٰ، فیصلوں اور آراء پر نبوی ردِ عمل عام طور پر چار طرح سے ہوا کرتا تھا: تصویب، سکوت، اصلاح اور عدم تصویب۔

تصویب

صحابہ کرامؓ کے اجتہادات کو عدالتِ نبوی سے صحیح قرار دیا گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تصویب فرمائی اور انہیں قائم رکھا۔ ایسے چند اجتہادات بطور مثال درج ذیل ہیں:

اوپر بیان ہوا کہ حضرت علیؓ نے یمن میں ان لوگوں کے درمیان دِیَت کا فیصلہ کیا تھا جنہوں نے شیر کے شکار کے لیے گڑھا بنایا تھا جس میں چار آدمی گر پڑے تھے۔ لوگوں نے اس فیصلے سے انکار کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر سارا واقعہ بیان کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کا فیصلہ نافذ کر دیا تھا(۱)۔

حضرت سعد بن معاذؓ نے یہودِ بنوقریظہ کی رضامندی پر بطور ثالث حکم دیا کہ لڑائی کے قابل محصورین قتل، عورتیں اور بچے قید اور ان کا مال مسلمانوں میں تقسیم کر دیا جائے۔ اس فیصلہ پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَقَدْ حَكَمْتَ فِيهِمْ بِحُكْمِ اللّٰهِ وَ حُكْمِ رَسُوْلِهِ (۲)

تم نے ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق فیصلہ کیا۔

حضرت ابوسعید خُدریؓ سے مروی ہے کہ دو آدمیوں نے تیمّم سے نماز ادا کی۔ پھر نماز کے وقت میں پانی مل گیا۔ ایک نے وضو کر کے دوبارہ نماز ادا کرلی۔ دوسرے نے نماز ادا نہ کی۔ دونوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

۱۔ مسند أحمد بن حنبل ۱/۱۵۲۔ البداية والنهاية ۵/۱۰۷

۲۔ الطبقات الكبرىٰ ۳/۴۲۳

سے استفسار کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس صحابی کو جس نے نماز نہیں دہرائی تھی، فرمایا: اَصَبْتَ السُّنَّةَ وَ اَجْزَئَتْكَ صَلٰوتُكَ، یعنی تم نے سنت پر عمل کیا اور تمہاری نماز ہوگئی۔ دوسرے صحابی سے فرمایا: اَمَّا اَنْتَ فَلَكَ مِثْلُ سَهْمِ جَمْعٍ (۱) تیرے لیے دوگنا ثواب ہے۔

جیسا کہ پیچھے بیان کیا جا چکا ہے کہ حضرت ابوعبیدہ بن جراحؓ نے بطور سپہ سالار ایک مرتبہ ساحلِ سمندر پر پڑی مردار مچھلی کا گوشت کھانے کا فتویٰ دیا اور فرمایا: ہم راہِ خدا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قاصد ہیں اور تم مجبور ہو گئے ہو، پس کھاؤ۔ پورے لشکر نے اس مچھلی کا گوشت کھایا۔ مدینہ واپسی پر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ واقعہ بیان کیا گیا تو آپ نے فرمایا:

هُوَ رِزْقٌ اَخْرَجَهُ اللّٰهُ لَكُمْ فَهَلْ مَعَكُمْ مِنْ لَّحْمِهِ شَيْءٌ فَتُطْعِمُوْنَا (۲)

وہ اللہ تعالیٰ کا رزق تھا جسے تمہارے لیے اللہ تعالیٰ نے نکالا تھا۔ اگر تمہارے پاس اس کا کچھ گوشت ہے تو ہمیں بھی کھلاؤ۔

لہٰذا عدالتِ نبوی نے جس اجتہادِ صحابی کی تصویب فرمائی اور اسے صحیح قرار دیا تو اس کی حیثیت تقریری حدیث کی ہے۔

سکوت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ کے بعض اجتہادات پر سکوت فرمایا۔ آپ نے ان کی ملامت نہیں فرمائی، ڈانٹا ڈپٹا نہیں، نکیر نہیں کی، منع نہیں فرمایا بلکہ آپ خاموش رہے۔ اس سکوت کی تین صورتیں ہوتی تھیں:

۱۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سکوت فرمایا لیکن اظہارِ خوشی بھی فرمایا اور اسے اچھا جانا۔ مثلاً حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی علیہ وسلم ایک مرتبہ ان کے ہاں تشریف لائے تو بہت مسرور تھے اور فرمایا: اے عائشہؓ! کیا تم نے نہیں دیکھا کہ مُجَزِّز مُدْلِجیؓ آیا اور اسامہؓ اور ان کے والد زیدؓ کو دیکھا۔ ان دونوں پر چادر پڑی تھی جس سے وہ اپنے سروں کو چھپائے ہوئے تھے اور ان کے پاؤں کھلے تھے۔ اس نے کہا: یہ پاؤں ایک دوسرے کے ہیں (۳) یعنی باپ بیٹا کے ہیں۔

حضرت اسامہؓ کی رنگت سیاہ تھی اور آپ کے والد حضرت زیدؓ رنگت میں گورے تھے۔ بعض لوگ حضرت اسامہؓ کے نسب میں شک کرتے تھے۔ اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت مجززمدلجیؓ کی قیافہ شناسی پر اظہارِ خوشی فرمایا۔

۱۔ سنن النسائی، کتاب الغسل، باب التیمّم لمن یجد الماء بعد الصلوٰۃ

۲۔ صحیح مسلم، کتب الصید والذبائح، باب إباحة میتات البحر

۳۔ صحیح البخاری، کتاب الفرائض، باب القائف ۲/۱۰۰

۲۔ ایسا بھی ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی صحابی کے اجتہاد پر سکوت فرمانے کے ساتھ ساتھ تبسم بھی فرمایا۔ اوپر بیان ہوا کہ حضرت علیؓ نے یمن میں تین آدمیوں کے درمیان فیصلہ کیا جنہوں نے ایک طہر (پاکی کا زمانہ) میں عورت سے جماع کیا تھا اور اس سے ایک بچے کا باپ ہونے کا ہر شخص دعویٰ دار تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت علیؓ کا یہ فیصلہ بتایا گیا تو آپ مسکرائے یہاں تک کہ آپ کے دہن مبارک کی داڑھیں نمایاں ہوگئیں (۱)۔

حضرت عمرو بن العاصؓ نے غزوہ ذات السلاسل کے موقع پر غسل جنابت کیے بغیر اور تیمم کرکے ساتھیوں کو نماز کی امامت کرادی تھی۔ بعد میں لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا۔ آپ نے فرمایا: اے عمرو! تو نے حالت جنابت میں نماز کی امامت کرادی؟ حضرت عمرو بن العاصؓ نے غسل نہ کرنے کا سبب بیان کیا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: وَ لَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا (۲) اور تم اپنے آپ کو قتل مت کرو یقیناً اللہ تعالیٰ تم پر نہایت رحم کرنے والے ہیں۔ یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسکرائے اور کچھ نہ فرمایا (۳)۔

۳۔ ایسا بھی ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی صحابی کے فعل پر صرف سکوت فرمایا۔ اس کی نہ تو نکیر کی، نہ منع فرمایا اور نہ ہی تبسم یا اظہارِ خوشی فرمایا۔ حضرت براء بن عازبؓ روایت کرتے ہیں کہ صلح حدیبیہ (۶ھ) کے موقع پر جب شرائط لکھی جانے لگیں تو حضرت علیؓ نے صلح نامہ کے اوپر لکھا: هٰذَا مَا كَاتَبَ عَلَيْهِ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ، یہ وہ ہے جو فیصلہ کیا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے۔ مشرکین نے اس جملہ پر اعتراض کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ سے فرمایا: یہ جملہ مٹادو۔ حضرت علیؓ نے عرض کی: میں اسے مٹانے والا نہیں ہوں۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ سے وہ جملہ مٹادیا (۴)۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے حضرت خالد بن ولیدؓ سے روایت کیا ہے کہ وہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ اُم المومنین حضرت میمونہؓ کے گھر تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھنی ہوئی گوہ لائی گئی۔ آپ کو بتایا گیا کہ یہ گوہ ہے۔ آپ نے اپنا دستِ مبارک پیچھے ہٹالیا۔ حضرت خالد بن ولیدؓ نے پوچھا: یارسول اللہ! کیا یہ حرام ہے؟ آپ نے فرمایا:

لَا وَ لٰكِنْ لَمْ يَكُنْ بِاَرْضِ قَوْمِيْ فَاَجِدُنِيْ اَعَافُهٗ (۵)

نہیں، لیکن یہ میری قوم کی زمین پر نہیں ہوتی، لہٰذا مجھے اس سے کراہت ہوئی ہے۔

حضرت خالدؓ نے اسے کھایا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دیکھ رہے تھے۔

۱۔ سنن إبن ماجه، كتاب الأحكام، باب القضاء بالقرعة ۱۰۹/۳

۲۔ النسآء ۲۹:۴

۳۔ سنن أبی داؤد، كتاب الطهارة، باب إذا خاف الجنب البرد أيتيمم ۱۳۴/۱

۴۔ صحيح مسلم، كتاب الجهاد، باب صلح الحديبية فی الحديبية ۱۴۰۹/۳-۱۴۱۰

۵۔ صحيح البخاری، كتاب الذبائح و الصيد، باب الضب

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کسی صحابی کے اجتہادی قول یا فعل سے آگاہ ہونے کے بعد اس پر سکوت اختیار کرنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رضامندی پر دلیل ہے۔ ایسا اجتہادِ صحابی تقریری حدیث کے حکم میں ہے۔

اصلاح

بعض اجتہاداتِ صحابہؓ ایسے بھی تھے جن کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اصلاح فرمائی۔ مثلاً حضرت ابوذر غفاریؓ کی روایت ہے کہ وہ بکریاں چرانے کے لیے جنگل میں تھے۔ انہیں غسل کی حاجت ہوئی۔ پانی نہ ہونے کی وجہ سے وہ پانچ چھ دنوں تک بغیر غسل کیے نماز ادا کرتے رہے۔ واپسی پر انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا۔ آپ نے پانی منگوا کر حضرت ابوذر غفاریؓ کو نہانے کا حکم دیا اور فرمایا:

الصَّعِيدُ الطَّيِّبُ وُضُوءُ الْمُسْلِمِ وَ لَوْ إِلَى عَشْرِ سِنِينَ فَإِذَا وَجَدْتَ الْمَاءَ فَأَمِسَّهُ جِلْدَكَ فَإِنَّ ذَلِكَ خَيْرٌ (۱)

مسلمان کے لیے پاک مٹی وضو کا ذریعہ ہے خواہ دس سال بھی پانی نہ ملے، اور جب پانی ملے تو اسے اپنے بدن پر لگا لے۔

حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ تین آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں آپ کی عبادت کے متعلق پوچھنے آئے۔ جب ان سے آپ کی عبادت کا حال بیان کیا گیا تو انہوں نے اسے کم خیال کرتے ہوئے کہا: ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی برابری کیسے کر سکتے ہیں؟ آپ کے اگلے پچھلے سب گناہ معاف کر دیئے گئے ہیں۔ ان میں سے ایک نے کہا: میں ساری رات نماز ادا کیا کروں گا۔ دوسرے نے کہا: میں ہمیشہ روزے رکھوں گا۔ تیسرے نے کہا: میں نکاح نہیں کروں گا اور عورتوں سے دور رہوں گا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

۱۔ حضرت ابوذر غفاریؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس چند بکریاں جمع ہوگئی تھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ابوذر! ان کو جنگل میں لے جاؤ۔ میں انہیں لے کر جنگل چلا گیا۔ وہاں مجھے غسل کی ضرورت پیش آئی اور میں پانچ چھ دنوں تک یہی کرتا رہا، یعنی پانی کافی نہ ہونے کی وجہ سے غسل کیے بغیر نماز ادا کرتا رہا۔ جب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس واپس آیا تو آپ کو بتایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے فرمایا: ثَكِلَتْكَ أُمُّكَ أَبَاذَرٍ لِأُمِّكَ الْوَيْلُ، ابوذر! تیری ماں تجھے روئے اور تیری ماں کے لیے خرابی ہو۔ پھر آپ نے ایک لونڈی کو بلایا۔ وہ پانی کے کر آئی۔ اس نے ایک طرف سے کپڑا پکڑ کر آڑ لی اور دوسری طرف میں نے اونٹ کی آڑ کر لی۔ اس طرح میں نے غسل کیا۔ مجھے یوں لگا کہ میرے سر سے پہاڑ جتنا بوجھ اتر گیا ہے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: الصَّعِيدُ الطَّيِّبُ وُضُوءُ الْمُسْلِمِ وَ لَوْ إِلَى عَشْرِ سِنِينَ فَإِذَا وَجَدْتَ الْمَاءَ فَأَمِسَّهُ جِلْدَكَ فَإِنَّ ذَلِكَ خَيْرٌ، مسلمان کے لیے پاک مٹی وضو کا ذریعہ ہے، خواہ دس سال تک پانی نہ ملے اور جب پانی ملے تو اسے اپنے بدن پر لگا لے۔ سنن أبي داؤد، كتاب الطهارة، باب الجنب يتيمم

أَنْتُمُ الَّذِينَ قُلْتُمْ كَذَا وَ كَذَا۔ أَمَا وَاللّٰهِ إِنِّي لَأَخْشَاكُمْ لِلّٰهِ وَ أَتْقَاكُمْ لَهُ لٰكِنِّي أَصُومُ وَ أُفْطِرُ وَ أُصَلِّي وَ أَرْقُدُ وَ أَتَزَوَّجُ النِّسَاءَ فَمَنْ رَّغِبَ عَنْ سُنَّتِي فَلَيْسَ مِنِّي (۱)

کیا تم لوگوں نے ایسی ایسی بات کہی ہے؟ اللہ کی قسم! بہ نسبت تمہارے، میں اللہ تعالیٰ سے بہت زیادہ ڈرنے اور خوف کرنے والا ہوں۔ پھر بھی میں روزہ رکھتا ہوں اور افطار بھی کرتا ہوں، میں نماز ادا کرتا ہوں اور سوتا بھی ہوں اور عورتوں سے شادی بھی کرتا ہوں۔ پس جس نے میری سنت سے روگردانی کی وہ مجھ سے نہیں ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے صحابی کے اجتہاد کی اصلاح کے بعد اصلاح شدہ اجتہاد کو اب تقریری حدیث کا درجہ حاصل ہو گیا ہے۔

عدم تصویب

صحابہ کرامؓ کے چند اجتہادی فیصلے ایسے بھی تھے جو عدالتِ نبوی میں شرفِ قبولیت نہ پا سکے۔ مثلاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالد بن ولیدؓ کو بنوجذیمہ کی طرف بھیجا۔ حضرت خالدؓ نے انہیں دعوتِ اسلام دی جو انہوں نے قبول کر لی۔ مگر انہوں نے ''ہم مسلمان ہو گئے'' کے بجائے ''ہم نے اپنا دین چھوڑا'' کہا۔ حضرت خالدؓ انہیں قتل و قید کرنے لگے اور قیدیوں کو مسلمان سپاہیوں کے حوالے کر دیا۔ ایک دن انہوں نے سپاہیوں کو حکم دیا کہ وہ اپنے قیدی قتل کر دیں۔ سپاہیوں نے کہا کہ وہ اپنے قیدیوں کو قتل نہیں کریں گے، حتیٰ کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ گئے اور واقعہ بیان کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ہاتھ مبارک اٹھا کر دو مرتبہ فرمایا:

اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَبْرَأُ إِلَيْكَ مِمَّا صَنَعَ خَالِدٌ (۲)

اے اللہ! میں خالد کے فعل سے بری ہوں۔

حضرت اسامہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں قبیلہ جُہَینہ کی طرف لڑنے کے لیے بھیجا۔ ہم نے صبح سویرے حملہ کر کے انہیں شکست دے دی۔ میں اور ایک انصاری اس قبیلہ کے ایک آدمی سے لڑے۔ جب ہم نے اس پر حملہ کیا تو اس نے کہا: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ ۔ انصاری اس پر حملہ کرنے سے رک گئے۔ میں نے نیزہ مار کر اسے قتل کر دیا۔ ہماری واپسی پر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر ملی تو آپ نے مجھے فرمایا:

يَا أُسَامَةُ أَقَتَلْتَهُ بَعْدَ مَا قَالَ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ؟

اے اسامہ! کیا تم نے اسے لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ کہنے کے بعد بھی قتل کر دیا؟

۱۔ صحیح البخاری، کتاب النکاح، باب الترغیب فی النکاح

۲۔ حوالہ بالا، کتاب المغازی، باب بعث النبی صلی اللہ علیہ وسلم خالد بن ولید إلی بنی جذیمة

میں نے کہا: یارسول اللہ! اس نے صرف اپنی جان بچانے کے لیے یہ کہا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اَقَتَلْتَهُ بَعْدَ اَنْ قَالَ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ (۱)

کیا تم نے اسے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہنے کے بعد بھی قتل کر دیا؟

آپ اسی طرح بار بار فرماتے رہے، یہاں تک میں خواہش کرنے لگا کہ کاش میں آج سے پہلے مسلمان نہ ہوا ہوتا۔

حضرت سُبَیْعَة ؓ بنت الحارث الأسلمیہ کے ہاں اپنے شوہر حضرت سعد بن خولہؓ کی وفات کے بیس راتوں بعد بچہ کی ولادت ہوئی تھی۔ وضع حمل اور نفاس سے فراغت کے بعد انہوں نے نکاحِ ثانی کرنا چاہا تو حضرت ابو السنابلؓ نے انہیں کہا: بخدا تم نکاح نہیں کر سکتی جب تک تم پر چار ماہ دس دن نہ گزر جائیں۔ حضرت سُبَیعہؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر استفسار کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضعِ حمل کو انتہائے عدت قرار دیا اور انہیں نکاح ثانی کی اجازت دی (۲)۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو السنابلؓ کی رائے غلط قرار دی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگر کسی صحابی کے اجتہادی فعل یا قول کو غلط قرار دے دیں تو ایسے فعل یا قول کی کوئی شرعی حیثیت نہیں ہے۔

۱۔ صحیح البخاری، کتاب الدیات، باب قول اللّٰہ تعالٰی: وَمَنْ اَحْیَاهَا

۲۔ صحیح مسلم، کتاب الطلاق، باب إنقضاء عدة المتوفی عنها زوجها وغیرها بوضع الحمل ۱۱۲۲/۲

فقہاءِ صحابہ کرامؓ

قرآن مجید کی ایک آیت ہے:

وَ یَرَی الَّذِیۡنَ اُوۡتُوا الۡعِلۡمَ الَّذِیۡۤ اُنۡزِلَ اِلَیۡکَ مِنۡ رَّبِّکَ ھُوَ الۡحَقَّ (۱)

اور جن لوگوں کو علم دیا گیا ہے وہ جانتے ہیں کہ جو (قرآن) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پروردگار کی طرف سے آپ پر نازل ہوا ہے وہ حق ہے۔

تابعی قتادہؒ نے بیان کیا ہے: مندرجہ بالا آیت میں جن لوگوں کا ذکر ہے ان سے مراد حضرات صحابہ کرامؓ ہیں (۲)۔ تمام انسانوں میں سے یہ صرف صحابہ کرامؓ کا طبقہ ہے جس میں اُمتِ مسلمہ کے سب سے بڑے فقہاء، مفتیان، مجتہدین اور علماء پائے جاتے ہیں۔ ایک اور مشہور تابعی مجاہدؒ کا قول ہے: علماء تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرامؓ ہیں (۳)۔

ابو اسحاق شیرازیؒ نے لکھا ہے: جان لو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت میں رہنے اور آپ کی معیت وصحبت کو اپنے لیے لازمی کر لینے والے اکثر صحابہ کرامؓ فقہاء تھے (۴)۔

قبیلہ ہوازن کے خلاف غزوہ حنین (۸ھ) میں مسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی تھی۔ حضرت انس بن مالکؓ کی روایت ہے کہ بنو ہوازن کا مال قریش کے بعض لوگوں میں تقسیم کیا گیا تو چند انصار نے باتیں کیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بلوا کر پوچھا: مَا کَانَ حَدِیۡثٌ بَلَغَنِیۡ عَنۡکُمۡ، یہ کیسی بات ہے جو تمہاری طرف سے مجھے کہی گئی ہے؟ اس روایت میں مزید الفاظ یہ بھی ہیں:

فَقَالَ لَہٗ فُقَھَاؤُھُمۡ

یعنی ان میں سے فقہاء نے کہا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہم میں سے جو سمجھ دار ہیں انہوں

۱۔ سبا ۳۴:۶

۲۔ الفکر السامی ۱/۲۳۲

۳۔ حوالہ بالا ۱/۲۳۲

۴۔ طبقات الفقہاء ص ۳۵

نے کچھ نہیں کہا، لیکن بعض کم عمر لوگوں نے کہا(۱)۔

اس روایت میں صحابہ کرامؓ کے لیے فقہاء کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔

تمام صحابہ کرامؓ فقہاء، مجتہدین یا مفتیان نہیں تھے۔ وہ سب رتبۂ اجتہاد کو نہیں پہنچے ہوئے تھے۔ ان میں سے بعض مجتہدین تھے اور دوسرے ان کی تقلید کرتے اور ان سے مسائل پوچھا کرتے تھے۔ ایسا اس لیے تھا کہ تمام صحابہ کرامؓ ذہنی استعداد، خداداد صلاحیتِ فہم وادراک اور صحبتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے کسبِ فیض میں یکساں نہیں تھے۔ یہ عجیب بات نہیں ہے۔ متعدد واقعات اس بات کی تائید کرتے ہیں کہ صحابہ کرامؓ میں سے بعض اجتہادی صلاحیت رکھتے تھے جبکہ دوسرے صحابہ کرامؓ ان مجتہدین کی طرف رجوع کیا کرتے تھے۔ ایسا حیاتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں بھی ہوتا تھا۔

حضرت ابو ہریرۃؓ اور حضرت زید بن خالد جُہنیؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک دیہاتی آیا اور کہنے لگا: میں آپ کو اللہ کی قسم دیتا ہوں، آپ میرا فیصلہ کتابُ اللہ کے موافق کر دیں۔ اس شخص کا مخالف بولا: ہاں آپ کتابُ اللہ کے مطابق فیصلہ کریں اور مجھے بات کرنے کی اجازت دیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہو۔ وہ کہنے لگا: میرا بیٹا اس کے گھر نوکر تھا جس نے اس کی عورت سے زنا کیا۔ مجھ سے لوگوں نے کہا:

۱۔ حضرت انسؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بعض انصار نے عرض کی: اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو بنو ہوازن کا مال دے دیا تو وہ بعض قریشیوں کو سو سو اونٹ دینے لگے۔ اللہ تعالیٰ اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مغفرت فرمائے، آپ قریش کو تو دیتے ہیں اور ہمیں ٹال دیتے ہیں، حالانکہ ہماری تلواروں سے کافروں کا خون ٹپک رہا ہے۔ جب انصار کی یہ باتیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بیان کی گئیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بلوایا اور ایک چمڑے کے خیمہ میں جمع کیا۔ ان کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔ جب انصار خیمہ میں جمع ہو گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لائے اور فرمایا: مَا كَانَ حَدِيثٌ بَلَغَنِي عَنْكُمْ، یہ کیسی بات ہے جو تمہاری طرف سے مجھے بتائی گئی ہے۔ انصار میں سے بعض سمجھ دار لوگوں نے کہا: یا رسول اللہ! ہم میں سے جو سمجھ دار ہیں انہوں نے ایسی کوئی بات نہیں کی بلکہ بعض کم عمر لوگوں نے یہ کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو معاف کرے وہ قریش کو دیتے ہیں اور انصار کو محروم رکھتے ہیں، حالانکہ ہماری تلواروں سے ان کا خون ٹپک رہا ہے۔

اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: إِنِّي أُعْطِي رِجَالاً حَدِيثٌ عَهْدُهُمْ بِكُفْرٍ أَمَا تَرْضَوْنَ أَنْ يَذْهَبَ النَّاسُ بِالْأَمْوَالِ وَتَرْجِعُوْنَ إِلَى رِحَالِكُمْ بِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَوَاللّٰهِ مَا تَنْقَلِبُوْنَ بِهِ خَيْرٌ مِّمَّا يَنْقَلِبُوْنَ بِهِ، میں نے ان لوگوں کو دیا جن کا زمانہ کفر سے زیادہ نزدیک ہے۔ کیا تم یہ پسند نہیں کرتے کہ وہ لوگ مال لے کر جائیں اور تم اپنے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو لے کر اپنے گھروں کو واپس جاؤ۔ اللہ کی قسم! تم جس چیز کو لے کر جا رہے ہو وہ اس سے بہت بہتر ہے جسے وہ لوگ لے کر جا رہے ہیں۔

یہ سن کر انصار نے کہا: یا رسول اللہ! ہم اسے پسند کرتے ہیں۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے بعد تم جلد اپنے اوپر لوگوں کو ترجیح پاتا ہوا دیکھو گے۔ اس وقت تم صبر کرنا کیونکہ حوضِ کوثر پر تم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کرو گے۔ صحیح البخاری، کتاب الجهاد، باب ما كان النبي صلى الله عليه وسلم يعطي المؤلفة قلوبهم وغيرهم من الخمس ونحوه

تیرے بیٹے پر رجم (۱) ہے۔ میں نے رجم کے بدلے میں سو بکریاں اور ایک لونڈی دی۔ پھر میں نے عالموں سے

۱۔ رجم: شادی شدہ زانی یا زانیہ کو پتھروں سے مارنا یہاں تک کہ وہ مر جائے۔ یہ سزائے حد ہے جو جرمِ زنا میں مجرم کو دی جاتی ہے۔ رجم سنت سے ثابت ہے۔ اس کی دلیل یہی حدیث ہے۔ اس کے علاوہ دیگر احادیث سے بھی یہ ثابت ہے۔ حضرت جابر بن عبداللہؓ روایت کرتے ہیں کہ قبیلہ بنی اسلم کا ایک شخص (یعنی حضرت ماعزؓ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا۔ اس نے اعترافِ زنا کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پوچھنے پر اس نے بتایا کہ وہ شادی شدہ ہے۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے رجم کرنے کا حکم دیا۔ **سنن أبي داؤد، کتاب الحدود، باب في الرجم**

لجاج کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک شخص نے اعتراف کیا کہ اس عورت کے پاس جو بچہ ہے اس کا باپ میں ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پوچھا: کیا تم شادی شدہ ہو۔ اس نے ہاں میں جواب دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر وہ رجم کر دیا گیا۔ **سنن أبي داؤد، کتاب الحدود، باب في الرجم**

حضرت جابرؓ سے مروی ہے: ایک آدمی نے زنا کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے کوڑے مارنے کا حکم دیا۔ پھر آپ کو بتایا گیا کہ یہ شخص شادی شدہ ہے تو آپ نے اسے رجم کرا دیا۔ **سنن أبي داؤد، کتاب الحدود، باب في الرجم**

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ حضرت عمرؓ نے منبرِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر بیٹھ کر خطبہ ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو حق کے ساتھ مبعوث کیا اور ان پر آیت رجم آتاری۔ ہم نے اسے پڑھا، یاد رکھا اور سمجھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رجم کیا اور آپ کے بعد ہم نے بھی رجم کیا۔ مجھے ڈر ہے کہ لوگوں پر زمانہ گزرنے کے بعد کوئی یہ نہ کہے کہ ہم کتاب اللہ میں رجم نہیں پاتے۔ یوں وہ اس فرض کو جسے اللہ تعالیٰ نے نازل کیا، چھوڑ کر گمراہ ہو جائیں۔ بیشک کتاب اللہ میں رجم برحق ہے اس مرد و عورت پر جو شادی شدہ ہو کر زنا کرے، جب گواہی قائم ہو جائے یا حمل ظاہر ہو جائے یا اقرار سامنے آ جائے۔ **صحیح مسلم، کتاب الحدود، باب حد الزنا** ۔ یہ روایت صحیح بخاری میں بھی موجود ہے۔ **صحیح البخاری، کتاب الحدود، باب الإعتراف بالزنا**

سعید بن مسیبؒ روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر فاروقؓ نے فرمایا: ایسا نہ ہو کہ تم آیت رجم کو بھول جاؤ۔ کوئی یہ کہے کہ ہم دو حدوں کو کتاب اللہ میں نہیں پاتے۔ دیکھو! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رجم کیا اور آپ کے بعد ہم نے بھی رجم کیا ہے۔ قسم اس ذات پاک کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے، اگر لوگ یہ نہ کہتے کہ عمرؓ نے کتاب اللہ میں اضافہ کر دیا ہے تو میں اس آیت کو قرآن مجید میں لکھوا دیتا: اَلشَّیْخُ وَ الشَّیْخَۃُ اِذَا زَنَیَا فَارْجُمُوْھُمَا اَلْبَتَّۃَ (جب شادی شدہ مرد اور شادی شدہ عورت زنا کریں تو ان دونوں کو سنگسار کر دو)۔ ہم نے اس آیت کو پڑھا ہے۔ **موطا إمام مالك، کتاب الحدود، باب ما جاء في الرجم**

جصاصؒ لکھتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے رجم ثابت ہے۔ آپ نے رجم کا حکم دیا۔ تمام لوگوں نے اسے نقل کیا اور یہ اس کثرت سے روایت ہوا ہے کہ اس میں شک وشبہ کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ اُمت کا اس حکم پر اجماع ہے۔ **احکام القرآن ۳/۲۶۳**

مناع القطان نے کسی آیت کی تلاوت منسوخ اور اس کا حکم باقی رہنے کے مسئلہ پر بحث کی ہے۔ اس کا حاصل یہ ہے: یہ بات تسلیم شدہ ہے کہ ایک آیت اور اس کا حکم دونوں باہمی لازم وملزوم ہوتے ہیں۔ یہ اس لیے ہے کہ آیت حکم کی دلیل ہوا کرتی ہے۔ اگر آیت منسوخ ہو تو اس کا حکم بھی منسوخ ہو جائے، ورنہ لوگ شک میں مبتلا ہو جائیں گے۔ اس ضمن میں بات یہ ہے کہ اگر شارع نے آیت کی تلاوت منسوخ ہونے اور اس کا حکم باقی رہنے پر کوئی دلیل نہ دی ہو تو پھر ضروری ہے کہ آیت اور اس کا حکم دونوں ایک دوسرے کے لیے لازم رہیں۔ لیکن اگر شارع کی طرف سے آیت کی تلاوت منسوخ اور اس کا حکم باقی رہنے پر دلیل بیان کر دی گئی ہو تو پھر ضروری نہیں رہتا کہ آیت اور حکم دونوں ایک دوسرے کے لیے لازم رہیں۔ اس شرعی دلیل کی وجہ سے شک بھی باقی نہیں رہتا۔ **مباحث في علوم القرآن ص ۲۳۲**

پوچھا، انہوں نے مجھے بتایا کہ تیرے بیٹے کو سو کوڑے لگیں گے، ایک برس کی جلاوطنی ہوگی اور اس کی عورت بھی رجم ہوگی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

وَ الَّذِی نَفْسِی بِیَدِہٖ لَاَقْضِیَنَّ بَیْنَکُمَا بِکِتَابِ اللّٰہِ الْوَلِیْدَۃُ وَ الْغَنَمُ رَدٌّ وَ عَلٰی اِبْنِکَ جَلْدُ مِائَۃٍ وَ تَغْرِیْبُ عَامٍ وَ اَغْدُ یَا اُنَیْسُ اِلٰی اِمْرَاَۃِ ھٰذَا فَاِنْ اِعْتَرَفَتْ فَارْجُمْھَا

میں تم دونوں کا فیصلہ کتاب اللہ کے موافق کرتا ہوں۔ تم لونڈی اور بکریاں واپس لو۔ تمہارے بیٹے کو سو کوڑے لگیں گے اور اسے ایک برس کی جلاوطنی ہے۔ اے اُنیسؓ! تم صبح کو اس عورت کے پاس جاؤ، اگر وہ زنا کا اقرار کر لے تو اسے رجم کر دینا۔

حضرت اُنیسؓ صبح اس عورت کے پاس گئے۔ اس نے اقرارِ جرم کر لیا۔ لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر وہ عورت رجم کر دی گئی (۱)۔

مندرجہ بالا روایت میں اس دیہاتی شخص کے الفاظ یہ تھے: فَسَاَلْتُ اَھْلَ الْعِلْمِ فَاَخْبَرُوْنِی پھر میں نے عالموں سے پوچھا، انہوں نے مجھے بتایا۔ یہ الفاظ اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ تمام صحابہ کرامؓ فقہاء اور مجتہدین نہیں تھے۔ اس روایت سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مبارکہ میں مجتہد صحابہ کرامؓ فتویٰ دیا کرتے تھے۔

حیاتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں کئی صحابہ کرامؓ اجتہاد اور فتویٰ جیسے اہم قانونی امور سرانجام دے رہے تھے۔ مجتہدین اور مفتیانِ صحابہ کرامؓ میں حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، حضرت عبدالرحمان بن عوفؓ، حضرت زید بن ثابتؓ، حضرت معاذ بن جبلؓ، حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ، حضرت اُبی بن کعبؓ، حضرت حذیفہ بن یمانؓ، حضرت ابوالدرداءؓ اور حضرت عمار بن یاسرؓ شامل ہیں (۲)۔ حضرت عمرؓ کے بارے میں یہ تاریخی بات ہے کہ آپ قبل از اعلانِ بعثِ نبوی بھی عربوں کے فیصلے کیا کرتے تھے (۳)۔

ان مجتہدین صحابہؓ کی فضیلت میں متعدد احادیث و آثار ملتے ہیں جن میں سے چند یہ ہیں:

حضرت ابوبکر صدیقؓ

حضرت سہل بن سعد ساعدیؓ سے مروی حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

۱۔ صحیح مسلم، کتاب الحدود، باب من اعترف علی نفسه بالزنی

۲۔ الطبقات الکبریٰ ۲/۳۴۴-۳۳۵، ۳۴۰، ۳۴۸، ۳۵۰۔ طبقات الفقہاء ص ۳۹۔ المستدرك، کتاب معرفة الصحابة ۳/۳۰۲۔ تاریخ الخلفاء ص ۲۸

۳۔ الطبقات الکبریٰ ۶/۱۵۳

إِنَّ اللّٰهَ يَكْرَهُ أَنْ يُخْطِى أَبُوْبَكْرٍ (۱)

اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہے کہ حضرت ابوبکرؓ سے غلطی ہو۔

حضرت عمرؓ

حضرت عُقبہ بن عامرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَوْ كَانَ بَعْدِی نَبِیٌّ لَكَانَ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ (۲)

اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمر ہوتے۔

حضرت ابو ہریرۃؓ کی روایت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

قَدْ كَانَ فِيمَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ مِنْ بَنِی إِسْرَائِيْلَ رِجَالٌ يُكَلِّمُوْنَ مِنْ غَيْرِ أَنْ يَكُوْنُوْا أَنْبِيَاءَ فَإِنْ يَكُ مِنْ أُمَّتِی مِنْهُمْ أَحَدٌ فَعُمَرُ (۳)

تم سے پہلے بنی اسرائیل میں کچھ لوگ ایسے ہوتے تھے کہ ان سے باتیں کی جاتی تھیں، بغیر اس کے کہ وہ نبی ہوں۔ پس اگر میری امت میں کوئی ایسا ہوگا تو عمر ہوگا۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إِنَّ اللّٰهَ جَعَلَ الْحَقَّ عَلَى لِسَانِ عُمَرَ وَ قَلْبِهِ (۴)

بے شک اللہ نے حضرت عمرؓ کی زبان وقلب پر حق جاری فرمایا ہے۔

حضرت عمرؓ کی فضیلت سے متعلق حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا: علم کے دس حصوں میں سے نو حضرت عمرؓ کے پاس ہیں۔ اگر ترازو کے ایک پلڑے میں صرف حضرت عمرؓ کا علم رکھا جائے اور دوسرے میں تمام دنیا کا، پھر بھی حضرت عمرؓ کے علم کا پلڑا بھاری رہے گا (۵)۔

حضرت عثمانؓ

ابن سیرینؒ کے مطابق صحابہ کرامؓ یہ بخوبی جانتے تھے کہ ان میں حضرت عثمانؓ احکامِ حج کے سب سے زیادہ عالم تھے (۶)۔

۱۔ المعجم الأوسط ۵۶۴/۴۔ اس حدیث کے رجال ثقہ ہیں: مجمع الزوائد ۴۹/۹

۲۔ صحیح الترمذی، کتاب المناقب، فی مناقب عمر بن الخطاب

۳۔ صحیح البخاری، کتاب المناقب، باب مناقب عمر بن الخطاب

۴۔ صحیح الترمذی، أبواب المناقب، مناقب أبی حفص عمر بن الخطابؓ

۵۔ الطبقات الکبریٰ ۳۳۶/۲۔ اعلام المؤقعین ۱۶/۱

۶۔ طبقات الفقہاء ص ۱۴۔ اعلام المؤقعین ۱۸/۱

حضرت علیؓ

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

أَنَا مَدِيْنَةُ الْعِلْمِ وَ عَلِيٌّ بَابُهَا فَمَنْ أَرَادَ الْعِلْمَ فَلْيَأْتِهِ مِنْ بَابِهِ (۱)

میں علم کا شہر ہوں اور اس کا دروازہ علیؓ ہیں۔ جو کوئی علم حاصل کرنا چاہتا ہے تو اسے چاہیے کہ وہ اس کے دروازے سے آئے۔

حضرت علیؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

أَنَا دَارُ الْحِكْمَةِ وَ عَلِيٌّ بَابُهَا (۲)

میں حکمت ودانائی کا گھر ہوں اور علیؓ اس کا دروازہ ہیں۔

حضرت علیؓ کے بارے میں حضرت عائشہؓ نے فرمایا: بے شک حضرت علیؓ لوگوں میں سے سب سے زیادہ عالمِ سنت تھے (۳)۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرمایا کرتے تھے: اگر کوئی معتبر آدمی ہمیں حضرت علیؓ کی جانب سے فتویٰ بیان کرتا تو ہم اس کی مخالفت نہیں کیا کرتے تھے (۴)۔

حضرت زید بن ثابتؓ

حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے حضرت زید بن ثابتؓ کی قبر پر کھڑے ہو کر فرمایا: اس طرح علم رخصت ہوتا ہے (۵)۔ مسروقؒ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے مدینہ آ کر حضرت زید بن ثابتؓ کو **الراسخين في العلم** علم میں پختہ لوگوں میں پایا (۶)۔ حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کے زمانوں میں حضرت زید بن ثابتؓ مدینہ میں

۱۔ المعجم الكبير ۵۶/۱۱۔ اس حدیث کو امام حاکم نیشاپوری نے بھی نقل کیا ہے اور لکھا ہے: اس حدیث کی اسناد صحیح ہیں۔ المستدرك على الصحيحين، كتاب معرفة الصحابة، أنا مدينة العلم وعلي بابها

۲۔ صحيح الترمذي، مناقب عليّ بن أبي طالب رضي الله عنه ۔ امام ترمذیؒ کہتے ہیں: یہ حدیث منکر ہے۔ بعض نے اسے شریک سے روایت کیا ہے اور اس میں راوی الصُّنَابِحِي کا ذکر نہیں کیا۔ ہم نہیں جانتے کہ ثقہ راویوں میں سے کسی نے اسے شریک سے روایت کیا ہو۔ صحيح الترمذي، مناقب عليّ بن أبي طالب رضي الله عنه۔

اصطلاح میں منکر کا اطلاق دو چیزوں پر ہوتا ہے: ایک وہ حدیث جسے کوئی ضعیف راوی، ثقہ راوی کے برعکس روایت کرے، اور دوسری وہ حدیث جس کے کسی راوی میں فاش اغلاط یا انتہائی غفلت یا فسق پایا جائے۔ معجم اصطلاحاتِ حدیث ص ۳۶۸

۳۔ طبقات الفقهاء ص ۴۲

۴۔ الطبقات الكبرىٰ ۳۳۸/۲

۵۔ اعلام الموقعين ۱۸/۱

۶۔ حوالہ بالا ۱۸/۱

فتویٰ، فرائض یعنی میراث اور قرأت کے رئیس تھے (۱)۔ سلیمان بن یسارؒ کے مطابق حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ قضاء اور فتویٰ، فرائض اور قرأت میں حضرت زید بن ثابتؓ پر کسی کو مقدم نہیں کرتے تھے (۲)۔ حضرت عمرؓ یہ فرمایا کرتے تھے کہ جو میراث کے مسائل معلوم کرنا چاہے وہ حضرت زید بن ثابتؓ کے پاس جائے، جو فقہ پوچھنا چاہے وہ حضرت معاذ بن جبلؓ کے پاس جائے اور جو مال کا ارادہ رکھتا ہو وہ میرے پاس آئے (۳)۔

حضرت معاذ بن جبلؓ

حضرت عبادۃ بن الصامتؓ نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مُعَاذُ بْنُ جَبَلٍ اَعْلَمُ الْاَوَّلِیْنَ وَ الْاٰخِرِیْنَ بَعْدَ النَّبِیّٖنَ وَ الْمُرْسَلِیْنَ وَ اَنَّ اللّٰہَ یُبَاھِی بِہِ الْمَلَائِکَۃَ (۴)

انبیاء اور رسولوں کے بعد اوّلین اور آخرین میں سب سے زیادہ عالم حضرت معاذ بن جبلؓ ہیں۔ اللہ تعالیٰ ملائکہ کے سامنے ان پر فخر کرتے ہیں۔

حضرت عمرؓ فقہ کے متعلق پوچھنے والوں کو حضرت معاذ بن جبلؓ کے پاس جانے کا مشورہ دیتے تھے (۵)۔ آپ فرمایا کرتے تھے: روزِ قیامت جب علماء جمع ہوں گے تو حضرت معاذؓ بقدر پتھر پھینکنے کے ان سے آگے ہوں گے (۶)۔ جب اصحابِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم آپس میں علمی گفتگو کرتے اور وہاں حضرت معاذؓ موجود ہوتے تو ہیبت کے ساتھ سب کی نظریں حضرت معاذ بن جبلؓ کے چہرے پر پڑتیں (۷)۔

حضرت اُبَی بن کعبؓ

حضرت اُبَی بن کعبؓ کی فضیلت یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو اُمت کا سب سے بڑا عالمِ قرآن قرار دیا ہے (۸)۔ حضرت انس بن مالکؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اُبَی بن کعبؓ کو بلا کر فرمایا:

۱۔ الطبقات الکبریٰ ۲/۳۶۰

۲۔ الطبقات الکبریٰ ۲/۳۵۹۔ طبقات الفقہاء ص ۴۶

۳۔ اعلام الموقعین ۱/۲۱

۴۔ المستدرک، کتاب معرفۃ الصحابۃ

۵۔ طبقات الفقہاء ص ۴۶۔ ابوعبید، کتاب الأموال ص ۲۱۱

۶۔ الطبقات الکبریٰ ۲/۳۴۸، ۳/۵۹۰

۷۔ اعلام الموقعین ۱/۱۸

۸۔ الطبقات الکبریٰ ۲/۳۴۱

إِنَّ اللّٰهَ أَمَرَنِي أَنْ أَقْرَأَ عَلَيْكَ : لَمْ يَكُنِ الَّذِينَ كَفَرُوا(۱)

مجھے اللہ نے حکم دیا ہے کہ میں تمہیں لَمْ يَكُنِ الَّذِينَ كَفَرُوا سناؤں۔

حضرت اُبی بن کعبؓ نے عرض کی: کیا اللہ تعالیٰ نے آپ سے میرا نام لیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں، اللہ تعالیٰ نے مجھ سے تمہارا نام لیا ہے۔ حضرت اُبی بن کعبؓ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے (۲)۔

حضرت عمرؓ لوگوں سے کہا کرتے تھے کہ جسے قرآن کے متعلق دریافت کرنا ہو وہ حضرت اُبی بن کعبؓ کے پاس جائے (۳)۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کو جب کوئی ایسا معاملہ پیش آتا جس میں وہ اہل الرائے اور اہل العلم سے مشورہ لینا چاہتے اور مہاجرین و انصار کو بلاتے تو حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ، حضرت معاذ بن جبلؓ، حضرت اُبی بن کعبؓ اور حضرت زید بن ثابتؓ کو بلاتے تھے۔ یہ لوگ حضرت ابوبکرؓ کی خلافت میں فتویٰ دیا کرتے تھے۔ حضرت عمرؓ بھی اپنے عہدِ خلافت میں انہی اصحاب کو بلاتے اور فتویٰ حضرت عثمانؓ، حضرت اُبی بن کعبؓ اور حضرت زید بن ثابتؓ کے پاس جاتا تھا (۴)۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے بارے میں فرمایا تھا:

رَضِيتُ لِأُمَّتِي مَا رَضِيَ لَهَا ابْنُ أُمِّ عَبْدٍ (۵)

میں اپنی اُمت کے لیے اس چیز پر راضی ہوا جس پر حضرت ابن اُمِ عبد یعنی حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اُمت کے لیے راضی ہوئے۔

حضرت علیؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَوْ كُنْتُ مُسْتَخْلِفًا أَحَدًا عَنْ غَيْرِ مَشْوَرَةٍ لَاسْتَخْلَفْتُ ابْنَ أُمِّ عَبْدٍ (۶)

اگر میں کسی کو بغیر مشورہ کے خلیفہ بناتا تو اُم عبد کے بیٹے یعنی حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو بناتا۔

حضرت ابن مسعودؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے فرمایا:

إِذْنُكَ عَلَيَّ أَنْ تَرْفَعَ الْحِجَابَ وَ أَنْ تَسْمَعَ سِوَادِي حَتَّى أَنْهَاكَ (۷)

۱۔ البينة ۹۸:۱

۲۔ صحيح البخاری، كتاب المناقب، باب مناقب أبی بن كعب

۳۔ المستدرك، كتاب معرفة الصحابة ۳/۲۷۱۔ ابوعبید، كتاب الأموال ص ۲۱۱

۴۔ الطبقات الكبریٰ ۲/۳۵۰

۵۔ ابن ابی شیبہ، المصنف، كتاب الفضائل، ما ذكر في عبدالله بن مسعودؓ

۶۔ سنن ابن ماجه، باب فی فضائل أصحاب رسول الله صلی الله علیه وسلم، فضل عبدالله بن مسعودؓ

۷۔ حوالہ بالا

تمہیں اجازت ہے کہ تم پردہ اٹھاؤ اور میری رازدارانہ گفتگو سنو اور چلے آؤ، جب تک تمہیں میں منع نہ کروں۔

حضرت عمرؓ نے آپ کو علم سے بھرا صندوق قرار دیا(۱)۔ حضرت عمرؓ خود پر حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو ترجیح دیا کرتے تھے۔ آپ نے حضرت ابن مسعودؓ کو اہلِ کوفہ کے ہاں بھجوایا اور انہیں لکھا: اللہ کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں، بے شک میں نے تمہارے لیے خود پر انہیں ترجیح دی ہے۔ پس ان سے علم حاصل کرو(۲)۔ حضرت علیؓ نے آپ کو فقیہِ دین اور عالمِ سنّت قرار دیا(۳)۔ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے لوگوں سے فرمایا تھا: ہم سے نہ پوچھا کرو جب تک یہ علامہ تم میں موجود ہیں، یعنی حضرت عبداللہ بن مسعودؓ(۴)۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے لیے دعا فرمائی تھی:

اَللّٰهُمَّ عَلِّمْهُ الْحِكْمَةَ (۵)

اے اللہ! اسے حکمت سکھا۔

اَللّٰهُمَّ فَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ وَ عَلِّمْهُ التَّاوِيْلَ (۶)

اے اللہ! اسے دین میں سمجھ عطا کر اور تاویل کا علم سکھا۔

حضرت عمرؓ نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے بارے میں فرمایا تھا: میں گواہی دیتا ہوں کہ تم مکانِ نبوت سے بولتے ہو(۷)۔ حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کسی مسئلہ میں مشورہ کے لیے اہلِ بدر کے ہمراہ حضرت ابن عباسؓ کو بھی بلاتے تھے۔ آپ ان دونوں خلفاء کے ادوار میں مفتی تھے(۸)۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے حضرت ابن عباسؓ کو نِعمَ ترجمانُ القرآن یعنی قرآن کے خوب اور بہترین ترجمان قرار دیا(۹)۔ طاؤسؒ بیان کرتے ہیں کہ انہوں

۱۔ الطبقات الکبریٰ ۲/۳۴۴۔ ابن ابی شیبہ، المصنّف، کتاب الفضائل، ما ذکر فی عبداللہ بن مسعودؓ ۷/۵۲۱

۲۔ الطبقات الکبریٰ ۳/۱۵۷

۳۔ حوالہ بالا ۳/۱۵۷

۴۔ سنن أبی داؤد، کتاب النکاح، باب فی رضاعة الکبیر ۲/۸۸۔ الطبقات الکبریٰ ۲/۳۴۳

۵۔ صحیح البخاری، کتاب المناقب، باب مناقب إبن عباسؓ

۶۔ صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابةؓ، باب من فضائل عبداللہ بن عباسؓ

۷۔ الطبقات الکبریٰ ۲/۳۶۹

۸۔ الطبقات الکبریٰ ۲/۳۶۶۔ صفة الصفوة ۱/۳۳۶

۹۔ المستدرك، کتاب معرفة الصحابةؓ

نے ستر اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ جب وہ کسی معاملہ میں باہم گفتگو کرتے تو وہ حضرت ابن عباسؓ کے قول کی طرف رجوع کرتے تھے(۱)۔

حضرت عائشہؓ

آپ حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کے زمانوں میں اور اپنی وفات (۵۸ھ) تک فتویٰ دیتی رہیں(۲)۔ اکابر صحابہؓ آپ سے مسائل دریافت کیا کرتے تھے(۳)۔ حضرت عائشہؓ مسائلِ میراث خوب حل کر لیتی تھیں اور بزرگ صحابہؓ میراث کے مسائل حضرت عائشہؓ سے پوچھا کرتے تھے(۴)۔

دیگر فقہاء صحابہ کرامؓ

کئی دوسرے صحابہ کرامؓ بھی فقہاء تھے۔ مثلاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوعبیدہ بن الجراحؓ کو یمن بھیجا تھا تاکہ آپ وہاں کے لوگوں کو قرآن مجید کی تعلیم دیں(۵)۔ حضرت عمرؓ نے حضرت عمران بن حُصَینؓ کو شہر بصرہ کا قاضی مقرر کیا تھا(۶)۔ حضرت ابوالدرداءؓ مدینہ میں حضرت عمرؓ کے ساتھ شریک ہو کر امور قضاء انجام دیا کرتے تھے(۷)۔ حضرت سلمہ بن اَکْوَعؓ مدینہ میں فتویٰ دیا کرتے تھے(۸)۔

حضرت ابوسعید خدریؓ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ دونوں کا شمار نوجوان فقہاء میں ہوتا تھا(۹)۔ ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے فرمایا: حضرت ابن عمرؓ کے زمانے میں ان کی کوئی نظیر نہیں تھی(۱۰)۔ حضرت ابوہریرہؓ، حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ، حضرت جابر بن عبداللہؓ، حضرت رافع بن خدیجؓ، حضرت ابوواقد حارث بن عوفؓ اور حضرت عبداللہ بن بُحَینہؓ بھی مدینہ میں فتویٰ دیا کرتے تھے(۱۱)۔

حضرت معاذ بن جبلؓ کی وفات کے وقت ان سے کہا گیا کہ وصیت کریں۔ آپ نے فرمایا: علم اور ایمان

۱۔ الطبقات الکبریٰ ۲/۳۶۷
۲۔ حوالہ بالا /۳۷۵
۳۔ الطبقات الکبریٰ ۲/۳۷۴، ۸/۶۶۔ تذکرۃ الحفاظ ۱/۲۷
۴۔ اعلام المؤقعین ۱/۱۷
۵۔ المستدرك، کتاب معرفۃ الصحابۃؓ /۲۶۷
۶۔ تذکرۃ الحفاظ ۱/۲۹
۷۔ مقدمۃ ابن خلدون ص ۱۷۳
۸۔ البدایۃ والنہایۃ ۹/۶
۹۔ الطبقات الکبریٰ ۲/۳۷۳ - ۳۷۴
۱۰۔ طبقات الفقہاء ص ۵۰
۱۱۔ الطبقات الکبریٰ ۲/۳۷۶

اپنی اپنی جگہ پر ہیں۔ جو انہیں تلاش کرے گا، پالے گا۔ چار اشخاص کے پاس علم تلاش کرو، اور وہ ابوالدرداء عُوَیمرؓ، سلمان فارسیؓ، عبداللہ بن مسعودؓ اور عبداللہ بن سلامؓ ہیں (۱)۔

مسروقؒ کا قول ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ میں اصحابِ قضاء چھ تھے: حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت اُبی بن کعبؓ، حضرت زید بن ثابتؓ اور حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ (۲)۔ حاکم نیشاپوریؒ نے وہ روایت زیادہ صحیح قرار دی ہے جس میں حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کے بجائے حضرت معاذ بن جبلؓ کا نام آیا ہے (۳)۔

مفتی صحابہ کرامؓ

ابن حزمؒ نے ان صحابہ کرامؓ کے نام ترتیب دیئے ہیں جن سے کم از کم ایک فتویٰ روایت لیا گیا ہے۔ انہوں نے تعدادِ فتویٰ کے اعتبار سے مفتی صحابہ کرامؓ کے تین طبقات بنائے ہیں:

مکثرون یہ کل سات صحابہ کرامؓ ہیں۔ حضرت عائشہؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت زید بن ثابتؓ۔

متوسطون یہ دوسرا طبقہ ہے۔ اس میں بیس صحابہؓ کے نام ہیں۔ حضرت اُم سلمہؓ، حضرت انس بن مالکؓ، حضرت ابوسعید خدریؓ، حضرت ابوہریرہؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ، حضرت عبداللہ بن زبیرؓ، حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ، حضرت سعد بن ابی وقاصؓ، حضرت سلمان فارسیؓ، حضرت جابر بن عبداللہؓ، حضرت معاذ بن جبلؓ، حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ، حضرت عبدالرحمان بن عوفؓ، حضرت عبادۃ بن صامتؓ، حضرت ابوبکرۃؓ، حضرت عمران بن الحُصَینؓ اور حضرت معاویہؓ۔

دیگر مفتی صحابہؓ اس تیسرے طبقہ میں اُن ایک سو چھبیس صحابہؓ کے نام ہیں جن سے کم از کم ایک یا دو مسائل میں فتاویٰ روایت کیے گئے ہیں (۴)۔

قُرّاء صحابہ کرامؓ

ابتدائے اسلام کے زمانہ میں قرآن مجید کے عالم قُرّاء کہلاتے تھے۔ دین اسلام کی تعلیم اور فتویٰ کا کام انہی قُرّاء صحابہ کرامؓ کے ساتھ مخصوص تھا۔ ابن خلدونؒ نے لکھا ہے: فتویٰ اور تعلیمِ دین کا کام سب صحابہ کرامؓ نہیں کیا

۱۔ الطبقات الکبریٰ ۲/۳۵۳۔ اعلام المؤقعین ۱/۱۴، ۱۵

۲۔ الطبقات الکبریٰ ۲/۳۵۱۔ المستدرك، کتاب معرفة الصحابة ۳/۳۰۲۔ طبقات الفقهاء ص ۴۴

۳۔ المستدرك، کتاب معرفة الصحابة ۳/۳۰۲

۴۔ ابن حزم، الإحكام فى أصول الأحكام ۵/۹۲ تا ۹۴

کرتے تھے۔ یہ کام قرآن مجید، ناسخ ومنسوخ اور محکمات ومتشابہات سے باخبر صحابہ کرامؓ کے ساتھ مخصوص تھا اور جنہیں بالخصوص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے استفادہ کا موقعہ ملا تھا، یا جنہوں نے کبار صحابہؓ سے سن کر احکام دین سیکھے تھے۔ یہ لوگ ابتدائے اسلام میں قُرّاء کہلاتے تھے جو کتاب اللہ کو پڑھتے اور اسے جانتے تھے۔ اس زمانے میں عرب لوگ عام طور پر ان پڑھ تھے۔ تعلیم دین انہی قُرّاء حضرات کے ہاتھوں میں تھی۔ شروع اسلام کے دور میں ایسا ہی رہا۔ بعد میں اسلامی شہروں کو عظمت ملی اور عرب لوگ پڑھ لکھ گئے۔ استنباطِ احکام کی قوت بڑھی اور رفقہ کامل ہونے لگی۔ اس چیز نے علم وصنعت کا درجہ حاصل کر لیا تھا اور قُرّاء حضرات اَب فقہاء اور علماء کہلانے لگے تھے (۱)۔

ان قُرّاء حضرات میں جن صحابہ کرامؓ کے نام آتے ہیں ان میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت معاذ بن جبلؓ، حضرت اُبی بن کعبؓ اور حضرت سالم بن معقلؓ شامل ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اِسْتَقْرَؤُا الْقُرْآنَ مِنْ اَرْبَعَةٍ مِنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ وَ سَالِمٍ مَوْلَى اَبِي حُذَيْفَةَ وَ اُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ وَ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ (۲)

چار اشخاص سے قرآن پڑھنا سیکھو، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت سالمؓ مولیٰ ابی حذیفہؓ، حضرت اُبی بن کعبؓ اور حضرت معاذ بن جبلؓ۔

۱۔ مقدمۃ ابن خلدون ص ۳۵۳

۲۔ صحیح البخاری، کتاب المناقب، باب مناقب عبداللّٰہ بن مسعودؓ

صحابہؓ کے اسالیبِ اجتہاد

اسلامی قانون کا مزاج سمجھنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ صحابہ کرامؓ نے اپنے اجتہادات میں جو اسالیب اختیار کیے ان کا مطالعہ کیا جائے۔ مزید یہ کہ اسلامی قانون سازی کے لیے بھی صحابہ کرامؓ کے اسالیبِ اجتہاد سے آگاہی ضروری ہے، خواہ یہ قانون سازی ریاستی سطح پر ہو، یا غیر ریاستی سطح پر مجتہدین کا کوئی ادارہ اجتماعی اجتہاد میں مصروف ہو، یا ایک فرد اپنے طور پر اجتہادی کاوش کرے۔ ان اسالیب سے یہ پتہ چلتا ہے کہ مسلمانوں کا قانون کیسے تشکیل پاتا ہے اور اسلامی قانون سازی کے کیا اہداف اور ترجیحات ہوتی ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد اُمتِ مسلمہ کی دینی، قانونی اور سیاسی زمامِ قیادت صحابہ کرامؓ کے ہاتھوں میں آ گئی تھی۔ اسلامی سلطنت کی جغرافیائی حدود پھیلیں اور نئے مسائل و حوادث ظاہر ہوئے جن کے شرعی احکام معلوم کرنے کے لیے صحابہ کرامؓ نے اجتہاد سے کام لیا۔ یہ اجتہاد انفرادی بھی ہوا اور اجتماعی بھی، سرکاری سطح پر بھی اجتہاد ہوا اور غیر سرکاری طور پر بھی۔ صحابہ کرامؓ نے تشریعی امور کی انجام دہی کے لیے مختلف مواقع پر جو اجتہاد کیا اور اس سلسلہ میں جو اسالیب اختیار کیے، ان کا مندرجہ ذیل عنوانات سے احاطہ کیا جا سکتا ہے:

قرآن و سنّت کی طرف رجوع

صحابہ کرامؓ کسی مسئلہ کا حکم سب سے پہلے قرآن مجید اور سنّتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے معلوم کرتے تھے۔ اگر ان دونوں میں حکم نہ پاتے تو پھر اجتہاد سے مسئلہ کا حکم دریافت کرتے تھے۔ بقول استاذ محمد ابوزہرہؒ: ان صحابہؓ کی حیثیت ایک قاضی کی تھی جو قانونی تصریح نہ ملنے پر قواعدِ عدل و انصاف سامنے رکھتے ہوئے اپنی رائے سے فیصلہ کرتا ہے(۱)۔

میمون بن مہرانؒ بیان کرتے ہیں: جب حضرت ابوبکر صدیقؓ کے سامنے کوئی مسئلہ آتا تو آپ کتاب اللہ میں دیکھتے۔ اگر اس میں مسئلہ کا حکم پاتے تو اس کے مطابق فیصلہ کر دیتے اور اگر نہ پاتے تو حدیث کی طرف دیکھتے۔ اگر اس میں کوئی حکمِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پاتے تو اسی کے مطابق حکم فرما دیتے۔ اگر اس میں عاجز آ جاتے تو

۱۔ أبو حنيفة۔ حياته و عصره، آراؤه و فقهه ص ۹۳

آپ لوگوں کو جمع کر کے ان سے پوچھتے: کیا تم میں سے کسی کو اس مسئلہ سے متعلق حدیث معلوم ہے؟ بعض اوقات لوگ کھڑے ہو جاتے اور بتا دیتے کہ اس بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا ہے۔ اگر اس پر بھی مسئلہ کا حکم دریافت نہ ہوتا تو حضرت ابوبکر صدیقؓ سربرآوردہ لوگوں کو بلاتے اور ان سے مشورہ طلب فرماتے۔ اگر سب مل کر ایک ہی بات کہتے تو آپ وہی حکم دے دیتے تھے(۱)۔

میمونؒ ہی کا بیان ہے کہ حضرت عمرؓ نے بھی یہی اصول اپنایا تھا۔ البتہ آپ کتاب وسنت میں کسی مسئلہ کا حکم نہ پانے کی صورت میں لوگوں سے حضرت ابوبکر صدیقؓ کا فیصلہ بھی دریافت کرتے تھے۔ اگر ان کا کوئی فیصلہ مل جاتا تو اسے جاری کر دیتے تھے(۲)۔

حضرت عمر فاروقؓ نے فرمایا تھا: میرے دونوں اصحاب یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیقؓ ایک عمل کر کے اور ایک راستہ اختیار کر کے چلے گئے۔ اگر میں ان کے خلاف عمل کروں گا تو راہِ راست سے بھٹک جاؤں گا(۳)۔

اگر حضرت عمرؓ کو کتاب وسنت یا حضرت ابوبکرؓ سے کوئی حکم نہ ملتا تو آپ سربرآوردہ لوگوں اور علماء کو طلب کر کے ان سے مشورہ فرماتے۔ وہ جس بات پر جمع ہو جاتے، حضرت عمرؓ اسی کے مطابق حکم دیتے تھے(۴)۔

حضرت عمرؓ نے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کو ایک خط لکھا تھا۔ اس کے مندرجات سے یہ پتہ چلتا ہے کہ کسی مسئلہ کا فیصلہ کرنے میں حضرت عمرؓ کے سامنے کیا ترجیحات تھیں۔ آپ نے اس خط میں لکھا: اگر کوئی قضیہ ایسا آن پڑے جس کے متعلق قرآن اور سنت میں کچھ نہ ہو تو پھر غور وخوض کر کے اپنے فہم وفراست سے کام لو اور ان حالات میں امور کا قیاس کرو اور مثالوں کو پہچان لیا کرو۔ پھر جو چیز اللہ تعالیٰ کی محبت سے زیادہ قریب اور حق سے زیادہ نزدیک نظر آئے اس پر اعتماد کرو(۵)۔

حضرت عمرؓ نے قاضی شُرَیحؒ کو ایک خط میں لکھا تھا: کتاب اللہ میں جو ہے اس کے مطابق تم فیصلہ کرو۔ اگر کتاب اللہ میں نہ ہو تو پھر تم سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق فیصلہ کرو۔ اگر کتاب اللہ میں نہ ہو اور نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت میں ہو تو پھر تم صالحین کے فیصلوں کے مطابق فیصلہ کرو۔ اگر کتاب اللہ میں نہ ہو، نہ سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں ہو اور نہ صالحین نے اس کا فیصلہ کیا ہو تو پھر اگر تم اجتہاد کرنا چاہتے ہو تو کرو اور اگر تم

۱۔ سنن الدارمی، باب الفتیا و ما فیہ من الشدۃ ۱/۵۸

۲۔ السنن الکبریٰ، کتاب آداب القاضی، باب ما یقضی بہ القاضی ۱۰/۱۱۵

۳۔ الطبقات الکبریٰ ۳/۲۸۹

۴۔ السنن الکبریٰ، کتاب آداب القاضی، باب ما یقضی بہ القاضی ۱۰/۱۱۵

۵۔ اعلام الموقعین ۱/۸۶

مسئلہ کو مؤخر کرنا چاہتے ہو تو مؤخر کر دو۔ میں سمجھتا ہوں کہ مؤخر کرنا تمہارے لیے بہتر ہے(۱)۔

ایک روایت میں خط کے الفاظ یہ ہیں: اگر کتاب وسنّت سے مسئلہ کا حکم نہ ملے تو پھر اس کے مطابق فیصلہ کرو جس پر لوگوں کا اِجماع ہے۔ اگر تمہارے پاس ایسا مسئلہ آ جائے جو نہ کتاب اللہ میں ہو، نہ سنّت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں ہو اور نہ اس بارے میں کسی نے پہلے رائے دی ہوئی ہو تو دو کاموں میں سے جسے چاہو لے لو(۲)۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا تھا: بے شک میرے والد فیصلے کرتے تھے لیکن جب انہیں کسی مسئلہ میں دشواری ہوتی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے استفسار کر لیتے اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی دشواری ہوتی تو آپ حضرت جبریل علیہ السلام سے پوچھ لیتے تھے(۳)۔

مندرجہ بالا آثار بتاتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کے نزدیک کسی مسئلہ کا حکم دریافت کرنے کے لیے سب سے پہلے قرآن کی طرف رجوع کیا جاتا ہے، پھر سنّتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، پھر حضرت ابوبکرؓ کے فیصلے، پھر اجماعی فیصلے اور آخر میں قیاس ورائے سے مدد لی جاتی ہے۔

جصاصؒ نے لکھا ہے: خلفائے راشدین کو جب کوئی دینی واقعہ پیش آتا تو وہ اس سے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّت صحابہ کرامؓ سے دریافت کرتے تھے۔ خلفائے راشدین قیاس کی طرف اس وقت رجوع کرتے اور اس پر اعتماد کرتے تھے جب انہیں اس واقعہ سے متعلق کوئی سنّت رسول صلی اللہ علیہ وسلم نہیں ملتی تھی(۴)۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے نزدیک حکم دریافت کرنے کے مآخذ ومصادر بالترتیب یہ تھے: قرآن مجید، سنّتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، صالحین کے فیصلے اور پھر رائے واجتہاد۔ حضرت ابن مسعودؓ کا ایک قول ہے: تم میں سے کسی کے سامنے کوئی مقدمہ پیش ہو تو وہ کتابُ اللہ کے مطابق فیصلہ کرے۔ اگر ایسا معاملہ آ جائے جو کتابُ اللہ میں نہ پائے تو سنّتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق فیصلہ دے۔ اگر وہ معاملہ ایسا ہو جس کے بارے میں کتاب و سنّت دونوں میں نہ پائے تو صالحین کے فیصلوں کے مطابق فیصلہ کرے۔ اگر کتابُ اللہ، سنّتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صالحین کے فیصلوں میں بھی کچھ نہ پائے تو اپنی رائے سے اجتہاد کرے اور یہ نہ کہے کہ میں ڈرتا ہوں، میں ڈرتا ہوں۔ بیشک حلال واضح ہے اور حرام واضح ہے اور اس کے درمیان مشتبہات ہیں۔ پس جو تمہیں شک میں ڈالے اسے چھوڑ دو اور اسے لو جو تمہیں شک میں نہ ڈالے(۵)۔

حضرت زید بن ثابتؓ نے فرمایا تھا: کتابُ اللہ کے مطابق فیصلہ کرو، اگر کتابُ اللہ میں نہ ملے تو رسول اللہ

۱۔ سنن النسائي، كتاب آداب القضاة، باب الحكم باتفاق أهل العلم ۶۲۳/۸

۲۔ جامع بيان العلم وفضله ۸۴۶/۲۔ سنن الدارمي، باب الفتيا وما فيه من الشدة ۶۰/۱

۳۔ الطبقات الكبرىٰ ۱۲۶/۴

۴۔ الفصول في الأصول ۱۴۰/۳

۵۔ سنن النسائي، كتاب آداب القضاة، باب الحكم باتفاق أهل العلم ۶۲۲/۸

صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے مطابق فیصلہ کرو، پھر اگر سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نہ ملے تو اہل الرائے کو بلاؤ، پھر اجتہاد کرو اور کوئی رائے اختیار کرلو اور اس میں کوئی حرج نہیں ہے(۱)۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے جب کسی چیز کا حکم دریافت کیا جاتا تو آپ سب سے پہلے قرآن کی طرف رجوع کرتے اور پھر سنت کی طرف۔ اگر ان دونوں میں حکم نہ ملتا تو پھر حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ سے جو مروی ہوتا اسے بتادیتے، ورنہ اپنی رائے سے اجتہاد کرتے تھے(۲)۔

قرآن وسنت کو رائے پر ترجیح

صحابہ کرامؓ کے تشریعی کردار میں یہ بات نمایاں ہے کہ انہوں نے قرآن وسنت کی کسی نص کی موجودگی میں رائے اور قیاس کی نفی کرتے ہوئے ان پر نص کو مقدم کیا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ فرمایا کرتے تھے: جب تم سے کسی چیز کے متعلق پوچھا جائے تو تم جواب مت دو، لوگوں کو کتاب اللہ کی طرف لوٹا دو(۳)۔

طاوسؒ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے جنین یعنی ماں کے پیٹ میں بچہ کی دِیت پر لوگوں سے مشورہ لیا۔ حضرت حمل بن مالکؓ نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی دِیت ایک غلام یا باندی ادا کرنے کا حکم دیا ہے(۴)۔ یہ خبر ملنے پر حضرت عمرؓ نے اپنی رائے اور قیاس کو ترک کردیا۔ قیاس کا تقاضا ہے کہ جنین اگر زندہ ہے تو پوری دِیت اور اگر پہلے ہی سے مردہ ہے تو پھر کوئی دِیت نہیں ہونی چاہیے، جبکہ حدیثِ نبوی مطلق طور پر ایک غلام یا لونڈی ادا کرنا لازم کرتی ہے۔ حضرت عمرؓ نے نص کو اختیار کرکے ذاتی رائے ترک کردی۔ اس موقع پر حضرت عمرؓ نے فرمایا تھا: اَللّٰہُ اَکْبَر، اگر میں یہ حدیث نہ سنتا تو ہم اس کے علاوہ فیصلہ کرتے(۵)۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبلؓ کو یمن روانہ کرتے وقت پوچھا: فیصلہ کیسے کروگے؟ انہوں نے سب سے پہلے قرآن، پھر سنت کا ذکر کیا اور آخر میں فرمایا تھا کہ اگر قرآن اور سنت دونوں سے مسئلہ کا حکم نہ ملے تو پھر میں اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا اور اس میں کوئی کوتاہی نہیں کروں گا۔ اس طرح حضرت معاذ بن جبلؓ نے رائے پر عمل کو سنت سے متاخر کیا اور سنت متواتر یا سنت آحاد کا کوئی فرق نہیں رکھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبلؓ کے اس موقف کی توثیق فرمائی تھی(۶)۔

۱۔ السنن الکبریٰ، کتاب آداب القاضی، باب ما یقضی به القاضی ۱۰/۱۱۵

۲۔ الطبقات الکبریٰ ۲/۳۶۶۔ سنن الدارمی، باب الفتیا و ما فیه من الشدة ۱/۵۹

۳۔ تقویم الأدلة ص ۱۸۸

۴۔ سنن النسائی، کتاب القسامة، باب دیة جنین المرأة ۸/۴۷

۵۔ سنن أبی داؤد، کتاب الدیات، باب دیة الجنین ۳/۱۹۶

۶۔ یہ حدیث پیچھے صفحہ ۱۳۹ پر بیان کی جاچکی ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے کوفہ میں پوچھا گیا تھا کہ ایک عورت سے نکاح کرنے اور اسے جماع سے قبل چھوڑ دینے کے بعد اس کی ماں سے نکاح کرنا کیسا ہے؟ آپ نے فرمایا: درست ہے۔ پھر حضرت ابن مسعودؓ مدینہ تشریف لائے۔ تحقیق سے آپ کو معلوم ہوا کہ بیوی کی ماں مطلقاً حرام ہے، خواہ بیوی سے صحبت ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو۔ صحبت کی قید ربائب (۱) میں ہے۔ کوفہ واپس آ کر حضرت ابن مسعودؓ اس آدمی کے پاس گئے جسے آپ نے مسئلہ بتایا تھا اور اسے کہا کہ وہ اس عورت کو چھوڑ دے (۲)۔

رائے دینے میں احتیاط

صحابہ کرامؓ کسی مسئلہ پر اپنی رائے دینا انتہائی ذمہ دارانہ کام سمجھتے تھے۔ ہر صحابی کی یہ خواہش ہوتی تھی کہ سائل کسی دوسرے سے مسئلہ پوچھ لے۔ ابن ابی لیلیٰ ؒ ایک سو بیس صحابہ کرامؓ سے ملے اور دیکھا کہ حدیث بیان کرنے والا اور فتویٰ دینے والا ہر صحابی یہی چاہتا تھا کہ کوئی دوسرا شخص مسئلہ بیان کرے اور کوئی دوسرا شخص فتویٰ دے۔ جب صحابہؓ سے سوال پوچھا جاتا تو ان کی یہی خواہش ہوا کرتی تھی کہ ان کے بجائے کوئی اور جواب دے (۳)۔

کسی نے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ سے اس شخص کے متعلق پوچھا جس نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دی ہوں۔ آپ نے فرمایا: ہمارا اس بارے میں کوئی قول نہیں ہے۔ تم حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور حضرت ابو ہریرۃؓ کے پاس جاؤ۔ میں ان دونوں کو حضرت عائشہؓ کے پاس بیٹھے ہوئے چھوڑ آیا ہوں۔ سائل وہاں پہنچا اور ان سے مسئلہ پوچھا تو حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے حضرت ابو ہریرہؓ سے فرمایا کہ وہ اس مسئلہ میں فتویٰ دیں (۴)۔

عمران بن حطّانؒ بیان کرتے ہیں: میں نے حضرت عائشہ صدیقہؓ سے ریشم کے متعلق پوچھا۔ آپ نے فرمایا: حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے پاس جاؤ۔ میں نے حضرت ابن عباسؓ سے پوچھا۔ انہوں نے فرمایا: حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے جا کر پوچھو۔ حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا: مجھ سے حضرت عمرؓ نے بیان کیا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

۱۔ ربائب کا واحد ہے ربیبہ۔ اس سے مراد وہ لڑکی ہے جو ایک شخص کے گھر میں پرورش پائے جو اس کی بیوی کے پہلے خاوند سے ہو۔ ایسی لڑکی سے نکاح محض اس کی ماں سے عقدِ نکاح کی بنا پر حرام نہیں ہے۔ ربیبہ سے نکاح اس وقت حرام ہے جب اس کی ماں سے عقدِ نکاح کے بعد تعلقِ زن و شو بھی قائم کر لیا گیا ہو۔ اگر وہ شخص اپنی بیوی سے تعلقِ زن و شو قائم کیے بغیر اسے طلاق دے دیتا ہے تو یہ لڑکی نکاح کے لیے اس پر حرام نہیں ہے۔ اس سلسلہ میں قرآن کی یہ آیت ہے: ﴿وَ رَبَآئِبُكُمُ الّٰتِیْ فِیْ حُجُوْرِكُمْ مِّنْ نِّسَآئِكُمُ الّٰتِیْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ﴾ [النساء ۴: ۲۳] (تم پر حرام کی گئیں) اور تمہاری بیویوں کی لڑکیاں جنہوں نے تمہاری گود میں پرورش پائی ہے، ان بیویوں کی لڑکیاں جن سے تمہارا تعلقِ زن و شو ہو چکا ہو۔

۲۔ الموطا، کتاب النکاح، باب ما لا یجوز من نکاح الرجل أم إمرأته ص ۴۲۱

۳۔ جامع بیان العلم و فضلہ ۱۱۲۰/۲۔ اعلام المؤقعین ۳۴/۱

۴۔ اعلام المؤقعین ۳۴/۱۔ جامع بیان العلم و فضلہ ۱۱۲۶/۲

إِنَّمَا يَلْبَسُ الْحَرِيرَ فِي الدُّنْيَا مَنْ لَا خَلَاقَ لَهُ فِي الْآخِرَةِ (۱)

دنیا میں ریشم وہی پہنتا ہے جس کے لیے آخرت میں کوئی حصہ نہ ہو

بغیر علم رائے سے اجتناب

صحابہ کرامؓ ایسی رائے دینے سے اجتناب کرتے تھے جس کی بنیاد علم پر نہ ہو۔ اگر انہیں کسی مسئلہ کا شرعی حکم معلوم نہ ہوتا تو برملا کہہ دیتے تھے کہ وہ نہیں جانتے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے مولیٰ (۲) نافعؒ بیان کرتے ہیں: ایک آدمی نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے

۱۔ صحیح البخاری، کتاب اللباس، باب لبس الحریر

۲۔ اسلامی ادب میں مولیٰ آزاد کردہ غلام کو کہتے ہیں جس کی جمع موالی ہے۔ آزاد کنندہ آقا اور آزاد کردہ غلام کے مابین تعلق کو ولاء کہا جاتا تھا جس کا معنی ہے محبت اور دوستی۔ ایسے غلام اپنے آقا سے منسوب کیے جاتے تھے، جیسے حضرت زید بن حارثہؓ مولیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، نافعؒ مولیٰ حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور عکرمہؒ مولیٰ حضرت عبداللہ بن عباسؓ وغیرہ۔ مسلمانوں کی تاریخ میں موالی کو بلند مقام حاصل رہا ہے۔ حسن بصریؒ روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے غلام خرید کر آزاد کر دیا اور اس بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا: أَخُوكَ وَ مَوْلَاكَ [السنن الکبریٰ، کتاب الفرائض، باب المیراث بالولاء] یعنی وہ تمہارا بھائی ہے اور تمہارا مولیٰ ہے۔ حضرت ابورافعؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مَوْلَى الْقَوْمِ مِنْ أَنْفُسِهِمْ [سنن أبی داؤد، کتاب الزکوۃ، باب الصدقة علی بنی ہاشم] قوم کا آزاد کردہ غلام انہیں میں سے ہوتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلالؓ کو خانہ کعبہ کی چھت پر چڑھ کر اذان دینے کا اعزاز عطا فرمایا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سلمان فارسیؓ کے بارے میں فرمایا۔ سَلْمَانُ مِنَّا أَهْلَ الْبَيْتِ [المعجم الکبیر] یعنی حضرت سلمانؓ ہم اہل بیت میں سے ہیں۔

صحابہ کرامؓ کے زیر تربیت رہنے والے موالی اسلامی علوم وفنون میں بہت مشہور ہوئے۔ تابعین اور تبع تابعین کے ادوار میں موالی مثلاً نافعؒ، عکرمہؒ، سعید بن جبیرؒ، عطاءؒ، طاؤسؒ، مجاہد بن جبرؒ اور مکحولؒ وغیرہ حاملینِ علم میں اونچے مقام پر فائز تھے۔ یاقوت حمویؒ نے عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم کا قول نقل کیا ہے کہ عبادلہ یعنی حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت عبداللہ بن زبیرؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ کی وفات کے بعد تمام شہروں میں فقہ کا علم موالی کے پاس آ گیا تھا۔ لہٰذا اہلِ مکہ کے فقیہ عطاءؒ، اہلِ یمن کے فقیہ طاؤسؒ، اہلِ یمامہ کے فقیہ یحییٰ بن ابی کثیرؒ، اہلِ بصرہ کے فقیہ حسن بصریؒ، اہلِ کوفہ کے فقیہ نخعیؒ، اہلِ شام کے فقیہ مکحولؒ اور اہلِ خراسان کے فقیہ عطاء خراسانیؒ تھے۔ صرف مدینہ کو اللہ تعالیٰ نے قریش کے ساتھ مخصوص رکھا اور اہلِ مدینہ کے فقیہ سعید بن مسیبؒ تھے۔ [معجم البلدان، مادۃ خراسان ۳۵۴/۲]۔

علمِ حدیث میں ایک سند: عن مالك عن نافع عن ابن عمر کو سِلْسِلَةُ الذَّهَبِ یعنی سونے کی زنجیر قرار دیا گیا ہے۔ ربیعۃ الرائےؒ امام مالکؒ کے استاد تھے جو مسلمانوں کے بڑے اور مسلمہ فقہی مذاہب میں سے مالکی مذہب کے بانی ہیں۔ اسی طرح شافعی مذہب کے بانی امام شافعیؒ نے سفیان بن عیینہؒ اور مسلم بن خالد زنجیؒ سے اخذِ علم کیا تھا اور یہ دونوں موالی تھے۔ امام حسن بصریؒ اور ابن سیرینؒ یہ دونوں بھی موالی کی اولاد میں سے تھے۔

ہندوستان پر خاندانِ غلاماں (۱۲۰۶ء تا ۱۲۹۰ء) کی حکومت رہی ہے۔ قطب الدین ایبکؒ، التتمشؒ، رضیہ سلطانہؒ، بلبنؒ اور کیقبادؒ وغیرہ مشہور شہنشاہانِ ہند ہو گزرے ہیں۔ اس خاندان کے تمام بادشاہ ماضی میں غلام رہے تھے یا غلاموں کی اولاد تھے۔

یہ تاریخی حقائق اس بات کی غمازی کرتے ہیں کہ اسلامی معاشرہ میں بلا تفریق حسب ونسب ہر فرد کو ترقی کے مساوی مواقع فراہم ہوتے ہیں۔ یہ اسلامی معاشرہ کا ایک امتیازی وصف ہے۔

مسئلہ پوچھا۔ آپ نے اپنا سر جھکا لیا۔ لوگوں کو گمان ہوا کہ آپ نے مسئلہ نہیں سنا۔ اس آدمی نے دوبارہ عرض کی: اللہ تعالیٰ آپ پر رحم فرمائے، کیا آپ نے میرا مسئلہ نہیں سنا؟ آپ نے فرمایا: کیوں نہیں، تم لوگوں کا خیال ہے کہ تم جو کچھ ہم سے سوال پوچھتے ہو، اللہ تعالیٰ ہم سے نہیں پوچھے گا۔ اللہ تعالیٰ تم پر رحم کرے، ہمیں اتنی مہلت دو کہ ہم مسئلہ سمجھ لیں۔ اگر ہمارے پاس اس کا جواب ہوگا تو تمہیں بتا دیں گے، ورنہ آگاہ کر دیں گے کہ ہمیں اس کا علم نہیں ہے(۱)۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا ہے: جس شخص نے لوگوں کی طرف سے پوچھی گئی ہر بات پر اپنا فتویٰ دیا تو ایسا شخص مجنون ہے(۲)۔

مفروضات پر رائے نہیں

صحابہ کرامؓ اس بات کو ناپسند کرتے تھے کہ ان سے ایسے واقعہ سے متعلق پوچھا جائے جو ابھی وقوع پذیر ہی نہیں ہوا۔ انہوں نے نظری اور فرضی مسائل کو اپنے اجتہادات کا موضوع نہیں بنایا تھا۔ ان کے احکام واقعی اور حقیقی امور پر تھے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرمایا کرتے تھے: ان امور کے بارے میں دریافت نہ کرو جو ابھی ہوئے ہی نہیں ہیں۔ میں نے حضرت عمرؓ سے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس شخص پر لعنت کرے جو ایسے امور دریافت کرتا ہے جو ابھی وقوع پذیر ہی نہیں ہوئے (۳)۔

طاؤسؒ سے مروی ہے کہ حضرت عمرؓ نے منبر پر کھڑے ہوئے فرمایا: اللہ کی قسم! مجھے اس شخص پر غصہ آتا ہے جس نے اس چیز کے متعلق پوچھا جو نہیں ہوئی۔ جو ہونے والا ہے وہ تو اللہ تعالیٰ بیان فرما چکے ہیں (۴)۔

حضرت معاذ بن جبلؓ فرمایا کرتے تھے: اے لوگو! کسی بلاء کے نازل ہونے سے قبل اس کی تفتیش میں جلدی مت کرو(۵)۔

مسروقؒ نے حضرت اُبی بن کعبؓ سے ایک مسئلہ پوچھا۔ انہوں نے فرمایا: اے میرے بردار زادے! کیا ایسا ہوا ہے؟ مسروقؒ نے جواب دیا: نہیں۔ حضرت اُبی بن کعبؓ نے فرمایا: اس وقت تک ہم سے الگ رہو جب تک ایسا ہو۔ جب ہوگا تو ہم تمہارے لیے اپنی رائے سے اجتہاد کریں گے(۶)۔

صحابہ کرامؓ کسی قرآنی آیت اور کسی دینی معاملہ میں ذاتی رائے ظاہر کرنے سے پرہیز کیا کرتے تھے۔

۱۔ الطبقات الکبریٰ ۱۶۸/۴
۲۔ ابو یوسف، کتاب الآثار ص ۲۰۰
۳۔ سنن الدارمی، باب کراهیة الفتیا ۵۰/۱
۴۔ اعلام الموقعین ۷۱/۱-۷۲
۵۔ سنن الدارمی، باب هاب الفتیا و کره التنطع والتبدع ۵۶/۱
۶۔ الطبقات الکبریٰ ۵۰۰/۳

لیکن جب معاملہ انسانی امور میں سے ہوتا تو پھر صحابہ کرامؓ اور خاص طور پر خلفائے راشدینؓ اپنی آراء ضرور بیان کرتے تھے۔ لوگ ان کے پاس مسائل لے کر آتے تھے۔ قرآن وسنت میں صریح حکم نہ ملنے کی صورت میں مسائل کا شرعی حکم دریافت کرنے کے لیے صحابہ کرامؓ کا اجتہاد کرنا ضروری تھا۔ ان کے ایسے احکام، قضایا، فتاویٰ اور اقوال جن میں انہوں نے اپنی رائے پر اعتماد کیا، بہت کم ہیں (۱)۔

نصوص کی توضیح اور ان کے معنی ومفہوم کا تعیّن

بعض مواقع پر صحابہؓ نے حکمِ شرعی معلوم کرنے کے لیے کسی آیت یا حدیث کا معنی ومفہوم متعیّن کیا اور ان کی توضیح ووضاحت کے لیے اجتہاد سے کام لیا۔ شرعی نص کی توضیح اور اس کے معنی ومفہوم کے تعیّن سے مسئلہ کا حکم دریافت کیا۔ مثلاً خلافتِ حضرت عمرؓ (۱۳ھ تا ۲۴ھ) میں ملک عراق کی اراضی تقسیم کرنے پر صحابہ کرامؓ کے مابین اختلافِ رائے ہوا (۲)۔ ایک گروہ کا موقف تھا کہ اراضی فوجیوں میں تقسیم ہو جبکہ دوسرا گروہ اس کا مخالف تھا۔ صحابہ کرامؓ کے ان دونوں گروہوں نے مندرجہ ذیل آیت سے استدلال کیا تھا:

وَ اعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَ لِلرَّسُوْلِ وَ لِذِی الْقُرْبٰی وَ الْیَتٰمٰی وَ الْمَسٰکِیْنِ وَ ابْنِ السَّبِیْلِ اِنْ کُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ (۳)

اور جان رکھو کہ جو چیز تم (کفار سے) مالِ غنیمت کے طور پر لاؤ اس میں سے پانچواں حصہ اللہ تعالیٰ کا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا اور اہلِ قرابت کا اور یتیموں کا اور محتاجوں کا اور مسافروں کا ہے، اگر تم اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہو۔

پہلے گروہ کا یہ استدلال تھا کہ اس آیت میں مالِ غنیمت کے خُمس یعنی پانچویں حصہ کا حکم اور اس کے مصارف بیان ہوئے ہیں۔ بقیہ چار حصے فوجیوں کے لیے چھوڑ دیے گئے ہیں۔

دوسرے گروہ کے نزدیک مالِ غنیمت کے بقیہ چار حصوں کے حکم ومصارف کے بارے میں آیت خاموش ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ریاست چاہے تو فوجیوں میں اراضی تقسیم کر دے، جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر، بنوقریظہ اور بنونضیر کی زمینیں تقسیم کیں، اور چاہے تو نہ ایسا کرے بلکہ اراضی اصل باشندوں ہی کے پاس رہنے دے، جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل خیبر (جزوی طور پر) اور اہل مکہ کے ساتھ کیا۔

اس مسئلہ میں حضرت عمرؓ دوسرے گروہ کے ساتھ تھے جنہوں نے مندرجہ ذیل آیات سے استدلال کیا:

۱۔ تاریخ التشریع الإسلامی ص ۹۷

۲۔ ابویوسف، کتاب الخراج ص ۳۵

۳۔ الأنفال ۸:۴۱

لِلۡفُقَرَآءِ الۡمُهٰجِرِیۡنَ الَّذِیۡنَ اُخۡرِجُوۡا مِنۡ دِیَارِهِمۡ وَ اَمۡوَالِهِمۡ یَبۡتَغُوۡنَ فَضۡلًا مِّنَ اللّٰهِ وَ رِضۡوَانًا وَّ یَنۡصُرُوۡنَ اللّٰهَ وَ رَسُوۡلَهٗ اُولٰٓئِکَ هُمُ الصّٰدِقُوۡنَ. وَ الَّذِیۡنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَ الۡاِیۡمَانَ مِنۡ قَبۡلِهِمۡ یُحِبُّوۡنَ مَنۡ هَاجَرَ اِلَیۡهِمۡ وَ لَا یَجِدُوۡنَ فِیۡ صُدُوۡرِهِمۡ حَاجَةً مِّمَّاۤ اُوۡتُوۡا وَ یُؤۡثِرُوۡنَ عَلٰۤی اَنۡفُسِهِمۡ وَ لَوۡ کَانَ بِهِمۡ خَصَاصَةٌ وَ مَنۡ یُّوۡقَ شُحَّ نَفۡسِهٖ فَاُولٰٓئِکَ هُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ. وَ الَّذِیۡنَ جَآءُوۡ مِنۡۢ بَعۡدِهِمۡ یَقُوۡلُوۡنَ رَبَّنَا اغۡفِرۡ لَنَا وَ لِاِخۡوَانِنَا الَّذِیۡنَ سَبَقُوۡنَا بِالۡاِیۡمَانِ وَ لَا تَجۡعَلۡ فِیۡ قُلُوۡبِنَا غِلًّا لِّلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا رَبَّنَاۤ اِنَّکَ رَءُوۡفٌ رَّحِیۡمٌ (۱)

اور (یہ مال) اُن نادار مہاجرین کے لیے ہے جنہیں ان کے گھروں اور جائیدادوں سے (جبراً) نکالا گیا تھا۔ یہ اللہ تعالیٰ کے فضل اور اُس کی خوشنودی کے طلب گار اور اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مددگار ہیں۔ یہی لوگ سچے (ایماندار) ہیں۔ (اس مال میں) اُن لوگوں کا بھی حق ہے جو دارِ ہجرت (یعنی مدینہ) میں مقیم ہیں اور ایمان میں (ثابت قدم) رہے، (اور) جو لوگ ہجرت کر کے اُن کے پاس آتے ہیں ان سے محبت کرتے ہیں اور جو کچھ اُن مہاجرین کو ملا اس سے اپنے دل میں کچھ خلش نہیں پاتے اور مہاجرین کو اپنی جانوں سے مقدم رکھتے ہیں، خواہ انہیں خود شدید حاجت ہی ہو۔ اور جو شخص حرصِ نفس سے بچا لیا گیا تو ایسے ہی لوگ مراد پانے والے ہیں۔ اور (اُن کے لیے بھی) جو اُن (مہاجرین) کے بعد آئے (اور) دُعا کرتے ہیں کہ اے پروردگار! ہمارے اور ہمارے بھائیوں کے جو ہم سے پہلے ایمان لائے ہیں، گناہ معاف فرما اور مومنوں کی طرف سے ہمارے دل میں کینہ (وحسد) نہ پیدا ہونے دے۔ اے ہمارے پروردگار! آپ بڑی شفقت کرنے والے مہربان ہیں۔

امیر المومنین حضرت عمرؓ نے یہ استدلال کیا تھا کہ مالِ غنیمت میں اللہ تعالیٰ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور فوجیوں کے علاوہ موجودہ اور آئندہ غیر فوجیوں کو بھی شریک کیا گیا ہے۔ مندرجہ بالا آیات مالِ غنیمت کی تقسیم میں فوجیوں اور غیر فوجیوں کی تخصیص نہیں کرتیں۔ یوں حضرت عمرؓ نے آیات ﴿لِلۡفُقَرَآءِ الۡمُهٰجِرِیۡنَ﴾ کی روشنی میں اجتہاد کر کے مالِ غنیمت والی آیت ﴿وَ اعۡلَمُوۡۤا اَنَّمَا غَنِمۡتُمۡ﴾ کی توضیح فرمائی اور اس کا معنی و مفہوم متعین

۱۔ الحشر ۵۹: ۸-۱۰

کیا۔ تمام صحابہؓ نے حضرت عمرؓ کی اس رائے سے اتفاق کرلیا اور عراق کی اراضی فوجیوں میں تقسیم نہیں کی گئی تھی۔

متعدد پہلوؤں والی نص کے کسی ایک پہلو کا تعین

صحابہ کرامؓ نے ایسی صورت حال بھی دیکھی کہ ان کے سامنے کسی مسئلہ کے حکم سے متعلق قرآن وسنت سے کوئی صریح نص موجود تھی مگر اس نص میں ایک سے زائد وجوہ اور پہلوؤں کا احتمال پایا جاتا تھا۔ اس صورت میں انہوں نے اپنے اجتہاد سے صریح نص کے کسی ایک پہلو کا تعین کر کے اس پر عمل کیا۔ مثلاً حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت ہے کہ غزوۂ احزاب (۵ھ) سے واپسی پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ سے فرمایا تھا:

لَا يُصَلِّيَنَّ اَحَدٌ الْعَصْرَ اِلَّا فِي بَنِي قُرَيْظَةَ (۱)

کوئی شخص عصر کی نماز نہ ادا کرے مگر بنو قریظہ پہنچ کر۔

راستہ میں نمازِ عصر کا وقت ہو گیا۔ کچھ صحابہؓ نے نماز ادا کر لی اور یہ موقف اختیار کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ مقصد نہیں تھا کہ نماز قضا کر دی جائے۔ دوسروں نے کہا کہ وہ بنو قریظہ پہنچ کر ہی نماز ادا کریں گے خواہ نمازِ عصر قضا ہو جائے۔ جب اس کا ذکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا گیا تو آپ نے کسی کا فعل رد نہیں کیا۔

اس واقعہ میں صحابہؓ کے سامنے حکمِ نبوی کی صورت میں ایک نص موجود تھی۔ صحابہؓ کے ایک گروہ نے اپنے اجتہاد سے اس نص کا ایک پہلو متعیّن کیا۔ دوسرے گروہ نے اپنے اجتہاد سے اس نص کا دوسرا پہلو اختیار کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں موقف درست قرار دیئے۔

نصوص کا ظاہری تعارض دُور کرنا

بعض اوقات دو شرعی نصوص میں بظاہر تعارض نظر آتا ہے۔ جب دو شرعی نصوص میں بظاہر تعارض پایا گیا تو صحابہ کرامؓ نے اسے دور کرنے کے لیے اجتہاد سے کام لیا۔

مثلاً قرآن مجید کی ایک آیت میں یہ حکم ہے:

وَ لَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ (۲)

اور (مومنو!) مشرکہ عورتوں سے جب تک وہ ایمان نہ لائیں، نکاح نہ کرنا۔

ایک اور آیت میں حکم یوں ہے:

وَ الْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ اِذَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ

۱۔ صحيح البخاری، كتاب صلوة الخوف، باب صلوة الطالب والمطلوب ۔ یہ ذیلی مبحث کتاب ''اجتہاد اور تقلید'' از قاری محمد طیبؒ، صفحہ ۴۹ سے ماخوذ ہے۔

۲۔ البقرة ۲: ۲۲۱

مُحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسَافِحِيْنَ وَ لَا مُتَّخِذِيْٓ اَخْدَانٍ (۱)

اور وہ پاک دامن عورتیں بھی تمہارے لیے حلال ہیں جو اُن میں سے ہوں جنہیں تم سے پہلے کتاب دی گئی تھی، بشرطیکہ تم ان کے حق مہر انہیں ادا کر کے پاکباز بنو، نہ کہ کھلے عام بدکاریاں کرنے لگو یا چوری چھپے آشنائیاں قائم کرو۔

اوپر درج پہلی آیت مشرکہ عورتوں سے نکاح حرام قرار دیتی ہے۔ دوسری آیت میں کتابیہ سے نکاح کا جواز پایا جاتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے نزدیک پہلی آیت کتابیہ اور غیر کتابیہ تمام عورتوں کو عام ہے، لہٰذا کتابیہ اور غیر کتابیہ دونوں سے نکاح حرام ہے۔

لیکن حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے ان دونوں نصوص کے بارے میں یہ فرمایا کہ دوسری آیت کے تحت اہل کتاب کو پہلی آیت کے حکم سے مستثنیٰ کر دیا گیا ہے۔ یوں حضرت ابن عباسؓ نے بتا دیا کہ پہلی آیت ﴿وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ﴾ اس دوسری آیت ﴿وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ﴾ پر مرتب ہے اور کتابیہ عورتیں مشرکات سے مستثنیٰ ہیں (۲)۔ اس کتابیہ سے نکاح جائز ہے جو محصنہ ہو اور بدکار نہ ہو۔

نافعؒ روایت کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے جب یہودی یا مسیحی عورت سے نکاح کرنے کے متعلق پوچھا جاتا تو آپ فرماتے: اللہ تعالیٰ نے مسلمان مردوں کے لیے مشرکہ عورتوں سے نکاح حرام قرار دیا ہے۔ مجھے اس سے بڑھ کر کوئی اور شرک نظر نہیں آتا کہ ایک عورت یہ کہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام یا اللہ کے بندوں میں سے کوئی اور بندہ اس کا رب ہے۔ یوں حضرت ابن عمرؓ نے یہ بتلا دیا کہ مسیحیوں کا مذہب شرک پر مبنی ہے (۳)۔

میمون بن مہرانؒ بیان کرتے ہیں: میں نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے عرض کی: ہم ان علاقوں میں رہتے ہیں جہاں اہل کتاب بھی ہمارے ساتھ آباد ہیں۔ کیا ہم ان کی عورتوں سے نکاح کر سکتے ہیں؟ اور کیا ہم ان کے کھانے کھا سکتے ہیں؟ حضرت ابن عمرؓ نے میری بات سن کر اہل کتاب عورتوں سے نکاح کے جواز والی آیت: ﴿وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ﴾ (۴) (اور وہ پاک دامن عورتیں بھی تمہارے لیے حلال ہیں جو اُن میں سے ہوں جنہیں تم سے پہلے کتاب دی گئی تھی)، اور مشرکہ عورتوں سے نکاح کی ممانعت والی آیت: ﴿وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ﴾ (۵) (اور تم مشرکہ عورتوں سے جب تک وہ ایمان نہ لائیں، نکاح نہ کرنا)، دونوں آیات مجھے سنا دیں۔

۱۔ المائدة ۵:۵

۲۔ جصاص، أحكام القرآن، ومن سورة البقرة، باب نكاح المشركات ۳۳۲/۱

۳۔ حوالہ بالا، سورة المائدة، باب تزويج الكتابيات ۳۲۵/۲

۴۔ المائدة ۵:۵

۵۔ البقرة ۲۲۱:۲

میمونؒ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عمرؓ سے کہا: یہ دونوں آیات تو مجھے بھی معلوم ہیں اور میں ان دونوں کی تلاوت بھی کرتا ہوں۔ میں آپ سے اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح اور ان کے کھانوں کے متعلق دریافت کرنا چاہتا ہوں۔ میری یہ بات سن کر حضرت ابن عمرؓ نے دوبارہ وہی تحلیل اور تحریم والی آیات مجھے سنا دیں(۱)۔

جصاصؒ نے لکھا ہے: جب حضرت ابن عمرؓ نے دیکھا کہ یہ دونوں آیات اپنے سیاق وسباق میں ایسی ہیں کہ ایک آیت کتابیہ سے نکاح کے حلال ہونے اور دوسری آیت اس کے حرام ہونے کی متقاضی ہے تو آپ نے اس مسئلہ میں توقف کیا، خاموشی اختیار کر لی اور کتابیہ سے نکاح کے مباح ہونے پر اپنی قطعی رائے نہیں دی(۲)۔

روحِ تشریع کے اِدراک سے غیر منصوص حکم کی تلاش

غیر منصوص مسائل وہ ہوتے ہیں جن میں قرآن مجید اور سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے براہِ راست کوئی حکم نہیں ملتا ہے۔ ایسے غیر منصوص مسائل کا شرعی حکم معلوم کرنے کے لیے صحابہ کرامؓ نے یہ اسلوب اختیار کیا تھا کہ اگر ان سے ملتے جلتے کسی مسئلہ کا حکم قرآن وسنت کی کسی نص میں پایا گیا تو انہوں نے اس حکم کی روح ومقصد کا ادراک کیا، اسے خوب سمجھا اور پھر اس کی روشنی میں غیر منصوص مسئلہ کا حکم معلوم کر لیا۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ مسلمانوں کے پہلے خلیفہ مقرر ہوئے تو حضرت عمرؓ نے لوگوں سے فرمایا تھا: کیا تم نہیں جانتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکرؓ کو نماز میں امامت کرانے کا حکم دیا تھا۔ تم میں سے کس کا جی چاہتا ہے کہ وہ حضرت ابوبکرؓ سے آگے بڑھے۔ اس پر سب لوگوں نے کہا: ہم حضرت ابوبکر صدیقؓ سے آگے بڑھنے پر اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں(۳)۔

حضرت عمرؓ کے اس اجتہاد کے پیشِ نظر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث مبارک تھی:

مُرُوْا اَبَابَكْرٍ اَنْ يُّصَلِّيَ بِالنَّاسِ (۴)

حضرت ابوبکرؓ سے کہو کہ وہ لوگوں کو نماز کی امامت کرائیں۔

۱۔ جصاص، أحكام القرآن، سورة المائدة، باب تزويج الكتابيات ۲/۳۲۵

۲۔ حوالہ بالا

۳۔ سنن النسائي، كتاب الإمامة، باب إمامة أهل العلم والفضل ۱/۴۰۹

۴۔ حضرت عائشہؓ روایت کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب علیل ہوئے تو حضرت بلالؓ آپ کے پاس آئے اور نماز کی اطلاع دی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مُرُوْا اَبَابَكْرٍ اَنْ يُّصَلِّيَ بِالنَّاسِ ابوبکرؓ سے کہو کہ وہ لوگوں کو نماز کی امامت کرائیں، میں نے کہا: یارسول اللہ! حضرت ابوبکرؓ ایک نرم دل انسان ہیں، وہ جب آپ کی جگہ پر کھڑے ہوں گے تو وہ لوگوں کو اپنی آواز سنا نہ سکیں گے۔ کاش آپ یہ حکم حضرت عمرؓ کو دیتے۔ حضرت عائشہؓ مزید بیان کرتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر یہ فرمایا: ابوبکرؓ سے کہو کہ وہ لوگوں کو نماز کی امامت کرائیں۔ میں نے حضرت حفصہؓ سے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

بقیہ اگلے صفحہ پر.........

حضرت عمرؓ نے اس حکمِ نبوی میں موجود روح ومقصد کو سمجھ لیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکرؓ کو ہم سب سے افضل قرار دیا ہے۔ اسی لیے آپ نے حضرت ابوبکرؓ سے یہ فرمایا تھا کہ وہ مسلمانوں کی امامت کرائیں۔ جب آپ ہم سب سے افضل ہیں تو پھر خلافت کا منصب سنبھالنے میں بھی وہ سب مسلمانوں سے افضل ہیں۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے بطور خلیفہ ان قبائل کے خلاف جنہوں نے زکوٰۃ ادا کرنے سے انکار کر دیا تھا، کارروائی کی تو یہ فرمایا تھا: اللہ کی قسم! میں ان لوگوں کے خلاف ضرور قتال کروں گا جنہوں نے نماز اور زکوٰۃ کے درمیان فرق کیا ہے(۱)۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے شریعت کے اس مقصد کا اچھی طرح ادراک کر لیا تھا کہ قرآن نے نماز اور زکوٰۃ کو جوڑا ہے اور ان کی تفریق قبول نہیں کی۔ نماز کے ساتھ زکوٰۃ کا ذکر کیا گیا ہے۔ لہٰذا جو لوگ نماز اور زکوٰۃ کے درمیان تفریق کریں گے ان کے خلاف کارروائی کی جائے گی۔

حضرت عمرؓ کی خلافت میں حضرت علیؓ کی تجویز پر شراب نوشی کی سزا اَسّی کوڑے مقرر ہوئی۔ حضرت علیؓ نے یہ دلیل دی تھی: جب آدمی شراب پیتا ہے تو مست ہو جاتا ہے۔ جب وہ مست ہوتا ہے تو واہیات بکتا ہے۔ جب وہ واہیات بکتا ہے تو افترٰی بازی بھی کرے گا اور افترٰی بازی کرنے والے کی سزا اَسّی کوڑے ہے۔ پھر حضرت عمرؓ نے

گزشتہ سے پیوستہ.......... سے آپ یہ کہیں کہ حضرت ابوبکرؓ ایک نرم دل آدمی ہیں، وہ آپ کی جگہ پر کھڑے ہوں گے تو لوگوں کو اپنی آواز سنا نہ سکیں گے۔ کاش آپ یہ حکم حضرت عمرؓ کو دیتے۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اِنَّكُنَّ لَاَنْتُنَّ صَوَاحِبُ يُوْسُفَ تم ان عورتوں کی طرح ہو جو حضرت یوسف علیہ السلام کو گھیرے ہوئے تھیں، ابوبکرؓ سے کہو کہ وہ لوگوں کو نماز کی امامت کرائیں۔

حضرت ابوبکرؓ نے نماز شروع کر دی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مرض میں کچھ بہتری پائی۔ آپ دو آدمیوں کا سہارا لے کر باہر تشریف لائے اور مسجد میں داخل ہوئے۔ جب حضرت ابوبکرؓ نے آپ کے آنے کی آہٹ سنی تو پیچھے ہٹنے لگے۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں نہ ہٹنے کا اشارہ کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر صدیقؓ کے بائیں طرف آ کر بیٹھ گئے۔ حضرت ابوبکرؓ کھڑے ہو کر لوگوں کو نماز کی امامت کرا رہے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھ کر نماز ادا فرما رہے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء میں حضرت ابوبکرؓ نماز ادا کر رہے تھے اور اُن کی اقتداء میں دوسرے لوگ نماز ادا کر رہے تھے۔ صحیح البخاری، کتاب الأذان، باب الرجل یاتم بالإمام و یأتم الناس بالمأموم

۱۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رحلتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ خلیفہ ہوئے۔ بعض عرب قبیلے مرتد ہو گئے تھے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا: آپ لوگوں کے ساتھ کیسے لڑائی کریں گے جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: اُمِرْتُ اَنْ اُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰى يَقُوْلُوْا لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ فَمَنْ قَالَهَا فَقَدْ عَصَمَ مِنِّي مَالَهٗ وَ نَفْسَهٗ اِلَّا بِحَقِّهٖ وَ حِسَابُهٗ عَلَى اللّٰهِ، مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے جنگ کروں، یہاں تک کہ وہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہیں، جس شخص نے لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہا اس نے مجھ سے اپنا مال اور اپنی جان کو بچا لیا، مگر یہ کہ حق کے عوض، اور اس شخص کا حساب اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے۔ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا: اللہ کی قسم! میں ایسے شخص سے لڑوں گا جس نے نماز اور زکوٰۃ کو علیحدہ علیحدہ کیا، زکوٰۃ مال کا حق ہے۔ اللہ کی قسم! اگر ان لوگوں نے ایک رسّی بھی روکی جو بطور زکوٰۃ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں دیتے تھے، تو اس رسّی کے نہ دینے پر میں ان سے لڑائی کروں گا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا تھا: اللہ کی قسم! اللہ نے حضرت ابوبکرؓ کا سینہ کھول دیا تھا اور انہوں نے جان لیا تھا کہ حق یہی ہے۔ صحیح البخاری، کتاب الزکوٰة، باب وجوب الزکوٰة

شراب نوشی کی سزا اَسّی کوڑے مقرر کی(۱)۔

حضرت علیؓ نے روحِ شریعت کو سمجھتے ہوئے یہ استدلال کیا کہ چونکہ شراب نوشی کا نتیجہ بھی قذف ہے اس لیے شربِ خمر پر وہی سزا ہونی چاہیے جو قذف (۲) کا ارتکاب کرنے پر ہے۔

نص کا ظاہر ترک کر کے علّتِ خفی پر عمل

صحابہ کرامؓ کا ایک اسلوبِ اجتہاد یہ تھا کہ کسی مسئلہ کے متعلق قرآن یا سنّت کی صریح نص اور حکم موجود تھا مگر انہوں نے حکم کو کسی علّت سے متعلق سمجھ کر نص اور حکم کا ظاہر ترک کر دیا اور علّتِ خفی (۳) پر عمل کیا۔ مثلاً حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمِ ولد لونڈی (۴) کے بارے میں لوگ ایک آدمی پر تہمت لگاتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کو اس شخص کے قتل کے لیے بھیجا۔ حضرت علیؓ نے اسے پانی میں نہاتے ہوئے پایا۔ آپ نے اسے ہاتھ سے پکڑ کر باہر نکالا تو دیکھا کہ اس کا آلہ تناسل کٹا ہوا تھا۔ حضرت علیؓ نے اسے قتل نہ

۱۔ السنن الکبریٰ، کتاب الأشربة والحد فیھا، باب ما جاء فی حد الخمر ۳۲۱/۸۔ الموطا، کتاب الأشربة، باب الحد فی الخمر ص ۶۴۲

۲۔ قذف سے مراد ہے: کسی بالغ اور پاکدامن مرد یا عورت پر زنا کا الزام لگانا یا اس کے نسب کا انکار کرنا صریح الفاظ میں یا جن کا مطلب یہی ہو۔ اگر تہمت لگانے والا یعنی قاذف اپنا الزام ثابت کرنے کے لیے چار گواہ نہ لا سکے تو قاذف پر سزائے حد نافذ کی۔ قرآن مجید کی رُو سے قذف کی سزائے حد یہ ہے: ﴿وَ الَّذِیْنَ یَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ یَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِیْنَ جَلْدَةً وَّ لَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ وَ اَصْلَحُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ﴾ [النور ۲۴: ۴، ۵] اور جو لوگ جو پاکدامن عورتوں پر تہمت لگاتے ہیں پھر وہ چار گواہ لے کر نہ آئیں، انہیں اَسّی کوڑے مارو اور ان کی گواہی قبول نہ کرو، اور وہی فاسق ہیں، سوائے اُن لوگوں کے جو توبہ کر لیں اور ایسا بہتان لگانے کے بعد اپنی اصلاح کر لیں تو بیشک اللہ تعالیٰ غفور و رحیم ہے۔

۳۔ عِلّت سے مراد ایسا وصف ہے جسے شریعت نے کسی حکم کا مدار بنایا ہو۔ یہ اجتہاد کے ایک اسلوب قیاس کے چار ارکان میں سے ایک ہے۔ دیگر ارکانِ قیاس یہ ہیں: اصل یعنی جس پر قیاس کیا جائے، فرع یعنی جس چیز کو قیاس کیا جائے اور حکم یعنی جو قیاس کے بعد فرع پر لگایا جائے۔ عِلّت ایسا وصف ہے جو صریح معیّن اور شرعاً معتبر اور اصل اور فرع کے درمیان مشترک ہوتا ہے۔ جبکہ عِلّتِ خفی سے مراد وہ وصف ہے جسے معمولی تفکر اور ظاہری حس سے پہچاننا مشکل ہوتا ہے، یا اس کے تعین میں اختلاف ہوتا ہے۔

۴۔ یہ حضرت ماریہ قبطیہؓ ہیں۔ آپ کا نام ماریہ قبطیہ بنت شمعون ہے۔ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرزند حضرت ابراہیمؑ کی والدہ ہیں۔ اسکندریہ مصر کے بادشاہ مقوقس نے آپ اور آپ کی بہن سیرین کو دیگر تحائف کے ہمراہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا تھا۔ حضرت ماریہؓ کے ہاں جب حضرت ابراہیمؑ نے جنم لیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا: اَعْتَقَهَا وَلَدُهَا، اس کے بیٹے نے اسے آزاد کر دیا۔ حضرت ابراہیمؑ کی ولادت کے موقع پر حضرت جبریل علیہ السلام تشریف لائے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا تھا: اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ یَا اَبَا اِبْرَاهِیْمَ، السلام علیکم اے ابراہیم کے والد۔ حضرت ماریہؓ نے ۱۶ھ میں وفات پائی۔ آپ پر نمازِ جنازہ کی امامت حضرت عمرؓ نے کی اور آپ جنت البقیع میں دفن ہوئیں۔ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ دونوں آپ کی وفات تک آپ پر خرچ کرتے رہے۔ الطبقات الکبریٰ ۲۱۲/۸۔ الإستیعاب ۱۵۳/۱۳

کیا اور واپس آ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا کہ وہ آدمی تو مجبوب ہے یعنی اس کا آلۂ تناسل نہیں ہے(۱)۔

دوسری روایت میں ہے کہ جب حضرت علیؓ نے دیکھا کہ اس شخص کا آلۂ تناسل کٹا ہوا ہے تو واپس آ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی: یارسول اللہ! آپ کی کیا رائے ہے اگر آپ ہم میں سے کسی کو کوئی کام کرنے کا حکم دیں، پھر وہ اس کے بجائے کچھ اور دیکھے تو کیا وہ آپ کے پاس واپس آ جائے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں۔ پھر حضرت علیؓ نے اس قبطی شخص کے بارے میں جو دیکھا تھا وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتا دیا(۲)۔

حضرت علیؓ نے بظاہر ایک صریح حکم کے خلاف عمل کیا لیکن انہوں نے حکم کو ایک علّت سے منسلک سمجھا اور جب وہ علت نہ پائی تو حکم پر عمل نہیں کیا اور اس شخص کو قتل نہ کیا۔

نص کی عدم موجودگی میں عمومات وکلیات سے استدلال

کسی مسئلہ کے بارے میں نص سامنے نہ ہونے پر صحابہ کرامؓ نے شریعتِ اسلامی کے عمومات اور کلیات سے استدلال کر کے بھی مسئلہ کا حکم دریافت کیا۔ حضرت طارق بن شہابؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک صحابی کو غسل کی حاجت ہوئی اور پانی کی عدم دستیابی کی وجہ سے نماز نہ ادا کی۔ اس نے یہ واقعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا تو آپ نے فرمایا: أَصَبْتَ تم نے ٹھیک کیا۔ پھر ایک اور شخص آیا جس نے ایسی صورت حال میں تیمّم کر کے نماز ادا کر لی تھی۔ آپ نے اس صحابی سے بھی یہی فرمایا: تم نے درست کیا(۳)۔

اس مثال میں صحابی نے یہ اجتہاد کیا کہ پانی دستیاب نہ ہونے کی وجہ سے وہ غسل نہیں کر سکتا، لہٰذا ناپاک ہونے کی صورت میں وہ نماز نہیں ادا کرے گا۔ دوسرے صحابی کے سامنے تیمّم کا حکم موجود تھا جس نے اس صورت حال پر بھی تیمّم کا حکم نافذ کر کے نماز ادا کر لی۔

۱۔ صحيح مسلم، كتاب التوبة، باب برآة حرم النبي صلى الله عليه وسلم من الريبة ۴/۱۲۳۹۔ یہ ذیلی مبحث کتاب ''اجتہاد اور تقلید'' از قاری محمد طیبؒ، صفحہ ۵۰ سے ماخوذ ہے۔

۲۔ حضرت انس بن مالکؓ روایت کرتے ہیں کہ اُمِ ابراہیم حضرت ماریہ قبطیہؓ کے کمرہ میں ایک قبطی آیا کرتا تھا۔ وہ آپ کو پانی اور لکڑیاں لا کر دیا کرتا تھا۔ بعض نے اس قبطی کے بارے میں باتیں کیں کہ عجمی کفار کا ایک آدمی عجمی کفار کی ایک عورت کے پاس آتا ہے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات کا علم ہوا تو آپ نے اس قبطی کا قتل کرنے کے لیے حضرت علیؓ کو بھیجا۔ حضرت علیؓ گئے اور اسے کھجور کے ایک درخت پر پایا۔ جب اس قبطی نے دیکھا کہ حضرت علیؓ کے ہاتھ میں تلوار ہے تو وہ درخت سے گر پڑا اور اس کے جسم پر جو کپڑا تھا وہ اتر گیا۔ حضرت علیؓ نے دیکھا کہ وہ شخص مجبوب ہے یعنی اس کا آلۂ تناسل کٹا ہوا ہے۔ حضرت علیؓ واپس آ گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی: یارسول اللہ! آپ کی کیا رائے ہے کہ اگر آپ ہم میں سے کسی آدمی کو کوئی کام کرنے کا حکم دیں، پھر وہ اس کے بجائے کچھ اور دیکھے تو کیا وہ آپ کے پاس واپس آ جائے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں۔ پھر حضرت علیؓ نے اس قبطی شخص کے بارے میں جو دیکھا وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتا دیا۔ المعجم الأوسط، من إسمه طاهر ۴/۴۱۵۔ امام طبرانیؒ نے لکھا ہے کہ یزید بن ابی حبیبؒ اور عقیل بن خالدؒ کے سوا کسی اور نے اس حدیث کو امام زہریؒ سے روایت نہیں کیا۔ حوالہ سابق۔

۳۔ سنن النسائي، كتاب الطهارة، باب فيمن لم يجد الماء ولا الصعيد ۱/۱۸۸

اِجماع کا اسلوب

اجماع سے مراد رحلتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مجتہدین اُمت کا کسی مسئلہ کے شرعی حکم پر اتفاق کر لینا ہے۔ صحابہ کرامؓ نے نئے مسائل کا شرعی حکم معلوم کرنے کے لیے اِجماع کا اسلوب بھی اپنایا تھا۔

صحابہ کرامؓ کے دور خاص طور پر خلفائے راشدین کے دور (۱۱ھ تا ۴۰ھ) میں ہونے والے اِجماعی فیصلوں کے متعلق امام شافعیؒ نے فرمایا تھا: یہ نہیں کہا جا سکتا کہ خلافتِ راشدہ میں تمام فیصلے اِجماعی ہوتے تھے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے تقسیمِ غنیمت میں برابری کا اصول مدنظر رکھا تھا۔ حضرت عمرؓ نے آزاد اور غلام، نسب اور اسلام میں سبقت کا لحاظ رکھا۔ حضرت علیؓ نے مالِ غنیمت کی تقسیم میں آزاد اور غلام کا امتیاز ختم کر دیا تھا۔ امام شافعیؒ کہتے ہیں کہ یہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ صحابہ کرامؓ اپنے حاکم کا حکم تسلیم کرتے تھے، خواہ ان کی رائے حاکم کی رائے کے خلاف ہو اور خواہ حاکم نے ان کی رائے کے خلاف حکم دیا ہو۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ان کی طرف سے تمام احکام اِجماع کی جہت سے ہوتے تھے(۱)۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمرؓ دونوں شخصیات کی جلالت و شان کا یہ اثر تھا کہ ان کے زمانہ خلافت میں اکثر اجتہادی فیصلوں کا نتیجہ اِجماع کی صورت میں ہوا کرتا تھا۔ یہ وہ دور تھا جب کسی مسئلہ کے حکم پر اِجماع کا انعقاد آسان تھا۔ اکثر مجتہد صحابہ کرامؓ مدینہ منورہ ہی میں رہتے تھے۔ تاہم ایسا بھی نہیں تھا کہ کسی مسئلہ میں خلیفہ کی رائے کو فوراً مان کر اجماع منعقد ہو جاتا تھا، بلکہ اس مسئلہ پر اختلافِ رائے اور بحث و مباحثہ ہوا کرتا تھا۔ اختلافی مسائل پر فیصلہ ہو جانے تک صحابہ کرامؓ ایک دوسرے سے مشورہ کرتے رہتے اور ان کے مابین بحث جاری رہتی تھی۔ بالآخر وہ مسئلہ کا شرعی حکم دریافت کر لیا کرتے تھے۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے جب مانعینِ زکوٰۃ کے خلاف جنگ کرنے کا ارادہ فرمایا تو شروع میں حضرت عمرؓ نے اس رائے کی مخالفت کی تھی۔ دونوں نے اپنے اپنے دلائل دیئے۔ یہاں تک کہ سب لوگ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی رائے پر متفق ہو گئے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا تھا: اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوبکرؓ کا سینہ کھول دیا تھا، پس میں نے جان لیا کہ حق یہی ہے(۲)۔ اس اِجماعی فیصلہ کے بعد مانعین زکوٰۃ کے خلاف لشکر کشی کی گئی۔ منکرین زکوٰۃ اور مرتدین کے خلاف قتال پر اجماعِ صحابہؓ منعقد ہوا تھا(۳)۔

یہ انسانی تاریخ کا پہلا واقعہ تھا کہ ایک ریاست نے اپنے غریب شہریوں کے حقوق دلوانے کے لیے اپنے

۱۔ الأم ۱/۱۷۷

۲۔ صحیح البخاری، کتاب الزکوة، باب وجوب الزکوة ۱/۱۸۸۔ یہ ذیلی بحث کتاب ''اجتہاد اور تقلید'' از قاری محمد طیب، صفحہ ۴۸ سے ماخوذ ہے۔

۳۔ قواطع الأدلة ۱/۴۷۵۔ میزان الأصول ص ۵۲۷

ہی امیر شہریوں کے خلاف باقاعدہ فوج کشی کی اور امیر لوگوں کے اموال سے غریبوں کا حق وصول کر کے ان غریبوں کو دلوایا۔ یہ مثال مسلمانوں کی ایک اسلامی ریاست نے قائم کی تھی جس کے حکمران حضرت ابوبکر صدیقؓ تھے۔ تاریخ تا حال اپنے آپ کو دہرا نہیں سکی۔

جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے، خلافتِ فاروقی (۱۳ھ تا ۲۴ھ) میں عراق و شام کی مفتوحہ اراضی کی تقسیم میں بعض صحابہ کرامؓ جو اِس اراضی کی تقسیم نہیں چاہتے تھے، انہوں نے حضرت عمرؓ سے اختلاف کیا تھا۔ اس مسئلہ پر صحابہ کرامؓ کے درمیان کئی دن تک بحث ہوتی رہی تھی۔ فریقین نے اپنے اپنے موقف کے حق میں دلائل دیئے۔ بالآخر سب صحابہ کرامؓ حضرت عمرؓ کے موقف اور استدلال کے قائل ہو گئے تھے(۱)۔

عہدِ خلافتِ راشدہ میں مشورہ اور بحث کے بعد جس فیصلہ پر صحابہ کرامؓ متفق ہو جاتے وہ اجماع کی شکل اختیار کر لیتا تھا۔ اُس دور میں متعدد مسائل پر اِجماع ہوا۔ مثلاً حضرت ابوبکر صدیقؓ کی بیعت و خلافت (۲)، شراب نوشی پر اَسّی کوڑوں کی سزا(۳)، وہ معاملات جو عام طور پر مرد نہیں جانتے مثلاً ولادت وغیرہ ان میں ایک عورت کی گواہی کا جواز (۴) اور ماں و باپ دونوں کی خالائیں اور چچیاں نکاح کے لیے حرام (۵) وغیرہ۔

اگر کسی مسئلہ میں صحابہ کرامؓ کی متفقہ رائے ظاہر نہ ہو پاتی تو پھر ان میں سے غالب رائے اختیار کی جاتی اور مسئلہ حل کر لیا جاتا تھا۔ اس کی ایک مثال جنگِ صفین (۳۷ھ) ہے۔ اس جنگ میں حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کا بطور حَکَم تقرر صحابہ کرامؓ کی کثرتِ رائے سے ہوا تھا(۶)۔

۱۔ ابویوسف، کتاب الخراج ص ۳۵۔ أصول الجصاص ۱۲۲/۲

۲۔ میزان الأصول ص ۵۲۷۔ المحرر فی أصول الفقه ۲۲۶/۱

۳۔ میزان الأصول ص ۵۲۷۔ أصول الجصاص ۱۲۳/۲۔ المحرر فی أصول الفقه ۲۲۶/۱

۴۔ أصول الجصاص ۱۲۳/۲

۵۔ حوالہ بالا ۱۲۲/۲

۶۔ جنگِ صفین (۳۷ھ) میں فریقین نے تحکیم (ثالث) کے مسئلہ پر جھگڑا کیا تھا۔ دونوں اس بات پر راضی ہو گئے کہ حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ اپنی اپنی طرف سے ایک ایک حَکَم مقرر کریں۔ وہ دونوں حَکَم اُس بات پر اتفاق کریں جس میں مسلمانوں کی مصلحت ہو۔ حضرت معاویہؓ نے حضرت عمرو بن العاصؓ کو حَکَم بنایا۔ حضرت علیؓ نے اپنی طرف سے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو حَکَم بنانا چاہا تھا۔ لیکن آپ کے لوگوں نے آپ کو اس سے منع کر دیا اور کہنے لگے کہ ہم تو صرف حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ پر راضی ہیں، آپ انہیں حَکَم بنائیں۔ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ حجاز کے کسی علاقہ میں گوشہ نشین ہو چکے تھے۔ حضرت علیؓ نے لوگوں سے کہا: میں اشتر کو حَکَم بناتا ہوں۔ لوگوں نے کہا: کیا جنگ اور زمین کا جاننے والا صرف اشتر ہی ہے؟ اس پر حضرت علیؓ نے فرمایا: تم جو چاہو کرو۔

لوگ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کے پاس گئے۔ آپ گوشہ نشین ہو چکے تھے۔ جب آپ کو بتایا گیا کہ لوگوں نے باہم مصالحت کر لی ہے تو حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے فرمایا: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ۔ جب آپ کو بتایا گیا کہ آپ کو حَکَم بنایا گیا ہے تو آپ نے فرمایا: اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ۔ البداية و النهاية ۲۷۵/۷

مصلحتِ عامہ

صحابہ کرامؓ کے اجتہادات کا مطالعہ کرنے سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ انہوں نے مسائل کا شرعی حکم جاننے کے لیے مصلحتِ عامہ کو بنیاد بنایا۔ شریعتِ اسلامی کے مقاصد میں سے ہے کہ انسان کو فائدہ پہنچایا جائے اور اس سے نقصان کو دُور کیا جائے۔ اسے اصولِ فقہ کی اصطلاح میں مصلحہ مُرسَلَہ کہا جاتا ہے۔ یہ اصطلاحات بعد کی ایجادات ہیں۔ جب کسی نئے واقعہ کا شرعی حکم معلوم کرنا ہو اور اس واقعہ کے متعلق قرآن یا سنّت میں کوئی نص موجود نہ ہو اور نہ ہی اس پر اِجماع منعقد ہوا ہو، تو مصلحت کو بنیاد بنا کر حکم دے دیا جاتا ہے۔ ایسی مصلحت کو مصلحہ مُرسَلَہ اسی لیے کہا جاتا ہے کیونکہ اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا اِجماعِ اُمت کی طرف سے اس بات کی کوئی صراحت نہیں ہوتی کہ اس مصلحت کا اعتبار کیا جائے یا اعتبار نہ کیا جائے۔

البتہ زیرِ غور مصلحت پر عمل اسی صورت میں ہوسکتا ہے جب اس میں تین چیزیں موجود ہوں:

۱۔ اس مصلحت پر عمل کرنا ضروری ہو۔

۲۔ وہ مصلحت قطعی ہو یعنی اسے حاصل کرنا یقینی ہو، محض گمان کی بنیاد پر اس مصلحت کو اختیار نہیں کیا جائے گا۔

۳۔ وہ مصلحت کلّی اور عمومی ہو یعنی اس پر عمل کرنے سے عوام الناس کا فائدہ ہو، کسی خاص فرد، طبقے یا گروہ کے فائدہ سے اس مصلحت کا تعلق نہ ہو۔

مثلاً حضرت ابوبکر صدیقؓ کے عہدِ خلافت (۱۱ھ تا ۱۳ھ) میں قرآن مجید ایک مصحف میں جمع کیا گیا تھا، پھر حضرت عثمانؓ کے دورِ خلافت (۲۴ھ تا ۳۵ھ) میں سرکاری مصحف پر کام کرنے والوں کو یہ ہدایت کی گئی تھی کہ اگر مصحف میں کسی جگہ پر اختلاف ہوا تو اس لفظ کو قریش کے رسم الخط پر لکھ دیا جائے، کیونکہ قرآن ان کی زبان میں نازل ہوا ہے۔ پھر قرآن مجید کے سرکاری نسخے کی متعدد نقلیں تیار کی گئیں اور انہیں اسلامی ریاست کے مختلف علاقوں کو بھجوا دیا گیا۔ مزید یہ کہ تمام غیر سرکاری نسخے جس کسی کے پاس تھے، وہ سب امیر المومنین حضرت عثمانؓ کے حکم سے بحقِ سرکار ضبط کر کے نذرِ آتش کر دیئے گئے تھے (۱)۔

حضرت عمرؓ نے ایک مقتول کے بدلہ میں قاتل گروہ کو قصاص میں قتل کرنے کا حکم دیا تھا (۲) حالانکہ ایسا

۱۔ الإعتصام ۲/۱۱۵۔ الطرق الحکمیة ص ۲۱

۲۔ تابعی سعید بن مسیبؒ سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے پانچ یا سات افراد کو قصاص میں قتل کرا دیا تھا جنہوں نے ایک لڑکے کو قتل کیا تھا۔ اس موقع پر حضرت عمرؓ نے فرمایا تھا: اگر تمام اہلِ صنعاء بھی اس لڑکے کے قتل میں شریک ہوتے تو میں ان سب کو قصاص میں قتل کرا دیتا۔ مغیرہ بن حکیم صنعانیؒ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ صنعاء کی ایک عورت کا خاوند اسے چھوڑ کر کہیں گیا ہوا تھا۔ اس عورت کے پاس اپنے خاوند کی دوسری بیوی سے ایک لڑکا موجود تھا جس کا نام اصیل تھا۔ عورت نے اپنے خاوند کی غیر موجودگی میں ایک آدمی سے دوستی کر لی۔ ایک روز اس نے اپنے آشنا سے کہا: یہ لڑکا ہمیں رسوا کرے گا، لہٰذا

بقیہ اگلے صفحہ پر.........

کرنے کے جواز میں کوئی شرعی نص موجود نہیں ہے، لیکن ایسا کرنے میں مصلحت عامہ پائی جاتی تھی۔ اس میں سب لوگوں کا فائدہ تھا۔ حضرت عمرؓ نے کاریگروں کے پاس سامان ضائع ہونے پر مالکان کو معاوضہ دلوایا (۱)۔ حضرت علیؓ کا بھی یہی موقف تھا۔ وہ فرماتے تھے: لوگوں کے لیے یہی مناسب ہے (۲)۔

حضرت عمرؓ نے جب اہل مدینہ کی ملکیتی چراگاہ کو سرکاری تحویل میں لینے کے احکام جاری کیے تھے تو اس موقع پر آپؓ نے فرمایا تھا: اگر میری تحویل میں ایسے جانور نہ ہوتے جنہیں میں اللہ تعالیٰ کی راہِ جہاد میں بطور سواری استعمال کرنے کو دیتا ہوں تو میں ان کے شہروں کی ایک بالشت زمین کو بھی سرکاری چراگاہ نہ بناتا (۳)۔

گزشتہ سے پیوستہ............اسے قتل کردو۔ اس شخص نے ایسا کرنے سے انکار کیا۔ عورت نے اسے اپنے پاس آنے سے منع کردیا جس پر وہ ایسا کرنے پر تیار ہوگیا۔ اس نے، ایک اور شخص نے، اس عورت نے اور اس کی ملازمہ نے مل کر اس لڑکے کو قتل کردیا۔ اس کے جسم کو ٹکڑے ٹکڑے کرکے ایک تھیلے میں بند کیا اور آبادی سے باہر ایک گڑھے میں جس میں پانی نہیں تھا پھینک دیا۔ پھر اس عورت نے چیخنا اور شور مچانا شروع کردیا۔ لوگ اکٹھے ہوگئے اور لڑکے کی تلاش شروع کردی۔ ایک شخص اس گڑھے کے پاس سے گزرا جس میں لڑکے کو پھینکا گیا تھا تو اس نے دیکھا کہ ایک سبز رنگ کی مکھی گڑھے سے باہر آئی ہے۔ لوگوں نے کہا کہ اس میں لاش ہے۔ عورت کا آشنا بھی ان لوگوں کے ساتھ تھا۔ اس پر کپکپی طاری ہوگئی۔ لوگوں نے اسے پکڑ کر قید کردیا۔ ایک آدمی کو بھیجا گیا جس نے وہاں جاکر لڑکے کی لاش باہر نکالی۔ عورت کے آشنا نے اعتراف جرم کرلیا اور ساری بات بتادی۔ عورت، دوسرے شخص اور ملازمہ نے بھی اپنے جرم کا اعتراف کرلیا۔ صنعاء کے حکمران یعلیٰؓ نے حضرت عمرؓ کی طرف ایک مراسلہ بھیجا جس میں اس واقعہ کی تفصیل بیان کی گئی تھی۔ حضرت عمرؓ نے جواب میں یعلیٰؓ کو یہ لکھا: ان سب کو قصاص میں قتل کردو۔ حضرت عمرؓ نے یہ بھی لکھا تھا: اگر تمام اہلِ صنعاء بھی اس لڑکے کے قتل میں شریک ہوتے تو میں ان سب لوگوں کو قصاص میں قتل کرادیتا۔ السنن الکبریٰ، کتاب الجنایات، باب النفر یقتلون الرجل

۱۔ کنز العمال، حدیث نمبر ۹۱۷۴، ۴/ ۹۲۲

۲۔ السنن الکبریٰ، باب ما جاء فی تضمین الاجراء ۶/ ۱۲۲

۳۔ زید بن اسلمؒ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے اپنے ایک ہُنَیٌّ نامی غلام کو ایک چراگاہ کا نگران مقرر کرتے ہوئے فرمایا تھا: اے ہُنَیٌّ! تم مسلمانوں سے عاجزی سے پیش آنا اور مظلوموں کی بددعا سے بچنا، کیونکہ ان کی بددعا جلد قبول ہوتی ہے۔ اس چراگاہ میں تھوڑے اونٹ اور بکریاں رکھنے والوں کو آنے دینا، لیکن خبردار حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ اور حضرت عثمانؓ کے جانوروں کو اس میں نہ آنے دینا، کیونکہ اگر ان دونوں کے جانور ہلاک بھی ہوجائیں تو یہ دونوں کھیتی باڑی اور اپنے باغات سے اپنا کاروبار چلالیں گے۔ لیکن اگر تھوڑے جانور رکھنے والوں کے مویشی ہلاک ہوجائیں تو وہ اپنے بال بچوں کو میرے پاس لائیں گے اور کہیں گے: اے امیر المومنین۔ اے ہُنَیٌّ! کیا میں انہیں چھوڑ دوں گا؟ تیرا باپ نہ رہے، پس انہیں سونا اور چاندی دینے کی نسبت پانی اور گھاس دینا میرے لیے زیادہ آسان ہے۔ اللہ کی قسم! یہ لوگ سوچتے ہیں کہ میں نے ان پر ظلم کیا ہے کیونکہ یہ شہر ان لوگوں کے ہیں۔ زمانہ جاہلیت میں انہوں نے اپنے ان شہروں کے لیے جنگیں لڑیں اور انہی شہروں میں انہوں نے اسلام قبول کیا تھا۔ اللہ کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے، اگر میری تحویل میں ایسے جانور نہ ہوتے جنہیں میں اللہ تعالیٰ کی راہِ جہاد میں بطور سواری استعمال کے لیے دیتا ہوں تو میں ان کے شہروں کی ایک بالشت بھر بھی زمین کو بھی سرکاری چراگاہ نہ بناتا۔ صحیح البخاری، کتاب الجهاد، باب إذا أسلم قوم فی دار الحرب و لهم مال و أرضون فهی لهم

حضرت عمر فاروقؓ نے عراق کی مفتوحہ زمین مسلمانوں میں تقسیم نہیں کی تھی بلکہ اسے سرکاری تحویل میں لے لیا تھا(۱)۔

حضرت عثمانؓ کے عہد میں نمازِ جمعہ کے لیے ایک اذان کا اضافہ کیا گیا تھا(۲)۔ اس کے علاوہ خاوند کی طرف سے مرض الموت میں طلاق دینے پر مطلقہ کو وراثت میں حصہ دار بنانے کا حکم بھی جاری کیا گیا تھا(۳)۔

سدِ ذریعہ

صحابہ کرامؓ کے اجتہادات میں سدِ ذریعہ کا اسلوب بھی نظر آتا ہے۔ سد سے مراد بند، رکاوٹ اور آڑ ہے۔ سدِ ذریعہ سے مراد اُس جائز راستے کو بند کرنا ہے جو کسی ناجائز کی طرف لے جانے والا ہو۔ صحابہؓ نے کئی ایسے افعال پر پابندی لگائی جو بذاتِ خود جائز تھے لیکن وہ مفاسد اور خرابیوں کا باعث بنتے تھے۔ ایک برائی اور مفسدہ بڑی تیزی سے اپنے بُرے اثرات مرتب کرتا ہے جسے ایک معاشرہ میں برداشت نہیں کیا جا سکتا۔ عقلمندی اسی میں ہے کہ ایسی برائی اور ایسے مفسدے کو اس کے آغاز ہی میں ختم کر دیا جائے، خواہ ایسا کرنے سے بعض فوائد اور منافع سے محروم ہی کیوں نہ ہونا پڑے۔

اسلامی قانون کا ایک قاعدہ کلیہ (لیگل میگزم) ہے:

دَرْءُ الْمَفَاسِدِ اَوْلٰی مِنْ جَلْبِ الْمَنَافِعِ

مفاسد کو دُور کرنا حصولِ منافع پر مقدم ہے۔

۱۔ ابوعبید، کتاب الأموال ص ۵۷

۲۔ سائب بن یزیدؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمرؓ کے زمانوں میں جمعہ کے دن پہلی اذان اس وقت کہی جاتی تھی جب امام منبر پر بیٹھ جاتا تھا۔ جب حضرت عثمانؓ کے دور میں لوگوں کی تعداد میں اضافہ ہو گیا تو تیسری اذان زوراء کے مقام پر کہی گئی۔ مدینہ کے بازار میں ایک مقام کا نام زَوراء ہے۔ صحیح البخاری، کتاب الجمعة، باب الأذان یوم الجمعة

تیسری اذان سے مراد خطبہ جمعہ کی اذان سے پہلی والی اذان ہے۔ اسے تیسری اذان اس لیے کہا جاتا ہے کہ اقامت کو بھی اذان کا نام دیا جاتا ہے۔ حیاتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم، خلافتِ صدیقی اور خلافتِ فاروقی میں نمازِ جمعہ کے لیے صرف ایک اذان دی جاتی تھی۔ لوگ خود ہی جمعہ کے روز نمازِ جمعہ ادا کرنے کے لیے قبل از وقت مساجد میں پہنچ جایا کرتے تھے۔ لیکن حضرت عثمانؓ کے دورِ خلافت میں لوگوں کی مصروفیاتِ زندگی میں اضافہ ہو گیا، لہٰذا لوگوں کو نمازِ جمعہ کی اطلاع دینے کی ضرورت زیادہ محسوس کی جانے لگی۔ اس لیے حضرت عثمانؓ نے جمعہ کے دن زوالِ آفتاب کے بعد پہلی اذان دینے کا حکم صادر فرمایا۔ یہ اذان خطبہ جمعہ کی اذان سے پہلے دی جاتی ہے۔

۳۔ ربیعہ بن عبدالرحمٰنؒ سے روایت ہے کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کی بیوی نے ان سے طلاق مانگی۔ انہوں نے کہا: جب تم حیض سے پاک ہو جاؤ تو مجھے بتانا۔ بیوی کو حیض نہ آیا۔ جب حضرت عبدالرحمٰنؓ بیمار ہوئے تو بیوی حیض سے پاک ہوئی اور انہیں بتایا۔ انہوں نے اپنی بیوی کو تین طلاق یا آخری طلاق دے دی۔ پھر حضرت عبدالرحمٰنؓ وفات پا گئے۔ حضرت عثمانؓ نے ان کی مطلقہ کو میراث میں حصہ دلوایا حالانکہ عدت ختم ہو چکی تھی۔ الموطا، کتاب الطلاق، باب طلاق المریض

صحابہ کرامؓ کے عہد میں ایسے امور جو کسی مفسدہ اور برائی کا باعث بنتے تھے، سدِ ذریعہ کے طور پر اُن کے خلاف احکام جاری کیے گئے۔

حضرت عمرؓ نے وہ درخت کاٹ دینے کا حکم جاری کیا جس کے نیچے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ سے بیعت لی تھی جسے بیعتِ رضوان (۱) کہتے ہیں۔ بعد میں لوگ اس درخت کے پاس جاتے اور اس کے نیچے نمازیں ادا کیا کرتے تھے۔ حضرت عمرؓ ڈرے کہ لوگوں میں کوئی فتنہ پیدا نہ ہو جائے یعنی درخت سے عقیدت بڑھتے بڑھتے عبادت کی شکل اختیار نہ کر لے۔ اس لیے آپ نے وہ درخت کٹوا دیا اور فرمایا تھا: تم سے پہلے لوگ اس وجہ سے ہلاک ہو گئے تھے کہ وہ اپنے انبیاء کے آثار کا اِتباع کرتے تھے، پھر انہوں نے ان آثار کو عبادت گاہیں بنا لیا تھا (۲)۔

حضرت عمرؓ نے مسلمانوں کے لیے اہلِ کتاب یعنی یہودی اور مسیحی عورتوں سے نکاح پر پابندی عائد کر دی تھی۔ آپ نے فرمایا تھا: میں ڈرتا ہوں تم ان میں سے بدکار عورتوں سے نکاح کر کے پھنس جاؤ گے (۳)۔

حضرت عمرؓ نے بیک وقت دی گئی تین طلاقوں کو تین طلاقیں شمار کیا تھا۔ اس موقع پر آپ نے فرمایا تھا کہ لوگوں نے اُس کام میں جلدی کرنا شروع کر دی ہے جس میں انہیں مہلت ملی تھی، لہٰذا ہم اسے اگر جاری کر دیں تو ایسا مناسب ہے (۴)۔

۱۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ذوالقعدہ ۶ھ میں اپنے چودہ سو صحابہؓ کے ساتھ عمرہ کی نیت سے مکہ کی طرف روانہ ہوئے۔ قریش مکہ کو پتہ چلا تو انہوں نے آپ اور آپ کے ساتھیوں کو روکنے کی بھرپور تیاری کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ والوں کو پیغام بھجوایا کہ ہماری غرض لڑنا نہیں بلکہ ہم عمرہ ادا کرنے آئے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش مکہ سے مصالحت کی کوشش کے سلسلہ میں حضرت عثمانؓ کو مکہ بھیجا۔ قریش والوں نے آپ کو روک لیا تھا۔ مسلمانوں میں افواہ پھیل گئی کہ حضرت عثمانؓ شہید کر دیئے گئے ہیں۔ اس موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمانؓ کے خون کا قصاص لینے کے لیے اپنے صحابہؓ سے بیعت لی۔ اسے بیعتِ رضوان کہا جاتا ہے۔ یہ بیعت ایک درخت کے نیچے لے گئی تھی۔ ابن کثیر، السیرۃ النبویۃ ۳/۳۱۸-۳۱۹۔ اسے بیعتِ شجرہ بھی کہا جاتا ہے۔ بیعتِ رضوان کے موقع پر قرآن مجید کی یہ آیت نازل ہوئی تھی: ﴿ لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ ﴾ [الفتح ۴۸:۱۸] اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم! جب مومن آپ سے درخت کے نیچے بیعت کر رہے تھے تو اللہ اُن سے خوش ہوا۔

۲۔ الاعتصام ۱/۳۴۶

۳۔ حضرت حذیفہ بن یمانؓ نے ایک یہودی خاتون سے نکاح کر لیا تھا۔ حضرت عمرؓ کو اس نکاح کا پتہ چلا تو آپ نے حضرت حذیفہؓ کو لکھا کہ وہ اس عورت کو طلاق دے دیں۔ حضرت حذیفہؓ نے جواب میں پوچھا: کیا یہ عورت میرے لیے حرام ہے؟ حضرت عمرؓ نے جواب دیا: حرام تو نہیں ہے لیکن مجھے ڈر ہے کہ اس طرح کہیں تم لوگ بدکار یہودی عورتوں سے نکاح نہ کر لو۔ جصاص، أحکام القرآن، من سورۃ البقرۃ، باب نکاح المشرکات ۱/۳۳۳

۴۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اور حضرت ابوبکرؓ کے عہدِ خلافت میں اور حضرت عمرؓ کے دورِ خلافت کے ابتدائی دو سالوں میں ایسا تھا کہ اگر کوئی اپنی بیوی کو ایک ہی بار تین طلاقیں دے دیتا تو وہ ایک طلاق شمار کی جاتی تھی۔ پھر حضرت عمرؓ نے فرمایا: لوگوں نے اس چیز میں جلدی کرنا شروع کر دی ہے جس میں انہیں مہلت ملی تھی۔ لہٰذا اگر ہم اسے ان پر جاری کر دیں تو یہ ان کے لیے مناسب رہے گا۔ حضرت عمرؓ نے ایک ہی بار دی گئی تین طلاقوں کو تین طلاقیں شمار کرتے ہوئے نافذ کر دیا۔ صحیح مسلم، کتاب الطلاق، باب طلاق الثلاث

حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ عید الاضحیٰ پر قربانی نہیں کیا کرتے تھے۔ وہ ڈرتے تھے کہ لوگ اسے واجب سمجھنا شروع کر دیں گے(۱)۔

تفسیرِ نصوص

امام ابن تیمیہؒ نے لکھا ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن مجید کے الفاظ اور ان کے معانی دونوں اپنے صحابہؓ سے بیان فرما دیئے تھے اور ان کی وضاحت کر دی تھی (۲)۔ قرآن مجید میں ہے:

وَ اَنۡزَلۡنَاۤ اِلَیۡکَ الذِّکۡرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیۡہِمۡ (۳)

(رسول صلی اللہ علیہ وسلم!) ہم نے آپ پر یہ ذکر نازل کیا تاکہ آپ لوگوں کے لیے کھول کر بیان کر دیں جو کتاب ان کی طرف نازل کی گئی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول تفسیری اقوال کی تعداد بہت کم ہے۔ اس کی دلیل تفسیری روایات ہیں۔ البتہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجمل الفاظ کا بیان فرمایا جن کی تفصیل قرآن میں نہیں تھی۔ مثلاً قرآن میں ہے:

وَ اَقِیۡمُوا الصَّلٰوۃَ (۴)

اور نماز قائم کرو۔

اقامتِ صلوٰۃ کی تفسیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی۔ حضرت مالک بن حویرثؓ کی روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کے بارے میں فرمایا:

صَلُّوْا كَمَا رَاَيْتُمُوْنِي اُصَلِّي (۵)

نماز ادا کرو جس طرح مجھے نماز ادا کرتے ہوئے تم دیکھتے ہو۔

یوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآنی حکم اقامتِ صلوٰۃ کی عملی تفسیر ہمیں عطا فرمائی۔

حج کے بارے میں قرآن کی ایک آیت ہے:

وَ لِلّٰہِ عَلَی النَّاسِ حِجُّ الۡبَیۡتِ مَنِ اسۡتَطَاعَ اِلَیۡہِ سَبِیۡلًا(۶)

اور اللہ تعالیٰ کے لیے لوگوں پر فرض ہے اس کے گھر کا حج کرنا، جو طاقت رکھتا ہو وہاں پہنچنے کی۔

۱۔ المهذب فی فقه الإمام الشافعی ۱/۲۳۸

۲۔ مجموع فتاویٰ إبن تیمیة، کتاب مقدمة التفسیر ۱۳/۳۳۱

۳۔ النحل ۱۶:۴۴

۴۔ النسآء ۴:۷۷

۵۔ صحیح البخاری، کتاب الأذان، باب الأذان للمسافر إذا کانوا جماعة

۶۔ اٰلِ عمران ۳:۹۷

حضرت جابر بن عبداللہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی علیہ وسلم نے حج کے متعلق فرمایا:

یَا اَیُّھَا النَّاسُ خُذُوْا مَنَاسِکَکُمْ (۱)

اے لوگو! مناسک حج (مجھ سے) سیکھ لو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود مناسکِ حج ادا کر کے اس آیت کی عملی تفسیر فرما دی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مشکل الفاظ کی توضیح بھی فرمائی۔ مثلاً حضرت عدی بن حاتمؓ روایت کرتے ہیں کہ جب قرآن مجید کی آیت:

حَتّٰی یَتَبَیَّنَ لَکُمُ الْخَیْطُ الْاَبْیَضُ مِنَ الْخَیْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ (۲)

یہاں تک کہ صبح کے وقت سفید دھاری سیاہ دھاری سے الگ نظر آنے لگے

نازل ہوئی تو میں نے سیاہ اور سفید دونوں رنگوں کی رسیاں لے کر اپنے تکیہ کے نیچے رکھ لیں۔ میں رات کو دیکھتا رہا لیکن ان کا رنگ ظاہر نہ ہو سکا۔ میں صبح کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچا اور یہ بات بیان کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اِنَّمَا ذٰلِکَ سَوَادُ اللَّیْلِ وَ بَیَاضُ النَّھَارِ (۳)

اس کا مطلب رات کی سیاہی اور صبح کی سفیدی ہے۔

ایسا بھی نہیں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر مجمل اور مشکل کا بیان فرما دیا تھا، جیسے یہ آیت ہے:

﴿لِیُنْفِقْ ذُوْ سَعَۃٍ مِّنْ سَعَتِہٖ (۴) (صاحبِ وسعت کو اپنی وسعت کے مطابق خرچ کرنا چاہئے)۔ نفقہ اور وسعت کی تحدید اور اس کا تعین نہیں ہو سکتا۔ نفقہ عرف میں بدلتا رہتا ہے اور وسعت کے بھی درجات ہوتے ہیں۔

حضرت عمر فاروقؓ کے ایک قول سے بھی اس امر کی تائید ہوتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر مجمل اور مشکل کا بیان نہیں فرمایا تھا۔ اس حوالے سے حضرت عمرؓ نے فرمایا تھا: تین باتیں ایسی ہیں اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں بیان فرما دیتے تو یہ مجھے ساری دنیا اور جو کچھ دنیا میں ہے اس سے زیادہ پسند تھا: ایک کلالہ، دوسرا ربا یعنی سود اور تیسری خلافت (۵)۔

کلالہ کا لفظ قرآن مجید میں دو مقامات پر آیا ہے: سورت النسآء کی آیت ۱۲ اور آیت ۱۷۶۔ کلالہ کے تعین

۱۔ سنن النسائی، کتاب مناسك الحج، باب الركوب إلى الجمار

۲۔ البقرة ۲: ۱۸۷

۳۔ صحیح البخاری، کتاب الصوم، باب قوله تعالى: كُلُوْا وَ اشْرَبُوْا حَتّٰی يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ

۴۔ الطلاق ۶۵: ۷

۵۔ سنن إبن ماجه، کتاب الفرائض، باب الكلالة ۳/ ۳۲۰

میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ بعض کے نزدیک کلالہ وہ ہے جس کا باپ ہو اور نہ اولاد۔ کچھ کا موقف ہے کہ جس کی اولاد نہ ہو وہ کلالہ ہے۔ اسی طرح ربا یعنی سود کی علت اور سبب سے متعلق علماء میں اختلاف موجود ہے۔ خلافت بھی ایک ایسا سیاسی مسئلہ ہے جس کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان نہیں فرمایا تھا کہ میرے بعد فلاں خلیفہ ہو گا۔ اس مسئلہ پر بھی اُمت میں اختلاف رہا ہے۔

ایک اور روایت میں حضرت عمرؓ نے فرمایا: میں نے اپنے بعد کلالہ جتنا زیادہ مشکل مسئلہ نہیں چھوڑا۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی اور مسئلہ بار بار نہیں پوچھا جیسے کلالہ کا مسئلہ بار بار پوچھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی سختی کسی اور بات میں مجھ پر نہیں کی جتنی سختی کلالہ میں کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی انگلی مبارک میرے سینہ میں دباتے ہوئے فرمایا:

يَا عُمَرُ! اَلَا تَكْفِيْكَ اٰيَةُ الصَّيْفِ الَّتِي فِيْ اٰخِرِ سُوْرَةِ النِّسَآءِ (۱)

اے عمر! کیا تمہارے لیے وہ آیت کافی نہیں ہے جو موسمِ گرما میں نازل ہوئی سورت النساء کے آخر میں، یعنی سورت النسآء کی آیت ۱۷۶۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ کی اس طور پر بھی تربیت کی تھی کہ وہ تفسیر قرآن جیسا اہم کام سرانجام دے سکیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس دنیا سے پردہ فرما جانے کے بعد صحابہ کرامؓ نے تفسیر قرآن پر کام کیا۔ اس کام میں بعض صحابہؓ بہت نمایاں ہوئے۔

جلال الدین سیوطیؒ نے لکھا ہے: صحابہ کرامؓ میں سے دس مفسرین ہیں: چاروں خلفائے راشدینؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت اُبی بن کعبؓ، حضرت زید بن ثابتؓ، حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ۔ خلفائے اربعہ میں سے سب سے زیادہ تفسیری اقوال حضرت علیؓ کے ہیں، باقی تینوں سے تفسیری اقوال بہت کم ہیں (۲)۔

زرکشیؒ نے لکھا ہے: صحابہ کرامؓ میں بڑے مفسرین حضرت علیؓ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ سے منقول تفسیری روایات حضرت علیؓ سے زیادہ ہیں (۳)۔ ان کے علاوہ بعض دیگر صحابہؓ سے بھی تھوڑی بہت تفسیری روایات ملتی ہیں۔ مثلاً حضرت انسؓ، حضرت ابوہریرہؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت جابرؓ اور حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ سے ایسی تفسیری روایات منقول ہیں جو قصص، فتنوں اور آخرت سے متعلق ہیں (۴)۔

۱۔ صحیح مسلم، کتاب الفرائض

۲۔ الاتقان فی علوم القرآن ۴۶۶/۲

۳۔ البرهان فی علوم القرآن ۱۵۷/۲

۴۔ الاتقان فی علوم القرآن ۴۷۳/۲

معلوم ہوا کہ قرآنی نصوص کی توضیح وتفسیر میں زیادہ نمایاں کام تین صحابہ کرامؓ کا ہے: حضرت علیؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ۔

صحابہ کرامؓ نے قرآنی آیات کی تفسیر بیان فرمائی ہے، مثلاً قران کی آیت ہے:

اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً(۱)

یا تم عورتوں سے ہم بستر ہوئے ہو اور تمہیں پانی نہ ملے

یہاں حضرت عمرؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے ''لمس'' کی تفسیر ہاتھ سے چھونا کی ہے، جبکہ حضرت علیؓ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ اس سے جماع مراد لیتے ہیں (۲)۔

عروہ بن زبیرؒ نے حضرت عائشہؓ سے قرآن مجید کی اس آیت کا مطلب پوچھا:

وَ اِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِی الْیَتٰمٰی فَانْكِحُوْا مَاطَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰی وَ ثُلٰثَ وَ رُبٰعَ (۳)

اور اگر تم یتیموں کے ساتھ بے انصافی کرنے سے ڈرتے ہو تو جو عورتیں تمہیں پسند آئیں ان میں سے دو دو، تین تین، چار چار سے نکاح کرلو۔

حضرت عائشہؓ نے جواب میں فرمایا: اے میرے بھانجے! اس آیت سے یہ مراد ہے کہ یتیم لڑکی ولی کی پرورش میں ہو جو اُس یتیم کے مال میں شریک ہو۔ لڑکی کے حسن و جمال کی وجہ سے ولی اس سے نکاح کرنا چاہے لیکن اس کے مہر میں انصاف نہ کرے اور اتنا مہر نہ دے جو دوسرے لوگ دینے کو تیار ہوں۔ ایسی صورت میں ان لوگوں کو ایسی لڑکیوں کے ساتھ شادی کرنے سے منع کیا گیا، سوائے اس کے کہ جب وہ انصاف کریں اور انہیں پورا مہر دینے پر راضی ہوں تو پھر ان عورتوں میں سے جو پسند آئے اس سے نکاح کرلیں (۴)۔

اسبابِ نزول کا بیان

صحابہ کرام نے قرآنی آیات کے اسبابِ نزول بیان فرمائے۔ اس بیان کے مختلف مواقع تھے:

۱۔ کسی سوال کے جواب میں سببِ نزول بیان کرنا، جیسے سعید بن جُبیرؒ نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے سورت الأنفال کا سببِ نزول پوچھا تو آپ نے فرمایا تھا: یہ سورت غزوۂ بدر (۲ھ) میں نازل ہوئی تھی (۵)۔

۱۔ النسآء ۴:۴۳

۲۔ أصول الجصاص ۲/۲۸

۳۔ النسآء ۴:۳

۴۔ صحیح مسلم، کتاب التفسیر ۴/۲۳۱۳ ومابعد

۵۔ صحیح البخاری، کتاب التفسیر، باب قوله: یَسْاَلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ ۲/۶۶۹

۲۔ کسی نے ازخود ایک آیت سے کوئی مقصود و مراد لے لی، پھر تصحیح کے لیے صحابی سے پوچھا۔ صحابی نے جواب میں سببِ نزول بیان کیا۔

ایک دن مروان بن حکمؒ نے اپنے ملازم سے کہا: حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے معلوم کرو کہ جو شخص اس چیز سے خوش ہو جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بطور نعمت اسے عطا کی گئی ہے اور بغیر کوئی کام کیے اپنی تعریف کو اچھا خیال کرے، تو کیا اسے آخرت میں عذاب ہوگا؟ اگر یہ صحیح ہے تو پھر ہم سب کو ضرور عذاب ہوگا۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا: تمہیں اس بات سے کیا سروکار؟ تم جس آیت سے یہ خیال دل میں لائے ہو، تو وہ بات یہ ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودیوں کو بلایا اور ان سے کوئی بات پوچھی۔ یہودیوں نے اصل بات چھپا لی اور غلط بات بیان کر دی۔ وہ اپنے اس فعل پر خوش ہوئے اور اس بات پر بھی خوش ہوئے کہ سوال کا جواب دینے پر ان کی تعریف کی جائے گی۔ پھر حضرت ابن عباسؓ نے قرآن مجید کی یہ آیات تلاوت فرمائیں (۱):

وَ اِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَتُبَيِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ وَ لَا تَكْتُمُوْنَهٗ فَنَبَذُوْهُ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ وَ اشْتَرَوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا فَبِئْسَ مَا يَشْتَرُوْنَ. لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَفْرَحُوْنَ بِمَآ اَتَوْا وَّ يُحِبُّوْنَ اَنْ يُّحْمَدُوْا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوْا فَلَا تَحْسَبَنَّهُمْ بِمَفَازَةٍ مِّنَ الْعَذَابِ وَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ(۲)

اور یاد کرو جب اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں سے جنہیں کتاب دی گئی، اقرار لیا کہ تم یہ کتاب لوگوں کو کھول کھول کر بیان کرنا اور اسے نہ چھپانا، تو انہوں نے اس وعدہ کو پس پشت پھینک دیا اور اس کے بدلے تھوڑی سی قیمت حاصل کر لی۔ یہ جو کچھ خریدتے ہیں بہت بُرا ہے۔ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم!) آپ ہرگز خیال نہ کریں جو لوگ اپنی کارستانیوں پر خوش ہوتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ جو کام انہوں نے کیے ان پر ان کی تعریف کی جائے، آپ ان کے متعلق یہ گمان نہ کریں کہ وہ عذاب سے خلاصی پا جائیں گے اور ان کے لیے ہی تو دردناک عذاب ہے۔

۳۔ صحابہ کرامؓ نے کسی آیت کی غلط تفسیر کے رد میں اس آیت کا سببِ نزول بیان کیا تا کہ آیت کی درست تفسیر سامنے آئے۔ مثال کے طور پر ایک دفعہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے پاس ایک آدمی آیا اور اس نے بتایا کہ ایک شخص مسجد میں بیٹھا قرآن مجید کی تفسیر اپنی رائے سے کر رہا ہے۔ وہ قرآن مجید کی آیت: ﴿فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَاْتِي

۱۔ صحیح البخاری، کتاب التفسیر، باب قوله: لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَفْرَحُوْنَ بِمَآ اَتَوْا ۲/۶۵۶

۲۔ ال عمران ۳:۱۸۷۔۱۸۸

السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِينٍ ﴾ (۱) (تو اُس دن کا انتظار کرو کہ آسمان سے صریح دُھواں نکلے گا) کی تفسیر میں کہتا ہے کہ قیامت کے دن لوگوں کے سامنے ایک دھواں آئے گا۔

اس پر حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا: کسی کو معلوم ہو تو وہ بیان کرے، لیکن جسے معلوم نہ ہو تو اسے چاہیے کہ وہ کہہ دے: اللہ تعالیٰ زیادہ جاننے والا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ جب قریش نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں حضرت یوسف علیہ السلام کے عہد میں قحط کی طرح قحط کے سالوں کی بددعا دی۔ ان پر قحط اور سختی آئی یہاں تک کہ وہ ہڈیاں کھانے پر مجبور ہوئے۔ اُن دنوں آدمی جب آسمان کی طرف نظر اٹھا کر دیکھتا تو اسے بھوک کی سختی کی وجہ سے اپنے اور آسمان کے درمیان دھوئیں کے سوا اور کچھ نظر نہیں آتا تھا (۲)۔

مسلمان روم شہر میں تھے۔ رومیوں کا ایک بڑا گروہ مسلمانوں سے لڑنے کے لیے نکلا۔ مسلمان بھی ان سے مقابلہ کے لیے نکلے۔ مسلمانوں میں سے ایک شخص نے رومیوں حملہ کیا اور ان میں جا گھسا۔ لوگوں چیخ چیخ کر کہنے لگے: سبحان اللہ! اس شخص نے خود کو اپنے ہاتھوں سے ہلاکت میں ڈال دیا ہے۔ ان لوگوں کے پیش نظر قرآن کی یہ آیت تھی: ﴿وَ لَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ﴾ (۳)، اور اپنے آپ کو اپنے ہاتھوں سے ہلاکت میں نہ ڈالو۔

حضرت ابو ایوب انصاریؓ بھی وہاں تھے۔ آپ اُٹھے اور فرمایا: اے لوگو! تم اس آیت کی یہ تاویل کرتے ہو، حالانکہ یہ آیت ہم انصار کے بارے میں نازل ہوئی تھی۔ جب اللہ تعالیٰ نے اسلام کو غلبہ و عزت عطا فرمادی اور اسلام کے مددگار بہت ہو گئے تو ہم میں سے بعض نے بعض کو خفیہ طور پر اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے چھپا کر یہ کہا: ہمارے اموال ضائع ہو چکے ہیں۔ بیشک اللہ تعالیٰ نے اب اسلام کو غالب کر دیا ہے اور اس کے بہت سے مددگار ہو گئے ہیں۔ اب ہم اپنے ضائع شدہ اموال کو درست کر لیں۔ ہم نے یہ جو بات کہی تھی اس کے رد میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل کی:

وَ اَنْفِقُوْا فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ لَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ وَ اَحْسِنُوْا اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ (۴)

اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کیا کرو، اور اپنے آپ کو اپنے ہاتھوں سے ہلاکت میں نہ ڈالو، اور اچھے کام کیا کرو۔ بیشک اللہ تعالیٰ اچھے کام کرنے والوں سے محبت کرتے ہیں۔

۱۔ الدخان ۴۴:۱۰

۲۔ صحیح البخاری، کتاب التفسیر، الٓمّٓ غُلِبَتِ الرُّوْمُ ۲/۷۰۳، الدخان ۲/۷۱۴۔ صحیح الترمذی، کتاب تفسیر القرآن، و من سورۃ الدخان ۱۲/۱۳۴ تا ۱۳۶

۳۔ البقرۃ ۲:۱۹۵

۴۔ البقرۃ ۲:۱۹۵

پس ہلاکت سے مراد اموال کی اصلاح و درستی میں مشغول ہو کر جہاد کو چھوڑ دینا ہے(۱)۔

۴۔ کبھی کسی آیت کے سببِ نزول کا بیان، صحیح حکم اخذ کرنے اور پھر اس کے نفاذ کے لیے ضروری ہوتا تھا۔ وہ صحابہؓ جنہیں اسبابِ نزول کا مشاہدہ کرنے کے مواقع نہیں ملے تھے، انہیں بعض اوقات سببِ نزول سے آگاہی نہ ہونے کی وجہ سے آیت کے مقصد و مقصود اور اس سے حکم اخذ کرنے میں غلطی ہو جاتی تھی۔

حضرت عمرؓ نے حضرت قدامہ بن مظعونؓ کو بحرین کا گورنر بنایا تھا۔ حضرت جارودؓ نے حضرت عمرؓ سے شکایت کی کہ حضرت قدامہؓ نے شراب پی ہے اور انہیں نشہ ہو گیا ہے۔ حضرت عمرؓ نے اس پر گواہ طلب کیا۔ حضرت جارودؓ نے بطور گواہ حضرت ابو ہریرۃؓ کا نام پیش کیا۔ حضرت عمرؓ نے حضرت قدامہؓ سے فرمایا: میں تمہیں کوڑے ماروں گا۔ حضرت قدامہؓ نے کہا: اللہ کی قسم! جبکہ یہ لوگ کہہ رہے ہیں، اگر میں نے شراب پی ہے تب بھی آپ کو حق نہیں کہ مجھے کوڑے ماریں۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا: وہ کیوں؟ حضرت قدامہؓ نے اپنے دفاع میں قرآن کی یہ آیت پیش کی:

لَيۡسَ عَلَى الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِيۡمَا طَعِمُوۡۤا اِذَا مَا اتَّقَوْا وَّ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ثُمَّ اتَّقَوْا وَّ اٰمَنُوْا ثُمَّ اتَّقَوْا وَّ اَحۡسَنُوْا وَ اللّٰهُ يُحِبُّ الۡمُحۡسِنِيۡنَ (۲)

جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے اُن پر اُن چیزوں کا کچھ گناہ نہیں جو وہ کھا چکے، جبکہ انہوں نے تقویٰ اختیار کیا یعنی وہ اللہ سے ڈرتے رہے اور ایمان لائے اور نیک کام کیے، پھر تقویٰ اختیار کیا اور ایمان لائے، پھر تقویٰ اختیار کیا اور اچھے کام کیے اور اللہ تعالیٰ اچھے کام کرنے والوں سے محبت کرتے ہیں۔

یہ آیت سنانے کے بعد حضرت قدامہؓ نے کہا: میں انہی لوگوں میں سے ہوں جو ایمان لائے اور نیک اعمال کیے، پھر تقویٰ اختیار کیا اور ایمان لائے، پھر تقویٰ اختیار کیا اور ایمان لائے۔ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ غزوات بدر، اُحد، خندق اور تمام غزوات میں شریک رہا ہوں۔ حضرت عمرؓ نے لوگوں سے فرمایا: تم لوگ اس کی بات کا جواب کیوں نہیں دیتے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا: یہ آیات ان لوگوں کے عذر میں نازل ہوئی تھیں جو حرمتِ شراب کا حکم نازل ہونے سے قبل وفات پا چکے تھے۔ اس حکم کے بعد والوں پر بھی یہ آیات حجت و نافذ ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں (۳):

۱۔ جامع الترمذی، ابواب تفسیر القرآن عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، و من سورۃ البقرۃ

۲۔ المآئدۃ ۵:۹۳

۳۔ الموافقات فی أصول الشریعۃ ۳/۳۴۹۔ السنن الکبریٰ، کتاب الأشربۃ و الحد فیھا، باب ما جاء فی عدد حد الخمر ۸/۳۲۰-۳۲۱

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَ الْمَيْسِرُ وَ الْاَنْصَابُ وَ الْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ (۱)

اے ایمان والو! شراب اور جوا اور بت اور پانسے سب ناپاک کام اعمالِ شیطان سے ہیں، سو ان سے بچتے رہنا تاکہ تم نجات پاؤ۔

۵۔ صحابہ کرامؓ نے آیات کا ظاہری تعارض دور کرنے کے لیے ان کے اسبابِ نزول بیان کیے جس سے آیات میں پایا جانے والا ظاہری تعارض دور ہو گیا۔

مثلاً قرآن مجید کی ایک آیت ہے:

وَ مَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيْهَا وَ غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ لَعَنَهٗ وَ اَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا (۲)

اور جو شخص کسی مسلمان کو جان بوجھ کر مار ڈالے گا تو اُس کی سزا جہنم ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا اور اللہ تعالیٰ اس پر غضبناک ہوں گے اور اُس پر لعنت کریں گے اور ایسے شخص کے لیے اللہ تعالیٰ نے بڑا عذاب تیار کر رکھا ہے۔

اور قرآن مجید میں ایک اور مقام پر فرمایا گیا:

وَ الَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَ لَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَ لَا يَزْنُوْنَ وَ مَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ يَلْقَ اَثَامًا ۔ يُّضٰعَفْ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَ يَخْلُدْ فِيْهٖ مُهَانًا اِلَّا مَنْ تَابَ وَ اٰمَنَ وَ عَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ وَ كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا (۳)

اور وہ جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور معبود کو نہیں پکارتے اور جس جان کو مارنا اللہ تعالیٰ نے حرام کیا ہے اسے جان سے نہیں مارتے مگر حق کے ساتھ (یعنی شریعت کے حکم سے) اور بدکاری نہیں کرتے، اور جو یہ کام کرے گا سخت گناہ میں مبتلا ہو گا۔ روزِ قیامت اسے دوگنا عذاب ہو گا اور وہ ذلت و خواری سے ہمیشہ اس میں رہے گا۔ مگر جس نے توبہ کی اور ایمان لایا اور اچھے کام کیے تو ایسے لوگوں کے گناہوں کو اللہ تعالیٰ نیکیوں سے بدل دیں گے اور اللہ تعالیٰ بخشنے والے رحم کرنے والے ہیں۔

۱۔ المآئدۃ ۵:۹۰

۲۔ النسآء ۴:۹۳

۳۔ الفرقان ۲۵:۶۸ تا ۷۰

پہلی آیت ﴿وَ مَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا﴾ (اور جو آدمی مسلمان کو جان بوجھ کر مار ڈالے گا) اس بات پر قطعی طور پر دلالت کرتی ہے کہ مسلمان کو ارادتاً اور عمداً قتل کرنے والا ہمیشہ دوزخ میں رہے گا۔

دوسری آیت ﴿وَ الَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ﴾ (اور وہ جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور معبود کو نہیں پکارتے) سے معلوم ہوتا ہے کہ قاتل کی توبہ مقبول ہے۔ یوں بظاہر اِن دونوں آیات میں تعارض و اختلاف پایا جاتا ہے۔

سعید بن جُبیرؒ نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے آیت ﴿ وَ مَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا] اور آیت [وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ]﴾ کے بارے میں پوچھا تو حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا: پہلی آیت منسوخ نہیں ہوئی۔ دوسری آیت مشرکین کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ جس نے زمانہ جاہلیت میں یہ فعل کیا، لیکن مسلمان ہونے کے بعد توبہ کر لی تو اس کی توبہ قبول ہے (۱)۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا: یہ آیت اس وقت اتری جب مکہ والوں نے کہا تھا کہ ہم تو شرک بھی کرتے رہے، ناحق قتل بھی کیے اور بے حیائی کے کام بھی کرتے رہے، تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی ﴿اِلَّا مَنْ تَابَ وَ اٰمَنَ وَ عَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا﴾ مگر جس نے توبہ کی اور ایمان لایا اور اچھے کام کیے (۲)۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے سببِ نزول بتایا جس سے دونوں آیات میں ظاہری تعارض دور ہو گیا۔

ناسخ و منسوخ کا بیان

آیات کے ناسخ و منسوخ سے متعلق بھی اقوالِ صحابہؓ ملتے ہیں۔ اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ کون سی آیت پہلے نازل ہوئی اور کون سی بعد میں، کون سی آیت مکہ میں اتری اور کون سی مدینہ میں اور کس آیت کا حکم کس آیت سے منسوخ ہو گیا ہے۔ آیات کے ناسخ و منسوخ سے متعلق بیان سے آیات کے احکام متعین کرنے میں مدد ملتی ہے۔

قرآن مجید کی آیت ہے:

وَ الَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَ يَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّ عَشْرًا (۳)

اور جو لوگ تم میں سے مر جائیں اور عورتیں چھوڑ جائیں تو عورتیں چار مہینے اور دس دن اپنے آپ کو (نکاح ثانی کرنے سے) روکے رکھیں۔

اس آیت کی رو سے ہر وہ عورت جس کا خاوند فوت ہو جائے، اس کی عدت چار ماہ دس دن ہے، خواہ وہ

۱۔ صحيح البخاری، كتاب التفسير، باب قوله: وَ الَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ إِلٰهًا آخَرَ ۲/۷۰۱

۲۔ حوالہ بالا

۳۔ البقرة ۲:۲۳۴

حاملہ ہے یا نہیں ہے۔ قرآن مجید کی ایک اور آیت ہے:

وَ اُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ (۱)

اور حمل والی عورتوں کی عدت وضع حمل تک ہے۔

یہ آیت حاملہ عورتوں کی مدت عدت وضعِ حمل یعنی بچہ کی پیدائش تک کی مدت بیان کرتی ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا تھا: حاملہ جس کا خاوند فوت ہو جائے، وہ عورت وضعِ حمل کے بعد عدت سے نکل جاتی ہے کیونکہ دوسری آیت ﴿وَ اُولَاتُ الْاَحْمَالِ﴾ (اور حمل والی عورتیں) پہلی آیت ﴿وَ الَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَ يَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا﴾ (اور جو لوگ تم میں سے مر جائیں اور عورتیں چھوڑ جائیں) کے بعد اتری ہے (۲)۔ ایک اور روایت میں حضرت ابن مسعودؓ کے یہ الفاظ ہیں: چھوٹی سورت النسآء (سورت الطلاق) بڑی سورت النسآء (سورت البقرۃ) کے بعد نازل ہوئی ہے (۳)۔

قوانینِ امم سابقہ کا بیان

صحابہ کرامؓ کے اقوال و آثار سے گزشتہ اُمتوں کے قوانین بھی معلوم ہوتے ہیں۔ ان سے یہ پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے امم سابقہ پر کون کون سے احکام نازل کیے تھے اور کون سے ایسے احکام ہیں جو اللہ تعالیٰ نے انہیں نہیں دیئے اور وہ ہمیں عطا ہوئے ہیں۔ ان آثار سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ سابقہ اُمتوں پر قوانینِ الٰہی سخت تھے جبکہ اُمتِ محمدیہ پر اللہ تعالیٰ نے مہربانی فرمائی کہ ان کے لیے قوانین میں تخفیف برتی گئی ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا قول ہے: بنی اسرائیل میں صرف قصاص کا قانون تھا، ان میں دِیت کا قانون رائج نہیں تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ہماری اُمت پر یہ حکم نازل فرمایا کہ تم پر قتل کے معاملات میں قصاص فرض ہے۔ جان کے بدلے جان، آزاد کے بدلے آزاد، غلام کے بدلے غلام اور عورت کے بدلے عورت۔ اگر دِیت دینا چاہو تو مقتول کے ورثاء کو چاہیے کہ معروف طریقے سے اسے مقرر کر لیں اور قبول کر لیں اور قاتل کو اچھی طرح دِیت ادا کرنی چاہیے۔ یہ حکم اللہ کی طرف سے تخفیف اور رحمت ہے۔ تم سے پہلے لوگوں پر صرف قصاص کا حکم تھا۔ لہٰذا اس کے بعد کوئی اگر زیادتی کرے یعنی دِیت قبول کرنے کے بعد اگر وہ قتل کرے تو اس کے لیے دردناک عذاب ہے (۴)۔

۱۔ الطلاق ۶۵:۴

۲۔ صحیح البخاری، کتاب التفسیر، باب قولہ: وَ الَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ ۶۵۰/۲

۳۔ حوالہ بالا، کتاب التفسیر، باب سورۃ الطلاق ۷۲۹/۲

۴۔ صحیح البخاری، کتاب التفسیر، باب قولہ: يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ ۶۴۶/۲۔ اس سے متعلق آیت یہ ہے: ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِى الْقَتْلٰى اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَ الْعَبْدُ بِالْعَبْدِ

بقیہ اگلے صفحہ پر............

حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کا قول ہے: جب بنی اسرائیل کے کسی آدمی کے کپڑے پر پیشاب لگ جاتا تھا تو وہ اتنے حصے کو کاٹ ڈالتا تھا(۱)۔

صحابہ کرامؓ امورِ تشریع وقانون سازی اور مقاصدِ شریعت سے بخوبی آگاہ تھے۔ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبتِ مبارکہ میں رہ کر احکام اخذ کرنے میں مہارت حاصل کر لی تھی۔ وہ ان مقاصد کو اچھی طرح جانتے تھے جن پر احکام کی بنیاد ہوا کرتی ہے۔

صحابہ کرامؓ کی اس قانونی مہارت اور خصوصیت کا تذکرہ کرتے ہوئے شاہ ولی اللہؒ نے لکھا ہے: ہر صحابی نے توفیقِ الٰہی کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت، فتاویٰ اور فیصلوں کا مشاہدہ کیا، انہیں سمجھا، یاد کیا اور قرائن سے ان کی وجہ معلوم کی۔ انہوں نے معلوم امارات وقرائن سے بعض کو اباحت و جواز پر محمول کیا اور بعض کی نسبت اندازہ کیا کہ وہ منسوخ ہیں۔ انہوں نے طُرقِ استدلال کی جانب زیادہ توجہ نہ کی بلکہ ان کے نزدیک زیادہ اچھی بات یہ تھی انہیں اطمینان حاصل ہو(۲)۔

قانون سازی میں صحابہؓ کی مہارت اور ذہانت کا تذکرہ کرتے ہوئے شاہ ولی اللہؒ مزید لکھتے ہیں: صحابہؓ نے شریعت اور تیسیر یعنی آسانی کے قوانین واصول اور احکامِ دین کو امر ونہی کے مواقع دیکھ دیکھ کر حاصل کر لیا تھا، جس طرح کسی طبیب کے پاس بیٹھنے والے لوگ اس سے طویل میل جول اور محنت سے ان دواؤں کے فوائد سے آگاہ ہو جاتے ہیں جن کے استعمال کا طبیب حکم دیتا ہے۔ صحابہ کرامؓ کو ان امور سے متعلق اعلیٰ درجہ کی واقفیت تھی(۳)۔

یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرامؓ کے اجتہادات مزاجِ نبوت کے قریب تر تھے۔ ایسی کئی مثالیں ملتی ہیں کہ کسی مسئلہ میں صحابی کا اجتہاد حکمِ نبوی کے عین مطابق نکلا۔ صحابی کو جب خبر دی جاتی کہ انہوں نے جو اجتہاد کیا، ویسا ہی فیصلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فلاں مسئلہ میں فرما چکے ہیں تو وہ صحابی خوش ہوتے اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے تھے۔

حضرت عمرؓ نے مہاجرین، انصار اور قریش کے بزرگ صحابہؓ سے مشورہ کے بعد یہ فیصلہ دیا کہ ملکِ شام

گزشتہ سے پیوستہ......... وَ الْأُنْثٰى بِالْأُنْثٰى فَمَنْ عُفِيَ لَهٗ مِنْ اَخِيْهِ شَيْءٌ فَاتِّبَاعٌ بِالْمَعْرُوْفِ وَ اَدَآءٌ اِلَيْهِ بِاِحْسَانٍ ذٰلِكَ تَخْفِيْفٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ رَحْمَةٌ فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِيْمٌ﴾[البقرة۲:۱۷۸]

اے ایمان لانے والو! تمہارے لیے قتل کے مقدموں میں قصاص کا حکم لکھ دیا گیا ہے۔ آزاد آدمی نے قتل کیا ہو تو اس آزاد آدمی ہی سے بدلہ لیا جائے، غلام قاتل ہو تو وہ غلام ہی قتل کیا جائے اور عورت اس جرم کی مرتکب ہو تو اس عورت ہی سے قصاص لیا جائے۔ ہاں اگر کسی قاتل کے ساتھ اس کا بھائی کچھ نرمی کرنے کے لیے تیار ہو، تو معروف طریقے کے مطابق خون بہا کا تصفیہ ہونا چاہیے، اور قاتل کو لازم ہے کہ وہ خوش خوئی کے ساتھ خون بہا ادا کرے۔ یہ تمہارے رب کی طرف سے نرمی اور رحمت ہے۔ اس فیصلہ کے بعد جو زیادتی کرے تو اس کے لیے دردناک سزا ہے۔

۱۔ صحيح البخاري، كتاب الوضوء، باب البول عند سباطة قوم ۱/۳۶

۲۔ حجة الله البالغة ۱/۱۴۱

۳۔ حوالہ بالا ۱/۱۴۷

جہاں وبا پھیل چکی تھی، اس کی طرف مزید پیش قدمی نہ کی جائے اور واپس چلے جائیں۔ اس پر حضرت ابوعبیدہ بن جراحؓ نے فرمایا: کیا آپ اللہ تعالیٰ کی تقدیر سے فرار ہو رہے ہیں؟ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے بعد میں آ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث بتائی:

إِذَا سَمِعْتُمْ بِهِ بِأَرْضٍ فَلَا تَقْدَمُوْا عَلَيْهِ وَ إِذَا وَقَعَ بِأَرْضٍ وَ أَنْتُمْ بِهَا فَلَا تَخْرُجُوْا فِرَارًا مِنْهُ (۱)

جب تم کسی جگہ کے متعلق سنو کہ وہاں وبا پھیل گئی ہے تو وہاں نہ جاؤ اور جب کسی جگہ وبا پھیل جائے اور تم وہاں موجود ہو تو وہاں سے فرار ہو کر نہ نکلو۔

اس پر حضرت عمرؓ نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا اور واپس ہو گئے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے اس عورت کے متعلق جس کا خاوند مہر متعیّن ہونے اور صحبت کرنے سے قبل فوت ہو گیا تھا، یہ فیصلہ دیا کہ عورت کو مہر مثل ملے گا، وہ میراث میں حق دار ہو گی اور عدّت گزارے گی۔ جب انہیں بتایا گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابیہ حضرت بروع بنت واشقؓ کے معاملہ میں ایسا ہی فیصلہ فرمایا تھا تو یہ سن کر حضرت ابن مسعودؓ بہت خوش ہوئے کہ نبوی فیصلہ کے مطابق آپ کا فیصلہ ہوا ہے(۲)۔

۱۔ صحیح البخاری، کتاب الطب، باب ما یذکر فی الطاعون

۲۔ سنن أبی داؤد، کتاب النکاح، باب فیمن تزوج و لم یُسم صداقا حتی مات ۲/۱۰۳

باب چہارم

اجتہاداتِ صحابہؓ کی قانونی حیثیت

اس باب میں اجتہاداتِ صحابہؓ کی فقہی وقانونی حیثیت سے متعلق بحث کی گئی ہے۔ ان اجتہادات کے متعلق ایک جملے میں یہ نہیں کہا جاسکتا کہ وہ حجت ہیں یا وہ حجت نہیں ہیں۔ ان کی کئی نوعیتیں ہیں جن میں سے ہر ایک کا الگ الگ فقہی وقانونی جائزہ لینا ضروری ہے۔ اس جائزہ سے یہ بات واضح ہو کر سامنے آجائے گی کہ صحابہؓ کے کون کون سے اجتہادات حجت ہیں اور کن اجتہادی آراء وفتاویٰ کو اسلامی قانون میں حجت نہیں مانا جاتا۔ اس مقصد کے لیے یہ باب مندرجہ ذیل پانچ فصول میں تقسیم کیا گیا ہے:

☆ اجماعِ صحابہؓ

☆ منفرد قولِ صحابی

☆ صحابہؓ کے اختلافی اقوال

☆ اجتہادِ صحابیؓ کی صحابی پر حجیت

☆ مذہبِ صحابی سے عموم کی تخصیص

اِجماعِ صحابہؓ

جس امر پر تمام صحابہ کرامؓ اتفاق کرلیں وہ اِجماع ہونے کی بنا پر قطعی ہے۔ اِجماع شرعی دلائل میں سے ایک دلیل ہے۔ اِجماع سے حکمِ شرعی قطعی اور حتمی طور پر ثابت ہوتا ہے(۱)۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إِنَّ اللّٰهَ لَا يَجْمَعُ أُمَّتِي أَوْ قَالَ أُمَّةَ مُحَمَّدٍ، عَلَى ضَلَالَةٍ وَ يَدُ اللّٰهِ عَلَى الْجَمَاعَةِ وَ مَنْ شَذَّ شَذَّ فِي النَّارِ (۲)

بیشک اللہ تعالیٰ میری اُمت، یا فرمایا: اُمت محمد صلی اللہ علیہ وسلم، کو گمراہی پر اکٹھا نہیں کرے گا اور جماعت پر اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ہے۔ جو شخص الگ ہوا وہ الگ ہو کر جہنم میں جا پڑے گا۔

یہ حدیث اس بات پر قطعی دلیل ہے کہ اُمتِ مسلمہ کا اتفاق غلط نہیں ہوتا۔ اسی ضمن میں ایک اور حدیث بھی ہے جس کے راوی حضرت انس بن مالکؓ ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إِنَّ أُمَّتِي لَا تَجْمَعُ عَلَى الضَّلَالَةِ فَإِذَا رَأَيْتُمْ إِخْتِلَافًا فَعَلَيْكُمْ بِالسَّوَادِ الْأَعْظَمِ (۳)

بیشک میری اُمت گمراہی پر اکٹھی نہیں ہوسکتی۔ جب تم کسی مسئلہ میں اختلاف رائے دیکھو تو واضح اکثریت کی پیروی کرو۔

امام محمد شیبانیؒ نے قرآن اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صحابہؓ کے اِجماع کو اصل اور حجت

۱۔ تقویم الأدلۃ ص ۲۸۔ عبدالعزیز بخاری، کشف الأسرار ۳/۱۷۲۔ المحرر فی أصول الفقہ ۱/۲۲۱۔ الإبھاج ۲/۳۵۲۔ اللمع فی أصول الفقہ ص ۸۷۔ قواطع الأدلۃ ۱/۴۶۲۔ المعتمد فی أصول الفقہ ۲/۴۔ البرھان فی أصول الفقہ ۲/۶۷۵۔ ارشاد الفحول ص ۱۳۵۔ نھایۃ السول ۳/۲۴۶۔ آمدی، الإحکام فی أصول الأحکام ۱/۱۷۰۔ ابن حزم، الإحکام فی أصول الأحکام ۴/۱۲۸

۲۔ صحیح الترمذی، کتاب الفتن، باب ما جاء فی لزوم الجماعۃ

۳۔ سنن إبن ماجہ، کتاب الفتن، باب السواد الأعظم

قرار دیا ہے(۱)۔ ابوبکر جصاصؒ، ابوزید دبوسیؒ، شمس الائمہ سرخسیؒ اور فخر الاسلام بزدویؒ نے لکھا ہے کہ جس پر صحابہ کرامؓ اجماع کرلیں وہ کتاب وسنت اور خبر متواتر کی طرح قطعی اور حجت ہے(۲)۔ دیگر علمائے اصول فقہ نے یہ بھی لکھا ہے کہ اجماع صحابہؓ کا انکار کرنے والا کفر کا مرتکب ہے۔ قرآن مجید یا تواتر سے ثابت حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کرنے والے کی طرح اجماع صحابہؓ کا منکر بھی کافر ہے(۳)۔ علمائے اصول نے اجماع صحابہؓ کو اجماع کی سب سے قوی قسم قرار دیا ہے(۴)۔ امام ابن حزمؒ کے نزدیک اجماع صحابہؓ صحیح اجماع ہے(۵)۔ ابن عبدالبرؒ نے بھی لکھا ہے کہ اجماع صحابہؓ کی مخالفت جائز نہیں ہے(۶)۔ زرکشیؒ، شوکانیؒ اور نواب صدیق حسنؒ نے بھی اجماع صحابہؓ کو حجت قرار دیا ہے(۷)۔

اتفاق خلفائے راشدینؓ

اگر کسی مسئلہ پر چاروں خلفائے راشدینؓ یعنی حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کا اتفاق ہو اور اس اتفاق سے کسی صحابی کا اختلاف پایا جائے تو اس اتفاق کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ کیا ایسا اتفاق کوئی حکم ثابت کرنے کے لیے ایک شرعی دلیل مانا جائے گا؟

جمہور اصولیین کا موقف ہے کہ خلفائے اربعہ کا کسی بات پر اتفاق ثابت ہو جائے تو ان کا متفقہ قول اجماع نہیں کہلاتا اور وہ حجت ولازم نہیں ہے(۸)۔

قاضی ابوخازمؒ کے نزدیک چاروں خلفائے راشدینؓ کا اتفاق حجت ہے اور اس کی مخالفت کرنے والوں کی بات کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ قاضی ابوخازمؒ نے عباسی خلیفہ معتضد باللہؒ (۲۷۹ھ تا ۲۸۹ھ) کے زمانہ میں یہ فیصلہ

۱۔ الفصول فی الأصول ۳/۲۷۱

۲۔ أصول الجصاص ۲/۱۱۸۔ تقویم الأدلّة ص ۲۷۰۔ المحرر فی أصول الفقه ۱/۲۳۸۔ عبدالعزیز بخاری، کشف الأسرار ۳/۳۸۶

۳۔ المحرر فی أصول فقه ۱/۲۳۸۔ التقریر والتحریر ۳/۱۱۳

۴۔ تقویم الأدلّة ص ۳۱۔ المحرر فی أصول الفقه ۱/۲۳۸۔ عبدالعزیز بخاری، کشف الأسرار ۳/۳۸۶

۵۔ ابن حزم، الإحکام فی أصول الأحکام ۴/۱۴۷

۶۔ جامع بیان العلم وفضله ۱/۲۷۰

۷۔ البحر المحیط فی أصول الفقه ۴/۴۸۲۔ ارشاد الفحول ص ۱۴۹۔ حصول المامول ص ۶۴

۸۔ المحصول فی علم أصول الفقه ۳/۸۶۷۔ منتهی الوصول والأمل ص ۵۸۔ البحر المحیط فی أصول الفقه ۴/۴۹۱۔ الواضح فی أصول الفقه ۵/۲۲۰۔ آمدی، الإحکام فی أصول الأحکام ۱/۲۱۱۔ المستصفٰی ص ۱۶۸۔ العدة فی أصول الفقه ۴/۱۱۹۸۔ التمهید فی أصول الفقه ۳/۲۸۰۔ نفائس الأصول ۶/۲۷۲۳۔ تیسیر التحریر ۳/۲۴۲۔ فواتح الرحموت ۲/۲۳۱۔ ارشاد الفحول ص ۱۵۱۔ حاشیة البنانی ۲/۱۷۹

دیا تھا کہ ذوی الأرحام (۱) کے جو أموال بیت المال میں جمع کیے گئے ہیں وہ ذوی الأرحام کو دے دیئے جائیں۔ قاضی ابوخازمؒ نے ذوی الأرحام کی وراثت کے مسئلہ میں حضرت زید بن ثابتؓ کے اس اختلاف کا اعتبار نہیں کیا جو آپ نے خلفائے راشدینؓ سے کیا تھا۔ خلیفہ معتضدؒ نے قاضی کا یہ فیصلہ نافذ کر دیا تھا(۲)۔

امام احمد بن حنبلؒ سے ایک روایت ہے کہ چاروں خلفائے راشدین کا اتفاق اِجماع اور حجت ہے اگرچہ کسی نے ان کی مخالفت کی ہو(۳)۔ ابن قدامہؒ نے لکھا ہے: امام احمد بن حنبلؒ سے ایک روایت کے مطابق آپ کا قول اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ خلفائے راشدین کا قول حجت اور لازم ہے اور ان کے قول سے باہر نہیں جایا جائے گا۔ لیکن ہر وہ چیز جو حجت ہو اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہ اِجماع ہے(۴)۔ زرکشیؒ لکھتے ہیں: امام احمد بن حنبلؒ سے جو نقل ہوا ہے وہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ آپ خلفائے راشدینؓ کا قول چھوڑ کر دوسرے کے قول کی طرف نہیں جاتے تھے(۵)۔

امام شافعیؒ کے مطابق خلفائے راشدینؓ کا قول حجت ہے، سوائے حضرت علیؓ کے۔ قفالؒ نے امام شافعی

۱۔ ذوی الأرحام سے مرادمیّت کے وہ ددھیالی اور ننھیالی رشتہ دار ہیں جو نہ ذوی الفروض میں سے ہوں اور نہ ہی وہ عصبات میں سے ہوں۔ ذوی الفروض یا اصحاب الفروض سے مرادمیّت کے وہ رشتہ دار ہیں جن کے حصے شریعت نے مقرر کر دیئے ہیں۔
ذوی الفروض بارہ ہیں جن میں سے چار مرد اور آٹھ عورتیں ہیں: شوہر، باپ، اخیافی یعنی ماں شریک بھائی، جدّ صحیح یعنی باپ کا باپ، باپ کا دادا، باپ کا پردادا وغیرہ۔ بیوی، ماں، بیٹی، پوتی، سگی بہن، علاتی یعنی باپ شریک بہن، اخیافی یعنی ماں شریک بہن، جدّہ صحیحہ یعنی باپ کی ماں، باپ کے باپ کی ماں، ماں کی ماں، ماں کی نانی وغیرہ۔
عصبات سے مرادمیّت کے وہ رشتہ دار ہیں جن کے حصے شریعت نے مقرر نہیں کیے۔ جس رشتہ دار کے اور میّت کے درمیان رشتہ میں کسی عورت کا واسطہ نہ ہو۔ ان میں چار عورتیں: بیٹی، پوتی، سگی بہن، علاتی یعنی سوتیلی بہن شامل ہے۔ بقیہ مرد ہیں: بیٹا، باپ، دادا، پوتا، بھائی، بھتیجا اور چچا وغیرہ۔ ذوی الفروض ہونے کی صورت میں عصبات کو بقیہ ترکہ میں سے ملتا ہے۔ اگر ذوی الفروض نہ ہوں تو عصبات کل ترکہ کے حقدار ہوتے ہیں۔
ذوی الأرحام میں یہ لوگ شامل ہیں: میّت کے فروع: جیسے نواسہ، نواسی، پوتی کی بیٹی۔ بھانجے، بھانجیاں، بھتیجیاں اور اخیافی بھائیوں کی اولاد۔ ماموں، خالہ، پھوپھی۔ نانا، نانا کی ماں اور دادی کا باپ۔
اگر میّت کے ذوی الفروض اور عصبات نہ ہوں تو ذوی الأرحام وراثت کے حقدار ہوتے ہیں۔ جمہور صحابہ کرامؓ کی یہی رائے تھی۔ لیکن حضرت زید بن ثابتؓ نے ان سے اختلاف کرتے ہوئے یہ موقف اختیار کیا تھا کہ اگر میّت کے ذوی الفروض اور عصبات نہ ہوں تو میّت کا ترکہ ذوی الأرحام میں تقسیم نہیں کی جائے گا بلکہ اسے بیت المال میں جمع کرا دیا جائے گا۔ احناف نے جمہور صحابہؓ کا اتباع کیا ہے، جبکہ مالکی اور شافعی فقہاء نے حضرت زید بن ثابتؓ کی رائے پر عمل کیا ہے۔

۲۔ المحرر في أصول الفقه ۱/۲۲۷۔ أصول الجصاص ۲/۱۳۹۔ تيسير التحرير ۳/۲۴۲۔ التقرير والتحبير ۳/۹۸

۳۔ شرح الكوكب المنير ۲/۲۳۹۔ روضة الناظر ۱/۳۶۶۔ شرح مختصر الروضة ۳/۹۹۔ العدة في أصول الفقه ۴/۱۱۹۸

۴۔ اتحاف ذوي البصائر ۲/۱۲۱۷، ۱۲۱۹

۵۔ البحر المحيط في أصول الفقه ۴/۴۹۰

کے اس قول کی وضاحت میں کہا ہے: اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ پہلے تین خلفاء کے مقابلہ میں حضرت علیؓ میں اجتہادی صلاحیتوں کی کمی تھی بلکہ اس لیے کہ وہ خلافت پر فائز ہونے پر کوفہ چلے گئے تھے۔ ان صحابہؓ کی اکثریت فوت ہوگئی تھی جو پہلے تین خلفاء کو مشورے دیتے تھے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ میں سے ہر ایک کا قول کثیر صحابہؓ کے مشورہ سے ہوتا تھا، جبکہ حضرت علیؓ کا قول ایسا نہیں ہوا کرتا تھا(۱)۔

اتفاق خلفائے راشدینؓ کو اجماع اور حجت قرار دینے والوں کی دلیل ایک حدیث ہے جسے حضرت عرباض بن ساریہؓ نے روایت کیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

أُوْصِيكُمْ بِتَقْوَى اللّٰهِ وَ السَّمْعِ وَ الطَّاعَةِ وَ إِنْ عَبْدًا حَبَشِيًّا فَإِنَّهُ مَنْ يَّعِشْ مِنْكُمْ بَعْدِي فَسَيَرَى اخْتِلَافًا كَثِيْرًا فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَ سُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ الْمَهْدِيِّيْنَ تَمَسَّكُوْا بِهَا وَ عَضُّوْا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ وَ إِيَّاكُمْ وَ مُحْدَثَاتِ الْأُمُوْرِ فَإِنَّ كُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ وَّ كُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ(۲)

میں تمہیں اللہ تعالیٰ سے ڈرنے اور (مسلمان حکمران کی بات) سننے اور (اس کی) اطاعت کرنے کی وصیت کرتا ہوں، اگرچہ وہ حبشی غلام ہو۔ تم میں سے جو شخص میرے بعد زندہ رہے گا وہ عنقریب بہت زیادہ اختلاف دیکھے گا۔ پس تم پر لازم ہے کہ تم میری سنّت اور خلفائے راشدین جو ہدایت یافتہ ہیں، ان کی سنّت کو تھامے رہو اور اسے دانتوں سے مضبوط پکڑ کر رکھو۔ دین میں نئے امور نکالنے سے بچو کہ ہر نئی چیز بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔

اس حدیث سے وجہ استدلال یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس طرح اپنی سنّت کے اِتباع کا حکم دیا ہے اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سنّتِ خلفائے راشدینؓ کے اِتباع کا بھی حکم دیا ہے۔ لہٰذا اُن کی سنّت اور طریقہ کا اِتباع واجب اور اس کی مخالفت حرام ہے۔

خلفائے راشدینؓ سے خلفائے اربعہ مراد ہونے کی دلیل میں حضرت سفینہؓ سے مروی یہ حدیث پیش کی جاتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

خَلَافَةُ النُّبُوَّةِ ثَلَاثُوْنَ عَامًا ثُمَّ تَكُوْنُ مَلِكٌ

نبوت کی خلافت تیس سال رہے گی، پھر بادشاہ ہوں گے۔

حضرت سفینہؓ نے فرمایا کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ دو سال خلیفہ رہے، حضرت عمر فاروقؓ دس سال، حضرت

۱۔ حاشية البناني ۲/۳۵۵

۲۔ سنن أبي داؤد، كتاب السنّة، باب لزوم السنّة

عثمانؓ بارہ سال اور حضرت علیؓ چھ سال خلافت کے منصب پر فائز رہے(۱)۔ یوں ان چاروں خلفائے راشدین کی مدت خلافت تیس سال پوری ہوئی۔

اِتفاق خلفائے راشدینؓ کو اِجماع اور حجت نہ ماننے والوں کے چند اہم دلائل یہ ہیں:

۱۔ خلفائے راشدینؓ کا اِتفاق پوری اُمتِ مسلمہ کا اِجماع نہیں ہے۔ پوری اُمت کا اِجماع حجت ہے۔ اِجماعِ اُمت کو عصمت حاصل ہے اور اس میں غلطی کا امکان نہیں ہے۔ جبکہ کچھ لوگوں کے اتفاق کو عصمت حاصل نہیں ہوا کرتی۔ خلفائے راشدینؓ اُمتِ مسلمہ کا ایک حصہ ہیں، وہ اُمت نہیں ہیں۔ محض امامت وخلافت کسی اِجماع کے منعقد ہونے میں کوئی اہمیت نہیں رکھتے۔

۲۔ چاروں خلفاءؓ کا اتفاق واجبِ اتباع مان لینے سے ان تمام مسائل میں صحابہؓ کے اجتہادات غیر قانونی قرار پائیں گے جن پر چاروں خلفاءؓ نے اتفاق کیا، جبکہ ایسا نہیں ہے۔ صحابہؓ کئی مسائل میں خلفائے راشدین سے اختلاف رائے رکھتے تھے۔

۳۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث: فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ الْمَهْدِيِّينَ (پس تمہارے لیے لازم ہے کہ تم میری سنّت اور خلفائے راشدین جو ہدایت یافتہ ہیں، ان کی سنّت کو تھامے رہو)، اس حدیث سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ خلفائے راشدینؓ کا اِتباع واجب ہے۔ یہ اس بات پر قطعی دلیل نہیں ہے کہ ان کا اتفاق اِجماع ہے۔ یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ حضرات خلفائے راشدینؓ کی سیرت، اجتہاد وسیاست اور عدالت میں ان کی اقتداء اور پیروی کی جائے گی۔ یہ حدیث دیگر مجتہدین کو اجتہاد سے منع نہیں کرتی اور نہ یہ حدیث خلفائے اربعہ کا قول دوسرے مجتہدین پر حجت ولازم قرار دیتی ہے۔ اس حدیث میں مقلّدین کو مخاطب کیا گیا ہے۔

۴۔ یہ حدیث صرف خلفائے رابعہؓ کو شامل کرنے پر دلالت نہیں کرتی بلکہ یہ تمام خلفاء راشدین کے لیے عام ہے۔ اس حدیث میں خلافت کی صفات یعنی رُشد و ہدایت بیان کی گئی ہیں۔ جو حکمران اِن صفات کا حامل ہے وہ خلفائے راشدین میں شمار ہوتا ہے، جیسے عمر بن عبدالعزیزؒ۔

۵۔ یہ حدیث نبوت کی خلافت ختم ہونے کی دلیل ہے۔ اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ آئندہ کوئی اور خلیفہ راشد نہیں ہوسکتا۔

۶۔ یہ حدیث اخبارِ آحاد میں سے ہے۔ اس حدیث سے قطعی حکم ثابت نہیں ہوتا کہ چاروں خلفاء راشدینؓ کا اتفاق اجماع ہے یا ان کا اِجماع حجت ہے۔

۷۔ اگر یہ حدیث اتفاقِ خلفائے راشدینؓ کی حجیت اور اس کے لازم ہونے پر دلیل ہے تو بعض دوسرے صحابہ

۱۔ المستدرك، كتاب معرفة الصحابة ۳/۷۱

کرامؓ کے حق میں احادیث ان کے اقوال کی حجیت پر دلیل ہوں گی۔ مثلاً:

حضرت انسؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إِنَّ لِكُلِّ أُمَّةٍ أَمِينًا وَّ إِنَّ أَمِينَنَا أَيَّتُهَا الْأُمَّةُ أَبُوْ عُبَيْدَةَ بْنُ الْجَرَّاحِ (۱)

بیشک ہر اُمت کا ایک امین ہوتا ہے اور اے اُمت! ہمارے امین حضرت ابوعبیدہ بن جراحؓ ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اسْتَقْرِؤُا الْقُرْآنَ مِنْ أَرْبَعَةٍ مِنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ وَّ سَالِمٍ مَوْلٰى أَبِىْ حُذَيْفَةَ وَ أُبَىِّ بْنِ كَعْبٍ وَّ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ (۲)

قرآن چار آدمیوں سے پڑھنا سیکھو: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت سالم بن معقلؓ مولیٰ حضرت ابوحذیفہؓ، حضرت اُبی بن کعبؓ اور حضرت معاذ بن جبلؓ۔

۸۔ اوپر درج حدیث مندرجہ ذیل حدیث سے متعارض ہے جس میں صحابہؓ کی پیروی کرنے کا کہا گیا ہے۔

حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

أَصْحَابِىْ كَالنُّجُوْمِ بِأَيِّهِمْ اقْتَدَيْتُمْ اِهْتَدَيْتُمْ (۳)

میرے صحابہؓ ستاروں کے مانند ہیں۔ تم ان میں سے جس کی بھی پیروی کرو، ہدایت پاؤ گے۔

شیخین کا اتفاق

فخر الدین رازیؒ، سیف الدین آمدیؒ، ارمویؒ اور قاضی محب اللہ بہاریؒ وغیرہ نے لکھا ہے کہ بعض کے نزدیک شیخین (۴) یعنی حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کا اتفاق اِجماع ہے، اگر کسی نے ان کی مخالفت نہ کی ہو (۵)۔ اس حوالے سے صدر الشریعہؒ نے لکھا ہے: ابوالحسن کرخیؒ کی رائے میں جس چیز پر شیخین کا اتفاق ہو اس کی اقتداء اور پیروی

۱۔ صحیح البخاری، کتاب المناقب، باب مناقب أبی عبیدۃ بن الجراح

۲۔ حوالہ بالا، مناقب عبداللہ بن مسعودؓ

۳۔ جامع بیان العلم و فضلہ۔ اس حدیث کی صحت پر علمائے جرح کی تفصیلی بحث آگے صفحات ۲۸۲، ۲۸۴ پر آ رہی ہے۔

۴۔ لفظ ''شیخ'' کا اطلاق اس شخص پر ہوتا ہے جو مرتبہ و فضیلت کے لحاظ سے بڑا ہو۔ عربی زبان میں لفظ شیخین تثنیہ ہے جو دو افراد کے لیے بولا جاتا ہے۔ حضرات صحابہ کرامؓ میں شیخین سے مراد حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمرؓ ہیں۔ محدثین میں شیخین امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ ہیں۔ فقہ حنفی میں امام ابوحنیفہؒ اور امام ابویوسفؒ شیخین کہلاتے ہیں۔

۵۔ المحصول فی علم أصول الفقہ ۳/۸۶۷۔ آمدی، الإحکام فی أصول الأحکام ۱/۲۱۱۔ التحصیل من المحصول ۲/۷۲۔ مسلّم الثبوت ۲/۲۳۱

واجب ہے(۱)۔ اس قول کے متعلق ایک رائے یہ ہے کہ یہ کسی کی طرف منسوب نہیں ہے(۲)۔ البتہ اس کی تائید میں یہ حدیث پیش کی جاتی ہے:

حضرت حذیفہ بن یمانؓ کی روایت ہے:

كُنَّا جُلُوْسًا عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ فَقَالَ: إِنِّي لَا أَدْرِيْ مَا بَقَائِي فِيْكُمْ فَاقْتَدُوْا بِالَّذِيْنَ مِنْ بَعْدِي وَ أَشَارَ إِلَى أَبِيْ بَكْرٍ وَّ عُمَرَ (۳)

ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ نے فرمایا: میں نہیں جانتا کہ میں کب تک تمہارے درمیان رہوں۔ پس تم پیروی کرو ان دو کی جو میرے بعد ہوں گے اور آپ نے حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کی طرف اشارہ فرمایا۔

جمہور علمائے اصولِ فقہ کے نزدیک اگر کسی مسئلہ میں صرف حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمرؓ دونوں کا اتفاق ہو جبکہ کسی اور نے ان کی مخالفت کی ہو تو اس سے اجماع منعقد نہیں ہوا۔ ان دونوں کا متفقہ قول اجماع اور حجت نہیں ہے(۴)۔ جمہور نے اپنے موقف کی تائید میں وہی دلائل دیے ہیں جو اوپر اتفاق خلفائے اربعہؓ کی عدم حجیت اور اس کے اجماع نہ ہونے میں بیان کیے جا چکے ہیں۔

اس مسئلہ میں جمہور کا موقف لائق ترجیح نظر آتا ہے۔ اگر خلفائے راشدینؓ یا پہلے دو خلفاءؓ کے اتفاق کے خلاف کسی دوسرے صحابی کا قول پایا جاتا ہے تو یہ اتفاق اجماع نہیں ہے۔ امامت یا خلافت کا منصب دو یا چار خلفاء تک محدود کرنا مناسب نہیں ہے۔ ہر وہ حکمران خلیفہ راشد ہے جس کا طرزِ حکمرانی قرآن و سنت کے بتائے ہوئے اصولِ حکمرانی کے عین مطابق ہے۔ عمر بن عبدالعزیزؒ کو اسی لیے پانچواں خلیفہ راشد کہا جاتا ہے۔ سفیان ثوریؒ کا قول ہے کہ خلفاء پانچ ہیں: حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ اور حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ(۵)۔ حضرت سفینہؓ سے مروی حدیث: خِلَافَةُ النُّبُوَّةِ ثَلَاثُوْنَ عَامًا (نبوت کی خلافت تیس سال رہے گی) اس سے یہ تو معلوم ہوتا ہے کہ نبوت کی خلافت تیس سال رہے گی، لیکن اس مدت کے بعد کسی اور خلیفہ راشد کے امکان کی نفی نہیں

۱۔ التوضیح ۲/۴۴۷

۲۔ اتحاف ذوی البصائر ۳/۱۳۴۵

۳۔ صحیح الترمذی، کتاب المناقب، فی مناقب أبی بکر وعمر رضی اللہ عنہما کلیھما

۴۔ المستصفیٰ ص۱۶۸۔ حاشیۃ البنانی ۲/۱۷۹۔ التحصیل من المحصول ۲/۷۲۔ المحصول فی علم أصول الفقہ ۳/۸۶۷۔ آمدی، الإحکام فی أصول الأحکام ۱/۲۱۱۔ شرح مختصر الروضۃ ۳/۹۹۔ نہایۃ الوصول ۶/۲۵۹۸۔ تشنیف المسامع ۲/۱۲۔ منتہی الوصول والأمل ص۵۸۔ فواتح الرحموت ۲/۲۳۱۔ التقریر والتحبیر ۳/۹۸۔ تیسیر التحریر ۳/۲۴۳

۵۔ سنن أبی داؤد، کتاب السنّۃ، باب فی التفضیل ۳/۲۱۲

ہوتی۔ فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَ سُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ الْمَهْدِيِّيْنَ (پس تمہارے لیے لازم ہے کہ تم میری سنت اور خلفائے راشدین جو ہدایت یافتہ ہیں، ان کی سنت کو تھامے رہو) اور فَاقْتَدُوْا بِالَّذِيْنَ مِنْ بَعْدِي وَ اَشَارَ اِلَى اَبِيْ بَكْرٍ وَّ عُمَرَ، (پس تم پیروی کروان دو کی جو میرے بعد ہوں گے اور آپ نے حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کی طرف اشارہ فرمایا)، ان دونوں احادیث میں اوّلین خطاب صحابہ کرامؓ سے ہے۔ مجتہد صحابہؓ نے کئی مسائل میں خلفائے اربعہؓ سے اختلاف کیا تھا۔ علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ ایک صحابی کا قول دوسرے صحابی پر حجت نہیں ہے۔ جس حدیث میں حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمرؓ کا ذکر ہے، دوسری روایات کے مطابق وہاں شیخین کے ساتھ حضرت عمارؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے متعلق بھی فرمایا گیا ہے۔ حضرت حذیفہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

> اقْتَدُوْا بِالَّذَيْنِ مِنْ بَعْدِيْ اَبِيْ بَكْرٍ وَّ عُمَرَ وَ اهْتَدُوْا بِهَدْيِ عَمَّارٍ وَ تَمَسَّكُوْا بِعَهْدِ ابْنِ اُمِّ عَبْدٍ(۱)
>
> میرے بعد تم حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ دونوں کی پیروی کرنا، حضرت عمارؓ کی ہدایت سے ہدایت حاصل کرنا اور ابن اُمِّ عبد یعنی حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا عہد مضبوطی سے پکڑنا۔

مندرجہ بالا دلائل کی روشنی میں یہ رائے قابلِ ترجیح نظر آتی ہے کہ جس مسئلہ پر حضرات خلفائے راشدینؓ کا اتفاق ہے اور اس میں کسی دوسرے صحابی کا مخالف قول پایا جاتا ہے تو ایسی صورت میں خلفائے راشدینؓ کا قول اولیٰ اور راجح ہے۔

مشہور قولِ صحابی جس پر دوسرے خاموش ہیں

اگر کسی مسئلہ پر ایک صحابی کا قول مشہور و معروف ہے اور اس کے خلاف کسی صحابی کا قول معلوم نہ ہو، دوسروں نے اس پر خاموشی اختیار کی ہو تو کیا ایسا سکوت رضا تسلیم کیا جاتا ہے؟ اور کیا صحابی کے اس مشہور قول پر صحابہؓ کا اجماع ہے؟ اس بارے میں علمائے اصول کا اختلاف ہے

مخالفین

اصولیین کے ایک گروہ کی رائے ہے کہ ایسا قول نہ اجماع ہے اور نہ حجت۔ بعض احناف جیسے عیسیٰ ابن ابانؒ (۲)، مالکی علمائے اصولِ فقہ میں سے قاضی ابوبکر باقلانیؒ (۳)، شافعی مکتبہ فکر میں سے فخر الدین رازیؒ، امام

۱۔ المستدرك، كتاب معرفة الصحابة، باب أحاديث فضائل الشيخين
۲۔ أصول الجصاص ۱۲۹/۲۔ عبدالعزیز بخاری، کشف الأسرار ۲۲۰/۳۔ فواتح الرحموت ۲۳۲/۲
۳۔ أحكام الفصول ص ۴۰۷-۴۰۸۔ الإشارة في أصول الفقه ص ۲۹۶

جوینیؒ اور قاضی بیضاویؒ (۱) اس گروہ میں شامل ہیں۔ امام شافعیؒ نے فرمایا: ایسے قول کے اتباع پر ہمیں کتاب اللہ یا سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی دلیل نہیں ملتی البتہ ہم نے اہلِ علم کو دیکھا ہے کہ وہ کبھی یہ قول قبول کرتے ہیں، کبھی اسے ترک کر دیتے ہیں اور بعض نے ایسے قول سے اختلاف بھی کیا ہے (۲)۔ امام غزالیؒ کے مطابق یہ امام شافعیؒ کا جدید قول (۳) ہے (۴)۔ امام شافعیؒ نے ایک موقع پر کہا ہے کہ اگر قولِ صحابی مشہور ہو جائے اور اس کے مخالف کسی کا قول معلوم نہ ہو تو ایسا قولِ صحابی حجت ہے، لیکن امام غزالیؒ کے مطابق یہ روایت ضعیف ہے (۵)۔ امام جوینیؒ اور سیف الدین آمدیؒ نے اسے امام شافعیؒ کا قول قرار دیا ہے (۶)۔

ظاہری فقہاء میں سے امام داؤدؒ اور امام ابن حزمؒ (۷)، ان کے علاوہ امام احمد بن حنبلؒ اور فرقہ معتزلہ (۸) کے بعض علماء مثلاً ابو عبد اللہ بصریؒ (۹) وغیرہ بھی اس گروہ میں شامل ہیں۔

۱۔ المحصول فی علم أصول الفقه ۸۵۵/۳۔ البرهان فی أصول الفقه ۱۰۷/۱

۲۔ الرسالة ص ۵۹۷

۳۔ امام شافعیؒ کی اجتہادی آراء و اقوال کو دو اقسام میں تقسیم کیا جاتا ہے: قولِ قدیم یا مذہب قدیم اور قولِ جدید یا مذہب جدید۔ آپ مکہ، مدینہ اور عراق میں رہے۔

امام شافعیؒ نے اپنی عمر کے آخری چار سال مصر میں گزارے۔ اس آخری دور میں امام شافعیؒ نے جو بھی رائے اختیار کی اسے قولِ جدید کہا جاتا ہے۔ اس دور سے پہلے زمانے میں قول کو قولِ قدیم کہا جاتا ہے۔

۴۔ المنخول ص ۳۸

۵۔ المستصفى مع فواتح الرحموت ۲۷۱/۱۔

۶۔ البرهان فی أصول الفقه ۱۰۷/۱۔ آمدی، الإحکام فی أصول الأحکام ۲۱۴/۱

۷۔ نهاية الوصول ۲۵۶۷/۶۔ آمدی، الإحکام فی أصول الأحکام ۲۱۴/۱۔ روضة الناظر ۳۸۱/۱۔ التمهيد فی أصول الفقه ۳۳۳/۳۔ قواطع الأدلة ۴/۲۔ الإشارة فی أصول الفقه ص ۳۹۹۔ احکام الفصول ص ۲۰۷۔ ارشاد الفحول ص ۱۵۳۔ عبد العزیز بخاری، کشف الأسرار ۳۳۰/۳۔ الواضح فی أصول الفقه ۲۰۱/۵

۸۔ فرقہ معتزلہ اموی دور میں ظاہر ہوا۔ اس کے بانی واصل بن عطاءؒ (م ۱۳۱ھ) تھے۔ وہ حسن بصریؒ (م ۱۱۰ھ) کے حلقہ درس میں حاضر ہوتے تھے۔ گناہِ کبیرہ کے مرتکب کو مسلمان نہ ماننے اور اسے ایمان و کفر کی درمیانی منزل میں قرار نہ دینے پر واصلؒ نے حسن بصریؒ کے حلقہ سے علیحدگی اختیار کر لی تھی۔ اس کے بعد واصلؒ معتزلہ کے نام سے یاد کیے جانے لگے۔ ایک رائے یہ بھی ہے کہ یہ فرقہ واصلؒ سے پہلے کا ہے۔

فرقہ معتزلہ کے اصولِ خمسہ یہ ہیں: توحید، عدل، وعد و وعید، کفر و اسلام کی درمیانی منزل کا اقرار اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر۔ معتزلہ بیانِ عقائد میں نقل کے بجائے عقل پر زیادہ اعتماد کرتے تھے۔ وہ غیر مقلد تھے۔ انہوں نے محدثین اور فقہاء کے خلاف سخت زبان استعمال کی۔ انہوں نے کفار اور اہلِ بدعت سے مناظرے کیے۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: استاذ محمد ابو زہرہ کی کتاب المذاهب الإسلامية ص ۲۰۷

۹۔ ابن حزم، الإحکام فی أصول الأحکام ۲۱۹/۴، ۲۲۵۔ نهاية السول ۲۹۵/۳۔ اعلام المؤقعین ۳۰/۱۔ قواطع الادلة ۴/۲۔ الواضح فی أصول الفقه ۲۰۱/۵

مخالفین کے دلائل

ان علماء کے چند اہم دلائل (۱) مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ سکوت اور خاموشی قول نہیں ہے۔ خاموش شخص کے بارے میں یہ نہیں کہا جاتا کہ اس نے بات کہی ہے۔ امام شافعیؒ کا قول ہے: ساکت کی طرف قول منسوب نہیں کیا جاتا۔

۲۔ سکوت محض عدم ہے اور جو چیز عدم ہو یعنی جس کا وجود ہی نہ ہو اس سے احکام اخذ نہیں ہوتے۔ لیکن اگر ساکت کی طرف قول کی نسبت کرنے پر دلیل موجود ہو تو اس پر عمل کیا جاتا ہے، جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کنواری کے نکاح کے بارے میں فرمایا: رِضَاهَا صَمْتُهَا (۲) اس کی خاموشی اس کی رضامندی ہے۔

۳۔ علماء کا سکوت کسی قول کا قائم مقام نہیں ہو سکتا اور نہ ان کا سکوت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سکوت کے مانند ہے۔ شارع اور قانون عطا کرنے والا کسی باطل معاملہ پر سکوت اختیار نہیں کر سکتا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حق و سچ ہوتا ہے، یا آپ کو بذریعہ وحی اس سے آگاہ کر دیا جاتا ہے۔ جبکہ اہلِ اجماع کسی مسئلہ پر سکوت کرتے ہیں تو وہ ایسا بذریعہ اجتہاد کرتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی کا قول اور سکوت حجت نہیں ہے۔

۴۔ سکوت میں رضامندی کے بجائے کئی دوسری احتمالات بھی ہو سکتے ہیں، مثلاً:

۱۔ مجتہد کے باطن میں کوئی ایسی چیز ہو جو اس کے اظہارِ رائے میں مانع ہو، جیسے کوئی ڈر اور خوف وغیرہ۔

۲۔ سکوت، غور و فکر کے لیے مدتِ مہلت میں ہو۔ ابھی مجتہد نے اجتہادی رائے قائم نہ کی ہو۔ اگر مجتہد اپنے اجتہاد سے کسی نتیجہ پر پہنچتا تو نتیجہ اس قول کے خلاف ہوتا۔

۳۔ وہ یہ اعتقاد رکھتا ہو کہ ہر مجتہد مُصیب اور درست ہے لہٰذا اس مشہور قول کا انکار کرنا ضروری نہیں ہے۔

۴۔ یہ خیال ہو کہ کسی دوسرے نے اس قول کا رد کر دیا ہوگا، اور اس کا خیال غلط ہو۔

۵۔ انکار کا ارادہ کیا لیکن اس کی فرصت نہ ملی یا اظہارِ انکار کو خلافِ مصلحت سمجھا۔ مثلاً حضرت ابو ہریرۃؓ نے فرمایا تھا: اگر میں نے تمہیں وہ سب بیان کر دیا ہوتا جو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا تھا تو میرا یہ نرخرہ کاٹ دیا جاتا (۳)۔

۱۔ البرهان فی أصول الفقه ۱/۶۹۹ تا ۷۰۱۔ البحر المحیط فی أصول الفقه ۴/۴۹۴۔ ابن حزم، الإحکام فی أصول الأحکام ۶/۹۵، ۹۶۔ ۴/۲۲۴۔ المستصفی مع فواتح الرحموت ۱/۱۹۳۔ المحصول فی علم أصول الفقه ۳/۸۵۶ ومابعد۔ الإبهاج فی شرح المنهاج ۱/۳۸۱۔ آمدی، الإحکام فی أصول الأحکام ۱/۲۱۴۔ أصول الجصاص ۲/۱۳۹۔ المحرر فی أصول الفقه ۱/۲۲۸۔ عبدالعزیز بخاری، کشف الأسرار ۳/۳۴۱۔ الوصول إلی الأصول ۲/۱۲۵۔ احکام الفصول ص ۴۱۲

۲۔ صحیح البخاری، کتاب النکاح، باب لا ینکح الأب وغیره البکر والثیب إلا برضاها ۳/۷۷۱

۳۔ أحکام الفصول ص ۴۱۲

۶۔ یہ خیال ہو کہ اگر انکار کیا تو کوئی توجہ نہیں دے گا اور شرمندگی ہوگی۔

۷۔ ایسے قول کو صغیرہ گناہوں میں سے ایک خطا شمار کیا، لہٰذا اُس کا انکار نہ کیا۔

۸۔ صاحبِ قول کے رعب یا تعظیم کی وجہ سے خاموش رہا۔

جب سکوت میں اتنے زیادہ احتمالات ہوں تو پھر سکوت رضا پر دلالت نہیں کرسکتا۔

۵۔ کسی چیز کا انکار نہ پایا جانا اس سے موافقت پر دلالت نہیں کرتا۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت ذوالیدینؓ والے واقعہ میں جب ان کے قول پر دیگر صحابہ کرامؓ خاموش رہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کی طرف سے عدمِ انکار پر اکتفا نہیں فرمایا، بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں سے پوچھا تھا۔

حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر یا عصر کی نماز کی امامت کرائی۔ دو رکعات نماز ادا کر کے آپ نے سلام پھیر دیا تو حضرت ذوالیدینؓ نے کہا: یارسول اللہ! کیا نماز کم ہوگئی ہے؟ آپ نے صحابہ کرامؓ سے پوچھا: اَحَقٌّ مَا یَقُوْلُ؟ کیا ذوالیدینؓ ٹھیک کہتے ہیں؟ لوگوں نے کہا: ہاں۔ پھر آپ نے مزید دو رکعات نماز ادا فرمائی، پھر دو سجدے کیے(۱)۔

۶۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے جب مسئلہ عول(۲) میں اپنا اختلاف بیان کیا تو ان سے پوچھا گیا: آپ نے حضرت عمرؓ کے زمانہ میں یہ اختلاف کیوں نہ کہا؟ حضرت ابن عباسؓ نے جواب دیا: حضرت عمرؓ کی ہیبت کی وجہ سے، وہ ایک بارعب انسان تھے(۳)۔ یہ واقعہ بتاتا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ کا حضرت عمرؓ کے سامنے سکوت رضامندی کی بنا پر نہیں بلکہ ان کے رعب کی وجہ سے تھا۔

۷۔ حضرت عمرؓ جب مالِ غنیمت کی تقسیم پر لوگوں سے مشورہ کر رہے تھے تو حضرت علیؓ خاموش بیٹھے ہوئے تھے۔ حضرت عمرؓ نے آپ سے پوچھا: اے ابوالحسن! آپ کی کیا رائے ہے؟ اس پر حضرت علیؓ نے مال کو مسلمانوں میں تقسیم کرنے کا مشورہ دیا۔ حضرت عمرؓ نے حضرت علیؓ کے سکوت کو آپ کی طرف سے رضامندی اور موافقت پر دلیل قرار نہیں دیا، بلکہ حضرت عمرؓ نے حضرت علیؓ سے پوچھا تھا۔ حضرت علیؓ نے اختلاف رائے رکھنے کے باوجود خاموش رہنے کو جائز قرار دیا۔

۱۔ صحیح البخاری، کتاب التهجد، باب إذا سلّم فی رکعتین أو فی ثلاث ۱/۱۶۳، ایضاً، باب من لم یتشهد فی سجدتی السهو ۱/۱۶۳-۱۶۴۔ ایضاً، باب من یکبر فی سجدتی السهو ۱/۱۶۴

۲۔ عربی زبان میں عول کا معنی ہے: ظلم و ستم اور حد سے تجاوز کرنا، زیادہ ہونا، بلند ہونا۔ اسلامی قانونِ میراث میں عول کا معنی ہے: ورثاء کے مقررہ حصوں کی حد سے تجاوز کر کے ورثاء کو مزید کچھ دینا۔ ورثاء کی طرف یہ جھکاؤ اور میلان عدل کے خلاف ہوتا ہے، اس لیے اسے عول کہتے ہیں۔ عول کے مسئلہ پر فقہی تفصیل کے لیے دیکھیں: امام جصاصؒ کی کتاب: أحکام القرآن، سورة النساء، باب العول

۳۔ الوصول إلی الأصول ۲/۱۲۵۔ احکام الفصول ص۴۱۲۔ ابن حزم، الإحکام فی أصول الأحکام ۶/۹۵

قائلین

جمہور علمائے احناف (۱)، جمہور مالکیہ (۲)، جمہور شافعیہ (۳) اور حنابلہ (۴) کے مطابق ایسے قول پر سکوت اِجماع ہے۔

امام احمد بن حنبلؒ سے ایک روایت کے مطابق ایسا سکوت اجماع ہے (۵)۔ حافظ ابن قیمؒ نے لکھا ہے: امام احمد بن حنبلؒ کا مسلک یہ تھا کہ صحابہ کرامؓ کے فتاویٰ میں سے کسی فتویٰ کے خلاف اگر کسی صحابی کا فتویٰ نہیں ہے تو اس پر قناعت کر لیتے تھے۔ امام احمد بن حنبلؒ اسے اجماع تو نہیں کہتے تھے لیکن آپ احتیاطاً یہ فرما دیتے تھے کہ صحابی کے اس فتویٰ کو رد کرنے والی کسی چیز کا علم مجھ تک نہیں پہنچا، یا اسی طرح کا کوئی اور جملہ فرما دیتے۔ آپ ایسے فتویٰ پر کسی عمل، رائے اور قیاس کو مقدم نہیں کرتے تھے (۶)۔

علمائے احناف میں سے ابن ہمامؒ، عبدالعزیز بخاریؒ اور قاضی محب اللہ بہاریؒ کے مطابق اگر کسی مسئلہ پر استقرارِ مذاہب ہو جائے یعنی کسی مسئلہ پر فقہی مذاہب کے حتمی مواقف سامنے آنے سے پہلے کوئی مجتہد اپنا فتویٰ یا فیصلہ دے اور وہ لوگوں میں مشہور ہو جائے، باقی مجتہدین اس مسئلہ پر خاموش رہیں، مخالف قول ظاہر نہ ہو اور پھر عادتاً ابر بغیر کسی خوف وڈر کے مدتِ غور وفکر بھی گزر جائے، تو اکثر احناف کے نزدیک یہ اجماع قطعی ہے (۷)۔

زرکشیؒ نے لکھا ہے: امام شافعیؒ کا قولِ قدیم یہ ہے کہ حضرات صحابہ کرامؓ نے کسی قولِ صحابی کی مخالفت نہ کی ہو تو ہم وہ قول لیں گے (۸)۔ ابوالخطاب کلوذانیؒ اور ابن قدامہؒ نے امام احمد بن حنبلؒ سے نقل کیا ہے (۹) اور ابوالحسین بصریؒ، ابوالمظفر سمعانیؒ اور علاء الدین سمرقندیؒ نے لکھا ہے کہ اگر قول کسی ایسے مسئلہ کا حکم جاننے سے متعلق ہو جسے شریعت اسلامیہ ہم پر لازم نہیں کرتی اور جس میں غور وفکر کرنا دوسروں پر غیر لازم ہو، مثلاً یہ کہا جائے کہ حضرت

۱۔ أصول الجصاص ۲/۱۲۷ ومابعد۔ المحرر فی أصول الفقه ۱/۲۲۸،۲/۸۷۔ میزان الأصول ص ۵۱۵۔ تقویم الأدلة ص ۳۰-۳۱۔ نسفی، کشف الأسرار ۲/۱۰۲۔ عبدالعزیز بخاری، کشف الأسرار ۳/۲۳۹۔ فواتح الرحموت ۲/۲۳۲۔ التوضیح ۲/۴۹۶

۲۔ الإشارة فی أصول الفقه ص ۳۹۹۔ إحکام الفصول فی أحکام الأصول ص ۴۰۷

۳۔ نهاية الوصول ۶/۲۵۶۸۔ التمهيد فی أصول الفقه ۳/۳۲۴۔ الوصول إلی الأصول ۲/۱۲۴

۴۔ العدة فی أصول الفقه ۴/۱۱۷۶۔ التمهيد فی أصول الفقه ۳/۳۲۳

۵۔ روضة الناظر ۱/۳۸۱۔ الواضح فی أصول الفقه ۵/۲۰۵۔ العدة فی أصول الفقه ۴/۱۱۷۰

۶۔ اعلام المؤقعين ۱/۳۰

۷۔ التقرير والتحبير شرح علی التحرير ۳/۱۰۱۔ عبدالعزیز بخاری، کشف الأسرار ۳/۲۳۹۔ فواتح الرحموت ۲/۲۳۲

۸۔ البحر المحيط فی أصول الفقه ۶/۵۴

۹۔ التمهيد فی أصول الفقه ۳/۳۲۳،۲/۶۶۔ روضة الناظر ۱/۳۸۱

ابو ہریرہؓ افضل ہیں یا حضرت انسؓ افضل ہیں، تو ایسے قول پر سکوت اور خاموشی اختیار کرنا یا ایسے قول کا انکار نہ پایا جانا اِجماع نہیں ہے۔ لیکن اگر قول ایسا ہو جس سے دوسروں پر ذمہ داری عائد ہوتی ہو تو ان کا سکوت اِجماع اور ایسا قول صواب و صحیح ہے۔ یہ اس لیے ہے کیونکہ اگر یہ قول غلط ہوتا تو دوسرے اس قول کی مخالفت کرتے۔ منکر کا انکار کرنا واجب ہے۔ اگر وہ قول درست وصواب ہے تو پھر اس کی مخالفت کرنا خطا و غلطی ہے(۱)۔

شافعی مذہب کے سیف الدین آمدیؒ کے نزدیک یہ اجماع ظنی ہے قطعی نہیں ہے اور اسے بطور دلیل لینا بھی ظنی ہے۔ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ ایسے قول پر سکوت سے متعلق جو احتمالات ہیں وہ اربابِ دین اور اہلِ حل وعقد کے ظاہر احوال کے خلاف ہیں:

۱۔ یہ احتمال کہ اس واقعہ میں کسی نے اجتہاد ہی نہ کیا ہو، ایسا احتمال مجموعی طور پر لوگوں سے بعید ہے، کیونکہ اس سے کسی واقعہ میں اللہ تعالیٰ کے حکم سے غفلت اور سستی پائی جاتی ہے۔

۲۔ یہ احتمال کہ وہ اجتہاد سے کسی نتیجہ تک نہ پہنچا ہوگا، یہ بھی بعید ہے، کیونکہ کوئی مسئلہ ایسا نہیں ہے جس کے حکم کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے دلائل اور نشانیاں اس پر دلالت کرنے والی نہ ہوں۔ جس شخص میں اہلیتِ اجتہاد ہے وہ ان دلائل سے آگاہی حاصل کر کے حکم پالے گا۔

۳۔ یہ احتمال کہ اس قول سے دوسروں کے انکار میں تاخیر، غور وفکر کے لیے ہو، یہ بھی تمام مجتہدین سے عادتاً محال ہے، خاص طور پر جبکہ ان پر کافی زمانہ گزر گیا ہو۔

۴۔ یہ احتمال کہ سکوت اس لیے ہو کہ صاحبِ قول بھی مجتہد ہے، تو صاحبِ قول کا مجتہد ہونا دوسرے مجتہدین کو بحث ومناظرہ کرنے اور قول کا ماخذ طلب کرنے سے منع نہیں کرتا۔ صحابہ کرامؓ کے عہد سے لے کر آج تک اُمت میں ایسا عمل نہیں رہا ہے۔ مجتہدین اور ائمہ دین تحقیقِ حق اور ابطالِ باطل کے لیے بحث ومناظرہ کرتے رہے ہیں۔ مجتہدین کی مباحث ان کے دلوں میں کینہ، دشمنی یا خوف کا موجب نہیں ہوتیں۔ ایسا مطالباتِ دین کے خلاف ہے۔ اگر اظہارِ رائے میں کوئی خوف نہیں ہے تو پھر تقیہ کی بھی ضرورت نہیں ہے کہ ایک مجتہد خاموشی اختیار کرے۔ اگر وہ صاحبِ حیثیت وصاحبِ قوت ہے تو پھر اس کا تقیہ پر انحصار، دین سے دھوکا سمجھا جاتا ہے(۲)۔ حنفی فقیہ اور اصولی ابوالحسن کرخیؒ کے نزدیک بھی یہ اجماع ظنّی ہے(۳)۔

شافعی علماء ابوبکر صیرفیؒ، رافعیؒ، تاج الدین سبکیؒ اور معتزلی عالم ابو ہاشم جبائیؒ کے نزدیک یہ اجماع نہیں لیکن حجت ہے۔ ان کے مطابق دوسرے مجتہدین کا سکوت بظاہر ان کی طرف سے موافقت پر دلالت کرتا ہے، لہٰذا یہ

۱۔ المعتمد فی أصول الفقه ۲/۶۶ ۔ قواطع الأدلة ۲/۶ ۔ میزان الأصول ص ۵۱۶

۲۔ آمدی، الإحکام فی أصول الأحکام ۱/۲۱۵

۳۔ عبدالعزیز بخاری، کشف الأسرار ۳/۳۴۰

حجت ہے۔اس پر عمل اسی طرح واجب ہے جیسے خبر واحد اور قیاس پر عمل کیا جاتا ہے۔ ہر زمانہ میں فقہاء نے صحابہؓ میں مشہور ایسے قول کو بطور دلیل اختیار کیا ہے جس کا مخالف معلوم نہ ہو۔ یہ امر اس بات کی دلیل ہے کہ وہ ایسا قول حجت مانتے تھے۔لیکن مذکورہ بالا احتمالات کی وجہ سے یہ اجماع قطعی نہیں ہے(۱)۔

ابوعلی جبائی معتزلیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ سے ایک روایت کے مطابق اگر انقراضِ عصر (۲) ہو جائے تو اجماع ہے، ورنہ اجماع نہیں ہے۔ان کا کہنا ہے کہ عادتاً مجتہدین جب کسی مسئلہ پر طویل زمانہ تک غور وفکر کر کے مشہور قول کے خلاف رائے قائم کریں تو اگر انہیں کوئی تقیہ اور خوف نہ ہو تو وہ اپنی مخالف رائے ظاہر کرتے ہیں۔ اگر کسی قسم کا تقیہ اور خوف ہو تو وہ بھی اس زمانہ میں ظاہر ہو جاتا ہے۔لیکن اگر تقیہ کا سبب ظاہر نہ ہو اور مشہور قول کے مخالف کوئی قول بھی معلوم نہ ہو تو ہم جان لیتے ہیں کہ اس قول کی موافقت حاصل ہوگئی ہے۔کوئی زمانہ اس وقت تک ختم نہیں ہوتا جب تک کسی مشہور قول کے مخالف کوئی قول، اگر ہو، ظاہر نہ ہو جائے (۳)۔شوکانیؒ لکھتے ہیں کہ اکثر شافعی علماء سے یہی نقل کیا گیا ہے اور ابن القطانؒ اور ابواسحاق شیرازیؒ وغیرہ کا یہی مذہب ہے(۴)۔ آمدیؒ نے بھی اجماع سکوتی کے لیے انقراضِ عصر کو شرط قرار دیا ہے(۵)۔

جمہور علمائے اصول کے نزدیک انعقادِ اجماع اور اس کے حجت ہونے کے لیے انقراضِ عصر شرط نہیں ہے۔ اگر اہل عصر کسی مسئلہ کے حکم پر اجماع کر لیں، یا کسی نے قول کہا اور باقیوں کی طرف سے بغیر کسی تقیہ وخوف کے سکوت ظاہر ہو اور مدتِ غور وفکر گزر جائے تو اس زمانہ کے کسی شخص کے لیے ایسے قول کی مخالفت کرنا جائز نہیں ہے۔ اگر سکوت رضا پر دلالت کرتا ہے تو وہ موت سے قبل حاصل ہو جاتا ہے اور اگر رضا پر دلالت نہیں کرتا تو وہ موت سے بھی حاصل نہیں ہوتا، کیونکہ یہ احتمال ہے کہ صاحبِ سکوت اسی رائے پر فوت ہوا جس پر وہ موت سے قبل تھا۔ اگر انقراضِ عصر کو شرط مان لیا جائے تو اہلِ اجماع کا قول حجت ماننے کے لیے ان کا وفات پا جانا ضروری ہوگا، جو کہ صحیح نہیں ہے۔ اس شرط سے انقراضِ عصر حجت ہوگا، اتفاق کا حجت ہونا ثابت نہیں ہوگا(۶)۔

۱۔ الواضح فی أصول الفقه ۲۰۱/۵۔ جمع الجوامع مع حاشية البنانی ۱۸۹/۲۔ الإبهاج فی شرح المنهاج ۳۸۰/۲۔ قواطع الأدلة ۴/۳۔ المحصول فی علم أصول الفقه ۸۵۵/۳۔ المعتمد فی أصول الفقه ۶/۲۔ التحصيل من المحصول ۶۶/۲۔ ارشاد الفحول ص ۱۵۴۔ آمدی، الإحكام فی أصول الأحكام ۲۱۴/۱۔ ميزان الأصول ص ۵۱۸۔ عبدالعزیز بخاری، كشف الأسرار ۳۴۱/۳

۲۔ وہ تمام مجتہدین جو ایک اجماع میں شریک تھے ان کا زمانہ گزر جائے اور وہ سب وفات پا جائیں، انقراضِ عصر کہلاتا ہے۔

۳۔ المحصول فی علم أصول الفقه ۸۵۷/۳۔ المعتمد فی أصول الفقه ۷۰/۳۔ آمدی، الإحكام فی أصول الأحكام ۲۱۴/۱۔ منتهى الوصول والأمل ص ۵۸۔ نهاية السول ۲۹۵/۳۔ ميزان الأصول ص ۵۱۸

۴۔ ارشاد الفحول ص ۱۵۴

۵۔ آمدی، الإحكام فی أصول الأحكام ۲۱۷/۱

۶۔ منتهى الوصول والأمل ص ۵۹۔ آمدی، الإحكام فی أصول الأحكام ۲۱۷/۱

ابوعلی بن ابی ہریرہؒ کے نزدیک اگر وہ حاکم کا حکم ہے تو وہ اجماع ہے اور نہ حجت۔ لیکن اگر وہ کسی مفتی کا فتویٰ ہے تو وہ اجماع اور حجت ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ حاکم پر اعتراض کرنا خلاف آداب ہے۔ حاکم کا حکم اختلاف کو ختم اور اعتراض کو رد کرتا ہے جبکہ مفتی کا فتویٰ ایسا نہیں ہے، وہ غیر لازم ہے اور اجتہاد سے منع نہیں کرتا۔

ابواسحاق مروزی اس کے برعکس کہتے ہیں کہ اگر وہ فتویٰ ہے تو اجماع نہیں ہے اور اگر حکم ہے تو وہ اجماع ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ ظاہر میں یہی ہے کہ حاکم نے علماء اور فقہاء سے مشورہ اور بحث کے بعد حکم صادر کیا ہوگا، جبکہ فتویٰ ظاہر میں صرف مفتی کی ذاتی رائے ہوتی ہے، لہٰذا وہ اجماع پر دلالت نہیں کرتا (۱)۔

قائلین کے دلائل

سکوت و خاموشی کو اجماع اور حجت ماننے والوں کے اہم دلائل (۲) مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ ایک دلیل اہل لغت یعنی عربی زبان کے ماہرین کا اجماع ہے۔ ان علمائے لغت کے مشہور اقوال ہی سے اجناس، انواع اور اشیاء وغیرہ کے نام ہم تک پہنچتے ہیں جن پر باقیوں کا سکوت ہوتا ہے۔ مثلاً بنی آدم کے لیے "انسان"، ہر ذی روح کے لیے "حیوان" اور اسی طرح اونٹ، گائے، مویشی، گوشت، روٹی، پانی اور آگ وغیرہ دیگر اسماء کا معاملہ ہے۔ علمائے لغت میں سے ہر ایک نے یہ اسماء واقعتاً اپنی زبان سے نہیں کہے ہوتے۔ ہر مجتہد پر قول کی شرط لگانے اور کسی مجتہد کے مشہور قول پر سکوت کو اجماع نہ کہنے والوں کو انسان، حیوان، روٹی، گوشت اور پانی وغیرہ کے اسماء پر اجماع کا بھی انکار کرنا چاہیے۔ ایسے انکار کو تمام اہل عقل و دانش مسترد کر دیں گے۔

۲۔ یہ ضروری نہیں ہے کہ ہر مجتہد اپنے قول کا اظہار کرے، ورنہ اجماع نہ ہو سکے گا۔ ہر مجتہد کا قول سن لینا عادتاً ممکن نہیں ہے۔ تمام مجتہدین سے اظہار کا حصول دشوار ہے۔ کسی شے کو ایسی چیز سے معلق و مشروط کرنا جو دشوار اور ناممکن ہو، تو یہ نفی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہم سے حرج و تنگی کو دور کیا ہے اور ایسی چیز کا مکلف و ذمہ دار نہیں بنایا جو ہماری طاقت و بساط میں نہ ہو۔ تمام علمائے عصر سے ان کے قول کا سماع ایک مشکل امر ہے۔ یہ شاذ و نادر ہی ہوتا ہے۔ لہٰذا کچھ مجتہدین کا فتویٰ مشہور ہو جانا اور اس پر باقیوں کا سکوت کرنا انعقاد اجماع کے لیے کافی ہے۔

۱۔ قواطع الأدلة ۲/۶۰۳۔ المحرر فی أصول الفقه ۲/۸۳۔ العدة فی أصول الفقه ۴/۱۱۷۶۔ المحصول فی علم أصول الفقه ۳/۸۵۶۔ میزان الأصول ص ۵۰۰۔ آمدی، الإحکام فی أصول الأحکام ۱/۲۱۴۔ عبدالعزیز بخاری، کشف الأسرار ۳/۳۴۰

۲۔ میزان الأصول ص ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳۔ أصول الجصاص ۲/۱۲۷ تا ۱۳۰۔ عبدالعزیز بخاری، کشف الأسرار ۳/۳۴۲، ۳۴۳۔ ۳۴۶، ۳۴۷۔ نسفی، کشف الأسرار ۲/۱۰۵، ۱۸۱۔ التقریر و التحبیر ۳/۱۰۲۔ فواتح الرحموت ۲/۲۳۳۔ قواطع الأدلة ۲/۶۔ إحکام الفصول فی أحکام الأصول ص ۴۰۸، ۴۱۱۔ العدة فی أصول الفقه ۴/۱۱۷۳، ۱۱۷۵۔ التمهید فی أصول الفقه ۳/۳۲۵۔ روضة الناظر ۱/۳۸۳۔ تقویم الأدلة ص ۲۹۔ المحصول فی علم أصول الفقه ۳/۸۵۸۔ الإشارة فی أصول الفقه ص ۳۹۹

۳۔ لوگوں کی عادات اور طبائع یہ ہیں کہ کسی مسئلہ میں بزرگ بات کرے تو باقی خاموش رہتے ہیں۔ یہ اُن کی طرف سے اظہارِ رضامندی ہوتا ہے۔ اگر وہ معاملہ لوگوں کے لیے اہم ہے، ان کے مصالحِ دنیا سے متعلق ہے اور وہ لوگ اس قول کے خلاف رائے رکھتے ہیں تو پھر وہ اپنا اختلاف ضرور ظاہر کیا کرتے ہیں۔

۴۔ اگر خاموش رہنے والا مجتہد اس قول کا مخالف ہو تو ایسی صورت میں مجتہد پر سکوت حرام ہے کیونکہ حق سے سکوت اختیار کرنے والا شخص گونگا شیطان ہے۔ اگر قولِ صحابی کے لیے سکوت کو تسلیم و رضا قرار نہ دیا جائے تو پھر ایسا سکوت فِسق ہے کیونکہ یہ اظہارِ حق سے باز رہنا اور واجب امر کو ترک کر دینے کے مترادف ہے۔ صحابہ کرامؓ کی عدالت ایسے فِسق سے منع کرتی ہے۔ لہٰذا صحابہ کرامؓ سے بالخصوص اس کا گمان ممکن نہیں ہے۔ کسی قول کے مشہور ہونے اور مدتِ غور و فکر گزر جانے کے بعد سکوت تسلیم و رضا ہے۔ اگر کسی صحابی کا قول مشہور ہو جائے اور مدتِ غور و فکر بھی گزر جائے تو اس سے دیگر صحابہؓ کے سکوت میں عدم رضا کے احتمال کی نفی ہو جاتی ہے۔

۵۔ عام طور پر لوگوں کی کثیر تعداد اور جمِ غفیر جھوٹ پر جمع نہیں ہوا کرتا۔ ایسا نہیں ہوتا کہ لوگوں کا جمِ غفیر جو قول باطل سمجھے اسے ہی اختیار کرلے۔ لہٰذا جو قول مشہور ہو جائے اور اس کی مخالفت معلوم نہ ہو تو دوسروں کی طرف سے سکوت اس قول پر رضامندی کو ظاہر کرتا ہے۔ اگر یہ اجماع صحیح نہیں ہے اور اگر اس سے حجت و دلیل لینا اس وقت تک درست نہیں ہے جب تک زمانے کے ہر اہلِ علم سے اس قول پر اتفاق روایت نہ ہو، تو پھر مسائلِ اصول و فروع میں سے کسی ایک مسئلہ پر بھی ایسے اجماع کا وجود محال ہے۔ کئی اہلِ علم حضرات کے وجود کا دنیا کو علم ہی نہیں ہوتا۔

۶۔ اہلِ اجماع خطا اور غلطی سے معصوم ہیں۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم معصوم ہیں، اسی طرح اہلِ اجماع کے لیے بھی عصمت واجب ہے۔ جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سکوت، تقریر اور بمنزلہ صراحت کے ہے، ویسے ہی اہلِ اجماع کا سکوت بھی کسی قول سے موافقت میں صراحت کے مانند ہے۔

۷۔ جس طرح اعتقادی مسائل میں قولِ مشہور پر دوسروں کا سکوت اِجماع ہوتا ہے، اسی طرح غیر اعتقادی مسائل میں بھی ان کا سکوت اِجماع ہے۔ یہ دونوں صورتیں اس معنی میں جامع ہیں کہ حق ایک ہے۔ اگر کسی مجتہد کے نزدیک غیر اجتہادی مسائل سے متعلق قولِ مشہور خطا ہے تو اس کے لیے خاموش رہنا جائز نہیں ہے اور اس پر ایسے قول کا انکار لازم ہے۔ اسی طرح اجتہادی مسائل اور فروع میں بھی یہی حکم ہے۔

۸۔ جن کے نزدیک ہر مجتہد مصیب و درست ہے، تو بھی سکوت سے رضا مراد لینا ضروری ہے۔ مجتہد کا اپنے قول میں مصیب ہونا اس قول پر بحث و مباحثہ کرنے اور طلبِ دلیل سے منع نہیں کرتا۔ مجتہدین دوسروں کے قول پر بحث و مناظرہ کرتے تھے۔ اگر ہر مجتہد اپنے اجتہادی قول میں مصیب ہے تو ایک مجتہد دوسروں کے قول پر راضی نہیں ہوگا۔ وہ اپنے مخالف سے بحث و مباحثہ کرے گا اور انہیں اپنے قول کی طرف بلائے گا۔ اگر دوسروں نے قولِ مشہور نہ مانا تو ان کا اختلاف ظاہر ہو جائے گا، سوائے اس کے کہ کوئی خوف اور تقیہ ہو۔ اگر خوف و تقیہ کا سبب ظاہر نہ ہو اور نہ ہی

قول مشہور سے اختلاف کا پتہ چلے تو پھر دوسروں کا سکوت اس قول پر رضا کی دلیل ہے۔

۹۔ انکار کو ترک کر دینا موافقت کی دلیل ہے۔ کسی کا قول مشہور ہو جانا، دوسروں کی طرف سے اس کی مخالفت ظاہر نہ کرنا اور اس پر زمانے کا جاری رہنا، اس قول سے موافقت پر دلالت کرتا ہے۔

۱۰۔ سکوت میں یہ احتمال کہ صحابہؓ نے مسئلہ پر غور وفکر ہی نہ کیا ہو، درست نہیں ہے۔ ایسا تھا کہ جب کوئی مسئلہ آن پڑتا تو صحابہ کرامؓ رائے اور اجتہاد کی طرف بھی رجوع کرتے تھے، ورنہ زمانہ اللہ تعالیٰ کی حجت و دلیل اور حق سے خالی ہو جاتا۔ جب مجتہد سے غلطی کا امکان ہے اور خاموش مجتہد بھی اجتہاد نہ کرے تو زمانہ حق و حجت سے خالی ہو جائے گا، اور یہ ناممکن ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم حضرت ثوبانؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِنْ اُمَّتِیْ ظَاهِرِیْنَ عَلَی الْحَقِّ لَا یَضُرُّهُمْ مَنْ خَذَلَهُمْ حَتّٰی یَاْتِیَ اَمْرُ اللّٰهِ وَ هُمْ كَذٰلِكَ (۱)

میری اُمت میں سے ایک گروہ ہمیشہ حق پر قائم رہے گا۔ ان کا ساتھ چھوڑنے والا انہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکے گا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کا حکم (قیامت) آ جائے اور وہ اسی حال میں ہوں گے۔

۱۱۔ یہ احتمال کہ غور وفکر کیا لیکن حکم واضح نہ ہوا، صحیح نہیں ہے اور عرف و عادت اس کے خلاف ہے۔ متعدد دلائل اس احتمال کے خلاف ہیں۔ مزید یہ کہ اس سے زمانہ کا حجت اور دلیل سے خالی ہونا لازم آتا ہے جو کہ صحیح نہیں ہے۔

۱۲۔ یہ احتمال کہ سکوت کسی خوف کی بنا پر ہو، بعید از قیاس ہے۔ غلطی معلوم ہو جانے کے باوجود صحابہ کرامؓ کا اس پر خاموش رہنا عصمتِ اجماع کے خلاف ہے اور اس سے دین کی بنیاد متزلزل ہوتی ہے۔ صحابہؓ کے متعلق یہ گمان نہیں کیا جا سکتا کہ انہوں نے دین میں کوتاہی سے کام لیا تھا اور بوقتِ ضرورت اظہارِ حق پر سکوت کیا تھا۔ صحابہؓ کا یہ معمول تھا کہ وہ اختلاف میں سکوت اختیار نہیں کرتے تھے۔ وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے تھے۔ کسی منکر اور اس کا انکار کرنا واجب معلوم ہو جانے پر وہ اس کا انکار ترک نہیں کرتے تھے۔

حضرت محمد بن مَسلَمہؓ نے اُمتِ مسلمہ کے صاحبِ جلال وشوکت خلیفہ حضرت عمرؓ سے کہا تھا: اگر آپ سیدھے راستے سے ہٹے تو ہم آپ کو سیدھا کر دیں گے۔ اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا تھا: اللہ تعالیٰ کا شکر ہے جس نے مجھے اس اُمت میں بنایا ہے کہ جب میں راستے سے ہٹوں تو وہ مجھے سیدھا کر دیں گے (۲)۔

۱۔ صحیح مسلم، کتاب الأمارة، باب قوله صلی اللّٰه علیه وسلم: لا تزال طائفة من أمتی

۲۔ إحکام الفصول فی أحکام الأصول ص ۴۰۹

ایک دفعہ حضرت عمرؓ جب ایک حاملہ کو رجم کرنے لگے تو حضرت معاذ بن جبلؓ نے حضرت عمرؓ کے اس اقدام کی مخالفت کی اور کہا: یا امیر المومنین! آپ کو اس عورت پر تو اختیار ہے لیکن اس کے پیٹ میں جو بچہ ہے اس پر آپ کو کوئی اختیار نہیں ہے۔ یہ سن کر حضرت عمرؓ نے فرمایا تھا: عورتیں معاذؓ جیسوں کو جنم دینے سے اب عاجز ہیں۔ اگر معاذؓ نہ ہوتے تو عمرؓ برباد ہو جاتا(۱)۔

حضرت عمرؓ نے بھاری مہر سے منع کرنا چاہا تو ایک عورت نے آپ کی اس رائے کی سرِ عام مخالفت کی اور کہا: اللہ تعالیٰ ہمیں دیتے ہیں اور یہ فرمایا ہے: ﴿ وَ اٰتَیۡتُمۡ اِحۡدٰہُنَّ قِنۡطَارًا﴾ (۲) (اور تم ان میں سے ایک عورت کو بہت سا مال دے چکے ہو) اور عمرؓ ہمیں منع کرتے ہیں۔ اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا: ایک عورت نے عمرؓ کی رائے کو غلط قرار دے دیا ہے(۳)۔

۱۳۔ حضرت ابو ہریرۃؓ کا قول: ''اگر میں نے تمہیں وہ سب بیان کر دیا ہوتا جو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا تھا تو میرا یہ نرخرہ کاٹ دیا جاتا''۔ اگر یہ قول قطعیت پر دلالت کرتا ہے تو پھر اس سے یہ مراد لی جائے گی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت ابو ہریرۃؓ نے ان لوگوں کا ذکر سنا جو اپنی ذات کے اعتبار سے شریر اور اہلِ فتنہ میں سے تھے۔ اس لیے حضرت ابو ہریرۃؓ نے ان کے ذکر سے خوف محسوس کیا۔ اس قول کا یہ مطلب نہیں لیا جائے گا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت ابو ہریرۃؓ نے شرعی احکام سنے اور پھر ان کے ذکر اور نقل و روایت میں خوف محسوس کیا۔ اگر یہ درست مان لیا جائے تو پھر یہ بھی ماننا پڑے گا کہ حضرت ابو ہریرۃؓ کے علاوہ کسی اور صحابی نے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت سے احکام اور قرآنی آیات سنی ہوں گی اور پھر ان کے بیان و نقل میں خوف کیا ہوگا۔ لہٰذا مخالفین کا قول باطل ہے۔

۱۴۔ واقعہ حضرت ذوالیدینؓ میں اجماع سکوتی کے خلاف کوئی دلیل نہیں ہے۔ حضرت ذوالیدینؓ نے جب پوچھا: یا رسول اللہ! کیا نماز کم کر دی گئی ہے؟ تو دوسرے صحابہؓ کی طرف سے اس قول سے اختلاف یا موافقت ظاہر ہونے سے قبل ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا تھا: کیا ذوالیدین ٹھیک کہتا ہے؟ اس وقت دورانِ نماز کلام کرنا مباح تھا۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ قول کے خلاف رائے ظاہر نہ کرنا اُس وقت قول سے موافقت پر دلالت کرتا ہے جب قول مشہور ہو گیا ہو، اس پر اتنا وقت گزر چکا ہو کہ عام حالات میں اگر کوئی اس کا مخالف ہوتا تو اپنا اختلاف ظاہر کر دیتا، پھر اس قول کی مخالفت نہ ہوئی ہو اور مدتِ غور و فکر بھی گزر چکی ہو۔

۱۔ عبدالرزاق، المصنّف، باب التی تضع لسنتین ۷/۳۵۴-۳۵۵۔ السنن الکبریٰ، کتاب العدد، باب ما جاء فی أکثر الحمل ۷/۴۴۳

۲۔ النسآء ۴:۲۰

۳۔ منتھی الوصول والأمل ص ۵۹

۱۵۔ عول کے مسئلہ پر حضرت عمرؓ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا واقعہ حنفی علماء نے درست قرار نہیں دیا ہے۔ حضرت عمرؓ قولِ حق سننے میں بہت رغبت رکھتے تھے۔ آپ نے فرمایا تھا: تم میں بھلائی نہیں جب تک تم نہ کہو اور میرے لیے بھلائی نہیں جب تک میں نہ سنوں (۱)۔ حضرت ابن عباسؓ حضرت عمرؓ سے خوف کیسے کر سکتے تھے۔ وہ اکثر اکابر صحابہؓ پر حضرت ابن عباسؓ کو مقدم کرتے اور کبار صحابہؓ کے ساتھ آپ سے بھی مشورہ لیتے تھے (۲)۔ حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ دونوں ہی حضرت ابن عباسؓ کو بلاتے اور اہلِ بدر کے ہمراہ اُن سے مشورہ لیتے تھے (۳)۔ خود حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا تھا: حضرت عمرؓ اہل بدر کے ہمراہ مجھ سے مشورہ لیتے تھے (۴)۔

اگر عول کے مسئلہ پر حضرت عمرؓ اور حضرت ابن عباسؓ کا واقعہ درست مان بھی لیا جائے تو اس کی یہ تاویل ہے کہ وہ حضرت عمرؓ کے احترام، ان کے عمر میں بڑا ہونے، علم میں ان کی فضیلت اور بحث میں مبالغہ سے بچنے کے لیے خاموش رہے۔ ایسی وجہ سے اختلاف کے باوجود اظہارِ اختلاف نہ کرنا اور سکوت اختیار کرنا نہ صرف جائز بلکہ مستحب ہے۔ کسی کی تعظیم کے لیے ترکِ حق فسق ہے۔ عادل شخص سے اس کا گمان نہیں کیا جا سکتا۔ تمام صحابہ کرامؓ عدول تھے۔

۱۶۔ غنائم کی تقسیم کے مسئلہ پر حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ کے واقعہ میں کوئی دلیل نہیں ہے۔ حضرت علیؓ کی خاموشی غور و فکر کے لیے تھی جس کے لیے وقت درکار ہوتا ہے۔ مدتِ غور و فکر کی کم از کم حد مجلس کے برخواست ہونے تک ہوتی ہے۔ جب تک مجلسِ مشاورت باقی رہے، اظہارِ اختلاف سے سکوت موافقت کی دلیل نہیں ہوتا۔ جب تک ساکت شخص مجلسِ مشاورت میں موجود ہے، اس کے لیے جائز ہے کہ وہ مسئلہ میں غور و فکر کے لیے خاموش رہے۔ حضرت علیؓ نے سکوت اس لیے جائز رکھا کیونکہ لوگوں نے آپ سے مشورہ طلب نہیں کیا تھا۔ لیکن جب آپ سے مشورہ چاہا گیا تو پھر آپ خاموش نہیں رہے بلکہ اپنا اختلافی قول ظاہر کیا۔

اس مسئلہ میں جمہور کا موقف راجح نظر آتا ہے کہ اگر قولِ صحابی مشہور ہو گیا، کسی نے اس سے اپنی مخالفت ظاہر نہ کی اور سکوت اختیار کیا، مدتِ غور و فکر گزر گئی، اس قول سے عدم رضا اور انکار کے قرائن ظاہر نہ ہوئے اور لوگوں کا اس پر استمرار رہا، تو باقیوں کا سکوت اس قول سے رضا پر دلالت کرتا ہے۔ یہ اِجماع اور حجت ہے۔ اس کا اِجماع نہ ہونے اور اس کی عدم حجیت میں بیان کردہ احتمالات صحابہ کرامؓ سے بعید ہیں۔ اِجماع سکوتی منعقد ہونے کے لیے

۱۔ میزان الأصول ص ۵۲۲۔ تقویم الأدلة ص ۲۹۔ أصول الجصاص ۱۲۹/۲۔ التوضیح ۴۹۸/۲۔ عبدالعزیز بخاری، کشف الأسرار ۳۴۶/۳

۲۔ الإستیعاب ۲۶۱/۲

۳۔ الطبقات الکبریٰ ۳۶۶/۲

۴۔ حوالہ بالا ۳۶۶/۲

انقراضِ عصر ضروری نہیں ہے۔ اگر سکوت رضا پر دلالت نہ کرے تو پھر خاموش رہنے والوں کی موت سے بھی ان کی رضا حاصل نہیں ہوسکتی۔ یہ احتمال ہے کہ ان کی موت اسی رائے پر ہوئی ہو جس پر وہ وفات سے قبل تھے۔

اگر قولِ صحابی ایسا ہے جو نہ تو مشہور ہوا اور نہ ہی اس کے مخالف کسی اور کا قول معلوم ہوا تو یہ اجماع نہیں ہے۔ اہل عصر کے اتفاق سے اجماع منعقد ہوتا ہے جب وہ اس قول کو جان لیں اور اس سے موافقت یا انکار پر سکوت کریں۔ لیکن جب وہ قول ان کے علم میں نہیں آیا تو اس قول کے بارے میں ان کی رضا یا انکار کیسے ہوسکتا ہے۔ لہٰذا ایسے قول سے اجماع ثابت نہیں ہوتا۔

اس مسئلہ پر فخر الدین رازیؒ لکھتے ہیں: اگر قول ایسے معاملہ کے بارے میں ہے جس میں عمومِ بلویٰ (۱) پایا جاتا ہے اور وہ قول نہ تو مشہور ہوا اور نہ اس کی مخالفت ظاہر ہوئی، تو ضروری ہے کہ اس مسئلہ کی موافقت یا مخالفت میں دوسروں کا قول ہو، لیکن وہ ظاہر نہیں ہوا۔ اس سے یہ سمجھا جائے گا کہ ایک یا کچھ افراد نے باقیوں کی موجودگی میں قول کہا اور وہ اس پر خاموش رہے۔ یہ اجماع سکوتی ہے، لہٰذا ایسا قول حجت ہے۔ اگر عمومِ بلویٰ نہ ہو تو وہ اجماع نہیں ہے اور نہ حجت۔

اتفاق کے بعد اختلاف

ایک مسئلہ پر صحابہؓ کے اتفاق کے بعد کوئی ایک یا بعض صحابہؓ اپنے قول سے رجوع کر لیں تو اس اتفاق اور رجوع کی شرعی و قانونی حیثیت کیا ہے؟ جن علماء کے نزدیک ثبوتِ اجماع کے لیے انقراضِ عصر یعنی اہلِ اجماع کا زمانہ گزر جانے کی شرط ہے، وہ یہ رجوع جائز قرار دیتے ہیں۔ جن کے ہاں انقراضِ عصر شرط نہیں ہے، وہ اتفاق کے بعد کسی کے اختلاف کا اعتبار نہیں کرتے۔

حنفی اصولیین (۲)، اکثر مالکیہ (۳) اور اکثر شافعیہ (۴) کے نزدیک ثبوتِ اجماع کے لیے انقراضِ عصر کی شرط نہیں ہے۔ امام احمد بن حنبلؒ کے ہاں انقراضِ عصر کی شرط ہے (۵)۔

اِجماع کے لیے انقراضِ عصر کی شرط کے حامی علماء کے نزدیک اجماع اس وقت تک ثابت نہیں ہوتا جب

۱۔ عمومِ بلویٰ: عموم کا مطلب ہے عام ہو جانا اور بلویٰ سے مراد ہے مصیبت اور کوئی شدید مشکل کام۔ کسی مصیبت اور شدید مشکل کام کا عام ہو جانا۔ اصطلاحی طور پر عمومِ بلویٰ سے مراد ہے کسی شدید مشکل کام کا علمی یا عملی طور پر عام ہو جانا۔ لوگوں کا اس شدید مشکل کام سے بچنا ممکن نہ ہو اور انہیں اس کی شدید ضرورت و حاجت ہو۔

۲۔ المحرر فی أصول الفقه ۲/۸۳، ۲۳۶۔ أصول الجصاص ۲/۱۴۲۔ عبدالعزیز بخاری، کشف الأسرار ۲/۳۶۱۔ میزان الأصول ص ۵۰۰

۳۔ الإشارة فی أصول الفقه ص ۳۹۸۔ منتهی الوصول و الأمل ص ۵۹

۴۔ آمدی، الإحكام فی أصول الأحكام ۱/۲۱۷۔ قواطع الأدلة ۲/۱۶

۵۔ منتهی الوصول و الأمل ص ۵۹۔ آمدی، الإحكام فی أصول الأحكام ۱/۲۱۷

تک استقرارِ آراء نہ ہو جائے یعنی تمام آراء واضح اور متعین ہو کر سامنے نہ آ جائیں۔ استقرارِ آراء اس وقت تک ثابت نہیں ہوتا جب تک انقراضِ عصر نہ ہو جائے۔ اس سے قبل لوگ حالتِ غور وخوض میں ہوتے ہیں اور تمام یا بعض افراد کا اپنی رائے سے رجوع کا احتمال ہوتا ہے۔ اگر رجوع کا احتمال ہو تو استقرار ثابت نہیں ہو سکتا، لہٰذا اجماع ثابت نہیں ہوگا(۱)۔

اس کی بطور دلیل ایک مثال یہ ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے تقسیمِ غنیمت میں سب کو برابر رکھا۔ صحابہؓ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کے اس اقدام سے موافقت کی۔ پھر حضرت عمرؓ نے اپنے عہد میں تقسیمِ غنیمت کے وقت لوگوں کی اسلام میں سبقت اور علم میں فضیلت کا لحاظ رکھا(۲)۔ کسی نے حضرت عمرؓ سے اختلاف نہیں کیا۔ آپ کا یہ مخالف اقدام درست تھا کیونکہ انقراضِ عصر نہیں ہوا تھا۔

ایک اور مثال یہ ہے کہ حضرت عمرؓ امہات الأولاد یعنی وہ لونڈیاں جن کے ہاں اپنے آقا سے اولاد ہو جائے، ان کی بیع جائز نہیں سمجھتے تھے۔ صحابہؓ نے آپ سے اتفاق کیا۔ پھر حضرت علیؓ نے اس کی مخالفت کی اور بیع جائز قرار دی۔ اس موقع پر حضرت علیؓ نے فرمایا تھا: بیع امہات الأولاد کی ممانعت پر میری اور حضرت عمرؓ کی رائے اکٹھی ہو گئی تھی، اب میں یہ بیع جائز سمجھتا ہوں۔ اس پر عبیدۃ بن عمرو سلمانیؒ نے حضرت علیؓ سے کہا: جماعت کے ساتھ آپ کی رائے ہمیں زیادہ پسندیدہ ہے، بہ نسبت آپ کی اکیلی رائے کے(۳)۔ یہ اس لیے ہوا کہ انقراضِ عصر ہو گیا تھا۔ معلوم ہوا کہ انقراضِ عصر کے بغیر اجماع کا حکم ثابت نہیں ہوتا اور اس سے پہلے اختلاف کرنا درست ہے۔

اجماع کو انقراضِ عصر سے مشروط نہ کرنے والے علمائے اصول(۴) کا موقف ہے کہ قرآن وسنّت کی جو نصوص حجیتِ اجماع پر دلالت کرتی ہیں وہ انقراضِ عصر کی شرط عائد نہیں کرتیں۔ حجیتِ اجماع پر ان نصوص کی دلالت انقراضِ عصر سے قبل بھی اسی طرح ہے جیسے انقراضِ عصر کے بعد ہے۔ یہ بات بھی درست نہیں ہے کہ انقراضِ عصر کے بغیر استقرارِ آراء ثابت نہیں ہوتا کیونکہ اس سے قبل لوگ حالتِ غور وفکر میں ہوتے ہیں۔ جب یہ مدتِ غور وفکر گزر گئی، اُمت میں اتفاق ہو گیا اور انہوں نے جان لیا کہ جس قول پر انہوں نے اتفاق کیا ہے وہ اس پر اب پختہ ہو گئے ہیں تو پھر انقراضِ عصر کی شرط غیر ضروری ہوگی۔

وہ مزید کہتے ہیں: احتمالِ رجوع کے ساتھ اجماع منعقد ہی نہیں ہوتا۔ جب انقراضِ عصر پر توقف کیے بغیر

۱۔ قواطع الأدلة ۲/۱۶، ۲۹۔ عبدالعزیز بخاری، کشف الأسرار ۳/۳۶۱

۲۔ میزان الأصول ص ۵۰۵۔ عبدالعزیز بخاری، کشف الأسرار ۲/۳۶۱

۳۔ المستصفٰی فی علم الأصول ص ۱۵۳۔ عبدالعزیز بخاری، کشف الأسرار ۳/۳۶۱

۴۔ عبدالعزیز بخاری، کشف الأسرار ۳/۳۶۱۔ میزان الأصول ص ۵۰۶۔ قواطع الأدلة ۲/۱۸۔ جصاص، أحکام القرآن ۱/۲۶۶

اجماع ثابت ہو گیا تو کسی کے لیے اس کی مخالفت اسی طرح جائز نہیں ہے جس طرح انقراضِ عصر ثابت ہو جانے کے بعد جائز نہیں ہے۔ ان کے اتفاق سے یہ واضح ہوا کہ حق اسی میں ہے جس پر وہ متفق ہوئے ہیں۔ ان کا اتفاق ان کے لیے اظہارِ شرف و کرامت کے طور پر قطعی دلیل بن گیا۔ رجوع دلیلِ قطعی کے مخالف ہے۔ رجوع اس بات پر مبنی ہے کہ ان کا اجماع کسی خطا پر منعقد ہوا تھا اور ایسا قابلِ رد ہے۔ لیکن اگر شروع میں اختلاف ہو تو بعض مجتہدین کا اختلاف انعقادِ اجماع میں مانع ہے اور ہر ایک کے لیے جائز ہے کہ وہ اپنے اجتہاد کے مطابق عمل کرے۔

مالِ غنیمت کی تقسیم میں لوگوں کے مابین تسویہ و برابری سے متعلق حضرت عمر فاروقؓ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خلافت میں اپنا اختلاف ظاہر کیا تھا۔ حضرت عمرؓ کے متعلق یہ نہیں آتا کہ آپ نے اپنے قول سے رجوع کیا ہو۔ لہٰذا اس مسئلہ پر اجماع منعقد نہیں ہوا تھا۔ حضرت عمرؓ کی رائے کے بغیر اجماع منعقد نہیں ہو سکتا تھا۔ جب حضرت عمرؓ امیر المومنین بنے تو انہوں نے اپنی رائے پر عمل کیا۔

بیع امہات الأولاد کے مسئلہ میں صحابہ کرامؓ کی ایک جماعت سے مروی ہے کہ وہ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں یہ بیع جائز سمجھتے تھے۔ ان میں حضرت جابرؓ وغیرہ شامل ہیں۔ لہٰذا یہ اجماع بھی منعقد نہیں ہوا تھا۔ عبیدۃ سلمانیؒ کا قول ظاہر کرتا ہے کہ اس مسئلہ میں تمام صحابہ کرامؓ نہیں بلکہ ان کی ایک جماعت حضرت عمرؓ کے ساتھ تھی۔ کسی مسئلہ پر صحابہؓ کے اجماع کے بعد ان میں سے کسی کا اختلاف معتبر نہیں ہوگا کیونکہ اجماع منعقد ہو چکا ہے اور اس کی حجیت ثابت ہو گئی ہے۔ موافقت کے بعد مخالفت سے اجماع ختم نہیں ہو سکتا۔

اس مسئلہ میں جمہور علماء کی رائے راجح ہے کہ کسی قول پر صحابہ کرامؓ کے اتفاق کے بعد ایک یا بعض صحابہؓ کے اختلاف کی کوئی حیثیت نہیں ہے اور اجماع ثابت رہے گا۔ ثبوتِ اجماع کے لیے انقراضِ عصر ضروری نہیں ہے۔ تمام اہلِ اجماع کا کسی مسئلہ پر ایک مرتبہ اتفاق کر لینا یہ ظاہر کرتا ہے کہ انہوں نے مکمل غور و فکر کے بعد اتفاق کیا ہے اور وہ قطعی ہے۔ اب اگر بعض اہلِ اجماع کی طرف سے رجوع کا احتمال پیدا کر دیا جائے تو یہ اجماع کے قطعی و حتمی ہونے کے خلاف ہے۔ اس سے اہلِ اجماع کا غلطی پر متفق ہونا ثابت ہوتا ہے جو فرمانِ نبوی کے خلاف ہے۔ حضرت ابو بصرۃؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

سَأَلْتُ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ اَنْ لَّا يَجْمَعَ اُمَّتِيْ عَلٰى ضَلَالَةٍ فَاَعْطَانِيْهَا (۱)

میں نے اللہ تعالیٰ سے سوال کیا کہ وہ میری اُمت کو گمراہی پر جمع نہ کرے۔ پس اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ عطا کیا۔

۱۔ مسند أحمد بن حنبل ۶/۳۹۶۔ اسی مضمون میں مزید احادیث ملاحظہ ہوں: صحیح الترمذی، کتاب الفتن، باب ما جاء فی لزوم الجماعة ۔ جامع بیان العلم و فضله ۱/۷۵۲

اختلاف کے بعد اتفاق

اگر کسی اختلافی مسئلہ میں صحابہ کرامؓ کے دو اقوال ہوں، پھر وہ کسی ایک قول پر اتفاق کرلیں تو اکثر اصولیین کے نزدیک یہ اتفاق اجماع اور حجت ہے(۱)۔ اس سے سابقہ اختلاف زائل ہو جائے گا۔ اختلاف کے بعد اتفاق جائز ہے۔ مثلاً رحلتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صحابہ کرامؓ نے مسئلہ خلافت پر اختلاف کیا، پھر وہ حضرت ابوبکرؓ کی خلافت پر متفق ہو گئے (۲)۔

رحلتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ کے جسدِ اطہر کی تدفین کے لیے جگہ کے مسئلہ پر صحابہ کرامؓ کے مابین اختلاف ہوا تھا، پھر تمام نے اس پر اتفاق کیا کہ تدفین حضرت عائشہؓ کے کمرہ میں کی جائے (۳)۔

۱۔ المحصول فی علم أصول الفقه ۸۴۴/۳۔ الفصول فی الأصول ۳۴۲/۳۔قواطع الأدلة ۲۸/۲۔ اللمع فی أصول الفقه ص۹۳۔ التمهید فی تخریج الفروع علی الأصول ص ۴۵۸۔الإبهاج فی شرح المنهاج ۳۷۴/۲۔ نهاية السول ۲۸۱/۳۔سُلّم الوصول ۲۸۱/۳۔ ارشاد الفحول ص ۵۶!

۲۔ رحلتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صحابہ کرامؓ سقیفہ بنی ساعدہ میں اکٹھے ہوئے تھے۔ وہ آپس میں یہ بحث کررہے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے بعد مسلمانوں کا خلیفہ کون ہوگا۔ انصار کے ایک خطیب نے کہا: کیا تمہیں معلوم نہیں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مہاجرین میں سے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا خلیفہ بھی مہاجرین میں سے ہوگا۔ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انصار تھے۔ ہم جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انصار تھے، اسی طرح ہم خلیفہ کے بھی انصار ہوں گے۔

اس موقع پر حضرت عمرؓ نے فرمایا تھا: اے گروہِ انصار! کیا تمہیں معلوم نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکرؓ کو لوگوں کی امامت کرنے کا حکم دیا ہے۔ پس تم میں سے کون یہ پسند کرتا ہے کہ وہ حضرت ابوبکر صدیقؓ سے آگے بڑھے۔ انصار نے جواب دیا: ہم حضرت ابوبکرؓ سے آگے بڑھنے سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے یہ بھی فرمایا تھا: اے مسلمانو! اللہ تعالیٰ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے امر کا سب سے زیادہ حقدار وہ آدمی ہے جو غار میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دوسرا تھا۔

پھر حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکرؓ کا ہاتھ پکڑ لیا۔ انصار میں سے حضرت بشیر بن سعدؓ نے حضرت عمرؓ سے سبقت کی۔ حضرت عمرؓ خود بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکرؓ کے ہاتھ پر میرے ہاتھ رکھنے سے پہلے حضرت بشیرؓ نے اپنا ہاتھ حضرت ابوبکرؓ کے ہاتھ پر رکھ دیا تھا۔ پھر میں نے بھی اپنا ہاتھ حضرت ابوبکرؓ کے ہاتھ پر رکھ دیا اور بیعت کی۔ پھر سب لوگوں نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کی بیعت کرلی۔ ابن کثیر، السیرة النبویة ۴۹۶/۴!

۳۔ الطبقات الکبریٰ ۲۹۲/۲ ومابعد۔ ابن کثیر، السیرة النبویة ۵۲۹/۴

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت ہوگئی تو آپ کے صحابہ کرامؓ نے اس مسئلہ پر آپس میں اختلاف کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسد مبارک کی تدفین کس جگہ کی جائے۔ کسی نے کہا: آپ کو آپ کے اصحاب کے ساتھ جنت البقیع میں دفن کیا جائے۔ کسی کا خیال تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کے مصلّی کی جگہ پر دفن کیا جائے۔ کسی کی رائے تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مسجد میں دفن کیا جائے۔ کسی نے کہا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کے منبر کے پاس دفن کیا جائے۔

اس موقع پر حضرت ابوبکر صدیقؓ نے یہ فرمایا تھا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے:

بقیہ اگلے صفحہ پر

حضرت ابوبکرؓ کے دورِ خلافت (۱۱ھ تا ۱۳ھ) میں صحابہ کرامؓ نے مانعینِ زکوٰۃ سے جنگ کرنے کے مسئلہ میں اختلاف کیا پھر وہ اس پر متفق ہوگئے (۱)۔

حضرت عمر فاروقؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے دیگر تمام صحابہ کرامؓ سے اختلاف کرتے ہوئے یہ رائے اختیار کی تھی کہ جُنبی کے لیے تیمم جائز نہیں ہے، پھر دونوں نے اپنی آراء سے رجوع کرکے تمام صحابہؓ سے موافقت کرلی تھی (۲)۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے دیگر صحابہؓ سے اختلاف کیا اور کہا کہ سود صرف ادھار میں ہے۔ پھر انہوں

گزشتہ سے پیوستہ.......... مَا قُبِضَ نَبِيٌّ اِلَّا دُفِنَ حَيْثُ قُبِضَ ، نبی جہاں فوت ہوتے ہیں انہیں وہیں دفن کیا جاتا ہے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا بستر اٹھا دیا گیا جس میں آپ کے جسدِ انور سے روح پرواز کرگئی تھی۔ صحابہ کرامؓ نے اس بستر کے نیچے قبر کھودی جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسدِ انور کو سپردِ خاک کردیا گیا۔ ابن کثیر، السيرة النبوية ۴/۵۲۹

۱۔ رحلت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بعض قبائل نے زکوٰۃ ادا کرنے سے انکار کردیا تھا۔ وہ لوگ نماز کا اقرار کرتے لیکن زکوٰۃ کا انکار کرتے تھے۔ وہ اپنے موقف کی تائید قرآن کی اس آیت سے کرتے تھے: ﴿خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَ تُزَكِّيْهِمْ بِهَا وَ صَلِّ عَلَيْهِمْ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ وَ اللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ﴾ [التوبة ۹:۱۰۳] (رسول صلی اللہ علیہ وسلم! آپ ان کے اموال سے صدقہ وصول کرکے انہیں [ظاہر میں بھی] پاک کریں اور اس کے ذریعے انہیں [باطن میں بھی] پاک کریں۔ نیز آپ ان کے حق میں دعائے رحمت کریں۔ بیشک آپ کی دعا ان لوگوں کے لیے باعثِ تسکین ہے۔ اور اللہ تعالیٰ سب کچھ سننے اور جاننے والے ہیں)۔ ان کا موقف تھا کہ ہم اسے زکوٰۃ دیں گے جس کی دعا ہمارے لیے سکون کا باعث ہے۔

وہ قبائلی مانعین زکوٰۃ ایک شعر پڑھا کرتے تھے جس کا مفہوم یہ ہے: جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم میں موجود تھے تو ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی۔ لیکن تعجب ہے کہ حضرت ابوبکرؓ کی حکومت کا کیا حال ہے۔

مانعینِ زکوٰۃ کے خلاف کسی قسم کی کارروائی کے مسئلہ پر صحابہ کرامؓ کے مابین اختلاف ہوا۔ بعض صحابہؓ یہ موقف رکھتے تھے کہ وہ لوگ عدم ادائیگی زکوٰۃ کی جس حالت پر ہیں انہیں اسی حالت پر چھوڑ دیا جائے۔ ان سے دوستی کی جائے حتی کہ ان کے دلوں میں ایمان جاگ اٹھے۔ یوں وہ دوبارہ زکوٰۃ دینا شروع کردیں گے۔ حضرت عمرؓ کی رائے تھی: آپ ان لوگوں سے کیسے جنگ کریں گے، جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: مجھے لوگوں سے لڑنے کا حکم دیا گیا ہے، یہاں تک کہ وہ گواہی دیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ جب وہ یہ گواہی دیں تو وہ اپنے خون اور اپنے اموال مجھ سے محفوظ کرلیں گے، سوائے اس کے کہ شریعت ان کے لینے کا تقاضا کرے۔

خلیفہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اس موقع پر پُرعزم ہوتے ہوئے فرمایا تھا: اللہ کی قسم! اگر انہوں نے مجھے ایک سالہ عمر کا بکری کا بچہ بھی نہ دیا، ایک روایت میں ہے بکری یا اونٹ کی ایک سال کی زکوٰۃ نہ دی، جو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا کرتے تھے، تو میں اس کے نہ دینے پر ان سے جنگ کروں گا۔ بیشک زکوٰۃ مال کا حق ہے۔ اللہ کی قسم! جس نے نماز اور زکوٰۃ کے درمیان فرق کیا تو میں اس سے جنگ کروں گا۔

حضرت عمرؓ نے فرمایا: میں نے دیکھا کہ مانعینِ زکوٰۃ کے خلاف کارروائی کے مسئلہ پر اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوبکرؓ کا سینہ کھول دیا ہے اور میں نے جان لیا کہ وہ حق پر ہیں۔ البداية و النهاية ۶/۳۱۱

۲۔ قواطع الأدلة ۲/۲۹

نے اپنے قول سے رجوع کر کے تمام صحابہؓ سے اتفاق کر لیا(۱)۔

یہ اجماع اس اجماع سے قوی تر ہے جس سے پہلے اختلاف نہیں ہوا، کیونکہ ایسا اجماع کسی مسئلہ میں اختلاف کے بعد حق ظاہر ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ یہ اجماع ابتداء میں ہونے والے اختلاف کو ختم کرنے والا ہے اور بمنزلہ اس کے ہے کہ اس سے پہلے اختلاف ہوا ہی نہیں تھا۔ اکثر اجماعات اسی طریق سے حاصل ہوئے ہیں۔

۱۔ جصاص، احکام القرآن ۱/۴۶۶۔ قواطع الأدلة ۲/۲۸

حضرت عبداللہ بن عباسؓ پہلے یہ رائے رکھتے تھے کہ سود صرف ادھار میں ہوتا ہے۔ آپ کے نزدیک سونے کے بدلے سونے اور چاندی کے بدلے چاندی کی بیع میں اگر سونے یا چاندی کی مقدار میں کمی واضافہ کر لیا جائے تو جائز ہے۔ آپ اپنے مسلک کی تائید میں حضرت اسامہ بن زیدؓ سے روایت کردہ حدیث بیان کرتے تھے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: إِنَّمَا الرِّبَا فِي النَّسِيئَةِ [صحیح مسلم، کتاب المساقات و المزارعة، باب الربا] سود تو ادھار میں ہے۔ حضرت اسامہؓ سے مروی ایک اور حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لَا رِبًا إِلَّا فِي النَّسِيئَةِ [صحیح بخاری، کتاب البیوع، باب بیع الدینار بالدینار نسأ] سود صرف ادھار میں ہے۔

ربا النسیئہ یعنی ادھار پر دیئے جانے والے سود سے مراد یہ ہے کہ ادھار دی گئی مقررہ رقم ادا کرنے کی معینہ مدت کے بعد مزید مدت دینے پر اضافی رقم وصول کرنا۔ کسی شخص کے ذمہ مثلاً دس ہزار روپے چھ ماہ کی مدت تک واجب الأدا ہیں۔ وہ ادائیگی کی مدت میں اضافہ چاہتا ہے۔ اس کے لیے مدت چھ ماہ سے بڑھا کر آٹھ ماہ کر دی جاتی ہے۔ اس دو ماہ مدت کے عوض اس شخص سے دو ہزار روپے مزید وصول کیے جائیں۔ اب اس شخص کو دس ہزار روپے کے بجائے بارہ ہزار روپے ادا کرنا ہوں گے۔ یہاں دو ماہ کی اضافی مدت کے عوض جو دو ہزار روپے اضافی وصول کیے جا رہے ہیں یہ ربا النسیئہ یعنی ادھار پر دیا جانے والا سود ہے۔

جب حضرت ابن عباسؓ تک وہ احادیث پہنچیں جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چھ اصناف کی مقداروں میں کمی یا اضافہ کے ساتھ بیع کو حرام قرار دیا تھا تو آپ نے اپنے پہلے قول سے رجوع کر لیا اور ادھار کے علاوہ اصناف اور اجناس میں بھی سود کے قائل ہو گئے۔

جن روایات میں ان چھ اصناف یا اجناس کا ذکر ہے ان میں سے ایک روایت یہ ہے: حضرت عبادہ بن صامتؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: الذَّهَبُ بِالذَّهَبِ وَ الْفِضَّةُ بِالْفِضَّةِ وَ الْبُرُّ بِالْبُرِّ وَ الشَّعِيرُ بِالشَّعِيرِ وَ التَّمْرُ بِالتَّمْرِ وَ الْمِلْحُ بِالْمِلْحِ مِثْلًا بِمِثْلٍ سَوَاءً بِسَوَاءٍ يَدًا بِيَدٍ فَإِذَا اخْتَلَفَتْ هٰذِهِ الْأَصْنَافُ فَبِيعُوا كَيْفَ شِئْتُمْ إِذَا كَانَ يَدًا بِيَدٍ [صحیح مسلم، کتاب المساقات و المزارعة، باب الربا] بیچو سونے کو سونے کے بدلے میں، چاندی کو چاندی کے بدلے میں، گندم کو گندم کے بدلے میں، جو کو جو کے بدلے میں، کھجور کو کھجور کے بدلے میں اور نمک کو نمک کے بدلے میں، برابر برابر اور دست بدست۔ اگر اجناس میں اختلاف ہو تو پھر جس طرح چاہو فروخت کرو لیکن قیمت کی ادائیگی نقد ہونی چاہیے۔

اگر اجناس ایک جیسی ہوں مثلاً چاندی کے بدلے چاندی یا گندم کے بدلے گندم تو پھر بیع کے وقت ماپ تول میں ان کی مقداروں میں کمی یا زیادتی نہیں ہونی چاہیے۔ لیکن اگر گندم کے بدلے کھجور فروخت کی جا رہی ہو تو پھر ان میں کمی یا اضافہ جائز ہے۔ جمہور فقہاء کے نزدیک ان مذکورہ چھ اصناف کے علاوہ کسی اور چیز میں بھی اگر سود کی علت پائی جاتی ہے تو یہ سود ہے۔ البتہ اہل الظاہر یعنی قرآن وسنت کی نصوص کے الفاظ کے ظاہر پر عمل کرنے والے فقہاء مثلاً امام داؤد ظاہریؒ اور امام ابن حزمؒ وغیرہ کے ہاں حدیث میں مذکور ان چھ اصناف ہی میں سود ہے، باقی اصناف میں نہیں ہے۔ یہ اختلاف اس وجہ سے ہے کہ اس بارے میں کوئی قطعی نص موجود نہیں ہے۔

بعض فقہاء کے نزدیک صحابہ کرامؓ کا اختلاف کے بعد کسی ایک قول پر اتفاق کرنا اِجماع نہیں ہے۔ ان میں شافعی علماء مثلاً ابوبکر صیرفیؒ، امام جوینیؒ، امام غزالیؒ اور سیف الدین آمدیؒ کے علاوہ امام احمد بن حنبلؒ شامل ہیں (۱)۔ آمدیؒ کے مطابق جب کسی مسئلہ میں اُمت کے دو اختلافی اقوال ہوں اور استقرارِ خلاف ہو جائے یعنی اختلاف متعیّن ہو جائے اور ٹھہر جائے تو یہ ان کی طرف سے اس بات پر اجماع ہے کہ اختلافی اقوال میں سے کوئی ایک اختیار کرنا جائز ہے، اور یہ کہ انہوں نے جس مسئلہ میں اجماع کیا ہے اس میں وہ معصوم ہیں۔ اگر وہ بعد میں کسی ایک قول پر اتفاق کرلیں تو اس سے دوسرے قول کا خطا و غلط ہونا لازم آتا ہے جو محال ہے۔ آمدیؒ کی رائے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسدِ اطہر کی تدفین، خلافتِ حضرت ابوبکرؓ اور مانعینِ زکوٰۃ سے جنگ وغیرہ کے مسائل میں صحابہؓ کے مابین استقرارِ خلاف نہیں ہوا تھا، بلکہ وہ اختلاف بطریقِ مشورہ تھا (۲)۔

صحابہ کرامؓ کے مابین اختلاف کے بعد ہونے والے اتفاق کو اِجماع قرار دینا راجح رائے ہے۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ اتفاق و اجماع سے قبل بحث و تمحیص، اختلاف اور ایک سے زائد اقوال ہوتے ہیں۔ صحابہ کرامؓ نے جب اختلاف کے بعد اتفاق کیا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کے ایک گروہ نے اپنے قول سے رجوع اور دوسرے کے قول سے اتفاق کر کے اسے اختیار کرلیا ہے۔ جب بعض صحابہؓ نے خود ہی اپنا قول ترک کر کے اختلاف ختم کر کے سب کے ساتھ اتفاق کرلیا تو سابقہ اختلاف از خود زائل ہو گیا اور سب کے اتفاق سے اجماع منعقد ہو گیا۔

اِجماعِ صحابہؓ سے تابعی کی مخالفت

اگر اِجماعِ صحابہؓ سے معاصر تابعی اختلاف کرے تو اس اِجماع کی قانونی حیثیت کیا ہے اور معاصر تابعی کا مخالف قول معتبر ہے یا نہیں، اس مسئلہ میں علمائے اصولِ فقہ کی آراء یہ ہیں:

پہلا گروہ

سیف الدین آمدیؒ نے لکھا ہے: بعض علماء کے نزدیک معاصر تابعی کی مخالفت کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔ یہ بعض متکلمین اور امام احمد بن حنبلؒ کی ایک روایت کے مطابق ہے (۳)۔ ان کے علاوہ یہ رائے خلّالؒ، حلوانیؒ اور قاضی ابویعلیٰؒ کی بھی ہے (۴)۔ سرخسیؒ اور عبدالعزیز بخاریؒ نے اسے امام شافعیؒ کا قول کہا ہے کہ اجماع صحابہؓ کے

۱۔ نهاية السول ۲۸۲/۳۔ ارشاد الفحول ص ۱۵۶۔ الإبهاج في شرح المنهاج ۳۷۴/۲۔ البرهان في أصول الفقه ۷۱۲/۱۔ المستصفى مع فواتح الرحموت ۲۰۵/۱۔ آمدی، الإحكام في أصول الأحكام ۲۳۳/۱۔ سُلّم الوصول ۲۸۲/۳

۲۔ آمدی، الإحكام في أصول الأحكام ۲۳۵،۲۳۳/۱

۳۔ حوالہ بالا ۲۰۴/۱

۴۔ شرح الكوكب المنير ۲۲۳/۲

خلاف کسی معاصر تابعی کا قول معتبر نہیں ہے اور اجماع صحابہؓ مؤثر ہے(۱)۔

ان علماء(۲) کے چند اہم دلائل یہ ہیں:

۱۔ اجماع صحابہؓ اس لیے حجت ہے کہ انہیں ایک شرف و منزلت حاصل ہے جس میں ان کے ساتھ تابعی شریک نہیں ہے۔ انہیں صحبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مشاہدۂ احوال وحی کی وجہ سے زیادہ کرامت و منزلت حاصل ہے۔ اسی لیے صاحب شریعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں صحابہ کرامؓ کی اقتداء و پیروی کا حکم دیا ہے اور یہ فرمایا ہے: بِاَيِّهِمُ اقْتَدَيْتُمْ اهْتَدَيْتُم '(۳) تم ان میں سے جس کی بھی پیروی کرو گے، ہدایت پاؤ گے۔ یہ بات تابعی کے حق میں ثابت نہیں ہے، خواہ وہ صحابہ کرامؓ کا زمانہ پالے۔ لہٰذا تابعین پر واجب ہے کہ وہ صحابہ کرامؓ کی مخالفت نہ کریں۔

۲۔ حضرت ابو سعید خدریؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

فَلَوْ اَنَّ اَحَدَكُمْ اَنْفَقَ مِثْلَ اُحُدٍ ذَهَبًا مَا بَلَغَ مُدَّ اَحَدِهِمْ وَ لَا نَصِيْفَهُ (۴)

اگر تم میں سے کوئی شخص اُحد پہاڑ کے برابر بھی سونا راہِ اللہ میں خرچ کرے تو وہ صحابہ ہمیں سے کسی ایک کے مُد (۵) یا اس کے نصف (ثواب) کو بھی نہیں پہنچ سکتا۔

یہ حدیث واضح طور پر اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ حضرات صحابہ کرامؓ کے مقام و مرتبہ پر کوئی دوسرا شخص نہیں پہنچ سکتا۔

۳۔ تابعی ابو سلمہ بن عبدالرحمن بن عوفؒ نے جب حضرت عائشہؓ سے پوچھا کہ کس چیز سے غسل واجب ہوتا ہے تو حضرت عائشہ صدیقہؓ نے ابو سلمہؒ سے فرمایا تھا: اے ابو سلمہ! تم جانتے ہو تمہاری مثال کیسی ہے؟ تم اس چوزے کی طرح ہو جو مرغ کو بانگ دیتے سنتا ہے تو خود بھی بانگ دینے لگتا ہے(۶)۔ یہ حضرت عائشہؓ کی طرف سے ابو سلمہؒ کے لیے ممانعت تھی کہ وہ صحابہؓ کے ساتھ اجتہاد مت کرے۔ اگر صحابہؓ کے ساتھ قولِ تابعی معتبر ہوتا تو حضرت عائشہؓ ابو سلمہؒ کو منع نہ فرماتیں۔

۱۔ المحرر في أصول الفقه ۸۸/۲۔ عبدالعزیز بخاری، كشف الأسرار ۳۳۵/۳

۲۔ المحرر في أصول الفقه ۸۸/۲۔ الفصول في الأصول ۳۳۵/۳۔ إحكام الفصول في أحكام الأصول ص ۴۰۰

۳۔ جامع بيان العلم وفضله ۹۲۵/۲

۴۔ صحيح البخاري، كتاب المناقب، باب فضائل أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم

۵۔ مُد: رائج الوقت نظامِ اوزان اعشاری نظام کے مطابق عربی پیمانہ ایک مُد ۶۸۰،۹۶ گرام کے برابر ہے۔ اوزانِ شرعیہ از مفتی محمد شفیع، ص ۶۲

۶۔ الموطا، كتاب الطهارة، باب واجب الغسل إذا التقى الختانان ص ۶۲

دوسرا گروہ: جمہور

جمہور فقہاء کے نزدیک معاصر مجتہد تابعی کی اجماعِ صحابہؓ سے مخالفت سے اجماع منعقد نہیں ہوتا۔ معاصر تابعی کے اختلاف سے اجماعِ صحابہؓ نامکمل ہے اور وہ حجت نہیں ہے(۱)۔

سیف الدین آمدیؒ لکھتے ہیں: جن کے نزدیک معاصر مجتہد تابعی کی مخالفت سے اِجماعِ صحابہؓ منعقد نہیں ہوتا، ان میں سے جو انقراضِ عصر کی شرط نہیں لگاتے، ان کے مطابق اگر اجماعِ صحابہؓ سے قبل تابعی اہلِ اجتہاد میں سے ہے تو پھر اس کی مخالفت سے اِجماع منعقد نہیں ہوتا۔ اگر وہ تابعی اِجماعِ صحابہؓ کے بعد رتبہ اجتہاد کو پہنچا تو پھر اس کا اختلاف معتبر نہیں ہے۔ یہ اصحابِ امام شافعیؒ، اکثر متکلمین، اصحابِ امام ابوحنیفہؒ اور ایک روایت کے مطابق امام احمد بن حنبلؒ کا مذہب ہے۔

جو علمائے اصولِ فقہ اس مسئلہ میں انقراضِ عصر کی شرط لگاتے ہیں ان کے مطابق تابعی کی مخالفت سے اجماعِ صحابہؓ منعقد نہیں ہوتا، خواہ وہ تابعی اجماعِ صحابہؓ کے وقت اہلِ اجتہاد میں سے ہو یا اس کے بعد مجتہد بنا ہو، لیکن وہ عصرِ صحابہؓ میں سے ہو(۲)۔

جمہور کے دلائل

جمہور علماء(۳) کے اہم دلائل مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ تمام اُمت کا اِجماع حجت ہے۔ صحابہ کرامؓ معاصر تابعی کے ساتھ کُل اُمت ہیں۔ جب صحابہؓ میں مجتہد تابعین پائے جائیں تو صحابہؓ کُل اُمت نہیں بلکہ اُمت کا حصہ ہیں۔ انعقادِ اِجماع کے لیے شرط ہے کہ اہلِ عصر میں سے کسی نے اس کی مخالفت نہ کی ہو۔

۲۔ صحابہؓ کا معاصر تابعی اگر صاحبِ نظر و فکر ہے تو اس کے اور صحابہؓ کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے۔ اس لیے کہ جس علت کی بنا پر صحابی کے لیے اپنے جیسے صحابی سے اختلاف کرنا جائز ہے وہ علت تابعی میں بھی پائی جاتی ہے۔

۱۔ میزان الأصول ص ۴۹۹۔ المحرر فی أصول الفقه ۸۸/۲۔ المحصول فی علم أصول الفقه ۸۶۹/۳۔ إحکام الفصول فی أحکام الأصول ص ۳۹۷۔ نهایة الوصول ۲۶۰۱/۶۔ ارشاد الفحول ص ۱۴۸۔ آمدی، الإحکام فی أصول الأحکام ۲۰۴/۱۔ المعتمد فی أصول الفقه ۳۳/۲۔ قواطع الأدلّة ۲۰/۲۔ عبدالعزیز بخاری، کشف الأسرار ۳۳۵/۳۔ شرح الکوکب المنیر ۲۳۲/۲

۲۔ آمدی، الإحکام فی أصول الأحکام ۲۰۴/۱

۳۔ نهایة الوصول ۲۶۰۲/۶۔ ارشاد الفحول ص ۱۴۸۔ تیسیر التحریر ۲۴۱/۳۔ المحرر فی أصول الفقه ۸۸/۲۔ أصول الجصاص ۱۵۷/۲، ۱۵۸۔ قواطع الأدلّة ۲۰/۲۔ المعتمد فی أصول الفقه ۳۳/۲۔ إحکام الفصول فی أحکام الأصول ص ۳۹۸ تا ۴۰۰۔ شرح الکوکب المنیر ۲۳۳/۲۔ آمدی، الإحکام فی أصول الأحکام ۲۰۶/۱۔ التحصیل من المحصول ۷۵/۲۔ المحصول فی علم أصول الفقه ۸۷۱/۳

وہ علت اس کا اہلِ نظر و فکر میں سے ہونا ہے۔

۳۔ علم کا اعتبار کیا جاتا ہے، صحبتِ نبوی کا نہیں۔ غیر مجتہد صحابہؓ کا اتفاق انعقادِ اجماع میں معتبر نہیں ہے۔ اگر معاصر مجتہد تابعی، صحابی ہوتا تو اس کے قول کے بغیر اجماعِ صحابہؓ منعقد نہیں ہوسکتا تھا۔ اجماع کے دلائل ایک مجتہد تابعی کو بھی اجماعِ صحابہؓ میں شامل کرتے ہیں۔ قرآن مجید کی ایک آیت ہے:

وَ مَنْ يُشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَ يَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَ نُصْلِهٖ جَهَنَّمَ وَ سَآءَتْ مَصِيْرًا(۱)

اور جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کرے اس کے بعد کہ اس کے لیے راہِ ہدایت واضح ہوگئی اور وہ مومنین کی راہ سے الگ چلے تو ہم اسے پھیر دیں گے جدھر وہ خود پھرا ہے اور اسے جہنم میں ڈال دیں گے اور یہ بہت بُری پلٹنے کی جگہ ہے۔

تمام مومنین کا اِجماع حجت ہے اور اس بات میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ تابعی مومنین میں سے ہے۔

۴۔ عہدِ صحابہؓ میں کئی تابعین مفتیان تھے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے کئی اصحاب مثلاً علقمہؒ اور اَسودؒ کے علاوہ حسن بصریؒ اور سعید بن مسیّبؒ عصرِ صحابہ میں فتویٰ دیا کرتے تھے(۲)۔ قاضی شُریحؒ، سعید بن جُبیرؒ، مسروقؒ، عطاءؒ اور ابووائلؒ وغیرہ حضرات بھی زمانۂ صحابہؓ میں فتویٰ دیا کرتے تھے(۳)۔ حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ نے اپنے زمانہ خلافت میں قاضی شُریحؒ کو منصبِ قضا پر مامور کیا تھا۔ جس مسئلہ میں قاضی شُریحؒ ان دونوں خلفاء راشدین سے اختلاف کرتے، وہ دونوں اس پر اعتراض نہیں کیا کرتے تھے(۴)۔

۵۔ صحابہ کرامؓ معاصر مجتہد تابعین کی آراء کا اعتبار کرتے تھے۔ حضرت انسؓ سے ایک مسئلہ پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا تھا: اسے حسن بصریؒ سے پوچھو(۵)۔

حاملہ بیوہ کی عدّت کے بارے میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی رائے تھی کہ دونوں مدتوں یعنی وضعِ حمل اور چار ماہ دس دن میں سے جو آخر میں پوری ہو، وہی اس عورت کی مدتِ عدّت ہے۔ تابعی ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن بن عوفؒ نے صحابی حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے اختلاف کیا اور کہا کہ حاملہ کی عدّت وضعِ حمل ہے۔ یہ سن کر حضرت

۱۔ النسآء ۴:۱۱۵

۲۔ المستصفی فی علم الأصول ص ۱۴۶

۳۔ منتهى الوصول و الأمل ص۵۶۔ الوصول إلى الأصول ۴/۹۲۔ قواطع الأدلة ۲/۲۰۔ آمدی، الإحکام فی أصول الأحکام ۱/۲۰۴

۴۔ آمدی، الإحکام فی أصول الأحکام ۱/۲۰۴۔ العدة فی أصول الفقه ۴/۱۱۶۳

۵۔ شرح الكوكب المنير ۲/۲۳۳۔ المحصول فی علم أصول الفقه ۳/۸۶۹۔ المحرر فی أصول الفقه ۲/۸۹

ابو ہریرہؓ نے فرمایا: میں اپنے بھتیجے یعنی ابو سلمہ کے ساتھ ہوں (۱)۔

باپ کے حق میں بیٹے کی گواہی کے مسئلہ پر قاضی شُرَیحؒ نے حضرت علیؓ سے اختلاف کیا تھا۔ یہ ایک مشہور واقعہ ہے۔ حضرت علیؓ کی یہ رائے تھی کہ باپ کے حق میں بیٹے کی گواہی درست ہے۔ لیکن ایک مقدمہ میں حضرت علیؓ کی طرف سے اپنے حق میں پیش کی جانے والی ان کے بیٹے کی گواہی کو قاضی شُرَیحؒ نے نہیں مانا تھا۔ حضرت علیؓ نے قاضی شُرَیحؒ کے اس اختلاف کا انکار نہیں کیا اور اُن کا فیصلہ تسلیم کیا تھا (۲)۔

۱۔ ابو سلمہؒ بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے پاس آیا۔ اس وقت ان کے پاس حضرت ابو ہریرہؓ بیٹھے ہوئے تھے۔ اس شخص نے کہا: مجھے اس عورت کے بارے میں بتائیں جو اپنے شوہر کی وفات کے چالیس دن بعد بچہ جنم دے۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا: دونوں عدّتوں (یعنی تین حیض۔ احناف کے نزدیک حیض اور شوافع کے نزدیک طہر۔ اور وضعِ حمل) میں سے آخری عدت ہے۔ میں نے کہا: حاملہ عورت کی عدّت تو وضعِ حمل ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا: میں اپنے بھتیجے کے ساتھ ہوں۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے اپنے ایک غلام کُرَیب کو حضرت اُم سلمہؓ کے پاس یہ مسئلہ پوچھنے کے لیے بھیجا۔ حضرت اُم سلمہؓ نے فرمایا: سُبَیعَہ اسلمیہ کا شوہر قتل ہو گیا اور وہ اس وقت حاملہ تھیں۔ شوہر کے قتل کے چالیس روز بعد سُبَیعَہ نے بچہ جنم دیا۔ پھر ان کے پاس پیغامِ نکاح آیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نکاح کر دیا۔ صحیح البخاری، کتاب التفسیر، سورۃ الطلاق ۷۲۹/۲

۲۔ قاضی شریحؒ روایت کرتے ہیں کہ حضرت معاویہؓ کے خلاف لڑائی (جنگِ صفین ۳۶ھ) میں حضرت علیؓ مصروف تھے تو ان کی زرہ کھو گئی۔ جب حضرت علیؓ واپس لوٹے تو آپ نے اپنی گمشدہ زرہ ایک یہودی کے پاس پائی جسے وہ کوفہ کے بازار میں بیچ رہا تھا۔ حضرت علیؓ نے اسے کہا: اے یہودی! یہ زرہ میری ہے، میں نے اسے نہ تو ہبہ کیا ہے اور نہ ہی اسے بیچا ہے۔ یہودی نے کہا: یہ زرہ میری ہے اور میرے ہاتھ میں ہے۔ حضرت علیؓ نے کہا: میرے اور تیرے درمیان فیصلہ قاضی کرے گا۔

دونوں قاضی شریحؒ کے پاس آئے۔ حضرت علیؓ قاضی شریحؒ کے ساتھ بیٹھ گئے اور یہودی شخص قاضی شریحؒ کے سامنے بیٹھ گیا۔ حضرت علیؓ نے فرمایا: اگر میرا مخالف فریق ذمّی نہ ہوتا تو میں یہاں اس کے ساتھ برابر کھڑا ہوتا۔ لیکن میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اَصْغِرُوْا بِهِمْ کَمَا اَصْغَرَ اللّٰهُ بِهِمْ ۔ انہیں (یہودیوں کو) ذلیل بنا کر رکھو جیسے اللہ تعالیٰ نے انہیں ذلیل بنا کر رکھا ہے۔ پھر حضرت علیؓ نے فرمایا: یہ زرہ میری ہے، میں نے نہ تو اسے بیچا ہے اور نہ ہی اسے ہبہ کیا ہے۔ قاضی شریحؒ نے یہودی سے کہا: تم کیا کہتے ہو؟ اس نے کہا: یہ زرہ میری ہے اور میرے ہاتھ میں ہے۔

قاضی شریحؒ نے حضرت علیؓ سے کہا: اے امیر المومنین! کیا آپ کے پاس کوئی ثبوت ہے؟ حضرت علیؓ نے فرمایا: ہاں میرا بیٹا حسنؓ اور قنبرؒ دونوں گواہی دیں گے کہ یہ زرہ میری ہے۔ قاضی شریح نے کہا: اے امیر المومنین! باپ کے حق میں بیٹے کی گواہی قبول نہیں ہے۔ حضرت علیؓ نے فرمایا: سبحان اللہ! وہ جنتی لوگوں میں سے ہے، بھلا اس کی گواہی کیوں قبول نہیں ہوگی! میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اَلْحَسَنُ وَ الْحُسَیْنُ سَیِّدَا شَبَابُ اَھْلِ الْجَنَّةِ، حسنؓ اور حسینؓ دونوں جنت میں نوجوانوں کے سردار ہیں۔

یہودی نے کہا: امیر المومنین مجھے اپنے قاضی کے پاس لے گئے جس نے ان کے خلاف فیصلہ کیا۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ یہ دین سچا ہے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور یہ کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور

بقیہ اگلے صفحہ پر.........

بیٹا ذبح کرنے کی نذر میں گورنر مدینہ مروان بن الحکم بن ابی العاصؒ نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے فتویٰ ایک سو اونٹوں کی قربانی سے اختلاف کیا اور کہا کہ ایسی نذر کے لیے صرف توبہ اور حسبِ استطاعت صدقہ و خیرات کافی ہے۔لوگوں نے یہ فتویٰ بہت پسند کیا اور یہی فتویٰ عام ہوا کہ جس کام میں اللہ تعالیٰ کی معصیت و نافرمانی ہو، وہ سرے ہی سے جائز نہیں ہے(۱)۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے ایک مسئلہ پوچھنے پر فرمایا تھا: سعید بن جُبیرؒ سے پوچھو کیونکہ وہ اس بارے میں ہم سے زیادہ جانتے ہیں(۲)۔

۶۔ عصرِ صحابہؓ میں مجتہد تابعین یہ دیکھے بغیر فتویٰ دیتے تھے کہ اس مسئلہ میں صحابہ کرامؓ کا اِجماع ہے یا نہیں۔ اگر تابعین کا قول اجماعِ صحابہؓ میں معتبر نہ ہوتا تو وہ فتویٰ دینے سے قبل ضرور پوچھتے کہ کیا اس مسئلہ پر صحابہؓ سے اِجماع ثابت ہے یا نہیں؟ انہوں نے ایسا نہیں پوچھا۔اس سے پتہ چلتا ہے کہ دورِ صحابہؓ میں تابعین کا قول معتبر تھا۔

گزشتہ سے پیوستہ.........رسول ہیں۔ یہ زرہ آپ ہی کی ہے یا امیر المومنین۔أخبار القضاۃ ۲/۲۰۰ (المکتبۃ التجاریۃ)

ذمّی: یہ اسلام کے سیاسی اور بین الاقوامی قانون کی ایک اصطلاح ہے۔ڈاکٹر محمود احمد غازیؒ نے لکھا ہے: اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو کسی مفتوحہ علاقے کے غیر مسلم باشندے ہوں، وہ علاقہ مسلمانوں نے فتح کر لیا ہو اور وہاں کے باشندوں نے اپنے مذہب پر قائم رہنا پسند کیا ہو اور وہ اس فتح کے نتیجہ میں اسلامی ریاست کے شہری بن گئے ہوں۔اسلام کا قانون بین الممالک ص ۲۸۲

۱۔ ایک عورت نے نذر مانی تھی کہ اگر اس کا فلاں کام ہو گیا تو وہ کعبہ میں اپنا بیٹا ذبح کرے گی۔اس کا وہ کام ہو گیا۔عورت اپنی نذر سے متعلق فتویٰ پوچھنے کے لیے مدینہ آئی۔وہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے پاس آئی۔حضرت ابن عمرؓ نے اسے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے نذر کے معاملہ میں یہی حکم دیا ہے کہ نذر پوری کی جائے۔عورت نے پوچھا: پھر کیا میں اپنا بیٹا ذبح کر دوں؟ حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے تمہیں منع کیا ہے کہ تم خود کو قتل کرو۔حضرت ابن عمرؓ نے مزید کچھ نہ فرمایا۔

پھر وہ عورت حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے پاس آئی اور فتویٰ چاہا۔حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے نذر پوری کرنے کا حکم دیا ہے اور یہ بھی فرمایا ہے کہ اپنی جانوں کو قتل نہ کرو۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا ماجد عبدالمطلب بن ہاشم نے نذر مانی تھی کہ اگر ان کے ہاں دس بیٹے ہوئے تو وہ ان میں سے ایک اللہ تعالیٰ کی راہ میں ذبح کر دیں گے۔اللہ تعالیٰ نے آپ کو دس بیٹے دیئے تو آپ نے ان کے درمیان قرعہ ڈالا کہ کس کو ذبح کریں۔قرعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے والد ماجد عبداللہ بن عبدالمطلب کے نام نکلا۔پھر عبداللہ اور ایک سو اونٹوں کے درمیان قرعہ ڈالا گیا تو قرعہ ایک سو اونٹوں کے نام نکلا۔حضرت ابن عباسؓ نے اس عورت سے فرمایا: میری رائے میں تم اپنے بیٹے کے بجائے ایک سو اونٹ ذبح کر دو۔

جب یہ فتویٰ مدینہ کے گورنر مروان بن الحکم بن ابی العاصؒ تک پہنچا تو مروانؒ نے کہا: میری رائے میں حضرت ابن عمرؓ اور حضرت ابن عباسؓ دونوں کا فتویٰ صحیح نہیں ہے۔اے عورت! تم اللہ تعالیٰ سے استغفار کرو اور اس سے توبہ کرو۔تم اپنی استطاعت کے مطابق اللہ تعالیٰ کی راہ میں صدقہ و خیرات کر دو۔جہاں تک تمہارا اپنے بیٹے کو ذبح کرنے کا معاملہ ہے تو اللہ تعالیٰ نے اس سے منع فرمایا ہے۔

مروانؒ کے اس فتویٰ سے لوگ بہت خوش ہوئے۔انہیں مروانؒ کا یہ فتویٰ پسند آیا۔پھر یہی فتویٰ عام ہوا کہ جس کام میں اللہ تعالیٰ کی معصیت و نافرمانی ہو، وہ سرے ہی سے جائز نہیں ہے۔تاریخ الأمم والملوك ۲/۱۷۳

۲۔ سِیَر أعلام النبلاء ۴/۳۳۶

جمہور علماء نے مخالفین کے دلائل کا جواب دیا ہے۔ مخالفین کی یہ دلیل کہ صحابہ کرامؓ کو نبوی صحبت کی فضیلت حاصل تھی، اس کا جواب یہ ہے کہ اگر فضیلت کی بنا پر اجماع کا ان سے خاص ہونا لازمی ہوتا تو پھر مہاجرین صحابہؓ کے قول کے ساتھ انصار کا قول اور عشرہ مبشرہ صحابہؓ کے قول کے ساتھ مہاجرین کا قول معتبر نہ ہوتا۔ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے قول کے ساتھ حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کے قول کا اعتبار نہ ہوتا۔ کبار صحابہؓ کے ساتھ صغار صحابہؓ کا قول قبول نہ کیا جاتا، سابقون اوّلون یعنی وہ صحابہؓ جنھوں نے شروع زمانہ میں اسلام قبول کیا، ان کی موجودگی میں فتح مکہ کے بعد اسلام لانے والوں کا قول مقبول نہ ہوتا، جبکہ اُمت کا ان سب کے جواز اور اس سلسلہ میں فضیلت کے عدم لحاظ پر اتفاق ہے۔ جب ایک تابعی کو یہ منع نہیں ہے کہ صحبتِ نبوی نہ ہونے کی وجہ سے وہ فتویٰ نہیں دے سکتا، تو اس کے لیے ایک صحابی سے اختلاف کرنا بھی جائز ہے۔

یہ دلیل کہ صحابہ کرامؓ احکام کو زیادہ جانتے تھے، اس کے جواب یہ ہے کہ صحابہؓ کئی مسائل میں سائلین کو تابعین کی طرف بھیج دیا کرتے تھے، جیسا کہ اوپر چند مثالیں بیان کی جا چکی ہیں۔ صحابہ کرامؓ احکام کو کبھی زیادہ جاننے والے تھے اور کبھی کم۔

حضرت زید بن ثابتؓ سے مروی فرمانِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

نَضَّرَ اللّٰهُ امْرَاً سَمِعَ مِنَّا حَدِيثًا فَحَفِظَهُ حَتّٰى يُبَلِّغَهُ فَرُبَّ حَامِلِ فِقْهٍ اِلٰى مَنْ هُوَ اَفْقَهُ مِنْهُ وَ رُبَّ حَامِلِ فِقْهٍ لَيْسَ بِفَقِيْهٍ(۱)

اللہ تعالیٰ اس شخص کو تر و تازہ رکھے جس نے ہم سے حدیث سنی اور اسے یاد رکھا، حتیٰ کہ اسے دوسروں تک پہنچایا۔ پس بہت سے حاملِ فقہ ایسے ہیں جو اسے اپنے سے زیادہ فقیہ تک پہنچا دیں گے اور بہت سے حاملِ فقہ ایسے ہیں جو خود فقیہ نہیں ہیں۔

اس حدیث سے یہ پتہ چلتا ہے کہ تفقہ اور فہم کے اعتبار سے صحابہ کرامؓ یکساں نہیں تھے بلکہ ان میں درجات پائے جاتے تھے۔

تابعی ابوسلمہ بن عبدالرحمن بن عوفؓ کو حضرت عائشہ صدیقہؓ کے انکار میں یہ احتمال ہے کہ ابوسلمہؓ نے ایک ایسے مسئلہ میں اختلاف کیا تھا جس پر اجماع صحابہؓ ہو چکا تھا، یا اس لیے کہ ابوسلمہؓ ابھی رتبہ اجتہاد کو نہیں پہنچے تھے، یا حضرت عائشہ صدیقہؓ نے بطور تادیب ایسا کہا، یا ابوسلمہؓ نے آدابِ مناظرہ کے منافی اقدام کیا تھا۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے جو فرمایا تھا وہ ایسی کسی بات پر دلالت نہیں کرتا کہ صحابہ کرامؓ کے ساتھ تابعین کے اختلاف کا اعتبار نہیں ہے۔ پھر یہ بھی ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ کا قول حجت نہیں ہے۔

اس مسئلہ میں یہ موقف راجح نظر آتا ہے کہ اگر عصرِ صحابہؓ کے کسی مجتہد تابعی نے ان کے متفقہ قول سے

۱۔ سنن أبي داؤد، كتاب العلم، باب في نشر العلم

اختلاف کیا تو اِجماع منعقد نہیں ہوتا، کیونکہ اس صورت میں اہلِ عصر کا اتفاق مفقود ہے۔ اِجماع کے لیے اس زمانہ کے تمام مجتہدین کا اتفاق شرط ہے، کسی طبقہ کے مجتہدین کا اتفاق شرط نہیں ہے۔ صحابہ کرامؓ شرفِ صحابیت سے بہرہ ور طبقہ ہیں جبکہ تابعین اس شرف سے محروم ہیں۔ لیکن انعقادِ اجماع کے لیے صحابیت ضروری نہیں بلکہ اس کے لیے مجتہدینِ عصر کا اتفاق ہونا ضروری ہے۔ اس اتفاق میں اس زمانے کے تمام مجتہدین شامل ہیں خواہ وہ صحابہ کرامؓ ہوں یا تابعین۔ عصرِ صحابہؓ کے مجتہد تابعین، صحابہؓ کے زمانہ سے ہیں اور وہ تمام ایک ہی عہد کے مجتہدین ہیں۔

اِجماعِ صحابہؓ سے نسخ

جمہور علماء کے نزدیک اِجماع سے قرآن وسنت کا نسخ ممکن نہیں ہے۔ یہ نہیں ہوسکتا کہ اجماعِ صحابہؓ یا ان کے زمانہ کے بعد کسی دور کے مجتہدین اپنے اِجماع سے قرآن وسنت کے کسی حکم کو منسوخ کردیں۔ رحلتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نسخ جائز نہیں ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس دنیا سے پردہ فرما جانے کے بعد وحی کا نزول بند ہو چکا ہے۔ رحلتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہی اِجماع منعقد ہوسکتا ہے اور نسخ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نہیں ہوسکتا۔ لہٰذا اِجماع سے کتاب وسنت کا نسخ ممکن نہیں ہے(۱)۔

حنفی اصولی عبدالعزیز بخاریؒ نے لکھا ہے: احناف کے بعض مشائخ مثلاً عیسیٰ ابن ابانؒ وغیرہ اور بعض معتزلہ کے نزدیک اِجماع سے قرآن اور سنت کا نسخ جائز ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عثمانؓ نے حاجب (۲) بناتے ہوئے یہ فیصلہ دیا تھا کہ دو بھائیوں کے ساتھ اگر ماں زندہ ہو تو اسے تہائی کے بجائے چھٹا حصہ ملے گا۔ اس پر حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا تھا کہ آپ دو بھائیوں کے ساتھ ماں کو کیسے حاجب بناتے ہیں؟ جبکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿فَإِنْ كَانَ لَهُ إِخْوَةٌ فَلِأُمِّهِ السُّدُسُ﴾ (۳) (اگر میت کے بہن بھائی ہوں تو ماں کا چھٹا حصہ ہے) اور دو بھائی إِخْوَة نہیں ہوتے، حضرت عثمانؓ نے اس کا جواب یہ دیا تھا: اے لڑکے! تمہاری قوم نے ماں کو حاجب بنایا ہے(۴)۔ ان کے نزدیک یہ مثال اِجماع سے نسخ کے جواز پر دلالت کرتی ہے۔

۱۔ عبدالعزیز بخاری، کشف الأسرار ۳/۲۶۲۔ المحرر فی أصول الفقه ۲/۴۵۔ قواطع الأدلة ۱/۴۲۴۔ میزان الأصول ص ۷۱۷۔ ارشاد الفحول ص ۳۲۷

۲۔ حاجب کا معنی ہے رکاوٹ بننے والا۔ تقسیم میراث میں کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ایک وارث کی موجودگی کسی دوسرے وارث کا وراثت میں حصہ ختم یا کم کرنے کا باعث بن جاتی ہے۔ ایسی صورت میں جو رشتہ دار رکاوٹ بنے اسے حاجب کہتے ہیں اور جس وارث کا حصہ ختم یا کم ہو رہا ہو اسے محجوب کہتے ہیں۔ بیٹے کی موجودگی میں پوتے کو وراثت نہیں ملتی اور باپ کی موجودگی میں دادا کا وراثت میں حصہ نہیں ہوتا۔ یہاں بیٹا اور باپ بالترتیب حاجب ہیں۔

۳۔ النسآء ۴:۱۱

۴۔ عبدالعزیز بخاری، کشف الأسرار ۳/۲۶۲۔ فواتح الرحموت ۲/۸۳

منفردقولِ صحابی

اگر کسی اجتہادی مسئلہ پر صحابی کا قول منفرد ہے، یعنی وہ صحابی اپنے قول میں تنہا ہے اور اس کے خلاف کسی دوسرے صحابی کا قول معلوم نہیں ہے، تو ایسے قول کی فقہی و قانونی حیثیت و حجیت میں علمائے اصولِ فقہ کا اختلاف ہے۔ بعض اسے حجت قرار دیتے ہیں جبکہ دوسرے اس کی عدم حجیت کے قائل ہیں۔

حنفی علمائے اصول کی آراء

ابوسعید بردعیؒ کہتے ہیں: اگر ایسے قول کے خلاف کسی اور صحابی کا قول معلوم نہ ہو تو وہ حجت ہے، اس کی تقلید واجب ہے اور اس قول کے مقابلہ میں قیاس ترک کر دیا جائے گا۔ ہم نے اسی پر اپنے مشائخ کو پایا ہے(۱)۔ ابومنصور ماتریدیؒ کا موقف ہے: اگر صحابی اہلِ فتویٰ میں سے ہے اور اس کے زمانہ میں اس کے مخالف کوئی قول نہیں ہے تو صحابی کی تقلید واجب ہے۔ لیکن اگر کسی نے صحابی کی مخالفت کی تو پھر اس کی تقلید واجب نہیں ہے، البتہ دلائل کے ساتھ کسی قولِ صحابی کی ترجیح واجب ہے(۲)۔

ابوالحسن کرخیؒ نے قولِ صحابی صرف اس ایک صورت میں واجب قرار دیا ہے جب وہ مُدرک بالقیاس نہ ہو یعنی وہ قول قیاس سے معلوم نہ کیا جا سکتا ہو، کیونکہ ایسا قول یا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہو گا یا پھر نہیں سنا ہو گا اور جھوٹ پر مبنی ہو گا۔ ایسے قول کی حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سماع یا پھر جھوٹ کے سوا کوئی تیسری صورت نہیں ہے۔ جو قول مُدرک بالقیاس ہے اس کی تقلید واجب نہیں ہے اور نہ ہی وہ حجت ہے(۳)۔ ابوزید دبوسیؒ بھی ایسے قول کو واجبِ تقلید نہیں مانتے(۴)۔

۱۔ أصول الجصاص ۲/۱۷۲۔ تقویم الأدلّة ص۲۵۶۔ المحرر فی أصول الفقه ۲/۸۱۔ التوضیح ۲/۴۴۷۔ میزان الأصول ص ۴۸۱۔ عبدالعزیز بخاری، کشف الأسرار ۳/۲۲۳

۲۔ عبدالعزیز بخاری، کشف الأسرار ۳/۲۲۴۔ میزان الأصول ص ۴۸۱

۳۔ أصول الجصاص ۲/۱۷۲-۱۷۳۔ میزان الأصول ص ۴۸۱۔ المحرر فی أصول الفقه ۲/۸۳۔ مسلّم الثبوت ۲/۱۸۶۔ فواتح الرحموت ۲/۱۸۶۔ التوضیح ۲/۴۴۷۔ عبدالعزیز بخاری، کشف الأسرار ۳/۲۲۳۔ نسفی، کشف الأسرارؒ / ۱۰۰

۴۔ تقویم الادلّة ص ۲۵۶

شمس الائمہ سرخسیؒ نے لکھا ہے: ہمارے متقدمین اور متاخرین علماء کے مابین اس بات پر کوئی اختلاف نہیں ہے کہ صحابی کے جس قول میں قیاس کا دخل نہ ہو اور جس کا حکم اجتہاد اور رائے سے معلوم نہ کیا جا سکے، وہ حجت ہے اور اس حکم کے مانند ہے جو نص سے ثابت ہے۔ ایسے قولِ صحابی کے مقابلہ میں قیاس ترک کر دیا جائے گا(۱)۔ فخر الاسلام بزدویؒ نے بھی لکھا ہے کہ ہمارے اصحاب اس بات پر متفق ہیں کہ جس مسئلہ میں قیاس وعقل کا دخل نہیں ہے اس میں قولِ صحابی کی تقلید کی جائے گی(۲)۔

اسی لیے احناف مقداروں کے مسئلہ میں قولِ صحابی کو حجت قرار دیتے ہیں۔ مثلاً حضرت علیؓ کا یہ قول کہ مہر کی کم از کم مقدار دس درہم ہے(۳)۔ حضرت عائشہؓ نے حمل کی زیادہ سے زیادہ مدت دو سال بیان فرمائی ہے(۴)۔ حضرت انسؓ نے فرمایا کہ حیض کی کم از کم مدت تین دن اور زیادہ سے زیادہ دس ایام ہے(۵)۔ ان مقداروں کے لیے دو باتیں ضروری ہیں: ایک یہ کہ وہ حقوق اللہ کے لیے ثابت ہوتی ہوں۔ دوسری بات یہ کہ وہ کسی چیز کے قلیل وکثیر اور صغیر وکبیر ہونے کے درمیان متردّد نہ ہوں، جیسے حدود کی مقداریں، مثلاً زنا کی سزا سو کوڑے، قذف کی سزا اسّی کوڑے اور عبادات کی مقداریں مثلاً نمازوں کی رکعات کی تعداد وغیرہ اجتہاد سے مقرر نہیں ہیں۔ صحابہ کرامؓ کی بیان کردہ مقداریں بھی اسی درجہ اور منزلت پر ہیں(۶)۔

عبدالعزیز بخاریؒ نے اس مسئلہ پر حنفی مسلک کی وکالت کرتے ہوئے لکھا ہے: اگر یہ کہا جائے کہ احناف نے مقداروں میں رائے سے کام لیا ہے، مثلاً امام ابوحنیفہؒ نے بلوغت کی عمر اٹھارہ یا سترہ سال اور جو سفیہ یعنی بیوقوف سن رُشد کو نہ پہنچا ہو اس کا مال اسے سپرد کرنے کے لیے عمر پچیس سال وغیرہ رائے سے مقرر کی ہے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ احناف نے اُن مقداروں کو حجت تسلیم کیا ہے جو حقوق اللہ کے لیے ثابت ہوں اور قلیل وکثیر اور صغیر وکبیر کے مابین متردّد نہ ہوں۔ جن مقداروں پر اعتراض کیا گیا ہے وہ قلیل وکثیر کے درمیان فرق سے تعلق رکھتی ہیں۔ دس سال کا لڑکا بالغ نہیں ہے اور بیس سال کا لڑکا بالغ ہے۔ لہٰذا بلوغت کی عمر ان دونوں کے درمیان متردّد ہے۔ اس تردّد کا ازالہ رائے اور استدلال سے ہوتا ہے۔ اسی طرح غصب شدہ اور ضائع ہونے والی چیز کی قیمت معلوم کرنا، مہر مثل اور

۱۔ المحرر فی أصول الفقه ۲/۸۵

۲۔ عبدالعزیز بخاری، کشف الأسرار ۳/۳۲۵

۳۔ أصول الجصاص ۲/۱۷۵۔ سنن الدارقطنی، باب المهر ۳/۲۴۵

۴۔ کتاب الحجة علی أهل المدینة ۳/۴۳۳۔ أصول الجصاص ۲/۱۷۵۔ سنن الدارقطنی، باب المهر ۳/۳۲۲

۵۔ سنن الدارقطنی، کتاب الحیض ۱/۲۰۹۔ أصول الجصاص ۲/۱۷۵

۶۔ أصول الجصاص ۲/۱۷۵۔ المحرر فی أصول الفقه ۲/۸۵-۸۶۔ عبدالعزیز بخاری، کشف الأسرار ۳/۳۲۵

نفقہ کی مقدار معلوم کرنا اور سفیہ کو مال دینے کی عمر متعین کرنا رائے سے معلوم ہوتی ہے(۱)۔

فقہائے احناف کے نزدیک قیاس کا مخالف قولِ صحابی بھی حجت ہے(۲)۔لہٰذا وہ حضرت عائشہؓ کے قول کی پیروی میں ایسی بیع فاسد(۳) قرار دیتے ہیں جس میں فروخت شدہ چیز کو کم قیمت پر دوبارہ خرید لیا گیا ہو۔قیاس کی رو سے ایسی بیع جائز ہے،لیکن یہ قیاس حضرت عائشہؓ کے قول کے خلاف تھا،لہٰذا احناف نے قولِ صحابی کے مقابلہ میں قیاس کو ترک کر دیا(۴)۔علاء الدین سمرقندیؒ کہتے ہیں: ہمارے بعض مشائخ کے نزدیک اگر قولِ صحابی موافق قیاس ہے تو صحابی کی تقلید واجب ہے،ورنہ ایسا قول واجب نہیں ہے(۵)۔

۱۔ عبدالعزیز بخاری، كشف الأسرار ۳/۳۲۷

۲۔ المحرر في أصول الفقه ۲/۸۵

۳۔ جمہور فقہاء کی نظر میں فاسد اور باطل ایک ہی چیز اور مترادف الفاظ ہیں۔جمہور کے مطابق اگر کوئی فعل اپنے ارکان وشرائط کے ساتھ وقوع پذیر نہ ہو یا اس کے کسی رکن یا شرط میں خلل واقع ہو جائے تو ایسا فعل باطل یا فاسد ہے۔اس پر کوئی شرعی نتیجہ مرتب نہیں ہوتا۔لہٰذا باطل نماز فاسد نماز کے مانند اور باطل بیع فاسد بیع کے مانند ہے۔

احناف نے فاسد اور باطل میں فرق کیا ہے۔ان کی رائے میں باطل وہ فعل ہے جس کے ارکان میں سے کوئی رکن پورا ہونے سے رہ جائے یا اس میں خلل واقع ہو جائے۔فاسد وہ فعل ہے جس کے ارکان تو پورے ہو جائیں لیکن اس کے اوصاف میں سے کوئی وصف پورا ہونے سے رہ جائے یا اس میں خلل واقع ہو جائے۔گویا باطل وہ فعل ہے جو اپنی اصل اور وصف دونوں اعتبار سے صحیح نہ ہو۔فاسد وہ فعل ہے جو اپنی اصل کے اعتبار سے تو صحیح ہے لیکن اپنے کسی وصف کے اعتبار سے صحیح نہ ہو۔اگر نماز ادا کرنے کے دوران اس کا کوئی رکن رہ جائے مثلاً رکوع نہیں کیا،یا کوئی شرط پوری نہ ہو جیسے وضو کے بغیر نماز ادا کر لی،تو ایسی نماز جمہور فقہاء کے نزدیک باطل ہے۔لیکن احناف کے مطابق اگر رکوع رہ جائے تو نماز باطل اور اگر وضو رہ جائے تو نماز فاسد ہے۔اگر کوئی بیع ناجائز شرط کے ساتھ کی جائے مثلاً حرام چیز جیسے مردار یا شراب کی بیع یا سود کے ساتھ بیع تو وہ جمہور کے نزدیک باطل اور احناف کے ہاں فاسد ہے۔

تمام فقہاء کے نزدیک عبادات میں باطل اور فاسد کے مابین فرق نہیں ہے۔لہٰذا باطل روزہ یا فاسد روزہ دونوں پر کوئی شرعی اثر ونتیجہ مرتب نہیں ہوتا۔مکلّف پر سے فرض یا واجب ساقط نہیں ہوتا۔اگر باطل یا فاسد ہونے والے فعلِ عبادت کو ادا کرنے کا وقت ابھی باقی ہے تو اسے دہرائے اور اگر وقت گزر گیا ہے تو اس عبادت کی قضاء کرے۔

جہاں تک معاملات کا تعلق ہے،جمہور فقہاء کے نزدیک کسی معاملہ کے باطل یا فاسد ہو جانے پر کوئی شرعی نتیجہ مرتب نہیں ہوتا۔لہٰذا باطل نکاح فاسد نکاح کے مانند ہے۔نکاح کرنے والے مرد وعورت ایک دوسرے سے فائدہ حاصل نہیں کر سکتے اور مہر،عدّت اور نسب ثابت نہیں ہوں گے۔احناف بھی باطل معاملات پر کوئی شرعی نتیجہ مرتب نہیں کرتے۔البتہ وہ فاسد معاملات پر بعض نتائج مرتب کرتے ہیں۔مثلاً ایک فاسد نکاح میں زوجین کے مابین جسمانی تعلق قائم ہو جانے پر مہر کی ادائیگی واجب ہے،طلاق ہونے پر مطلقہ کو عدّت گزارنا ہوگی اور پیدا ہونے والے بچے کا نسب ثابت ہوگا۔

جب کوئی فعل شریعت کے مقرر کردہ ارکان وشرائط کے ساتھ سرانجام پائے تو وہ درست فعل ہے۔اس پر شرعی نتائج مرتب ہوتے ہیں۔وہ مکلّف کی طرف سے ادا ہو جاتا ہے اور اس پر سے فعل کی قضا ساقط ہو جاتی ہے۔تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: علم أصول الفقه ص۱۲۵ ومابعد۔جامع الأصول اردو ترجمہ الوجيز في أصول الفقه ص۴۸ ومابعد۔قواعد اصولیہ میں فقہاء کا اختلاف اور فقہی مسائل پر اس کا اثر ص۳۵۳ ومابعد

۴۔ عبدالعزیز بخاری، كشف الأسرار ۳/۳۲۵

۵۔ ميزان الأصول ص ۴۸۱

ابو زید دبوسیؒ، ابوالیسر بزدویؒ اور علاء الدین سمرقندیؒ کہتے ہیں: تقلیدِ صحابی کے مسئلہ میں ہمارے متقدمین اصحاب سے کوئی مذہب ثابت نہیں ہے(۱)۔ مثلاً امام ابوحنیفہؒ کا ایک قول ہے: جب صحابہؓ ایک چیز پر جمع ہو گئے تو ہم انہیں تسلیم کر لیں گے اور جب تابعین جمع ہوئے تو ہم ان سے بحث کریں گے(۲)۔ آپ کا ایک اور قول ہے: جب ثقہ لوگوں سے کوئی حدیث آئی تو ہم اسے لیں گے، جب صحابہ کرامؓ سے کچھ آیا تو ہم ان کے اقوال سے باہر نہیں جائیں گے اور جب تابعین سے کچھ آیا تو میں ان سے بحث کروں گا(۳)۔

ابوالحسن کرخیؒ کہتے ہیں کہ انہوں نے کئی مسائل میں امام ابو یوسفؒ سے یہ سنا: قیاس یوں کہتا ہے لیکن میں اسے اثر کی وجہ سے چھوڑتا ہوں، وہ اثر ایسا قولِ صحابی ہے جس کے خلاف کسی اور صحابی کا قول معلوم نہ ہو(۴)۔ امام ابو یوسفؒ کی یہ رائے اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ قیاس پر قولِ صحابی مقدم ہے۔

امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک بیع سَلَم (۵) میں اصل سرمایہ کی مقدار بیان کرنا شرط ہے کیونکہ ایسا حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے۔ لیکن امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے مطابق راس المال کی مقدار بیان کرنا شرط نہیں ہے بلکہ اشارہ کر دینا کافی ہے(۶)۔ یہاں صاحبین یعنی امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ نے قولِ صحابی کی تقلید نہیں کی ہے۔

صاحبین کے مطابق اجیر مشترَک (۷) کے پاس سامان کسی ایسے سبب سے ضائع ہو جائے جس سے بچنا ممکن تھا تو وہ اس کا ضامن یعنی نقصان کا ذمہ دار ہے۔ انہوں نے یہ حضرت علیؓ سے لیا ہے۔ امام ابوحنیفہؒ نے حضرت علیؓ کے قول سے اختلاف کر کے اجیر مشترک کو امین قرار دیا ہے اور اسے ضائع شدہ مال کا ضامن نہیں بنایا ہے(۸)۔

اگر کسی نے اپنی حاملہ بیوی سے کہا: تجھے تین طلاقِ سنّت ہیں، تو امام محمدؒ کے نزدیک ایک طلاقِ سنّت واقع ہوتی ہے۔ یہ حضرت جابرؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے۔ امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ نے اس کی مخالفت کی ہے۔ ان دونوں حضرات کے نزدیک حاملہ پر تین طلاقِ سنّت واقع ہوں گی(۹)۔

۱۔ تقویم الأدلّة ص ۲۵۶۔ عبدالعزیز بخاری، کشف الأسرار ۳/۳۲۴۔ میزان الأصول ص ۴۸۱

۲۔ أصول الجصاص ۲/۱۷۲۔ تقویم الأدلّة ص ۲۵۶۔ میزان الأصول ص ۴۸۱۔ المحرر فی أصول الفقه ۱/۲۳۵

۳۔ أخبار أبی حنیفة و أصحابه ص ۱۰-۱۱

۴۔ أصول الجصاص ۲/۱۷۲۔ المحرر فی أصول الفقه ۲/۸۲

۵۔ بیع سَلَم: ایسی بیع جس میں چیز کی قیمت پیشگی ادا کر دی جاتی ہے اور اس چیز کی سپرداری مستقبل میں ہوتی ہے۔

۶۔ عبدالعزیز بخاری، کشف الأسرار [illegible] تقویم الأدلّة ص ۲۵۶۔ المحرر فی أصول الفقه ۲/۸۲

۷۔ اجیر مشترَک سے مراد کاریگر مثلاً بڑھئی، دھوبی اور رنگریز وغیرہ ہیں جو لوگوں کے کام اجرت پر کرتے ہیں۔

۸۔ عبدالعزیز بخاری، کشف الأسرار ۳/۳۲۴، ۳۲۵۔ تقویم الأدلّة ص ۲۵۶۔ المحرر فی أصول الفقه ۲/۸۲

۹۔ حوالہ جات بالا

عبدالعزیز بخاریؒ نے ابوالیسر بزدویؒ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ تقلیدِ صحابی کے وجوب پر امام ابوحنیفہؒ سے تین اقوال بیان کیے جاتے ہیں:

۱۔ ہر صحابی کی تقلید واجب اور اس کا قول قیاس پر مقدم ہے۔ ابوالحسن کرخیؒ اور حنفی اصولیین کی ایک جماعت نے یہی قول اختیار کیا ہے۔

۲۔ اگر قولِ صحابی موافقِ قیاس ہے تو تقلید واجب ہے، ورنہ نہیں ہے۔ ابوسعید البردعیؒ اور اکثر اصحاب ابوحنیفہؒ نے اسی قول کی طرف میلان کیا ہے۔ شمس الأئمہ سرخسیؒ نے اپنی کتاب المبسوط میں بھی یہی ذکر کیا ہے۔ لیکن کسی فقیہ صحابی کا خلافِ قیاس قول حجت ہے اور اس کے مقابلہ میں قیاس ترک کر دیا جائے گا۔

۳۔ صرف فقہاء صحابہ کرامؓ کی تقلید واجب ہے (۱)۔

امام ابوحنیفہؒ سے مروی ایک قول ہے: جب کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں کسی مسئلہ کا حکم نہ ہو تو میں صحابہؓ کے اقوال میں دیکھتا ہوں اور ان سے باہر نکل کر دوسروں کے اقوال کی طرف نہیں جاتا۔ جب معاملہ ابراہیمؒ، شعبیؒ، ابن سیرینؒ، حسنؒ، عطاؒ اور سعید بن جُبیرؒ - اور امام ابوحنیفہؒ نے کئی لوگوں کے نام گنے - تک پہنچے تو انہوں نے اجتہاد کیا تھا، میں بھی اجتہاد کروں گا جیسے انہوں نے اجتہاد کیا تھا (۲)۔

امام ابوحنیفہؒ کا قول ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے جو کچھ آیا، وہ سر آنکھوں پر، جو صحابہ کی طرف سے آیا اسے ہم اختیار کریں گے اور جو دوسروں کی طرف سے آیا تو وہ بھی آدمی تھے اور ہم بھی آدمی ہیں (۳)۔

آپ کا ایک اور قول یہ ہے: ہم شدید ضرورت کے سوا قیاس نہیں کرتے۔ ہم مسئلہ کی دلیل جاننے کے لیے سب سے پہلے کتاب وسنت یا صحابہؓ کے فیصلوں میں دیکھتے ہیں۔ اگر ہم دلیل نہ پائیں تو پھر اتحادِ علّت کی بنا پر مسکوت عنہ کو منطوق بہ پر قیاس کرتے ہیں (۴)۔ یعنی جس مسئلہ کے شرعی حکم کے بارے میں قرآن یا سنّتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا اقوالِ صحابہؓ خاموش ہوں تو اشتراکِ علّت کی وجہ سے میں اس مسئلہ کو ایسے مسئلہ پر قیاس کرتا ہوں جس کا شرعی حکم قرآن، یا سنّتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا اقوالِ صحابہؓ میں پایا جاتا ہو۔

امام ابوحنیفہؒ کا یہ قول بھی ہے: مجھے ان لوگوں پر حیرت ہے جو کہتے ہیں کہ میں رائے سے فتویٰ دیتا ہوں۔ میں تو صرف اثر سے فتویٰ دیتا ہوں (۵)۔

۱۔ عبدالعزیز بخاری، کشف الأسرار ۳/۲۲۳

۲۔ الإنتقاء ص ۱۴۳۔ مزید ملاحظہ ہو: تاریخ بغداد ۱۳/ ۳۶۸۔ أخبار أبی حنیفة وأصحابه ص ۱۰

۳۔ سِیَر أعلام النبلاء ۶/ ۴۰۱

۴۔ المیزان الکبریٰ ۱/ ۶۵

۵۔ عقود الجمان ص ۱۷۴

امام ابوحنیفہؒ کے مندرجہ بالا اقوال سے معلوم ہوا کہ آپ قرآن وسنت کے بعد آثارِ صحابہؓ سے دلیل لیتے، ان کی تقلید کرتے اور ان سے باہر نہیں جاتے تھے۔ اگر کسی صحابی کا قول نہ ملے تو پھر امام ابوحنیفہؒ اجتہاد اور قیاس سے کام لیتے تھے۔

مالکی اصولیین کا موقف

امام مالکؒ کے نزدیک قولِ صحابی حجت ہے (۱)۔ آپ کو حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا یہ قول بہت پسند تھا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سنت جاری فرمائی اور آپ کے بعد آپ کے خلفاء راشدینؓ ہمارے لیے سنت ہیں۔ ان کی سنت کو لینا کتاب اللہ کی تصدیق، اطاعتِ الٰہی کی تکمیل اور دین اللہ کے لیے قوت ہے۔ اس سنت میں تبدیلی کا کسی کو اختیار نہیں ہے۔ اس سے اختلاف کرنے والے کی رائے کی طرف دیکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ جس کسی نے اس سنت پر عمل کیا اس نے ہدایت پائی، جس نے اس سے مدد حاصل کی وہ کامیاب ہوا اور جس نے اس سنت کی مخالفت کی وہ سبیل المومنین کی بجائے کسی اور راستہ پر چلا۔ جس کسی نے اس سے منہ پھیرا، اللہ تعالیٰ اس سے اپنی توجہ ہٹا لے گا اور اسے جہنم میں داخل کرے گا اور وہ بہت برا ٹھکانا ہے (۲)۔

ابن عبدالبرؒ کا کہنا ہے کہ جو کچھ صحابہ کرامؓ کی طرف سے صحیح ثابت ہے، وہ ایسا علم ہے جسے بطور دین اختیار کیا جائے گا (۳)۔

مالکی علماء نے اقوالِ صحابہؓ کو بطور سنت ہی لیا ہے (۴)۔ امام شاطبیؒ نے فرمایا ہے سُنَّةُ الصَّحَابَةِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ سُنَّةٌ يُعْمَلُ عَلَيْهَا وَ يُرْجَعُ إِلَيْهَا، سنتِ صحابہؓ بھی سنت کی ایک قسم ہے، اس پر عمل اور اس کی طرف رجوع کیا جائے گا (۵)۔

الموافقات فی أصول الشریعة کے شارح نے امام شاطبیؒ کے اس قول کی شرح میں لکھا ہے: صحابہ کرامؓ کی سنت سے مراد عملی سنت ہے، یعنی صحابہ کرامؓ نے کوئی عمل کیا اور اس کے موافق یا مخالف کوئی سنتِ نبوی منقول نہ ہو تو ہم صحابہ کرام کا یہ عمل سنتِ نبوی میں شمار کرتے ہیں اور اس کی پیروی کرتے ہیں۔ اس بنا پر امام شاطبیؒ کا یہ کہنا کہ اقوالِ صحابہؓ معتبر ہیں اور اُن پر عمل قابلِ اقتداء ہے تو اس میں قول سے مراد قولِ تکلیفی ہے یعنی جس سے کسی

۱۔ التبصرة فی أصول الفقه ص ۳۹۵۔ آمدی، الإحکام فی أصول الأحکام ۳۸۵/۴۔ البحر المحیط فی أصول الفقه ۵۴/۶۔ نهایة السول ۴/۸جم

۲۔ الموافقات فی أصول الشریعة ۷۹/۴

۳۔ جامع بیان العلم وفضله ۹۴۶/۲

۴۔ مالك، حیاته وعصره، آراؤه وفقهه ص ۲۶۶

۵۔ الموافقات فی أصول الشریعة ۷۴/۴

شرعی حکم کی ذمہ داری عائد ہوتی ہو، مثلاً صحابہؓ حج کے موقع پر کسی مخصوص جگہ پر تکبیر اور تلبیہ کہتے ہیں۔قول سے مراد اُن کی ذاتی رائے اور اجتہاد نہیں ہے(۱)۔

محی الدین نوویؒ کے مطابق امام مالکؒ قولِ صحابی کو اس حیثیت سے نہیں لیتے تھے کہ وہ کسی صحابی کی رائے ہے، بلکہ وہ اسے ایسی حدیث کے طور پر لیتے تھے جسے صحابی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف مُسنَد نہیں کیا، یعنی اس کی سند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک نہیں پہنچائی اور یہ نہیں کہا کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔اسی لیے امام مالکؒ بعض اوقات موقوف حدیث یعنی جس کی سند صحابی تک پہنچے، کو مرفوع حدیث یعنی جس کی سند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچے، پر مقدم کرتے ہیں(۲)۔حافظ ابن قیمؒ نے لکھا ہے کہ امام مالکؒ قولِ صحابی کو قیاس پر مقدم کرتے ہیں(۳)۔

جدید اصولیین بھی امام مالکؒ کے بارے میں لکھتے ہیں: امام مالکؒ صحابہ کرامؓ کے فتاویٰ کو واجب سمجھتے تھے۔امام مالکؒ ان فتاویٰ کو سنت کی ایک شاخ اور فقہی مصادر میں سے ایک مصدر کے طور پر لیتے تھے(۴)۔

البتہ ابن حاجبؒ کے مطابق قولِ صحابی حجت نہیں ہے(۵) اور قاضی عبدالوہابؒ کے نزدیک مالکی مذہب سے یہی صحیح ہے کیونکہ امام مالکؒ نے وجوبِ اجتہاد اور جس طرف صحیح غور و فکر لے جائے، اس کے اتباع پر زور دیا ہے اور کہا ہے: اختلافِ صحابہؓ میں اتنی شدت نہیں ہے۔یہ اختلاف تو محض صواب یعنی درست و صحیح ہے یا خطا ہے(۶)۔

مندرجہ بالا بحث سے یہ پتہ چلتا ہے کہ مالکی اصولیین قولِ صحابی کو حجت، اسے قیاس پر مقدم اور سنت کی ایک قسم قرار دیتے ہیں۔

شافعی علمائے اصول کا نقطہ نظر

امام شافعیؒ کا قولِ قدیم یہ ہے کہ صحابی کا قول حجت اور قیاس پر مقدم ہے(۷)۔امام شافعیؒ نے اپنی کتاب الرسالة میں لکھا ہے: میں نے کہا: جب قرآن، سنت اور اجماع میں مجھے کچھ نہ ملے یا ایسی دلیل بھی نہ ملے جو ان کے ہم معنی ہو، تو میں صحابی کے منفرد قول کا اتباع کرتا ہوں، بالخصوص جب اس قولِ صحابی کے ساتھ قیاس بھی ہو یعنی

۱۔ الموافقات فی أصول الشریعة، حاشیہ ۴/۷۴
۲۔ المجوع شرح المهذب ۱۹/۱۳۰
۳۔ اعلام المؤقعین ۱/۳۲
۴۔ الوجیز المیسر فی اصول الفقه المالکی ۱/۱۲۵
۵۔ منتهی الوصول والأمل ص ۲۰۶
۶۔ البحر المحیط فی أصول الفقه ۶/۵۴
۷۔ التبصرة فی أصول الفقه ص ۳۹۵۔ اللمع فی أصول الفقه ص ۹۵۔ البحر المحیط فی أصول الفقه ۶/۵۴۔ الإبهاج فی شرح المنهاج ۳/۱۹۲۔ البرهان فی أصول الفقه ۲/۱۳۶۲

اس قول کی تائید قیاس بھی کرتا ہو(۱)۔

بیہقیؒ نے امام شافعیؒ کا یہ قول نقل کیا ہے: ہم نے جن کو پایا ہے یا ہمارے علاقہ کے جن لوگوں سے ہمیں بیان ہوا ہے وہ یہ ہے کہ انہیں جس مسئلہ میں حدیث نہ ملتی تو وہ متفق علیہ قولِ صحابہؓ کو لیتے تھے۔ اگر صحابہؓ کا اختلاف ہو تو ان میں سے کسی ایک کا قول لے لیتے تھے۔ ہم بھی یہی کہتے ہیں۔ ہم ان کے اقوال سے باہر نہیں جاتے۔ اگر صحابہؓ میں سے کسی نے قول کہا جس کے خلاف کسی اور صحابی کا قول نہیں ہے تو ہم اسے لے لیتے ہیں(۲)۔

امام شافعیؒ کے قولِ قدیم میں یہ بھی ہے کہ اگر کسی مسئلہ پر صحابہؓ کے اختلافی اقوال ہوئے تو ہم ان میں سے بعض کا قول لیں گے اور ان سب کے اقوال سے باہر نہیں جائیں گے(۳)۔

امام شافعیؒ نے علم کے پانچ طبقات گنوائے ہیں:

۱۔ کتاب اللہ اور سنت ثابتہ

۲۔ اجماع، اگر کسی مسئلہ میں کتاب وسنت سے کچھ نہ ملے

۳۔ قولِ صحابی، جب کسی صحابی کا مخالف قول معلوم نہ ہو۔

۴۔ اختلافِ صحابہؓ اور

۵۔ قیاس(۴)۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ امام شافعیؒ کے نزدیک کتاب اللہ، سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اجماع کے بعد قولِ صحابی کا درجہ ہے اور قیاس پر قولِ صحابی مقدم ہے۔

امام شافعیؒ کا قولِ جدید یہ نقل کیا گیا ہے کہ قولِ صحابی حجت نہیں ہے، اس کی تقلید واجب نہیں ہے اور اس پر قیاس مقدم ہے(۵)۔ جوینیؒ نے لکھا ہے کہ امام شافعیؒ اپنے قولِ قدیم کے مطابق قولِ صحابی کو حجت تسلیم کرتے تھے، پھر آپ سے یہ نقل ہوا ہے کہ آپ نے اس سے رجوع کر لیا تھا۔ غالب گمان یہ ہے کہ آپ نے وہ اقوال حجت ماننے سے رجوع کیا جو موافق قیاس تھے، نہ کہ وہ جو مخالفِ قیاس تھے(۶)۔ محی الدین نوویؒ کے بقول جس مسئلہ میں امام شافعیؒ سے دو اقوال ہوں، ایک قدیم اور ایک جدید، تو قولِ جدید صحیح ہے اور اس پر عمل ہوگا، کیونکہ قولِ قدیم مرجوح

۱۔ الرسالة ص ۵۹۸

۲۔ مناقب الشافعي ۱/۴۴۳

۳۔ البحر المحيط في أصول الفقه ۶/۵۴

۴۔ معرفة السنن والآثار ۱/۱۸۴

۵۔ التبصرة في أصول الفقه ص ۳۹۵۔ تخريج الفروع على الأصول ص ۱۷۹۔ قواطع الأدلة ۲/۹

۶۔ البرهان في أصول الفقه ۲/۱۳۶۲

ہے۔قدیم اقوال اب امام شافعیؒ کا مذہب نہیں ہے۔آپ نے اپنے جدید اقوال میں قدیم اقوال کے خلاف موقف اختیار کیا ہے(۱)۔

زرکشیؒ کے مطابق امام شافعیؒ کے قولِ جدید میں بھی دو موقف ہیں:ایک موقف قولِ قدیم کے موافق ہے۔ اکثر اصحاب نے قولِ قدیم کے موافق قول کو امام شافعیؒ سے نقل کرنے میں غفلت سے کام لیا ہے۔آپ کے جدید موقف میں ایک قول یہ ہے کہ قولِ صحابی حجت اور قیاس پر مقدم ہے۔انہوں نے اس کی وضاحت اپنی تحریر إختلاف مع مالك میں کی ہے(۲)۔إختلاف مع مالك کی متعدد مثالیں امام شافعیؒ کی کتاب الأم میں موجود ہیں۔ امام شافعیؒ کی کتابِ جدید الأم ہے(۳) جسے انہوں نے اسے مصر میں لکھا تھا(۴)۔آپ نے اپنی جدید کتب مصر میں تحریر کی تھیں(۵)۔امام شافعیؒ نے اپنی زندگی کے آخری سال مصر میں گزارے اور وہیں وفات پائی تھی(۶)۔

امام شافعیؒ کا ایک قول ہے:میں اس شخص کے قول کی خاطر حدیث کیسے ترک کردوں کہ اگر میں اس کا زمانہ پاتا تو اس سے بحث کرتا۔امام شافعیؒ کا یہ قول نقل کرنے کے بعد شاطبیؒ لکھتے ہیں:اس کے باوجود امام شافعیؒ صحابہ کرامؓ کی قدر و عظمت جانتے تھے(۷)۔

زرکشیؒ کے علاوہ بعض غیر شافعی علماء نے بھی یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ امام شافعیؒ کے قولِ جدید کے مطابق بھی قولِ صحابی حجت ہے۔مثلاً ابن قیمؒ حنبلی نے لکھا ہے:امام شافعیؒ کا قدیم و جدید قول یہی ہے کہ قولِ صحابی حجت ہے(۸)۔قولِ جدید میں بھی امام شافعیؒ سے ثابت ہے کہ صحابہؓ کے اقوال حجت ہیں اور ان کی طرف رجوع کرنا واجب ہے۔امام شافعیؒ فرماتے ہیں:نئے امور کی دو اقسام ہیں:ان میں سے ایک قسم ان امور کی ہے جو قرآن یا سنّت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا اجماع یا اثر کے خلاف ہوں۔یہ بدعت و گمراہی کے کام ہیں۔یہ قول نقل کرنے کے بعد حافظ ابن قیمؒ لکھتے ہیں:امام شافعیؒ کے راوی ربیعؒ نے ان سے مصر میں استفادہ کیا ہے۔یہاں امام شافعیؒ نے اثر یعنی قولِ صحابی کی مخالفت کو گمراہی قرار دیا ہے۔اثر نہ تو قرآن مجید ہے،نہ سنّت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور نہ ہی اجماع ہے۔اس سے ثابت ہوا کہ امام شافعیؒ کے نزدیک قولِ صحابی حجت ہے۔قولِ جدید قولِ قدیم کے مطابق ہے(۹)۔

۱۔ المجموع شرح المهذب ۶۶/۱ ومابعد

۲۔ البحر المحيط فی أصول الفقه ۶/۵۵،۶۰۔ ملاحظہ ہو: الأم، کتاب اختلاف مالك و الشافعی ۲۰۱/۷

۳۔ توضيح الأفكار ۲۶۶/۱

۴۔ الرسالة، المقدمة ص ۹

۵۔ المجموع شرح المهذب ۹/۱

۶۔ تاريخ بغداد ۵۶/۲

۷۔ الموافقات فی أصول الشريعة ۷۸/۴

۸۔ اعلام الموقعين ۱۲۰/۴

۹۔ حوالہ بالا ۱۲۲/۴

امام شافعیؒ کے آخری تصرفات سے ثابت ہوتا ہے کہ قولِ صحابی حجت ہے۔ مثلاً دادا اور بہنوں کی میراث کے مسئلہ میں امام شافعیؒ فرماتے ہیں: یہ وہ مذہب ہے جسے ہم نے حضرت زید بن ثابتؓ سے لیا ہے، بلکہ ہم نے اکثر احکامِ میراث انہی سے لیے ہیں(۱)۔

ایک رائے یہ ہے کہ امام شافعیؒ کے قولِ جدید کے تحت تصرفات سے پتہ چلتا ہے کہ قولِ صحابی دو صورتوں میں حجت ہے: ایک یہ کہ قول اس مسئلہ میں ہو جس میں اجتہاد کا دخل و مجال نہیں ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ اگر اس مسئلہ میں مجالِ اجتہاد ہے تو قولِ صحابی کی موافقت میں قرآن یا سنّت کی کوئی نص موجود ہو، جیسے میراث کے مسائل میں امام شافعیؒ نے حضرت زید بن ثابتؓ کی تقلید کی ہے(۲)۔ حضرت زید بن ثابتؓ کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

اَفْرَضُهُمْ زَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ (۳)

صحابہؓ میں میراث کا علم سب سے زیادہ جاننے والے حضرت زید بن ثابتؓ ہیں۔

جمہور علمائے شافعیہ کے نزدیک قولِ صحابی حجت نہیں ہے۔ ان میں ابواسحاق شیرازیؒ، جوینیؒ، ابوالمظفر سمعانیؒ، غزالیؒ، ابن برہان بغدادیؒ، فخر الدین رازیؒ، آمدیؒ، قاضی بیضاویؒ اور زرکشیؒ وغیرہ شامل ہیں (۴)۔ امام غزالیؒ اور ابن برہانؒ کے نزدیک قیاس کے مخالف مذہبِ صحابی کا اتباع کیا جائے گا(۵)۔ مقداروں کے بارے میں قولِ صحابی کو توقیف پر محمول کیا جائے گا، یعنی یہ سمجھا جائے گا کہ صحابی نے مقداروں کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے، جیسے حضرت عمرؓ نے مجوسی کی دیت آٹھ سو درہم مقرر کی تھی (۶)۔

دوسرے شافعی علماء کے مطابق مخالفِ قیاس قول کو توقیف پر محمول نہیں کیا جائے گا بلکہ وہ صحابی کا اجتہاد ہے اور اس پر قیاس مقدم ہے(۷)۔ ابوالمظفر سمعانیؒ کے مطابق کسی صحابی کا موافق قیاس قول حجت ہے(۸) اور ایسا

۱۔ اعلام المؤقعين ۸۰/۱

۲۔ البحر المحيط فی أصول الفقه ۶۳/۶

۳۔ صحيح الترمذی، کتاب المناقب، مناقب معاذ بن جبلؓ

۴۔ البحر المحيط فی أصول الفقه ۵۴/۶۔ التعارض والترجيح ۱۴۸/۱۔ التبصرة فی أصو ل الفقه ص ۳۸۶۔ البرهان فی أصول الفقه ۱۳۵۹/۲۔ قواطع الأدلّة ۱۰/۲۔ المستصفٰی ص ۱۶۸۔ المحصول فی علم أصول الفقه ۱۴۲۸/۴۔ آمدی، الإحكام فی أصول الأحكام ۳۸۵/۴۔ منهاج الوصول ۴۰۴/۶۔ الإبهاج فی شرح المنهاج ۲۷۱/۳۔ التحصيل من المحصول ۳۱۹/۲۔ اللمع فی أصول الفقه ص ۹۵

۵۔ المنخول من تعليقات الأصول ص ۴۷۸۔ الوصول إلى الأصول ۳۷۵/۲

۶۔ الوصول إلى الأصول ۳۷۵/۲

۷۔ التبصرة فی أصول الفقه ص ۳۹۹

۸۔ قواطع الأدلّة ۹/۲

قولِ صحابی جس میں اجتہاد کا دخل نہیں ہے، اس کی سند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نہیں کی جائے گی (۱)۔
فخر الدین رازیؒ کے نزدیک ایسا قولِ صحابی جس میں اجتہاد کی مجال نہ ہو، حجت ہے۔ رازیؒ کہتے ہیں کہ دو متعارض اور مخالف قیاسوں میں سے ایک کے ساتھ قولِ صحابی ہو تو اسے ترجیح دینا جائز ہے، لیکن اسے حجت نہیں بنایا جا سکتا (۲)۔
ایک رائے یہ ہے کہ اگر قولِ صحابی کے ساتھ ضعیف قیاس ہو تو یہ قول قوی قیاس سے اولیٰ ہے (۳)۔ ابن برہانؒ کے مطابق جو قول مخالفِ قیاس ہے، وہ حجت ہے اور مذہب شافعی سے یہی صحیح ہے (۴)۔

مندرجہ بالا بحث یہ واضح کرتی ہے کہ امام شافعیؒ کے نزدیک قرآن و سنت اور اجماع کے بعد قولِ صحابی حجت اور قیاس پر مقدم ہے۔ وہ مخالفِ قیاس قول کو حجت مانتے ہیں۔ جمہور علمائے شافعیہ کے نزدیک قولِ صحابی حجت نہیں ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ مخالفِ قیاس اور جس میں اجتہاد کا دخل نہ ہو ایسا قولِ صحابی حجت ہے، جبکہ دوسروں کے نزدیک یہ حجت نہیں ہے۔

حنبلی اصولیین کا مسلک

امام احمد بن حنبلؒ اور آپ کے اکثر اصحاب کے نزدیک قولِ صحابی مطلق حجت ہے، خواہ وہ موافقِ قیاس ہو یا مخالفِ قیاس۔ قیاس پر قولِ صحابی مقدم ہے (۵)۔ جس مسئلہ میں حدیث سے صراحتاً کوئی حکم نہ ملتا تو اس مسئلہ میں امام احمد بن حنبلؒ کا عمل یہ تھا کہ آپ صحابہ کرامؓ کے فتاویٰ سے باہر نہیں جاتے تھے (۶)۔ یہ تو نہیں کہا جا سکتا کہ امام احمد بن حنبلؒ حضرات صحابہؓ کے تمام فتاویٰ کو نقل و روایت کی قسم سے سمجھتے تھے، البتہ یہ ضرور ہے کہ آپ فہمِ دین اور اسلامی قانون میں صحابہؓ کے اقوال کو حدیثِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد دوسرا ماخذ قرار دیتے تھے (۷)۔

حنبلی اصولیین کے نزدیک مخالفِ قیاس قول توقیف پر محمول کیا جائے گا، یعنی یہ سمجھا جائے گا کہ صحابی نے جو بات مخالفِ قیاس کہی ہے اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہوگا۔ ایسا قول بظاہر واجب ہے (۸)۔ جن

۱۔ قواطع الأدلّة ۳۸۹/۱

۲۔ المحصول فی علم أصول الفقه ۱۰۴۹/۳ ومابعد

۳۔ اللمع فی أصول الفقه ص ۹۵۔ البحر المحیط فی أصول الفقه ۷۴/۶

۴۔ الوصول إلی الأصول ۳۷۱/۲

۵۔ المختصر فی أصول الفقه علی مذهب الإمام أحمد بن حنبل ص ۱۶۱۔ اعلام المؤقعین ۱۲۰/۴۔ شرح الکوکب المنیر ۴۲۲/۴۔ اتحاف ذوی البصائر ۱۳۳۹/۳۔ العدة فی أصول الفقه ۱۱۸۶/۴۔ التبصرة فی أصول الفقه ص۳۹۵

۶۔ اعلام المؤقعین ۵۷/۳

۷۔ إبن حنبل، حیاته وعصره، آراؤه وفقهه ص ۲۵۲

۸۔ المختصر فی أصول الفقه علی مذهب الإمام أحمد بن حنبل ص ۱۶۱

اموالِ مسلمین کو کفار لے چکے ہوں، پھر مسلمان ان پر قبضہ کر لیں اور مالک اپنا مال پالے تو امام احمدؒ کے نزدیک مالک اپنے مال کا سب سے پہلے حق دار ہے۔ لیکن اگر مالک مال کی تقسیم کے بعد اسے پائے تو پھر وہ اس کا حق دار نہیں ہے۔ ایسا حضرت عمرؓ نے فرمایا ہے۔ اگر قیاس سے کام لیا جاتا تو یہ مال مالک کا ہوتا(۱)۔

امام احمد بن حنبلؒ کا اصول تھا کہ آپ صحابہؓ کے فتاویٰ کو مُرسَل (۲) اور ضعیف (۳) حدیث پر مقدم کرتے تھے(۴)۔ اس سوال کے جواب میں کہ جب حدیث کے راوی ثقہ ہوں مگر وہ حدیث مُرسَل ہو، وہ آپ کو زیادہ پسند ہے یا صحابی کا فتویٰ جو متصل اور صحیح سند کے ساتھ ہو؟ آپ نے فرمایا: صحابی کا فتویٰ مجھے زیادہ پسند ہے(۵)۔

امام احمد بن حنبلؒ سے ایک روایت کے مطابق قولِ صحابی واجبِ تقلید نہیں ہے۔ ابن عقیلؒ نے یہ روایت صحیح قرار دی ہے(۶)۔ ابن عقیلؒ اور کلوذانیؒ کی رائے میں قولِ صحابی حجت نہیں ہے، خواہ وہ قول موافقِ قیاس ہو یا مخالفِ قیاس(۷)۔

معلوم ہوا کہ اکثر حنبلی اصولیین کے نزدیک قولِ صحابی حجت ہے، خواہ وہ موافقِ قیاس ہو یا مخالفِ قیاس۔ وہ مخالفِ قیاس قولِ صحابی کو توقیف پر محمول کرتے اور اسے مُرسَل اور ضعیف حدیث پر فوقیت دیتے ہیں۔

۱۔ اتحاف ذوی البصائر ۱۳۹۹/۳

۲۔ مُرسَل وہ حدیث ہے جو کسی تابعی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول، فعل یا تقریر کے بارے میں بیان کی ہو۔ اس حدیث کی سند کے آخر سے تابعی کے بعد والا راوی یعنی صحابی ساقط ہو۔ تابعی براہِ راست رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرے۔ محدثین کا مرسل حدیث کے حجت ہونے میں اختلاف ہے۔ معجم اصطلاحات حدیث ص ۳۲۶ ومابعد

۳۔ ضعیف وہ حدیث ہے جس میں صحیح اور حسن احادیث کی صفات نہ ہوں۔ کسی حدیث کو ضعیف قرار دینے کے لیے مختلف اسباب ہیں جو مجموعی طور پر ان دو امور میں واقع ہوتے ہیں: راوی میں عیب اور سند میں سقوط۔ ضعیف حدیث کا حکم یہ ہے کہ یہ قابل عمل نہیں ہے۔ کسی قسم کے احکام حتیٰ کہ فضائلِ اعمال میں بھی ضعیف احادیث سے اجتناب کرنا ضروری ہے۔ معجم اصطلاحات حدیث ص ۲۳۰ ومابعد

صحیح حدیث وہ ہے جس کی سند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک متصل ہو، اس کے تمام راوی عادل اور ضابط ہوں اور وہ اپنے جیسے راویوں سے نقل کریں۔ یہ کیفیت حدیث کی سند کے شروع سے لے کر آخر تک قائم رہے۔ مزید یہ کہ اس میں کوئی شذوذ یعنی انفرادیت یا کوئی مخفی علت نہ پائی جائے۔ معجم اصطلاحات حدیث ص ۲۱۸۔ اگر راوی کا ضبط ضعیف ہو یعنی راوی اپنی سنی ہوئی روایات کو اسی طرح یاد نہ رکھے یا احتیاط سے نہ لکھے جس طرح انہیں سنا تھا، تو حدیث حَسَن لِذَاتِہٖ ہے۔ حَسَن لِغَیْرِہٖ وہ ضعیف روایت ہے جو کئی سندوں سے ثابت ہو، مگر ضعف کا باعث اس روایت کے راوی کا فسق یا کذب نہ ہو۔ معجم اصطلاحات حدیث ص ۱۶۶ ومابعد

۴۔ إبن حنبل، حیاته وعصره، آراؤه وفقهه ص ۱۵۱

۵۔ اعلام الموقعین ۲۹/۱

۶۔ الواضح فی أصول الفقه ۲۱۰/۵

۷۔ الواضح فی أصول الفقه ۲۱۰/۵، ۲۱۶۔ التمهید فی أصول الفقه ۱۹۵/۳، ۳۳۱ ومابعد

ظاہری، اشعری، معتزلی اور دیگر علماء کی آراء

فقہی مذہب ظاہری (۱) کے امام ابن حزمؒ (۲)، ان کے علاوہ شوکانیؒ (۳)، اشاعرہ (۴) اور معتزلہ (۵) قولِ صحابی کو حجت نہیں مانتے۔ معتزلی عالم ابوعلی جبائیؒ قولِ صحابی کو حجت مانتے ہیں (۶)۔ ابوالحسین بصریؒ معتزلی کے نزدیک اگر قول ایسا ہے جس میں رائے اور اجتہاد کا دخل نہیں ہے تو وہ حجت ہے (۷)۔

قائلین کے دلائل

منفرد قولِ صحابی کو حجت و شرعی دلیل تسلیم کرنے والوں نے اپنے موقف کی تائید میں قرآن مجید، احادیث، آثار اور عقلی دلائل دیئے ہیں (۸)۔ چند اہم دلائل یہ ہیں:

قرآن سے استدلال

۱۔ كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ تَنْهَوْنَ عَنِ

۱۔ ظاہری وہ دبستانِ فقہ ہے جو قرآنی آیات اور احادیث کے ظاہری معانی پر انحصار کرتے ہوئے احکام اخذ کرتا ہے۔ اس لیے یہ فقہ ظاہری کہلاتا ہے۔ ان کے ہاں کسی تاویل یا علت کی بنا پر نصوص کے ظاہری معانی ترک نہیں کیے جاتے، اور نہ کسی نص میں علت تلاش کر کے اس نص کے حکم میں ایسی عمومیت پیدا کی جاتی ہے کہ جہاں وہ علت پائی جائے وہاں اس حکم کا اطلاق کر دیا جائے۔ اس مسلک کے بانی امام داؤد بن علی اصفہانیؒ (م ۲۷۰ھ) تھے۔ تفصیل ملاحظہ ہو: علم اصولِ فقہ: ایک تعارف، جلد ۳، ص ۳۷۷

۲۔ ابن حزم، الإحكام في أصول الأحكام ۵۴/۶

۳۔ ارشاد الفحول ص ۴۰۶

۴۔ آمدی، الإحكام في أصول الأحكام ۳۸۵/۴۔ الواضح في أصول الفقه ۲۱۰/۵۔ الإبهاج في شرح المنهاج ۱۹۲/۳۔ نهاية الوصول ۳۹۸۱/۸

اشاعرہ کو امام ابوالحسن اشعریؒ (م ۳۳۰ھ) سے منسوب کیا جاتا ہے جنہوں نے معتزلی عقائد (ان کا تعارف صفحہ ۲۲۰ کے حاشیہ میں گزر چکا ہے) کے خلاف بھرپور کام کیا اور محدثین وفقہاء کا ساتھ دیا۔ اشاعرہ نے نقل یعنی قرآن، سنت اور آثارِ صحابہؓ اور عقل دونوں کی راہ اختیار کی۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: استاذ محمد ابوزہرہؒ کی کتاب: المذاهب الإسلامية ص ۲۶۵

۵۔ آمدی، الإحكام في أصول الأحكام ۳۸۵/۴۔ البحر المحيط في أصول الفقه ۵۴/۶۔ نهاية الوصول ۳۹۸۱/۸۔ الواضح في أصول الفقه ۴۰/۵

۶۔ التبصرة في أصول الفقه ص ۳۹۵

۷۔ المعتمد في أصول الفقه ۱۷۴/۲

۸۔ الموافقات في أصول الشريعة ۷۴/۴ ومابعد۔ آمدی، الإحكام في أصول الأحكام ۳۸۶/۴ ومابعد۔ العدة في أصول الفقه ۱۱۸۶/۴ ومابعد۔ المحرر في أصول الفقه ۸۵/۲۔ أصول الجصاص ۱۷۳/۲۔ نفائس الأصول ۲۶۶۶/۶۔ عبدالعزیز بخاری، کشف الأسرار ۳۳۰/۳۔ اعلام الموقعين ۱۲۴/۴ ومابعد۔ اتحاف ذوي البصائر ۱۳۴۵/۳

الْمُنْكَرِ وَ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ(۱)

تم بہترین گروہ ہو جو انسانوں کی ہدایت کے لیے لایا گیا ہے، تم نیک کام کرنے کا حکم دیتے ہو اور بُرے کاموں سے منع کرتے ہو اور اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہو۔

اس آیت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ تمام امتوں پر صحابہ کرامؓ کو فضیلت حاصل ہے۔ وہ ہر حال میں حق پر استقامت رکھنے والے تھے۔ صحابہ کرامؓ کے تمام احوال اس لائق ہیں کہ ان کی موافقت کی جائے اور ان کی مخالفت نہ کی جائے۔ اس آیت کے مخاطب صحابہ کرامؓ ہیں۔ وہ جس چیز کا حکم دیتے ہیں وہ معروف و نیکی ہے اور امر بالمعروف کو قبول کرنا واجب ہے۔

۲۔ وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَ يَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا (۲)

اور اسی طرح ہم نے تمہیں اُمتِ وسط بنایا ہے تا کہ تم لوگوں پر گواہ بنو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تم پر گواہ بنیں۔

اس آیت سے عدالتِ صحابہؓ قطعی طور پر ثابت ہوتی ہے۔ جب یہ ثابت ہو گیا کہ صحابہ کرامؓ خیر اُمت اور قطعی طور پر عدول ہیں تو پھر ان کا قول اور عمل قابلِ اتباع ہے۔

۳۔ وَ السّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَ الْاَنْصَارِ وَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ رَضُوْا عَنْهُ(۳)

وہ مہاجرین و انصار جنہوں نے ایمان لانے میں سبقت کی اور وہ جنہوں نے بعد میں راستبازی کے ساتھ ان کی پیروی کی، اللہ تعالیٰ اُن سے راضی ہوئے اور وہ اللہ تعالیٰ سے راضی ہوئے۔

اللہ تعالیٰ نے مہاجرین و انصار کی پیروی کرنے والوں کی تعریف فرمائی ہے۔ اگر ان کی پیروی دوسروں کی تقلید کی طرح ہوتی تو صحابہؓ کی پیروی کرنے والے مستحقِ تعریف نہ ٹھہرتے۔ یہ قرآنی نص اس بات پر دلیل ہے کہ اگر صحابہ کرامؓ میں اختلاف ظاہر نہ ہو تو ان کی تقلید واجب ہے۔

۴۔ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ (۴)

۱۔ آلِ عمران ۳:۱۱۰

۲۔ البقرة ۲:۱۴۳

۳۔ التوبة ۹: ۱۰۰

۴۔ النسآء ۴:۵۹

اور اگر کسی بات میں تم میں اختلاف واقع ہو تو اس میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی طرف رجوع کرو۔

اس آیت کا یہ معنی ہے کہ کتابُ اللہ اور سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رجوع کرو۔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت میں صحابہ کرامؓ کی اقتداء و پیروی کا حکم دیا گیا ہے۔

صحابی کا فتویٰ مقدم کرنا، متنازع امر کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی طرف لوٹانا ہے۔ اس آیت کی رُو سے جب ایسا کرنا ممکن ہو تو امر کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لوٹانا واجب ہے۔ لیکن جب اختلافی مسئلہ کا حکم کتابُ اللہ اور سنّتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں نہ ملے تو پھر معاملہ کو ان دونوں کی طرف لوٹانا واجب نہیں ہے۔ صحابی کا قول و عمل بھی اس وقت واجبِ اتباع ہے جب کسی واقعہ کا حکم کتابُ اللہ اور سنّتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نہ ملے۔

۵۔ فَاعْتَبِرُوْا يٰٓاُولِي الْاَبْصَارِ (۱)

اے بصیرت کی آنکھیں رکھنے والو! سوچ بچار کرو۔

اقوالِ صحابہؓ کو اس لیے مقدم کرنا کہ دوسرے لوگوں کے مقابلہ میں صحابہؓ کو صحبتِ نبوی و مشاہدہ حاصل ہونے کی وجہ سے ان کی رائے درست و صائب ہے اور اس میں خطا و غلطی کا احتمال بہت کم ہے، یہ بھی سوچ بچار اور اعتبار کی ایک قسم ہے۔ دو دلیلوں میں سے ایک کو قوی تر ہونے کی بنا پر ترجیح دینا اعتبار اور سوچ بچار ہی ہے۔

۶۔ اتَّبِعُوْا مَنْ لَّا يَسْئَلُكُمْ اَجْرًا وَّ هُمْ مُّهْتَدُوْنَ (۲)

پیروی کرو ان کی جو تم سے صلہ نہیں مانگتے اور وہ سیدھے رستے پر ہیں۔

یہ بات ایک شخص (۳) نے اپنی قوم کو سمجھائی تھی۔ ٹھیک اسی طرح کسی صحابی نے بھی اجرت طلب نہیں کی تھی اور نہ ان میں سے کوئی گمراہ تھا۔

۱۔ الحشر ۵۹:۲

۲۔ یٰسین ۳۶:۲۱

۳۔ تابعی قتادہؒ نے بیان کیا ہے کہ یہ شخص ایک غار میں اللہ تعالیٰ خدائے وحدہ لاشریک کی عبادت کیا کرتا تھا۔ جب اسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے مبعوث کردہ رسولوں کی خبر ملی تو وہ ان کے پاس آیا اور اپنا دین ظاہر کیا۔ جب وہ شخص رسولوں کے پاس پہنچا تو اس نے انہیں کہا: کیا آپ کوئی اجر بھی مانگتے ہیں؟ ان رسولوں نے فرمایا: نہیں۔ پھر وہ شخص اپنی قوم کے پاس گیا اور انہیں یہ کہا: يَا قَوْمِ اتَّبِعُوْا مَنْ لَّا يَسْئَلُكُمْ اَجْرًا وَّ هُمْ مُّهْتَدُوْنَ، اے میری قوم! پیروی کرو اُن کی جو تم سے کوئی صلہ نہیں مانگتے اور وہ سیدھے راستے پر ہیں۔ جب اس نے یہ بات اپنی قوم سے کہی تو اس کی قوم نے اسے کہا: تم ہمارے دین کے مخالف ہو اور ان رسولوں کے دین کی پیروی کرنے والے ہو اور ان رسولوں کے معبود پر ایمان لانے والے ہو۔ ملاحظہ ہو امام بغوی کی: تفسیر البغوی ۴/۱۰

۷۔ وَ اتَّبِعْ سَبِيلَ مَنْ اَنَابَ اِلَيَّ (۱)

اور پیروی کرو اس کے راستے کی جو میری طرف رجوع کرے۔

ہر صحابی اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتا تھا، لہٰذا صحابی کے راستہ کا اتباع کرنا واجب ہے۔ صحابہؓ کے اقوال اور اعتقادات ہی ان کی سبیل اور راستہ ہیں۔

۸۔ قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ عَلٰى بَصِيْرَةٍ اَنَا وَ مَنِ اتَّبَعَنِيْ (۲)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمادیں: میرا راستہ تو یہ ہے۔ میں اللہ تعالیٰ کی طرف بُلا تا ہوں، میں واضح دلیل و بُرہان پر ہوں اور وہ بھی جو میری پیروی کرتے ہیں۔

یہ آیت بتاتی ہے کہ جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیروکار ہے، وہ اللہ تعالیٰ کی طرف بلانے کا حق دار ہے اور جو اللہ تعالیٰ کی طرف بصیرت و دلیل سے بلائے اس کا اتباع کرنا واجب ہے۔ احکامِ الٰہی کی دعوت دینا، اللہ تعالیٰ ہی کی طرف بلانا ہے۔ صحابہ کرامؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع کیا تھا۔ لہٰذا جب حضرات صحابہ کرامؓ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف بلائیں تو ان کی پیروی کرنا واجب ہے۔

۹۔ وَ يَرَى الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ هُوَ الْحَقَّ (۳)

اور جن لوگوں کو علم دیا گیا ہے وہ جانتے ہیں کہ جو قرآن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پروردگار کی طرف سے آپ پر نازل ہوا ہے وہ حق ہے۔

اور فرمایا:

۱۰۔ يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ (۴)

تم میں سے جو ایمان لائے اور جنہیں علم دیا گیا، اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند کریں گے۔

اَلْعِلْمُ سے مراد وہ علم ہے جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث کیا۔ جب ثابت ہوا کہ صحابہؓ اس علم سے نوازے گئے تھے تو پھر ان کی پیروی کرنا واجب ہے۔

۱۱۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ (۵)

اے اہلِ ایمان! اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور راستبازوں کے ساتھ رہو۔

۱۔ لقمٰن ۳۱:۱۵

۲۔ یوسف ۱۲:۱۰۸

۳۔ سبا ۳۴:۶

۴۔ المجادلة ۵۸:۱۱

۵۔ التوبة ۹:۱۱۹

جمہور علمائے سلف کا کہنا ہے کہ یہاں صحابہ کرامؓ مراد ہیں۔ بلا شبہ صحابہ کرامؓ ائمہ صادقین ہیں۔ ان کے بعد ہر صادق شخص سچائی میں صحابہؓ کی پیروی کرے گا، بلکہ وہ اس وقت سچا سمجھا جائے گا جب وہ صحابہؓ کی پیروی کرے اور ان کے ساتھ ہو۔

۱۲۔ وَ جَاهِدُوْا فِی اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ هُوَ اجْتَبٰكُمْ (۱)

اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرو جیسا کہ جہاد کرنے کا حق ہے۔ اس نے تمہیں منتخب کر لیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ صحابہ کرامؓ اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندے ہیں جنہیں اس نے اپنے لیے خاص کر لیا ہے۔ جب ان کی یہ منزلت و مقام ہے تو محال ہے کہ تمام صحابہ کسی مسئلہ میں صحیح و درست فتویٰ دینے سے محروم رہیں۔ یہ محال ہے کہ اگر ایک صحابی غلط فتویٰ دے تو کوئی اور صحابی درست فتویٰ نہ دے اور صحابہ کرامؓ کے بعد والوں پر حق ظاہر ہو۔

۱۳۔ وَ جَعَلْنَا مِنْهُمْ اَئِمَّةً یَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوْا وَ كَانُوْا بِاٰیٰتِنَا یُوْقِنُوْنَ (۲)

اور ان میں سے ہم نے پیشوا بنائے تھے جو ہمارے حکم سے ہدایت کیا کرتے تھے۔ جب وہ صبر کرتے تھے اور وہ ہماری آیتوں پر یقین رکھتے تھے۔

یہ آیت حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اصحاب سے متعلق ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ ان صفات میں بہت کامل درجہ پر تھے۔ لہٰذا وہ پیشوائے ہدایت بننے کے زیادہ حق دار ہیں۔

۱۴۔ وَ الَّذِیْنَ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَ ذُرِّیّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْیُنٍ وَّ اجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِیْنَ اِمَامًا (۳)

اور وہ جو دعا مانگتے ہیں کہ اے پروردگار! ہمیں ہماری بیویوں اور اولاد کی طرف سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما اور ہمیں پرہیزگاروں کا امام بنا۔

امام کا معنی پیشوا ہے۔ یہ لفظ واحد اور جمع دونوں کی صلاحیت رکھتا ہے، جیسے اُمت اور اُسوہ کے الفاظ ہیں۔ پس پرہیزگار شخص پر واجب ہے کہ وہ صحابہؓ کی پیروی اور اقتداء کرے۔ ان کے فتاویٰ کی مخالفت کرنا ان کی اقتداء کے خلاف ہے۔

۱۔ الحج ۲۲:۷۸

۲۔ السجدۃ ۳۲:۲۴

۳۔ الفرقان ۲۵:۷۴

سنت سے دلائل

۱۔ حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اَصْحَابِیْ کَالنُّجُوْمِ بِاَیِّھِمْ اِقْتَدَیْتُمْ اِھْتَدَیْتُمْ (۱)

میرے صحابہؓ ستاروں کے مانند ہیں۔تم ان میں سے جس کی بھی پیروی کرو گے، ہدایت پا جاؤ گے۔

بظاہر یہ حدیث اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ ہر صحابی کی پیروی جائز ہے۔صحابی کی پیروی ہدایت ہے۔ یہاں ہدایت پانے کے لیے پیروی واقتداء لازم کی گئی ہے۔ یہ اس کی حجت پر دلیل ہے، ورنہ اقتداء وپیروی کرنے والا ہدایت یافتہ نہیں ہوگا۔ جب صحابی کا قول ہدایت ہے تو پھر اسے ترک کر کے غیر صحابی کا قول لینا جائز نہیں ہے۔ بِاَیِّھِمْ اِقْتَدَیْتُمْ اِھْتَدَیْتُمْ (تم ان میں سے جس کی پیروی کرو گے، ہدایت پاؤ گے) سے مراد ہر صحابی کا انفرادی قول ہے۔اس سے یہ مراد نہیں ہے کہ جب وہ کسی مسئلہ میں اختلاف کریں تب بِاَیِّھِمْ اِقْتَدَیْتُمْ اِھْتَدَیْتُمْ پر عمل ہو۔ یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ صحابہ کرامؓ میں سے ہر ایک کا منفرد وتنہا قول حجت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ میں سے ہر ایک کی پیروی کا حکم دیا ہے۔ امر یعنی حکم وجوب کے لیے ہوتا ہے۔ اقتدائے صحابہؓ کا مطلب اہتداء ہے جس کا معنی اقوال صحابہؓ سے حجت ودلیل لینا ہے۔اگر یہ کہا جائے کہ یہ امر اس چیز کی پیروی سے متعلق ہے جو صحابہؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں امر، روایت اور فتویٰ دونوں کے لیے عام ہے، ورنہ صحابہؓ کے بطور خاص ذکر کا فائدہ نہیں رہتا اور ان کا ذکر خاص طور پر کرنے کا مقصد سمجھ میں نہیں آتا۔

اسی مفہوم میں مندرجہ ذیل تین احادیث بھی ہیں:

۲۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اِنَّمَا مَثَلُ اَصْحَابِیْ مَثَلِ النُّجُوْمِ فَاَیُّھُمْ اَخَذْتُمْ بِقَوْلِهٖ اِھْتَدَیْتُمْ (۲)

میرے صحابہؓ ستاروں کے مانند ہیں۔تم نے ان میں سے جس کا بھی قول لیا، تم ہدایت پا گئے۔

۳۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی حدیث میں فرمانِ نبوی ہے:

مَھْمَا اُوْتِیْتُمْ مِنْ کِتَابِ اللّٰهِ فَالْعَمَلُ بِهٖ لَا عُذْرَ لِاَحَدِکُمْ فِیْ تَرْکِهٖ فَاِنْ لَمْ یَکُنْ فِیْ کِتَابِ اللّٰهِ فَسُنَّةٌ مِنِّیْ مَاضِیَةٌ فَاِنْ لَمْ تَکُنْ سُنَّةٌ مِنِّیْ مَاضِیَةٌ فَمَا قَالَ

۱۔ جامع بیان العلم و فضلہ ۹۲۵/۲۔اس حدیث کی صحت پر علمائے جرح کی بحث آگے صفحات ۲۸۲، ۲۸۳ پر آ رہی ہے۔

۲۔ جامع بیان العلم و فضلہ ۹۲۴/۲

اَصْحَابِیْ اِنَّ اَصْحَابِیْ بِمَنْزِلَةِ النُّجُومِ فِیْ السَّمَاءِ فَاَیُّهَا اَخَذْتُمْ بِهِ اِهْتَدَیْتُمْ وَاخْتِلَافُ اَصْحَابِیْ لَکُمْ رَحْمَةٌ (۱)

جب بھی تمہیں کتاب اللہ میں سے ملے تو اس پر عمل ضروری ہے۔ تم میں سے کسی ایک کے لیے کوئی عذر نہیں ہے کہ اسے ترک کرے۔ اگر کتاب اللہ میں نہ ہو تو میری سنت جاریہ پر عمل کرو۔ اگر میری سنت جاریہ میں سے نہ ہو تو میرے صحابہؓ نے جو کہا اس پر عمل کرو۔ بے شک میرے صحابہؓ آسمان میں ستاروں کے مانند ہیں۔ تم نے ان میں سے جس سے بھی جو کچھ لیا، تم نے ہدایت پائی اور میرے صحابہؓ کا اختلاف تمہارے لیے رحمت ہے۔

۴۔ حضرت عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

سَاَلْتُ رَبِّیْ فِیْمَا اخْتَلَفَ فِیْهِ اَصْحَابِیْ مِنْ بَعْدِیْ فَاَوْحَی اللّٰهُ اِلَیَّ یَامُحَمَّدُ اِنَّ اَصْحَابَکَ عِنْدِیْ بِمَنْزِلَةِ النُّجُوْمِ فِیْ السَّمَآءِ بَعْضُهَا اَضْوَا مِنْ بَعْضٍ فَمَنْ اَخَذَ بِشَیْءٍ مِمَّا هُمْ عَلَیْهِ مِنْ اِخْتِلَافِهِمْ فَهُوَ عِنْدِیْ عَلٰی هُدًی (۲)

میں نے اپنے رب سے اس اختلاف سے متعلق پوچھا جو میرے صحابہؓ میرے بعد کریں گے۔ اللہ نے میری طرف وحی کی: اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بلاشبہ آپ کے صحابہؓ میرے نزدیک آسمان میں ستاروں کے مانند ہیں جن میں سے بعض بعض سے زیادہ روشن ہیں۔ پس جس نے بھی ان کے اختلاف میں سے کوئی چیز لی، وہ میرے نزدیک ہدایت پر ہے۔

۵۔ حضرت عرباض بن ساریہؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

فَعَلَیْکُمْ بِسُنَّتِیْ وَ سُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِیْنَ الْمَهْدِیِّیْنَ تَمَسَّکُوْا بِهَا وَ عَضُّوْا عَلَیْهَا بِالنَّوَاجِذِ وَ اِیَّاکُمْ وَ مُحْدَثَاتِ الْاُمُوْرِ فَاِنَّ کُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ وَّ کُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ (۳)

پس تم پر لازم ہے کہ تم میری سنت اور خلفائے راشدین جو ہدایت یافتہ ہیں، ان کی سنت کو پکڑے رہو اور اسے دانتوں سے مضبوط پکڑ کر رکھو اور دین میں نئے امور نکالنے سے بچو، کیونکہ ہر نئی چیز بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔

اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی سنت کے ساتھ سنت خلفائے راشدین کو ملا دیا ہے۔

۱۔ الکفایة فی علم الروایة ص ۴۸

۲۔ حوالہ بالا

۳۔ سنن أبی داؤد، کتاب السنة، باب لزوم السنة

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس طرح اپنی سنت کے اتباع کا حکم دیا ہے اسی طرح خلفاء کی سنت کا اتباع کرنے کا بھی حکم دیا ہے۔ اس میں تمام صحابہؓ یا اکثر یا ان میں سے بعض، سب کے فتاویٰ شامل ہیں۔ یہ واضح بات ہے کہ ان خلفائے راشدین نے اپنی سنت کو آنِ واحد میں نہیں بنایا تھا۔ معلوم ہوا کہ ان میں سے جو بھی اپنے دور میں کسی طریقہ پر چلا، وہ خلفائے راشدین کی سنت میں سے ہے۔ صحابہؓ کے خلاف قول لانا، نئے امور میں سے ہے اور یہ بدعت ہے اور بدعت گمراہی ہے۔

۵۔ حضرت حذیفہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

فَاقْتَدُوْا بِالَّذِیْنِ مِنْ بَعْدِی وَ اَشَارَ اِلَی اَبِیْ بَکْرٍ وَّ عُمَرَ (۱)

پس تم پیروی کرو اُن دو کی جو میرے بعد ہوں گے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کی طرف اشارہ فرمایا۔

اس حدیث کا ظاہر یہ تقاضا کرتا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کی تقلید اس صورت میں لازم ہے جب دونوں کا ایک قول پر اتفاق ہو اور کسی صحابی نے ان سے اختلاف نہ کیا ہو۔ جب دونوں کے متفق علیہ قول کی وجہ سے ان کی تقلید لازم ہے تو ان میں سے ہر ایک اور صحابہ کرامؓ میں سے کسی بھی صحابی کی تقلید لازم ہے، جب کسی دوسرے صحابی نے اس سے اختلاف نہ کیا ہو۔ ایک آدمی ان دونوں کے درمیان فرق نہیں کر سکتا۔

۶۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَیَاتِیَنَّ عَلَی اُمَّتِیْ مَا اَتَی عَلَی بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ حَذْوَ النَّعْلِ بِالنَّعْلِ حَتّٰی اِنْ کَانَ مِنْھُمْ مَنْ اَتَی اُمَّہٗ عَلَانِیَۃً لَکَانَ فِیْ اُمَّتِیْ مَنْ یَصْنَعُ ذٰلِکَ وَ اِنَّ بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ تَفَرَّقَتْ عَلَی ثِنْتَیْنِ وَ سَبْعِیْنَ مِلَّۃً وَّ تَفْتَرِقُ اُمَّتِیْ عَلَی ثَلَاثٍ وَّ سَبْعِیْنَ مِلَّۃً کُلُّھُمْ فِی النَّارِ اِلَّا مِلَّۃً وَّاحِدَۃً قَالُوْا مَنْ ھِیَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ قَالَ مَا اَنَا عَلَیْہِ وَ اَصْحَابِیْ (۲)

میری اُمت پر ایک ایسا زمانہ آئے گا جیسے بنی اسرائیل پر آیا تھا۔ دونوں کے زمانے اس طرح ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہوں گے جیسے ایک جوتا دوسرے جوتے سے ملتا جلتا ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ اگر ان میں کسی نے اپنی ماں سے اعلانیہ زنا کیا ہوگا تو میری اُمت میں اس کام کو کرنے والا ہوگا۔ بنی اسرئیل کے بہتر فرقے ہوئے۔ میری اُمت میں تہتر فرقے ہوں

۱۔ صحیح الترمذی، کتاب المناقب، فی مناقب أبی بکر وعمر رضی اللہ عنھما کلیھما

۲۔ حوالہ بالا، کتاب الإیمان، باب ما جاء فی إفتراق ھذہ الأمۃ

گے۔سب دوزخی ہیں،سوائے ایک کے۔صحابہؓ نے عرض کی: یارسول اللہ!وہ کون ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس پر میں اور میرے صحابہؓ ہیں۔

ہر وہ شخص جو صحابہؓ کی پیروی کرے،وہ فرقہ ناجیہ میں سے ہے۔یہ فرقہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے جنت میں داخل ہوگا۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول مبارک: مَا اَنَا عَلَيْهِ وَ اَصْحَابِيْ (جس پر میں اور میرے صحابہؓ ہیں) کا یہی معنی ہے۔

۷۔ حضرت عمران بن حُصَینؓ کی روایت میں فرمانِ نبوی ہے:

خَيْرُ اُمَّتِي قَرْنِي ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ قَالَ عِمْرَانُ فَلَا اَدْرِي اَ ذَكَرَ بَعْدَ قَرْنِهِ قَرْنَيْنِ اَوْ ثَلَاثًا(۱)

میری اُمت میں سب سے بہتر میرا زمانہ ہے، پھر اُن کا جو اُن کے بعد متصل ہوں گے، پھر اُن کا جو اُن کے بعد متصل ہوں گے۔حضرت عمرانؓ نے فرمایا: مجھے یاد نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے زمانہ کے بعد دو مرتبہ قرن فرمایا تھا یا تین مرتبہ۔

اس حدیث میں صحابہؓ کو خیر کی بشارت دی گئی ہے اور انہیں بعد والوں پر مقدم کیا گیا ہے۔صحابہ کرامؓ کو بعض پہلوؤں سے بہتر قرار دینے سے وہ مطلق طور پر خَيْرُ الْقُرُوْنِ ثابت نہیں ہوتے،اس لیے ضروری ہے کہ یہ تقدیم خیر کے تمام امور اور پہلوؤں میں ہو۔

۷۔ حضرت ابوسعید خدریؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَا تَسُبُّوْا اَصْحَابِيْ فَلَوْ اَنَّ اَحَدَكُمْ اَنْفَقَ مِثْلَ اُحُدٍ ذَهَبًا مَا بَلَغَ مُدَّ اَحَدِهِمْ وَ لَا نَصِيْفَهُ(۲)

میرے صحابہ کو بُرا مت کہو۔اگر تم میں سے کوئی شخص اُحد پہاڑ کے برابر سونا راہِ اللہ میں خرچ کرے تو میرے صحابی کے ایک مُدّ یا آدھے کے ثواب کو بھی نہیں پہنچ سکتا۔

یہ نبوی خطاب حضرت خالد بن ولیدؓ اور ان صحابہؓ سے تھا جنہوں نے صلح حدیبیہ(۶ھ) اور فتح مکہ(۸ھ) کے موقع پر اسلام قبول کیا۔اگر سابقین اوّلین کا مرتبہ حضرت خالدؓ اور اُن جیسے صحابہؓ سے اس قدر بلند ہے تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ صحابہ کرامؓ کو فتاویٰ میں صحت وصواب سے محروم کرے اور اُن کے بعد والے لوگ اپنے فتاویٰ میں صحت ودرستی پالیں۔یہ یقیناً ناممکن ہے۔جس اصابتِ رائے سے صحابہ کرامؓ نوازے گئے،اس سے دوسروں کو نہیں نوازا گیا۔لہٰذا بعد والوں کی رائے کے مقابلہ میں صحابہؓ کی رائے میں خطا وغلطی کا احتمال زیادہ بعید ہے۔

۱۔ صحيح البخاری، كتاب المناقب، باب فضائل أصحاب النبی صلى الله عليه وسلم

۲۔ حوالہ بالا

۸۔ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اَلنُّجُوْمُ اَمَنَةٌ لِلسَّمَاءِ فَاِذَا ذَهَبَتِ النُّجُوْمُ اَتَى السَّمَاءَ مَا تُوْعَدُ وَ اَنَا اَمَنَةٌ لِاَصْحَابِيْ فَاِذَا ذَهَبْتُ اَتَى اَصْحَابِيْ مَا يُوْعَدُوْنَ وَ اَصْحَابِيْ اَمَنَةٌ لِاُمَّتِيْ فَاِذَا ذَهَبَ اَصْحَابِيْ اَتَى اُمَّتِيْ مَا يُوْعَدُوْنَ (۱)

ستارے آسمان کا بچاؤ ہیں۔ جب ستارے مٹ جائیں گے تو آسمان پر جس بات کا وعدہ ہے، وہ آ جائے گی، یعنی قیامت۔ میں اپنے صحابہؓ کا بچاؤ ہوں۔ جب میں چلا جاؤں گا تو میرے صحابہؓ پر بھی وہ وقت آ جائے گا جس کا وعدہ ہے، یعنی فتنہ وفساد۔ میرے صحابہؓ میری اُمت کا بچاؤ ہیں۔ جب میرے صحابہؓ چلے جائیں گے تو میری اُمت پر وہ وقت آ جائے گا جس کا وعدہ ہے۔

اس حدیث سے وجہِ استدلال یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کرامؓ کی نسبت بعد والوں کی طرف یوں کی جیسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی نسبت اپنے صحابہؓ کی طرف اور جیسے ستاروں کی نسبت آسمان کی طرف کی۔ یہ تشبیہ اس طرف اشارہ کرتی ہے کہ جس طرح صحابہ کرامؓ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہدایت پاتے تھے اور جیسے اہلِ زمین ستاروں سے راستہ ڈھونڈتے ہیں، اسی طرح صحابہ کرامؓ اُمت کے لیے رہبر ہیں۔ صحابہ کرامؓ کا اُمت میں رہنا ان کے لیے امان اور بچاؤ ہے۔ اگر یہ جائز مان لیا جائے کہ صحابہؓ کے فتاویٰ میں خطا تھی اور بعد والوں نے ان کی وہ خطا جان لی، تو اس سے یہ لازم آئے گا کہ بعد میں حق پانے والے لوگ صحابہ کرامؓ کے لیے امان اور بچاؤ ہیں، یہ محال ہے۔

۹۔ حضرت انسؓ سے مروی حدیث میں الفاظِ نبوی یوں ہیں:

مَثَلُ اَصْحَابِيْ مَثَلُ الْمِلْحِ فِي الطَّعَامِ، لَا يُصْلِحُ الطَّعَامُ اِلَّا بِهٖ (۲)

میرے صحابہؓ کی مثال کھانے میں نمک جیسی ہے۔ کھانا نمک کے بغیر عمدہ نہیں ہوتا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اصلاحِ دین کے لیے صحابہؓ کو مانندِ نمک قرار دیا ہے جس کے بغیر کھانا عمدہ نہیں ہوتا۔ اگر عہدِ صحابہؓ میں کوئی فتویٰ غلط رہا ہو اور اسے بعد والوں نے صحیح کیا تو پھر بعد والے مانندِ نمک ہوئے، یہ محال ہے۔

۱۰۔ حضرت عویم بن ساعدہؓ کی روایت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

۱۔ صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابةؓ، باب بیان أن بقاء النبی صلی اللہ علیہ وسلم أمان لأصحابه

۲۔ البحر الزخار المعروف بمسند البزار ۲۱۹/۱۳

إِنَّ اللّٰهَ تَبَارَكَ وَ تَعَالٰى اخْتَارَنِيْ وَ اخْتَارَ لِيْ اَصْحَابًا فَجَعَلَ لِيْ مِنْهُمْ وُزَرَاءَ وَ أَنْصَارًا وَ أَصْهَارًا (۱)

بیشک اللہ تعالیٰ نے مجھے منتخب فرمایا اور میرے لیے میرے صحابہؓ کو منتخب فرمایا۔ ان میں سے میرے لیے وزیر، مددگار اور رشتہ دار بنائے۔

یہ محال ہے کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو صواب، صحت و درستی سے محروم کر دے جنہیں اس نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے وزیر، مددگار اور رشتہ دار بنایا، اور اللہ تعالیٰ بعد والوں کو صواب عطا کر دے۔

۱۱۔ حضرت حذیفہ بن یمانؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اقْتَدُوْا بِالَّذِيْنَ مِنْ بَعْدِيْ اَبِيْ بَكْرٍ وَّ عُمَرَ وَ اهْتَدُوْا بِهَدْيِ عَمَّارٍ وَ تَمَسَّكُوْا بِعَهْدِ ابْنِ اُمِّ عَبْدٍ (۲)

میرے بعد تم حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کی پیروی کرنا اور حضرت عمارؓ کی ہدایت سے ہدایت حاصل کرنا اور حضرت ابن اُم عبد یعنی حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا عہد مضبوطی سے پکڑنا۔

اس حدیث سے بھی صحابہ کرامؓ کی پیروی کرنا ثابت ہوتا ہے۔

۱۲۔ عبدالرحمٰن بن غنمؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ دونوں کے بارے میں فرمایا:

لَوِ اجْتَمَعْتُمَا فِيْ مَشُوْرَةٍ مَا خَالَفْتُكُمَا (۳)

اگر تم دونوں کسی رائے پر جمع ہو جاؤ تو میں تمہاری مخالفت نہیں کروں گا۔

یہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا ہے کہ آپ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے متفقہ امر پر اُن دونوں کی مخالفت نہیں فرمائیں گے۔

۱۳۔ حضرت عبداللہ بن حطبؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کی طرف دیکھا اور فرمایا:

هٰذَانِ السَّمْعُ وَ الْبَصَرُ (۴)

یہ دونوں (میرے لیے یا دین اسلام کے لیے) بمنزلہ کان اور آنکھ کے ہیں۔

۱۔ المستدرك، كتاب معرفة الصحابة

۲۔ حوالہ بالا، باب أحاديث فضائل الشيخين

۳۔ مسند أحمد بن حنبل ۴/۲۲۷

۴۔ صحيح الترمذی، كتاب المناقب، باب أبی بكر و عمر رضی الله عنهما كليهما

یہ محال ہے کہ دین اسلام کے کان اور آنکھ تو درست نہ ہوں اور حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے بعد والے لوگ درست اور صحیح قرار پائیں۔

۱۴۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إِنَّ اللّٰهَ جَعَلَ الْحَقَّ عَلَى لِسَانِ عُمَرَ وَ قَلْبِهِ (۱)

بے شک اللہ تعالیٰ نے حق حضرت عمرؓ کی زبان وقلب پر رکھ دیا ہے۔

یہ ناممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس کی زبان و دل پر حق رکھ دیا ہو وہ کسی مسئلہ کے فتویٰ میں غلطی کرے اور اس کے بعد والے اس مسئلہ میں درست رائے پر ہوں۔

۱۵۔ حضرت ابو ہریرۃؓ کی روایت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَقَدْ كَانَ فِيمَا كَانَ قَبْلَكُمْ مِنَ الْأُمَمِ نَاسٌ مُحَدَّثُونَ فَإِنْ يَكُ فِي أُمَّتِي أَحَدٌ فَإِنَّهُ عُمَرُ (۲)

تم سے پہلی امتوں میں ایسے لوگ تھے جو محدَّث تھے۔ اگر میری اُمت میں کوئی ہوا تو حضرت عمرؓ ہوں گے۔

محدَّث وہ متکلِّم ہے جس کے دل میں اللہ تعالیٰ حق ڈال دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی جانب سے فرشتہ اس سے بات کرتا ہے۔ یہ محال ہے کہ وہ اور اُن کے بعد آنے والوں میں کسی مسئلہ پر اختلاف ہو تو وہ باطل پر ہو اور بعد والے حق پر ہوں۔ اس سے یہ لازم آتا ہے اس مسئلہ میں دوسرے لوگ محدِّث ہیں، حضرت عمرؓ محدّث نہیں ہیں۔

۱۶۔ حضرت عقبہ بن عامرؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَوْ كَانَ بَعْدِي نَبِيٌّ لَكَانَ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ (۳)

اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو حضرت عمرؓ ہوتے۔

یہ محال ہے کہ حضرت عمرؓ خطا پر ہوں اور آپ کے بعد والے لوگ اس میں مصیب و درست ہوں۔

۱۷۔ عبدالرحمٰن بن سعیدؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

رَضِيتُ لِأُمَّتِي مَا رَضِيَ لَهَا ابْنُ أُمِّ عَبْدٍ (۴)

میں اپنی اُمت کے لیے اس چیز پر راضی ہوں جس پر حضرت عبداللہ بن مسعودؓ راضی ہوئے۔

۱۔ صحیح الترمذی، أبواب المناقب، مناقب أبي حفص عمر بن الخطابؓ

۲۔ صحیح البخاری، کتاب المناقب، باب مناقب عمر بن الخطابؓ

۳۔ صحیح الترمذی، کتاب المناقب، في مناقب عمر بن الخطابؓ

۴۔ کتاب فضائل الصحابة ۲/۸۴۰

جو یہ کہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا قول حجت نہیں ہے اور یہ کہے کہ آپ کے بعد والوں میں سے کسی کا مخالف قول درست وصواب ہے، تو اس نے اُمت کے لیے وہ پسند نہیں کیا جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابن مسعودؓ نے پسند فرمایا۔

۱۸۔ حضرت ابوسعید خدریؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

وَ لَوْ كُنْتُ مُتَّخِذًا خَلِيْلًا غَيْرَ رَبِّيْ لَاتَّخَذْتُ اَبَابَكْرٍ وَّ لٰكِنْ اُخُوَّةُ الْاِسْلَامِ وَ مَوَدَّتُهٗ (۱)

اگر میں اپنے رب کے سوا کسی کو دوست بناتا تو بے شک حضرت ابوبکرؓ کو بناتا، لیکن اسلام کی اخوت اور موّدت ہے۔

یہ محال ہے کہ اُمت کے اتنے بڑے عالم اور تمام صحابہؓ اپنے فتویٰ میں مصیب اور درست نہ ہوں اور بعد والوں کو حق معلوم ہو جائے۔ جو لوگ قول صحابی کو حجت قرار نہیں دیتے وہ اس محال کو ممکن بناتے ہیں۔

۱۹۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

رَاَيْتُ كَاَنِّيْ اُتِيْتُ بِقَدَحٍ مِنْ لَبَنٍ فَشَرِبْتُ مِنْهُ فَاَعْطَيْتُ فَضْلِيْ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ قَالُوْا فَمَا اَوَّلْتَهٗ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ الْعِلْمَ (۲)

میں نے خواب میں دیکھا کہ مجھے دودھ سے بھرا پیالہ دیا گیا، پھر میں نے اس میں سے پیا۔ پھر میں نے اپنا بچا ہوا دودھ عمر بن خطاب کو دے دیا۔ لوگوں نے پوچھا: یارسول اللہ! آپ نے اس کی کیا تعبیر فرمائی؟ آپ نے فرمایا: علم۔

یہ بعید ہے کہ حضرت عمرؓ کے فتویٰ یا حکم کی مخالفت کرنے والا شخص صواب پر ہو اور صحابہ کرامؓ کو حق معلوم ہی نہ ہو سکا، جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ کے علم کی گواہی دی ہے۔

۲۰۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رفع حاجت کے لیے تشریف لے گئے۔ میں نے آپ کے لیے پانی رکھا۔ جب آپ نکلے تو پوچھا: یہ پانی کس نے رکھا ہے؟ لوگوں نے کہا، یا ایک روایت میں ہے، میں نے کہا: ابن عباسؓ نے۔ آپ نے فرمایا:

اَللّٰهُمَّ فَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ (۳)

اے اللہ! اسے دین میں سمجھ عطا کر۔

۱۔ صحيح البخاری، كتاب المناقب، باب فضائل أصحاب النبی صلی الله عليه وسلم

۲۔ صحيح الترمذی، كتاب المناقب، فی مناقب عمر بن الخطابؓ

۳۔ صحيح مسلم، كتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل عبدالله بن عباسؓ

۲۱۔ ایک اور روایت میں ہے:

اَللّٰهُمَّ عَلِّمْهُ الْحِكْمَةَ (۱)

اے اللہ! اسے حکمت سکھا دے۔

یہ ناممکن ہے کہ "حبر الامت" اور "ترجمان القرآن" جس کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقبول دعا فرمائی، وہ غلط فتویٰ دے۔ یہ بھی ناممکن ہے کہ کوئی صحابی تو اس کی مخالفت نہ کرے لیکن بعد والوں میں سے کوئی شخص جو حضرت ابن عباسؓ کے خلاف فتویٰ دینے والا ہو، اس کا فتویٰ درست ہو جائے، اسے حق معلوم ہو اور حضرت ابن عباسؓ اور دوسرے صحابہ کرامؓ اس حق سے محروم رہیں۔

۲۲۔ حضرت ثوبانؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِّنْ اُمَّتِي ظَاهِرِيْنَ عَلَى الْحَقِّ لَا يَضُرُّهُمْ مَنْ خَذَلَهُمْ حَتّٰى يَاْتِيَ اَمْرُاللّٰهِ وَ هُمْ كَذٰلِكَ (۲)

میری اُمت میں سے ایک گروہ ہمیشہ حق پر قائم رہے گا۔ ان سے الگ ہونے والا انہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کا حکم یعنی قیامت آ جائے گی اور وہ اسی حال میں ہوں گے۔

اگر یہ مان لیا جائے کہ کسی مسئلہ میں صحابی کا فتویٰ غلط تھا اور اس زمانہ میں کسی نے بھی صحیح قول نہیں کہا تو پھر اس مسئلہ میں پوری اُمت حق پر نہیں تھی۔ زمین پر اللہ تعالیٰ کی حجت قائم نہیں تھی اور معروف کا حکم دینے والا اور منکر سے روکنے والا کوئی نہیں تھا۔ ایسا ہونا قرآن وسنّت اور اجماع کے خلاف ہے۔

اقوالِ ائمہ

۱۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کو خلیفہ بنائے جانے کے موقع پر حضرت عمرؓ نے فرمایا تھا: کیا تم نہیں جانتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکرؓ کو نماز میں امامت کرانے کا حکم دیا تھا۔ پس تم میں کون چاہتا ہے کہ وہ حضرت ابوبکرؓ سے آگے بڑھے۔ سب نے کہا: ہم حضرت ابوبکرؓ سے آگے بڑھنے پر اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں (۳)۔

۲۔ حضرت عمرؓ نے اہلِ کوفہ کو لکھا تھا: میں نے حضرت عمار بن یاسرؓ کو امیر اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو معلم اور وزیر بنا کر بھیجا ہے۔ یہ دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب اور اہل بدر میں سے ہیں۔ تم ان دونوں کی

۱۔ صحیح البخاری، کتاب المناقب، باب مناقب إبن عباسؓ

۲۔ صحیح مسلم، کتاب الأمارة، باب قوله صلی اللّٰه علیه وسلم: لَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِّنْ اُمَّتِي

۳۔ سنن النسائی، کتاب الإمامة، باب إمامة أهل العلم و الفضل ۱/۴۰۹

پیروی کرو اور ان کا قول سنو۔ میں نے حضرت ابن مسعودؓ کے معاملے میں خود پر تمہیں ترجیح دی ہے(۱)۔

حضرت عمرؓ نے اہل کوفہ کو حضرت عمارؓ اور حضرت ابن مسعودؓ کی پیروی کرنے اور ان کا قول سننے کا حکم دیا تھا۔ اگر ان کا قول حجت نہیں اور اِجماع ہی حجت ہے تو پھر ان دونوں کا خاص طور پر ذکر کرنے کی کیا ضرورت تھی۔

۳۔ حضرت علیؓ نے فرمایا تھا: ہم اسے کچھ بعید نہیں سمجھتے تھے کہ سکینت حضرت عمرؓ کی زبان پر بولتی ہے(۲)۔

یہ محال ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ کا قول خطا ہو اور آپ کے بعد کوئی شخص آپ کے خلاف کہے اور اس کا قول درست ہو۔

۴۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا: میں جب بھی حضرت عمرؓ کو دیکھتا تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ آپ کی دونوں آنکھوں کے درمیان ایک فرشتہ ہے جو آپ کی صحیح رہنمائی کر رہا ہے (۳)۔

پس جو شخص ایسا ہو، اس سے زیادہ درستی والا وہ نہیں ہو سکتا جو اس کے مشابہ نہ ہو۔

۵۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا: اگر عرب کے زندہ لوگوں کا علم ایک پلڑے میں اور حضرت عمرؓ کا علم دوسرے پلڑے میں رکھ دیا جائے تو حضرت عمرؓ کے علم کا پلڑا جھک جائے گا(۴)۔ ایک روایت میں ''عرب کے زندہ لوگوں کا علم'' کے بجائے ''اہل زمین کا علم'' کے الفاظ آئے ہیں (۵)۔

۶۔ آپؓ نے یہ بھی فرمایا: اگر ہم حضرت عمرؓ کے علم کا حساب لگائیں تو وہ علم کا ۹/۱۰ حصہ لے گئے (۶)۔

اب یہ بعید ہے کہ عہدِ صحابہؓ کے بعد کسی کے پاس وہ صحیح علم ہو جو حضرت عمرؓ کے پاس نہیں تھا۔

۷۔ حضرت ابن مسعودؓ کا ایک اور قول ہے: بیشک اللہ تعالیٰ نے بندوں کے دلوں پر نظر ڈالی تو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اختیار کیا، انہیں اپنی رسالت سے مبعوث کیا اور اپنے علم سے آپ کو چُن لیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد لوگوں کے دلوں کی طرف دیکھا تو اس نے آپ کے لیے صحابہؓ کو اختیار کیا، انہیں اپنے دین کے مددگار بنایا اور اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے وزراء بنایا۔ جس چیز کو مومنین اچھا باور کریں وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں بھی اچھی ہے اور جسے مومنین بُرا سمجھیں وہ چیز اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھی بُری ہے (۷)۔

یہ محال ہے کہ ''خیر القلوب'' غلطی کریں اور ان کے بعد والے حق پالیں۔ اگر کسی صحابی نے فتویٰ دیا اور

۱۔ الطبقات الکبریٰ ۶/۷،۸

۲۔ ابوعبید، کتاب الأموال ص۴۸۳

۳۔ حوالہ بالا ص۴۸۳

۴۔ الطبقات الکبریٰ ۲/۳۳۶

۵۔ اعلام المؤقعین ۴/۱۴۳

۶۔ الطبقات الکبریٰ ۲/۳۳۶

۷۔ کنز العمال ۱۲/۴۸۵، حدیث نمبر ۳۵۵۹۰

دیگر صحابہؓ خاموش رہے تو اس کی دو صورتیں ہیں: انہوں نے فتویٰ اچھا سمجھا، یا انہوں نے اسے بُرا جانا۔ اگر اچھا سمجھا تو وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں بھی اَحسن ہے۔ اگر بُرا جان کر اس کا انکار نہ کیا تو قلوبِ صحابہؓ ''خیر قلوب العباد'' نہ رہے۔ بعد والوں نے اس غلط قول کا انکار کیا تو وہ صحابہؓ سے بہتر اور زیادہ عالم بن گئے اور یہ قطعی ناممکن ہے۔

۸۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا: تم میں سے جسے پیروی کرنی ہو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرامؓ کی پیروی کرے۔ وہ اس اُمت میں سب سے زیادہ پاکیزہ دل والے، سب سے زیادہ گہرا علم رکھنے والے، سب سے کم تکلّف والے، راہِ ہدایت پر سب سے زیادہ قائم رہنے والے اور سب سے بہتر حال والے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت و رفاقت کے لیے منتخب کیا تھا۔ پس تم ان کی فضیلت پہچانو اور ان کے نقشِ قدم کی پیروی کرو۔ صحابہ کرامؓ راست ہدایت پر تھے(۱)۔

۹۔ آپؓ کا ایک اور قول ہے: ہمارے آثار کی پیروی کرو، بدعتی نہ بنو، تو یہ تمہارے لیے کافی ہوگا(۲)۔

یہ ناممکن ہے کہ اُمت کے پاکیزہ ترین دلوں والے، سب سے گہرا علم رکھنے والے، سب سے کم تکلف کرنے والے اور راہِ ہدایت پر سب سے زیادہ قائم اصحاب کو اللہ تعالیٰ اپنے احکام میں صواب سے محروم کر دے اور ان کے بعد آنے والے اسے پا لیں۔

۱۰۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے جب کوئی مسئلہ پوچھا جاتا تو وہ اس کا حکم دریافت کرنے کے لیے سب سے پہلے قرآن کی طرف رجوع کرتے اور پھر سنّت کی طرف۔ اگر ان دونوں سے حکم نہ ملتا تو پھر حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ سے جو روایت ہوتا اسے بتا دیتے، ورنہ اپنی رائے سے اجتہاد کرتے(۳)۔ حضرت ابن عباسؓ اتباعِ دلیل میں مشہور ہیں۔ انہوں نے دلیل کے ساتھ اکابر صحابہؓ سے بھی اختلاف کیا۔ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کے بعد حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کا قول حجت مانتے تھے۔ حضرت ابن عباسؓ کے اس موقف سے کسی صحابی نے اختلاف نہیں کیا۔

۱۱۔ حضرت حذیفہ بن یمانؓ نے فرمایا: اے گروہِ قرّاء! تقویٰ اختیار کرو اور جو تم سے پہلے تھے ان کے راستہ پر چلو۔ میری عمر کی قَسم! اگر تم نے ان کی پیروی کی تو بہت ترقی کرو گے اور اگر تم نے ان کا راستہ چھوڑ دیا تو تم بہت دُور کی گمراہی میں پڑ جاؤ گے(۴)۔

یہ محال ہے کہ بھلائی کی طرف پہل اور سبقت کرنے والے غلطی پر ہوں۔

۱۔ جامع بیان العلم وفضلہ ۲/۹۴۷۔ الموافقات فی أصول الشریعة ۴/۷۸،۷۹

۲۔ الموافقات فی أصول الشریعة ۴/۷۹

۳۔ الطبقات الکبریٰ ۲/۳۶۶

۴۔ جامع بیان العلم وفضلہ ۲/۹۴۷۔ الموافقات فی أصول الشریعة ۴/۷۸

۱۲۔ حضرت عُبادہ بن صامتؓ نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر ہم نے اس بات پر بیعت کی تھی کہ ہم آسانی، تنگی، خوشی، ناگواری غرض ہر حالت میں آپ کے احکام سنیں گے، آپ کی اطاعت کریں گے، حاکم سے اختلاف نہیں کریں گے، ہمیشہ حق بات کہیں گے، حق پر قائم رہیں گے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پروا نہیں کریں گے(۱)۔

صحابہؓ نے یہ بیعت وفا کی۔ حکمرانوں نے جب عدل و انصاف سے انحراف کیا تو صحابہؓ نے ہر خوف، سزا اور سختی کی پروا کیے بغیر ایسے حکمرانوں کا انکار کیا۔ بعد والے یہ مرتبہ نہیں پا سکتے۔ ان میں سے اکثر نے حکمرانوں کے ظلم و جور کے ڈر سے حق چھوڑ دیا۔ یہ محال ہے کہ بعد والے صحت و صواب پالیں اور صحابہؓ اس سے محروم رہیں۔

۱۳۔ حضرت جُندُب بن عبداللہؓ کے پاس خوارج(۲) کا گروہ آیا اور وہ کہنے لگے: ہم تمہیں کتابُ اللہ کی طرف بلاتے ہیں۔ حضرت جُندُبؓ نے پوچھا: کیا تم بلاتے ہو؟ انہوں نے کہا: ہاں۔ آپ نے پھر پوچھا: کیا تم؟ انہوں نے کہا: ہاں۔ حضرت جُندُبؓ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سے سب سے زیادہ خبیثو! تم ہماری پیروی کو گمراہی سمجھتے ہو، اور ہمارے طریقے کی مخالفت کو ہدایت سمجھتے ہو؟ نکل جاؤ یہاں سے(۳)۔

۱۴۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا قول ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سنّت جاری فرمائی اور آپ کے بعد خلفائے راشدینؓ نے سنّت جاری فرمائی۔ ان کی سنّت کو لینا کتابُ اللہ کی تصدیق، اطاعتِ الٰہی کی تکمیل اور اللہ تعالیٰ کے دین کے لیے قوت ہے۔ جس نے اس پر عمل کیا، وہ ہدایت پر ہے۔ جس نے اس سے مدد چاہی، وہی منصور ہے۔ جس نے اس کی مخالفت کی، اس نے مومنوں کے بجائے کسی اور کے راستہ کی پیروی کی۔ اللہ اسے اسی راستے پر رکھے گا اور اسے جہنم داخل کرے گا جو بہت بُرا ٹھکانا ہے۔ ایک اور روایت میں ''اور اللہ تعالیٰ کے دین کے لیے قوت ہے'' کے بعد ہے: اس سنّت میں تغیر و تبدیلی کا کسی کو اختیار نہیں ہے۔ جو رائے اس کے خلاف ہوگی، اس کی طرف نہیں دیکھا جائے گا۔ جس نے اس سنّت سے ہدایت پائی، وہ ہدایت یافتہ ہوا(۴)۔

۱۵۔ قاضی شُرَیحؒ نے فرمایا: میں اثر کا اتباع کرتا ہوں اور جو اسلاف سے پایا، وہ تمہیں پہنچاتا ہوں(۵)۔

۱۶۔ سعید بن جُبَیرؒ کا قول ہے: بدری صحابہؓ جسے نہیں جانتے، وہ دین نہیں ہے(۶)۔

۱۔ سنن النسائی، کتاب البیعة، باب البیعة علی أن لا ننازع الأمر أهله ۷/۱۵۶

۲۔ خوارج کا تعارف پیچھے صفحہ ۷۲ کے حاشیہ میں گزر چکا ہے۔

۳۔ اعلام الموقعین ۴/۱۳۹

۴۔ الموافقات فی أصول الشریعة ۴/۷۹

۵۔ اعلام الموقعین ۴/۱۵۱

۶۔ الموافقات فی أصول الشریعة ۴/۷۸

۱۷۔ ابراہیم نخعیؒ نے فرمایا تھا: کسی قوم کی بدبختی کے لیے یہ کافی ہے کہ ان کے اعمال صحابہ کرامؓ کے اعمال کے خلاف ہوں (۱)۔

۱۸۔ شعبیؒ آثارِ صحابہؓ سے مضبوط تعلق پر زور دیتے ہوئے فرماتے ہیں: تم پر لازم ہے کہ آثارِ سلف کو پکڑے رکھو، اگرچہ لوگ تجھے چھوڑ دیں (۲)۔

۱۹۔ اوزاعیؒ کا قول ہے: خود کو سنت پر قائم رکھو۔ صحابہؓ نے جو موقف اختیار کیا، تم بھی وہی موقف اپناؤ۔ سلف صالحین کے راستہ پر چلو۔ جو انہیں کافی تھا وہ تمہارے لیے بھی کافی ہے۔ جو انہوں نے کہا تم بھی وہی کہو۔ جس سے وہ رک گئے اس سے تم بھی رک جاؤ، کیونکہ کسی ایسی خوبی کی وجہ سے جو تم میں پائی جاتی ہو، کوئی بھلائی صحابہ کرامؓ سے بچا کر تمہارے لیے نہیں رکھی گئی ہے۔ یہ صحابہ کرامؓ ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے منتخب کیا، جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث کیا اور جن کی صفت یوں بیان فرمائی: مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَ الَّذِيْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ (۳) محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں وہ کافروں کے حق میں تو سخت ہیں اور آپس میں رحم دل (۴)۔

عقلی دلائل

منفرد قولِ صحابی کی شرعی حجیت ثابت کرنے کے لیے عقلی دلائل بھی دیئے گئے ہیں جن میں سے اہم مندرجہ ذیل ہیں (۵):

۱۔ صحابہ کرامؓ ان اسباب وحوادث کے شاہد تھے جن کے تناظر میں احکام نازل ہوئے۔ انہوں نے وہ احوال دیکھے تھے جن سے احکامِ شریعت میں نسخ واقع ہوا تھا۔ وہ نبوی خطاب کے مقاصد سے بطریق مشاہدہ زیادہ آگاہ تھے۔ مشاہدہ ہی سے مخاطِب کے احوال معلوم ہوتے ہیں۔ خبر معائنہ کے مانند نہیں ہوا کرتی۔ لہٰذا صحابہؓ کا کسی مسئلہ میں اعتبار اور قیاس، صحت اور درستی کے زیادہ قریب ہے۔ ان کا قیاس ہمارے قیاس سے زیادہ قوی اور راجح ہے۔ ان

۱۔ أعلام المؤقعين عن رب العالمين ۱۵۱/۴

۲۔ حوالہ بالا ۱۵۲/۴

۳۔ الفتح ۲۹:۴۸

۴۔ أعلام المؤقعين عن رب العالمين ۱۵۱/۴

۵۔ أصول الجصاص ۱۷۲/۲۔ ميزان الأصول ص ۴۸۷ ومابعد۔ المحرر فی أصول الفقه ۲/۴ ومابعد۔عبدالعزیز بخاری، کشف الأسرار ۳۲۶/۳ ومابعد۔ اعلام المؤقعين ۱۴۷/۴ ومابعد۔ اتحاف ذوی البصائر ۱۳۴۳/۳ ومابعد۔ شرح الكوكب المنير ۴۲۵/۴۔ توضيح الأفكار ۲۶۲/۱۔ العدة فی أصول الفقه ۱۱۸۷/۴ ومابعد۔ فواتح الرحموت ۱۸۶/۲۔ نسفی، کشف الأسرار ۱۰۱/۲۔ نهاية السول ۴۱۸/۴۔ الإبهاج فی شرح المنهاج ۱۹۳/۳۔ ۱۹۴

کی رائے ہر اس آدمی کی رائے پر ترجیح رکھتی ہے جس نے وہ تمام احوال واسباب نہیں دیکھے جنھیں صحابہ کرامؓ نے دیکھا ہے۔ لہٰذا اِس صفت کی بنا پر قولِ صحابی کو مقدم کرنا واجب ہے جس طرح خبرِ واحد کو قیاس پر مقدم کرنا واجب ہے، اگرچہ وہ خبرِ واحد قطعی نہ ہو۔

۲۔ صحابی کے فتویٰ میں یہ احتمال ہے کہ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہو۔ صحابی کے پاس قرآن وسنت کی کوئی نص اور خبر ہو جس پر اس نے فتویٰ دیا۔ صحابہ کرامؓ کی عادت سے یہ ظاہر ہے کہ جس صحابی کے پاس کوئی خبر ہوتی تو وہ کبھی اسے روایت کرتے اور کبھی نص سے موافقت کرتے ہوئے فتویٰ دے دیتے اور روایت نہیں کرتے تھے۔ اگر صحابی نے ضرورت کے وقت اجتہاد ورائے سے فتویٰ دیا تو اس سے پہلے وہ لوگوں سے مشورہ کیا کرتے تھے کہ شائد ان کے پاس کوئی حدیث ہو۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ جس فتویٰ میں صاحبِ وحی سے سماع کا احتمال ہو وہ محض رائے پر مقدم ہے۔ صحابہ کرامؓ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سماع اصل ہے۔ قولِ صحابی کو صرف احتمال کی بنیاد پر سماع سے منقطع نہیں کیا جائے گا۔

۳۔ حضرات صحابہ کرامؓ کی یہ عادت تھی کہ وہ لوگوں کو فتویٰ دیتے وقت اس کے موافق حدیث کی اسناد سے متعلق خاموش رہتے اور حدیث کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب نہیں کیا کرتے تھے۔ ایسا کرنا حق کو چھپانا نہیں ہے۔ کسی سوال کے جواب میں واجب یہی ہوتا ہے کہ حکم بیان کر دیا جائے، البتہ اگر حکم کی سند پوچھی جارہی ہو تو پھر اس کی سند بتانا واجب ہے۔ یہ احتمال بھی ہے کہ صحابہ کرامؓ نے احتیاطاً روایت نہ کیا ہو، یا اس کے الفاظ اچھی طرح یاد نہ ہوں، اس لیے حدیث کے مفہوم پر فتویٰ دے دیا ہو۔ یہ احتمال بھی ہے کہ صحابی نے حدیث کو نقل اور روایت تو کیا لیکن وہ حدیث ہم تک پہنچی نہ ہو، یا صحابی نے گمان کیا کہ دوسرے صحابی نے اسے روایت کر دیا ہوگا، لہٰذا اُس نے اس پر اکتفا کیا ہو۔ جب قولِ صحابی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سماع کا احتمال ثابت ہوگیا تو وہ اُس رائے پر مقدم ہے جس کی بنیاد میں کوئی حدیث نہیں ہے۔ اس طریق سے قولِ صحابی کو رائے پر مقدم کرنا، خبرِ واحد کو قیاس پر مقدم کرنا ہے۔

۴۔ صحابہؓ نے جو سنا وہ سب روایت نہیں کیا۔ حضرت ابوبکرؓ جو قبل از اعلانِ بعثتِ نبوی سے وصالِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک ہر موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے تھے، لیکن حضرت ابوبکرؓ سے مروی احادیث کی تعداد ایک سو بھی نہیں ہے۔ حضرت ابو ہریرۃؓ صرف چار سال صحبتِ نبوی میں رہے لیکن ان کی روایات بہت زیادہ ہیں۔ جلیل القدر صحابہؓ کی روایات بہت کم ہیں۔ اگر تمام صحابہؓ اپنی روایات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام سے بیان کرتے تو ان کی تعداد حضرت ابو ہریرۃؓ کی روایات سے بھی زیادہ ہوتی۔ صحابہ کرامؓ روایات میں احتیاط سے کام لیتے تھے۔ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو سنا ہوتا، اسے بیان کرتے تھے لیکن بعض دفعہ صریح الفاظ میں یہ نہیں کہتے تھے کہ ہم نے اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے۔

۵۔ صحابی کے فتویٰ میں چھ امکانات پائے جاتے ہیں:

۱۔ اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہو۔

۲۔ اسے کسی صحابی سے سنا جس نے اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہو۔

۳۔ وہ فتویٰ قرآن کی کسی آیت سے سمجھا ہو جو فہم ہم سے مخفی رہ گیا ہو۔

۴۔ صحابی کے اس فتویٰ پر صحابہ کرامؓ کی ایک جماعت کا اتفاق ہو لیکن وہ ہم تک ایک صحابی کے فتویٰ کے طور پر پہنچا ہو۔

۵۔ لفظ کی اسی معنی پر دلالت ہو جس کے لیے صحابی نے وہ لفظ استعمال کیا ہے اور ہم اس کی وجہ نہیں سمجھ پا رہے، یا سیاق میں ایسے قرائن پائے جاتے ہیں جو شارع کے خطاب سے متعلق ہیں۔ ان سب چیزوں کے پیش نظر انہوں نے اسے سمجھا ہو اور پھر فتویٰ کہا ہو۔ صحابہ کرامؓ نزولِ وحی کے شاہد اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال، اقوال اور سیرت سے بخوبی آگاہ تھے۔

۶۔ وہ مفہوم سمجھا ہو جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد نہیں تھی۔

پہلی پانچ صورتوں میں صحابی کا فتویٰ حجت اور واجبِ اتباع ہے۔ آخری صورت میں یہ فتویٰ حجت نہیں ہے۔ لیکن پہلے پانچ احتمالات چھٹے احتمال پر غالب ہیں۔ غالب گمان ہی مطلوب اور اسی پر عمل ہوتا ہے۔

۶۔ جب مذہبِ صحابی کو حجت مانا جاتا ہے تو دراصل حکم کا ماخذ لیا جاتا ہے۔ صحابی نے جس دلیل سے حکم اخذ کیا ہے وہ دلیل اختیار کی جاتی ہے۔ یہ مذہبِ صحابی کو لینا نہیں بلکہ وہ چیز لینا ہے جسے صحابی نے لیا ہے۔

۷۔ قولِ صحابی دو صورتوں سے خالی نہیں ہے: یا وہ قول توقیفی ہے یا مبنی بر اجتہاد ہے۔ اگر توقیفی ہے تو وہ واجبِ اتباع ہے اور اگر مبنی بر اجتہاد ہے تو صحابی کا اجتہاد غیر صحابی کے اجتہاد سے اولیٰ ہے۔ صحابی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت پائی، آپ کا کلام سنا اور اس کلام کے معانی و مقاصد سے آگاہی زیادہ حاصل کی ہے۔

۸۔ جس قول میں قیاس کا دخل نہیں اور اس میں رائے سے کچھ نہیں کہا جا سکتا تو وہ قول توقیف پر محمول کیا جائے گا۔ صحابی کے قول میں اٹکل پچو اور اندازے کا گمان نہیں کیا جا سکتا۔ یہ بھی جائز نہیں ہے کہ صحابی کا قول جھوٹ پر محمول کیا جائے کیونکہ قرآن وسنت کی نصوص صحابہ کرامؓ ہی کے واسطہ سے ہم تک پہنچی ہیں۔ اگر ان کا قول جھوٹ پر محمول کیا جائے تو ان کی روایات باطل قرار پائیں گی۔ پس صحابی کی رائے، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سماع کے علاوہ کوئی تیسری صورت نہیں ہے۔ اس باب میں رائے کا دخل نہیں ہے، لہٰذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سماع متعین ہو گیا۔ صحابی کا فتویٰ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کے مانند ہو گیا۔ بلاشبہ اگر صحابی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سماع کا ذکر کرتا تو اس کا قول اثباتِ حکم میں حجت ہوتا۔ اسی طرح جب صحابی نے ایسے مسئلہ میں فتویٰ دیا جس میں سماع کے سوا کوئی دوسرا طریقہ نہیں ہے تو یہ قول بھی اثباتِ حکم میں حجت اور مرفوع کے حکم میں ہے۔

۹۔ قولِ صحابی میں غالب گمان یہ ہے کہ وہ ایک کا نہیں بلکہ تمام صحابہؓ کا قول ہے۔ اگر ان میں اختلاف ہوتا تو وہ ظاہر ہو جاتا۔ وہ ایک جگہ پر تھے، ایک دوسرے سے اخذِ علم کرتے اور اجتہادی مسائل میں باہم مشورہ کیا کرتے تھے کہ شائد دوسرے کے پاس ایسی خبر ہو جو اسے رائے کے استعمال سے روک دے۔ اگر حضرات صحابہ کرامؓ میں کوئی اختلاف ہوتا تو تابعین، جنہوں نے خود کو احکامِ شریعت کی تبلیغ پر مامور کر رکھا تھا، ان کی وساطت سے وہ اختلاف ہم تک پہنچ جاتا۔

۱۰۔ حضرات صحابہ کرامؓ کے مابین اختلاف ہونا اور ان کا ایک دوسرے کی مخالفت جائز قرار دینا مذہبِ صحابی کے حجت نہ ہونے کی دلیل نہیں ہے۔ یہ دلیل موضوعِ زیرِ بحث سے متعلق نہیں ہے کیونکہ ایک صحابی کا قول دوسرے صحابی پر بالاتفاق حجت نہیں ہے۔ وہ برابر تھے۔ لیکن ایک صحابی کا قول غیر صحابی پر لازم ہے کیونکہ وہ صحابی کے مساوی نہیں ہے۔ ان میں مختلف وجوہ سے تفاوت اور فرق پایا جاتا ہے۔

۱۱۔ صحابہ کرامؓ کا خطا، سہو اور غلطی سے غیر معصوم ہونا، ان کے واجبِ اتباع و تقلید ہونے اور ان کے قول کے حجت ہونے میں مانع نہیں ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ مجتہد خطا و سہو سے غیر معصوم ہوتا ہے اور مجتہد کی تقلید عوام پر لازم ہے۔ لہٰذا احتمالِ خطا کے باوجود مذہبِ صحابی حجت مانا جائے گا، جیسے خبرِ واحد اور قیاس حجت ہیں۔

۱۲۔ اگر صحابہؓ نے لوگوں کو اپنی تقلید کی طرف نہیں بلایا تو یہ ان کی تقلید سے منع نہیں کرتا۔ یہ کہیں بھی ثابت نہیں ہے کہ انہوں نے اپنے میں سے کسی صحابی کے قول کی تقلید سے منع کیا ہو۔

۱۳۔ اگرچہ قولِ صحابی میں کئی احتمالات ہیں لیکن یہ سب ایک ہی طرز کے نہیں ہیں۔ خبرِ واحد میں بھی احتمال ہوتا ہے لیکن وہ قیاس پر مقدم ہے۔ اس طرح قولِ صحابی بھی محتمل ہے لیکن قیاس کے مقابلہ میں قولِ صحابی صحت و صواب کے زیادہ قریب ہے۔

مخالفین کے دلائل

منفرد قولِ صحابی کو حجت نہ ماننے والوں نے اپنے موقف کی تائید میں قرآن مجید، احادیث، آثار اور عقل سے استدلال کیا ہے(۱):

۱۔ نهاية السول ۴/۴۰۲، ۴۱۶ ومابعد۔ تخريج الفروع على الأصول ص ۱۷۹۔ ابن حزم، الإحكام في أصول الأحكام ۴/۳۸۵، ۶/۷۶، ۱۲۵۔ قواطع الأدلة ۲/۱۰، ۳۴۳۔ منهاج الأصول ۴/۴۰۶۔ التبصرة في أصول الفقه ص ۳۹۶۔ التمهيد في أصول الفقه ۳/۳۳۱۔ الواضح في أصول الفقه ۵/۲۱۴۔ منتهى الوصول ص ۲۰۶۔ المحرر في أصول الفقه ۲/۸۳۔ المستصفى في علم الأصول ص ۱۶۹۔ البرهان في أصول الفقه ۲/۱۳۵۹۔ تقويم الأدلة ص ۲۵۷۔ ارشاد الفحول ص ۲۰۶۔ الإبهاج في شرح المنهاج ۲/۲۷۶

قرآن سے استدلال

۱۔ فَاعْتَبِرُوْا یٰاُولِی الْاَبْصَارِ (۱)

پس اے بصیرت کی آنکھیں رکھنے والو! سوچ بچار کرو۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اعتبار یعنی اجتہاد کرنے کا حکم دیا ہے، تقلید کا حکم نہیں دیا ہے۔ اعتبار کرنا تقلید کرنے کے منافی ہے۔

۲۔ یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِی الْاَمْرِ مِنْکُم فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَی اللّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ (۲)

مومنو! اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمانبرداری کرو اور جو تم میں سے صاحبِ حکومت ہیں ان کی بھی، اور اگر کسی بات میں تم میں اختلاف واقع ہو تو اگر تم اللہ تعالیٰ اور روزِ آخرت ایمان رکھتے ہو، تو اس میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی طرف رجوع کرو۔

مندرجہ بالا آیت میں اللہ تعالیٰ نے متنازع امور کو صرف اپنی اور اپنے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لوٹانا واجب اور ولی الامر کی طرف لے جانا ساقط قرار دیا ہے۔ مذہبِ صحابی کی طرف رجوع کرنا کسی واجب کا ترک کرنا ہے اور واجب کا ترک منع ہے۔

۳۔ بَلْ قَالُوْٓا اِنَّا وَجَدْنَآ اٰبَآءَ نَا عَلٰٓی اُمَّةٍ وَّ اِنَّا عَلٰٓی اٰثٰرِهِمْ مُّهْتَدُوْنَ (۳)

بلکہ کہنے لگے: ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک راستہ پر پایا ہے اور ہم انہی کے نقشِ قدم پر چل رہے ہیں۔

اوپر درج آیت میں اللہ تعالیٰ نے کفار کا طرزِ عمل بیان کرتے ہوئے تقلید کی مذمت کی ہے۔ اس ضمن میں اللہ تعالیٰ نے کفار کے بارے میں یہ بھی فرمایا ہے:

۴۔ اِنَّا وَجَدْنَآ اٰبَآءَ نَا عَلٰٓی اُمَّةٍ وَّ اِنَّا عَلٰٓی اٰثٰرِهِمْ مُّقْتَدُوْنَ (۴)

ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک راہ پر پایا اور ہم قدم بقدم انہی کے پیچھے چلتے ہیں۔

مزید فرمایا:

۱۔ الحشر ۲:۵۹

۲۔ النسآء ۵۹:۴

۳۔ الزخرف ۲۲:۴۳

۴۔ الزخرف ۲۳:۴۳

۵۔ وَ إِذَا قِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا إِلَىٰ مَآ أَنزَلَ اللّٰهُ وَ إِلَى الرَّسُولِ قَالُوا حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ آبَآءَ نَا(۱)

اور جب ان لوگوں سے کہا جاتا ہے کہ جو کتاب اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائی ہے اس کی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رجوع کرو، تو کہتے ہیں کہ جس طریق پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے وہی ہمیں کافی ہے۔

۶۔ قُلْ أَنَدْعُوا مِن دُونِ اللّٰهِ مَا لَا يَنفَعُنَا وَ لَا يَضُرُّنَا وَ نُرَدُّ عَلَىٰ أَعْقَابِنَا بَعْدَ إِذْ هَدَانَا اللّٰهُ (۲)

(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) آپ فرمادیں کہ کیا ہم اللہ کے سوا ایسی چیز کو پکاریں جو نہ ہمارا بھلا کر سکے نہ بُرا۔ جب ہمیں اللہ نے سیدھا رستہ دکھا دیا تو کیا ہم اُلٹے پاؤں پھر جائیں۔

یہ آیت مقلّد کا فعل ظاہر کرتی ہے کہ وہ ایسے شخص کا اتباع کرتا ہے جو نہ تو نفع دینے والا ہے، نہ نقصان اور نہ ہی وہ روزِ قیامت شفاعت کرنے والا ہے۔

۷۔ إِذْ تَبَرَّأَ الَّذِينَ اتُّبِعُوا مِنَ الَّذِينَ اتَّبَعُوا وَ رَأَوُا الْعَذَابَ وَ تَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْأَسْبَابُ (۳)

اس دن پیشوا اپنے پیروکاروں سے بیزاری کا اظہار کریں گے اور وہ عذابِ الٰہی دیکھ لیں گے اور ان کے آپس کے تعلقات منقطع ہو جائیں گے۔

اللہ تعالیٰ نے اُن فضلاء پیشوا جن کی لوگ تقلید کرتے ہیں، کے بارے میں فرمایا ہے کہ انہوں نے لوگوں کو اپنی تقلید کرنے سے منع کیا تھا۔ یہ پیشوا دنیا و آخرت میں ہر اس شخص سے براءت اور لاتعلقی کا اعلان کریں گے جس نے ان کی تقلید کی۔ یہ بہترین حضرات نجات پائیں گے اور ان کے مقلّدین ہلاک ہوں گے۔

۸۔ قرآن مجید کی آیت: كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ (۴) (تم وہ بہترین گروہ ہو جو انسانوں کی ہدایت کے لیے لایا گیا ہے) مذہبِ صحابی کی حجیت ثابت نہیں کرتی۔ اس میں تمام صحابہؓ سے خطاب ہے۔ اگر یہ دلیل ہے تو ان کے اِجماع کی دلیل ہے۔ صحابہؓ کی جماعت جس چیز کا حکم دے اس کا اتباع کرنا واجب ہے۔ جماعتِ صحابہؓ کے اِجماع کی حجیت ثابت ہونے سے صحابی کے منفرد قول کا حجت ہونا لازم نہیں آتا۔

۱۔ المآئدة ۵:۱۰۴

۲۔ الأنعام ۶:۷۱

۳۔ البقرة ۲:۱۶۶

۴۔ آل عمران ۳:۱۱۰

۹۔ قرآن مجید کی آیات:

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَ الَّذِيْنَ مَعَهٗ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ (۱)

محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں، اور وہ جو آپ کے ساتھ ہیں وہ کفار کے مقابلہ میں سخت ہیں اور آپس میں بہت رحمدل ہیں۔

لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ (۲)

یقیناً اللہ تعالیٰ راضی ہو گئے ان مومنوں سے۔

وَ السّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَ الْاَنْصَارِ (۳)

وہ مہاجرین وانصار جنہوں نے اسلام لانے میں سبقت کی۔

اسی طرح کی دوسری آیات میں حضرات صحابہ کرامؓ کی توصیف بیان ہوئی ہے۔ ان میں منفرد قولِ صحابی کی حجیت پر کوئی دلیل نہیں ہے۔ ان سے صحابہ کرامؓ کی تعریف وتوصیف ثابت ہوتی ہے، اس سے ان کی تقلید لازم نہیں ہوتی۔

سنّت سے دلائل

۱۔ امام مالکؒ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول مبارک نقل کیا ہے:

تَرَكْتُ فِيْكُمْ اَمْرَيْنِ لَنْ تَضِلُّوْا مَا تَمَسَّكْتُمْ بِهِمَا كِتَابَ اللّٰهِ وَ سُنَّةَ نَبِيِّهٖ (۴)

میں تم میں دو چیزیں چھوڑے جاتا ہوں، تم جب تک ان دونوں کو پکڑے رکھو گے، گمراہ نہیں ہو گے: کتاب اللہ اور اس کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّت۔

۲۔ حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اِنِّيْ قَدْ تَرَكْتُ فِيْكُمُ الثَّقَلَيْنِ: كِتَابَ اللّٰهِ وَ سُنَّتِيْ فَلَا تُفْسِدُوْهُ، وَ اِنَّهٗ لَا تَعْمَى اَبْصَارُكُمْ، وَ لَنْ تَزِلَّ اَقْدَامُكُمْ، وَ لَنْ تَقْصِرَ اَيْدِيْكُمْ، مَا اَخَذْتُمْ بِهِمْ (۵)

بے شک میں نے تم میں دو اہم چیزیں چھوڑی ہیں: کتاب اللہ اور میری سنّت۔ پس اسے خراب مت کرو۔ جب تک تم ان دونوں سے اخذ کرتے رہو گے تمہاری آنکھیں اندھی

۱۔ الفتح ۴۸:۲۹

۲۔ الفتح ۴۸:۱۸

۳۔ التوبة ۹:۱۰۰

۴۔ الموطا، كتاب القدر، باب النهي عن القول في القدر

۵۔ مسند احمد بن حنبل ۳/۲۶

نہیں ہوں گی اور تمہارے قدم نہیں ڈگمگائیں گے اور تمہارے ہاتھوں میں کوئی کمی نہیں ہوگی۔

۳۔ حضرت ابو ہریرۃؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إِنِّي قَدْ خَلَّفْتُ فِيكُمْ شَيْئَيْنِ لَنْ تَضِلُّوا بَعْدَهُمَا أَبَدًا مَا أَخَذْتُمْ بِهِمَا: كِتَابَ اللّٰهِ وَ سُنَّتِي، وَ لَمْ يَتَفَرَّقَا حَتَّى يَرِدَا عَلَيَّ الْحَوْضَ (۱)

میں نے تم میں دو چیزیں چھوڑی ہیں۔ ان دونوں کے بعد تم کبھی گمراہ نہیں ہو گے جب تک تم ان دونوں سے اخذ کرو گے۔ یہ دو چیزیں کتاب اللہ اور میری سنّت ہیں اور یہ دونوں الگ الگ نہیں ہوں گی یہاں تک کہ وہ دونوں حوضِ کوثر پر میرے پاس آئیں گی۔

۴۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اِعْقِلُوا أَيُّهَا النَّاسُ قَوْلِي، فَقَدْ بَلَّغْتُ، وَ قَدْ تَرَكْتُ فِيكُمْ أَيُّهَا النَّاسُ مَا إِنِ اعْتَصَمْتُمْ بِهِ فَلَنْ تَضِلُّوا: كِتَابَ اللّٰهِ وَ سُنَّةَ نَبِيِّهِ (۲)

اے لوگو! میری بات کو سمجھو، میں نے بات پہنچا دی ہے، اے لوگو! میں نے تم میں ایسی چیز چھوڑی ہے جسے تم اگر مضبوطی سے پکڑے رہو گے تو کبھی گمراہ نہیں ہو گے: وہ ہے کتاب اللہ اور اس کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّت۔

مندرجہ بالا احادیث اس بات پر زور دیتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہماری ہدایت اور رہنمائی کے لیے اللہ تعالیٰ کی کتاب قرآن مجید اور اپنی سنّت چھوڑ گئے ہیں۔ ہمیں اپنی زندگی کے معاملات میں ان دونوں کو مضبوطی سے پکڑے رکھنا ضروری ہے۔ قرآن وسنّت کو چھوڑنا گمراہی ہے۔

۵۔ حدیثِ حضرت معاذ بن جبلؓ: أَجْتَهِدُ رَأْيِي یعنی میں اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا، اس امر پر دلیل ہے کہ کتاب وسنّت کے بعد رائے کے سوا کسی پر عمل نہیں ہوگا۔

۶۔ فرمانِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَ سُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ یعنی تم پر لازم ہے میری سنّت اور خلفائے راشدین کی سنّت، اس سے مراد خلفائے راشدین کے طریقوں پر چلنا ہے۔ اگر اس حدیث سے خلفائے راشدینؓ کا اتباع واجب قرار دیا جائے تو پھر تمام صحابہ کرامؓ کے لیے ایسے مسئلہ میں اجتہاد کرنا حرام قرار پائے گا جس پر خلفائے راشدین اربعہ کا اتفاق ہو چکا ہو۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ ایسا نہیں ہے بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ان چاروں خلفائے راشدین نے کئی مسائل میں اختلاف کیا تھا۔

۱۔ امام ابن حزمؒ نے یہ حدیث سند کے ساتھ روایت کی ہے۔ الإحكام في أصول الأحكام ۸۲/۶

۲۔ امام ابن حزمؒ نے یہ حدیث سند کے ساتھ روایت کی ہے۔ حوالہ بالا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلفائے راشدینؓ کے اختلاف کی اب تین صورتیں ہیں:

۱۔ پہلی صورت یہ ہے کہ خلفاء نے جس میں اختلاف کیا، سب کو لیں۔ یہ ممکن نہیں ہے۔ کوئی شخص یہ کرنے کی طاقت نہیں رکھتا۔ ایسی صورت میں چیزیں اور ان کی اضداد جمع ہو جائیں گی۔

۲۔ دوسری صورت یہ ہے کہ ان کے اختلاف میں سے جو چاہیں، اسے لینا مباح اور جائز ہو۔ یہ اسلام سے باہر نکلنا ہے کیونکہ اس سے اللہ تعالیٰ کا دین ہماری پسند و خواہش کے تحت ہو جائے گا۔ ہم میں سے جو جسے چاہے حرام کر دے گا اور جو جسے چاہے حلال قرار دے گا۔ ایک کسی چیز کو حلال کرے گا، دوسرا اُسے حرام کہے گا۔ جب ہم ایک صحابی کا قول لیں گے اور دوسرے کا قول ترک کریں گے تو ہم سنتِ صحابہؓ کے پیروکار نہیں ہوں گے اور اس حدیث کے خلاف چلیں گے۔

۳۔ تیسری صورت یہ ہے کہ جس پر تمام صحابہؓ کا اجماع ہے اور جسے انہوں نے سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع میں اختیار کیا ہے، اسے لیں۔

۷۔ حدیث مبارک: اِقْتَدُوْا بِالَّذَيْنِ مِنْ بَعْدِيْ اَبِيْ بَكْرٍ وَّ عُمَرَ میں اقتداء کا معنی یہ ہے کہ ان سے رہنمائی لی جائے۔ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ دونوں نے قرآن اور سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد رائے سے کام لیا۔ ان دونوں صحابہؓ سے رہنمائی اس معنی میں ہوگی کہ ان کے اقوال کو بذریعہ رائے لیا جائے، نہ کہ ان کی تقلید کی جائے۔ ایک موقف یہ ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ خلافت میں ان دونوں کی اقتداء کرو۔ ابن حزمؒ نے لکھا ہے کہ یہ حدیث صحیح نہیں ہے۔ اس حدیث کا ایک راوی ہلال ہے اور وہ مجہول ہے۔ اس کی اصل معلوم نہیں ہے(۱)۔

۸۔ فرمانِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم: اَصْحَابِيْ كَالنُّجُوْمِ بِاَيِّهِمْ اقْتَدَيْتُمْ اهْتَدَيْتُمْ سے یہ مراد ہے کہ احکام میں حصولِ صحت کے لیے صحابہ کرامؓ کے طریقے پر چلا جائے۔ صحابہ کرامؓ کا طریقہ یہ تھا کہ وہ قرآن و سنت کے بعد رائے اور اجتہاد پر عمل کرتے تھے۔ اس حدیث کی مراد میں یہ بھی شامل ہے کہ دلائل پر غور کیا جائے اور طریقِ اجتہاد میں صحابہ کرامؓ جیسا عمل کیا جائے تاکہ حق واضح ہو۔ صحابہؓ کی سیرت و تقویٰ میں ان کی پیروی کی جائے۔ یہ چیز تقلید سے منع کرتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ کو ستاروں سے تشبیہ دی ہے۔ ستاروں سے رہنمائی رائے اور استدلال سے لی جاتی ہے۔ ستاروں سے رہنمائی لینے سے ستارہ بذاتِ خود واجب نہیں ہو جاتا۔ جس طرح صحابہ کرامؓ نے اپنی زندگی میں قرآن و سنت کو مشعلِ راہ بنایا، اسی طرح ان کے طریق پر چلتے ہوئے قرآن و سنت ہی کو حجت سمجھا جائے گا۔

اس حدیث کے خطاب میں صحابہ کرامؓ شامل نہیں ہیں بلکہ حیاتِ نبوی کے زمانہ کے وہ عوام شامل ہیں جو

۱۔ ابن حزم، الإحكام في أصول الأحكام ۶/۸۰، ۸۱

صحابہ نہیں ہیں۔ صحابہ کرامؓ علماء تھے۔ یہ درست نہیں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے علماء صحابہؓ کو دوسروں کی تقلید کا حکم دیا ہو۔ صحابی کے لیے دوسرے صحابی کی مخالفت جائز ہے۔ صحابہ کرامؓ کی طرح علماء بھی اس حدیث کے خطاب سے خارج ہیں۔ یہاں تقلید و پیروی کا حکم عوام کو دیا گیا ہے، اہلِ اجتہاد کو نہیں۔

اس حدیث سے یہ مراد بھی ممکن ہے کہ صحابہ کرامؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو کچھ نقل اور روایت کیا ہے اس میں ان کی پیروی کی جائے گی۔

علمائے جرح نے اس حدیث کی صحت پر سخت تنقید کی ہے (۱)۔ علماء نے اس کے بعض راویوں کو کذاب کہا ہے۔ ابن حزمؒ نے اس حدیث کے ایک راوی سلام بن سلیمان کے بارے میں کہا ہے کہ وہ موضوع یعنی جھوٹی احادیث روایت کرتا تھا۔ حافظ ابن عبدالبرؒ کے مطابق اس حدیث کی اسناد سے حجت قائم نہیں ہو سکتی کیونکہ اس میں ایک راوی حارث بن غصین مجہول ہے۔ ابن الوزیرؒ نے اس حدیث کو ضعیف کہا ہے۔ ضعیف حدیث سے کوئی قاعدہ اصولیہ مثلاً قولِ صحابی کی حجیت ثابت نہیں کی جا سکتی۔ بزارؒ کے مطابق یہ کلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں ہے۔ ابن حجر عسقلانیؒ نے اس حدیث کی سند میں ایک راوی کو انتہائی ضعیف کہا ہے۔ شوکانیؒ کے مطابق اس کا حدیث ہونا ثابت نہیں ہے، جیسا کہ علمائے حدیث کی رائے ہے۔

اس مفہوم میں جتنی احادیث مختلف الفاظ کے ساتھ آئی ہیں وہ سب ایسی ہی جرح کی زد میں ہیں، مثلاً:

> اِنَّمَا مَثَلُ اَصْحَابِیْ کَمَثَلِ النُّجُوْمِ اَوْ اَصْحَابِیْ کَالنُّجُوْمِ فَاَیُّھَا اقْتَدُوْا اھْتَدُوْا
>
> بیشک میرے صحابہؓ کی مثال ایسے ہے جیسے ستارے، یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے صحابہؓ ستاروں کے مانند ہیں۔ تم نے ان میں سے جس کی بھی پیروی کی تم ہدایت پا گئے۔
>
> بقول ابن عبدالبرؒ: یہ کلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں ہے (۲)۔
>
> اِنَّمَا اَصْحَابِیْ مِثْلُ النُّجُوْمِ فَاَیُّھُمْ اَخَذْتُمْ بِقَوْلِهٖ اِھْتَدَیْتُمْ
>
> بیشک میرے صحابہ کرامؓ ستاروں کے مانند ہیں۔ تم نے ان میں سے جس کا بھی قول لیا تو تم ہدایت پا گئے۔
>
> ابن عبدالبرؒ کہتے ہیں کہ اس حدیث کی اسناد صحیح نہیں ہیں (۳)۔

۱۔ تلخیص الحبیر ۱۹۰/۴ ومابعد۔ ابن حزم، الإحکام فی أصول الأحکام ۸۱/۶ ومابعد۔ توضیح الأفکار ۲۶۴/۱۔ التعارض والترجیح ۱۴۸/۱۔ اتحاف ذوی البصائر ۱۳۴۷/۳۔ اعلام الموقعین ۲۴۲/۲۔ ارشاد الفحول ص ۲۰۶۔ جامع بیان العلم و فضله ۹۲۴/۲ ومابعد

۲۔ جامع بیان العلم و فضله ۹۲۴/۲

۳۔ حوالہ بالا ۹۲۴/۲

سَأَلْتُ رَبِّیْ فِیمَا اخْتَلَفَ فِیهِ اَصْحَابِیْ مِنْ بَعْدِیْ فَاَوْحَی اللّٰهُ اِلَیَّ یَامُحَمَّدُ اِنَّ اَصْحَابَكَ عِنْدِیْ بِمَنْزِلَةِ النُّجُومِ فِی السَّمَاءِ بَعْضُهَا اَضْوَا مِنْ بَعْضٍ فَمَنْ اَخَذَ بِشَیْءٍ مِمَّا هُمْ عَلَیْهِ مِنْ اِخْتِلَافِهِمْ فَهُوَ عِنْدِیْ عَلَی هُدًی

میں نے اپنے رب سے میرے بعد صحابہؓ کے اختلاف کے بارے میں پوچھا تو اللہ تعالیٰ نے مجھ پر وحی نازل کی: اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! بے شک میرے نزدیک آپ کے صحابہ کرامؓ آسمان میں ستاروں جیسے ہیں۔ ان میں سے بعض دوسروں سے زیادہ روشن ہیں۔ جس نے ان کے اختلاف میں سے کسی چیز کو لیا تو وہ میرے نزدیک ہدایت پر ہے۔

ناصر الدین البانیؒ کے مطابق یہ حدیث بھی موضوع اور من گھڑت قرار دی گئی ہے(۱)۔

اِنَّ اَصْحَابِیْ بِمَنْزِلَةِ النُّجُومِ فِی السَّمَاءِ فَاَیُّهَا اَخَذْتُمْ بِهِ اهْتَدَیْتُمْ وَ اخْتِلَافُ اَصْحَابِیْ لَكُمْ رَحْمَةٌ

بیشک میرے صحابہ کرامؓ آسمان میں ستاروں جیسے ہیں۔ تم نے ان کے اختلاف میں سے جو بھی لیا تو تم نے ہدایت پائی۔ میرے صحابہ کرامؓ کا اختلاف تمہارے لیے رحمت ہے۔

اس حدیث کے بارے میں بھی ناصر الدین البانیؒ نے لکھا ہے کہ یہ حدیث بھی موضوع اور من گھڑت ہے(۲)۔ لیکن عبدالحی لکھنویؒ لکھتے ہیں: بِاَیِّهِمْ اقْتَدَیْتُمْ اهْتَدَیْتُمْ (ان میں سے جس کی بھی تم نے پیروی کی، تم نے ہدایت پائی)، یہ حدیث مختلف الفاظ میں روایت ہوئی ہے۔ علماء نے اس پر بہت جرح کی ہے۔ بعض نے اسے موضوع حدیث گمان کیا ہے، جبکہ ایسا نہیں ہے۔ اس حدیث کے طُرقِ روایت ضعیف ہیں لیکن اس سے حدیث کا موضوع ہونا لازم نہیں آتا(۳)۔

اِجماع سے استدلال

اس بات پر اِجماعِ صحابہؓ ہے کہ مجتہد صحابہ کا ایک دوسرے سے اختلاف کرنا جائز ہے۔ اگر قولِ صحابی حجت ہوتا تو کسی معاصر صحابی کے لیے اس کی مخالفت جائز نہ ہوتی۔ جس طرح قرآن وسنت حجت ہیں، ان کا اتباع لازم ہے اور کسی کے لیے ان دونوں کی مخالفت جائز نہیں ہے، اسی طرح صحابی کی مخالفت بھی جائز نہ ہوتی۔ جب صحابہؓ میں سے بعض کی بعض سے مخالفت جائز ہے تو غیر صحابی کے لیے بھی ان کی مخالفت جائز ہے۔ صحابہؓ کا یہ فقہی موقف تھا

۱۔ سلسلة الأحاديث الضعيفة و الموضوعة ۱/۸۱

۲۔ حوالہ بالا ۱/۷۹

۳۔ تحفة الأخيار ص ۵۳

کہ اختلاف جائز ہے۔ جو آدمی تقلید کو جائز قرار دیتا ہے وہ اِجماع کی مخالفت کرتا ہے(۱)۔

اقوالِ ائمہ

منفرد و تنہا قولِ صحابی کی عدم حجیت پر ائمہ حضرات کے بھی اقوال ملتے ہیں (۲):

۱۔ حضرت عمرؓ نے قاضی شُریحؒ کو لکھا تھا: جو کتابُ اللہ میں ہے اس کے مطابق فیصلہ کرو۔ اگر کتابُ اللہ میں نہ ہو تو سنّت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق فیصلہ کرو۔ اگر کتابُ اللہ اور سنّتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نہ ہو تو صالحین کے فیصلوں کے مطابق فیصلہ کرو۔ اگر کتابُ اللہ اور سنّتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نہ ہو اور نہ ہی صالحین نے اس کا فیصلہ کیا ہو تو پھر اگر تم اجتہاد کرنا چاہو تو کرو اور اگر معاملہ متاخر کرنا چاہو تو متاخر کرو، اور میں سمجھتا ہوں کہ متاخر کرنا تمہارے لیے بہتر ہے(۳)۔

حضرت عمرؓ نے یہ نہیں فرمایا کہ جس پر کچھ صالحین نے فیصلہ کیا ہو، بلکہ یہ فرمایا کہ جس پر صالحین نے فیصلہ کیا ہو، اور یہ تمام صالحین کا اِجماع ہے۔ حضرت عمرؓ نے یہ بھی نہیں فرمایا کہ اگر تمہیں قرآن و سنّت میں نہ ملے تو میرے قول کی طرف رجوع کرنا۔

۲۔ شہادتِ حضرت عمرؓ کے بعد انتخابِ خلیفہ کے مسئلہ پر حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے حضرت علیؓ سے پوچھا تھا: کیا وہ کتابُ اللہ، سنّتِ نبوی اور حضرت ابوبکرؓ وحضرت عمرؓ کے طریقوں پر چلنے کا عہد کرتے ہیں؟ حضرت علیؓ نے فرمایا تھا: نہیں، بلکہ میں اپنی کوشش اور طاقت کے مطابق عمل کرنے کا عہد کرتا ہوں (۴)۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے اتباع کی شرط پر حضرت عثمانؓ کی خلافت کا اعلان کیا تھا۔ اس پر اجماع ہے کہ مذہبِ صحابی دوسرے صحابی پر حجت نہیں ہے۔ شیخین یعنی حضرت ابوبکرؓ وحضرت عمرؓ کے اتباع کی شرط پر حضرت عثمانؓ کو خلافت دینے والے واقعہ کی تاویل کرنا واجب ہے۔ اس سے یہ مُراد ہے کہ شیخین کی سیرت اور سیاست میں ان کا اتباع کیا جائے گا، ان کے فقہی مذہب میں نہیں۔

حضرات صحابہ کرامؓ نے تابعین کو اختلاف کرنے کی اجازت دی تھی۔ وہ صحابہؓ کی موجودگی میں فتویٰ دیتے اور صحابہؓ سے اختلاف کیا کرتے تھے۔ تابعی ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن بن عوفؒ نے کسی مسئلہ میں حضرت عبداللہ بن

۱۔ آمدی، الإحکام فی أصول الأحکام ۳۸۶/۴۔ الإبهاج فی شرح المنهاج ۱۹۴/۳۔ قواطع الأدلّة ۳۴۳/۲۔ نهایة السول ۴۰۵/۴۔ التحصیل من المحصول ۳۱۹/۲۔ الفصول فی الأصول ۳۲/۴۔ التمهید فی أصول الفقه ۳۳۸/۳

۲۔ ابن حزم، الإحکام فی أصول الأحکام ۷۸/۶۔ أصول الجصاص ۱۵۶/۲۔ تقویم الأدلّة ص ۲۵۷۔ قواطع الأدلّة ۳۴۳/۲۔ منتهی الوصول و الأمل ص ۲۰۷۔ الإبهاج فی شرح المنهاج ۲۷۳/۳

۳۔ سنن النسائی، کتاب آداب القضاة، باب الحکم باتفاق أهل العلم ۲۲۳/۸

۴۔ تاریخ الأمم و الملوك ۴۰/۵

عباسؓ کی مخالفت کی اور وہ دونوں یہ مسئلہ اُم المومنین حضرت اُم سلمہؓ کے پاس لے کر گئے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے ابوسلمہؒ سے یہ نہیں کہا تھا کہ میں صحابی ہوں، تمہارے لیے میری مخالفت کرنا جائز نہیں ہے اور میرا اِتباع و تقلید تم پر واجب ہے۔

عقلی دلائل

منفرد قولِ صحابی کو حجت قرار نہ دینے کی تائید میں عقلی دلائل بھی پیش کیے جاتے ہیں جن میں سے چند اہم دلائل مندرجہ ذیل ہیں (۱):

۱۔ قولِ صحابی کو حجت مان لینے سے اللہ تعالیٰ کے دلائل و براہین کا مختلف اور متعارض ہونا لازم آتا ہے کیونکہ صحابہؓ نے کئی مسائل میں اختلاف کیا اور ایک ایک مسئلہ میں ان کے متعدد اقوال ہیں۔

۲۔ اگر قولِ صحابی دلیل اور حجت ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح صحابہؓ بھی لوگوں کو اپنے قول کی طرف بلاتے۔

۳۔ قیاس اصولِ دین میں سے ایک اصل اور ادلہ شرعیہ میں سے ایک شرعی دلیل ہے۔ نص کی عدم موجودگی میں قیاس پر عمل کرنا واجب ہے۔ اس کی دلیل حضرت معاذؓ کی حدیث ہے: اَجْتَهِدُ رَاْيِي یعنی اگر مجھے کتاب و سنت سے مسئلہ کا حکم نہ ملا تو میں اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا۔

جب کسی مسئلہ کے حکم میں قیاس شرعی دلیل ہے تو وہ قولِ صحابی پر مقدم ہے۔ قولِ صحابی کو قیاس پر مقدم کرنے سے یہ لازم آئے گا کہ اگر کوئی حدیث قولِ صحابی سے متعارض ہو تو ان دونوں میں تعارض واقع ہو جائے، یا حدیث اور قولِ صحابی دونوں میں سے کوئی ایک دوسرے کو منسوخ کر دے، جیسا کہ دو متعارض نصوص کے درمیان ہوتا ہے۔ قیاس پر ایسے شخص کا قول مقدم نہیں ہوتا جس کے لیے خطا جائز ہے۔

۴۔ اگر قولِ صحابی مشہور ہوا اور کسی نے اس کی مخالفت نہیں کی تو یہ یا تو اِجماع ہے یا نہیں ہے۔ اگر اجماع ہے تو پھر اِجماع حجت ہے، مذہبِ صحابی حجت نہیں ہے۔ اگر یہ اجماع نہیں ہے تو پھر اس میں حجیت مطلقاً نہیں پائی جاتی۔

۵۔ ممکن ہے کہ صحابی کا قول توقیفی ہو یا اجتہادی ہو، لہٰذا شک سے سنت کو ثابت کرنا جائز نہیں ہے۔ اگر اس

۱۔ آمدی، الإحکام فی أصول الأحکام ۳۸۶/۴ ومابعد، ۸۶،۵۴/۶ ومابعد۔ الواضح فی أصول الفقه ۲۱۱/۵ ومابعد۔ تقویم الأدلّة ص ۲۵۷۔ التبصرة فی أصول الفقه ص ۳۹۶ ومابعد۔ قواطع الأدلّة ۳۹۰/۱، ۱۰/۲ ومابعد۔ التمهید فی أصول الفقه ۳۳۶/۳ ومابعد۔ نهایة السول ۴۱۸/۴ ومابعد۔ المحرر فی أصول الفقه ۲/ ۔ تخریج الفروع علی الأصول ص ۱۷۹۔ التعارض والترجیح ۱۴۸/۱۔ المستصفی فی علم الأصول ۱۴۸/۱، ۱۶۹۔ ارشاد الفحول ص ۴۰۶۔ البرهان فی أصول الفقه ۱۳۶۰/۲۔ التحصیل من المحصول ۳۱۹/۲

طرح قولِ صحابی سے سنت ثابت ہو تو پھر قولِ تابعی سے بھی سنت ثابت ہوگی، جبکہ اس سے سنت ثابت نہیں ہوتی، تو پھر قولِ صحابی سے بھی سنت ثابت نہیں ہوگی۔

۶۔ حضرات صحابہ کرامؓ کے عہد میں ان کے اقوال حجت نہیں تھے، لہٰذا اِستصحاب (۱) کی رو سے ان کے اقوال بعد والوں پر حجت نہیں ہیں۔

۷۔ انسان پر کسی غیر کا اِتباع واجب نہیں ہے، سوائے اس کے کہ متبوع یعنی جس کا اِتباع کیا جائے اس میں کوئی ایسا لازمی وصف پایا جائے جس میں تابع یعنی اِتباع کرنے والا شریک نہ ہو، جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرنا واجب ہے کیونکہ ان کے لیے عصمت خاص ہے۔ اجماعِ امت کی اطاعت کرنا واجب ہے کیونکہ اس کی بھی عصمت ثابت ہے۔ لیکن ایک صحابی کو دوسرے صحابی پر اور ایک مجتہد کو دوسرے مجتہد پر کوئی خصوصیت حاصل نہیں ہے، لہٰذا اس کا اتباع واجب نہیں ہے۔

۸۔ یہ ضروری ہے کہ مجتہد اپنے اجتہاد پر عمل کرے۔ اس سے وہ اللہ تعالیٰ کا مطیع رہے گا۔ اللہ تعالیٰ نے دلائل و براہین اسی لیے قائم کیے ہیں کہ مکلّف، یعنی شرعی طور پر ذمہ دار فرد، ان میں اجتہاد کرے۔ ایک مجتہد دوسرے سے اولیٰ و برتر نہیں ہے۔ اپنے اجتہاد پر عمل کو بلا دلیل ترک کرنا جائز نہیں ہے۔

۹۔ صحابہ کرامؓ نے رائے سے جو فتاویٰ دیئے وہ اس طور پر نہیں تھے کہ وہ دوسروں پر لازم ہیں اور نہ اس طور پر کہ صرف ان ہی کا فتویٰ حق و درست ہے۔ بلکہ انھوں نے اپنے غالب گمان کے طور پر یا فریقین میں صلح کرانے کے لیے فتاویٰ دیئے تھے۔ لہٰذا صحابہ کرامؓ سے اس طریق سے ملنے والی چیز کو حجت قرار دینا جائز نہیں ہے۔

۱۰۔ صحابہ کرامؓ اپنے قول میں خطا سے غیر معصوم و غیر مامون تھے۔ صحابی کے لیے عصمت ثابت نہیں ہے۔ وہ اہلِ اجتہاد میں سے تھے جن سے خطا اور صواب دونوں کا امکان تھا۔ جس کا قول خطا سے غیر معصوم ہو، وہ دوسروں پر حجت نہیں ہوسکتا۔ حجت کا مدار عصمت ہے جو صحابہ کرامؓ میں نہیں پائی جاتی۔ دو معصوم کیسے اختلاف کر سکتے ہیں؟

۱۔ اِستِصحاب شرعی دلائل میں سے ایک دلیل ہے جس کی مدد سے احکام اخذ کیے جاتے ہیں۔ استصحاب مصاحبت سے ماخوذ ہے۔ استصحاب کا معنی ہے: مصاحبت چاہنا، ساتھ رہنا، چمٹے رہنا اور جدا نہ ہونا، کسی چیز کا اسی حالت میں باقی رہنا جب تک اسے تبدیل کرنے والی کوئی چیز نہ پائی جائے۔ اسلامی اصولِ قانون (جورس پروڈنس) کی روشنی میں استصحاب کا معنی ہے: ماضی میں کسی چیز کی حالت کو حال کے زمانہ میں جاری رکھنا، جب تک کہ اس حالت کو تبدیل کرنے کی کوئی دلیل نہ پائی جائے۔ اگر کسی چیز کا وجود ماضی میں دلیل کے ساتھ ثابت شدہ ہے اور زمانہ حال میں اس کے وجود کی نفی پر کوئی دلیل نہیں ملتی تو پھر اس چیز کو حال میں بھی اسی طرح موجود سمجھا جائے گا جس طرح کہ وہ ماضی میں تھی۔ اسی طرح اگر ماضی میں کسی چیز کا عدم وجود دلیل کے ساتھ ثابت ہے اور بعد والے زمانے میں اس کے وجود پر کوئی دلیل نہیں ملتی تو ماضی میں اس چیز کے عدم وجود کا حکم زمانہ حال میں بھی اسی طرح باقی رکھا جائے گا۔ مثلاً ایک شخص کسی زمین پر بطور مزارع کام کرتا ہے اور یہ بات ثابت شدہ ہے۔ بعد میں اگر وہ مزارع دعویٰ کرے کہ وہ اس زمین کا مالک ہے تو جب تک وہ ملکیت ثابت نہیں کرتا، وہ مزارع ہی سمجھا جائے گا۔ علم اصولِ فقہ: ایک تعارف ۱/۴۷۵

عصمتِ صحابہؓ کے لیے کوئی دلیل نہ ہونا، ان میں اختلاف کا واقع ہونا اور ان کا اپنی مخالفت کرنے کو جائز قرار دینا، یہ تین قطعی دلائل ہیں جو یہ ثابت کرتے ہیں کہ قولِ صحابی حجت نہیں ہے۔

امام ابن حزمؒ نے پچیس سے زائد ایسی مثالیں بیان کی ہیں جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ کی آراء کو خطا پر مبنی قرار دیا تھا(۱)۔ بھلا ایسے افراد کی تقلید کیسے جائز ہو سکتی ہے جو خطا بھی کرتے ہیں اور صحیح بھی ہوتے ہیں؟

۱۱۔ صحابہ کرامؓ نے خود کبھی اپنی رائے کو شریعت قرار نہیں دیا اور نہ لوگوں کو اپنی تقلید کی طرف بلایا تھا۔ انہوں نے اپنی رائے کو اپنی طرف منسوب کیا، نہ کہ شریعت کی طرف۔ مثلاً یہ روایت کیا گیا ہے کہ حضرت عمرؓ کے کاتب نے ایک مرتبہ یہ فقرہ لکھ دیا تھا: یہ وہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے دکھایا اور حضرت عمرؓ نے دیکھا۔ اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا: اسے یوں لکھو: یہ وہ ہے جو حضرت عمرؓ نے دیکھا(۲)۔ حضرت زید بن ثابتؓ نے ایک مسئلہ میں فتویٰ دیا تو فرمایا تھا: میری رائے مسلمانوں پر لازم نہیں ہے(۳)۔

۱۲۔ صحابہ کرامؓ نے متعدد مواقع پر برملا اس بات کا اعتراف کیا کہ ان کا اجتہادی فیصلہ اور ان کی رائے خطا پر مبنی ہو سکتی ہے۔ مثلاً حضرت ابوبکر صدیقؓ نے کلالہ(۴) کے مسئلہ میں فرمایا تھا: میں اس بارے میں فیصلہ کرتا ہوں۔ اگر یہ فیصلہ درست ہے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے، اور اگر یہ فیصلہ غلط ہے تو یہ میری اور شیطان کی طرف سے ہے۔ اللہ تعالیٰ اس سے بری ہیں(۵)۔

حضرت عمرؓ نے کسی مسئلہ میں اپنی رائے سے جواب دیا تو ایک آدمی نے کہا: آپ نے حق پالیا۔ اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا تھا: اللہ کی قسم! عمر نہیں جانتا کہ وہ (یعنی حضرت عمرؓ) درستی پر ہے یا اس نے غلطی کی، لیکن اس نے حصولِ حق میں کوتاہی نہیں کی(۶)۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے ایک موقع پر فتویٰ دینے کے بعد فرمایا تھا: اگر یہ درست ہے تو اللہ تعالیٰ کی

۱۔ ابن حزم، الإحکام فی أصول الأحکام ۶/۸۴، ۸۵

۲۔ الوصول إلی الأصول ۲/۳۳۔ تلخیص الحبیر ۴/۱۹۵

۳۔ أصول الجصاص ۲/۱۷۴۔ العدۃ فی أصول الفقہ ۴/۱۱۹۱

۴۔ اسلامی قانونِ میراث میں لفظ کلالہ کا اطلاق وارث اور مورث دونوں پر ہوتا ہے۔ اگر کلالہ مورث ہے تو اس سے مراد وہ میت ہے جس کا نہ والد ہو اور نہ اولاد۔ جب اس کا اطلاق وارث پر ہوتا ہے تو اس سے مراد وہ شخص ہے جو نہ والد ہے اور نہ اولاد میں سے ہے۔ کلالہ کا لفظی معنی تھکاوٹ ہے۔ کلالہ کی صورت میں میراث دُور کے رشتہ دار سے یا دُور کے رشتہ دار کو ملتی ہے۔ گویا کلالہ کے مسئلہ میں میراث تھکاوٹ کے ساتھ چلتی ہے۔

۵۔ ابن حزم، الإحکام فی أصول الأحکام ۶/۱۲۷۔ أصول الجصاص ۲/۲۳۶

۶۔ أصول الجصاص ۲/۱۷۴۔ المحرر فی أصول الفقہ ۲/۸۳

طرف سے ہے۔ اگر یہ غلط ہے تو میری اور شیطان کی طرف سے ہے۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم دونوں اس خطا سے بری ہیں (۱)۔

حضرت زید بن ثابتؓ سے لوگوں نے مسائل دریافت کیے۔ آپ نے انہیں ان مسائل کا حل بتا دیا۔ انہوں نے جا کر سب لکھ لیے اور حضرت زیدؓ سے اس کا ذکر کیا۔ حضرت زیدؓ نے اپنا عذر پیش کیا اور فرمایا: بہت ممکن ہے کہ جو میں نے تمہیں کہا ہے وہ سب غلط ہو۔ میں نے تو اپنی کوشش واجتہاد سے تمہیں اپنی رائے دی تھی (۲)۔

۱۳۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اقوال صحابہؓ کی پیروی کرنے کا حکم کیسے دے سکتے ہیں جبکہ صحابہ کرامؓ سے اپنے فتاویٰ میں خطا بھی ہو جاتی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض صحابہؓ کے اقوال ان کی خطا کی بنا پر رد بھی کیے۔ جو شخص خطا کرتا ہے اس کا اتباع واجب کیسے ہو سکتا ہے؟ ایسی بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منسوب کرنا باطل کا اتباع واجب کرنا، کسی چیز کو ایک ہی وقت میں حلال اور حرام کرنا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ باندھنا ہے۔

۱۴۔ یہ احتمال کہ صحابی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہوگا، تو قولِ صحابی کو توقیف پر محمول کرنے کا دعویٰ بلا دلیل ہے۔ اگر صحابی نے سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں سے کہا ہوتا اور اس کے پاس نقل وروایت میں سے کچھ ہوتا تو وہ اسے ضرور روایت کرتا۔ صحابہ کرامؓ دین کی تبلیغ پر مامور تھے۔ لہٰذا ظاہر یہی ہے کہ صحابہؓ نے بلا توقیف کہا ہے اور ان کے پاس اس سے متعلق کوئی روایت اور خبر نہیں ہے۔ جو چیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف مُسنَد نہ ہو اس کا اتباع فرض نہیں ہے۔ یہ محال ہے کہ صحابی کے پاس کوئی حدیث ہو اور اس نے اسے دوسروں تک نہ پہنچایا ہو۔

حضرت ابو ہریرۃؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ كَتَمَ عِلْمًا أُلْجِمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِلِجَامٍ مِنَ النَّارِ (۳)

جس نے علم چھپایا، اسے قیامت کے روز آگ کی لگام ڈالی جائے گی۔

حدیث سے بڑھ کر کوئی اور علم نہیں ہے۔ علم چھپانا بظاہر صحابہ کرامؓ کے خلاف ہے۔ اب یہی ایک صورت باقی رہ جاتی ہے کہ صحابہؓ نے وہ قول اپنی رائے اور اجتہاد سے کہا ہے۔ ہم پر واجب ہے کہ صحابہؓ سے حسنِ ظن رکھیں تو یہ بھی واجب ہے کہ بلا ثبوت کسی قول یا فعل کی اضافت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نہ کریں۔

۱۵۔ مخالفِ قیاس قول کو بھی توقیفی کہنا صحیح نہیں ہے۔ اگر صحابہؓ کے پاس حدیث ہوتی تو وہ اسے ضرور روایت کرتے۔ ایسے قول کو توقیفی کہنا صحابہؓ کے ساتھ سوئے ظن ہے۔ ہم کوئی ایسی چیز ان سے وابستہ نہیں کر سکتے جس سے ان کے فرائض میں کوتاہی اور ان پر کوئی سرزنش اور وعید لازم آئے۔ جس قدر ممکن ہو، ان کے اقوال کو سلامتی پر محمول

۱۔ اعلام الموقعین ۱/۵۹

۲۔ الکامل فی ضعفاء الرجال ۴/۱۴۰

۳۔ سنن أبی داؤد، کتاب النکاح، باب فیمن تزوج و لم یُسم صداقا حتی مات

کرنا ہوگا۔ یہ بھی احتمال ہے کہ صحابی نے جس چیز کو دلیل سمجھتے ہوئے مخالفِ قیاس قول کہا ہو، وہ دلیل ہی نہ ہو۔ مزید یہ بات بھی ہے کہ مخالفِ قیاس قول کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سماعت پر محمول کرنے کی دلیل اس بات کا اقرار ہے کہ قولِ صحابی حجت نہیں بلکہ حدیث حجت ہے۔

۱۶۔ تنزیلِ وحی کا مشاہدہ، اوامرِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اسباب سے آگاہی اور صحبتِ نبوی کا شرف حاصل ہونے سے اقوالِ صحابہؓ کی حجیت لازم نہیں آتی۔ اگر ایسا مان لیا جائے تو پھر یہ بھی لازم آتا ہے کہ تابعین شاہدِ صحابہؓ تھے، وہ انہیں زیادہ جانتے تھے، لہٰذا تابعین کی تقلید واجب ہے۔ اس طرح یہ بات زمانہ بعد زمانہ بڑھتی چلی جائے گی حتی کہ معاملہ ہم تک آن پہنچے گا اور ہماری تقلید بھی واجب ٹھہرے گی۔

۱۷۔ بلاشبہ صحابیت بہت بلند مقام ہے، لیکن یہ فضیلت اس بات کو لازم نہیں کرتی کہ حجیتِ قول میں اور اتباع میں صحابی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درجہ پر مان لیا جائے۔ یہ مقام صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہے، کسی اور کو نہیں، خواہ وہ شخص علمِ دین میں کیسے ہی بلند مقام پر فائز ہو۔ صحابہ کرامؓ رتبہ عالیہ پر فائز تھے مگر اس رتبہ عالیہ کے باوجود وہ معصوم نہیں تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اور آپ سے سماعت یہ چیزیں صحابہ کرامؓ کو اجتہاد میں خطا سے معصوم نہیں کرتیں۔ اس سے اجتہادِ صحابی کا صحت و درستی کے قریب ترین ہونا تو ممکن ہے لیکن اس سے صحابی کا اتباع لازم نہیں آتا۔

۱۸۔ اگر صحبت، مشاہدہ اور سماع کی بنا پر تقلیدِ صحابہؓ واجب مان لی جائے تو پھر یہ لازم آئے گا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کم صحبت رکھنے والا صحابی طویل صحبت والے صحابی کی تقلید کرے، جبکہ یہ واجب نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس اُمت کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی اور کو رسول اور واجبِ اتباع بنا کر نہیں بھیجا اور نہ کسی دوسرے کا قول شرعی حجت قرار دیا ہے، خواہ وہ شخص عظمت و منزلت کے کیسے ہی بلند مقام پر فائز ہو۔

۱۹۔ محض صحبت اور مشاہدۂ تنزیل کی بنا پر قولِ صحابی کو قوی ترین کہنا صحیح نہیں ہے۔ ممکن ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صحابی نے کوئی بات سنی تو ہو، مگر کسی غیر صحابی کو اس کے معانی و مقاصد سے زیادہ آگاہی ہو اور صحابی اجتہاد اور فقہ میں غیر صحابی سے کم ہو۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

نَضَّرَ اللّٰهُ امْرَأً سَمِعَ مِنَّا حَدِيْثًا فَحَفِظَهُ حَتّٰى يُبَلِّغَهُ، فَرُبَّ حَامِلِ فِقْهٍ اِلٰى مَنْ هُوَ اَفْقَهُ مِنْهُ وَ رُبَّ حَامِلِ فِقْهٍ لَيْسَ بِفَقِيْهٍ(۱)

اللہ تعالیٰ اسے تر و تازہ رکھے جس نے ہم سے حدیث سنی اور اسے یاد کیا، یہاں تک کہ اسے دوسروں تک پہنچایا۔ پس بہت سے حاملِ فقہ ایسے ہیں جو اسے زیادہ فقیہ لوگوں تک پہنچا دیں

۱۔ سنن أبي داؤد، كتاب العلم، باب فضل نشر العلم

گے اور بہت سے حاملِ فقہ ایسے ہیں جو خود فقیہ نہیں ہیں۔

۲۰۔ یہ کہنا کہ ہر مجتہد اپنی اجتہادی رائے میں درست ہے اور ہر درست وصواب کا اتباع جائز ہے، تو یہ صواب اس مجتہد کے حق میں ہے، کسی دوسرے کے حق میں نہیں ہے۔ اگر مقتدی کا اجتہاد اسے مجتہد کے قول کے خلاف لے جائے تو پھر اس کے لیے مجتہد کا اتباع کرنا جائز نہیں ہے۔ کسی مسئلہ میں صحابہؓ کے دو اختلافی اقوال ہوں تو مجتہد کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ ان میں سے کسی ایک کی تقلید کرے، بلکہ وہ اجتہاد کرے۔ پس ظاہر ہوا کہ ہم اس کا قول اسی کے حق میں درست قرار دے رہے ہیں، کسی دوسرے کے حق میں نہیں۔

۲۱۔ امام ابن حزمؒ نے حدیث: اَصْحَابِیْ كَالنُّجُوْمِ بِاَيِّهِمْ اقْتَدَيْتُمْ اهْتَدَيْتُمْ (میرے صحابہؓ ستاروں کے مانند ہیں۔تم ان میں سے جس کی پیروی کی، ہدایت پائی) کے تحت لکھا ہے: اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ صفت بیان فرمائی ہے: ﴿وَ مَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى﴾ (۱) (اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم خواہشِ نفس سے کوئی بات نہیں کہتے۔ یہ تو حکمِ الٰہی ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بھیجا جاتا ہے)۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سارا کلام حق اور بلاشبہ منجانب اللہ تعالیٰ ہے۔ جو کلام اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہو، اس میں اختلاف نہیں ہوسکتا۔قرآن مجید میں ہے: ﴿وَ لَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا﴾ (۲) (اگر یہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کا کلام ہوتا تو لوگ اس میں بہت اختلاف پاتے) اور اللہ تعالیٰ نے اختلاف اور تفرقہ سے منع فرمایا ہے: ﴿وَ لَا تَنَازَعُوْا﴾ (۳) (اور آپس میں مت جھگڑو)۔ یہ محال ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہؓ کے ہر قول کے اِتباع کا حکم دیں، جبکہ ان میں سے کسی نے ایک چیز کو حلال قرار دیا اور دوسرے نے اسے حرام کہا ہے۔

اگر ایسے اِتباع کا حکم دیا گیا ہوتا تو حضرت سَمُرۃ بن جُندُبؓ کی پیروی میں شراب کی بیع حلال ہوتی۔ حضرت ابوطلحہؓ کی پیروی میں روزہ دار کے لیے برف کھالینا حلال ہوتا اور دوسرے صحابہؓ کے اتباع میں یہ حرام ہوتا۔ حضرت علیؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت ابوایوب انصاریؓ اور حضرت اُبی بن کعبؓ کی پیروی میں اِکسال (۴) کی صورت میں ترکِ غسل جائز ہوتا اور حضرت عائشہؓ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی اقتداء کرتے ہوئے یہ حرام ہوتا۔ پھل میں پکنے کی صلاحیت ظاہر ہونے سے قبل اس کی بیع حضرت عمرؓ کی تقلید میں حلال ہوتی اور دوسروں کی پیروی میں یہ بیع حرام ہوتی (۵)۔

۱۔ النّجم ۵۳:۳،۴

۲۔ النسآء ۴:۸۲

۳۔ الأنفال ۸:۴۶

۴۔ اِکسال یعنی کسی نے اپنی بیوی سے جماع کیا لیکن انزال نہ ہوا۔

۵۔ ابن حزم، الإحکام فی أصول الأحکام ۶/۸۳

فریقین کے دلائل کا جائزہ

منفرد و تنہا قولِ صحابی یقیناً قرآن و سنّت کے برابر درجہ نہیں رکھتا، لیکن اسے بالکل نظر انداز بھی نہیں کیا جاسکتا۔ شریعتِ اسلامی کے بنیادی مصادر دو ہیں: کتابُ اللہ اور سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ جہاں اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم پایا جائے وہاں کسی صحابی کے مخالف قول یا فعل کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ قولِ صحابی قرآن و سنت کے برابر تو نہیں، لیکن ان دونوں کے بعد ضرور ہے۔ جہاں کتاب و سنّت خاموش ہوں اور کسی صحابی کا فتویٰ پایا جائے تو شرعی حکم کے ثابت کرنے میں وہ فتویٰ لے لینا چاہیے۔

قرآن مجید اور احادیث میں صحابہ کرامؓ کی جو شان و توصیف بیان ہوئی ہے وہ اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ دینی امور میں ان کے اقوال کو یکسر نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ انہیں محض ایک عام فرد کی رائے قرار دے کر ترک کر دینا اس توصیف و تعریف کی توہین ہے جو صحابہ کرامؓ کے بارے میں قرآن و سنّت میں بیان ہوئی ہے۔ اگر صحابہ کرامؓ کے اقوال و فتاویٰ بھی غیر صحابی کی طرح محض اجتہادی رائے اور ان کی ذات تک محدود ہیں تو پھر ان کی توصیف اور فضیلت اُمت کو بیان کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ قرآن و سنّت نے صحابہ کرامؓ کو جو اہمیت دی ہے وہ بعد والوں کے لیے قیامت تک ہے۔ بعد والوں کے لیے صحابہ کرامؓ اب جسمانی اعتبار سے اہم نہیں ہوسکتے، یہ ان کے اقوال و آثار ہی ہیں جنہیں اہمیت دی جائے گی۔

قولِ صحابی کے بارے میں یہ مطلق طور پر نہیں کہا جاسکتا کہ وہ حجت ہے یا وہ حجت نہیں ہے، بلکہ اس کے کئی پہلو اور جہتیں ہیں۔ بعض جہتوں سے صحابی کا قول حجت قرار پاتا ہے اور بعض پہلوؤں سے وہ حجت نہیں بن سکتا۔ اس کے تمام پہلوؤں پر ایک حکم نہیں لگایا جاسکتا۔

اگر صحابی کا قول مخالفِ قیاس ہے تو اسے اس بات پر محمول کرنا چاہیے کہ یہ صحابی کی ذاتی رائے نہیں بلکہ اس نے اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہوگا۔ صحابہؓ کے بارے میں یہ گمان کرنا ان کی شان کے خلاف ہے کہ وہ کسی شرعی حکم کی دریافت میں قیاس سے کام لینا نہ جانتے تھے، اس لیے خلافِ قیاس فتویٰ دے دیا۔ خلافِ قیاس قول کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سماع پر محمول کرنا راجح ہے۔ احکامِ شریعت کا لازماً عقل و قیاس کے مطابق و تابع ہونا ضروری نہیں ہے۔

اسی طرح وہ قول جس میں رائے اور اجتہاد کا دخل نہیں ہے مثلاً مقداروں کے بارے میں قول، ایسا قول سماع پر محمول ہوگا اور مرفوع شمار کیا جائے گا۔ غیر اجتہادی مسائل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنے بغیر فتویٰ نہیں دیا جاسکتا تھا۔ جب کسی مسئلہ سے متعلق یہ طے کر لیا جائے کہ وہ غیر اجتہادی ہے تو پھر اس کا مطلب یہ ہے کہ اس مسئلہ میں قول بھی صحابی کی ذاتی رائے نہیں ہے۔ صحابی نے اسے ضرور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہوگا۔ حضرات

صحابہ کرامؓ سے یہ بعید ہے کہ وہ غیر اجتہادی امور میں رائے سے کام لیں۔ وہ تو اجتہادی امور میں بھی ذاتی رائے کے استعمال میں بہت محتاط تھے۔

اگر منفرد قولِ صحابی کی کسی دوسرے صحابی نے مخالفت نہیں کی ہے تو یہ قول حجت مانا جانا چاہیے۔ ایسے قول کی مخالفت نہ ہونا اس کے درست ہونے کی دلیل ہے۔ اگر اس قول میں کوئی خطا یا کوئی نقص ہوتا تو صحابہؓ ضرور اس پر اعتراض اور اس کی مخالفت کرتے۔

اگر قولِ صحابی ایسا ہے جس میں عقل ورائے کا دخل ہے اور اس قول کے مخالف کسی دوسرے صحابی کا قول بھی پایا جاتا ہے تو ایسا قول حجت معلوم نہیں ہوتا۔ کوئی صحابی اپنی ذاتی رائے اور اجتہاد میں معصوم عن الخطا نہیں ہے۔ جس میں خطا کا احتمال ہے وہ حجت نہیں ہے۔ خطا سے معصوم صرف قرآنی، نبوی اور اجماعی احکام ہیں۔

اگر زیر غور مسئلہ کے شرعی حکم سے متعلق کتاب وسنت خاموش ہیں اور اس کے بارے میں صحابی کا فتویٰ پایا جاتا ہے جس سے اختلاف کی ضرورت بھی نہیں ہے، تو پھر صحابی کا فتویٰ ہماری ذاتی رائے اور اجتہاد سے بہتر ہے۔ دینی امور میں صحابی کی رائے ہماری رائے سے یقیناً زیادہ صائب وصحیح ہے۔ ذاتی رائے کے بجائے قولِ صحابی اختیار کرنے سے حکم کی ذمہ داری ہم پر نہیں آتی۔ یہی محتاط طرزِ عمل ہے۔

صحابہؓ کے اختلافی اقوال

اگر کسی مسئلہ کے حکم میں صحابہ کرامؓ کے ایک سے زیادہ اقوال ہوں تو ان میں ترجیح قائم کی جائے گی۔ اقوال صحابہؓ میں تعارض اور اختلاف کی وجہ سے مسئلہ پر عمل درآمد روکا نہیں جائے گا، جیسے آیات اور احادیث میں ظاہری تعارض کی وجہ سے ان پر دتوقف یعنی عمل سے رکے رہنا جائز نہیں ہے(۱)۔ایک مسئلہ میں صحابہ کرامؓ کے اختلافی اقوال ہونا ایسے ہی ہے جیسے قیاس کے مختلف پہلوؤں کا تعارض ہو۔ جب صحابہ کرامؓ نے ایک مسئلہ میں اختلاف کیا اور کسی نے بھی اس مسئلہ کا شرعی حکم معلوم کرنے کے لیے مرفوع حدیث سے دلیل قائم نہیں کی، تو اب یہ احتمال نہیں رہا کہ کسی صحابی نے اس مسئلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ سنا ہوگا۔ یوں اس مسئلہ میں توقیف کا احتمال ساقط ہوگیا اور رائے اور اجتہاد کا پہلو متعین ہوگیا۔اس طرح ان اقوال میں ترجیح قائم کرنا لازم ہوجاتا ہے(۲)۔

صحابہ کرامؓ کے اختلافی اقوال میں ترجیح کی صورت کیا ہو؟ اس بارے میں فقہی آراء مندرجہ ذیل ہیں:

امام ابوحنیفہؒ سے مروی قول ہے: میں کتاب اللہ سے لیتا ہوں، اگر اس میں نہ پاؤں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّت سے لیتا ہوں۔ اگر کتاب اللہ اور سنّت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نہ ملے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرامؓ کے اقوال سے لیتا ہوں۔ ان میں سے جس کا قول چاہتا ہوں لے لیتا ہوں اور جس کا قول چاہتا ہوں چھوڑ دیتا ہوں، لیکن میں صحابہ کرامؓ کے اقوال سے باہر نہیں نکلوں گا۔ صحابہ کرامؓ کے علاوہ کسی اور کے قول کی طرف نہیں جاؤں گا(۳)۔

امام ابوحنیفہؒ نے یہ بھی فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو ملے تو سر آنکھوں پر اور میرے والدین قربان۔ ہم میں سے کوئی اس کی مخالفت نہیں کرے گا۔ جو ہمارے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ سے آئے تو ہم انتخاب کریں گے اور جو صحابہؓ کے علاوہ دوسروں سے آئے تو وہ بھی آدمی ہیں اور ہم بھی آدمی ہیں (۴)۔

۱۔ تقویم الأدلة ص ۲۵۸

۲۔ المحرر فی أصول الفقہ ۲/ ۔عبدالعزیز بخاری، کشف الأسرار ۳/ ۳۳۳

۳۔ الإنتقاء ص ۱۴۲

۴۔ المیزان الکبریٰ ۱/ ۶۵

آپ ہی کا ایک اور قول ہے: جب ہمارے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی حدیث ملے تو ہم اسے لیں گے۔ جب ہمارے پاس صحابہؓ سے آئے تو ہم بہتر کا انتخاب کریں گے اور جب ہمارے پاس تابعین سے آئے تو ہم ان سے بحث کریں گے(۱)۔

مندرجہ بالا اقوال سے معلوم ہوا کہ امام ابوحنیفہؒ اقوالِ صحابہؓ میں سے جو قول مناسب سمجھتے اسے لے لیتے تھے لیکن آپ اقوالِ صحابہؓ سے باہر نہیں جاتے تھے۔

امام شافعیؒ نے فرمایا: اگر صحابہ کرامؓ کے اختلافی اقوال ہوں گے تو ہم ان میں سے وہ قول لیں گے جو قرآن یا سنّت یا اِجماع کے موافق ہے یا جو قیاس میں صحیح ترین ہے(۲)۔

امام شافعیؒ کے بارے میں ہے کہ وہ صحابہ کرامؓ کے اختلافی اقوال میں سے حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کے اقوال کو ترجیح دیتے تھے(۳)۔ وہ اِن ائمہ کے اقوال میں سے حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے اقوال کو راجح قرار دیتے تھے۔ ائمہ صحابہ کرامؓ کے علاوہ دیگر صحابہؓ میں سے اس صحابی کے قول کو ترجیح دیتے تھے جو زیادہ عالم ہو(۴)۔ امام شافعیؒ کسی قول کو ترجیح دینے کے لیے صحابہؓ کی تعداد اور کثرت کو بھی بنیاد بناتے ہیں۔ اگر صحابہ کرامؓ تعداد میں برابر ہیں تو پھر ان میں سے جو قول بہتر ہو اس پر عمل کیا جائے گا(۵)۔

اقوالِ صحابہؓ میں درجات و مراتب متعیّن کرنے کے لیے امام شافعیؒ یہ اصول بناتے ہیں کہ جو قول کتاب وسنت سے قریب ترین ہو، اسے اختیار کیا جائے۔ اگر قُرب کے لحاظ سے سب صحابہؓ مساوی ہوں تو خلفائے راشدینؓ کا قول راجح ہے۔ لیکن تطبیق و نفاذ کے وقت امام شافعیؒ اس صحابی کا قول لیتے ہیں جو کتاب وسنت کے قریب ترین ہو اور اسے ترجیح دیتے ہیں، خواہ وہ قول کسی خلیفہ راشد کے قول کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔

۱۔ الإنتقاء ص ۱۴۴

۲۔ الرسالة ص ۵۹۷

۳۔ معرفة السنن والآثار ۱/۱۸۳۔ المستصفى مع فواتح الرحموت ۱/۲۷۲۔ مناقب الشافعي ۱/۳۸۰۔ البحر المحيط في أصول الفقه ۶/۵۴

زرکشیؒ لکھتے ہیں: بعض مواقع پر امام شافعیؒ نے فرمایا ہے: میں ائمہ حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کے قول کو بنیاد بنا کر کہوں گا۔ وہ حضرت علیؓ کا ذکر نہیں کرتے۔ زرکشیؒ نے ابن القطانؒ کی وضاحت نقل کی ہے کہ ہم امام شافعیؒ کے بارے میں یہ گمان نہیں کر سکتے کہ انہوں نے امیر المومنین حضرت علیؓ سے اخذ کرنا چھوڑ دیا تھا۔ بلکہ زیادہ قرین قیاس یہ ہے کہ امام شافعیؒ نے دوسروں پر اکتفا کرتے ہوئے حضرت علیؓ کا ذکر نہیں کیا، کیونکہ ان میں سے بعض کا بعض سے پتہ چل جاتا ہے، لہٰذا بعض کی طرف اشارہ کیا۔ اسی لیے امام شافعیؒ نے بعض مواقع پر صرف ابوبکرؓ اور عمرؓ فرمایا۔ البحر المحيط في أصول الفقه ۲/۶۷-۶۸

۴۔ المستصفى (مع فواتح الرحموت) ۱/۲۷۲۔ مناقب الشافعي ۱/۳۸۱، ۴۴۴

۵۔ مناقب الشافعي ۱/۳۸۱

مثال کے طور پر بھائیوں کے ساتھ دادا کی میراث کے مسئلہ میں امام شافعیؒ نے حضرت علیؓ کے قول پر حضرت زید بن ثابتؓ کے قول کو ترجیح دی ہے(۱)، اس لیے کہ حضرت زیدؓ کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

اَفْرَضُهُمْ زَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ (۲)

ان میں میراث کا علم سب سے زیادہ جاننے والے حضرت زید بن ثابتؓ ہیں۔

لہٰذا امام شافعیؒ میراث میں حضرت زیدؓ کا قول راجح قرار دیتے ہیں۔ آپ کے نزدیک قضا و عدالتی امور میں حضرت علیؓ کا قول راجح ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے:

وَ اَقْضَاهُمْ عَلِيٌّ (۳)

اور ان میں قضا کا علم سب سے زیادہ جاننے والے حضرت علیؓ ہیں۔

امام شافعیؒ کے نزدیک حلال و حرام کے مسائل میں حضرت معاذ بن جبلؓ کا قول راجح ہے(۴) کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان اس پر دلالت کرتا ہے:

وَ اَعْلَمُهُمْ بِالْحَلَالِ وَ الْحَرَامِ مُعَاذُ بْنُ جَبَلٍ (۵)

ان میں حلال و حرام کو سب سے زیادہ جاننے والے حضرت معاذ بن جبلؓ ہیں۔

امام احمد بن حنبلؒ صحابہ کرامؓ کے اختلافی اقوال میں سے وہ قول لیتے تھے جو قرآن و سنت سے زیادہ قریب معلوم ہوتا تھا۔ آپ اقوالِ صحابہؓ سے باہر نہیں جاتے تھے۔ اگر کسی قول کو ترجیح دینے کی کوئی وجہ نہ ملتی تو اختلافی اقوال کا ذکر کر دیتے اور کسی ایک قول پر زور نہ دیتے(۶)۔

اقوالِ صحابہؓ میں سے کسی ایک قول کو ترجیح دینے میں امام احمد بن حنبلؒ کا تیسرا موقف بھی ہے۔ اس حوالے سے حافظ ابن قیمؒ لکھتے ہیں: اگر صحابی نے کوئی قول کہا تو اس کی دو صورتیں ہیں: یا تو کسی صحابی نے اس قول کی مخالفت کی، یا نہیں کی۔ اگر ہم مرتبہ صحابی نے مخالفت کی مثلاً خلفائے راشدینؓ یا دوسرے صحابہؓ، تو کیا وہ قول دوسروں پر حجت ہے یا نہیں؟ اس میں علماء کے دو موقف ہیں یعنی ایسے قول کی حجیت اور عدمِ حجیت کے بارے میں۔ یہ دونوں روایتیں امام احمد بن حنبلؒ سے ہیں۔ صحیح یہ ہے کہ جس طرف خلفائے راشدینؓ یا دوسرے اکابر صحابہؓ ہیں وہ قول راجح

۱۔ الأم، إختلاف علي و عبد الله بن مسعود رضي الله عنهما، باب الفرائض ۷/۱۸۹

۲۔ صحيح الترمذي، كتاب المناقب، مناقب معاذ بن جبلؓ

۳۔ سنن إبن ماجه، كتاب السنّة، باب في فضائل أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم، فضائل خبابؓ

۴۔ البرهان في أصول الفقه ۲/۱۲۸۳، ۱۲۸۴

۵۔ صحيح الترمذي، كتاب المناقب، مناقب معاذ بن جبلؓ و زيد بن ثابتؓ وأبي عبيدة بن الجراحؓ

۶۔ العدة في أصول الفقه ۴/۱۱۹۸۔ اعلام الموقعين ۱/۳۱

اور اولیٰ ہے۔ اگر ایک قول کے ساتھ خلفائے راشدینؓ ہیں تو وہ بلاشبہ صواب و درست ہے۔ جس طرف خلفاء راشدینؓ کی اکثریت ہو، اس میں صحت وصواب غالب ہے۔ اگر دونوں طرف برابر دو دو خلفاء راشدینؓ ہیں تو جس طرف حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ ہیں وہ قول صواب کے قریب ترین ہے۔ اگر حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ میں اختلاف ہے تو صواب حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ ہے۔ یہ وہ اختصار ہے، جس کی تفصیل ہر وہ شخص جانتا ہے جو اختلاف صحابہؓ اور ان کے اقوال میں ترجیح کا علم و مہارت رکھتا ہے(۱)۔

ابن حزم ظاہریؒ کی رائے میں اگر صحابہ کرامؓ کسی مسئلہ میں اختلاف رکھتے ہیں تو ایک صحابی کا قول دوسرے صحابی کے قول سے راجح و اولیٰ نہیں ہے، بلکہ ایسی صورت میں واجب یہ ہے کہ قرآن مجید اور سنّت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رجوع کیا جائے(۲)۔

جلال الدین سیوطیؒ نے تفسیری اقوال سے متعلق لکھا ہے: صحابہ کرامؓ کے متعارض اقوال کو اگر ممکن ہو تو جمع کر لیں گے۔ اگر جمع ممکن نہ ہو تو حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا قول مقدم کیا جائے گا کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو تفسیرِ قرآن کے بارے میں بشارت دی تھی اور آپ کے حق میں یہ دعا فرمائی تھی(۳):

اَللّٰهُمَّ فَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ وَ عَلِّمْهُ التَّاوِيْلَ (۴)

اے اللہ! حضرت ابن عباسؓ کو دین میں سمجھ عطا کر اور انہیں تاویل کا علم دے۔

ائمہ کرام کی مندرجہ بالا آراء کی روشنی میں یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ صحابہ کرامؓ کے اختلافی اقوال میں سے اس قول کو ترجیح دی جائے گی جو قرآن و سنّت سے زیادہ قریب ہو، جیسا کہ امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ نے فرمایا ہے۔ یہی ان اقوال میں سے بہتر کا انتخاب ہے، جیسا کہ امام ابوحنیفہؒ کا قول ہے۔ اگر کوئی قول قرآن و سنّت کے قریب ترین قرار دینا ممکن نہ ہو تو وہ قول لینا بہتر ہے جو اِجماع کے موافق یا قیاس میں صحیح ترین ہو، جیسا کہ امام شافعیؒ نے صراحت فرمائی ہے۔ اگر اس طور سے بھی ترجیح ممکن نہ ہو تو پھر وہ قول لینا چاہیے جس طرف صحابہؓ کی اکثریت ہو۔ اس میں بھی وہ قول راجح ہے جس پر خلفائے راشدینؓ ہوں۔ اگر ایک طرف خلفائے راشدینؓ ہیں اور دوسری طرف دیگر صحابہ کرامؓ، تو مقام و مرتبہ میں فضیلت کے لحاظ سے خلفائے راشدینؓ کا قول راجح ہے۔ اگر کسی مسئلہ میں دو اقوال ہیں اور ان میں خلفائے راشدینؓ برابر، برابر ہیں تو وہ قول درستی و صواب کے قریب ترین ہے، جس پر حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ ہیں۔ ان دونوں میں سے بھی حضرت ابوبکر صدیقؓ کا قول راجح ہے۔ اس کی تائید وہ

۱۔ اعلام المؤقعین ۱۱۹/۴

۲۔ المحلّٰی بالآثار ۱/۱۳۵

۳۔ الإتقان فی علوم القرآن ۲/۲۵۵

۴۔ صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابۃؓ، باب من فضائل عبداللہ بن عباسؓ

آثار کرتے ہیں جن سے صحابہ کرامؓ میں فضیلت کی درجہ بندی ظاہر ہوتی ہے۔

مثلاً حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا ہے: ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں لوگوں کے درمیان ترجیح دیا کرتے تو ہم حضرت ابوبکرؓ کو ترجیح دیتے، پھر حضرت عمرؓ اور پھر حضرت عثمانؓ کو ترجیح دیتے تھے(۱)۔

حضرت علیؓ کے بیٹے محمد بن حنفیہؒ نے آپ سے پوچھا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے افضل کون ہے؟ حضرت علیؓ نے فرمایا: حضرت ابوبکرؓ۔ محمد بن حنفیہؒ بیان کرتے ہیں کہ پھر میں نے پوچھا: ان کے بعد کون ہے؟ فرمایا: حضرت عمرؓ۔ مجھے ڈر ہوا کہ اب وہ حضرت عثمانؓ کا نام لیں گے۔ میں نے پوچھا: تو پھر آپ ہیں؟ حضرت علیؓ نے فرمایا: میں تو مسلمانوں میں سے ایک مسلمان ہوں(۲)۔

اگر کسی مسئلہ میں خلفائے راشدینؓ کے بجائے دیگر صحابہؓ کے اقوال منقول ہوں تو غیر فقیہ صحابی کے قول پر فقیہ صحابی کا قول راجح ہے۔ فقہاء صحابہؓ میں سے اُس صحابی کا قول راجح ہے جو علم میں زیادہ امتیاز و فضیلت رکھتا ہو۔ مثلاً میراث میں حضرت زید بن ثابتؓ، قضا و عدالتی امور میں حضرت علیؓ، حلال و حرام کے مسائل میں حضرت معاذ بن جبلؓ اور تاویل و تفسیر میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی فضیلت میں احادیث آئی ہیں۔ البتہ جیسا کہ اوپر بیان ہوا، امام شافعیؒ نے فرائض و میراث میں حضرت ابوبکرؓ کے قول پر حضرت زیدؓ کا قول اس بنا پر راجح قرار دیا ہے کہ فرائض میں حضرت زیدؓ کے زیادہ عالم ہونے پر نبوی شہادت موجود ہے۔

دلیل کے ساتھ ترجیح

صحابہؓ کے اختلافی اقوال میں سے کسی قول کو ترجیح دینے کے لیے یہ ضروری ہے کہ کوئی دلیل موجود ہو۔ ایک مجتہد کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ کوئی قول بلا دلیل راجح قرار دے۔ یہ جمہور اصولیین کا موقف ہے۔ وہ اپنے موقف کی تائید میں مندرجہ ذیل دلائل پیش کرتے ہیں(۳):

۱۔ ایک صحابی کا قول قوت میں کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کم ہے۔ اگر ایک مجتہد قرآن مجید یا سنتِ نبوی کے دو بظاہر متعارض حکموں کو بغیر کسی مرجح اور خارجی دلیل کے ترجیح نہیں دیتا تو یہ بات بدرجہ اولیٰ ضروری ہے کہ ایک مجتہد صحابہ کرامؓ کے متعارض اقوال میں سے کسی قول کو بلا دلیل ترجیح نہ دے۔

۲۔ جب کسی مسئلہ میں صحابہ کرامؓ کے دو اقوال پائے جاتے ہوں تو ان دونوں کا درست ہونا یا دونوں کا خطا ہونا

۱۔ صحیح البخاری، کتاب المناقب، باب فضل ابی بکرؓ بعد النبی صلی اللہ علیہ وسلّم ۵۱۶/۱

۲۔ حوالہ بالا، باب ۵۱۸/۱

۳۔ روضۃ الناظر ۲۰۶/۱۔ شرح مختصر الروضۃ ۱۸۸/۳۔ اتحاف ذوی البصائر ۱۳۵۳/۳۔ العدۃ فی أصول الفقہ ۱۲۰۸/۴۔ الواضح فی أصول الفقہ ۲۲۸/۵ ومابعد۔ ابن حزم، الإحکام فی أصول الأحکام ۷۶/۶۔ البحر المحیط فی أصول الفقہ ۶۷/۶

ممکن نہیں ہے۔ ان میں سے ایک قول درست وصواب ہے اور دوسرا خطا۔ کسی خارجی دلیل کے بغیر صواب یا خطا قول کی معرفت ممکن نہیں ہے۔ صواب اور خطا کے درمیان تمیز بلا دلیل نہیں ہوسکتی۔

۳۔ جب صحابہ کرامؓ نے ایک مسئلہ پر باہم اختلاف کیا تو انہوں نے اپنے مخالف کے اجتہاد اور اتباع دلیل کو جائز قرار دیا۔ مخالفت انکار کی ایک قسم ہے۔ ہر گروہ خطا وصواب میں دوسرے کے برابر ہے۔ ایک گروہ کا بلا ترجیح اتباع کرنا اور بلا دلیل ترجیح دینا تقلید ہے اور مجتہد کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ کوئی قول بلا دلیل لے۔

۴۔ اختلافی اقوال میں سے کوئی بھی ایک قول بلا دلیل لینا اور جسے چاہا اختیار کر لینا اسلام سے بغاوت ہے۔ اس سے یہ لازم آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا دین ہمارے اختیار میں ہو جائے۔ ہم میں سے جو چاہے اور جسے چاہے حرام یا حلال قرار دے دے۔

حنبلی فقیہ ابن قدامہؒ نے لکھا ہے: بعض حنفی فقہاء اور بعض متکلمین کے نزدیک صحابہ کرامؓ کے اختلافی اقوال میں سے کوئی ایک قول بلا دلیل لینا جائز ہے، اگر کہنے والے کی بات کا انکار نہ کیا گیا ہو(۱)۔ کیونکہ صحابہ کرامؓ کا اختلاف اس بات پر اجماع ہے کہ دو اختلافی اقوال میں سے ایک قول لینا جائز ہے۔ اسی لیے حضرت عمرؓ نے حاملہ کو رجم کرنے کے مسئلہ میں حضرت معاذ بن جبلؓ کا قول اختیار کیا تھا(۲)۔ حضرت عمرؓ نے کسی دوسرے صحابی کی رائے معلوم نہیں کی تھی حالانکہ بعض مجتہد صحابہؓ وہاں موجود تھے۔ یہ اس بات پر دلیل ہے کہ صحابہؓ کا کوئی ایک قول بلا دلیل لینا جائز ہے۔ اس موقف کے حامی علماء میں احناف میں سے سرخسیؒ اور متکلمین میں سے ابوعلی جبائیؒ اور ابوہاشم جبائیؒ کے نام بطور مثال ذکر کیے گئے ہیں (۳)۔

سرخسیؒ کے مطابق اگر صحابہ کرامؓ کسی مسئلہ میں اختلاف کریں تو حق اقوال صحابہؓ سے باہر نہیں ہے۔ کوئی شخص ایسی رائے اختیار نہ کرے جو اقوال صحابہؓ سے باہر ہو۔ وہ متاخر کو مقدم کا ناسخ بنانے کے لیے ان اقوال کی تاریخ اور زمانہ معلوم کرنے میں مشغول نہ ہو، جیسے دو آیات اور دو احادیث میں کیا جاتا ہے۔ جب صحابہؓ میں اختلاف ظاہر ہو گیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سماع بھی ثابت نہیں تو اس میں توقیف کا احتمال ختم ہو گیا۔ اب صرف رائے اور اجتہاد کی صورت باقی رہ گئی کہ یہ قول رائے سے کہا گیا ہے۔ ایک رائے دوسری رائے کا ناسخ نہیں ہوتی۔ صحابہؓ کے

۱۔ روضۃ الناظر ۴۰٦/۱

۲۔ ایک عورت کا خاوند غائب تھا۔ جب وہ واپس آیا تو اس نے حضرت عمرؓ کے سامنے اپنی حاملہ بیوی کے خلاف مقدمہ پیش کیا۔ حضرت عمرؓ نے عورت کو رجم کرنا چاہا۔ حضرت معاذ بن جبلؓ نے فرمایا: اگر آپ کو اس عورت پر اختیار حاصل ہے تو آپ کو اس بچے پر کوئی اختیار نہیں جو عورت کے پیٹ میں ہے۔ حضرت عمرؓ نے عورت کو قید کرنے کا حکم دیا یہاں تک کہ عورت نے بچہ جنم دیا۔ خاوند نے بچہ دیکھا تو کہا: یہ بچہ میرا ہے۔ اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا تھا: عورتیں حضرت معاذؓ جیسے کو جنم دینے سے عاجز ہیں۔ اگر حضرت معاذؓ نہ ہوتے تو عمرؓ ہلاک ہو جاتا۔ جامع بیان العلم و فضلہ ۹۲۰/۲

۳۔ اتحاف ذوی البصائر ۱۳۵۳/۳ومابعد

اقوال میں سے کسی ایک قول کو قوت میں زیادہ ہونے کی بنا پر ترجیح دی جاتی ہے۔ جب قوت میں زیادہ قول معلوم ہو جائے تو راجح قول پر عمل کرنا واجب ہے۔ اگر ترجیح ظاہر نہ ہو تو مسئلہ سے دوچار شخص کو اختیار ہے کہ اپنی غالب رائے میں درست قول کو اختیار کر لے۔ لیکن کسی ایک قول پر عمل کرنے کے بعد دوسرے قول پر بلا دلیل عمل نہ کرے (۱)۔

واضح ہوا کہ سرخسیؒ بھی یہ رائے رکھتے ہیں کہ اختلافی اقوال میں سے قوت میں زیادہ والے قول کو ترجیح دی جاتی ہے۔ وہی قول زیادہ قوی ہے جو قوی تر دلیل پر ہے۔ قوی تر قول کو ترجیح دینا دلیل سے ترجیح دینا ہے۔ لہٰذا صحابہؓ کے اقوال میں سے جو قول دلیل و قوت میں زیادہ ہے، وہ راجح ہے۔ اگر یہ ترجیح ممکن نہیں ہے تو وہ قول اختیار کرنا چاہیے جو غالب رائے میں صواب کے قریب تر ہے۔ اگر قرآن و سنّت اور اجماع سے کسی مسئلہ کا شرعی حکم نہ ملے اور اس بارے میں اقوالِ صحابہؓ پائے جاتے ہوں تو اصولِ ترجیح پر عمل کرتے ہوئے ان میں سے کوئی ایک قول اختیار کر لینا چاہیے۔ اقوالِ صحابہؓ سے باہر نہیں جانا چاہیے۔ خیر و سلامتی اسی میں ہے۔ حق صحابہ کرامؓ کے اقوال ہی میں ہے۔

دو اقوال پر اتفاقِ صحابہؓ کے بعد تیسرا قول لانا

اقوال میں اختلافِ صحابہؓ کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ کسی مسئلہ میں دو اقوال ہوں جن پر صحابہ کرامؓ کا اتفاق ہو گیا ہو اور وہ دونوں اقوال تسلیم کر لیے گئے ہوں، تو کیا صحابہؓ کے بعد والوں کے لیے اسی مسئلہ میں تیسرا قول لانا درست ہے؟

جمہور اصولیین کی رائے

اکثر علمائے اصولِ فقہ کے نزدیک ایسی صورت میں تیسرا قول لانا درست نہیں ہے۔ ان کے اہم دلائل مندرجہ ذیل ہیں (۲):

۱۔ جب صحابہؓ ایک مسئلہ میں دو اختلافی اقوال رکھتے ہوں تو یہ ان کی طرف سے اس بات پر اجماع ہے کہ اس مسئلہ میں ان دو اقوال کے علاوہ کوئی تیسرا قول نہیں ہے۔ انہی دو اقوال میں رہا جائے۔ صحابہؓ کا اختلاف ان دونوں اقوال میں حق کے تعین پر ہے۔ حق ان دونوں سے باہر نہیں ہے۔ ان کے علاوہ تیسرا قول اختراع کرنا جائز

۱۔ المحرر فی أصول الفقه ۲/۸۷

۲۔ المحرر فی أصول الفقه ۱/۲۳۸۔ عبدالعزیز بخاری، کشف الأسرار ۳/۳۴۷ ومابعد۔ تقویم الأدلّة ص ۲۵۹۔ التوضیح ۲/۴۹۸۔ العدة فی أصول الفقه ۴/۱۱۱۳۔ الإشارة فی أصول الفقه ص ۴۰۰۔ البرهان فی أصول الفقه ۲/۷۰۶۔ الواضح فی أصول الفقه ۵/۲۲۷۔ المعتمد فی أصول الفقه ۲/۴۴۔ روضة الناظر ۱/۳۷۷ ومابعد۔ المنخول من تعلیقات الأصول ص ۳۲۰۔ قواطع الأدلّة ۱/۴۸۸، ۲/۳۱۔ التبصرة فی أصول الفقه ص ۳۸۷ ومابعد۔ الإبهاج فی شرح المنهاج ۲/۳۶۹۔ اللمع فی أصول الفقه ص ۹۳۔ آمدی، الإحکام فی أصول الأحکام ۱/۲۲۷ ومابعد۔ اتحاف ذوی البصائر ۲/۱۲۴۹

نہیں ہے، تیسرا قول باطل ہے۔

۲۔ اصل یہ ہے کہ سکوت، موافقت پر دلالت کرتا ہے اور اس سے اجماع منعقد ہو جاتا ہے۔ صحابہؓ کا دو اقوال پر سکوت اس بات کی دلیل ہے کہ اس مسئلہ میں وہ ان دو اقوال پر متفق ہیں اور اس پر اجماع ہے۔ جس طرح کسی مسئلہ میں ایک قول پر اتفاق اس بات کی دلیل ہے کہ اس ایک قول کے علاوہ ہر قول باطل ہے، اسی طرح صحابہ کرامؓ کا دو اقوال پر اجماع تیسرے قول کا اختراع جائز قرار نہیں دیتا۔

۳۔ صحابہؓ کا اختلاف اجتہاد کو لازم نہیں کرتا بلکہ ایسے اجتہاد کا جواز مہیا کرتا ہے جس سے صحابہؓ کے اختلافی اقوال میں سے حق تلاش کیا جائے۔ یہ تیسرے قول کے لیے اجتہاد کو جائز نہیں کرتا۔

۴۔ یہ اختلاف ایسے اجتہاد کا جواز ثابت کرتا ہے جو اختلاف متعین ہو جانے سے قبل ہو، اس کے بعد تیسرے قول کے لیے اجتہاد کا جواز ثابت نہیں کرتا۔

۵۔ اگر قولِ ثالث کو جائز مان لیا جائے تو پھر یا تو وہ بلا دلیل ہوگا یا دلیل کے ساتھ ہوگا۔ اگر یہ بلا دلیل ہے تو ایسا قول ممنوع ہے۔ اگر دلیل کے ساتھ ہے تو اس سے صحابہؓ کے اختلافی اقوال میں خطا لازم آتی ہے۔ اس کے علاوہ اُمت پر بھی خطا اور غفلت لازم آتی ہے کہ وہ دلیل نہ پا سکے اور غفلت میں رہے۔ یوں وہ زمانہ حق پر قائم ہونے سے خالی رہا۔ یہ جائز نہیں ہے۔ صحابہ کرامؓ کا طویل عرصہ تک حق بات سے دُور رہنا محال ہے۔

۶۔ یہ ضروری نہیں ہے کہ صحابہؓ تیسرا قول حرام ہونے کی صراحت کرتے۔ کسی ایک قول پر ان کے اتفاق سے بھی دوسرے قول کی ممانعت ثابت ہوتی ہے۔

بعض اصولیین نے یہ فرق کیا ہے کہ اگر تیسرا قول صحابہ کرامؓ کی متفق علیہ چیز کو ختم کرنے والا ہے تو وہ باطل ہے۔ اگر وہ قول متفق علیہ چیز کو ختم کرنے والا نہیں ہے تو پھر تیسرا قول لانا جائز ہے۔ یہ رائے متاخر شافعیہ مثلاً آمدیؒ اور مالکی اصولی ابن حاجبؒ کی ہے (۱)۔

سیف الدین آمدیؒ اپنا موقف یوں بیان کرتے ہیں: اگر تیسرا قول اس چیز سے ہٹ کر ہے جس پر دونوں اقوال متفق ہیں تو تیسرے قول کی اجازت نہیں ہے، کیونکہ یہ اجماع کے خلاف ہے۔ مثلاً طہارت میں نیت کے مسئلہ پر اُمت دو اقوال پر متفق ہے: ایک یہ کہ تمام طہارات مثلاً وضو اور غسل وغیرہ میں نیت ضروری ہے۔ دوسرا قول یہ کہ بعض طہارات میں نیت ضروری ہے اور بعض میں نہیں۔ یہ دونوں اقوال بعض طہارات میں نیت کے لازمی ہونے پر متفق ہیں۔ اگر تیسرا قول یہ ہے کہ کسی بھی طہارت میں نیت ضروری نہیں تو یہ اجماع کے خلاف ہے۔ اگر تیسرا قول پہلے دو اختلافی اقوال کے مابین متفقہ چیز کے خلاف نہیں ہے، بلکہ ایک جہت میں دونوں میں سے ہر ایک قول سے

۱۔ ارشاد الفحول ص ۱۵۷۔ منہاج الوصول مع الابہاج ۲/۳۶۹۔ نہایۃ السول ۳/۲۶۹

متفق ہے اور دوسرے پہلو سے مخالف ہے، تو ایسا تیسرا قول جائز ہے۔اس میں اجماع کی مخالفت نہیں پائی جاتی۔مثلاً ایک قول یہ ہے کہ تمام طہارات میں نیت کا اعتبار ہے۔دوسرا قول یہ ہے کہ تمام طہارات میں نیت کا اعتبار نہیں ہے۔ تیسرا قول یہ ہو کہ بعض طہارات میں نیت کا اعتبار ہے اور بعض طہارات میں اس کا اعتبار نہیں ہے۔

آمدیؒ مزید کہتے ہیں: اُمت کا کسی مسئلہ میں دو اقوال پر اختلاف اس بات کی دلیل ہے کہ اجتہاد جائز ہے۔اسی طرح اس مسئلہ میں تیسرا قول لانا بھی جائز ہے۔اگر صحابہ کرامؓ نے کسی مسئلہ میں دو دلائل سے استدلال کیا ہے اور عہدِ صحابہ بھی گزر گیا تو ایک تابعی کے لیے جائز ہے کہ وہ اس مسئلہ میں تیسری دلیل سے استدلال کرے، تو قولِ ثالث لانا بھی اسی طرح ہے(۱)۔

مثلاً بھائیوں کی موجودگی میں دادا کی میراث کے مسئلہ پر صحابہؓ کے مابین اختلاف تھا۔صحابہ کرامؓ کے ایک گروہ کے نزدیک دادا کو تیسرا حصہ ملے گا، جبکہ دوسرے گروہ کے نزدیک دادا کا چھٹا حصہ ہے(۲)۔صحابہؓ کا اس پر اتفاق ہے کہ دادا کے لیے مال میں سے کچھ حصہ ضرور ہے۔اگر قولِ ثالث یہ ہے کہ دادا کسی چیز کا مستحق نہیں ہے تو یہ قول باطل ہے، کیونکہ یہ قول صحابہ کرامؓ کی متفق علیہ بات یعنی دادا کا میراث میں کچھ حصہ ضرور ہے، کو ختم کرتا ہے۔

بعض اصولیین کا موقف

بعض علمائے اصولِ فقہ جن میں بعض اصحاب امام ابوحنیفہؒ، بعض متکلمین اور بعض اہلِ ظاہر شامل ہیں، ان کے نزدیک تیسرا قول لانے کی مطلق اجازت ہے(۳)۔

مطلق جواز کے حامی کہتے ہیں کہ صحابہ کرامؓ اختلافِ رائے کے جواز پر متفق تھے۔کسی مسئلہ پر ان کے اختلافی اقوال کا ہونا تیسرے قول کی نفی پر دلالت نہیں کرتا۔اختلافِ صحابہؓ یہ بتاتا ہے کہ مسئلہ ابھی غور و فکر کے مرحلہ ہی میں ہے۔تیسرا قول اجماع کے خلاف نہیں ہے۔جس طرح اختلاف متعیّن ہو جانے سے قبل رائے قائم کرنا جائز ہے، اسی طرح بعد میں تیسرا قول اختیار کرنا بھی درست ہے۔صحابہؓ نے اس بات کی صراحت نہیں کی ہے کہ تیسرا قول لانا منع ہے(۴)۔

جب کسی مسئلہ میں صحابہؓ کا دو اقوال پر اتفاق ہے اور ان کا یہ اختلاف متعیّن ہو جائے تو اس کے بعد تیسرا

۱۔ آمدی، الإحکام فی أصول الأحکام ۱/۲۲۸ ومابعد

۲۔ سنن الدارمی، کتاب الفرائض ۲/۳۵۲ تا ۳۵۷

۳۔ التبصرۃ فی أصول الفقه ص ۳۸۷۔روضة الناظر ۱/۳۷۷۔عبدالعزیز بخاری، کشف الأسرار ۳/۳۴۷

۴۔ المنخول من تعلیقات الأصول ص ۳۲۰۔الإبھاج فی شرح المنھاج ۲/۳۶۹۔التبصرۃ فی أصول الفقه ص ۳۸۷۔ ارشاد الفحول ص ۱۵۷۔الإشارۃ فی أصول الفقه ص ۴۰۰۔ العدۃ فی أصول الفقه ۴/۱۱۱۳۔ روضة الناظر ۱/۳۷۷۔عبدالعزیز بخاری، کشف الأسرار ۳/۳۴۷۔

قول لانا درست معلوم نہیں ہوتا۔ اس سے صحابہ کرامؓ بلکہ ان کے عہد میں تمام اُمت کی غلطی اور کوتاہی لازم آتی ہے کہ وہ قولِ حق نہ پا سکے اور بعد والوں نے اسے پالیا۔ اس سے صحابہ کرامؓ پر اجتہاد میں غفلت کا الزام آتا ہے کہ انہوں نے حق معلوم کرنے میں سستی و کوتاہی کی اور بعد والوں نے مکمل اجتہاد کر کے تیسرا قول پالیا۔ صحابہؓ اور تمام اہلِ عصر سے یہ خطا و غفلت محال ہے۔

صحابہؓ کے اختلافی اقوال پر بحث کا ایک اور پہلو بھی ہے۔ اگر دو مسئلوں میں صحابہؓ کے اقوال ہوں، ایک گروہ نے دونوں مسئلوں میں ایک حکم مثلاً حرام ہونے کا حکم اختیار کیا اور وہ حکم دونوں مسئلوں پر نافذ کر دیا۔ دوسرے گروہ نے ان دونوں مسئلوں میں دوسرا حکم مثلاً حلال ہونے کا حکم اختیار کیا اور وہ حکم دونوں مسئلوں پر نافذ کر دیا۔ کیا بعد والوں کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ ان دونوں مسئلوں میں سے ایک مسئلہ میں ایک گروہ کا حکم اور دوسرے مسئلہ میں دوسرے گروہ کا حکم لے لیں؟

مثلاً خاوند اور والدین، اور بیوی اور والدین، ان دونوں مسئلوں میں ماں کی میراث پر صحابہؓ کے مابین دو اختلافی اقوال ہیں۔ ایک گروہ کے نزدیک دونوں مسئلوں میں ماں کے لیے اصل مال کا تیسرا حصہ ہے۔ دوسرے گروہ کی رائے میں ماں کے لیے باقی مال کا تیسرا حصہ ہے۔ مشہور تابعی ابن سیرینؒ نے یہ موقف اختیار کیا کہ بیوی اور والدین کی موجودگی میں ماں کے لیے اصل مال کا تیسرا حصہ اور خاوند اور والدین کی موجودگی میں ماں کے لیے بقیہ مال کا تیسرا حصہ ہے۔ ابن سیرینؒ نے ایک مسئلہ میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا قول اور دوسرے مسئلہ میں دیگر صحابہ کرامؓ کا قول لیا ہے(۱)۔

اصولیین و فقہاء کا ایک گروہ کہتا ہے کہ یہ جائز نہیں ہے، کیونکہ تمام صحابہؓ نے ان دونوں مسئلوں کی برابری پر اِجماع کیا ہے۔ ان دونوں میں تفریق کرنا اجماع کے خلاف ہے۔ اس کی صورت ویسی ہی ہے جیسے صحابہؓ نے ایک قول پر اجماع کیا ہے تو دوسرا قول لانا جائز نہیں ہے۔

دوسرے گروہ کے نزدیک یہ جائز ہے۔ صحابہؓ نے اس بات پر اتفاق نہیں کیا تھا کہ دونوں مسئلے ایک ہی حکم میں آپس میں برابر ہیں، اور نہ صحابہؓ کی طرف سے ان دونوں حکموں میں سے کسی ایک حکم پر اجماع ہوا ہے۔ انہوں نے دونوں مسئلوں کو دو مختلف حکموں میں رکھا ہے۔ صحابہؓ کے بعد والوں کے لیے بھی جائز ہے وہ ان دونوں مسئلوں میں تفریق کر کے دونوں کے لیے الگ الگ حکم اخذ کریں (۲)۔ اگر صحابہؓ نے اس بات کی صراحت کر دی ہے کہ دونوں مسئلے تمام احکام یا فلاں حکم میں الگ الگ نہیں ہیں تو پھر ان کے درمیان تفریق جائز نہیں ہے۔ لیکن اگر ان کے

۱۔ المحصول فی علم أصول الفقه ۸۴۴/۳۔ الوصول إلی الأصول ۱۱۱/۲

۲۔ العدة فی أصول الفقه ۱۱۶/۴۔ الوصول إلی الأصول ۱۱۱/۲۔ التبصرة فی أصول الفقه ص۳۹۰۔ قواطع الأدلة ۳۳/۲۔ اللمع فی أصول الفقه ص ۹۴۔ نهاية السول ۲۷۷/۳

درمیان تسویہ اور برابری کی صراحت نہیں کی ہے تو پھر بعد والوں کے لیے جائز ہے کہ وہ ایک مسئلہ میں ایک گروہ کا قول لیں اور دوسرے مسئلہ میں دوسرے فریق کا قول اختیار کر لیں۔ اس سے اجماع کی مخالفت نہیں ہوتی، نہ حکم میں اور نہ علتِ حکم میں۔ ہر مسئلہ میں سلف کے ایک گروہ کا قول لیا گیا ہے۔ سلف کا قول اختیار کرنا جائز ہے۔ بعض لوگوں نے اسے تیسرا قول لانا سمجھا ہے، ایسا سمجھنا غلط ہے۔ اس صورت میں دونوں میں سے ہر ایک مسئلہ میں صحابہؓ کے ایک فریق سے موافقت کی گئی ہے(۱)۔

اس مسئلہ میں قائلین اپنے موقف میں مضبوط نظر آتے ہیں اور ان کی رائے راجح لگتی ہے۔ دونوں مسئلوں میں سے ایک میں صحابہؓ کے ایک گروہ کا قول لینا اور دوسرے مسئلہ میں دوسرے گروہ کا قول لینا، یہ تیسرا قول اختیار کرنا نہیں ہے۔ ایسا کرنا صحابہؓ کے اقوال ہی میں رہنا ہے۔ دونوں میں سے ہر ایک مسئلہ میں صحابہؓ کے ایک فریق ہی کا قول لیا گیا ہے۔

صحابہؓ کے دو اقوال میں سے ایک پر اتفاق

اگر کسی مسئلہ میں صحابہ کرامؓ کے دو اختلافی اقوال ہوں تو کیا بعد والوں کے لیے جائز ہے کہ وہ ان دونوں میں سے کسی ایک پر اتفاق کر لیں اور کیا اس سے اختلافِ صحابہؓ زائل ہو جائے گا؟ اس بارے میں علمائے اصول کے دو گروہ ہیں: ایک اس کا قائل ہے اور دوسرا اس کا مخالف۔

احناف کا موقف

ابو بکر جصاصؒ کہتے ہیں: ہمارے اصحاب کے مطابق اہلِ عصرِ ثانی کا اجماع حجت ہے جس کی مخالفت جائز نہیں ہے۔ اسی لیے امام محمدؒ نے کہا ہے کہ اگر قاضی نے بیع اُمِ ولد کے جواز میں فیصلہ دیا تو وہ باطل ہے، کیونکہ صحابہؓ کے مابین یہ مسئلہ اختلافی تھا کہ وہ لونڈی جو اپنے آقا کی اولاد جنم دے اس کی فروخت جائز ہے یا نہیں۔ بعد میں مسلمان قاضیوں اور فقہاء نے اجماع کر لیا کہ اُمِ ولد آزاد ہے، اس کی فروخت نہیں ہوگی اور وہ بطور ترکہ تقسیم نہیں ہوگی۔ کسی ایک نے بھی اس کی مخالفت نہیں کی۔ اللہ تعالیٰ نے اُمت محمدیہ کو ضلالت و گمراہی پر جمع نہیں کیا۔ امام محمدؒ کا یہ قول ظاہر کرتا ہے کہ ان کے نزدیک ایسا اجماع صحیح ہے(۲)۔

امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ یہ رائے رکھتے ہیں کہ صحابہ کرامؓ کے دو اختلافی اقوال میں سے ایک پر بعد والوں کا اتفاق اجماع نہیں ہے اور اس سے اختلافِ صحابہؓ زائل نہیں ہوگا۔ ان شیخین کے نزدیک بیع اُمِ ولد کے

۱۔ المحصول فی علم أصول الفقه ۳/۸۴۲-۸۴۳۔ الوصول إلی الأصول ۲/۱۱۱۔ العدة فی أصول الفقه ۴/۱۱۲۶۔ اللمع فی أصول الفقه ص۹۴

۲۔ أصول الجصاص ۲/۱۵۹

جواز میں قاضی کا فیصلہ نافذ ہوگا(۱)۔

علاء الدین سمرقندیؒ نے لکھا ہے: ہمارے بعض مشائخ کے مطابق امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک یہ اجماع نہیں ہے اور صاحبین کے نزدیک یہ اجماع ہے(۲)۔ ابوالحسن کرخیؒ کے مطابق بیع اُم ولد کے مسئلہ میں امام ابو یوسفؒ امام محمدؒ کے ساتھ ہیں(۳)۔ ابوالحسن کرخیؒ کے مطابق امام ابوحنیفہؒ کا بیع اُم ولد کے جواز میں قاضی کا فیصلہ جائز قرار دینا اس بات پر دلالت نہیں کرتا کہ امام ابوحنیفہؒ بیع اُم ولد کے عدم جواز پر اس اجماع کو نہیں مانتے جو اس مسئلہ میں اختلاف کے بعد منعقد ہوا تھا۔ اس اجماع کا صحیح ہونا ثابت شدہ ہے۔ اس کا اِتباع لازم ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کی رائے یہ ہے کہ ایسا اجماع صحیح ہے، خواہ اس کے خلاف کیا جانے والا قاضی کا فیصلہ فسخ نہ کیا جائے۔ امام ابوحنیفہؒ نے اس کی وجہ بھی بیان کی تھی جو ابوالحسن کرخیؒ کو یاد نہیں رہی۔

انہوں نے یہ بھی ذکر کیا کہ قرآن وسنت کی نصوص کی طرح اِجماعات کے بھی درجات ہیں۔ بعض نصوص زیادہ پختہ ہیں اور بعض کم۔ ایسی نص جو اپنے معنی میں متفق علیہ ہے، وہ اپنی حجیت لازم قرار دینے میں اس نص کے برابر نہیں ہوتی جو اپنے معنی میں مختلف فیہ ہے، اگر چہ دونوں نصوص کی حجیت ثابت شدہ ہے۔ اسی طرح اِجماعات کا حکم ہے۔ قاضی کا فیصلہ فسخ کرنے کے معاملہ میں ایسے دو اِجماعات میں فرق کیا جا سکتا ہے جن میں سے ایک اجماع ایسا ہو جس سے قبل کوئی اختلاف نہیں ہوا، اور دوسرا اجماع ایسا ہو جس سے پہلے اختلاف ہوا تھا۔

اگر چہ یہ دونوں اجماعات حجت ہیں لیکن ان دونوں میں دو پہلوؤں سے فرق ہے۔ ایک تو یہ کہ اس بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے کہ یہ اجماع ہے یا نہیں ہے۔ یہ فقہاء کے درمیان ایک مشہور اختلاف ہے۔ اس کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ یہ ایسا اجماع ہے جس سے قبل اختلاف ہوا تھا۔ اہلِ عصرِ اوّل نے اختلاف کیا اور اختلاف جائز رکھا۔ پس صحابہؓ کے بعد اجماع نہ ہونے کے مسئلہ پر اجتہاد جائز ہے۔ اس سے قاضی کا فیصلہ فسخ نہیں ہوتا۔ یہ اجماع اُس اجماع کے درجہ پر بھی نہیں ہے جس سے پہلے اختلاف نہیں ہوا اور جس کے خلاف ہونے والا فیصلہ فسخ ہوگا، کیونکہ ایسا اجماع اپنے خلاف اجتہاد کو جائز نہیں رکھتا۔ واضح ہوا کہ امام ابوحنیفہؒ کا بیع اُم ولد میں قاضی کا فیصلہ فسخ نہ کرنے کا موقف اس بات پر دلالت نہیں کرتا کہ ان کے نزدیک اختلاف کے بعد منعقد ہونے والا اجماع صحیح اجماع نہیں ہے(۴)۔

سرخسیؒ کہتے ہیں کہ امام ابوحنیفہؒ نے بیع اُم ولد کے جواز میں قاضی کا فیصلہ شبہ کی بنا پر نافذ کیا ہے اور یہ شبہ اختلاف کا ہے کہ کیا ایسا اجماع، اجماع ہے؟(۵)۔

۱۔ المحرر في أصول الفقه ۱/۲۳۹۔ فواتح الرحموت ۲/۲۲۷
۲۔ ميزان الأصول ص ۵۰۷
۳۔ فواتح الرحموت ۲/۲۲۷
۴۔ أصول الجصاص ۲/۱۶۰
۵۔ المحرر في أصول الفقه ۱/۲۳۹

معلوم ہوا کہ احناف کے ایک گروہ کے مطابق اگر صحابہؓ کا کسی مسئلہ میں اختلاف ہو اور انقراضِ عصر پایا جائے یعنی ان مجتہدین کا زمانہ گزر جائے، پھر ان کے بعد لوگ کسی ایک قول پر اتفاق کر لیں تو ایسا اتفاق اجماع اور بمنزلۂ خبرِ واحد کے ہے۔ اس اجماع سے اختلافِ صحابہؓ زائل ہو جاتا ہے(۱)۔ ابو المظفر سمعانیؒ نے کہا ہے کہ اکثر احناف کے نزدیک اجماع سے پہلے والا اختلاف زائل ہو جائے گا اور تابعین کا اجماع منعقد ہوگا(۲)۔

مالکیوں کی رائے

قاضی باجیؒ کہتے ہیں: اس بارے میں امام مالکؒ سے کوئی قول منقول نہیں ہے۔ اصحابِ امام مالکؒ نے اس مسئلہ میں اختلاف کیا ہے۔ بعض کے مطابق صحابہؓ کا اختلاف زائل ہو جاتا ہے اور اجماع کی مخالفت جائز نہیں ہے۔ جبکہ دوسروں نے کہا ہے کہ اختلاف باقی رہے گا۔ بہتر قول وہی ہے جو ہمارے شیخ ابوبکر محمد بن صالح ابہریؒ نے اختیار کیا ہے کہ صحابہؓ کا اختلاف باقی رہے گا(۳)۔ ابن حاجبؒ اس اجماع کے قائل ہیں(۴)۔

شافعیوں کا نقطۂ نظر

اکثر شوافع کے نزدیک اجماعِ تابعین سے صحابہؓ کا اختلاف ختم نہیں ہوتا، اختلاف باقی رہے گا اور یہ اجماع، اجماع نہیں کہلائے گا(۵)۔ ابو اسحاق شیرازیؒ کہتے ہیں کہ انقراضِ عصر کے بعد صحابہ کرامؓ کے کسی ایک قول پر تابعین کا اجماع جائز ہے لیکن اس سے اختلافِ صحابہؓ ختم نہیں ہوتا۔ تبع تابعین کے لیے بھی یہ جائز ہے کہ وہ صحابہؓ کے دونوں اقوال میں سے کوئی ایک قول لے لیں(۶)۔ امام غزالیؒ کے نزدیک بھی اگر دونوں میں سے کسی ایک قول پر تابعین متفق ہو گئے تو دوسرا قول ترک نہیں کیا جائے گا اور اس پر عمل کرنے والا مخالفِ اجماع نہیں ہوگا، کیونکہ وہ پوری اُمت سے اختلاف نہیں کر رہا(۷)۔

بقول سیف الدین آمدیؒ: جب کسی مسئلہ میں صحابہ کرامؓ کا اختلاف دو اقوال پر ٹھہر جائے اور ان کا زمانہ گزر جائے تو پھر تابعین کا کسی ایک قول پر اجماع جائز نہیں ہے(۸)۔ ابوبکر صیرفیؒ اور جوینیؒ نے بھی اس اجماع کی

۱۔ أصول الجصاص ۱۵۹/۲۔ المحرر في أصول الفقه ۲۳۹/۱۔ میزان الأصول ص ۵۰۷۔ مسلّم الثبوت ۲۲۶/۲

۲۔ قواطع الأدلة ۳۰/۲

۳۔ الإشارة فی أصول الفقه ص ۳۰۲

۴۔ منتهى الوصول والأمل ص ۶۲۔ الإبهاج فی شرح المنهاج ۳۷۵/۲

۵۔ قواطع الأدلّة ۳۰/۲

۶۔ اللمع فی أصول الفقه ص ۹۲

۷۔ المستصفى مع فواتح الرحموت ۲۰۳/۱

۸۔ آمدی، الإحکام فی أصول الأحکام ۲۳۵/۱

مخالفت کی ہے(۱)۔ قاضی بیضاویؒ نے صحابہ کرامؓ کے دو اختلافی اقوال میں سے ایک پر اتفاق کو اجماع قرار دیا ہے(۲)۔ ابن خیروانؒ، ابوسعید اصطخریؒ اور ابوبکر قفالؒ اسے اجماع مانتے ہیں جس سے اختلافِ صحابہؓ زائل ہو جاتا ہے(۳)۔ فخر الدین رازیؒ کا بھی یہی موقف ہے کہ عصرِ اوّل کے دو اقوال میں سے ایک قول پر اہلِ عصرِ ثانی کا اتفاق اجماع ہے جس کی مخالفت جائز نہیں ہے(۴)۔ اکثر شافعی علمائے اصول کا یہی مذہب ہے(۵)۔

حنابلہ کا موقف

امام احمد بن حنبلؒ کے بارے میں کہا گیا ہے کہ وہ ایسے اجماع کے قائل نہیں تھے(۶)۔

مخالفین کے دلائل

ایک مسئلہ میں صحابہؓ کے دو اختلافی اقوال میں سے ایک پر اہلِ عصرِ ثانی کا اتفاق اجماع تسلیم نہ کرنے والوں کے اہم دلائل مندرجہ ذیل ہیں(۷):

۱۔ قرآن مجید میں حکمِ ربانی ہے:

فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِی شَیْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَی اللّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ(۸)

اور اگر کسی بات میں تم میں اختلاف واقع ہو جائے تو اس میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رجوع کرو۔

لہٰذا تنازعات میں اجماع کے بجائے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی طرف رجوع کرنا واجب ہے۔

۲۔ فرمانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

۱۔ البرهان فی أصول الفقه ۱/۷۱۴۔ الإبهاج فی شرح المنهاج ۲/۳۵۷

۲۔ الإبهاج فی شرح المنهاج ۲/۳۷۶۔ نهاية السول ۳/۲۸۱

۳۔ اللمع فی أصول الفقه ص ۹۳۔ قواطع الأدلّة ۲/۳۰

۴۔ المحصول فی علم أصول الفقه ۳/۲۸۶۔ التمهيد فی تخريج الفروع علی الأصول ص ۴۵۶

۵۔ سُلّم الوصول لشوح نهاية السول ۳/۲۸۲

۶۔ الإبهاج فی شرح المنهاج ۲/۳۷۵

۷۔ المحصول فی علم أصول الفقه ۳/۸۴۶ ومابعد۔ الإبهاج فی شرح المنهاج ۲/۳۷۷ ومابعد۔ المنخول من تعليقات الأصول ص ۳۲۱۔ آمدی، الإحكام فی أصول الأحكام ۱/۲۳۴۔ المحرر فی أصول الفقه ۱/۲۳۹۔ ميزان الأصول ص ۵۰۸ ومابعد

۸۔ النسآء ۴:۵۹

اَصْحَابِیْ کَالنُّجُوْمِ بِاَیِّھِمْ اقْتَدَیْتُمْ اھْتَدَیْتُمْ (۱)

میرے صحابہؓ ستاروں کے مانند ہیں، تم ان میں سے جس کی بھی پیروی کرو گے، ہدایت پا جاؤ گے۔

مندرجہ بالا حدیث کا ظاہر یہ تقاضا کرتا ہے کہ ہر صحابی کا قول لینا جائز ہے اور یہاں ایسی کوئی تفریق نہیں ہے کہ اس قول کے بعد اجماع ہے یا نہیں ہے۔ اگر اہلِ اجماع کا قول لینا واجب ہو جائے تو اس سے حدیث کی تخصیص لازم آتی ہے۔

۳۔ اہلِ عصرِ اوّل کا اختلاف دراصل اس بات پر اتفاق تھا کہ دونوں اقوال میں سے جسے چاہے لے لیں۔ اگر عصرِ ثانی میں ایک قول پر اجماع منعقد ہو جائے تو یہ دونوں اجماع ایک دوسرے کو ہٹانے والے ہوں گے، دونوں میں تعارض ہوگا اور دو اجماع میں تعارض کا ہونا باطل ہے۔

۴۔ اہلِ عصرِ اوّل کا جوازِ اختلاف پر اجماع تھا۔ اختلاف کو ناجائز کہنا اجماع کی مخالفت ہے۔

۵۔ جب کسی مسئلہ میں اُمت کے دو اقوال موجود ہوں اور غور و اجتہاد مکمل ہونے کے بعد وہ اختلاف متعیّن ہو جائے اور ٹھہر جائے، تو یہ اُمت کا اس بات پر اجماع ہے کہ دونوں اقوال میں سے کوئی ایک قول لینا جائز ہے اور یہ کہ انہوں نے جس پر اجماع کیا ہے اس میں وہ خطا سے معصوم ہیں۔ اگر عصرِ ثانی میں کسی ایک قول پر اجماع ہو جائے اور مجتہد کے لیے دوسرا قول لینا منع ہو تو اس سے اہلِ عصرِ اوّل کی خطا ثابت ہوتی ہے۔ یہ محال ہے کہ اس قول کو لینے کا جواز اور ممانعت دونوں بیک وقت حق ہوں۔ پس ضروری ہے کہ ان میں سے ایک خطا ہو، یا وہ دونوں اِجماعوں میں سے ایک کو لازمی خطا مانے جو کہ محال ہے۔ ثابت ہوا کہ عصرِ اوّل کے دو اقوال میں سے ایک قول پر تابعین کا اجماع ممنوع امر کی طرف لے کر جاتا ہے۔

۶۔ ہم یہ تسلیم نہیں کرتے کہ صحابہ کرامؓ کے دو اختلافی اقوال میں سے ایک قول لازمی غلط و خطا ہے، بلکہ اجتہادی مسائل میں ہر مجتہد مصیب و درست ہے۔

۷۔ صحابہ کرامؓ کے دو اقوال میں سے ایک پر عصرِ ثانی کا اجماع درست مان لینے سے قولِ صحابی کی گمراہی لازم آتی ہے۔ ان کا قول یقینی خطا والا ہو جاتا ہے، جبکہ صحابہؓ نے اسے حق جانا تھا۔ خطا کو حق ماننا گمراہی ہے اور یہ صحابہؓ کے حق میں ناگوار ہے۔

۸۔ صحابہؓ نے جس مسئلہ میں اختلاف کیا اس میں وہ زندوں کے مانند ہیں۔ ان کے اقوال محفوظ کیے جاتے ہیں۔ ان کے حق اور مخالفت میں دلائل قائم کیے جاتے ہیں۔ جس طرح ان کی زندگی میں ان کے اختلافی اقوال کی

۱۔ جامع بیان العلم و فضلہ ۹۲۵/۲

موجودگی میں اجماع ممکن نہیں تھا، اسی طرح ان کی وفات کے بعد بھی اجماع منعقد نہیں ہوسکتا۔ صحابی کے اختلافی قول کا اعتبار اس کی دلیل کی وجہ سے ہے، صحابی کی زندگی یا موت کی وجہ سے نہیں ہے۔ امام شافعیؒ کا قول ہے: مذاہب اپنے اصحاب کی موت سے ختم نہیں ہو جاتے (۱)۔

قائلین کے دلائل

صحابہ کرامؓ کے دو اختلافی اقوال میں سے ایک قول پر اہلِ عصرِ ثانی کا اجماع جائز قرار دینے والوں کے اہم دلائل مندرجہ ذیل ہیں (۲):

۱۔ ہر زمانہ کے لوگوں کا اجماع معتبر ہے۔

۲۔ قرآن مجید میں ہے:

وَ مَنْ یُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَیَّنَ لَهُ الْهُدٰی وَ یَتَّبِعْ غَیْرَ سَبِیْلِ الْمُؤْمِنِیْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰی وَ نُصْلِهٖ جَهَنَّمَ وَ سَآءَتْ مَصِیْرًا (۳)

اور جو شخص مخالفت کرتا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی، اس کے بعد کہ اس شخص کے لیے ہدایت کا راستہ واضح ہوگیا، اور جو مسلمانوں کی راہ کے سوا کسی اور راستے کی پیروی کرے تو ہم اسے پھیر دیں گے جدھر وہ خود پھرا ہے اور اسے جہنم میں ڈال دیں گے اور وہ بہت بُری پلٹنے کی جگہ ہے۔

جس چیز پر اہلِ عصرِ ثانی نے اجماع کیا ہے وہ سَبِیْلُ الْمُؤْمِنِیْنَ یعنی مسلمانوں کا راستہ ہے، لہٰذا اِس کا اتباع و پیروی واجب ہے۔

۳۔ اس میں صحابہ کرامؓ کی گمراہی ثابت نہیں ہوتی بلکہ عمل کو واجب قرار دینے میں ان کی خطا ہوسکتی ہے۔ اعتقاد میں خطا پر گمراہی ہوتی ہے۔ عمل کو واجب قرار دینے میں خطا پر معافی و درگزر ہے۔

۴۔ اختلافی اقوال میں خطا موجود ہوتی ہے کیونکہ حق ایک ہے۔

۵۔ یہ دلیل کہ قرآن مجید میں ہے: ﴿فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَی اللّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ﴾ (۴) اور اگر کسی بات میں تم میں اختلاف ہو تو اس میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم

۱۔ البرهان فی أصول الفقه ۱/۷۱۵۔ التمهید فی تخریج الفروع علی الأصول ص ۴۵۷

۲۔ المحرر فی أصول الفقه ۱/۲۳۹۔ المحصول فی علم أصول الفقه ۳/۸۴۶، ۸۴۹-۸۵۰۔ میزان الأصول ص ۵۱۲۔ مسلّم الثبوت ۲/۲۲۸

۳۔ النسآء ۴:۱۱۵

۴۔ النسآء ۴:۵۹

کی طرف رجوع کرو، اس کا جواب یہ ہے کہ کسی قول پر متفق ہونے کے بعد اہلِ عصرِ ثانی حالتِ تنازعہ میں نہیں ہیں۔ اب ان پر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رجوع کرنا واجب نہیں ہے۔

۶۔ یہ دلیل کہ حدیثِ نبوی ہے: اَصْحَابِیْ كَالنُّجُوْمِ بِاَيِّهِمْ اقْتَدَيْتُمْ اهْتَدَيْتُمْ میرے صحابہ کرامؓ ستاروں کے مانند ہیں، تم نے ان میں سے جس کی بھی پیروی کی تم نے ہدایت پائی۔ یہ حدیث صحابہ کرامؓ کے اس زمانہ غور وفکر کے ساتھ مخصوص ہے جو انہوں نے کسی مسئلہ پر حکم لگانے سے قبل گزارا تھا۔ اس دوران اُن کی کسی بھی رائے پر عمل کیا جاسکتا ہے۔ لیکن ان کی طرف سے مسئلہ کے کسی ایک حکم پر انعقادِ اجماع کے بعد ان کی پیروی جائز نہیں ہے، بلکہ اب اجماع پر عمل ہوگا۔

۷۔ اگر تیسرے قول کے عدم جواز پر اجماع ہے تو پھر تیسرا قول لانا جائز نہیں ہے۔ اگر وہ کسی شرط سے مشروط ہے تو پھر اس شرط کی عدم موجودگی میں تیسرا قول لانا جائز ہے۔

۸۔ ابوبکر جصاصؒ نے مثالوں سے ثابت کیا ہے کہ صحابہ کرامؓ کے دو اقوال میں سے ایک قول پر عصرِ ثانی میں اِجماع ہوا اور شہروں کے فقہاء اس پر متفق ہوئے تھے:

حضرت عمرؓ کے قول کے مطابق دورانِ عدّت نکاح کرنے والی عورت کا مہر بیت المال میں جمع کیا جائے گا۔ حضرت علیؓ کا قول ہے کہ مہر عورت کو ملے گا۔ سلف کا یہ مشہور اختلافی مسئلہ تھا۔ ان کے بعد اُمت مسلمہ کا اس پر اجماع ہوگیا کہ جب مہر واجب ہوجائے تو وہ اس عورت کا ہے اور وہ بیت المال میں جمع نہیں ہوگا۔

حضرت عمرؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے نزدیک حاملہ بیوہ کی مدتِ عدّت وضعِ حمل تک ہے۔ حضرت علیؓ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی رائے میں وضعِ حمل اور چار ماہ دس دن میں سے جو مدت بعد میں ختم ہو، وہ عدّت ہے۔ یہ اختلاف صحابہؓ میں مشہور تھا۔ اس بارے حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا تھا: جو چاہے میں اس سے مباہلہ کے لیے تیار ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَ اُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ (۱)

اور حاملہ کی عدّت وضعِ حمل تک ہے۔

یہ آیت مندرجہ ذیل آیت کے بعد نازل ہوئی تھی:

وَ الَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَ يَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّ عَشْرًا (۲)

۱۔ الطلاق ۶۵:۴

۲۔ البقرۃ ۲:۲۳۴

اور جو لوگ تم میں سے مر جائیں اور عورتیں چھوڑ جائیں تو عورتیں چار مہینے اور دس دن اپنے آپ کو (نکاح ثانی سے) روکے رکھیں۔

اس کے بعد فقہائے امصار اس پر متفق ہو گئے کہ حاملہ بیوہ کی عدت وضع حمل ہے۔

حضرت عمرؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور حضرت عمران بن حُصینؓ کی رائے تھی کہ بیویوں کی مائیں مبہمہ ہیں، یعنی وہ کسی وصف سے مقیّد نہیں اور وہ محض عقدِ نکاح کی وجہ سے حرام ہیں۔ حضرت علیؓ اور حضرت جابرؓ کی رائے تھی کہ وہ ربائب (۱) کی طرح ہیں اور وطی یعنی جسمانی تعلقات کے بغیر حرام نہیں ہوں گی۔

حضرت زید بن ثابتؓ نے یہ موقف اختیار کیا ہے کہ اگر شوہر نے بیوی کو قبل از دخول طلاق دی تو وہ اس کی ماں سے شادی کر سکتا ہے۔ اگر بیوی اس کے پاس فوت ہو گئی تو پھر وہ شخص بیوی کی ماں سے شادی نہیں کر سکتا۔ سلف کے درمیان یہ مشہور اختلافی مسئلہ تھا۔ ان کے بعد فقہاء اس بات پر متفق ہو گئے کہ بیویوں کی مائیں محض عقدِ نکاح کی وجہ سے حرام ہیں (۲)۔

زیر بحث مسئلہ میں قائلین کا موقف راجح اور ان کے دلائل مضبوط نظر آتے ہیں۔ حضرات صحابہ کرامؓ کے دو اقوال میں سے ایک پر بعد والوں کا اتفاق اجماع ہے۔ اہلِ عصرِ ثانی نے دو میں سے ایک قول پر اتفاق کر کے تیسرا قول اختراع نہیں کیا بلکہ سب نے متفقہ طور پر ایک قول لیا ہے۔ وہ اقوالِ صحابہؓ سے باہر نہیں نکلے۔ اگر ان کے اختلافی اقوال میں سے ایک کو ترجیح دینا بعد والوں کے لیے جائز ہے تو پھر ان سب کا کسی ایک قول پر اتفاق کرنا بھی درست ہے۔ اس میں صحابہؓ کی گمراہی نہیں ہے۔ وہ تسلیم کرتے تھے کہ اختلافی رائے میں غلطی ہو سکتی ہے۔ صحابہ کرامؓ نے متعدد مرتبہ اپنے اقوال سے رجوع کر کے قولِ مخالف اختیار کیا۔ اس میں ان کی کوئی گمراہی نہیں تھی۔

عام معتزلہ اور اکثر اشعریہ کا موقف ہے کہ اختلافی مسائل میں حق اللہ تعالیٰ کے ہاں متعیّن نہیں ہوتا بلکہ اجتہادی مواقع میں حق ایک سے زائد ہوتے ہیں (۳)۔

جمہور فقہاء اور علمائے اصولِ فقہ کے نزدیک دو مختلف اقوال بیک وقت حق نہیں ہو سکتے۔ حق صرف ایک ہے۔ اگرچہ وہ ہمارے سامنے متعیّن نہیں ہے مگر اللہ تعالیٰ کے ہاں متعیّن ہے۔ یہ محال ہے کہ ایک چیز ایک زمانہ میں ایک شخص پر حلال بھی ہو اور حرام بھی ہو (۴)۔ حق ایک میں ہے، اگر اس کے بغیر حکم دیا تو حق کے بغیر حکم دیا۔ ہم اس

۱۔ ربائب کی وضاحت پیچھے صفحہ ۱۸۲ پر گزر چکی ہے۔

۲۔ اصول الجصاص ۱۶۳/۲

۳۔ میزان الأصول ص ۷۵۴۔ فواتح الرحموت ۳۸۰/۲

۴۔ میزان الأصول ص ۷۵۳۔ ابن حزم، الإحکام فی أصول الأحکام ۱۳۶/۸۔ عبدالعزیز بخاری، کشف الأسرار ۲۴/۴۔ قواطع الأدلّة ۳۰۹/۲۔ نہایة السول ۵۶۸/۴۔ ارشاد الفحول ص ۴۳۷۔ احکام الفصول ص ۶۲۲۔ البحر المحیط فی أصول الفقه (دارالکتبی) ۲۸۳/۸۔ الإشارة فی أصول الفقه ۲۶۶

بات کے مکلّف و ذمہ دار نہیں ہیں کہ ہمارا قول بہر طور حق پر ہو۔ ہم طلب حق میں اجتہاد کے مکلّف ہیں۔ طلب حق میں اجتہاد نہ کرنے والا گناہ گار ہے۔ لیکن اجتہاد میں غلطی پر ایک اجر ہے اور مجتہد کی خطا پر اسے کوئی گناہ نہیں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ حضرت عمرو بن العاصؓ کو فریقین کے درمیان فیصلہ کرنے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا تھا:

إِنْ أَنْتَ قَضَيْتَ بَيْنَهُمَا فَأَصَبْتَ الْقَضَاءَ فَلَكَ عَشْرُ حَسَنَاتٍ وَ إِنْ أَنْتَ اجْتَهَدْتَ فَأَخْطَأْتَ فَلَكَ حَسَنَةٌ (۱)

اگر تم نے ان دونوں کے مابین فیصلہ کیا اور درست کیا تو تمہارے لیے دس نیکیاں ہیں اور اگر تم نے اجتہاد کیا اور غلطی کی تو تمہارے لیے ایک نیکی ہے۔

حضرت ابو ہریرةؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إِذَا حَكَمَ الْحَاكِمُ فَاجْتَهَدَ فَأَصَابَ فَلَهُ أَجْرَانِ وَ إِنْ حَكَمَ فَاجْتَهَدَ فَأَخْطَأَ فَلَهُ أَجْرٌ (۲)

جب حاکم نے کوئی حکم دیا، پس اس نے اجتہاد کیا پھر وہ درست رہا تو اس کے لیے دو اجر ہیں اور اگر اس نے حکم دیا پھر اس نے اجتہاد کیا اور غلطی کی تو اس حاکم کے لیے ایک اجر ہے۔

واضح ہوا کہ صحابہ کرامؓ کے اختلافی اقوال میں خطا ممکن ہے۔ اختلافی اقوال میں سے کسی ایک قول پر اتفاق سے صحابہ کرامؓ کی گمراہی لازم نہیں آتی۔ اگر وہ اپنے کسی قول میں خطا پر ہیں تو اس وجہ سے وہ گناہ گار نہیں ہیں۔ اس پر بھی انہیں اجر ملا ہے۔ مجتہد اپنے اجتہاد میں اللہ تعالیٰ سے اجر پاتا ہے، اگرچہ اللہ تعالیٰ کے ہاں حق صرف ایک قول میں ہے۔

۱۔ مسند الإمام أحمد بن حنبل ۴/۲۰۵

۲۔ سنن الدارقطنی، کتاب الأقضية والأحكام

اجتہادِ صحابی کی صحابی پر حجیت

عہدِ صحابہؓ کے مطالعہ سے یہ پتہ چلتا ہے کہ صحابہ کرامؓ ایک دوسرے کے اجتہادی قول یا فعل سے اختلاف کیا کرتے تھے اور اس پر عمل کرنا لازم نہیں سمجھتے تھے۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے مالِ غنیمت کی تقسیم میں سبقتِ اسلام اور فضیلتِ علم رکھنے والوں کو دوسروں پر مقدم نہیں کیا تھا۔ حضرت عمرؓ نے اس بارے میں حضرت ابوبکر صدیقؓ سے بحث کی اور کہا: کیا آپ اس شخص کو جس نے بخوشی اپنے مال و جان سے اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کیا، اس شخص کی طرح قرار دے رہے ہیں جو بلاخوشی اسلام میں داخل ہوا؟ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے یہ جواب دیا تھا: انہوں نے جو کچھ کیا اللہ تعالیٰ کی خاطر کیا، اللہ تعالیٰ انہیں اس کا اجر دیں گے۔ یہ دنیا تو ضروریاتِ زندگی ہے جس کی حاجت میں تمام برابر ہیں۔

جب حضرت عمر فاروقؓ کا دورِ خلافت آیا تو انہوں نے مالِ غنیمت کی تقسیم میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کے برعکس اسلام میں سبقت اور علم میں فضیلت والوں کو فوقیت دی تھی۔ اس مسئلہ میں یہ بات ثابت نہیں ہے کہ حضرت عمرؓ نے اپنے قول سے رجوع کر کے حضرت ابوبکر صدیقؓ کا موقف اختیار کر لیا تھا(۱)۔

حضرت علیؓ نے کچھ لوگوں کو بطورِ سزا آگ میں زندہ جلوا دیا تھا۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے اس اقدام سے اختلاف کیا تھا۔ عِکرِمہؒ روایت کرتے ہیں کہ حضرت علیؓ نے کچھ لوگوں کو آگ میں زندہ جلا دیا تھا۔ جب حضرت ابن عباسؓ کو یہ معلوم ہوا تو آپ نے فرمایا: اگر میں حضرت علیؓ کی جگہ پر ہوتا تو میں ان لوگوں کو ہرگز نہ جلاتا کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

مَنْ بَدَّلَ دِينَهُ فَاقْتُلُوهُ(۲)

جو آدمی اپنا مذہب اسلام تبدیل کر لے تو اسے قتل کر دو۔

۱۔ میزان الأصول ص۵۰۵۔ الطبقات الکبریٰ ۳/۲۹۶ ومابعد

۲۔ صحیح البخاری، کتاب الجهاد، باب لا یعذب بعذاب اللہ

ایک اور روایت میں ہے: سوید بن غفلہؒ سے مروی ہے کہ حضرت علیؓ کے علم میں یہ بات آئی کہ کچھ لوگ دین اسلام چھوڑ کر مرتد ہو گئے ہیں۔ آپ نے انہیں بلوایا، ان کی میزبانی کی اور پھر انہیں اسلام کی دعوت دی مگر انہوں نے دوبارہ اسلام قبول

بقیہ اگلے صفحہ پر.........

حضرت عائشہؓ کے علم میں جب یہ بات آئی کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ اپنی عورتوں کو غسل کے لیے سر کے بال کھولنے کا حکم دیتے ہیں تو انہوں نے حضرت ابن عمرؓ کے اس فتویٰ کی مخالفت کی اور فرمایا تھا: وہ یہ حکم کیوں نہیں دیتے کہ عورتیں اپنے سر منڈوالیں (۱)۔

حضرت علیؓ کا ایک قول ہے: عرب مسیحیوں کا ذبیحہ جائز نہیں ہے کیونکہ ان کا مسیحیت سے تعلق صرف شراب نوشی کی حد تک ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے آپ کی مخالفت کی اور فرمایا کہ ان کا ذبیحہ جائز ہے (۲)۔

حضرت ابوہریرۃؓ کا قول ہے: جو شخص کسی میت کو غسل دے وہ غسل کرے اور جو میّت کو اٹھائے وہ وضو کرے (۳)۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے اسے ایک سخت قول قرار دیتے ہوئے فرمایا تھا: تم اپنی میتوں سے خود کو پلید اور ناپاک مت سمجھو (۴)۔

اگر کسی شخص نے اپنی بیوی سے کہا: ''تم مجھ پر حرام ہو''، تو حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے مطابق یہ یمین یعنی قسم ہے (۵)۔ جبکہ حضرت علیؓ، حضرت ابوہریرۃؓ اور

گزشتہ سے پیوستہ.......... کرنے سے انکار کر دیا۔ حضرت علیؓ نے ایک گڑھا کھدوایا اور اُن کی گردنیں مار کر انہیں اس گڑھے میں پھینک دیا گیا۔ پھر ان کے اوپر لکڑیاں ڈلوا کر انہیں جلا دیا۔ پھر حضرت علیؓ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ فرمایا۔ طبرانی، المعجم الأوسط ۴۸/۸

۱۔ صحیح مسلم، کتب الحیض، باب حکم ضفائر المغتسلة ۲۶۰/۱

۲۔ جامع بیان العلم و فضله ۹۱۷/۲

۳۔ ابن ابی شیبہ، المصنّف، کتاب الجنائز، باب من قال علی غاسل المیت غسل ۱۵۵/۳
امام ترمذیؒ نے لکھا ہے کہ حضرت ابوہریرۃؓ کی حدیث حسن ہے اور آپ سے موقوفاً بھی مروی ہے۔ صحیح الترمذی، کتاب الجنائز، باب ما جاء فی الغسل من غسل المیت ۔ امام ابوداودؒ کہتے ہیں: اس مضمون کی حدیث منسوخ ہے۔ میں نے امام احمد بن حنبلؒ سے سنا کہ جب آپ سے غسلِ میّت کے بعد غسل کرنے کا مسئلہ پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا: صرف وضو کر لینا کافی ہے۔ سنن أبی داؤد، کتاب الجنائز، باب فی الغسل من غسل المیّت

۴۔ جامع بیان العلم وفضله ۹۱۵/۲

۵۔ السنن الکبریٰ، کتاب الخلع و الطلاق، باب من قال لإمرأته انت علیّ حرام ۳۵۰/۷
یمین یعنی قسم کے بارے میں قرآنی حکم یہ ہے: ﴿لَا یُؤَاخِذُکُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِیٓ اَیْمَانِکُمْ وَ لٰکِنْ یُّؤَاخِذُکُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَیْمَانَ فَکَفَّارَتُهٗٓ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰکِیْنَ مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِیْکُمْ اَوْ کِسْوَتُهُمْ اَوْ تَحْرِیْرُ رَقَبَةٍ فَمَنْ لَّمْ یَجِدْ فَصِیَامُ ثَلٰثَةِ اَیَّامٍ ذٰلِکَ کَفَّارَةُ اَیْمَانِکُمْ اِذَا حَلَفْتُمْ وَ احْفَظُوْٓا اَیْمَانَکُمْ کَذٰلِکَ یُبَیِّنُ اللّٰهُ لَکُمْ اٰیٰتِهٖ لَعَلَّکُمْ تَشْکُرُوْنَ﴾ [المائدة ۸۹:۵] اللہ تعالیٰ تمہاری فضول قسموں پر بازپرس نہیں کریں گے۔ لیکن وہ اُن قسموں پر ضرور تم سے بازپرس کریں گے جنہیں تم پختہ کر چکے ہو۔ پس اس قسم کے توڑنے کا کفارہ یہ ہے کہ دس مساکین کو درمیانے درجے کا کھانا کھلایا جائے جو تم اپنے گھر والوں کو کھلاتے ہو، یا انہیں کپڑے پہنائے جائیں، یا ایک غلام آزاد کیا جائے۔ جو شخص یہ نہ پائے تو وہ تین دن روزے رکھے۔ یہ کفارہ ہے تمہاری قسموں کا جبکہ تم قسم کھا کر توڑ دو۔ اپنی قسموں کی حفاظت کرو۔ یوں اللہ تعالیٰ اپنے احکام تمہارے لیے واضح کرتے ہیں تاکہ تم شکر ادا کرو۔

حضرت زید بن ثابتؓ کے نزدیک یہ تین طلاقیں (۱) اور حضرت عثمانؓ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے ایک قول کے مطابق یہ ظہار ہے (۲)۔

ان چند مثالوں سے یہ پتہ چلتا ہے کہ صحابہ کرامؓ اجتہادی مسائل میں ایک دوسرے سے اختلاف کیا کرتے اور ایک کا قول دوسرے پر حجت نہیں سمجھا کرتے تھے۔

اسی لیے یہ بات ہمارے علم میں آتی ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ نے مالِ غنیمت کی تقسیم میں خلیفۂ وقت حضرت ابوبکر صدیقؓ سے اختلاف کیا تھا۔ جب حضرت عمرؓ نے خود منصبِ خلافت سنبھالا تو انہوں نے اپنی رائے کے مطابق مالِ غنیمت کو تقسیم کیا تھا۔

اسی لیے ہمیں یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے اپنے سے زیادہ عالم حضرت علیؓ کا قول اپنے لیے حجت تسلیم نہیں کیا تھا

اسی لیے ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے اپنے سے عمر میں بڑے صحابی حضرت ابو ہریرہؓ کی اجتہادی رائے کو حجت نہ مانتے ہوئے اس سے اختلاف کیا تھا۔

علمائے اصولِ فقہ نے اس بات پر سب کا اتفاق لکھا ہے کہ اجتہادی مسائل میں ایک صحابی کا قول دوسرے

۱۔ المدونة الكبرىٰ ۲/ ۲۸۷۔ ابن ابی شیبہ، المصنّف، كتاب الطلاق، باب من قال: الحرام يمين و ليست بطلاق ۴/ ۵۶-۵۷۔ السنن الكبرىٰ، كتاب الخلع و الطلاق، باب من قال لإمرأته أنت عليّ حرام ۷/ ۳۵۱۔ المغنی ۱۰/ ۳۹۶

۲۔ المغنی ۱۰/ ۳۹۷۔ عبدالرزّاق، المصنّف، باب الرجل يزني بامرأة ثم يتزوّجها ۷/ ۲۰۲-۲۰۴

ظہار کا لفظی معنی ہے: پُشت، کمر۔ اصطلاح میں ظہار سے مراد ہے: کوئی شخص اپنی بیوی کو اپنی ماں کے جسم سے تشبیہ دے کر کہے: ''تم میرے لیے ایسی ہو جیسے میری ماں کی پُشت''۔ ایسا کہنے سے شوہر کا مقصد یہ ہو کہ اب اس کی بیوی اس کے لیے اسی طرح حرام ہے جیسے اس کی ماں۔

ظہار کے بارے میں قرآن کا حکم ہے:

﴿ وَ الَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا قَالُوْا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَآسَّا ذٰلِكُمْ تُوْعَظُوْنَ بِهٖ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ، فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَآسَّا فَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَاِطْعَامُ سِتِّيْنَ مِسْكِيْنًا ذٰلِكَ لِتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ وَ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ﴾ [المجادلة ۵۸: ۳-۴]

اور جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کر بیٹھیں پھر وہ اپنی بات سے رجوع کریں جو انہوں نے کہی تھی، تو قبل اس کے کہ دونوں ایک دوسرے کو ہاتھ لگائیں، ایک غلام آزاد کرنا ہوگا۔ اس سے تمہیں نصیحت کی جاتی ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ تعالیٰ اس سے باخبر ہیں۔ جو شخص غلام نہ پائے وہ دو ماہ مسلسل روزے رکھے قبل اس کے کہ دونوں ایک دوسرے کو ہاتھ لگائیں، جو اس پر بھی نہ قادر ہو وہ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے۔ یہ حکم اس لیے دیا جا رہا ہے کہ تم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاؤ۔ یہ اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حدیں ہیں اور کافروں کے لیے دردناک سزا ہے۔

مجتہد صحابی پر حجت نہیں ہے، خواہ وہ قول کسی امام صحابی، حاکم صحابی یا مفتی صحابی کا ہو اور خواہ وہ صحابی زیادہ عالم ہو یا علمیت میں برابر ہو(۱)۔ اکثر اصولیین نے اس پر اتفاق بیان کیا ہے کہ ایک صحابی کا قول دوسرے مجتہد صحابی پر حجت نہیں ہے، البتہ بعض علماء نے مجتہد صحابی کے بجائے صرف صحابی کا ذکر کیا ہے کہ ایک صحابی کا قول دوسرے صحابی پر حجت نہیں ہے(۲)۔

۱۔ آمدی، الإحکام فی أصول الأحکام ۴/۳۸۵۔ منتهٰی الوصول ص۲۰۶۔ البحر المحیط فی أصول الفقه ۶/۵۳۔ الإبهاج فی شرح المنهاج ۲/۱۹۲۔ نهایة السول ۴/۴۰۷۔ الواضح ۵/۲۱۰۔ البرهان فی أصول الفقه ۲/۱۳۵۹۔ حاشیة البنانی ۲/۳۵۴۔ فواتح الرحموت ۲/۱۸۶۔ التمهید فی تخریج الفروع علی الأصول ص۴۹۹۔ شرح الکوکب المنیر ۴/۴۲۲۔ نهایة الوصول ۸/۳۹۸۱۔ عبدالعزیز بخاری، کشف الأسرار ۳/۳۲۳۔ مسلّم الثبوت ۲/۱۸۶۔ جمع الجوامع ۲/۳۵۴۔ اعلام المؤقعین ۴/۱۱۹

۲۔ منتهٰی الوصول ص[illegible] ۔ جمع الجوامع [illegible] ۔ الواضح [illegible] ۔ عبدالعزیز بخاری، کشف الأسرار ۳/۳۲۳۔ فواتح الرحموت [illegible]

مذہبِ صحابی سے عموم کی تخصیص

کیا مذہبِ صحابی سے کسی حدیث کے عموم کی تخصیص (۱) جائز ہے؟ اگر حدیث کا کوئی لفظ عام

۱۔ ہر لفظ کسی معنی کے لیے بنایا اور وضع کیا جاتا ہے۔ لہٰذا اپنی وضع کے اعتبار سے لفظ کی تین اقسام ہیں اور وہ یہ ہیں: خاص، عام اور مشترک۔

خاص وہ لفظ ہے جو تنہا ایک معنی کے لیے بنایا گیا ہو اور بلا شرکتِ غیرے اس ایک معنی ہی پر دلالت کرے۔ خاص کے معنی پر عمل کرنا واجب ہے۔ مثلاً "طلحہ عالم ہے"۔ اس جملہ میں طلحہ اور عالم دونوں الفاظ خاص ہیں۔ طلحہ کے عالم ہونے کا حکم قطعی طور پر ثابت ہے۔

عام وہ لفظ ہے جو اپنی ترکیب کے اعتبار سے کثیر افراد کے لیے بنایا گیا ہو اور ان تمام افراد کو جو اس کے معنی و مفہوم میں شامل ہونے کے قابل ہوں، انہیں محدود اور متعین کیے بغیر ایک ہی مرتبہ اور ایک ہی وقت میں اپنے معنی و مفہوم میں شامل کرنے پر دلالت کرے۔

بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ کسی دلیل کی بنا پر عام کو اس کے بعض افراد تک محدود کر دیا جاتا ہے اور عام میں شامل بعض افراد کو اس سے خارج کر دیا جاتا ہے، اسے عام کی تخصیص کرنا کہتے ہیں۔

مثلاً قرآن مجید کی آیت ہے: ﴿فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ﴾ [البقرۃ ۲:۱۸۵]، لہٰذا تم میں سے جو شخص اس ماہِ رمضان کو پائے تو اس پر لازم ہے کہ وہ اس پورے مہینے کے روزے رکھے۔

اس آیت میں لفظ مَنْ (جو) عام ہے اور اس کا اطلاق ہر شخص پر ہوتا ہے۔ لیکن اسی آیت میں آگے فرمایا گیا: ﴿وَمَنْ كَانَ مَرِيضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ﴾ [البقرۃ ۲:۱۸۵]، اور جو کوئی مریض ہو یا سفر پر ہو تو وہ دوسرے دنوں میں روزوں کی تعداد پوری کر لے۔ لہٰذا عام لفظ مَنْ (جو) کی تخصیص ہوگئی اور مریض اور مسافر اس کے عموم میں شامل نہیں ہیں۔

مشترک ایسا لفظ ہے جو دو یا دو سے زیادہ مختلف حقیقی معانی میں سے ہر ایک کے لیے علیحدہ علیحدہ بنایا گیا ہو۔ اس لفظ سے وہ سب معانی بیک وقت مراد نہ لیے جا سکتے ہوں، اگر ایک وقت میں ایک معنی مراد لیا جائے تو دوسرا معنی مراد نہ لیا جا سکتا ہو۔

مثلاً ہجرتِ مدینہ کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیقؓ مدینہ منورہ جا رہے تھے۔ راستے میں ایک کافر نے حضرت ابوبکر صدیقؓ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں پوچھا کہ وہ کون ہیں۔ حضرت ابوبکر

بقیہ اگلے صفحہ پر............

ہے لیکن صحابی نے اس کے خصوص پر عمل کیا اور عموم کو چھوڑ دیا ہو تو کیا عملِ صحابی اس حدیث کے عموم کا مخصص ہوگا یعنی اسے خاص کرنے والا ہوگا؟

اسی طرح اگر کسی حدیث کا کوئی لفظ مشترک ہے اور صحابی نے اس کے کسی ایک معنی پر عمل کیا، یا حدیث کے کئی احتمالات میں سے کسی ایک احتمال پر عمل کیا تو کیا مشترک کے دیگر معانی اور حدیث کے دوسرے احتمالات کو ترک کر دیا جائے گا؟ مثلاً:

حضرت عبداللہ بن عباسؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ بَدَّلَ دِيْنَهٗ فَاقْتُلُوْهُ (۱)

جو اپنا دین بدل لے، اسے قتل کر دو

یہ حدیث عموم پر دلالت کرتی ہے۔ جو مرد یا عورت دین اسلام کو چھوڑ دے، اسے قتل کر دیا جائے۔ لیکن حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے نزدیک مرتدہ قید کی جائے گی (۲)۔ اس طرح حضرت ابن عباسؓ نے حدیث کے عموم کی تخصیص کر کے ارتداد میں قتل صرف مَردوں کے لیے خاص کر دیا۔

اسی طرح حضرت عبداللہ بن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اَلْبَيِّعَانِ بِالْخِيَارِ مَا لَمْ يَتَفَرَّقَا (۳)

فروخت کنندہ اور خریدار کو اختیار حاصل ہے جب تک وہ دونوں جدا نہ ہو جائیں۔

اس حدیث میں وارد لفظ تفرّق سے کیا مراد ہے؟ یہاں اس کے دو احتمالات ہو سکتے ہیں: ایک احتمال ہے تفرّق بالأقوال، یعنی فریقین کا بیع سے متعلق اپنی باتیں ختم کر لینا۔ دوسرا احتمال ہے: تفرّق بالأبدان، یعنی ان دونوں کا اس مجلس سے اٹھ جانا جہاں انہوں نے بیع کا معاملہ کیا۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے اس حدیث کو تفرق بالأبدان پر محمول کیا ہے (۴)۔

گزشتہ سے پیوستہ........ صدیقؓ نے اس شخص کو جواب دیا: هُوَ رَجُلٌ يَّهْدِيْنِي السَّبِيْلَ ، یہ وہ شخصیت ہیں جو مجھے راستہ دکھاتے ہیں۔ [عبدالعزیز بخاری، کشف الأسرار ۱/۴۰]۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے السَّبِيْلُ سے ہدایت کا راستہ مراد لیا۔ کافر شخص نے اس سے مراد وہ راستہ لیا جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیقؓ دونوں سفر فرما رہے تھے۔ یہاں لفظ السَّبِيْلُ مشترک ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھیں: علم اصولِ فقه: ایك تعارف ۲/۱۳۱ وما بعد

۱۔ صحیح البخاری، کتاب الجهاد، باب لا يُعذّب بعذاب الله

۲۔ البحر المحیط فی أصول الفقه ۳/۳۹۹-۴۰۰۔ عبدالعزیز بخاری، کشف الأسرار ۳/۱۰۱

۳۔ صحیح البخاری، کتاب البیوع، باب إذا لم يُوَقّت الخيار هل يجوز البيع

۴۔ المحرر فی أصول الفقه ۲/۶۔ قواطع الأدلّة ۱/۱۹۰

اس مسئلہ میں علمائے اصولِ فقہ کی آراء مندرجہ ذیل ہیں:

حنفیہ

احناف کے ہاں مذہب صحابی سے عموم کی تخصیص جائز ہے۔ صحابی کا عموم کے خلاف عمل جبکہ وہ عموم کا علم رکھتا ہو، اس کے لیے مخصص ہوگا۔ صحابی کا عمل عموم کی تخصیص پر دلیل ہے۔ اس نے عام پر عمل بلا دلیل ترک نہیں کیا بلکہ اس کے پاس تخصیص پر دلالت کرنے والی دلیل ہوگی(۱)۔

حدیث کے عموم کے خلاف مذہب صحابی یا تو کسی دلیل کے ساتھ ہوگا یا بلا دلیل ہوگا۔ ایسا بلا دلیل جائز نہیں ہے کیونکہ اس سے فسق لازم آتا ہے اور راوی کی عدالت مجروح ہوتی ہے۔ اگر ایسا دلیل کے ساتھ ہے تو پھر مذہبِ صحابی سے عموم کی تخصیص واجب ہے کیونکہ صحابہ کرامؓ عدول ہیں۔ صحابی کی عدالت کا تقاضا یہ ہے کہ اس نے کسی دلیل کی بنا پر اپنا مذہب اختیار کرتے ہوئے حدیث کا ظاہر ترک کیا ہوگا۔ یہ دلیل سماع سے بھی ہوسکتی ہے اور کسی معیّن قرینہ سے بھی۔ یہ دونوں دلیلیں یہ واجب کرتی ہیں کہ صحابی نے جو موقف اختیار کیا ہے وہ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی منشاو مراد ہے(۲)۔

حنفی اصولیین کہتے ہیں کہ اگر صحابی اپنے قول سے کسی حدیث کے بعض احتمالات میں سے ایک احتمال کا تعیّن کردے، جیسے حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے اپنی روایت کردہ حدیث: اَلْبَیِّعَانِ بِالْخِیَارِ مَا لَمْ یَتَفَرَّقَا(فروخت کنندہ اور خریدار کو اختیار حاصل ہے جب تک وہ دونوں جدا نہ ہو جائیں) میں تفرّق بِالأ بدان کا تعیّن کردیا تھا، یا صحابی نے مشترک لفظ کے کسی ایک معنی پر عمل کیا ہو تو اس سے حدیث کے ظاہر پر عمل کرنا منع نہیں ہوگا۔ عملِ صحابی سے حدیث کی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑتا، کیونکہ حدیث حجت ہے اور راوی صحابی کی تاویل سے حدیث کا ظاہر تبدیل نہیں ہوگا(۳)۔ لفظ کے لغوی معنی میں راوی کی تاویل دوسرے شخص پر حجت نہیں ہے، جس طرح اس کا اجتہاد دوسرے پر حجت نہیں ہے بلکہ اس پر واجب ہے کہ وہ تأمل اور غور وفکر کرے۔ اگر کوئی وجہ اور پہلو اس پر واضح ہو جائے تو اس کا اتباع کرنا واجب ہے(۴)۔

مالکیہ

مالکی علمائے اصول کے نزدیک کسی حدیث کا عموم حجت ہے اور اس کے مقابلہ میں کسی صحابی کا فعل حجت

۱۔ مسلّم الثبوت ۱/۳۵۵۔ فواتح الرحموت ۱/۳۵۵

۲۔ فواتح الرحموت ۲/۱۶۳

۳۔ المحرر فی أصول الفقه ۲/۶

۴۔ عبدالعزیز بخاری، کشف الأسرر ۳/۱۰۰

نہیں ہے(۱)۔امام مالکؒ کا ایک قول یہ بھی ہے کہ جس قولِ صحابی کا مخالف ظاہر نہ ہو، اس قول سے حدیث کے عام کی تخصیص ہوگی(۲)۔

شافعیہ

اس مسئلہ پر شافعی اصولیین کا موقف یہ ہے کہ صحابی خواہ راوی ہو یا غیر راوی، اس کے مذہب سے کسی حدیث کے عموم کو خاص کرنا جائز نہیں ہے۔امام شافعیؒ کا قولِ جدید یہی ہے(۳)۔

فخر الدین رازیؒ کے مطابق حدیث سے راوی کی مخالفت میں تین پہلوؤں سے احتمالات ہو سکتے ہیں:

۱۔ ایک افراط کا پہلو ہے۔راوی اس بات سے آگاہ تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عام سے خاص مراد لیا تھا۔راوی کی یہ آگاہی کسی قطعی خبر کی بنا پر تھی یا احوال وقرائن میں سے کسی ایک سبب کی بنا پر تھی۔یہ احتمال راوی کے خلاف جاتا ہے۔اگر راوی اس سے آگاہ تھا تو راوی پر واجب تھا کہ وہ اس کی وضاحت کرتا،تا کہ اس پر کسی قسم کا الزام نہ لگے۔

۲۔ دوسرا پہلو تفریط کا ہے۔یہ کہا جائے کہ راوی نے محض اپنی خواہش نفس سے حدیث کا عموم ترک کر دیا۔یہ بات ظاہر میں عدالتِ راوی کے خلاف ہے۔

۳۔ تیسرا پہلو وسط کا ہے۔راوی نے حدیث کے عموم کی مخالفت کسی دلیل کی بنا پر کی جسے اس نے خبر سے قوی تر گمان کیا۔ایسے گمان میں خطا اور صواب دونوں کا احتمال ہے۔

اگر مخالفتِ صحابی کے احتمالات میں تعارض وتضاد پایا جائے تو پھر ان احتمالات کو ساقط کرنا اور عموم کی طرف رجوع کرنا واجب ہے(۴)۔

ابوالمظفر سمعانیؒ نے لکھا ہے: راوی کی روایت حجت ہے، اس کا مذہب حجت نہیں ہے۔جو چیز حجت ہے اس کی تخصیص غیر حجت چیز سے نہیں ہو سکتی(۵)۔

امام غزالیؒ کہتے ہیں: حدیث حجت ہے۔کسی حدیث کی مخالفت،تاویل اور تخصیص،اجتہاد اور غور وفکر سے

۱۔ فواتح الرحموت ۱/۱۵۵۔ اتحاف ذوی البصائر ۳/۱۹۱۰

۲۔ شرح مختصر الروضة ۳/۱۸۵

۳۔ آمدی، الإحکام فی أصول الأحکام ۳/۵۳۳۔ اللمع فی أصول الفقه ص ۳۷۔ البحر المحیط فی أصول الفقه ۳/۳۹۸۔ المستصفی مع فواتح الرحموت ۲/۱۱۳۔ قواطع الأدلّة ۱/۱۸۹۔ المحصول فی علم أصول الفقه ۲/۶۰۶۔الإبهاج فی شرح المنهاج ۲/۱۹۲

۴۔ المحصول فی علم أصول الفقه ۲/۶۰۶ ومابعد

۵۔ قواطع الأدلّة ۱/۱۸۹

ہوا کرتی ہے۔ ہم حجت کو غیر حجت کے مقابلے میں ترک نہیں کریں گے(۱)۔

دیگر مالکی علماء ابو منصور عبدالقاہرؒ، ابو حامد اسفرائینیؒ اور ابو اسحاق شیرازیؒ کے مطابق اگر صحابی غیر راوی ہے، اس کا مذہب مشہور ہو چکا ہے اور صحابہؓ میں سے کسی نے اس کی مخالفت نہیں کی تو پھر مذہب صحابی سے حدیث کے عموم کی تخصیص جائز ہے(۲)۔

اگر راوی صحابی نے اپنی روایت کردہ حدیث کی تاویل کی اور اس کی دلیل بھی بیان کر دی تو امام شافعیؒ کے نزدیک صحابی کی تاویل مقبول ہے۔ لیکن اگر صحابی ایسا بیان نہ کرے تو پھر اس کے مذہب کی طرف نہیں جایا جائے گا(۳)۔ شافعی مذہب کے علمائے اصول اس بات کے قائل ہیں کہ اگر راوی کی تاویل ظاہر حدیث کے احتمالات میں سے ایک ہے تو پھر راوی کی تاویل کی طرف رجوع کیا جائے گا(۴)۔

حنابلہ

حنبلی علماء کہتے ہیں کہ قول صحابی کسی حدیث کے عموم کا مخصص ہو سکتا ہے، خواہ وہ صحابی اس عموم کا راوی ہو یا نہ ہو۔ قیاس پر قول صحابی مقدم ہے۔ قیاس سے عموم کی تخصیص ہوتی ہے تو پھر قول صحابی جو قیاس سے مقدم ہے، اس سے عموم کی تخصیص اولیٰ ہے(۵)۔

مندرجہ بالا آراء سے معلوم ہوا کہ مالکی اور شافعی اصولیین کے ہاں مذہب صحابی سے حدیث کے عموم کی تخصیص جائز نہیں ہے۔ ابن قدامہؒ کے مطابق امام مالکؒ کا قول اس کے جواز میں ہے۔

احناف اور حنابلہ مذہب صحابی سے عموم کی تخصیص مانتے ہیں۔ یہ بات بڑی دلچسپ ہے کہ اگر صحابی نے حدیث کو اس کے احتمالات میں سے کسی ایک پر محمول کر دیا تو احناف جو مذہب صحابی سے عموم کی تخصیص کے قائل ہیں، یہاں راوی صحابی کی تاویل قبول نہیں کرتے اور کہتے ہیں کہ ظاہر حدیث پر عمل ہوگا۔

شوافع جو مذہب صحابی کو عموم کا مخصص تسلیم نہیں کرتے، وہ حدیث کے احتمالات میں سے کسی ایک احتمال کی

۱۔ المستصفى مع فواتح الرحموت ۱۱۳/۲

۲۔ اللمع فی أصول الفقه ص ۳۶۔ البحر المحيط فی أصول الفقه ۳۹۸/۳۔ ارشاد الفحول ص ۲۷۴

۳۔ البرهان فی أصول الفقه ۴۴۴/۱-۴۴۵۔ الإبهاج فی شرح المنهاج ۱۹۲/۲

۴۔ المحصول فی علم أصول الفقه ۱۰۴۳/۳۔ قواطع الأدلّة ۱۹۰/۱۔ البحر المحيط فی أصول الفقه ۴۰۲/۳

۵۔ الواضح فی أصول الفقه ۳۹۷/۳ ومابعد۔ التمهيد فی أصول الفقه ۱۱۹/۲ ومابعد۔ شرح مختصر الروضة ۱۸۵/۳۔ المختصر فی أصول الفقه علی مذهب الإمام أحمد بن حنبل ص ۱۲۳۔ اتحاف ذوی البصائر ۱۹۰۸/۳

تاویل میں قولِ صحابی قبول کرتے ہیں۔ جس جگہ پر احناف راوی صحابی کا قول قبول کرتے ہیں، وہاں شافعی اسے قبول نہیں کرتے اور جہاں احناف راوی صحابی کا قول نہیں مانتے، وہاں شافعی علماء وہ قول تسلیم کرتے ہیں۔

اگر صحابی نے حدیث کے عموم کے خلاف عمل کیا، یا اس کے خلاف قول کہا اور دوسرے صحابی نے اس کی مخالفت نہیں کی تو ایسا مذہبِ صحابی حدیث کے عموم کا مخصص ہو سکتا ہے۔ دوسرے صحابی کی طرف سے عدم مخالفت اس صحابی کے مذہب کو تقویت دیتی ہے۔

لیکن اگر مذہبِ صحابی کا مخالف ظاہر ہو جائے تو پھر حدیث کو اس کے عموم پر برقرار رکھنا بہتر ہے۔ صحابی کی طرف سے حدیث کے کسی ایک احتمال کا تعین اور تاویل کسی غیر صحابی کی تاویل سے اولیٰ ہے۔

باب پنجم

اجتہاداتِ صحابہؓ کے اسلامی قانون پر اثرات

دین اسلام میں حضرات صحابہ کرامؓ کے مقام و مرتبہ، نقل و روایت میں ان کے استعمال کردہ الفاظ کی حجیت، صحابہ کرامؓ کی اجتہادی تربیت، ان کے اسالیب اجتہاد اور صحابہ کرامؓ کے اجتہادات کی قانونی حیثیت کے تعین کے بعد اس آخری باب میں یہ جائزہ لیا جائے گا کہ صحابہ کرامؓ کے اجتہادات نے اسلامی قانون پر کیا اثرات مرتب کیے ہیں۔

فقہاء صحابہ کرامؓ کے فیصلوں، فتاویٰ اور آراء نے اسلامی قانون پر گہرے اثرات مرتب کیے ہیں۔ اس مقصد کے لیے باب ہذا کو مندرجہ ذیل چار فصول میں تقسیم کیا گیا ہے:

☆ صحابہؓ کے فقہی مدارس اور ائمہ مذاہب کی تاریخی و فکری اساسیات

☆ نص اور رائے پر صحابہؓ کا موقف اور ائمہ اربعہ کا رجحان

☆ اختلافِ صحابہؓ کا اسلامی قانون پر اثر و نفوذ

☆ اسلامی قانون میں اجتہاداتِ صحابہؓ سے استدلال

صحابہؓ کے فقہی مدارس
اور ائمہ مذاہب کی تاریخی و فکری اساسیات

شریعتِ اسلامی ایک عظیم، تناور، پھلدار اور سایہ دار درخت کے مانند ہے۔ مسلمانوں کے فقہی مذاہب مثلاً حنفی، مالکی، شافعی اور حنبلی وغیرہ اس درخت کی شاخیں ہیں۔ یہ شاخیں خوش رنگ وخوش ذائقہ پھلوں اور سرسبز و گھنے پتوں سے لدی ہوئی ہیں۔ یہ درخت اپنے نیچے پناہ لینے والوں کو احکام کی صورت میں رسیلے پھل اور خوشگوار سایہ فراہم کرتا ہے۔ اس درخت کی شاخیں چاروں اطراف پھیلی ہوئی ہیں۔ کوئی شخص جدھر سے بھی آئے، وہ اس درخت کے پھل یعنی احکامِ شریعت سے مستفید ہوتا ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ شریعتِ اسلامی کے درخت کی ایک ہی شاخ ایک ہی سمت میں ہے اور دوسری اطراف سے آنے والوں کو لازمی طور پر اسی ایک سمت سے پھل حاصل کرنا پڑے۔

شریعتِ اسلامی پانی کا وہ قیمتی ذخیرہ ہے جو انسانی زندگی کی ضرورت ہے۔ اس کے بغیر حیاتِ انسانی کی دنیوی فلاح اور اخروی نجات ممکن نہیں ہے۔ فقہی مذاہب وہ راستے ہیں جو مختلف اطراف سے اس ذخیرہ تک آتے ہیں۔ ایک مسلمان ان راستوں پر چل کر اس ذخیرۂ آب تک رسائی حاصل کر کے اپنی زندگی کو سیراب کر سکتا ہے۔

شریعتِ اسلامی ایسا چشمہ ہے جو ہر وقت اُبلتا اور پھوٹتا رہتا ہے۔ اسلامی فقہی مذاہب اس چشمۂ صافی سے نکلنے والی ندیاں ہیں جو مختلف سمتوں میں بہہ رہی ہیں۔ جو شخص ان ندیوں میں سے جس ندی کا بھی پانی پیتا ہے وہ دراصل اسی چشمہ کے پانی سے اپنی پیاس بجھاتا ہے۔

جس طرح ایک گھنے اور سایہ دار درخت کی چاروں جوانب پھیلی شاخیں مضبوطی سے اپنے تنے سے جڑی ہوتی ہیں اور جس طرح ایک چشمہ سے نکلنے والی ندیوں کا رابطہ اپنے چشمہ سے ہمیشہ رہتا ہے، اسی طرح یہ فقہی مذاہب بھی شریعتِ اسلامی سے مضبوطی سے جڑے ہوئے ہیں۔

فقہی مذاہب تاریخی اور فکری طور پر صدرِ اسلام سے منسلک ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تیار کردہ صحابہ کرامؓ بالواسطہ طور پر بانیانِ مذاہب مثلاً امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ وغیرہ کے اساتذہ ہیں۔ ان بانیان نے جو فقہی اصول مرتب کیے اور انسانی زندگی کے عملی مسائل کا شرعی حل دریافت کرنے کے

لیے جو مساعی کیں ان کے پیچھے کسی نہ کسی صحابی کا منہج واسلوب کارفرما ہے۔ صحابہ کرامؓ نے یہ سب کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے براہِ راست حاصل کیا ہے۔ ہر فقہی مذہب ایک ہی چشمۂ فیض اور صاحبِ شریعت یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی سے جا کر ملتا ہے۔

اسلام کو سیاسی سطوت وغلبہ حاصل ہو جانے کے بعد متعدد صحابہ کرامؓ مدینہ سے باہر مختلف علاقوں کی طرف مبعوث کیے گئے۔ مثلاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کو یمن بھیجا اور انہیں فرمایا:

عَلِّمْهُمُ الشَّرَائِعَ وَ اقْضِ بَيْنَهُمْ (۱)

آپ اہلِ یمن کو احکام کی تعلیم دیں اور ان کے درمیان فیصلے کریں۔

حضرت علیؓ کو نجران کی طرف بھی مبعوث کیا گیا تھا (۲)۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ اور حضرت معاذ بن جبلؓ کو یمن بھیجا تو انہیں فرمایا تھا:

يَسِّرَا وَ لَا تُعَسِّرَا وَ بَشِّرَا وَ لَا تُنَفِّرَا وَ تَطَاوَعَا (۳)

تم دونوں حضرات لوگوں کے لیے آسانیاں پیدا کرنا اور ان پر سختیاں نہ کرنا اور لوگوں کو خوشخبری دینا اور انہیں نفرت نہ دلانا اور ایک دوسرے کا کہنا ماننا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرو بن حزمؓ کو نجران روانہ کیا تاکہ وہاں کے لوگوں کو دین کی تعلیم دیں، انہیں سنت کے احکام سکھائیں اور اُن سے صدقات یعنی اموالِ زکوٰۃ وصول کریں (۴)۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوعبیدہ بن الجراحؓ کو وفدِ نجران کے ہمراہ بھیجا تاکہ وہ اہل نجران کے تنازعات کا فیصلہ کریں (۵)۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس دنیا سے پردہ فرما جانے کے بعد دین اسلام کی اشاعت اور غیر منصوص مسائل میں اسلامی قانون کی تشکیل کی مساعی میں سعیِ اوّل حضرات صحابہ کرامؓ کی تھی۔ وہ قرآن وسنت کا پیغام لے کر مدینہ سے نکلے اور دنیا میں پھیل گئے۔ کہیں وہ بسلسلۂ جہاد لشکر کے ہمراہ گئے، کسی علاقے میں وہ گورنر، عامل، قاضی یا معلّم کے طور پر تعینات کیے گئے، کہیں وہ تجارتی غرض سے گئے اور بعض علاقوں میں جا کر انہوں نے مستقل سکونت اختیار کرلی تھی۔ وہ جہاں بھی گئے وہاں کتاب اللہ اور سنتِ نبوی کی تعلیم، تبلیغِ دین اور انسانوں کی فقہی اور قانونی رہنمائی ہر حال میں ان کے پیشِ نظر رہی تھی۔

۱۔ المستدرك على الصحيحين في الحديث، كتاب الأحكام

۲۔ ابن ہشام، السيرة النبوية ۲/۲۴۹

۳۔ صحيح البخاری، كتاب الأحكام، باب أمر الوالي إذا وجه أميرين

۴۔ ابن ہشام، السيرة النبوية ۴/۲۴۱

۵۔ حوالہ بالا ۲/۲۳۳

حضرت عمرؓ کے عہدِ خلافت (۱۳ھ تا ۲۴ھ) میں مدینہ ریاست کی حدود جزیرہ عرب سے پھیل کر روم، فارس، عراق، مصر اور شام تک پہنچ گئی تھیں۔ صحابہ کرامؓ بڑی تعداد میں تبلیغی اور جہادی مہمات پر مختلف علاقوں کی طرف گئے۔ حضرت عمرؓ نے ان مہمات پر جلیل القدر صحابہؓ روانہ کیے۔ انہوں نے اپنی تبلیغی و جہادی مساعی سے نہ صرف اسلامی سلطنت کی حدود کو وسعت دی بلکہ مفتوحہ علاقوں میں مثالی نظامِ عدل و انصاف قائم کیا۔ حضرت عمر فاروقؓ نے حضرت عمرو بن العاصؓ کو امیرِ شام بنا کر بھیجا۔ مصر آپ ہی کے ہاتھوں فتح ہوا تھا اور آپ کو مصر کا حاکم بنایا گیا (۱)۔ حضرت ابوعبیدہ بن الجراحؓ کو لشکرِ شام کا سپہ سالار بنا کر بھیجا (۲)۔ حضرت عمرؓ نے حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کو شہر کوفہ کا گورنر بنایا تھا (۳)۔ حضرت عمرؓ نے فتحِ عراق کے بعد اہلِ کوفہ کی طرف حضرت عمار بن یاسرؓ کو امیر اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو معلّم اور وزیر بنا کر بھیجا (۴)۔ حضرت عمرؓ نے حضرت عبیدہ بن عازبؓ اور حضرت قرظہ بن کعبؓ کو بھی کوفہ بھیجا (۵)۔ ایک اور صحابی حضرت مغیرہ بن شعبہؓ بھی عہدِ فاروقی میں گورنرِ کوفہ رہے تھے (۶)۔ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ بصرہ کے حاکم تھے (۷)۔ آپ کی درخواست پر حضرت عمرؓ نے انتیس صحابہ کرامؓ بصرہ روانہ کیے جن میں حضرت انس بن مالکؓ اور حضرت عمران بن حُصَینؓ شامل تھے (۸)۔ جب مسلمانوں نے ملک شام پر جہاد کا سلسلہ شروع کیا تھا تو حضرت عبادہ بن صامتؓ شام روانہ ہو گئے تھے اور اپنی زندگی کی آخری سانسوں تک وہیں رہے (۹)۔ حضرت معاذ بن جبلؓ بھی شام چلے گئے تھے (۱۰)۔ حضرت عمرؓ نے حضرت ابودرداءؓ اور حضرت بلالؓ وغیرہ کو بھی قرآن و سنّت کی تعلیم کے لیے شام بھیجا تھا (۱۱)۔

شہادتِ حضرت عمرؓ کے بعد مدینہ سے باہر جانے والے صحابہ کرامؓ کی تعداد میں اضافہ ہو گیا۔ وہ جن علاقوں میں گئے وہاں انہوں نے دین کی تبلیغ شروع کر دی۔ وہ لوگوں کو قرآن مجید کی تعلیم دیا کرتے تھے۔ جو احادیث ان کے پاس تھیں انہیں دوسروں تک روایت کرتے۔ یہ حضرات اپنے اپنے علاقوں میں لوگوں کے لیے دینی

۱۔ الطبقات الکبریٰ ۷/۴۹۳
۲۔ حوالہ بالا ۷/۳۸۴
۳۔ حوالہ بالا ۶/۱۲
۴۔ حوالہ بالا ۳/۲۵۵، ۶/۷، ۴۶
۵۔ الطبقات الکبریٰ ۶/۱۷
۶۔ حوالہ بالا ۶/۲۰
۷۔ حوالہ بالا ۴/۱۰۹
۸۔ تاریخ الأمم والملوك ۳/۲۰۷
۹۔ الطبقات الکبریٰ ۷/۳۸۷
۱۰۔ حوالہ بالا ۷/۳۸۸-۳۸۹
۱۱۔ مجموع فتاویٰ شیخ الإسلام أحمد بن تیمیة ۲۰/۳۱۲

امور میں مینارِ ہدایت تھے۔ لوگ دینی تعلیم اور عملی مسائل کے شرعی حکم کے لیے صحابہؓ کی طرف رجوع کرتے تھے۔ بعض علاقوں میں صحابہؓ کی موجودگی میں تابعین کو بھی فتویٰ دینے کا شرف حاصل تھا، لیکن عام طور پر صحابہ کرامؓ ہی تعلیم وافتاء کی ذمہ داریاں سنبھالے ہوئے تھے۔

ان علاقوں میں صحابہ کرامؓ کے حلقاتِ دروس قائم تھے۔ جہاں کبار فقہاء صحابہؓ تھے، وہ علاقے زیادہ مشہور ہوئے اور وہاں کے حلقاتِ دروس نے زیادہ شہرت پائی۔ یہ علاقے صرف درس وتدریس کے حلقات ہی نہیں بلکہ فقہی فکر کے مدارس بھی تھے۔ ان فقہی مدارس پر صحابہ کرامؓ کے مزاج ومنہج کا گہرا اثر پایا جاتا تھا۔ یوں مختلف علاقوں میں فقہ کے مختلف رنگوں کا غلبہ تھا۔ یہ تمام فقہی مراکز ایک ہی شجرِ سایہ دار کی مختلف شاخیں تھیں۔

امام مالکؒ کا قول ہے: علم ایک درخت کے مانند ہے جس کی جڑ مکہ میں، ٹہنیاں مدینہ میں، پتے عراق میں اور پھل خراسان میں ہیں (۱)۔

امام مالکؒ کے مندرجہ بالا قول میں دی گئی علاقائی ترتیب کی روشنی میں ذیل میں صحابہ کرامؓ کے فقہی مدارس کا جائزہ لیا جائے گا۔ ان مدارس سے بڑے بڑے تابعین اور تبع تابعین فقہاء نے تعلیم وتربیت حاصل کی۔ مسلمانوں کے فقہی مذاہب کے بانیان اور ائمہ عظام انہی مدارس سے تعلیم یافتہ حضرات کے بالواسطہ شاگرد ہیں۔

مدرسہ حضرت ابن عباسؓ اور امام شافعیؒ

مکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جائے ولادت، پہلی وحی کا مقامِ نزول اور بیت اللہ کا شہر ہے۔ کفار کے مظالم یہاں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ کی ہجرت کا سبب بنے تھے۔

پھر مکہ ۸ھ میں فتح ہوا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بیس سالہ نوجوان حضرت عتاب بن اَسیدؓ کو وہاں کا گورنر مقرر کیا اور ان کے ہمراہ حضرت معاذ بن جبلؓ کو مکہ میں چھوڑا تاکہ وہ لوگوں کو قرآن کی تعلیم دیں اور ان میں دین کی سمجھ پیدا کریں (۲)۔ یوں مکہ میں حضرت معاذ بن جبلؓ سے فقہ کی تعلیم وتدریس کا آغاز ہوا۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے اپنی آخری عمر میں بیت اللہ شریف میں قرآن، تفسیر، حدیث اور فقہ وغیرہ کی تعلیم دی۔ حضرت ابن عباسؓ صحابہ کرامؓ میں نمایاں مقام رکھتے تھے۔ آپ کے شاگرد طاؤسؒ فرماتے ہیں: میں نے ستر اصحابِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا، جب وہ باہم کسی معاملہ میں بحث کرتے تو حضرت ابن عباسؓ کے قول کی طرف رجوع کرتے تھے (۳)۔

۱۔ ترتیب المدارك و تقریب المسالك لمعرفة أعلام مذهب مالك ۱۸۶/۱

۲۔ ابن ہشام، السیرة النبویة ۸۳/۴، ۱۴۳۔ المستدرك، کتاب معرفة الصحابة ۲۷۰/۳

۳۔ الطبقات الکبریٰ ۳۶۷/۲

مکہ میں آپ کے شاگردوں کا ایک وسیع حلقہ بن گیا تھا۔ یہاں جو فقہی مدرسہ قائم ہوا وہ حضرت ابن عباسؓ کا مدرسہ کہلاتا ہے(۱)۔ اہلِ مکہ نے اکثر طور پر حضرت ابن عباسؓ کے فتاویٰ کا اتباع کیا ہے(۲)۔ شاہ ولی اللہ محدّث دہلویؒ نے لکھا ہے: حضرت ابن عباسؓ نے بہت سے مسائل میں اپنے سے پہلے لوگوں سے اختلاف کیا اور مکہ میں آپ کے پیروکاروں نے ان مسائل میں آپ کا اتباع کیا ہے(۳)۔ اہلِ مکہ کا فقہی علم حضرت ابن عباسؓ اور آپ کے شاگردوں سے ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے مکہ میں جس فقہی مدرسہ کی بنیاد رکھی تھی وہ بہت پھلا پھولا۔ آپ کے متعدد شاگردوں نے فقہ میں شہرت پائی۔ آپ کے کبار تلامذہ میں ایک شاگرد عکرمہؒ ہیں جو آپ کے آزاد کردہ غلام تھے۔ عکرمہؒ تفسیر کے بہت بڑے عالم تھے۔ حضرت ابن عباسؓ نے عکرمہؒ سے فرمایا تھا: جاؤ اور لوگوں کو فتوے دو(۴)۔ یوں عکرمہؒ نے حضرت ابن عباسؓ کی اجازت سے آپ کی زندگی ہی میں فتویٰ دینا شروع کر دیا تھا۔ عکرمہؒ نے اپنے بارے میں فرمایا تھا: میں بازار میں چلتے ہوئے کسی آدمی سے کوئی بات سن لیتا ہوں تو اس سے بھی میرے علم کے پچاس دروازے کھل جاتے ہیں(۵)۔ عکرمہؒ جب حدیث بیان کرتے تو لوگ آپ کے اندازِ بیان میں اتنا محو ہو جاتے تھے کہ گویا ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہوئے ہیں(۶)۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے ایک اور شاگرد عطاء بن ابی رباحؒ مکہ کے ممتاز مفتی تھے۔ آپ نے اپنی ساری زندگی مکہ میں قرآن و سنّت کی تعلیم و تدریس میں بسر کی۔ اہلِ مکہ کا فتویٰ عطاءؒ اور مجاہدؒ کے زمانہ میں انہی دونوں کے پاس تھا اور اکثر حصہ عطاءؒ کے پاس تھا(۷)۔ آپ کو دوسو اصحابِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کا شرف حاصل تھا۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے بعد مسجدِ حرام میں فتویٰ کا حلقہ عطاءؒ کا قائم ہوا تھا(۸)۔ حضرت ابن عباسؓ اہلِ مکہ سے فرمایا کرتے تھے: تم میرے پاس مسائل پوچھنے کیوں آتے ہو؟ حالانکہ تمہارے درمیان عطاءؒ موجود ہیں(۹)۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا بھی ایک ایسا قول عطاءؒ کے بارے میں ہے(۱۰)۔ عہدِ بنوامیہ میں یہ اعلان

۱۔ خلاصة تاريخ التشريع الإسلامي ص ۴۹
۲۔ الإحكام في أصول الأحكام ۱۲۸/۲
۳۔ حجة الله البالغة ۳۲/۱
۴۔ طبقات الفقهاء ص ۷۰
۵۔ الطبقات الكبرىٰ ۲۸۹/۵ ۔ تذكرة الحفاظ ۹۶/۱
۶۔ الطبقات الكبرىٰ ۲۹۰/۵
۷۔ حوالہ بالا ۴۷۰/۵
۸۔ صفة الصفوة ۱۲۵/۲
۹۔ سِيَر أعلام النبلاء ۸۱/۵
۱۰۔ صفة الصفوة ۱۲۵/۲ ۔ سِيَر أعلام النبلاء ۸۵/۱

کیا جاتا تھا کہ ایام حج میں عطاءؒ کے سوا کسی کو فتویٰ دینے کی اجازت نہیں ہے(۱)۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے شاگردوں میں مجاہدؒ بھی شامل ہیں۔ آپ مکہ کے عالم قرآن وتفسیر اور فقیہ تھے۔ آپ نے حضرت ابن عباسؓ سے قرآن، تفسیر اور فقہ کے علوم سیکھے۔ مجاہدؒ نے حضرت ابن عباسؓ کو تین مرتبہ قرآن سنایا اور آپ سے ہر آیت کے متعلق پوچھا کہ وہ کس بارے میں نازل ہوئی تھی(۲)۔ قتادہؒ نے فرمایا تھا: باقی رہنے والوں میں قرآن کے سب سے بڑے عالم مجاہدؒ ہیں(۳)۔ آپ کی زیادہ وجۂ شہرت حضرت ابن عباسؓ کے تفسیری اقوال نقل کرنے میں ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے مدرسہ سے استفادہ اور اس کی ترویج میں آپ کے ایک اور شاگرد طاؤسؒ بھی ہیں۔ طاؤسؒ نے کئی صحابہؓ سے علم حاصل کیا تھا۔ آپ نے پچاس صحابہؓ کی صحبت پائی، پھر آپ نے خود کو حضرت ابن عباسؓ کے ساتھ لازم کر لیا۔ اسی لیے آپ کی اکثر روایات حضرت ابن عباسؓ سے ہیں(۴)۔ ذہبیؒ نے لکھا ہے کہ جب لوگ کسی معاملہ میں سختی برتتے تو طاؤسؒ اس میں نرمی سے کام لیتے اور جب لوگ کسی معاملہ میں نرمی دکھاتے تو طاؤسؒ اس میں سختی اختیار کر لیتے تھے اور یہ علم کی وجہ سے تھا(۵)۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے ایک اور مشہور تلمیذ رشید عمرو بن دینارؒ تھے۔ آپ نے حضرت جابرؓ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے بھی استفادہ کیا تھا۔ عمرو بن دینارؒ تیس سال تک مکہ میں فتویٰ دیتے رہے تھے(۶)۔

حضرت ابن عباسؓ کے فقہی مدرسہ کا علم آپ کے لائق، کبار اور جلیل القدر تلامذہ عکرمہؒ، عطاءؒ، مجاہدؒ، طاؤسؒ اور عمرو بن دینارؒ وغیرہ سے دوسرے طبقہ کو منتقل ہوا۔ اس دوسرے طبقہ میں عبداللہ بن ابی نَجِیْحؒ شامل ہیں۔ عطاءؒ کے ہوتے ہوئے کوئی دوسرا شخص فتویٰ نہیں دیتا تھا اور اگر عطاءؒ نہ ہوتے تو پھر عبداللہ بن ابی نَجِیْحؒ فتویٰ دیتے تھے(۷)۔ ایک قول یہ ہے کہ عمرو بن دینارؒ کے بعد عبداللہ بن ابی نَجِیْحؒ اہل مکہ کے مفتی تھے(۸)۔

اسی طبقہ ثانیہ میں ایک اور فقیہ ابن جُرَیْجؒ ہیں۔ آپ کا قول ہے کہ آپ سترہ برس عطاءؒ کی صحبت میں رہے۔ ایک روایت میں یہ مدت بیس برس ہے۔ عطاءؒ کے علم کو ابن جریجؒ سے زیادہ جاننے والا کوئی نہیں تھا(۹)۔

۱۔ البداية و النهاية ۳۰۶/۹

۲۔ صفة الصفوة ۱۲۳/۲۔ سِيَر أعلام النبلاء ۴۵۰/۴

۳۔ سِيَر أعلام النبلاء ۴۵۴/۴

۴۔ صفة الصفوة ۱۷۳/۲

۵۔ سِيَر أعلام النبلاء ۴۳/۵

۶۔ حوالہ بالا ۳۰۱/۵

۷۔ حوالہ بالا ۸۳/۵

۸۔ حوالہ بالا ۱۲۵/۶

۹۔ سِيَر أعلام النبلاء ۳۳۱/۶

حضرت ابن عباسؓ کا فقہی سرمایہ ان کے علمی ورثاء وتلامذہ سے ہوتا ہوا تیسرے طبقہ تک پہنچا۔ اس طبقہ کے مشہور فقہاء میں سفیان بن عُیینہؒ اور مسلم بن خالد زنجیؒ شامل ہیں۔

مکہ میں حضرت ابن عباسؓ کے مدرسہ سے فیض یافتہ تیسرے طبقہ کے فقہاء سفیان بن عُیینہؒ اور مسلم بن خالد زنجیؒ سے شافعی مذہب کے بانی امام شافعیؒ نے علم حاصل کیا تھا(۱)۔ امام شافعیؒ پندرہ برس اور ایک روایت کے مطابق بیس سال سے کم عمر کے تھے کہ آپ کے استاد زنجیؒ نے اجازت دی تھی کہ آپ لوگوں کو فتویٰ دیں (۲)۔ سفیان بن عُیینہؒ کے پاس جب تفسیر یا فتویٰ کی کوئی چیز آتی تو وہ اسے امام شافعیؒ کی طرف بھیج دیتے اور فرماتے کہ جا کر امام شافعیؒ سے پوچھو(۳)۔

ابو اسحاق شیرازیؒ نے امام شافعیؒ کو فقہائے مکہ میں رکھا ہے(۴)۔ امام شافعیؒ نے اپنی زندگی کا ابتدائی حصہ مکہ میں گزارا تھا۔ آپ شام کے شہر غزہ میں پیدا ہوئے، مکہ میں پروان چڑھے اور مکہ و مدینہ سے علم حاصل کیا تھا۔ آپ دو مرتبہ بغداد بھی گئے۔ آپ آخری مرتبہ ۱۹۸ھ میں بغداد آئے، ایک ماہ ٹھہرے اور وہاں سے مصر چلے گئے جہاں آپ کی وفات ہوگئی(۵)۔

حافظ ابن کثیرؒ نے لکھا ہے کہ امام شافعیؒ نے جن حضرات سے فقہ کا علم حاصل کیا ان کا سلسلہ یہ ہے: شافعی عن مسلم بن خالد عن ابن جُریج عن عطا، اور عطاؒ نے حضرت ابن عباسؓ اور صحابہؓ کی ایک جماعت سے اکتسابِ فقہ کیا جس میں حضرت علیؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت زید بن ثابتؓ شامل ہیں اور ان صحابہ کرامؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فقہ کا علم پایا(۶)۔

مدرسہ حضرت زیدؓ و حضرت ابن عمرؓ اور امام مالکؒ و امام شافعیؒ

شہر مدینہ اسلامی ریاست کا مرکز تھا۔ کبار مہاجرین وانصار صحابہ کرامؓ کی اکثریت خلیفہ ثانی حضرت عمرؓ کے عہدِ خلافت (۲۴ھ) تک مدینہ میں رہی۔ یہاں خلفائے راشدینؓ کے علاوہ متعدد صحابہ کرامؓ فقہ میں مشہور تھے۔ مثلاً حضرت جابر بن عبداللہؓ اپنے زمانے میں مدینہ کے مفتی اور فقیہ تھے(۷)۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ اپنی وفات

۱۔ طبقات الفقهاء ص ۷۱

۲۔ الإنتقاء ص ۷۱۔ سِيَر أعلام النبلاء ۱۰/۱۵، ۱۶۔ صفة الصفوة ۲/۱۴۸

۳۔ سِيَر أعلام النبلاء ۱۰/۱۷

۴۔ طبقات الفقهاء ص ۷۱

۵۔ تاريخ بغداد ۲/۵۶۔ الإنتقاء ص ۶۷

۶۔ البداية والنهاية ۱۰/۲۵۲

۷۔ تذكرة الحفاظ ۱/۴۳

(۵۷ھ اور ایک روایت کے مطابق ۵۸ھ) تک مدینہ میں فتوی دیتی رہیں (۱)۔ حضرت ابو ہریرۃؓ، حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ، حضرت رافع بن خدیجؓ، حضرت ابوواقد اللیثیؓ، حضرت عبداللہ بن بُحَینہ اور حضرت سلمہ بن اَکوَعؓ مدینہ میں امورِ افتاء انجام دیتے رہے۔ حضرت ابوسعید خدریؓ بھی مفتیٔ مدینہ تھے (۲)۔

مدینہ کے فقہاءِ صحابہؓ میں سے حضرت زید بن ثابتؓ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو سب سے زیادہ شہرت حصل ہوئی۔ ان دونوں صحابہؓ کے تلامذہ بکثرت ہوئے۔ حافظ ذہبیؒ نے لکھا ہے کہ اہلِ مدینہ کا علم حضرت زید بن ثابتؓ اور حضرت ابن عمرؓ کے شاگردوں سے ہے (۳)۔ ان دونوں میں حضرت زید بن ثابتؓ ممتاز مقام پر فائز ہیں۔ آپ کو مسائل کے شرعی احکام اخذ کرنے پر بہت قدرت حاصل تھی۔ شعبیؒ کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ حدیث میں بہترین تھے مگر وہ فقہ میں بہترین نہیں تھے (۴)۔

مدینہ کا فقہی مدرسہ حضرت زید بن ثابتؓ کی ذاتِ گرامی سے منسوب ہے۔ آپ یہاں رَأسُ التَّشْرِیع یعنی قانون سازی کے سردار تھے (۵)۔ فہمِ قرآن وسنّت اور قضاء وفتویٰ پر آپ کو خداداد قدرت واستعداد حاصل تھی۔ آپ کی انہی صلاحیتوں کی بنا پر حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ اور جب تک حضرت علیؓ مدینہ میں رہے، ان کے زمانوں میں اور اس کے بعد بھی اپنی وفات ۴۵ھ تک حضرت زید بن ثابتؓ مدینہ میں قضاء، فتویٰ، قراءت اور فرائض یعنی احکامِ میراث کے رئیس شمار ہوتے تھے (۶)۔ حضرت عمرؓ جب مدینہ سے باہر تشریف لے جاتے تو حضرت زید بن ثابتؓ کو اپنا نائب بنا کر جاتے تھے۔ حضرت عمرؓ دیگر صحابہؓ کو مختلف علاقوں کی طرف بھیج دیتے لیکن حضرت زید بن ثابتؓ کو مدینہ ہی میں رکھتے تھے (۷)۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا کہ حضرت عمرؓ نے علماء کو مختلف شہروں میں بھیجا اور انہیں اپنی رائے سے فتویٰ دینے سے منع کر دیا لیکن حضرت زید بن ثابتؓ مدینہ میں اہلِ مدینہ اور دوسرے علاقوں سے آنے والے لوگوں کو فتوے دیتے تھے (۸)۔ سلیمان بن یسارؒ کے مطابق خلفائے راشدین حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ دونوں فتویٰ، فرائض اور قراءت میں حضرت زید بن ثابتؓ پر کسی کو مقدم نہیں کرتے تھے (۹)۔

۱۔ الطبقات الکبریٰ ۲/۳۷۵
۲۔ سِیَر أعلام النبلاء ۲/۱۶۸
۳۔ حوالہ بالا ۱/۲۱
۴۔ الطبقات الکبریٰ ۲/۳۷۳
۵۔ خلاصۃ تاریخ التشریع الإسلامی ص ۴۹
۶۔ الطبقات الکبریٰ ۲/۳۶۰
۷۔ حوالہ بالا ۲/۳۵۹
۸۔ حوالہ بالا ۲/۳۶۱
۹۔ حوالہ بالا ۲/۳۵۹

حافظ ذہبیؒ نے لکھا ہے: حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور مدینہ میں جو صحابہ کرامؓ آپ کے بعد زندہ رہے، وہ سب حضرت زید بن ثابتؓ کے مذہب پر، اور ان سے جو کچھ سیکھا، اس پر فتویٰ دیا کرتے تھے(۱)۔ مسروقؒ کہتے ہیں: میں مدینہ گیا اور صحابہ کرامؓ کے بارے میں پوچھا تو حضرت زید بن ثابتؓ کو علم میں پختہ لوگوں میں پایا(۲)۔ حمید بن اسودؒ کا قول ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ کے بعد لوگوں کے امام حضرت زید بن ثابتؓ اور ان کے بعد حضرت عبداللہ بن عمرؓ تھے(۳)۔

حضرت زید بن ثابتؓ سے بہت سے نامور تابعین نے علم حاصل کیا تھا۔ ان میں سب سے زیادہ مشہور سعید بن مسیبؒ ہیں۔ آپ حضرت زید بن ثابتؓ کے شاگردوں میں سے اور فقہائے مدینہ کی زبان تھے۔ سعید بن مسیبؒ کو حضرت ابو ہریرۃؓ کی احادیث اور حضرت عمرؓ کے فیصلے سب سے زیادہ یاد تھے(۴)۔ آپ حضرت عمرؓ کے علم کی مُشک اور آپ کے علم کے حامل تھے۔ آپ کو راوی حضرت عمرؓ کہا جاتا تھا، کیونکہ آپ حضرت عمرؓ کے احکام اور فیصلوں کے سب سے بڑے حافظ تھے(۵)۔ سعید بن مسیبؒ نے حضرت زید بن ثابتؓ اور اُمہات المومنین حضرت عائشہؓ اور حضرت اُم سلمہؓ سے علم حاصل کیا، حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کی مجالس میں بیٹھے اور حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ سے بھی سنا(۶)۔

حافظ ابن قیمؒ نے لکھا ہے: سعید بن مسیبؒ تینوں خلفاء حضرت ابو بکرؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کے فیصلوں کے سب سے بڑے عالم تھے(۷)۔ سعیدؒ فرمایا کرتے تھے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کے فیصلوں کو مجھ سے زیادہ جاننے والا کوئی شخص باقی نہیں رہا(۸)۔ آپ نے قضا کا جتنا کام کیا، یا جس علم سے فتویٰ دیا، اس کا اکثر حصہ حضرت زید بن ثابتؓ سے تھا(۹)۔ سعیدؒ لوگوں کو فتویٰ دیا کرتے تھے حالانکہ اس وقت صحابہ کرامؓ بقیدِ حیات تھے۔ امام مالکؒ نے بیان کیا: مجھے معلوم ہوا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ لوگوں کو سعید بن مسیبؒ کے پاس بھیج کر اُن سے حضرت عمرؓ کے قضایا اور احکام معلوم کیا کرتے تھے(۱۰)۔ نافعؒ سے مروی ہے کہ

۱۔ سِیَر أعلام النبلاء ۲۱/۱

۲۔ الطبقات الکبریٰ ۳۶۰/۲

۳۔ الدیباج المُذھَب فی معرفة أعیان علماء المَذھب ص ۵۳

۴۔ حجة اللّٰہ البالغة ۱۴۴/۱

۵۔ الطبقات الکبریٰ ۱۲۱/۵

۶۔ طبقات الفقھاء ص ۵۷

۷۔ أعلام المؤقعین عن رب العالمین ۲۲/۱

۸۔ الطبقات الکبریٰ ۱۳۹/۲، ۱۲۰/۵۔ صفة الصفوة ۴۵/۲

۹۔ الطبقات الکبریٰ ۳۶۰/۲

۱۰۔ البدایة والنھایة ۱۰۰/۹

حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے سعید بن مسیبؒ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: اللہ کی قسم! وہ مفتی ہیں (۱)۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کسی مقدمہ کا فیصلہ اس وقت تک نہیں کرتے تھے جب تک اس سے متعلق سعید بن میتبؒ سے پوچھ نہ لیتے تھے (۲)۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے لکھا ہے کہ سعید بن میتبؒ اور ان کے تلامذہ کے فقہی مذہب کی بنیاد حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کے فتاویٰ وقضایا اور حضرت ابن عمرؓ، حضرت عائشہؓ، حضرت ابن عباسؓ اور حضرت زید بن ثابتؓ کے فتاویٰ پر ہے (۳)۔

مدینہ کے ایک اور مشہور فقیہ قاسم بن محمدؒ ہیں۔ آپ نے اپنی پھوپھی حضرت عائشہ صدیقہؓ سے علمِ فقہ حاصل کیا۔ آپ نے فرمایا: حضرت عائشہؓ، حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے ادوارِ خلافت میں اور اپنی وفات (۵۷ھ اور ایک روایت کے مطابق ۵۸ھ) تک فتویٰ دیتی رہیں اور میں مستقل طور پر اُن کے ساتھ رہا۔ اس کے علاوہ میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ جو کہ سمندر تھے، ان کے پاس بیٹھا کرتا اور حضرت ابوہریرۃؓ اور حضرت ابن عمرؓ کے پاس بھی کثرت سے جایا کرتا تھا (۴)۔

فقہائے مدینہ میں ایک نام قبیصہ بن ذویبؒ کا ہے۔ شعبیؒ کہتے ہیں: قبیصہؒ، حضرت زید بن ثابتؓ کے فیصلوں کو سب سے زیادہ جانتے تھے (۵)۔

ابوبکر بن عبدالرحمٰنؒ فقیہِ مدینہ اور کثیر الحدیث تھے۔ آپ نے کئی کبار صحابہ کرامؓ بالخصوص امہات المومنین حضرت عائشہؓ اور حضرت ام سلمہؓ اور حضرت ابوہریرۃؓ سے روایت کیا (۶)۔

فقہائے مدینہ میں عبیداللہ بن عبداللہؒ کا نام بھی شامل ہے۔ آپ کے دادا حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے بھائی تھے۔ آپ طویل عرصہ تک حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے وابستہ رہے (۷)۔

مدینہ کے ایک اور فقیہ عروہ بن زبیرؒ ہیں۔ انہوں نے حضرت عائشہؓ سے فقہ کا علم حاصل کیا تھا (۸)۔ آپ نے اپنے والد حضرت زبیر بن عوامؓ، حضرت زید بن ثابتؓ، حضرت اسامہ بن زیدؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ اور حضرت عائشہؓ وغیرہ سے روایت کیا تھا (۹)۔

۱۔ سِيَر أعلام النبلاء ۲۲۲/۴
۲۔ حوالہ بالا ۲۲۵-۲۲۴/۴
۳۔ الإنصاف في بيان سبب الإختلاف ص ۱۶،۱۳
۴۔ سِيَر أعلام النبلاء ۵۵/۵
۵۔ طبقات الفقهاء ص ۶۲۔ تذكرة الحفاظ ۶۰/۱
۶۔ سِيَر أعلام النبلاء ۴۱۶/۴
۷۔ حوالہ بالا ۴۷۵/۴
۸۔ أعلام الموقعين ۲۲/۱
۹۔ الطبقات الكبرىٰ ۱۷۹/۵۔ صفة الصفوة ۴۸/۲

خارجہ بن زید ثابتؒ بھی فقہائے مدینہ میں سے ہیں۔

مدینہ کے فقہاء میں ایک اور مشہور نام سلیمان بن یسارؒ کا ہے۔آپ فتویٰ دینے میں حضرت عمرؓ کے قول کی طرف جاتے تھے(۱)۔امام مالکؒ کے مطابق سعید بن میبؒ کے بعد سلیمان بن یسارؒ لوگوں کے عالم تھے اور سلیمانؒ کے اکثر فتوے سعید بن میبؒ کے موافق ہوتے تھے(۲)۔سلیمان بن یسارؒ نے حضرت زید بن ثابتؓ، حضرت ابوہریرۃؓ، حضرت جابرؓ بن عبداللہ، حضرت عائشہؓ، حضرت اُم سلمہؓ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ وغیرہ سے روایت کیا ہے(۳)۔

حضرت عمر فاروقؓ کے پوتے سالم بن عبداللہ بن عمرؒ مدینہ کے نامور فقیہ تھے۔سعید بن میبؒ کا قول ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ اپنے والد حضرت عمرؓ سے مشابہ تھے اور سالمؒ اپنے والد حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مشابہ تھے(۴)۔حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے مولیٰ یعنی آزاد کردہ غلام نافعؒ بھی فقہائے مدینہ میں سے تھے۔آپ حضرت ابن عمرؓ کے راوی ہیں(۵)۔تابعین میں سے نافعؒ حضرت ابن عمرؓ کے فتاویٰ کو سب سے زیادہ جاننے والے تھے۔

مندرجہ بالا فقہاء میں سے سات ''فقہائے سبعہ'' کے نام سے مشہور ہیں، جو یہ ہیں: سعید بن میبؒ، عُروہ بن زبیرؒ، قاسم بن محمد بن ابی بکرؒ، ابوبکر بن عبدالرحمٰنؒ، عبیداللہ بن عبداللہؒ، خارجہ بن زیدؒ اور سلیمان بن یسارؒ۔بعض مورخین نے ''فقہائے سبعہ'' میں ابوبکر بن عبدالرحمٰنؒ کے بجائے سالم بن عبداللہ بن عمرؒ کا ذکر کیا ہے(۶)۔

''فقہائے سبعہ'' صحابہ کرامؓ کے علمی جانشین تھے۔ان کے بعد مدینہ میں فقہ انہی ''فقہائے سبعہ'' میں تھی۔جب ان کے پاس کوئی مسئلہ آتا تو وہ سب اس میں غور وخوض کرتے تھے۔قاضی اس وقت تک فیصلہ نہیں کرتا تھا جب تک وہ مسئلہ ان کے سامنے نہیں لایا جاتا تھا، پھر وہ اس میں غور وخوض کرتے اور فتویٰ دیتے تھے(۷)۔

مندرجہ بالا تابعین نے مدینہ میں حضرت عمرؓ، حضرت زید بن ثابتؓ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ وغیرہ سے حاصل کردہ علم اگلے طبقہ کو منتقل کیا جس میں ایک نمایاں نام یحییٰ بن سعیدؒ کا ہے۔آپ کا شمار ''فقہائے سبعہ'' کے تلامذہ میں ہوتا ہے(۸)۔

۱۔ الدیباج المُذهَب ص ۲۳۸

۲۔ سِیَر أعلام النبلاء ۴/۴۴۶

۳۔ الطبقات الکبریٰ ۵/۷۵۔ سِیَر أعلام النبلاء ۴/۴۴۴۔ صفة الصفوة ۲/۴۶

۴۔ سِیَر أعلام النبلاء ۴/۴۵۹

۵۔ حوالہ بالا ۵/۹۵

۶۔ طبقات الفقهاء ص ۶۱۔ سِیَر أعلام النبلاء ۴/۴۶۱

۷۔ سِیَر أعلام النبلاء ۴/۴۶۱

۸۔ حوالہ بالا ۵/۴۶۸

تابعین فقہائے مدینہ سے اکتسابِ علم کرنے والوں میں ابن شہاب زہریؒ بھی شامل ہیں۔ آپ جن تابعین کی صحبت میں رہے ان میں سعید بن مسیبؒ، عروہ بن زبیرؒ، ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن بن عوفؒ اور عبیداللہ بن عبداللہؒ وغیرہ شامل ہیں۔ امام مالکؒ نے فرمایا تھا کہ انہوں نے مدینہ میں ابن شہاب زہریؒ کے سوا کسی کو فقیہ اور محدث نہیں پایا(۱)۔ اس قول سے امام زہریؒ کی علمی عظمت ظاہر ہوتی ہے۔ عراک بن مالکؒ نے فرمایا تھا: اہلِ مدینہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کے فیصلوں کے سب سے بڑے عالم اور فقیہ سعید بن مسیبؒ تھے۔ عروہ بن زبیرؒ مدینہ میں حدیث کے سب سے بڑے عالم تھے۔ اگر تم چاہو کہ عبیداللہ بن عبداللہؒ سے علم کا سمندر پھٹ پڑے تو آپ سے نکل پڑے گا، اور میرے نزدیک اُن سب سے بڑے عالم ابن شہاب زہریؒ تھے کیونکہ ان تمام کا علم ابن شہابؒ کے علم میں جمع ہوگیا تھا(۲)۔

مدینہ کے اصحابِ فتویٰ میں ایک اور نام ربیعہ الرائیؒ کا ہے۔ آپ نے صحابہؓ میں سے حضرت انس بن مالکؓ اور حضرت سائب بن یزیدؓ کو پایا تھا۔ جب قاسم بن محمدؒ سے کوئی مسئلہ پوچھا جاتا تو آپ فرماتے: یہ مسئلہ ربیعہؒ سے پوچھو(۳)۔ امام مالکؒ نے فرمایا تھا: جب سے ربیعہؒ فوت ہوئے ہیں، فقہ کی حلاوت ختم ہوگئی ہے(۴)۔

عبداللہ بن زکوٰنؒ بھی فقیہ اہلِ مدینہ تھے۔ آپ کو صحابہ حضرت انس بن مالکؓ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے شرفِ ملاقات حاصل تھا۔ امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک آپ ربیعۃ الرائیؒ سے زیادہ عالم تھے(۵)۔

بُکَیر بن عبداللہؒ بھی فقیہ مدینہ تھے۔ کبار تابعین کے بعد بڑے علماء میں بُکَیر کا شمار ہوتا تھا(۶)۔

ابن ہُرمُزؒ بھی ان میں شامل ہیں۔ آپ فتویٰ دینے میں محتاط اور حفظ میں مضبوط تھے(۷)۔

مدینہ میں صحابہ کرامؓ کی علمی میراث متذکرہ بالا فقہاء سے ہوتی ہوئی امام مالکؒ تک پہنچی۔ آپ مالکی مذہب کے بانی تھے۔ امام مالکؒ مدینہ میں موجود صحابہ کرامؓ کے فقہی وارث بنے۔ آپ حضرت عمرؓ، حضرت زید بن ثابتؓ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو امام قرار دیتے تھے۔ آپ کا قول ہے: ہمارے ہاں حضرت عمرؓ کے بعد حضرت زید بن ثابتؓ لوگوں کے امام ہیں اور حضرت زید بن ثابتؓ کے بعد لوگوں کے امام حضرت ابن عمرؓ ہیں(۸)۔

۱۔ الطبقات الکبریٰ ۲/۳۸۸۔ صفة الصفوة ۲/۸۰

۲۔ صفة الصفوة ۲/۸۰

۳۔ حوالہ بالا ۲/۸۸

۴۔ سِيَر أعلام النبلاء ۶/۹۱۔ صفة الصفوة ۲/۸۹

۵۔ سِيَر أعلام النبلاء ۵/۴۴۶

۶۔ حوالہ بالا ۶/۱۷۱

۷۔ حوالہ بالا ۶/۳۷۹

۸۔ الإستیعاب ۴/۴۴۔ سِيَر أعلام النبلاء ۲/۴۳۶

امام مالکؒ کی فقہ پر حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایات وآثار کا غلبہ ہے۔ عباسی خلیفہ ابوجعفر منصورؒ نے ایک مرتبہ امام مالکؒ سے پوچھا تھا کہ انہوں نے اصحابِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں سے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے اقوال کو کیونکر اختیار کیا ہے؟ امام مالکؒ نے جواب دیا: اے امیر المومنین! وہ زندہ رہے اور لوگوں کے نزدیک انہیں فضل حاصل تھا۔ ہم نے اپنے پیش روؤں کو دیکھا کہ وہ آپ سے اخذ کرتے تھے تو ہم نے بھی ان سے حاصل کیا۔ اس پر منصورؒ نے کہا: پھر انہی کا قول اختیار کیجیے، اگرچہ وہ حضرت علیؓ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے خلاف ہو(۱)۔

ایک روایت کے مطابق خلیفہ ابوجعفر منصورؒ سے امام مالکؒ نے یہ فرمایا تھا: وہ یعنی حضرت عبداللہ بن عمرؓ ہمارے ہاں اصحابِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں سے آخری صحابی تھے۔ لوگ ان کے پاس اپنی ضرورتیں لے کر جاتے، ان سے پوچھتے اور ان کا قول اختیار کرتے تھے(۲)۔

ایک اور روایت میں ہے کہ ابوجعفر منصورؒ نے امام مالکؒ سے کہا: اے ابوعبداللہ! آپ ہمارے پاس بیٹھیں، اگرچہ آپ نے حضرت علیؓ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا قول ترک کیا ہے اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا قول لیا ہے۔ امام مالکؒ نے فرمایا: اس لیے کہ اصحابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں سب سے آخر میں (مدینہ میں) فوت ہونے والے صحابی حضرت ابن عمرؓ تھے(۳)۔

عباسی خلیفہ ہارون الرشیدؒ نے امام مالکؒ سے پوچھا: کیا وجہ ہے ہم آپ کی کتاب **الموطا** میں حضرت علیؓ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا ذکر نہیں پاتے؟ امام مالکؒ نے جواب دیا: اس لیے کہ وہ دونوں میرے شہر میں نہیں تھے اور میں ان دونوں کے رجال یعنی ان سے روایت کرنے والوں سے بھی نہیں ملا(۴)۔

حضرت علیؓ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے ذکر سے خلیفہ ہارون الرشیدؒ کی مراد ذکرِ کثیر ہے، ورنہ **الموطا** میں حضرت علیؓ اور حضرت ابن عباسؓ دونوں سے احادیث موجود ہیں(۵)۔

بقول مصری استاد ابوزہرہؒ: جہاں تک حضرت علیؓ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا مدینہ میں نہ ہونے کا تعلق ہے تو اگر اس سے دونوں کے آخری سالِ حیات مراد ہیں تو یہ بالکل صحیح ہے اور اس میں کوئی شک نہیں ہے۔ حضرت علیؓ کی خلافت عراق میں تھی اور آپ کی تدفین وہیں ہوئی۔ حضرت ابن عباسؓ کا مدرسہ آخری سالوں میں مکہ میں تھا جہاں وہ درس دیتے تھے، خاص طور پر تفسیر قرآن میں۔ اسی لیے ان دونوں صحابہؓ سے روایت کرنے والے بھی انہی

۱۔ الطبقات الکبریٰ ۴/۱۴۷

۲۔ سِیَر أعلام النبلاء ۸/۱۱۲

۳۔ ترتیب المدارك ۱/۲۱۲

۴۔ شرح الزرقانی علی موطا الإمام مالك ۱/۸

۵۔ حوالہ بالا ۱/۸

شہروں میں کثیر تعداد میں موجود تھے۔ حضرت علیؓ کی زندگی کا اکثر حصہ مدینہ میں گزرا۔ پہلے تینوں خلفاء کے ادوار میں حضرت علیؓ مدینہ ہی میں رہتے تھے۔ لہٰذا یہ بات معقول نہیں ہے کہ حضرت علیؓ سے روایت کردہ ایسی احادیث نہ ہوں جنہیں راویوں نے حضرت علیؓ سے مدینہ میں حاصل کیا ہو۔ لیکن چونکہ ان لوگوں پر امویوں کا اثر غالب تھا اس لیے انہوں نے از خود حضرت علیؓ سے کم روایت کیا ہو، یا امویوں کی اذیت سے بچنے کے لیے ایسا کیا ہو جو حضرت علیؓ کے اقوال و آثار کو چھپانے میں کوششیں کرتے تھے(۱)۔

امام مالکؒ نے جن تابعین سے علم حاصل کیا تھا ان میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے مولیٰ یعنی آزاد کردہ غلام نافعؒ ہیں۔ امام مالکؒ کا قول ہے کہ وہ نافعؒ کے پاس جایا کرتے تھے(۲)۔ امام مالکؒ کے بارے میں آتا ہے کہ آپ کو نافعؒ سے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے فتاویٰ جاننے کا اتنا شوق تھا کہ تیز دھوپ میں نافعؒ کا انتظار کرتے تا کہ ان سے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے اقوال دریافت کریں(۳)۔ محدثین نے نافعؒ سے امام مالکؒ کی روایت کو اَصَحُّ حَدِيْثُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح ترین حدیث کہا ہے۔ اس کی سند یہ ہے: مالك عن نافع عن اِبن عمر (۴)۔ نافعؒ کی زندگی ہی میں امام مالکؒ کا حلقۂ درس قائم ہو گیا تھا(۵)۔ امام مالکؒ نے نافعؒ کی زندگی میں فتویٰ دیا(۶)۔

امام مالکؒ کے اساتذہ میں ابن شہاب زہریؒ شامل ہیں(۷)۔ آپ نے ربیعہؒ سے علمِ فقہ حاصل کیا تھا(۸)۔ امام مالکؒ فرماتے ہیں: میری والدہ نے مجھے کہا: ربیعہؒ کے پاس جاؤ اور ان سے علم حاصل کرنے سے قبل ادب سیکھو(۹)۔ ربیعہؒ کے زمانہ میں امام مالکؒ کا حلقہ قائم ہو گیا تھا(۱۰)۔ آپ نے ابن ہُرمُزؒ سے بھی فقہ سیکھی(۱۱)۔ امام مالکؒ نے مدینہ کے مشہور ''فقہائے سبعہ'' سے بھی فقہ حاصل کی تھی۔ مدینہ کی فقہ جس کی تدوین امام مالکؒ نے کی، اس کی بنیاد زیادہ تر ''فقہائے سبعہ'' کے فتاویٰ پر ہے(۱۲)۔ امام مالکؒ حضرت عمرؓ کے فیصلوں، حضرت عبداللہ

۱۔ مالك، حياته و عصره، آراؤه و فقهه ص ۵۹
۲۔ ترتيب المدارك و تقريب المسالك لمعرفة أعلام مذهب مالك ۱/۱۲۰
۳۔ الديباج المُذهَب فى معرفة اعيان علماء المَذهب ص ۶۳
۴۔ حوالہ بالا ص ۶۶
۵۔ سِيَر أعلام النبلاء ۸/۷۴
۶۔ ترتيب المدارك ۱/۱۲۵
۷۔ حوالہ بالا ۱/۱۲۰
۸۔ طبقات الفقهاء ص ۶۵۔ سِيَر أعلام النبلاء ۶/۹۱
۹۔ ترتيب المدارك ۱/۱۱۹
۱۰۔ سِيَر أعلام النبلاء ۸/۷۷
۱۱۔ طبقات الفقهاء ص ۶۶
۱۲۔ سيرت النعمان ص ۵۵

بن عمرؓ، حضرت عائشہؓ اور ان کے اصحاب اور ''فقہائے سبعہ'' کے اقوال سے سب سے زیادہ آگاہ تھے۔

ابن المدینیؒ نے کہا ہے: حضرت زید بن ثابتؓ سے گیارہ لوگوں نے علم اخذ کیا، پھران سب لوگوں کا علم ابن شہاب زہریؒ، بُکَیر بن عبداللہؒ اور ابوزِنادؒ میں جمع ہوگیا، پھران تینوں کا علم مالک بن انسؒ میں جمع ہوگیا(۱)۔ امام مالکؒ، سلیمان بن یسارؒ کے قول کی طرف اور سلیمان بن یسارؒ حضرت عمرؓ کے قول کی طرف جاتے تھے(۲)۔

صحابہ کرامؓ بالخصوص جو صحابہؓ مدینہ میں رہے مثلاً حضرت عمرؓ، حضرت زید بن ثابتؓ، حضرت عائشہؓ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ، ان کے فیصلوں، فتاویٰ اور آراء نے امام مالکؒ پر گہرے اثرات مرتب کیے ہیں۔ مالکی فقہ کے بانی امام مالکؒ بالواسطہ طور پر ان صحابہؓ کے شاگرد ہیں۔

امام مالکؒ کا فقہی علم امام شافعیؒ کے پاس منتقل ہوا۔ امام شافعیؒ نے مکہ کے فقہاء سے علم حاصل کیا تھا۔ مکہ میں آپ نے قرآن حفظ کرنے کے بعد علماء کی صحبت اختیار کرلی تھی اور حدیث اور مسائل حفظ کرنا شروع کردیئے تھے(۳)۔ امام شافعیؒ نے صرف علمائے مکہ ہی سے فقہی علم حاصل نہیں کیا تھا بلکہ آپ مدینہ بھی گئے جہاں امام مالکؒ سے حدیث پڑھی اور فقہ سیکھی۔ جب تک امام مالکؒ زندہ رہے، یعنی ۱۸۹ ہجری تک، امام شافعیؒ نے خود کو امام مالکؒ سے وابستہ کیے رکھا تھا۔ آپ کا قول ہے: امام مالکؒ میرے استاد ہیں اور میں نے ان سے علم حاصل کیا ہے(۴)۔ امام شافعیؒ صاحبِ فراست تھے۔ اس بارے میں پوچھنے پر آپ نے فرمایا تھا: میں نے اسے یعنی فراست کو، امام مالکؒ سے حاصل کیا ہے(۵)۔ امام شافعیؒ نے دس برس کی عمر میں امام مالکؒ کی کتاب الموطا حفظ کرلی تھی(۶)۔ یوں امام شافعیؒ کے پاس صرف حضرت عبداللہ بن عباسؓ ہی کا علم نہیں پہنچا بلکہ امام مالکؒ کی وساطت سے حضرت عمرؓ، حضرت زید بن ثابتؓ، حضرت عائشہؓ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا علم بھی امام شافعیؒ کے پاس جمع ہوگیا تھا۔

مدرسہ حضرت ابن مسعودؓ اور امام ابوحنیفہؒ و امام شافعیؒ

حضرت عمر فاروقؓ کے عہد میں عراق فتح ہوا تھا۔ یہ وہ سرزمین ہے جہاں ابتدائے اسلام میں سب سے پہلے کثیر صحابہ کرامؓ جمع ہوئے تھے۔ یہاں متعدد صحابہ کرامؓ قرآن وسنت اور فقہ کی تعلیم و تدریس میں مشغول رہے۔ عراق میں حضرت علیؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے فیصلوں کو سب سے زیادہ شہرت حاصل ہوئی۔ اہلِ عراق کا علم

۱۔ ترتيب المدارك و تقريب المسالك لمعرفة أعلام مذهب مالك ۸۷/۱

۲۔ الديباج المُذهَب ص ۲۳۸

۳۔ كتاب الرسالة ص۱۵

۴۔ الإنتقاء ص ۲۳۔ سِيَر أعلام النبلاء ۷۵/۸

۵۔ ترتيب المدارك و تقريب المسالك لمعرفة أعلام مذهب مالك ۲۳۲/۱

۶۔ سِيَر أعلام النبلاء ۱۱/۱۰

حضرت ابن مسعودؓ کے شاگردوں سے ہے(۱)۔

عراق کے دو شہر کوفہ اور بصرہ بھی علم وفقہ میں مشہور تھے۔ ان دونوں شہروں میں سے کوفہ نے زیادہ شہرت پائی۔ ایک شخص نے حسن بصریؒ سے پوچھا: اے ابوسعید! علم وفقہ میں اہل بصرہ آگے ہیں یا اہل کوفہ؟ حسن بصریؒ نے فرمایا تھا: حضرت عمرؓ اہل کوفہ سے ابتداء کرتے تھے اور کوفہ میں جتنے عرب اور ان کے گھر ہیں، بصرہ میں نہیں ہیں (۲)۔

کوفہ وہی شہر ہے جہاں مدینہ کے بعد سب سے پہلے خلافت منتقل ہوئی اور جو اسلامی ریاست کا دوسرا دارالحکومت بنا۔ کوفہ اپنے قیام کے روزِ اوّل ہی سے صحابہ کرامؓ کا مرکز رہا ہے۔ وہ کثیر تعداد میں یہاں سکونت پذیر ہوئے۔ اس شہر کوفہ میں تین سو صحابہ کرامؓ وہ تشریف لائے جو بیعتِ رضوان (۶ ھ) میں شریک تھے اور ستر بدری صحابہؓ کی کوفہ میں آمد ہوئی تھی (۳)۔ حضرت عمرؓ نے اہالیانِ کوفہ کو لکھا تھا: اے اہلِ کوفہ! تم رأسُ العرب یعنی عرب کی چوٹی ہو (۴)۔ حضرت علیؓ نے کوفہ کے بارے میں فرمایا تھا: کوفہ اسلام کا سردار، ایمان کا خزانہ، اللہ تعالیٰ کی تلوار اور اس کا نیزہ ہے جسے وہ جہاں چاہے رکھے (۵)۔

حضرت علیؓ جب خلیفہ بنے (۳۵ ھ) تو آپ نے اسلامی ریاست کا دارالحکومت مدینہ سے کوفہ منتقل کرلیا تھا۔ آپ کے اکثر فیصلے کوفہ ہی میں ہوئے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بھی کوفہ میں تھے۔ آپ کے فتاویٰ کوفہ ہی کے اردگرد رہے (۶)۔ مسروقؒ کا قول ہے: میں نے اصحابِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا علم اِن چھ صحابہؓ پر ختم پایا: حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت اُبی بن کعبؓ، حضرت زید بن ثابتؓ، حضرت ابوالدرداءؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ۔ پھر ان چھ صحابہؓ کا علم دو صحابہ حضرت علیؓ اور حضرت ابن مسعودؓ پر ختم ہوتا تھا (۷)۔

فقہاءِ صحابہؓ میں حضرت عمرؓ کی شخصیت بھاری بھرکم ہے۔ دیگر فقہاءِ صحابہ کرامؓ آپ سے بہت متاثر تھے۔ شعبیؒ کا بیان ہے: حضرت عمرؓ جب کوئی بات کہتے اور حضرت زید بن ثابتؓ اور حضرت ابن مسعودؓ بھی کوئی بات کہتے تو ان دونوں کا قول حضرت عمرؓ کے قول کے تابع ہوتا تھا (۸)۔ مسروقؒ نے فرمایا تھا: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اپنا قول حضرت عمرؓ کے قول کی خاطر چھوڑ دیتے تھے (۹)۔ حضرت ابن مسعودؓ کا اپنا قول ہے: اگر لوگ ایک وادی اور گھاٹی میں

۱۔ أعلام الموقعين عن رب العالمين ۲۱/۱
۲۔ الطبقات الکبریٰ ۱۱/۶
۳۔ حوالہ بالا ۹/۶
۴۔ حوالہ بالا ۷/۶
۵۔ حوالہ بالا ۶/۶
۶۔ حجة الله البالغة ۱۳۲/۱
۷۔ علوم الحديث المشهور به مقدمة إبن الصلاح ص ۲۶۷۔ أعلام الموقعين ۱۶/۱
۸۔ الطبقات الکبریٰ ۳۵۱/۲
۹۔ ابن حزم، الإحكام في أصول الأحكام ۶۷/۶

چلیں اور حضرت عمرؓ دوسری وادی اور گھاٹی میں چلیں تو میں حضرت عمرؓ والی وادی اور گھاٹی میں چلوں گا(۱)۔

کوفہ میں حضرت علیؓ سیاست اور جنگ سے متعلق امور میں مصروف رہے تھے۔ یہاں آپ علمی و فقہی مشاغل کے لیے وقت نہیں نکال سکتے تھے۔ کوفہ میں حضرت علیؓ کی بجائے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے فقہی اثرات زیادہ تھے کیونکہ آپ کو حضرت علیؓ جیسی صورت حال کا سامنا نہیں تھا(۲)۔ کوفہ کا فقہی مدرسہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے منسوب ہے۔ اہل کوفہ نے اکثر حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے فتاویٰ کا اتباع کیا ہے۔ جب حضرت عمرؓ نے حضرت ابن مسعودؓ کو اہل کوفہ کی طرف معلّم اور وزیر بنا کر بھیجا تو حضرت عمرؓ نے انہیں لکھا تھا: میں نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو تمہاری طرف بھیج کر تمہیں اپنی ذات پر ترجیح دی ہے(۳)۔

شعبیؒ نے فرمایا کہ وہ جن اصحابِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں رہے اور جن سے علم سیکھا ان میں حضرت ابن مسعودؓ سے زیادہ عالم، فقیہ اور دینی نفع پہنچانے والا کسی کو نہیں پایا(۴)۔ شیخ کوفہ ابو وائل شقیقؒ نے فرمایا تھا کہ وہ مختلف حلقوں میں بیٹھے جن میں اصحابِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم موجود ہوتے تھے، مگر میں نے کسی کو حضرت ابن مسعودؓ کے قول کی تردید کرتے نہیں سنا(۵)۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے بطور فقیہ بلند مقام حاصل کیا ہے۔ آپ کو بعض اعتبارات سے دربارِ نبوی میں امتیاز حاصل تھا۔ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے فرمایا تھا کہ جب وہ یمن سے آئے تو انہوں نے حضرت ابن مسعودؓ اور آپ کی والدہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کثرت سے جاتے اور آپ کے ساتھ رہتے دیکھا تو انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہلِ بیت گمان کیا تھا(۶)۔ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ آپ کے معترف تھے۔ وہ لوگوں سے فرمایا کرتے تھے: تم مجھ سے نہ پوچھا کرو جب تک یہ علامہ تم میں موجود ہیں، یعنی حضرت عبداللہ بن مسعودؓ(۷)۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے فقہی مدرسہ سے جن لوگوں نے کسبِ علم کیا، انہوں نے آپ کی فقہی فکر آگے بڑھائی اور لوگوں کو قرآن وسنّت کی تعلیم اور مختلف مسائل میں فتوے دیئے۔ آپ کے شاگردوں میں نامور عالم، اربابِ فقہ، قاری اور مفتی شامل تھے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے تلامذہ میں سے جو زیادہ مشہور ہوئے اور کوفہ میں آپ کے فقہی جانشین بنے،

۱۔ أعلام المؤقعين عن رب العالمين ۱/۲۰
۲۔ فجر الإسلام ص ۱۸۴
۳۔ الطبقات الكبرىٰ ۶/۸
۴۔ حوالہ بالا ۶/۱۱
۵۔ حوالہ بالا ۲/۳۴۴
۶۔ صحيح مسلم، كتاب فضائل الصحابةؓ، باب من فضائل عبدالله بن مسعودؓ و أمه ۴/۱۹۱۱
۷۔ الطبقات الكبرىٰ ۲/۳۴۳

ان میں ایک علقمہؒ ہیں۔ آپ نے حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت حذیفہ بن یمانؓ، حضرت سلمان فارسیؓ اور حضرت ابودرداءؓ وغیرہ سے روایت کیا ہے(۱)۔ لیکن علقمہؒ نے خود کو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے ساتھ خاص کرلیا تھا اور ان کے ذہین تلامذہ میں شمار ہوتے تھے۔ آپ نے خود کو حضرت ابن مسعودؓ کے ساتھ اس طرح وابستہ کرلیا تھا کہ لوگ حضرت ابن مسعودؓ کو عادات وفضائل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مشابہ اور علقمہؒ کو حضرت ابن مسعودؓ سے مشابہ قرار دیتے تھے(۲)۔ بطور فقیہ علقمہؒ کے مقام وفضیلت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ صحابہ کرامؓ آپ سے مسائل دریافت کیا کرتے تھے(۳)۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی رحلت کے بعد لوگوں نے علقمہؒ سے درخواست کی تھی کہ وہ انہیں سنت کی تعلیم دیا کریں(۴)۔ حضرت علیؓ اور حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کے بعد علقمہؒ ہی لوگوں کو امامت کراتے اور انہیں فتویٰ دیا کرتے تھے(۵)۔

علقمہؒ کے بھتیجے اسودؒ شہر کوفہ کے ممتاز مفتی تھے۔ وہ اپنے استاد حضرت ابن مسعودؓ کی فقہ اچھی طرح جانتے تھے، مگر آپ حضرت عمرؓ کی فقہ کو بھی لازم سمجھتے تھے۔ علقمہؒ اپنے استاد حضرت ابن مسعودؓ کی فقہ اپنائے ہوئے تھے، اس کے باوجود اسودؒ اور علقمہؒ کا باہمی تعلق ایسا تھا کہ جب وہ ملتے تو کسی قسم کا اختلاف نہیں کرتے تھے(۶)۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے قاری اور مفتی اصحاب میں سے ایک مسروقؒ تھے۔ ابن المدینیؒ ان اصحاب میں سے کسی کو بھی مسروقؒ پر مقدم نہیں سمجھتے تھے(۷)۔ شعبیؒ فرماتے تھے: مسروقؒ، قاضی شُرَیحؒ سے زیادہ فتویٰ کا علم رکھتے تھے اور قاضی شریحؒ قضا اور فیصلوں کا علم زیادہ رکھتے تھے۔ وہ جب فیصلہ کرتے تو مسروقؒ سے مشورہ لیا کرتے تھے(۸)۔ ابووائل شقیقؒ روایت کرتے ہیں: مسروقؒ نے اپنی زندگی کے آخری ایام میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کی: اے اللہ! میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمرؓ کی سنّت کے خلاف طریقہ پر نہیں مر رہا ہوں(۹)۔

۱۔ الطبقات الکبریٰ ۶/۱۰، ۱۱۔ طبقات الفقهاء ص۷۹۔ تاریخ بغداد ۱۳/۲۳۳۔ أعلام المؤقعین ۱/۲۵۔ سِیَر أعلام النبلاء ۴/۵۶-۵۷

۲۔ الطبقات الکبریٰ ۶/۸۶

۳۔ سِیَر أعلام النبلاء ۴/۵۹۔ صفة الصفوة ۳/۱۴

۴۔ الطبقات الکبریٰ ۶/۸۹

۵۔ سِیَر أعلام النبلاء ۴/۵۴

۶۔ الطبقات الکبریٰ ۶/۷۳

۷۔ صفة الصفوة ۳/۱۴۔ تاریخ بغداد ۱۳/۲۳۲

۸۔ الطبقات الکبریٰ ۶/۸۲۔ سِیَر أعلام النبلاء ۴/۶۵

۹۔ الطبقات الکبریٰ ۶/۸۳

عبیدہ بن عمرو سلمانیؒ بھی حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے اصحابِ مفتیان میں سے تھے۔ آپ نے حضرت علیؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے اکتسابِ علم کیا(۱)۔

عمرو بن شرحبیلؒ بھی حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے تلامذہ میں سے تھے۔

ایک اور بڑا نام قاضی شُرَیحؒ کا ہے۔ آپ نے عہدِ رسالت پایا مگر دیدارِ نبوی سے محروم رہے۔ حضرت عمرؓ نے انہیں کوفہ کا قاضی مقرر کیا تھا۔ شعبیؒ کا قول ہے کہ شُرَیحؒ قضا کو سب سے زیادہ جانتے تھے(۲)۔ حضرت علیؓ نے قاضی شُرَیحؒ سے فرمایا تھا: جاؤ تم عرب کے سب سے بڑے قاضی ہو(۳)۔ قاضی شریحؒ حضرت ابن مسعودؓ کی قضا کے مطابق فیصلے کیا کرتے تھے(۴)۔

حضرت ابن مسعودؓ کا علمی وفقہی ورثہ آپ کے اصحاب علقمہؒ، اسودؒ، مسروقؒ، عبیدہؒ، عمرو بن شرحبیلؒ اور قاضی شُرَیحؒ وغیرہ سے ہو کر اگلے طبقہ کو منتقل ہوا جس میں ایک بڑا نام امام شعبیؒ کا ہے۔ آپ کوفہ کے قاضی تھے۔ آپ کو پانچ سو صحابہ کرامؓ سے ملاقات کا شرف حاصل تھا(۵)۔ حافظ ابن سیرینؒ نے کہا تھا: میں کوفہ گیا تو وہاں شعبیؒ کا بڑا حلقہ تھا جبکہ اس وقت صحابہ کرامؓ کثیر تعداد میں موجود تھے اور لوگ شعبیؒ سے فتویٰ لیتے تھے(۶)۔

سعید بن جُبَیر بھی کوفہ کے ممتاز فقہاء میں سے تھے۔ البتہ آپ کا شمار اصحابِ حضرت ابن عباسؓ میں ہوتا ہے۔ جب حضرت عبداللہ بن عباسؓ کوفہ میں تھے تو یہاں بہت سے تابعین نے آپ سے فیض پایا، ان میں ایک سعید بن جُبَیر بھی تھے۔ یوں تو آپ نے کئی صحابہؓ سے اکتسابِ علم کیا لیکن آپ نے حضرت ابن عباسؓ سے خاص طور پر علم حاصل کیا تھا۔ آپ پابندی کے ساتھ حضرت ابن عباسؓ کے حلقۂ درس میں جایا کرتے تھے۔ لوگ حضرت ابن عباسؓ سے سوال پوچھتے، آپ جواب دیتے، سعید بن جبیرؒ خاموشی اور غور سے جواب سنتے اور انہیں لکھ لیا کرتے تھے(۷)۔

مجاہدؒ کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے سعید بن جُبَیرؒ سے فرمایا: حدیثیں بیان کرو۔ سعیدؒ نے کہا: کیا میں آپ کی موجودگی میں حدیثیں سناؤں؟ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا: سناؤ، یہ تو اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے کہ تم میرے سامنے حدیثیں بیان کرو۔ اگر صحیح بیان کرو گے تو ٹھیک، ورنہ میں اس کی تصحیح کر دوں گا(۸)۔

۱۔ سِیَر أعلام النبلاء ۴/۴۰
۲۔ حوالہ بالا ۴/۱۰۲
۳۔ حوالہ بالا ۴/۱۰۲
۴۔ حوالہ بالا ۴/۱۰۳
۵۔ سِیَر أعلام النبلاء ۴/۲۹۸۔ صفة الصفوة ۳/۱۳۲
۶۔ سِیَر أعلام النبلاء ۴/۳۰۰
۷۔ الطبقات الکبریٰ ۶/۲۵۷
۸۔ سِیَر أعلام البنلاء ۴/۳۳۵۔ الطبقات الکبریٰ ۶/۲۵۶-۲۵۷

جب اہلِ کوفہ میں سے کوئی آدمی حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے فتویٰ پوچھتا تو آپ فرمایا کرتے تھے: کیا تم میں ابن اُم الدھماء یعنی سعید بن جُبَیرؒ نہیں ہیں؟(۱)۔ ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے پاس ایک سائل میراث کا مسئلہ لے کر آیا۔ آپ نے فرمایا: ابن جُبَیرؒ کے پاس جاؤ، وہ مجھ سے زیادہ حساب کا علم رکھتے ہیں اور تمہیں وہی بتلائیں گے جو مقرر ہے(۲)۔

ایک اور بڑا نام امام ابرہیم نخعیؒ کا ہے۔ آپ نے جن لوگوں سے علم حاصل کیا تھا ان میں علقمہؒ شامل ہیں(۳)۔ آپ نے مسروقؒ سے بھی روایت کیا ہے(۴)۔ آپ بعض اُمہات المومنین کے پاس جاتے اور ان سے علمی استفادہ کرتے تھے۔ آپ کو حضرت عائشہؓ سے خصوصی عقیدت تھی، البتہ آپ کا حضرت عائشہؓ سے سماع ثابت نہیں ہے(۵)۔ ابراہیم نخعیؒ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے علم وفقہ سے اچھی طرح آگاہ تھے(۶)۔ جب لوگ سعید بن جُبَیرؒ سے کوئی مسئلہ پوچھتے تو آپ کہتے تھے: کیا تم مجھ سے فتویٰ پوچھتے ہو جبکہ تم میں ابراہیمؒ موجود ہیں(۷)۔ امام ابراہیم نخعیؒ اور آپ کے شاگردوں کی یہ رائے تھی کہ فقہ میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور ان کے شاگردوں کا قول زیادہ قابلِ اعتماد ہے(۸)۔

کوفہ میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی فقہی وراثت امام ابراہیم نخعیؒ تک پہنچنے کے بعد پھر آپ کے شاگردوں کو منتقل ہوئی جن میں ایک اہم نام حمادؒ کا ہے۔ آپ علمِ فقہ، قیاس، مناظرہ اور رائے میں ابراہیم نخعیؒ کے سب سے زیادہ ممتاز، سمجھدار اور صاحبِ بصیرت شاگرد تھے(۹)۔ آپ کو اپنے استاد کے مسائل سب سے زیادہ یاد تھے۔ ان مسائل کے مآخذ حدیث اور حضرت علیؓ و حضرت ابن مسعودؓ کے فتاویٰ تھے۔ حمادؒ نے اگرچہ فقہ کو ترقی نہیں دی، لیکن آپ اپنے استاد ابراہیم نخعیؒ کی فقہ کے بہت بڑے حافظ تھے(۱۰)۔ لوگ حلال وحرام کے مسائل حمادؒ سے پوچھتے تھے اور آپ نے یہ علم ابراہیم نخعیؒ سے لیا تھا(۱۱)۔

۱۔ الطبقات الکبریٰ ۶/۲۵۷۔ سِیَر أعلام النبلاء ۴/۳۲۵
۲۔ الطبقات الکبریٰ ۶/۲۵۸
۳۔ حوالہ بالا ۴/۵۲۰
۴۔ تاریخ بغداد ۱۳/۲۳۲
۵۔ الطبقات الکبریٰ ۶/۲۷۱
۶۔ سِیَر أعلام النبلاء ۴/۵۲۱
۷۔ حوالہ بالا ۴/۵۲۳
۸۔ حجۃ اللہ البالغۃ ۱/۱۴۴
۹۔ سِیَر أعلام النبلاء ۵/۲۳۱،۲۳۴
۱۰۔ سیرت النعمان ص ۲۴۹
۱۱۔ الطبقات الکبریٰ ۶/۳۳۲

حضرت ابن مسعودؓ کا علمِ فقہ آپ کے شاگردوں کے توسط سے کوفہ کے فقیہ اور حنفی مذہب کے بانی امام ابوحنیفہؒ تک پہنچا۔ آپ امام حمادؒ کے تلمیذِ رشید تھے۔ امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا تھا: میں اٹھارہ سال حمادؒ کی صحبت میں رہا۔ امام ابوحنیفہؒ اپنے والد محترم کی وفات تک اٹھارہ سال حمادؒ کی صحبت میں رہے تھے(۱) اور ان سے فقہ کا علم حاصل کیا۔ حمادؒ کی وفات کے بعد ان کی مسندِ فتویٰ کو امام ابوحنیفہؒ نے رونق بخشی(۲)۔

حافظ ذہبیؒ نے لکھا ہے: اہلِ کوفہ میں سب سے بڑے فقیہ حضرت علیؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ تھے۔ ان دونوں کے اصحاب میں سب سے بڑے فقیہ علقمہؒ تھے۔ علقمہؒ کے شاگردوں میں سب سے بڑے فقیہ ابراہیم نخعیؒ تھے۔ ابراہیمؒ کے تلامذہ میں سب سے بڑے فقیہ حمادؒ تھے اور حمادؒ کے شاگردوں میں سب سے بڑے فقیہ امام ابوحنیفہؒ تھے(۳)۔ امام ابوحنیفہؒ، ابراہیم نخعیؒ اور ان کے ہم عصر علماء کے طریق کی زیادہ پابندی کرتے تھے اور ابراہیمؒ کے فقہی مذہب سے بہت کم علیحدہ ہوتے تھے(۴)۔

امام ابوحنیفہؒ کا علم حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے علوم کا جامع تھا۔ ان چاروں فقہاء صحابہؓ کا علم امام ابوحنیفہؒ کے پاس پہنچا اور آپ نے اس سے استفادہ کیا تھا۔ ایک مرتبہ عباسی خلیفہ ابوجعفر منصورؒ نے امام ابوحنیفہؒ سے پوچھا: نعمان! آپ نے علم کہاں سے سیکھا؟ آپ نے فرمایا تھا: حضرت عمرؓ کے شاگردوں سے اور انہوں نے حضرت عمرؓ سے، نیز حضرت علیؓ کے تلامذہ سے اور انہوں نے حضرت علیؓ سے، نیز حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے شاگردوں سے اور انہوں نے حضرت ابن مسعودؓ سے اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے زمانہ میں اس سطحِ ارض پر آپ سے بڑھ کر عالم کوئی اور نہیں تھا(۵)۔

ایک اور روایت میں آیا ہے کہ عباسی خلیفہ ابوجعفر منصورؒ کو امام ابوحنیفہؒ نے جواب دیا تھا کہ انہوں نے حمادؒ سے، حمادؒ نے ابراہیمؒ سے اور ابراہیمؒ نے حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے علم حاصل کیا(۶)۔

حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی فقہی میراث کی حامل شخصیت امام ابوحنیفہؒ تھے۔ خاص طور پر حضرت ابن مسعودؓ، امام ابوحنیفہؒ کے خاندانِ علم کے مورثِ اوّل ہیں اور حنفی

۱۔ تاریخ بغداد ۱۳/۳۳۳

۲۔ اخبار أبی حنیفة و أصحابه ص ۷

۳۔ سِیَر أعلام النبلاء ۵/۲۳۶

۴۔ حجة الله البالغة ۱/۱۴۶

۵۔ تاریخ بغداد ۱۳/۳۳۴

۶۔ حوالہ بالا ۱۳/۳۳۴۔ أخبار أبی حنیفة و أصحابه ص ۵۹

مذہب کی بنیاد زیادہ تر حضرت ابن مسعودؓ کی روایات اور آپ کے اجتہادی اقوال پر ہے(۱)۔ شاہ ولی اللہ محدّث دہلویؒ لکھتے ہیں: فقہِ امام ابوحنیفہؒ کی اساس حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے فتاویٰ، حضرت علیؓ کے فیصلوں اور فتاویٰ اور کوفہ کے قاضیوں میں سے قاضی شُرَیحؒ وغیرہ کے فیصلوں پر ہے(۲)۔

امام ابوحنیفہؒ کے ایک نامور شاگرد امام محمد بن حسن شیبانیؒ تھے۔ امام محمدؒ، امام مالکؒ کے بھی شاگرد تھے۔ امام محمدؒ نے امام مالکؒ کی خدمت میں تین سال گزارے تھے(۳)۔ آپ نے امام مالکؒ سے ان کی کتاب الموطا روایت کی ہے۔ امام شافعیؒ نے امام محمد شیبانیؒ سے بھی علم حاصل کیا اور ان کی صحبت میں رہے تھے(۴)۔ اس طرح مکہ کے حضرت عبداللہ ابن عباسؓ، عراق کے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور مدینہ کے حضرت عمرؓ اور حضرت زید بن ثابتؓ کا علم نسل درنسل منتقل ہوتا ہوا اِمام شافعیؒ کے پاس پہنچا۔

امام محمدؒ و امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ

امام محمد شیبانیؒ اور امام شافعیؒ کا فقہی علم امام احمد بن حنبلؒ کے پاس منتقل ہوا جو حنبلی مذہب کے بانی ہیں۔ امام احمد بن حنبلؒ کا تعلق بغداد سے تھا۔ امام احمد بن حنبلؒ نے امام شیبانیؒ کی کتب سے استفادہ کیا تھا۔ امام احمد بن حنبلؒ سے پوچھا گیا کہ انہوں نے دقیق و پیچیدہ مسائل کہاں سے سیکھے؟ آپ نے فرمایا: محمد شیبانیؒ کی کتابوں سے(۵)۔ امام احمدؒ کے استاد امام شافعیؒ تھے۔ آپ نے امام شافعیؒ سے فقہ سیکھی(۶)۔

امام داوٗدؒ کے مطابق انہوں نے امام احمد بن حنبلؒ کو امام شافعیؒ کے سوا کسی دوسرے کی طرف مائل ہوتے ہوئے نہیں دیکھا۔ آپ نوعمری میں امام ابوحنیفہؒ کے شاگرد امام ابو یوسفؒ کی مجلس میں جایا کرتے تھے، پھر وہاں جانا چھوڑ دیا اور سماعِ حدیث میں متوجہ ہو گئے(۷)۔ امام احمد بن حنبلؒ، امام شافعیؒ کے شاگرد تھے پھر خود مجتہد ہو گئے(۸)۔

مدرسہ حضرت ابوموسیٰؓ و حضرت انسؓ اور تابعین

بہت سے جلیل القدر صحابہ کرامؓ بصرہ میں آباد تھے۔ یہاں زیادہ شہرت حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ اور حضرت انس بن مالکؓ کو ملی۔ حضرت عمرؓ نے ایک مرتبہ حضرت انسؓ سے پوچھا تھا: ابوموسیٰ اشعریؓ کو کس حال میں چھوڑ کر

۱۔ سیرت النعمان ص ۱۹۴
۲۔ الإنصاف فی بیان سبب الإختلاف ص ۱۳
۳۔ امام محمد بن حسن شیبانی اور ان کی فقہی خدمات ص ۱۰۸
۴۔ سِیَر أعلام النبلاء ۱۰/۷
۵۔ حوالہ بالا ۹/۱۳۶
۶۔ البدایة والنهایة ۱۰/۳۲۶
۷۔ تاریخ بغداد ۲/۶۶
۸۔ تاریخ التشریع الإسلامی ص ۲۲۲

آئے ہو؟ حضرت انسؓ نے جواب دیا: میں نے انہیں اس حال میں چھوڑا ہے کہ وہ لوگوں کو قرآن کی تعلیم دیتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا تھا: ابوموسیٰؓ بہت بڑے آدمی ہیں لیکن انہیں میری یہ بات نہ بتانا(۱)۔ حضرت عمرؓ نے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کو بصرہ کا امیر مقرر کیا تھا اور انہوں نے اہلِ بصرہ کو قرآن پڑھایا اور فقہ کی تعلیم دی تھی (۲)۔

حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ ادب القضا یعنی عدالتی امور کے ماہر تھے۔ آپ نے فرمایا تھا: قاضی کے لیے ضروری ہے کہ وہ اس وقت فیصلہ دے جب اس کے سامنے حق اس طرح واضح ہو جائے جیسے رات دن سے واضح ہوتی ہے۔ جب حضرت عمرؓ کو یہ قول معلوم ہوا تو آپ نے فرمایا: ابوموسیٰؓ نے سچ کہا (۳)۔

بصرہ میں صحابہؓ کا فقہی علم تابعین کو منتقل ہوا۔ بصرہ کے ممتاز تابعین فقہاء کا تذکرہ ذیل میں کیا جا رہا ہے:

جابر بن زیدؒ، آپ کی علمی و فقہی فضیلت کا اندازہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے اس قول سے ہوتا ہے کہ ایک مرتبہ آپ نے اہلِ بصرہ کو فرمایا تھا: تم مجھ سے مسائل دریافت کرتے ہو حالانکہ تمہارے درمیان جابر بن زیدؒ موجود ہیں (۴)۔ جامع مسجد بصرہ میں جابر بن زیدؒ کا حلقۂ درس قائم تھا جہاں وہ فتویٰ دیا کرتے تھے (۵)۔

مفتیٔ بصرہ جابر بن زیدؒ کے بعد حسن بصریؒ آئے۔ وہ لوگوں کو فتویٰ دیتے تھے۔ آپ کے متعلق حضرت انس بن مالکؓ نے فرمایا تھا: حسنؒ سے پوچھو، کیونکہ انہوں نے یاد رکھا اور ہم بھول گئے (۶)۔ حضرت انس بن مالکؓ کے مولیٰ یعنی آزاد کردہ غلام ابن سیرینؒ حدیث و فقہ کے عالم اور مفتیٔ بصرہ تھے۔ مسلم بن یسارؒ بھی فقیہِ بصرہ تھے۔ آپ کی وفات پر حسن بصریؒ نے فرمایا تھا: ہائے افسوس اس معلّم پر (۷)۔

مدرسہ حضرت معاذؓ اور امام اوزاعیؒ

ملکِ شام میں بھی کئی صحابہ کرامؓ کی آمد ہوئی تھی۔ حضرت عمرؓ نے حضرت معاذ بن جبلؓ، حضرت عبادۃ بن صامتؓ اور حضرت ابودرداءؓ کو قرآن اور فقہ کی تعلیم دینے کے لیے اہلِ شام کے پاس بھیجا تھا (۸)۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا تھا: جو شخص فقہ سیکھنا چاہتا ہے وہ حضرت معاذ بن جبلؓ کے پاس جائے (۹)۔

۱۔ الطبقات الکبریٰ ۱۰۸/۴
۲۔ سِیَر أعلام النبلاء ۳۸۳/۲
۳۔ الطبقات الکبریٰ ۱۱۳/۴
۴۔ سِیَر أعلام النبلاء ۴۸۲/۴
۵۔ حوالہ بالا ۴۸۲/۴
۶۔ حوالہ بالا ۵۷۳/۴
۷۔ حوالہ بالا ۵۱۳/۴
۸۔ حوالہ بالا ۳۴۴/۲
۹۔ حوالہ بالا ۴۵۲/۱

ابو مسلم خولانیؒ روایت کرتے ہیں کہ وہ ایک دفعہ شام کے شہر حمص کی مسجد میں گئے تو انہوں نے وہاں دیکھا کہ تقریباً تیس بزرگ صحابہ کرامؓ موجود ہیں۔ ان میں ایک نوجوان ہے جس کی خوبصورت آنکھیں اور چمک دار دانت ہیں۔ وہ خاموش ہے اور کسی سے بات نہیں کرتا۔ جب کسی مسئلہ میں لوگوں کو شک ہوتا ہے تو وہ اس نوجوان سے پوچھ لیتے ہیں۔ ابو مسلم خولانیؒ نے اپنے قریب بیٹھے ہوئے ایک آدمی سے پوچھا: یہ کون ہیں؟ اس نے جواب دیا: یہ معاذ بن جبلؓ ہیں (١)۔

ملکِ شام میں صحابہؓ کی تربیت سے جو بلند مرتبہ تابعین فقہاء اور مفتی مشہور ہوئے ان میں ایک ابو ادریس خولانیؒ ہیں۔ آپ شام کے فقیہ اور قاضیٔ دمشق تھے (٢)۔ ایک اور فقیہ عبدالرحمٰن بن غنم اشعریؒ تھے۔ حضرت عمرؓ نے آپ کو ملکِ شام بھیجا تھا تاکہ وہاں کے لوگوں کو فقہ کی تعلیم دیں (٣)۔ مکحولؒ بھی فقیہِ شام تھے۔ ان کا قول ہے: میں نے طلبِ علم میں ساری دنیا کا چکر لگایا ہے۔ ذہبیؒ کی رائے ہے کہ مکحولؒ نے ایسا بر سبیلِ مبالغہ کہا ہے، حقیقت میں ایسا نہیں ہے (٤)۔ ابن شہاب زہریؒ نے فرمایا تھا کہ علماء چار ہیں: مدینہ میں سعید بن مسیبؒ، کوفہ میں شعبیؒ، بصرہ میں حسنؒ اور شام میں مکحولؒ (٥)۔ فقہائے شام میں ایک نمایاں نام عمر بن عبدالعزیزؒ کا ہے۔ میمون بن مہرانؒ کا قول ہے: عمر بن عبدالعزیزؒ کے سامنے علماء کی حیثیت تلامذہ جیسی تھی (٦)۔

شام میں فقہاء صحابہؓ اور تابعین کے بعد امام اوزاعیؒ فقہ کے آسمان پر ستارہ بن کر چمکے۔ امام مالکؒ نے فرمایا: اوزاعیؒ امام تھے (٧)۔ امام احمد بن حنبلؒ نے بیان کیا کہ ایک مرتبہ امام سفیان ثوریؒ اور امام اوزاعیؒ دونوں امام مالکؒ کے پاس آئے۔ جب دونوں چلے گئے تو امام مالکؒ نے فرمایا: یہ دونوں علم میں ایک دوسرے سے بڑھ کر ہیں، لیکن ایک امام بننے کے لائق نہیں ہے اور دوسرا (یعنی امام اوزاعیؒ) امام بننے کے لائق ہے (٨)۔ امام اوزاعیؒ اپنے اکثر فقہی مسائل میں منفرد واکیلے ہیں۔ آپ کا اپنا ایک مستقل فقہی مذہب تھا۔ فقہائے شام اور فقہائے اندلس ایک مدت تک امام اوزاعیؒ کے مذہب پر عمل پیرا رہے۔ پھر یہ مذہب ختم ہوگیا (٩)۔

١۔ الطبقات الکبریٰ ٧/٣٨٨ ومابعد
٢۔ سِیَر أعلام النبلاء ٤/٢٧٢۔ تذکرۃ الحفاظ ١/٥٦
٣۔ الطبقات الکبریٰ ٧/٤٤١
٤۔ سِیَر أعلام النبلاء ٥/١٥٨
٥۔ حوالہ بالا ٥/١٥٨
٦۔ حوالہ بالا ٥/١٢٠
٧۔ حوالہ بالا ٧/١١٢
٨۔ حوالہ بالا ٧/١١٢
٩۔ حوالہ بالا ٧/١١٧

مدرسہ حضرت عبداللہ بن عمروؓ اور امام لیثؒ

مصر میں رأسُ التشریع یعنی قانون سازی کے سردار حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ تھے(۱) جو اپنے والد حضرت عمرو بن العاصؓ کے ہمراہ مصر آ گئے تھے۔ حضرت عمرو بن العاصؓ کو حضرت عمرؓ نے مصر کا گورنر بنایا تھا(۲)۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ فقہ میں بلند مقام رکھتے تھے۔ آپ کو یہ اعزاز بھی حاصل ہے کہ آپ کے پاس احادیث کا ایک مجموعہ تھا۔ مجاہدؒ نے کہا تھا: میں نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ کے پاس ایک صحیفہ دیکھا تو اس کے بارے میں پوچھا۔ حضرت عبداللہ بن عمروؓ نے فرمایا: یہ **الصادقة** ہے جس میں وہ احادیث لکھی ہوئی ہیں جو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہیں اور میرے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان کوئی واسطہ نہیں ہے(۳)۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ نے فرمایا تھا کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بات کی اجازت مانگی تھی کہ وہ آپ سے جو احادیث سنیں انہیں لکھ لیا کریں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دے دی۔ حضرت عبداللہ بن عمروؓ نے ان احادیث کو لکھ لیا جن کے مجموعہ کو **الصادقة** کا نام دیا(۴)۔

حضرت ابو ہریرۃ ؓ نے فرمایا تھا: اصحابِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں سے کوئی شخص بھی مجھ سے زیادہ حدیثیں نہیں جانتا تھا سوائے حضرت عبداللہ عمرو بن العاصؓ کے، کیونکہ وہ لکھ لیا کرتے تھے اور میں لکھتا نہیں تھا(۵)۔

مصر میں صحابہ کرامؓ سے اکتسابِ علم کرنے والے تابعین میں یزید بن ابی حبیبؒ شامل ہیں جو اپنے وقت کے مفتیٔ اہلِ مصر تھے۔ یزید بن ابی حبیبؒ کے بارے میں یہ کہا جاتا ہے کہ وہ پہلے شخص تھے جنہوں نے حلال وحرام اور مسائل کا علم مصر میں پھیلایا تھا۔ اس سے قبل لوگ فِتن، ملاحم اور بھلائی میں ترغیب سے متعلق احادیث میں مشغول رہتے تھے(۶)۔

ابن ابی حبیبؒ کے شاگردوں میں امام لیثؒ کو بہت شہرت ملی۔ آپ مصر کے فقیہ اور قاضی تھے۔ لوگوں کا کہنا ہے کہ اگر امام مالکؒ اور امام لیثؒ نہ ہوتے تو لوگ گمراہ ہو جاتے(۷)۔ امام لیثؒ کا مذہب بھی وقت گزرنے کے ساتھ ختم ہو گیا۔

مندرجہ بالا مطالعہ سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ مسلمانوں کے فقہی مذاہب صحابۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے

۱۔ خلاصة تاريخ التشريع الإسلامي ص ۴۹
۲۔ الطبقات الكبرىٰ ۳۹۳/۷
۳۔ حوالہ بالا ۳۷۳/۲
۴۔ حوالہ بالا ۲۶۲/۴
۵۔ البداية و النهاية ۱۰۶/۸
۶۔ سِيَر أعلام النبلاء ۳۶/۲
۷۔ تاريخ بغداد ۷/۱۳

جا کر ملتے ہیں۔ فقہی مذاہب کے ائمہ کرام کسی نہ کسی صحابی کے بالواسطہ شاگرد ہیں اور ان صحابہ کرامؓ نے براہِ راست رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اخذِ علم کیا تھا۔

☆۔حنفی مذہب کے بانی امام ابوحنیفہؒ کا فقہی علم آپ کے استاد حمادؒ، پھر ابراہیم نخعیؒ اور پھر علقمہؒ کی وساطت سے ہوتا ہوا صحابہ کرام حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ پر جا کر ختم ہوتا ہے۔

☆۔مالکی مذہب کے بانی امام مالکؒ کی فقہ کا انحصار مدینہ کے ''فقہائے سبعہ'' اور نافعؒ کے ذریعہ جن حضرات صحابہ کرامؓ کے آثار پر ہے ان میں حضرت عمر فاروقؓ، حضرت زید بن ثابتؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت عائشہ صدیقہؓ شامل ہیں۔

☆۔شافعی مذہب کے بانی امام شافعیؒ کے اساتذہ امام مالکؒ، امام محمدؒ جو امام ابوحنیفہؒ کے شاگرد تھے، امام زنجیؒ، امام ابن جُرَیجؒ، عطاؒ اور پھر وہ تمام صحابہ کرامؓ ہیں جو اِمام مالکؒ اور امام ابوحنیفہؒ کے بالواسطہ اساتذہ تھے۔

☆۔حنبلی مذہب کے بانی امام احمد بن حنبلؒ کے اساتذہ میں بھی وہ سب حضرات شامل ہیں جو امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کے اساتذہ ہیں، کیونکہ امام احمدؒ امام محمد شیبانیؒ اور امام شافعیؒ کے شاگرد ہیں۔

یوں مسلمانوں کا ہر فقہی مذہب کسی نہ کسی صحابی کے واسطہ سے ایک ہی چشمۂ فیض یعنی حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی سے جا ملتا ہے۔

نص اور رائے پر صحابہؓ کا موقف اور ائمہ اربعہؒ کا رجحان

فقہاء صحابہؓ میں ایک سے زیادہ ہم خیال گروہ موجود تھے جو کسی مسئلہ کا شرعی حکم جاننے کے لیے اپنے ساتھیوں سے صلاح ومشورہ کیا کرتے تھے۔ امام شعبیؒ کے مطابق چھ اصحابِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے علم حاصل کیا جاتا تھا: حضرت عمرؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت زید بن ثابتؓ ایک دوسرے سے پوچھا کرتے اور حضرت علیؓ، حضرت اُبی بن کعبؓ اور حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ آپس میں ایک دوسرے سے پوچھتے رہتے تھے(۱)۔ حضرت عمرؓ کوئی بات کہتے تو حضرت ابن مسعودؓ اور حضرت زید بن ثابتؓ کا قول حضرت عمرؓ کے قول کے تابع ہوتا اور جب حضرت علیؓ اپنی رائے دیتے تو حضرت اُبی بن کعبؓ اور حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کا قول حضرت علیؓ کے قول کے تابع ہوتا تھا(۲)۔

مختلف جہتوں سے صحابہؓ کے فقہی گروہ

پہلی جہت: نصوص سے استفادہ

قرآن وسنت کی نصوص سے اخذ واستفادہ کے لحاظ سے صحابہ کرامؓ میں دو واضح گروہ پائے جاتے تھے:

۱۔ ایک گروہ نصوص کے ظاہر پر سختی سے عمل کرنے میں مشہور تھا۔ یہ صحابہ کرامؓ قرآن وسنت کی نصوص کے ظاہری الفاظ کو لیتے اور ان سے اخذ کردہ حکم پر عمل کرتے تھے۔

۲۔ دوسرا گروہ نصوص کی دلالت ورہنمائی اور ان میں موجود حکم کے معنی ومقصود کی روشنی میں عمل کیا کرتا تھا۔

اس جہت کی وضاحت میں ایک اہم مثال بنوقُرَیظَہ کا واقعہ ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ غزوۂ احزاب (۵ھ) کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا:

لَا يُصَلِّيَنَّ اَحَدٌ الْعَصْرَ اِلَّا فِي بَنِيْ قُرَيْظَةَ

۱۔ ابویوسف، کتاب الآثار ص ۲۱۲۔ ابن الصلاح، علوم الحدیث ص ۲۶۷۔ سِیَر أعلام النبلاء ۱/۱۵

۲۔ الطبقات الکبریٰ ۲/۳۵۱

تم میں سے کوئی شخص نمازِ عصر نہ ادا کرے مگر یہ کہ بنو قریظہ میں۔

دورانِ سفر راستہ میں نمازِ عصر کا وقت ہو گیا۔ کچھ صحابہؓ نے کہا کہ ہم بنو قریظہ پہنچ کر نماز ادا کریں گے۔ بعض صحابہؓ نے کہا: ہم نماز ادا کر لیتے ہیں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ مطلب نہیں تھا کہ نماز قضا کر دی جائے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ واقعہ بیان کیا گیا تو آپ نے کسی سے کوئی باز پُرس نہ فرمائی (۱)۔

اس واقعہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک حکم کو صحابہؓ نے دو مختلف زاویوں سے لیا۔ ایک گروہ نے حکمِ نبوی کے الفاظ کے ظاہر پر عمل کیا۔ دوسرے گروہ نے اس حکم کے مفہوم و مراد پر توجہ دی اور اس پر عمل کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کسی سے کوئی باز پُرس نہ فرمانا اور کسی کے موقف کو غلط قرار نہ دینا اس بات کی دلیل ہے کہ حکمِ نبوی کے معاملہ میں صحابہؓ کے دونوں گروہوں کا طرزِ فکر و عمل درست تھا۔ یوں شروع ہی سے صحابہؓ میں دو فکری گروہ بن گئے تھے۔ ایک گروہ نص کے ظاہر سے حکم حاصل کر کے اس پر عمل کرتا اور دوسرا گروہ نص کی دلالت اور مفہوم پر عمل کرتا تھا۔

قرآن و سنّت کی نصوص پر عمل کے یہ دونوں انداز صحابہ کرامؓ سے تابعین اور پھر ان کے بعد والے فقہاء کو منتقل ہوئے۔ ظاہرِ نص کو سختی سے لینے میں زیادہ مشہور لوگ ظاہری کہلائے۔ اس مذہب کے بانی امام داؤد بن علیؒ تھے۔ ان کے بعد امام ابن حزمؒ نے اپنی تحریر و تقریر سے اس مذہب کو تقویت دی۔ انہوں نے متعدد مسائل میں جمہور فقہاء سے اختلاف کیا۔ اس اختلاف کی یہی وجہ تھی کہ امام ابن حزمؒ نے نصوصِ قرآن و سنّت کے ظاہر کو لیا اور اسی پر حکم کی بنیاد رکھی تھی، جبکہ جمہور فقہاء نے منصوص حکم کے معنی و مراد اور اس کی دلالت پر عمل کیا۔

مثلاً اصنافِ زکوٰۃ میں امام ابن حزمؒ اور ان کے ہم خیال فقہاء کا یہ موقف ہے کہ اصنافِ زکوٰۃ صرف انہی اموال تک محدود ہیں جن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زکوٰۃ وصول فرمائی تھی۔ ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ اموال میں سے صرف آٹھ اصناف ہی پر زکوٰۃ فرض ہے جو یہ ہیں: سونا، چاندی، گیہوں، جو، کھجور، اونٹ، گائے اور بکری۔ ان آٹھ اشیاء پر زکوٰۃ فرض ہونے میں اہلِ اسلام کے مابین کوئی اختلاف نہیں ہے اور انہی آٹھ اصناف کا ذکر احادیث میں آیا ہے (۲)۔ امام ابن حزمؒ کے نزدیک سونا اور چاندی کے علاوہ کسی اور معدن پر، گندم، جو اور کھجور کے علاوہ کسی اور زرعی پیداوار پر، اور اونٹ، گائے اور بکری کے علاوہ کسی اور جانور پر زکوٰۃ نہیں ہے۔ مندرجہ بالا آٹھ اصناف کے علاوہ کسی اور چیز پر زکوٰۃ کے بارے میں کوئی نص موجود نہیں ہے۔ جو نصوص پائی جاتی ہیں ان میں صرف انہی آٹھ اصناف کا ذکر ہے۔

دوسری طرف فقہائے احناف نے محلِ زکوٰۃ کے مفہوم میں وسعت پیدا کر کے ہر قابلِ نماء و افزائش مال کو

۱۔ صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب مرجع النبی صلی اللّٰہ علیہ و سلم من الأحزاب ۵۹۱/۲

۲۔ المحلی بالآثار ۱۲/۴

محلِ زکوٰۃ قرار دیا ہے۔ ان کے نزدیک کسی چیز کے مالِ زکوٰۃ بننے کی شرائط میں سے ہے کہ وہ مال کسی کی مکمل ملکیت میں ہو، اس میں بڑھوتی و اضافہ ہوتا ہو اور وہ ضروریات سے زائد ہو(۱)۔ احناف زیورات پر بھی زکوٰۃ کے قائل ہیں۔ ان کے نزدیک کسی چیز پر زکوٰۃ فرض ہونے کے لیے اس کا محض سونا ہونا ہی کافی ہے۔ اس میں کسی زائد صفت کا اعتبار نہیں ہے۔ سونا خواہ سکہ ہو، یا ٹکڑا، یا کسی شکل میں ڈھلا ہو یا زیور، اس پر زکوٰۃ فرض ہے(۲)۔

عام فقہاء مویشیوں میں سے اونٹ، گائے اور بکری کے علاوہ تجارتی گھوڑوں پر بھی زکوٰۃ کے قائل ہیں(۳)۔ وہ سامانِ تجارت پر بھی زکوٰۃ کے قائل ہیں(۴)۔ ان کے نزدیک معادن پر بھی زکوٰۃ ہے(۵)۔ عام فقہاء نے تمام قابلِ افزائش اموال کو اُن اموال پر قیاس کیا جن کی زکوٰۃ پر احادیث آئی ہیں۔

ایک اور مثال یہ ہے کہ مالکی، شافعی اور حنبلی فقہاء کے نزدیک زکوٰۃ اور صدقہ صرف اس صنف ہی سے دیا جائے گا جس پر قرآن و سنّت کی کوئی نص موجود ہے۔ نص پر عمل کرنا واجب ہے۔ یہ جائز نہیں ہے کہ اس صنف کی قیمت نکال کر دے دی جائے۔ ان فقہاء کے نزدیک وہی چیز زکوٰۃ میں دینا واجب ہے جس کا حکم قرآن و سنّت میں ہے(۶)۔ لہٰذا چالیس بکریوں میں سے ایک بکری ہی زکوٰۃ میں نکالی جائے گی، اس کی قیمت بطور زکوٰۃ نہیں دی جائے گی۔ امام احمد بن حنبلؒ سے کہا گیا کہ عمر بن عبدالعزیزؒ قیمت کو بطور زکوٰۃ وصول کرتے تھے۔ امام احمدؒ نے فرمایا: لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول چھوڑ دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ فلاں نے یہ کہا(۷)۔

احناف کے نزدیک زکوٰۃ معنوی طور پر یا معنوی اور صوری دونوں طور پر ادا کرنا واجب ہے۔ زکوٰۃ میں قیمت یا کوئی اور بدل دینا جائز ہے(۸)۔ جو چیز ادا کی جائے وہ بہر صورت ذو قیمت ہونی چاہیے، خواہ اس کے بارے میں کوئی منصوص حکم ہو یا نہ ہو اور خواہ وہ چیز اس مال کی جنس میں سے ہو یا نہ ہو جس مال پر زکوٰۃ یا صدقہ فطر واجب ہے(۹)۔ احناف کہتے ہیں کہ حدیث میں بکری کا ذکر مالیت کے تخمینے کے لیے ہے، نفسِ بکری کو واجب کرنے کے لیے نہیں ہے(۱۰)۔

۱۔ بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع ۹/۲ ومابعد

۲۔ حوالہ بالا ۱۶/۲، ۱۷

۳۔ حوالہ بالا ۱۰۸/۲۔ الأم ۲۸/۲

۴۔ بدایة المجتهد و نهایة المقتصد ۸۰/۳

۵۔ حوالہ بالا ۱۱۵/۳۔ المغنی ۲۳۹/۴

۶۔ المغنی ۱۴/۴، ۲۵۹/۲۔ بدایة المجتهد و نهایة المقتصد ۱۰۹/۳۔ الأم ۷/۲

۷۔ المغنی ۲۵۹/۲

۸۔ بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع ۲۵/۲

۹۔ حوالہ بالا ۴۱/۲

۱۰۔ حوالہ بالا ۲۶/۲

اس اختلاف کا سبب یہ ہے کہ ایک گروہ زکوٰۃ کو عبادت سمجھتا ہے اور دوسرے کے نزدیک یہ مساکین کا حق ہے جو اغنیاء پر واجب ہے۔ جو فقہاء اسے عبادت قرار دیتے ہیں وہ احادیث میں مذکور اشیاء کے علاوہ کسی اور شے میں زکوٰۃ کی ادائیگی جائز قرار نہیں دیتے۔ ان کے نزدیک اگر منصوص حکم میں بتائے گئے طریقہ کے علاوہ کسی اور طریقہ سے عبادت کی جائے تو ایسی عبادت فاسد ہے۔ جو فقہاء یہ کہتے ہیں کہ زکوٰۃ مساکین کا حق ہے ان کے نزدیک شے اور اس کی قیمت میں کوئی فرق نہیں ہے(۱)۔ لہٰذا وہ شے بھی زکوٰۃ میں دی جاسکتی ہے اور اس کی قیمت بھی۔

امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک زکوٰۃ میں جزءِ نصاب معنوی طور پر یعنی مالیت کے اعتبار سے واجب ہوتا ہے۔ اگر مالیت ادا کر دی جائے تو یہ جزءِ نصاب ادا کرنے کے مانند ہے۔ صاحبین کے نزدیک بھی سونا اور چاندی کے علاوہ مویشیوں کی زکوٰۃ میں بھی کسی دوسری چیز کو معنوی طور پر قائم مقام بنانا جائز ہے۔ جس پر زکوٰۃ فرض ہے عین وہی چیز ادا کرنا اللہ تعالیٰ کا حق ہے۔ البتہ شریعت نے اسے قیمت میں ادا کرنے کی اجازت دی ہے۔ یہ یا تو آسانی کی غرض سے ہے یا اپنے حق کو مطلق مال میں بدلنے کی صورت میں، اور یہ آسانی ادائیگی میں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جب حکم دیا کہ زکوٰۃ کو محتاج و مفلس بندوں پر خرچ کرو تاکہ ان کی ضروریات پوری ہوں تو زکوٰۃ کو فقراء پر خرچ کرنے کی وجہ عقلی ہوگئی۔ عقلی وجہ یہ ہے کہ ان کی ضروریات پوری ہوں اور فقراء کی کفایتِ ضرورت صرف مال سے ہوتی ہے(۲)۔

دوسری جہت: نص نہ ہونے پر رائے کا استعمال

ایک اور اعتبار سے بھی صحابہ کرامؓ میں دو واضح گروہ موجود تھے۔ غیر منصوص مسائل کے حل میں ہر ایک کا اپنا اپنا طریقِ اجتہاد تھا:

۱۔ ایک گروہ قرآن و حدیث کی نصوص پر فتویٰ دیتا تھا۔ یہ حضرات حدیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے آگے نہیں بڑھتے تھے۔ اگر انہیں کسی مسئلہ میں قرآن و سنّت سے کوئی نص نہ ملتی تو وہ ذاتی رائے سے فتویٰ نہ دیتے بلکہ توقف کرتے اور اپنی رائے کے استعمال سے گریز کرتے تھے۔ انہیں یہ ناپسند تھا کہ جو احادیث ان تک پہنچی ہیں ان سے تجاوز کریں۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ کا تعلق اسی گروہ سے تھا۔

۲۔ دوسرے گروہ میں وہ صحابہؓ تھے جو قرآن یا سنّت سے نص نہ ملنے کی صورت میں پہلے گروہ کی طرح توقف نہیں کرتے تھے بلکہ وہ حکم کی علّت تلاش کرتے، رائے سے کام لے کر بلا تامل اجتہاد کرتے اور مسئلہ کے شرعی حکم تک پہنچ جاتے تھے۔ اگر انہیں اپنی اجتہادی رائے کے برعکس کوئی حدیث مل جاتی تو وہ فوراً اپنی رائے سے رجوع کر کے حدیث کو اختیار کر لیتے تھے۔ اس طرزِ فکر کے حامل صحابہ کرامؓ میں حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت زید بن ثابتؓ،

۱۔ بدایة المجتهد و نهایة المقتصد ۱۰۹/۳

۲۔ بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع ۲۳/۲ ومابعد

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ شامل ہیں (۱)۔

پہلے گروہ کے نمائندہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ تھے۔ آپ رائے سے فتویٰ نہیں دیا کرتے تھے بلکہ صرف قرآن وسنت پر انحصار کرتے تھے۔ نافعؒ روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا: علم کی تین اقسام ہیں کتابُ اللہ، وہ سنت جس پر عمل رہا ہو، اور یہ کہ میں نہیں جانتا۔ جابر بن یزیدؒ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عمرؓ مجھ سے ملے اور کہا: اے جابر! تم فقہائے بصرہ میں سے ہو، تم سے لوگ فتویٰ پوچھیں گے۔ پس تم صرف کتابُ اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت جس پر عمل رہا ہو اس میں سے فتویٰ دینا (۲)۔

دوسرے گروہ کے ایک نمائندہ صحابی حضرت عبداللہ بن عباسؓ تھے۔ نص اور رائے کے استعمال میں حضرت ابن عباسؓ اور حضرت ابن عمرؓ کے درمیان فرق کا اندازہ نافعؒ کے اس بیان سے لگایا جاسکتا ہے: حجاج کی آمد کے موقع پر حضرت ابن عمرؓ اور حضرت ابن عباسؓ بیٹھے ہوئے تھے۔ میں ایک روز ایک کے پاس بیٹھا اور دوسرے روز دوسرے کے پاس بیٹھا۔ حضرت ابن عباسؓ ہر پوچھے گئے سوال کا جواب اور فتویٰ دیتے تھے، جبکہ حضرت ابن عمرؓ اکثر سوالوں کا جواب نہ دیتے اور فتویٰ دینے سے گریز کرتے تھے (۳)۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے کوئی مسئلہ پوچھا جاتا اور وہ اس بارے میں کوئی نص نہ پاتے تو آپ توقف نہیں فرماتے تھے۔ آپ اپنی رائے سے اجتہاد کرتے اور یہ فرمادیتے: میں اجتہاد کروں گا، اگر میں نے غلطی کی تو خطا میری طرف سے ہے اور اگر میں اجتہاد میں درست رہا تو یہ درستی وصواب اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے (۴)۔

صحابہ کرامؓ کے اس فکر وعمل نے فقہِ اسلامی پر گہرے اثرات مرتب کیے ہیں۔ ان کے فکر وعمل کا یہ انداز بعد والے فقہاء کو منتقل ہوا جس سے ان میں بھی دو واضح گروہ پیدا ہوئے۔ فقہاء کا ایک گروہ کسی مسئلہ میں قرآن وسنت سے کچھ نہ ملنے پر توقف کرتا اور اپنی رائے کے استعمال سے احتراز برتتا تھا۔ فقہاء کا دوسرا گروہ نص کی عدم موجودگی میں رائے اور اجتہاد سے کام لیتا تھا۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا فقہی انداز آپ کے بیٹے سالم بن عبداللہ بن عمرؒ میں ظاہر ہوا۔ امام ابن حزمؒ نے واقعہ نقل کیا ہے کہ ایک آدمی نے سالم بن عبداللہ بن عمرؒ سے کسی چیز کے متعلق پوچھا۔ سالمؒ نے جواب دیا: میں نے اس بارے میں کچھ نہیں سنا۔ آدمی نے کہا: آپ مجھے اپنی رائے سے بتادیں، اللہ تعالیٰ آپ کی اصلاح کرے۔ سالمؒ

۱۔ تاریخ التشریع الإسلامی ص ۱۱۹۔ السنّة ومكانتها فی التشریع الإسلامی ص ۴۹۱۔ مالك حیاته وعصره ، آراؤه وفقهه ص ۱۳۴۔ حجة اللّٰه البالغة ۱/۲۱۳۲

۲۔ ابن حزم، الإحكام فی أصول الأحكام ۸/۳۰

۳۔ سِیَر أعلام النبلاء ۳/۲۲۲

۴۔ كتاب الحجة علی أهل المدينة ۳/۳۳۳

نے جواب دیا: نہیں۔ اس آدمی نے کہا: میں آپ کی رائے پر راضی ہوں۔ سالمؒ نے فرمایا: شائد میں تمہیں اپنی رائے سے کچھ بتادوں پھر تم چلے جاؤ، بعد میں میری رائے کچھ اور ہو جائے تو میں تمہیں کہاں ڈھونڈتا پھروں گا(۱)۔

تابعین میں سے امام شعبیؒ بھی اس مکتبِ فکر سے تعلق رکھتے تھے جو نصوصِ قرآن وسنت اور آثارِ صحابہؓ سے اخذ کرتے اور ان کے مقابلے میں اپنی یا کسی اور کی رائے اختیار نہیں کیا کرتے تھے۔ شعبیؒ کی فقہ رائے کے بجائے آثار پر قائم تھی، اسی لیے آپ کو ''صاحبِ آثار'' کہا گیا ہے(۲)۔ آپ نے فرمایا تھا: یہ لوگ جو کچھ تم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کریں تو اسے لے لو اور یہ لوگ جو کچھ اپنی رائے سے کہیں تو اسے کوڑے میں پھینک دو(۳)۔ جب آپ سے کوئی ایسا مسئلہ پوچھا جاتا جس کے بارے میں آپ کے پاس قرآن وسنت سے کوئی علم نہ ہوتا اور آپ سے یہ کہا جاتا کہ اپنی رائے سے کچھ فرمادیں تو شعبیؒ جواب میں یہ کہتے: تم میری رائے کا کیا کرو گے؟ میری رائے کی حیثیت کیا ہے؟(۴)۔

عطاءؒ بھی اپنی رائے سے فتویٰ نہیں دیا کرتے تھے۔ اگر آپ کو کسی مسئلہ کے حکم میں قرآن وسنت سے کوئی نص نہ ملتی تو آپ کہتے کہ میں نہیں جانتا اور پھر آپ خاموش ہو جاتے۔ ایک بار عطاؒ سے کوئی مسئلہ پوچھا گیا۔ آپ نے فرمایا: میں نہیں جانتا۔ آپ سے کہا گیا کہ اپنی رائے سے بیان فرمائیں۔ آپ نے فرمایا: مجھے اللہ تعالیٰ سے شرم آتی ہے کہ میری رائے سے زمین میں کوئی نیا دین پیدا ہو جائے(۵)۔

قتادہؒ کا بھی یہی مزاج تھا۔ آپ سے کسی چیز کے متعلق پوچھا گیا۔ آپ نے فرمایا: میں نہیں جانتا۔ کہا گیا کہ اپنی رائے سے بیان کر دیں۔ آپ نے فرمایا: میں نے گزشتہ چالیس سال سے اپنی رائے سے کچھ نہیں کہا۔ قتادہؒ اس وقت تقریباً پچاس برس کے تھے۔ گویا انہوں نے اپنی زندگی میں اپنی رائے سے کبھی کچھ نہیں کہا تھا(۶)۔

امام اوزاعیؒ بھی اسی گروہ سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ نے فرمایا تھا: تم پر لازم ہے کہ آثار کو پکڑے رکھو، اگرچہ لوگ تمہارا انکار کریں۔ تم لوگوں کی آراء سے بچو، اگرچہ وہ اپنی بات کو نہایت مؤثر انداز میں پیش کریں(۷)۔

زہریؒ فرمایا کرتے تھے: سنّت ہی پر عمل ہونے دو اور اس کے راستہ میں رائے کے ذریعے رکاوٹ مت ڈالو(۸)۔

۱۔ ابن حزم، الإحکام فی أصول الأحکام ۶/۵۵، ۵۶

۲۔ سِیَر أعلام النبلاء ۴/۳۰۳

۳۔ حوالہ بالا ۴/۳۱۹

۴۔ الطبقات الکبریٰ ۶/۲۵۰

۵۔ سِیَر أعلام النبلاء ۵/۸۶

۶۔ حوالہ بالا ۵/۲۷۳

۷۔ ابن حزم، الإحکام فی أصول الأحکام ۶/۵۳

۸۔ حوالہ بالا ۶/۵۵

فقہاء کے ایک گروہ نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے اتباع میں نص کے نہ ہونے پر اپنی رائے سے فتویٰ دیا۔ جو فقہاء رائے اور قیاس میں مشہور ہوئے ان میں کوفہ کے امام ابراہیم نخعیؒ بھی تھے۔ جس طرح شعبیؒ کو ''صاحبِ آثار'' کہا گیا ہے، اسی طرح ابراہیم نخعیؒ کو ''صاحبِ قیاس'' کہا گیا ہے(۱)۔ آپ نے اپنے ماموں علقمہؒ سے فقہ سیکھی جو پہلے طبقہ کے تابعین فقہاء میں سے اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے خاص اصحاب میں سے تھے(۲)۔

ابراہیم نخعیؒ نے رائے اور قیاس پر عمل کیا لیکن روایت کو بھی ساتھ ساتھ رکھا تھا۔ آپ کا قول ہے: رائے، روایت کے بغیر مستحکم نہیں رہ سکتی اور روایت کی پختگی معلوم کرنے کے لیے بھی عقل و رائے کی ضرورت ہے(۳)۔

رائے کے حوالے سے ایک اور اہم نام ربیعہ بن عبدالرحمٰنؒ کا ہے جو ''ربیعۃ الرائی'' کے لقب سے مشہور ہوئے۔ آپ امام مالکؒ کے استاد، مشہور محدث، فقیہ اور متعدد صحابہ کرامؓ سے ملاقات کا شرف حاصل کر چکے تھے۔ ربیعہؒ کے خیال میں حدیث پر عمل کرنے کی نسبت رائے پر عمل کرنا زیادہ آسان ہے۔ آپ کا قول ہے: میں سمجھتا ہوں کہ حدیث کی پیروی کرنے کے نسبت رائے مجھ پر زیادہ آسان ہے(۴)۔ ایک موقع پر آپ نے ابن شہاب زہریؒ سے فرمایا: میرا معاملہ آپ کے معاملہ جیسا نہیں ہے۔ زہریؒ نے پوچھا: وہ کیسے؟ ربیعہؒ نے کہا: میں اپنی رائے سے کہتا ہوں۔ جسے چاہتا ہوں لے لیتا ہوں اور جسے چاہتا ہوں چھوڑ دیتا ہوں، جبکہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث روایت کرتے ہیں اور پھر اسے حفظ کرتے ہیں(۵)۔

ابراہیم نخعیؒ کے بعد آپ کے شاگرد حماد بن سلیمانؒ ہوئے۔ حمادؒ نے یہ انداز اختیار کیا کہ آپ نے اثر اور رائے دونوں کے امتزاج کو لیا۔

امام ابوحنیفہؒ اور رائے کا استعمال

حمادؒ کے شاگردوں میں سے حنفی مذہب کے بانی امام ابوحنیفہؒ نے اپنے استاد سے اثر اور رائے کے امتزاج کو لیا(۶)۔ حافظ ذہبیؒ کے بقول امام ابوحنیفہؒ قیاس میں زیادہ عالم تھے(۷) اور آثار میں آپ کے پاس حضرت علیؓ

۱۔ سِیَر أعلام النبلاء ۴/۳۰۳

۲۔ تاریخ التشریع الإسلامی ص ۱۲۰

۳۔ صفة الصفوة ۳/۴۲

۴۔ سِیَر أعلام النبلاء ۶/۹۰

۵۔ حوالہ بالا ۶/۹۰

۶۔ تاریخ التشریع الإسلامی و دراسات فی التشریع و تطوره و رجاله ۲/۷۸

۷۔ سِیَر أعلام النبلاء ۸/۱۱۲

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور کوفہ میں رہنے والے صحابہؓ کے اقوال کا علم زیادہ تھا(۱)۔خطیب بغدادیؒ نے امام ابوحنیفہؒ کو ''امام صاحب الرائے'' قرار دیا ہے(۲)۔آپ استنباطِ احکام میں قیاس اور استحسان پر عمل کرنے میں اتنے مشہور ہوئے کہ امام شافعیؒ نے فرمایا تھا: لوگ قیاس اور استحسان کے معاملہ میں امام ابوحنیفہؒ کے محتاج ہیں(۳)۔امام شافعیؒ کا ایک اور قول ہے: لوگ فقہ میں امام ابوحنیفہؒ کے محتاج ہیں(۴)۔

امام ابوحنیفہؒ نے ان مسائل میں بھی اجتہاد کیا جو ابھی وقوع پذیر نہیں ہوئے تھے۔آپ فرضی مسائل میں بھی فتویٰ دیتے تھے۔کوفہ میں ایک دن قتادہؒ کے پاس بہت سے لوگ جمع ہو گئے۔آپ نے انہیں کہا: آج جو بھی مجھ سے حلال وحرام سے متعلق پوچھے گا، میں اسے جواب دوں گا۔امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا: اے ابوالخطاب! آپ اس شخص کے بارے میں کیا کہتے ہیں جو اپنے گھر والوں سے کئی برس دور رہا۔اس کی بیوی نے گمان کیا کہ وہ فوت ہو گیا ہے۔اس کی بیوی نے دوسری شادی کر لی۔پھر پہلا شوہر واپس آ گیا۔اس عورت کے مہر کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ قتادہؒ نے پوچھا: کیا ایسا واقعہ رونما ہوا ہے؟ امام ابوحنیفہؒ نے جواب دیا: نہیں۔قتادہؒ نے فرمایا: پھر اس کے بارے میں کیوں پوچھتے ہو جو واقع نہیں ہوا؟ امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا: ہم مصیبت کے آنے سے پہلے ہی اس کے لیے تیار ہونا چاہتے ہیں۔پھر جو چیز واقع ہو گی تو ہم اس میں داخل ہونے اور اس سے بچنے کے بارے میں جانتے ہوں گے(۵)۔

امام ابوحنیفہؒ کی طرف سے رائے کا بکثرت استعمال بعض فقہاء نے اچھی نظر سے نہیں دیکھا۔امام مالکؒ کا یہ قول نقل کیا گیا ہے: اگر امام ابوحنیفہؒ اس اُمت پر تلوار لے کر نکل آتے تو یہ ان پر اس چیز کی نسبت زیادہ آسان ہوتا جو قیاس اور رائے سے ان میں ظاہر ہوئی ہے(۶)۔امام ابوحنیفہؒ کے متعلق یہ بھی کہا گیا کہ آپ علم حدیث میں یتیم تھے(۷) اور آپ صاحبِ حدیث نہیں تھے(۸)۔

امام ابوحنیفہؒ کے دفاع میں یہ کہا گیا ہے کہ آپ حدیث میں ناسخ ومنسوخ کی خوب جستجو میں رہتے تھے۔آپ حدیث پر اس وقت عمل کرتے تھے جب وہ آپ کے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ سے ثابت ہو۔آپ اہلِ کوفہ کی حدیث اور ان کی فقہ جاننے والے تھے۔آپ اس چیز کا سختی سے اتباع کرتے تھے جس پر آپ کے

۱۔ سِيَر أعلام النبلاء ۱۱۳/۸
۲۔ تاريخ بغداد ۳۲۳/۱۳
۳۔ أخبار أبي حنيفة و أصحابه ص ۱۲
۴۔ تاريخ بغداد ۳۲۳/۱۳
۵۔ حوالہ بالا ۳۴۸/۱۳
۶۔ جامع بيان العلم و فضله ۱۰۷۹/۲
۷۔ تاريخ بغداد ۴۱۵/۱۳
۸۔ حوالہ بالا ۴۱۶/۱۳

شہر کے لوگ عمل پیرا تھے(۱)۔حدیث روایت کرنے میں امام ابوحنیفہؒ کا یہ قول نقل کیا گیا ہے: کسی آدمی کے لیے یہ مناسب نہیں ہے کہ وہ کوئی حدیث بیان کرے، سوائے اس کے کہ اس نے اسے وقتِ سماع سے یاد رکھا ہو(۲)۔

امام مالکؒ اور رائے کا استعمال

ربیعۃ الرائیؒ کے شاگرد اور مالکی مذہب کے بانی امام مالکؒ آثار سے بہت آگاہ تھے۔حافظ ذہبیؒ نے کہا ہے کہ امام مالکؒ سنّت کے سب سے زیادہ عالم تھے(۳)۔آپ کے پاس اقوالِ صحابہؓ کا کثیر علم تھا(۴)۔آپ کی فقہ میں آثارِ صحابہؓ کے گہرے اثرات نظر آتے ہیں جس کا ثبوت آپ کی کتاب الموطا ہے۔

امام مالکؒ کے متعلق کہا گیا ہے کہ آپ نے آثار کے علاوہ رائے سے بھی کام لیا۔یہ کہا گیا کہ مدینہ میں ربیعہؒ کے بعد **الغلام الأصبحی** یعنی امام مالکؒ نے رائے سے کام لیا ہے(۵)۔امام مالکؒ کے نزدیک رائے سے کیا مراد تھی؟اس کی وضاحت آپ کے اس بیان سے ہوتی ہے جسے قاضی عیاضؒ نے نقل کیا ہے:

آپ سے پوچھا گیا کہ آپ کی کتاب یعنی الموطا میں آپ کے قول: **اَلْاَمْرُ الْمُجْتَمِعُ عَلَيْهِ عِنْدَنَا** (ہمارے نزدیک اس امر پر اجماع ہے)اور **بِبَلَدِنَا** (ہمارے شہر میں)اور **اَدْرَكْتُ اَهْلَ الْعِلْمِ** (میں نے اہلِ علم کو پایا) اور **سَمِعْتُ بِعَضِ اَهْلَ الْعِلْمِ** (میں نے بعض اہلِ علم سے سنا) سے کیا مراد ہے؟

امام مالکؒ نے جواب میں فرمایا: اس کتاب میں زیادہ تر جو میری رائے ہے وہ بخدا میری رائے نہیں ہے بلکہ یہ وہ رائے ہے جسے میں نے اہلِ علم وفضل میں سے ایک سے زیادہ لوگوں سے سنا ہے اور جو ائمہ مقتدیٰ تھے ان سے میں نے حاصل کیا ہے۔یہ لوگ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والے تھے۔وہ مجھ سے ملے، میں نے اپنی رائے بیان کی۔ ان کی رائے صحابہؓ کی رائے کے مانند تھی جس پر انہوں نے صحابہؓ کو پایا اور میں نے انہیں اس پر عمل کرتے ہوئے پایا۔پس یہ ورثہ ہے جس کے وہ ہر زمانہ میں وارث ہوتے چلے آئے ہیں، یہاں تک کہ یہ ورثہ ہمارے زمانہ میں ہمیں ملا۔پس یہ رائے اس جماعت کی رائے ہے جو ائمہ میں سے ہم سے پہلے ہوگزرے ہیں۔اس میں جو کچھ **اَلْاَمْرُ الْمُجْتَمِعُ عَلَيْهِ** ہے یہ وہ ہے جس پر اہلِ فقہ وعلم کا اجماع ہوا۔انہوں نے اس میں کبھی اختلاف نہیں کیا تھا۔میں نے جو یہ بات کہی ہے **اَلْاَمْرُ عِنْدَنَا** تو یہ وہ ہے جس پر ہمارے ہاں لوگوں نے عمل کیا ہے، جس پر احکام جاری ہوئے ہیں اور جسے عالم وجاہل سب جانتے ہیں۔اسی طرح میں نے یہ کہا ہے **بِبَلَدِنَا** یا یہ کہا ہے **بَعْضُ أَهْلُ الْعِلْمِ** تو یہ وہ

۱۔ أخبار أبی حنیفة و أصحابه ص ۱۱

۲۔ سِیَر أعلام النبلاء ۶/۴۰۱۔الإنتقاء ص ۱۳۹

۳۔ سِیَر أعلام النبلاء ۸/۱۱۲

۴۔ حوالہ بالا ۸/۱۱۳

۵۔ حوالہ بالا ۸/۷۴

چیز ہے جسے میں نے علماء کے قول میں مستحسن سمجھا ہے۔ جو کچھ میں نے ان علماء سے نہیں سنا تو میں نے اس میں اجتہاد کیا ہے۔ میں نے جن سے حاصل کیا ان کے مذہب کے موافق غور وفکر کیا، یہاں تک کہ وہ بات بالکل حق یا حق کے قریب معلوم ہوئی۔ لیکن میں مذہب اہلِ مدینہ اور ان کی آراء سے باہر نہیں گیا، اگر چہ میں نے اسے بعینہٖ نہیں سنا۔ پس میں نے اجتہاد کے بعد اپنی رائے کو سنّت نبوی اور جس پر مقتدیٰ اہلِ علم کا عمل رہا، اس کے ساتھ منسوب کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ائمہ راشدین کے زمانہ سے آج تک ہمارے ہاں ان باتوں پر عمل ہے۔ یہ ان کی آراء ہیں اور میں نے ان کی آراء سے باہر نکل کر دوسروں سے نہیں لیا(۱)۔

جب خلیفہ ابو جعفر منصورؒ نے امام مالکؒ سے اپنی اس خواہش کا اظہار کیا کہ وہ آپ کی کتاب **الموطا** کو کعبہ میں آویزاں کرنا اور تمام لوگوں کو حکم دینا چاہتا ہے کہ وہ اس پر عمل کریں، تو امام مالکؒ نے جواب دیا تھا: اے امیر المومنین! ایسا مت کریں۔ میری اس کتاب میں حدیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم، اقوالِ صحابہؓ، اقوالِ تابعین اور رائے جو اجماعِ اہلِ مدینہ ہے، شامل ہیں۔ میں ان سے باہر نہیں گیا۔ میری یہ رائے نہیں ہے کہ **الموطا** کو کعبہ میں آویزاں کر دیا جائے(۲)۔

امام مالکؒ کے مندرجہ بالا اقوال سے یہ واضح ہوتا ہے کہ آپ کے نزدیک رائے سے مراد قیاس نہیں ہے۔ آپ نے عملِ اہلِ مدینہ اس لیے حجت قرار دیا کہ اہلِ مدینہ کی وہی رائے تھی جو صحابہؓ کی رائے تھی۔ امام مالکؒ نے اہلِ مدینہ کو دیکھا کہ وہ وہی کیا کرتے تھے جیسا انہوں نے صحابہؓ کو کرتے ہوئے دیکھا تھا۔ امام مالکؒ نے اہلِ مدینہ سے جو کچھ اخذ کیا وہ دراصل صحابہ کرامؓ ہی سے اخذ کردہ تھا۔

امام مالکؒ اپنی کتاب **الموطا** کے تقریباً ہر باب میں آثارِ صحابہؓ لے کر آئے ہیں۔ **الموطا** کے شارح زُرقانیؒ نے نقل کیا ہے کہ امام مالکؒ کی کتاب **الموطا** میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرامؓ اور تابعین کے جملہ آثار کی تعداد سترہ سو بیس ہے۔ ان میں سے چھ سو احادیث مُسنَد ہیں، دو سو بائیس مُرسَل ہیں، موقوف کی تعداد چھ سو تیرہ ہے اور تابعین کے اقوال دو سو پچاسی ہیں(۳)۔

معلوم ہوا کہ **الموطا** میں موقوف احادیث کی تعداد سب سے زیادہ ہے۔ اس سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ مالکی فقہ میں آثارِ صحابہؓ اور تابعین کی فقہ ایک ماٰخذ کی حیثیت رکھتے ہیں۔

امام شافعیؒ نے فرمایا تھا: میں نے ایک دن محمد بن حسن شیبانیؒ سے بات چیت کی۔ انہوں نے کہا: ہمارے شیخ یعنی امام ابو حنیفہؒ زیادہ عالم ہیں یا آپ کے شیخ یعنی امام مالکؒ؟ میں نے کہا! انصاف سے بتاؤں یا بڑھا چڑھا کر

۱۔ ترتیب المدارک و تقریب المسالک لمعرفة أعلام مذهب مالك ۱۹۴/۲

۲۔ حوالہ بالا ۱۹۲/۲

۳۔ شرح الزرقانی علی موطا الإمام مالك ۷/۱

بتاؤں؟ محمدؒ نے کہا: انصاف سے۔ میں نے کہا: میں آپ کو اللہ تعالیٰ کی قسم دیتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں، کتاب اللہ اور اس کے ناسخ و منسوخ سے زیادہ آگاہ کون ہے؟ محمدؒ نے کہا: اللہ گواہ ہے، آپ کے شیخ۔ میں نے کہا: سنت سے زیادہ آگاہ کون ہے؟ محمدؒ نے کہا: اللہ گواہ ہے، آپ کے شیخ۔ میں نے کہا: اقوالِ اصحابِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ آگاہ کون ہے؟ محمدؒ نے کہا: آپ کے شیخ زیادہ عالم ہیں۔ میں نے کہا: اب صرف قیاس باقی رہ جاتا ہے۔ وہ کہنے لگے: ہمارے شیخ قیاس میں سب سے آگے ہیں۔ میں نے کہا: وہ تو صرف انہی اشیاء پر ہوسکتا ہے۔ آپ کے شیخ کس پر قیاس کرتے ہیں؟ ہم اپنے شیخ کے بارے میں ایسے امور کا دعویٰ کرتے ہیں جو تم لوگ اپنے شیخ کے بارے میں دعویٰ نہیں کرتے (۱)۔

اس واقعہ سے ظاہر ہوا کہ امام محمد شیبانیؒ اور امام شافعیؒ دونوں اس بات پر متفق تھے کہ کتاب وسنت اور آثارِ صحابہؓ کی معرفت میں امام مالکؒ، امام ابوحنیفہؒ سے آگے تھے۔

امام شافعیؒ اور رائے کا استعمال

شافعی مذہب کے بانی امام شافعیؒ نے مدنی فقہ اور کوفی فقہ دونوں سے استفادہ کیا تھا۔ آپ نے ان دونوں فقہی مذاہب کا موازنہ کیا۔ آپ کی فقہ حجازی اور عراقی دونوں فقہوں کا حاصل ہے۔ امام شافعیؒ نے قیاس اور رائے کا انکار نہیں کیا لیکن آپ کے ہاں ان دونوں کا استعمال کثرت سے نہیں ہے۔ امام احمد بن حنبلؒ نے آپ سے قیاس کے متعلق پوچھا تو آپ نے فرمایا: یہ ضرورت ہی کے وقت ہے (۲)۔

امام شافعیؒ کے نزدیک اس وقت قیاس سے کام لیا جاتا ہے جب مسئلہ زیرِ غور کے بارے میں کوئی نص موجود نہ ہو۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ اصل قرآن وسنت ہی ہیں۔ جب ان دونوں میں حکم نہ ملے تو پھر ان دونوں پر قیاس کیا جائے گا (۳)۔ البتہ امام شافعیؒ قیاس اور رائے کے مقابلہ میں آثار کی طرف زیادہ رجحان رکھتے تھے۔ آپ لوگوں سے فرمایا کرتے تھے: تم پر لازم ہے کہ اصحابِ حدیث سے وابستہ رہو، کیونکہ وہ لوگوں میں صواب وصحت والے ہیں (۴)۔ امام شافعیؒ کو ''صاحبِ سنت واثر'' کہا گیا ہے (۵)۔ آپ نے اثر بھی لیا اور قیاس کا بھی مطلق

۱۔ ترتیب المدارك و تقریب المسالك لمعرفة أعلام مذهب مالك ۱/۱۳۱

ترتیب المدارك میں محمد بن الحسین ہے جو کہ کتابت کی غلطی ہے۔ الدیباج المذهب میں قاضی عیاضؒ کے حوالہ سے یہ واقعہ نقل کیا گیا ہے، اس میں محمد بن الحسن لکھا ہے۔ سِیَر أعلام النبلاء میں محمد لکھا ہے۔

۲۔ سِیَر أعلام النبلاء ۱۰/۷۷

۳۔ حوالہ بالا ۱۰/۲۱

۴۔ حوالہ بالا ۱۰/۷۰

۵۔ الإنتقاء ص ۷۳

انکار نہیں کیا۔امام احمد بن حنبلؒ نے فرمایا تھا: ہم اصحاب الرائے کو ملامت کرتے تھے اور وہ ہمیں ملامت کرتے تھے، یہاں تک کہ امام شافعیؒ آئے اور پھر ملامت کرنے کا یہ عمل ہمارے درمیان ختم ہو گیا(۱)۔

امام احمد بن حنبلؒ اور رائے کا استعمال

حنبلی مذہب کے بانی امام احمد بن حنبلؒ کے بارے میں یہ بیان کیا جاتا ہے کہ آپ خبر اور اثر سے استفادہ کرنے میں شدت برتتے تھے۔آپ کے فتاویٰ، احادیث اور آثار پر مبنی ہوا کرتے تھے۔آپ کے بیٹے عبداللہ بن احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں: میں نے اپنے والد سے پوچھا: اگر کوئی شخص ایسے شہر میں ہو جہاں صاحبِ حدیث تو موجود ہے مگر وہ ایسا ہو جو صحیح اور ضعیف حدیث کی پہچان نہیں رکھتا اور اصحاب رائے بھی موجود ہوں، پھر کوئی مسئلہ پیش آ جائے تو وہ آدمی کس سے مسئلہ پوچھے؟ میرے والد محترم نے جواب دیا: وہ شخص صاحبِ حدیث سے مسئلہ پوچھے اور صاحب رائے سے مت پوچھے۔ایک ضعیف الحدیث آدمی بھی امام ابوحنیفہؒ کی رائے سے زیادہ قوی ہے(۲)۔

امام احمد بن حنبلؒ کا ایک اور قول ہے: امام شافعیؒ کی رائے، امام مالکؒ کی رائے اور امام ابوحنیفہؒ کی رائے یہ سب میرے نزدیک برابر ہیں اور حجت تو بس آثار ہی ہیں(۳)۔

قرآن مجید اور سنّت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد امام احمد بن حنبلؒ کے فتاویٰ کی دوسری اصل صحابہ کرامؓ کے فتاویٰ تھے(۴)۔فتاویٰ صحابہؓ اور فتاویٰ امام احمد بن حنبلؒ سے واقفیت رکھنے والا شخص ان دونوں کو ایک دوسرے سے قریب پاتا ہے۔فقہ حنبلی میں یہ بات نظر آتی ہے کہ اگر کسی مسئلہ میں صحابہ کرامؓ کے مختلف اقوال پائے گئے ہیں تو اس مسئلہ میں امام احمد بن حنبلؒ کے بھی مختلف اقوال ملتے ہیں۔اختلافی مسئلہ ہونے کی صورت میں اگر اختلافی اقوال میں ترجیح کی کوئی صورت نہ دیکھتے تو امام احمدؒ اس مسئلہ میں دونوں اقوال اختیار کر لیتے اور ان کا ذکر کر دیتے۔ایسا بھی ہوا ہے کہ امام احمد بن حنبلؒ نے کسی مسئلہ میں اختلاف صحابہ کا ذکر کرنے کے بعد اپنی رائے نہیں دی اور توقف کیا(۵)۔

اصحابِ حدیث اور اصحابِ رائے

کسی مسئلہ کا شرعی حکم معلوم کرنے کے لیے قرآن و سنّت کی نصوص سے استفادہ پر شدت برتنے اور قیاس و رائے پر عمل میں صحابہ کرامؓ میں دو گروہ پائے جاتے تھے۔ان صحابہؓ کے اتباع و پیروی میں اُمت میں بھی دو گروہ پیدا

۱۔ ترتیب المدارک و تقریب المسالک لمعرفة أعلام مذهب مالك ۳۸۷/۱

۲۔ ابن حزم: الإحكام فی أصول الأحكام ۵۶/۶

۳۔ حوالہ بالا ۵۴/۶

۴۔ أعلام المؤقعين عن رب العالمين ۳۰/۱

۵۔ ملاحظہ ہو: المغنی ۳۴۶/۱۰

ہوئے جو ''اصحابِ حدیث'' اور ''اصحابِ رائے'' کے ناموں سے مشہور ہوئے۔ اصحابِ حدیث کو ''اہلِ حجاز'' اور اصحابِ رائے کو ''اہلِ عراق'' بھی کہا جاتا ہے۔ شہرستانیؒ نے اصحابِ حدیث یا اصحابِ حجاز میں جن ائمہ کرام کو شمار کیا ہے ان میں اصحابِ امام مالکؒ، اصحابِ امام شافعیؒ، اصحاب امام سفیان ثوریؒ، اصحابِ امام احمد بن حنبلؒ اور ان کے علاوہ اصحابِ امام داؤد بن علیؒ شامل ہیں۔ شہرستانیؒ نے اصحابِ رائے یا اہلِ عراق میں جن لوگوں کے نام گنوائے ہیں ان میں اصحابِ امام ابوحنیفہؒ شامل ہیں (۱)۔

شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے لکھا ہے: اصحابِ حدیث کا مرکز مدینہ تھا۔ اہلِ مدینہ کی نظر میں حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت عائشہؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت زید بن ثابتؓ اور ان کے اصحاب مثلاً سعید بن مسیبؒ، عروہؒ، سالمؒ، عطاؒ، یحیٰ بن سعیدؒ، زید بن اسلمؒ اور ربیعہؒ کے فیصلے وفتاویٰ زیادہ اہم تھے۔ اہلِ رائے کا مرکز کوفہ تھا۔ علمائے کوفہ کی نظر میں حضرت علیؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور ان کے اصحاب، قاضی شُرَیحؒ، شعبیؒ اور ابراہیم نخعیؒ کے فیصلے اور فتاویٰ دوسروں کی نسبت زیادہ پسندیدہ تھے (۲)۔

اصحابِ حدیث اور اصحابِ رائے ان دونوں گروہوں کے مابین یہ واضح فرق موجود تھا کہ اصحابِ حدیث تحصیل وروایتِ حدیث پر خصوصی توجہ دیتے اور قرآن وسنّت کی نصوص پر احکام کی بنیاد رکھتے تھے۔ وہ خبر یا اثر ملنے پر قیاسِ جلی یا قیاسِ خفی (۳) کی طرف توجہ نہیں کرتے تھے (۴)۔ اس گروہ کا دائرۂ اجتہاد نسبتاً محدود تھا۔ وہ موجود اور میّسر احادیث وآثار کو سامنے رکھ کر فتویٰ دیتے تھے۔ اگر وہ رائے سے کام لیتے بھی تو صرف شاذ صورتوں میں۔ لیکن مجموعی طور پر ان کا طرزِ عمل یہ تھا کہ وہ نص کی عدم موجودگی میں کسی دینی معاملہ کی ذمہ داری اپنے سر پر لینے سے گریز کیا کرتے تھے۔ قرآن مجید، سنّتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آثار سے مسئلہ کا حکم نہ ملنے پر اصحابِ حدیث کا

۱۔ الملل و النحل ۱/۳۶۱ ومابعد

۲۔ حجة اللہ البالغة ۱/۱۴۵

۳۔ قیاس جلی سے مراد ایسا قیاس ہے جس میں علّت بغیر کسی گہرے غور وفکر کے فوراً سمجھ میں آ جائے، یا جس میں خود علّت مذکور ہو۔ مثلاً شراب حرام ہونے کی علّت اس کا نشہ آور ہونا ہے۔ جبکہ قیاس خفی میں اس کی علّت گہرے غور وفکر سے سمجھ میں آتی ہے۔ قیاس جلی کی رو سے پنجے سے شکار کرنے والے پرندوں مثلاً عقاب وغیرہ کا جھوٹا ناپاک ہونا چاہیے، جس طرح درندوں کا جھوٹا ناپاک ہے جو پنجوں اور نوکیلے دانتوں سے شکار کرتے ہیں۔ ان درندوں کا جھوٹا ناپاک ہونا اس سبب سے ہے کہ ان کے منہ کا لعاب ناپاک ہے۔ درندوں پر قیاس کرتے ہوئے پرندوں کا جھوٹا بھی ناپاک ہونا چاہیے۔ لیکن گہرے غور وفکر سے یہ پتا چلتا ہے کہ پرندوں کے معاملہ میں وہ علّت نہیں پائی جاتی جو درندوں کے معاملہ میں ہے۔ پرندے اپنی چونچ سے پانی پیتے ہیں، چونچ ہڈی ہے اور ہڈی میں کوئی لعاب شامل نہیں ہوتا۔ اس لیے شکاری پرندوں کا جھوٹا پاک ہے۔ یہی قیاس خفی ہے۔ قیاس خفی کو احناف کے ہاں استحسان کہا جاتا ہے۔ تفصیل دیکھیں: علم اصولِ فقه ایك تعارف ۱/۴۶۳

۴۔ الملل و النحل ۱/۳۶۲

توقف، ان کے رائے سے قُرب وبُعد کے حساب سے ہوتا تھا۔ جو رائے سے جتنا زیادہ دُور ہوتا وہ اتنا ہی زیادہ توقف کرتا۔ اسی لیے یہ علماء فرضی مسائل اور غیر واقع امور سے متعلق سوال پوچھنا پسند نہیں کرتے تھے(۱)۔

اصحابِ رائے یا اہلِ عراق قیاس کے استعمال میں مشہور تھے۔ ان فقہاء کا دائرہ اجتہاد اصحاب حدیث کے مقابلہ میں وسیع تھا۔ اصحابِ رائے کوئی حدیث نہ ملنے پر رائے اور قیاس پر عمل کرتے تھے۔ ان کا فتویٰ کتاب وسنت ہی کی روشنی میں ہوتا تھا مگر وہ اپنا فتویٰ کسی ایک حدیث سے منسوب نہیں کرتے تھے بلکہ اپنے فتویٰ اور رائے کی ساری ذمہ داری خود پر ڈال لیتے تھے۔

اہلِ رائے کا یہ موقف تھا کہ اللہ تعالیٰ کی شریعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت سے قبل مکمل ہو چکی ہے۔ اسلامی شریعت معقول المعنی اور محکم اصول پر مبنی ہے۔ اس کے احکام کی علّتیں ہیں جو اپنی تمام جزئیات پر لاگو ہوتی ہیں۔ اس مدرسہ کے فقہاء کسی حکم کی علّت تلاش کرتے، یعنی وہ وصف اور حکمت معلوم کرنے کی کوشش کرتے جو اس حکم کا مدار بن رہی ہو، پھر جہاں وہ علّت پائی جاتی اس پر وہ حکم نافذ کر دیتے۔ یہ فقہاء کسی سوال کا جواب یا فتویٰ دینے میں گھبراہٹ یا خوف محسوس نہیں کرتے تھے۔ وہ اپنے جواب کے لیے یہ شرط بھی نہیں لگاتے تھے کہ ایسا مسئلہ دقوع پذیر ہو چکا ہو۔ البتہ وہ روایتِ حدیث اور اس کی سند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچانے میں خوف ضرور محسوس کرتے تھے کہ کہیں وہ حدیث من گھڑت اور جھوٹی نہ ہو۔ اصحابِ رائے کا فتویٰ دینے میں گھبراہٹ محسوس نہ کرنا اور فرضی مسائل میں بھی فتویٰ دینے کا عمل فقہِ اسلامی کی وسعت اور اس کے احکام میں کثرت کا باعث بنا ہے(۲)۔

اہلِ حجاز کے پاس احادیث اور صحابہ کرامؓ کے فتاویٰ وافر تھے جبکہ اہلِ عراق کے ہاں ان کی کثرت نہیں تھی۔ اہلِ حجاز کو جب مختلف مسائل میں شرعی احکام کی ضرورت پڑتی تو ان کے پاس اپنے فتاویٰ کے اعتماد کے لیے آثار کی کثرت ہوتی تھی، جبکہ اہلِ عراق کے ہاں احادیث وآثار زیادہ نہ ہونے کی وجہ سے انہیں عقل اور رائے پر اعتماد کرنا پڑا تھا۔

ان دونوں گروہوں کے مابین فروعی اختلافات تھے۔ انہوں نے مختلف فقہی مسائل میں ایک دوسرے کے ساتھ علمی مناظرے کیے اور کتابیں لکھیں۔

مثلاً امام ابوحنیفہؒ کے شاگرد امام محمد شیبانیؒ نے مالکی فقہاء کے رد میں ایک کتاب لکھی تھی جس کا نام **الرد علی أهل المدینة** ہے۔

امام شافعیؒ نے حنفیوں کے اصول استحسان کا انکار کرتے ہوئے کتاب **ابطال الاستحسان** (۳) اور امام

۱۔ المدخل للفقه الإسلامی ص ۱۲۳

۲۔ حوالہ بالا ص ۱۲۷

۳۔ ملاحظہ ہو: امام شافعیؒ کی کتاب الأم ۷/۳۰۹

محمد شیبانیؒ کے جواب میں کتاب **الرد علی محمد بن الحسن** (۱) لکھی تھی۔

امام ابن حزمؒ نے احناف کے ردّ میں کتاب **فی الإستحسان و الإستنباط و فی الرأی و ابطال کل ذلك** (۲) کے علاوہ **فی ابطال القیاس و أحکام الدین** (۳) اور **فی ابطال القول بالعلل فی جمیع الأحکام** (۴) لکھیں۔

یوں فقہاء نے ایک دوسرے کے موقف اور دلائل کا علمی ردّ کیا اور اپنا فقہی مذہب درست ثابت کرنے کے لیے علمی دلائل دیئے۔

۱۔ ملاحظہ ہو: امام شافعیؒ کی کتاب الأم ۷/۳۲۳

۲۔ ملاحظہ ہو: امام ابن حزمؒ کی کتاب: الإحکام فی أصول الأحکام ۶/۱۶ تا ۵۹

۳۔ حوالہ بالا ۷/۵۳ تا ۲۰۴، ۸/۲ تا ۷۶

۴۔ حوالہ بالا ۸/۷۶ ومابعد

اختلافِ صحابہؓ

کا اسلامی قانون پر اثر و نفوذ

اللہ تعالیٰ کی تخلیق میں سب سے اہم اور نمایاں چیز اس میں تنوع اور اختلاف کا ہونا ہے جو ہر طرف پھیلا ہوا ہے۔ یہ اختلاف اللہ تعالیٰ کی مشیّت و مرضی اور وجہ حسنِ کائنات ہے۔ قرآن مجید کی متعدد آیات میں اس کائناتی تنوع اور اختلاف کا ذکر بہت خوبصورت انداز سے کیا گیا ہے۔ اسے عقل و دانش رکھنے والوں اور سبق حاصل کرنے والوں کے لیے نشانی قرار دیا گیا ہے۔

مثلاً سورت النحل میں ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے تمہارے لیے زمین میں جو بہت سی رنگ برنگ چیزیں پیدا کر رکھی ہیں ان میں نشانی ہے ان لوگوں کے لیے جو سبق حاصل کرنے والے ہیں (۱)۔

پھر سورت الروم میں انسانوں کے مابین بولی جانی والی اَن گنت زبانوں اور انسانوں کے جسموں کے رنگوں کا اختلاف بیان کیا گیا ہے (۲)۔

اسی اختلاف اور تنوع کا ذکر سورت الانعام میں بھی ہے۔ اس سورت میں کھیتوں سے حاصل ہونے والے مختلف اقسام کے رزق کا ذکر موجود ہے۔ پھر زیتون اور انار کے درختوں کے بارے میں بتایا گیا ہے جن کے پھل صورت میں مشابہ اور مزے میں مختلف ہوتے ہیں (۳)۔ سورت فاطر میں پھلوں کی اقسام اور ان کے رنگوں،

۱۔ وَ مَا ذَرَاَلَکُمْ فِی الْأَرْضِ مُخْتَلِفًا اَلْوَانُهُ اِنَّ فِی ذٰلِکَ لَاٰیَةً لِّقَوْمٍ یَّذَّکَّرُوْنَ [النحل ۱۶:۱۳] اور یہ جو بہت سی رنگ برنگ کی چیزیں اس نے تمہارے لیے زمین میں پیدا کر رکھی ہیں، ان میں ضرور نشانی ہے ان لوگوں کے لیے جو سبق حاصل کرنے والے ہیں۔

۲۔ وَ مِنْ اٰیٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَ الْأَرْضِ وَ اخْتِلَافُ اَلْسِنَتِکُمْ وَ اَلْوَانِکُمْ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّلْعٰلِمِیْنَ [الروم ۳۰:۲۲] اور اس کی نشانیوں میں سے آسمانوں اور زمین کی پیدائش اور تمہاری زبانوں اور تمہارے رنگوں کا اختلاف ہے۔ یقیناً اس میں بہت سی نشانیاں ہیں دانشمند لوگوں کے لیے۔

۳۔ وَ هُوَ الَّذِیْٓ اَنْشَاَ جَنّٰتٍ مَّعْرُوْشٰتٍ وَّ غَیْرَ مَعْرُوْشٰتٍ وَّ النَّخْلَ وَ الزَّرْعَ مُخْتَلِفًا اُکُلُهٗ وَ الزَّیْتُوْنَ وَ الرُّمَّانَ مُتَشَابِهًا وَّ غَیْرَ مُتَشَابِهٍ کُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ وَ اٰتُوْا حَقَّهٗ یَوْمَ حَصَادِهٖ وَ لَا تُسْرِفُوْا اِنَّهٗ

بقیہ اگلے صفحہ پر ......

پہاڑوں میں موجود مختلف رنگدار دھاریوں کے علاوہ انسانوں، جانوروں اور مویشیوں کے رنگوں کا مختلف ہونا بھی بیان کیا گیا ہے(۱)۔سورت الزمر میں اللہ تعالیٰ نے کھیتیوں کی مختلف اقسام کا ذکر کیا ہے(۲)۔قرآن کے مطابق یہ سب اختلاف اپنے اندر عقلمندوں اور دانشوروں کے لیے رشد وہدایت کی بہت سی نشانیاں سمیٹے ہوئے ہے۔

اللہ تعالیٰ نے جہاں انسان کو مختلف شکلیں، رنگ اور بولیاں دی ہیں وہیں ہر انسان کو یہ صلاحیت اور حق بھی دیا ہے کہ وہ سوچے، غور وفکر کرے اور کسی چیز سے متعلق اپنی رائے قائم کرے۔شکلوں، رنگوں اور بولیوں میں اختلاف کی طرح افراد کی سوچ اور رائے میں اختلاف بھی عین ممکن ہے۔ایک انسان کی اپنی سوچ بھی ہمیشہ ایک نہیں رہتی۔اس کی اپنی فکر اور سوچ میں ارتقاء اور تغیر واقع ہوتا رہتا ہے۔سوچ اور رائے کا اختلاف، ٹھہراو اور جمود پیدا نہیں کرتا بلکہ انسان کی تہذیبی وتمدنی زندگی کو ترقی دیتا ہے۔اختلافِ رائے ذہنی صلاحیتوں کی آبیاری کرتا، کسی چیز کے ایک سے زائد پہلوؤں تک رسائی دیتا اور اس پر بہتر انداز سے عمل کو ممکن بناتا ہے۔

اختلافِ رائے نہ صرف جائز ہے بلکہ اس کی اتنی حوصلہ افزائی کی گئی ہے کہ درست اجتہاد پر دوگنا اجر وثواب ملنے کی خوشخبری کے ساتھ ساتھ خطا اور غلطی والے اجتہاد پر بھی ایک ثواب کی نوید سنائی گئی ہے۔

ایک متفق علیہ(۳) حدیث میں حضرت عمرو بن العاصؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

گزشتہ سے پیوستہ...... لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ [الأنعام۶:۱۴۱] وہ اللہ ہی ہے جس نے طرح طرح کے باغ پیدا کیے چھتریوں پر چڑھائے ہوئے بھی اور جو چھتریوں پر نہیں چڑھائے ہوئے وہ بھی، کھجوروں کے باغات پیدا کیے اور کھیتیاں اگائیں جن سے قسم قسم کی کھانے کی چیزیں حاصل ہوتی ہیں، زیتون اور انار کے درخت پیدا کیے جن کے پھل صورت میں مشابہ اور مزے میں مختلف ہوتے ہیں۔کھاؤ ان کی پیداوار جب کہ یہ پھلیں اور اللہ تعالیٰ کا حق ادا کرو جب ان کی فصل کاٹو اور حد سے نہ گزرو کہ اللہ تعالیٰ حد سے گزرنے والوں کو پسند نہیں کرتے۔

۱۔ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجْنَا بِهٖ ثَمَرٰتٍ مُّخْتَلِفًا اَلْوَانُهَا وَ مِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌ بِيْضٌ وَّ حُمْرٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهَا وَ غَرَابِيْبُ سُوْدٌ. وَ مِنَ النَّاسِ وَ الدَّوَآبِّ وَ الْاَنْعَامِ مُخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ كَذٰلِكَ اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ غَفُوْرٌ [فاطر ۳۵: ۲۷، ۲۸] کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ اللہ تعالیٰ آسمان سے پانی برساتے ہیں اور پھر اس کے ذریعہ سے ہم طرح طرح کے پھل نکال لاتے ہیں جن کے رنگ مختلف ہوتے ہیں۔پہاڑوں میں بھی سفید، سرخ اور گہری سیاہ دھاریاں پائی جاتی ہیں جن کے رنگ مختلف ہوتے ہیں۔اسی طرح انسانوں اور جانوروں اور مویشیوں کے رنگ بھی مختلف ہیں۔حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بندوں میں سے صرف علم رکھنے والے لوگ ہی اس سے ڈرتے ہیں۔بے شک اللہ تعالیٰ زبردست اور درگزر فرمانے والے ہیں۔

۲۔ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَلَكَهٗ يَنَابِيْعَ فِى الْاَرْضِ ثُمَّ يُخْرِجُ بِهٖ زَرْعًا مُّخْتَلِفًا اَلْوَانُهٗ ثُمَّ يَهِيْجُ فَتَرَاهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَجْعَلُهٗ حُطَامًا اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِاُولِى الْاَلْبَابِ [الزمر ۳۹:۲۱] کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ نے آسمان سے پانی برسایا، پھر اس کو سوتوں اور چشموں اور دریاؤں کی شکل میں زمین کے اندر جاری کیا، پھر اس پانی کے ذریعہ سے وہ طرح طرح کی کھیتیاں نکالتا ہے جن کی مختلف اقسام ہیں، پھر وہ کھیتیاں پک کر سوکھ جاتی ہیں، پھر تم دیکھتے ہو کہ وہ زرد پڑ گئیں، پھر آخر کار اللہ ان کو چورا چورا کر دیتے ہیں۔درحقیقت اس میں ایک سبق ہے عقل رکھنے والوں کے لیے۔

۳۔ وہ حدیث جس پر امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ دونوں متفق ہیں۔ان دونوں کا اتفاق پوری اُمت کے اتفاق کے مترادف ہے۔

نے ارشاد فرمایا:

اِذَا حَکَمَ الْحَاکِمُ فَاجْتَھَدَ ثُمَّ اَصَابَ فَلَهُ اَجْرَانِ وَ اِذَا حَکَمَ فَاجْتَھَدَ ثُمَّ اَخْطَاَ فَلَهُ اَجْرٌ (۱)

جب حاکم کسی بات کا فیصلہ کرے اور اس میں اجتہاد سے کام لے اور وہ صحیح ہو تو اس کے لیے دوگنا ثواب ہے اور اگر وہ حکم دے اور اس میں اجتہاد سے کام لے اور وہ خطا ہو تو اس کے لیے ایک ثواب ہے۔

اختلافِ صحابہؓ پر اقوالِ ائمہ

اجتہادی مسائل میں حضرات صحابہ کرامؓ کے مابین اختلاف ایک فطری عمل تھا جس نے بعد میں آنے والے فقہاء اور مجتہدین کے اندازِ اجتہاد اور پھر فقہی مذاہب کی تکوین پر گہرے اثرات مرتب کیے ہیں۔ ائمۂ مذاہب نے اختلافِ صحابہؓ سے استنباطِ احکام کی سمتیں متعین کیں۔ مسلمانوں کی فقہی میراث میں صحابہ کرامؓ کا اختلاف ایک قیمتی اثاثہ ہے۔ اس سے کسی مسئلہ کا شرعی حکم معلوم کرنے میں آسانی و سہولت پیدا ہوئی۔ ہمیں اسلاف کے اقوال ملتے ہیں جن میں انہوں نے اختلافِ صحابہؓ کو ستائش کی نظر سے دیکھا اور اسے اُمت کے لیے باعثِ رحمت سمجھا ہے۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ کے پوتے قاسم بن محمدؒ نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرامؓ کا اختلاف لوگوں کے لیے باعثِ رحمت تھا(۲)۔ آپ کا ایک اور قول ہے: اللہ تعالیٰ نے اختلافِ اصحابِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ فائدہ پہنچایا کہ جب کوئی شخص ان میں سے کسی ایک صحابی کے عمل کے مطابق عمل کرتا ہے تو وہ خود کو سہولت میں پاتا ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ اس نے ایسا کام کیا ہے جسے اس سے بہتر آدمی نے کیا تھا(۳)۔

عمر بن عبدالعزیزؒ فرمایا کرتے تھے: مجھے یہ پسند نہیں کہ صحابہؓ اختلاف نہ کرتے کیونکہ اگر صرف ایک ہی قول ہوتا تو لوگ تنگی میں پڑ جاتے۔ صحابہ کرامؓ ائمہ ہیں، ان کی پیروی کی جائے گی۔ ان میں سے کسی ایک صحابی کا قول جس شخص نے لیا تو وہ سہولت و آسانی میں ہے(۴)۔

عون بن عبداللہؒ نے فرمایا: مجھے یہ ناپسند ہے کہ صحابہ کرامؓ اختلاف نہ کرتے۔ اس لیے کہ اگر وہ کسی ایک چیز پر جمع ہوتے اور کوئی شخص اس چیز کو چھوڑتا تو وہ تارکِ سنّت ہوتا اور اگر انہوں نے اختلاف کیا اور کسی نے صحابہؓ

۱۔ صحیح البخاری، کتاب الإعتصام بالکتاب و السنة، باب أجر الحاکم إذا إجتهد فأصاب أو أخطأ

۲۔ الطبقات الکبریٰ ۱۸۹/۵

۳۔ جامع بیان العلم و فضله ۹۰۲/۲

۴۔ حوالہ بالا ۹۰۲/۲

میں سے ایک کا قول لیا تو اس نے سنّت کو لیا(۱)۔

فقہِ اسلامی میں اختلافِ صحابہؓ کی اہمیت کا اندازہ امام مالکؒ کے اس قول سے لگایا جا سکتا ہے کہ فتویٰ دینا اس شخص کو جائز ہے جو لوگوں کا اختلاف جانتا ہو۔ آپ سے پوچھا گیا: کیا اس سے مراد اہلِ رائے کا اختلاف ہے؟ امام مالکؒ نے فرمایا: نہیں، بلکہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ کا اختلاف جانتا ہو اور قرآن و حدیث میں ناسخ اور منسوخ کا علم رکھتا ہو(۲)۔

اسبابِ اختلافِ صحابہؓ

فقہی امور میں صحابہ کرامؓ کا اختلاف ان کی طبائع اور ذہنوں کی استعداد میں پائے جانے والے فطری فرق کے باعث تھا۔ لہٰذا قرآن یا سنّت کی کسی ایک نص یا کسی ایک واقعہ سے اُن کا مختلف نتائج اخذ کرنا بشری تقاضا کے عین مطابق تھا۔ ذیل میں ان اہم اسباب کا ذکر کیا جاتا ہے جو صحابہ کرامؓ کے مابین اس اختلاف کا باعث بنے جو بعد میں بھی قائم رہا:

پہلا سبب

صحابی تک کوئی حدیث پہنچی لیکن صحابی نے اپنے غالب گمان کی بنا پر اس حدیث پر طعن کیا اور اپنا اجتہاد ترک نہیں کیا۔ طعن سے مراد زبان سے حدیث کے راوی کا کوئی عیب بیان کرنا، یا اس کے دین و عدالت، ضبط و حفظ یا اس کے فہم و ادراک میں کمی سے متعلق بیان کرنا ہے۔ راوی میں طعن کے دس اسباب ہو سکتے ہیں جن میں سے پانچ کا تعلق راوی کی عدالت سے اور پانچ کا تعلق اس کے حفظ و ضبط سے ہے۔ عدالت سے متعلق پانچ طعن یا عیوب یہ ہیں: جھوٹ بولنا، جھوٹ بولنے کا الزام لگانا، فسق، بدعت اور جہالت۔ حفظ و ضبط کے لحاظ سے راوی میں پانچ طعن یہ بیان کیے جاتے ہیں: فاش غلطیاں کرنا، حافظہ میں کمزوری، غفلت، کثرت سے اوہام کا شکار ہونا اور ثقہ راویوں کی مخالفت کرنا(۳)۔

مثلاً بائن طلاق یافتہ کو نفقہ نہ ملنے کے بارے میں حضرت فاطمہ بنت قیسؓ کی حدیث کو حضرت عمرؓ اور حضرت عائشہؓ نے قبول نہیں کیا تھا۔ حضرت فاطمہؓ نے فرمایا تھا: میرے شوہر نے مجھے تین طلاقیں دیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے نہ مکان دلوایا تھا اور نہ نفقہ(۴)۔

۱۔ سنن الدارمی، باب إختلاف الفقهاء ۱/۱۵۱

۲۔ کتاب مناقب سیدنا الإمام مالك ۱/۸۷

۳۔ تیسیر مصطلح الحدیث، ص ۸۷، ۸۸

۴۔ صیحح مسلم، کتاب الطلاق، باب المطلقة الثلاثة لا نفقة لها ۴/۱۱۷

حضرت عمرؓ اور حضرت عائشہؓ نے اس حدیث پر طعن کیا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا تھا: ہم اللہ کی کتاب اور اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّت کو ایک عورت کے قول کی وجہ سے نہیں چھوڑیں گے۔ ہم نہیں جانتے کہ شاید وہ بھول گئی یا اس نے یاد رکھا۔ مطلّقہ ثلاث کے لیے رہائش اور نفقہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْ بُيُوْتِهِنَّ وَ لَا يَخْرُجْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ ﴾ (۱): تم ان عورتوں کو ایامِ عدّت میں ان کے گھروں سے نہ نکالو اور نہ وہ خود ہی نکلیں۔ ہاں اگر وہ کھلی بے حیائی کریں تو نکال دینا چاہیے (۲)۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ نے فرمایا تھا: فاطمہؓ کو کیا ہو گیا ہے، کیا وہ اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتی؟ یعنی یہ کہتی ہے کہ مطلّقہ نفقہ اور رہائش کی مستحق نہیں ہے (۳)۔ ایک اور روایت میں حضرت عائشہؓ نے فرمایا تھا: فاطمہؓ کے لیے بھلائی نہیں کہ وہ یہ کہے۔ اس حدیث کے راوی نے کہا کہ مراد یہ ہے کہ فاطمہؓ کا یہ قول کہ مطلّقہ ثلاث کے لیے نہ رہائش ہے اور نہ نفقہ (۴)۔

اس واقعہ میں حضرت عمرؓ نے اپنے غالب گمان کی بنا پر حضرت فاطمہؓ کی روایت کردہ حدیث کو قابلِ اعتبار نہ جانا اور قرآن کی آیت: ﴿وَ لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْ بُيُوْتِهِنَّ ﴾ (۵) کی روشنی میں اپنی رائے قائم رکھی کہ مطلّقہ ثلاث یعنی تین طلاق یافتہ کے لیے رہائش اور نفقہ ہے۔ یوں صحابہؓ میں اختلاف واقع ہو گیا۔

دوسرا سبب

کسی درپیش مسئلہ سے متعلق حدیث صحابی تک نہ پہنچی اور انہوں نے اپنے اجتہاد سے مسئلہ کا حکم متعیّن کر لیا۔ لہٰذا اِس صحابی کا اُن صحابہ سے اختلاف ہو گیا جن تک اس مسئلہ کے حکم سے متعلق کوئی حدیث پہنچ گئی تھی۔

مثلاً حضرت علیؓ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے نزدیک قربانی کا گوشت تین دن سے زیادہ ذخیرہ کرنا جائز نہیں ہے (۶)۔ ان دونوں صحابہ کرامؓ تک صرف وہ احادیث پہنچی تھیں جن میں قربانی کا گوشت تین دن سے زیادہ ذخیرہ کرنے کی ممانعت تھی (۷)۔ سالم بن عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ قربانی کا گوشت تین دن

۱۔ الطلاق ۶۵:۱

۲۔ صحیح مسلم، کتاب الطلاق، باب المطلقة الثلاثة لا نفقة لها ۱۱۱۹/۴

۳۔ صحیح البخاری، کتاب الطلاق، باب قصة فاطمة بنت قیس ۸۰۲/۲

۴۔ صحیح مسلم، کتاب الطلاق، باب المطلقة الثلاثة لا نفقة لها ۱۱۲۱/۴

۵۔ الطلاق ۶۵:۱

۶۔ المغنی شرح مختصر الخِرَقی ۳۸۱/۱۳

۷۔ صحیح مسلم، کتاب الأضاحی، باب بیان ما کان من النهی عن أکل لحوم الأضاحی بعد ثلاث فی أوّل الإسلام و بیان نسخه و اباحته إلی متی شاء ۱۵۶۰/۳

سے زیادہ نہیں کھاتے تھے (۱)۔ لیکن دوسری طرف حضرت بُریدۃ بن حُصَیبؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

وَ نَهَيْتُكُمْ عَنْ لُحُوْمِ الْأَضَاحِي فَوْقَ ثَلَاثٍ فَأَمْسِكُوا مَا بَدَا لَكُمْ (۲)

اور میں نے تمہیں منع کیا تھا قربانی کا گوشت تین دن سے زیادہ رکھنے سے، اب رکھو جب تک چاہو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے دی گئی یہ رخصت حضرت علیؓ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ تک نہیں پہنچی تھی۔ انہوں نے اس مسئلہ میں صرف نہی یعنی ممانعت سنی تھی، لہٰذا جو سُنا اس پر اپنی رائے قائم کر لی (۳)۔

تیسرا سبب

ایسا بھی ہوتا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی فعل مبارک صحابہ کرامؓ نے دیکھا تو ان میں سے بعض صحابہؓ نے سمجھا کہ آپ نے وہ فعل ثواب کی خاطر کیا ہے، لہٰذا انہوں نے اسے قانونی حیثیت دے دی۔ بعض نے آپ کا وہ فعل مباح قرار دیا اور اسے اختیاری حیثیت میں رکھا۔ یوں ایک ہی فعلِ نبوی کے حکم میں صحابہؓ کے مابین اختلاف واقع ہو جاتا تھا۔

مثلاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حج اور عمرہ میں رمل کرنا یعنی طوافِ کعبہ کے دوران پہلے تین پھیروں میں تیز چلنا اور باقی چار پھیروں میں آہستہ چلنا۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ رمل کو سنّت سمجھتے تھے اور خود بھی رمل کیا کرتے تھے (۴)۔ حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تین پھیروں میں تیز تیز چلے اور چار پھیروں میں حج وعمرہ میں معمولی چال سے چلے (۵)۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رمل کرنے کا واقعہ دوسرے زاویہ سے لیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایسا کرنا ضرورت کے تحت تھا۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور

۱۔ صحیح مسلم، کتاب الأضاحی، باب بیان ما کان من النهی عن أکل لحوم الأضاحی بعد ثلاث فی أوّل الإسلام و بیان نسخه و اباحته إلی متی شاء ۱۵۶۱/۳

۲۔ صحیح مسلم، کتاب الأضاحی، باب بیان ما کان من النهی عن أکل لحوم الأضاحی بعد ثلاث فی أوّل الإسلام و بیان نسخه و اباحته إلی متی شاء

۳۔ المغنی ۳۸۱/۱۳

۴۔ صحیح مسلم، کتاب الحج، باب إستحباب الرمل فی الطواف و العمرة ۹۲۰/۲۔ سنن إبن ماجه، کتاب المناسك، باب الرمل حول البیت ۴۳۶/۳

۵۔ صحیح البخاری، کتاب المناسك، باب الرمل فی الحج و العمرة ۲۱۸/۱۔ صحیح مسلم، کتاب الحج، باب استحباب الرمل فی الطواف و العمرة ۹۲۰/۲

آپ کے صحابہؓ جب مکہ آئے تو مشرکین نے کہا تھا: تمہارے پاس ایسی قوم آ رہی ہے جسے یثرب (مدینہ) کے بخار نے کمزور کر دیا ہے۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ سے یہ فرمایا تھا کہ تین پھیروں میں اکڑ کر چلیں اور دونوں رکنوں کے درمیان معمولی چال سے چلیں۔ تمام پھیروں میں رمل کا حکم دینے سے آپ کو کسی چیز نے نہیں روکا سوائے اس کے کہ سہولت آپ کے پیش نظر تھی (۱)۔

مندرجہ بالا واقعہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت رمل کا ایک ہی فعل دو صحابہؓ نے دو مختلف پہلوؤں سے لیا اور اس کے بارے میں دو الگ الگ حکم قائم کر لیے۔

چوتھا سبب

کبھی ایسا ہوتا تھا کہ فعلِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تعبیر میں صحابہ کرامؓ کے مابین اختلاف ہو جاتا تھا۔ مثلاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ہی حج کیا۔ بعض صحابہ کرامؓ کے نزدیک آپ نے حجِ اِفراد کیا، بعض کا خیال تھا کہ آپ نے حجِ قِران کیا اور بعض نے اسے حجِ تمتع سمجھا۔

حجِ اِفراد یہ ہے کہ مقامِ میقات سے صرف حج کی نیت سے احرام باندھا جائے۔ پھر مکہ جا کر مناسکِ حج ادا کرنے کے بعد احرام اتار دیا جائے۔ حجِ قِران میں حج اور عمرہ دونوں کی ایک ساتھ نیت سے احرام باندھ کر مکہ کی طرف سفر اختیار کیا جاتا ہے۔ جبکہ حجِ تمتع میں مقامِ میقات سے صرف عمرہ کی نیت سے احرام باندھا جاتا ہے اور ادائیگی عمرہ کے بعد احرام اتار دیا جاتا ہے، پھر ذوالحجہ کی آٹھ تاریخ کو حج کی نیت سے احرام باندھ کر مناسکِ حج ادا کیے جاتے ہیں۔

حضرت عائشہؓ روایت کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجِ اِفراد کیا تھا (۲)۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت جابر بن عبداللہؓ نے روایت کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجِ قِران کیا تھا (۳)۔

حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ دونوں کے مابین حجِ تمتع اور حجِ قِران کے مسئلہ پر بحث بھی ہوئی تھی (۴)۔ حضرت عثمانؓ حجِ تمتع اور حجِ قِران سے منع کرتے تھے، جبکہ حضرت علیؓ نے حج اور عمرہ دونوں کا احرام باندھا اور لَبَّيْكَ بِعُمْرَةٍ وَّ حَجَّةٍ کہا (۵)۔

۱۔ صحیح البخاری، کتاب المناسك، باب کیف کان بدء الرمل ۱/۲۱۸

۲۔ سنن إبن ماجه، کتاب المناسك، باب الإفراد بالحج ۳/۴۴۴۔ سنن أبی داؤد، کتاب المناسك، باب فی افراد الحج ۲/۱۶

۳۔ سنن إبن ماجه، کتاب المناسك، باب الإفراد بالحج ۳/۴۴۸

۴۔ صحیح مسلم، کتاب الحج، باب جواز التمتع ۲/۸۹۶-۸۹۷

۵۔ صحیح البخاری، کتاب المناسك، باب التمتع و الإقرار و الإفراد بالحج ۱/۲۱۲

پانچواں سبب

سہو اور نسیان بشری تقاضوں میں سے ہیں۔ بعض اوقات ان کے سبب سے بھی اختلاف ظاہر ہوا۔ مثلاً حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا قول ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چار عمرے ادا فرمائے اور پہلا عمرہ رجب میں کیا تھا۔ حضرت عائشہ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ابو عبدالرحمٰن یعنی حضرت عبداللہ بن عمرؓ پر رحم کرے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی عمرہ بھی ایسا نہیں کیا جس میں ابو عبدالرحمٰن شریک نہ ہوئے ہوں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رجب میں کوئی عمرہ نہیں کیا (۱)۔ حضرت انسؓ کا قول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلا عمرہ ذوالقعدہ میں کیا تھا (۲)۔

چھٹا سبب

اختلاف کی ایک وجہ یہ بھی ہوتی تھی کہ راوی صحابی اپنی سُنی ہوئی روایت کو اچھی طرح سمجھ نہ سکے اور اسے آگے نقل کر دیا۔ مثلاً جب فیروز ابولولو کے ہاتھوں حضرت عمرؓ زخمی ہوئے (۳) تو حضرت صہیبؓ روتے ہوئے آپ کے پاس پہنچے اور کہنے لگے: افسوس اے میرے بھائی! افسوس اے میرے ساتھی! حضرت عمرؓ نے فرمایا: اے صہیبؓ! کیا تم مجھ پر روتے ہو؟ حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: إِنَّ الْمَيِّتُ يُعَذَّبُ بِبَعْضِ بُكَاءِ اَهْلِهِ عَلَيْهِ یعنی میّت کو اس کے گھر والوں کے رونے کے سبب سے عذاب ہوتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا بیان ہے کہ جب حضرت عمرؓ انتقال فرما گئے تو میں نے یہ حدیث حضرت عائشہؓ سے بیان کی۔ آپ نے جواب دیا: اللہ تعالیٰ عمرؓ پر رحم کرے، بخدا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ مومن کو اس کے گھر والوں کے رونے کے سبب سے عذاب دیتے ہیں، بلکہ آپ نے فرمایا تھا: إِنَّ اللّٰهَ لَيَزِيْدُ الْكَافِرَ عَذَاباً بِبُكَاءِ اَهْلِهِ عَلَيْهِ (۴) یعنی اللہ تعالیٰ ایک کافر کا عذاب اس کے گھر والوں کے رونے کے سبب سے زیادہ کر دیتے ہیں۔

۱۔ صحيح البخاری، كتاب المناسك،أبواب العمرة، باب كم اعتمر النبی صلی اللّٰه عليه و سلم ۱/ ۲۳۸-۲۳۹

۲۔ حوالہ بالا ۱/ ۲۳۹

۳۔ حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کا پارسی غلام فیروز ابولولو تھا۔ ایک مرتبہ اس نے حضرت عمرؓ سے شکایت کی کہ اس کا آقا اس سے بھاری ٹیکس وصول کرتا ہے۔ اس نے ٹیکس کم کرانے کی درخواست کی۔ آپؓ نے پوچھا: وہ تم سے کتنا ٹیکس لیتے ہیں؟ اس نے جواب دیا: دو درہم روزانہ۔ آپؓ نے اس سے پوچھا: تم کیا کام کرتے ہو؟ اس نے کہا: آہن گری، نجاری اور نقاشی۔ آپؓ نے فرمایا: ان پیشوں کے مقابلہ میں یہ رقم زیادہ نہیں ہے۔ اس فیصلہ پر وہ ناراض ہو کر چلا گیا۔ دوسرے دن نمازِ فجر کے وقت خنجر لے کر مسجد میں آیا۔ جیسے ہی حضرت عمرؓ نے نماز شروع کی فیروز ابولولو نے اچانک آگے بڑھ کر آپؓ پر مسلسل چھ وار کیے اور آپ زخمی ہو کر گر پڑے۔ ماخوذ: تاریخ اسلام از شاہ معین الدین ندوی ۱/ ۱۹۰

۴۔ صحيح البخاری، كتاب الجنائز، باب قول النبی صلی اللّٰه عليه و سلّم يعذب الميت ببعض بكاء أهله عليه ۱/ ۱۷۲

ساتواں سبب

ایک سبب علتِ حکم میں اختلاف کا تھا۔ مثلاً جنازہ کے لیے کھڑا ہونا بعض صحابہؓ کے نزدیک ملائکہ کی تعظیم کی وجہ سے تھا، بعض کی رائے میں یہ موت کے خوف کے سبب سے تھا اور بعض کے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جنازہ کے لیے کھڑا ہونا اس لیے تھا کہ یہودی کا جنازہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک سے اونچا نہ ہو جائے۔

حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ فرمایا کرتے تھے: جنازہ کے ساتھ فرشتے ہوتے ہیں، پس تم اس کے لیے کھڑے ہو جایا کرو(۱)۔ حضرت جابرؓ نے بیان کیا: ایک جنازہ گزرا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو گئے۔ ہم نے عرض کی: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! وہ تو یہودی عورت کا جنازہ ہے۔ آپ نے فرمایا:

إِنَّ الْمَوْتَ فَزَعٌ فَإِذَا رَأَيْتُمُ الْجَنَازَةَ فَقُوْمُوْا (۲)

موت گھبراہٹ کی چیز ہے۔ پس جب تم جنازہ دیکھو تو کھڑے ہو جاؤ۔

حضرت حسنؓ بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک جنازہ گزرا۔ جنازہ سامنے آنے پر لوگ کھڑے ہو گئے۔ آپ نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے ایک یہودی کا جنازہ گزرا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جنازہ کے راستہ میں بیٹھے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ناپسند کیا کہ یہودی کا جنازہ آپ کے سر مبارک سے اونچا ہو جائے، اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو گئے تھے(۳)۔

آٹھواں سبب

بعض اوقات صحابہ کرامؓ نے کسی ایک مسئلہ میں دو مختلف امور کے جمع کرنے میں اختلاف کیا تھا۔ مثال کے طور پر نکاحِ متعہ (۴) سے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اجازت اور ممانعت دونوں بارے میں احادیث آئی ہیں۔ رحلتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نکاحِ متعہ کے حلال یا حرام ہونے پر صحابہ کرامؓ کی آراء مختلف ہو گئیں، اس لیے کہ متعہ کی حلت اور حرمت دونوں امور کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک سے زائد روایات موجود ہیں۔

کئی احادیث مروی ہیں جن میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ خیبر (۷ھ)

۱۔ کتاب المصنّف فی الأحادیث و الآثار، کتاب الجنائز، من قال یقام للجنازة إذا مرت ۳/۲۳۷

۲۔ صحیح مسلم، کتاب الجنائز، باب القیام للجنازة

۳۔ ابن ابی شیبہ، المصنّف، کتاب الجنائز، من قال یقام للجنازة إذا مرت ۳/۲۳۶

۴۔ نکاحِ متعہ میں کوئی شخص مقررہ مدت کے لیے مقررہ مال کے عوض کسی عورت سے فائدہ اٹھاتا تھا۔ اس نکاح میں گواہ ضروری نہیں ہوتے تھے۔ مرد کسی عورت سے یہ کہتا تھا: میں اتنے مال کے عوض اتنے دنوں تک تم سے فائدہ اٹھانا چاہتا ہوں۔ وہ عورت راضی ہو جاتی تو نکاحِ متعہ منعقد ہو جاتا تھا۔

کے موقع پر متعہ کی ممانعت کر دی تھی (۱)۔اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ غزوۂ خیبر سے قبل متعہ جائز تھا۔ پھر فتحِ مکہ کے سال (۸ھ) متعہ کی اجازت دی اور فتحِ مکہ کے موقع پر اس سے منع کر دیا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سالِ اوطاس یا غزوۂ حنین کے سال (۸ھ) تین مرتبہ متعہ کی اجازت دی اور پھر اس سے منع فرما دیا (۲)۔

حضرت عمرؓ خلیفہ بنے تو آپ نے خطبہ میں فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں متعہ کی تین بار اجازت دی، پھر اسے حرام کیا۔ اللہ کی قسم! اب اگر مجھے معلوم ہوا کہ کسی شادی شدہ نے متعہ کیا تو میں اسے پتھروں سے رجم کروں گا، سوائے اس کے کہ وہ چار گواہ لائے جو گواہی دیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے متعہ حرام کرنے کے بعد اسے پھر حلال کیا تھا (۳)۔

جمہور صحابہؓ یہ موقف رکھتے تھے کہ متعہ کی ممانعت آ چکی ہے۔ اس پر متواتر احادیث ہیں۔ اس لیے اب وہ حرام ہے (۴)۔ لیکن حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے نزدیک متعہ جائز تھا اور وہ اسے حالتِ ضرورت میں جائز بتاتے تھے۔ مزید یہ کہ ان سے مروی یہ قول نقل کیا گیا ہے: متعہ تو اُمتِ محمدیہ پر اللہ تعالیٰ کی جانب سے ایک رحمت تھی۔ اگر عمرؓ اسے ممنوع قرار نہ دیتے تو شاید کوئی بد بخت ہی زنا کا مرتکب ہوتا (۵)۔

مالکی فقیہ ابن عبدالبرؒ نے لکھا ہے: بعض روایات میں آیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے جوازِ متعہ کے اپنے قول سے رجوع کر لیا تھا، ایسے تمام آثار ضعیف ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ سے جوازِ متعہ کے آثار ہی صحیح ہیں (۶)۔ حضرت جابرؓ نے فرمایا: حضرت ابن عباسؓ نے ابھی یہ دنیا چھوڑی نہیں تھی کہ انہوں نے بیع صَرف (۷) اور متعہ کے بارے میں اپنے قول سے رجوع کر لیا تھا (۸)۔

۱۔ صحیح البخاری، کتاب النکاح، باب نهی رسول صلی اللّٰه علیه وسلّم عن نکاح المتعة اخیرًا ۲/۷۶۷۔ صحیح مسلم، کتاب النکاح، باب نکاح المتعة و بیان أنه أبیح ثم نسخ ثم أبیح ثم نسخ و استقر تحریمه إلی یوم القیامة ۲/۱۰۲۷۔ السنن الکبریٰ، کتاب النکاح، باب نکاح المتعة ۷/۲۰۱۔ الموطا، کتاب النکاح، باب نکاح المتعة ص ۴۲۷

۲۔ السنن الکبریٰ، کتاب النکاح، باب نکاح المتعة ۷/۲۰۴۔ صحیح مسلم، کتاب النکاح، باب نکاح المتعة و بیان أنه أبیح ثم نسخ ثم أبیح ثم نسخ واستقر تحریمه إلی یوم القیامة ۲/۱۰۲۵۔ ابن ابی شیبہ، المصنّف، کتاب النکاح، فی نکاح المتعة و حرمتها ۳/۳۹۰

۳۔ سنن إبن ماجه، کتاب النکاح، باب النهی عن نکاح المتعة ۲/۴۷۱

۴۔ الإستذکار ۵/۵۰۵۔ بدایة المجتهد و نهایة المقتصد ۴/۳۳۴

۵۔ صحیح البخاری، کتاب النکاح، باب نهی رسول صلی اللّٰه علیه و سلم من نکاح المتعة اخیرًا ۲/۷۶۷۔ الإستذکار ۴/۶۱، ۵/۵۰۶۔ ابن حزم، المحلی بالآثار ۹/۱۲۹

۶۔ الإستذکار ۵/۵۰۷

۷۔ یعنی سکہ کا سکہ سے تبادلہ مثلاً روپیہ کا روپیہ سے تبادلہ

۸۔ احسن الهدایة ۴/۶۲

نواں سبب

کبھی ایسا ہوا کہ دو مختلف حکم اس نوعیت کے ہوتے تھے کہ ایک حکم کو جزوی طور پر دوسرے حکم میں شامل کرنے کی گنجائش ہوتی اور کبھی دونوں حکموں کا بعض اجزاء میں تعارض واختلاف ہوتا۔ ایک حکم سے ایک بات ثابت ہوتی اور دوسرے سے اس کے خلاف ثابت ہوتا۔ ایسی صورت میں صحابہؓ میں اختلاف پیدا ہو جاتا تھا۔ مثلاً قرآن مجید کی ایک آیت ہے:

وَ الَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَ يَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَ عَشْرًا(۱)

اور تم میں سے جو لوگ فوت ہو جائیں اور عورتیں چھوڑ جائیں تو وہ عورتیں اپنے آپ کو چار مہینے اور دس دن روکے رکھیں۔

مندرجہ بالا آیت کی رو سے جس کا شوہر فوت ہو جائے اس عورت کی عدّت چار ماہ دس دن ہے۔ یہ آیت اپنے حکم کے اعتبار سے مطلق ہے۔ اس بنا پر یہ گمان ہوتا ہے کہ حاملہ بیوہ کی عدّت کا حکم بھی یہی ہے۔ قرآن مجید کی ایک اور آیت ہے:

وَ اُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ (۲)

اور حمل والی عورتوں کی عدّت وضعِ حمل تک ہے۔

اس آیت میں حاملہ عورتوں کی عدّت وضعِ حمل ہے۔ اس طرح حاملہ عورت جس کا خاوند فوت ہو جائے، وہ مندرجہ بالا دونوں آیات کے تحت آ سکتی ہے۔ ایک آیت کی رو سے ایسی عورت کی عدّت چار ماہ دس دن ہے اور دوسری آیت کے اعتبار سے اس کی عدّت وضعِ حمل ہے۔

اسی بنا پر صحابہؓ میں اختلاف ہوا۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے نزدیک حاملہ بیوہ کی عدت آخر الاَجلین یعنی دونوں عدّتوں میں سے آخری عدّت ہے، جبکہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے نزدیک اس کی عدّت وضعِ حمل ہے۔ حضرت ابن مسعودؓ کا قول ہے: چھوٹی سورت النسآء (یعنی سورت الطلاق) بڑی سورت النسآء (یعنی سورت البقرۃ) کے بعد نازل ہوئی تھی (۳)۔

۱۔ البقرۃ ۲:۲۳۴

۲۔ الطلاق ۶۵:۴

۳۔ صحیح البخاری، کتاب التفسیر، سورۃ الطلاق، باب قولہ: وَ اُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ۲/۷۲۹

دسواں سبب

اختلاف کا ایک سبب لفظ کا ایک سے زیادہ معانی میں مشترک ہونا بھی ہے۔ اگر قرآن یا سنت کی کسی نص سے ثابت حکم میں ایسا لفظ آ جائے جو اہلِ عرب کے کلام میں دو یا زیادہ معانی میں مستعمل تھا تو بعض صحابہؓ نے اس لفظ کو ایک معنی میں لیا جبکہ دیگر صحابہؓ نے اس لفظ کا دوسرا معنی اختیار کیا۔ مثلاً قرآن مجید میں ہے:

وَ الْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ(۱)

اور مطلّقہ عورتیں اپنے آپ کو تین قروء رو کے رکھیں یعنی تین قروء تک وہ نکاح ثانی نہ کریں۔

اس آیت میں لفظ قُرُوْٓء مشترک ہے جو دو معنوں پر محمول کیا جا سکتا ہے: ایک حیض اور دوسرا طہر۔ حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کے نزدیک قُرُوْٓء سے مراد حیض ہے، جبکہ حضرت عائشہؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت زید بن ثابتؓ نے اس سے طہر مراد لیا ہے۔ یوں ایک لفظ میں معانی کے اشتراک سے صحابہ کرامؓ کے مابین اختلاف ہوا۔ یہ اختلاف ان کے درمیان مشہور تھا اور کسی نے دوسرے کے قول کی تردید نہیں کی (۲)۔

اختلافِ صحابہؓ کا اثر و نفوذ

صحابہ کرامؓ کا اختلاف جب تابعین اور ان کے بعد والوں تک پہنچا تو انہوں نے اپنے زمانوں میں اس اختلاف کو حسبِ توفیق واحوال لیا۔ انہوں نے قرآن مجید اور سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ صحابہ کرامؓ کی اختلافی آراء سے بھی استفادہ کیا۔ صحابہ کرامؓ کے اختلاف سے کسی مسئلہ کا شرعی حکم معلوم کرنے میں سہولت پیدا ہوئی، استنباطِ احکام کی جہتیں متعین ہوئیں اور اس طرح فقہی مذاہب کی تکوین ہوئی۔

بعد والوں نے اقوالِ صحابہؓ کو جمع کیا اور بعض اقوال کو دوسرے اقوال پر ترجیح دی۔ ائمہ فقہاء و مجتہدین کے اختلاف کا اکثر حصہ اختلافِ صحابہؓ پر مبنی ہے۔ ایسا بھی ہوا کہ کسی مسئلہ میں صحابہؓ کے جتنے اختلافی اقوال تھے، بعد میں اس مسئلہ پر فقہاء کے بھی اتنے ہی گروہ بن گئے۔ لیکن فقہاء کرام اقوالِ صحابہؓ سے باہر نہیں گئے۔ وہ جانتے تھے کہ اختلافی مسائل میں حق اقوالِ صحابہؓ ہی میں ہے۔

ذیل میں چند مسائل بطور مثال بیان کیے جاتے ہیں جن سے بخوبی پتہ چلتا ہے کہ صحابہؓ کے مابین اختلاف کی نوعیت کیا تھی اور اس اختلاف نے بعد میں فقہی مذاہب کو کس حد تک متاثر کیا۔

جیسا کہ اوپر اختلافِ صحابہؓ کے پہلے سبب میں بیان کیا گیا کہ مطلّقہ بائنہ کو نفقہ ملنے یا نہ ملنے کے بارے

۱۔ البقرة ۲۲۸:۲

۲۔ جصاص، احکام القرآن ۱/۳۶۴

میں حضرت عمرؓ اور حضرت عائشہؓ نے حضرت فاطمہ بنت قیسؓ کی بات تسلیم نہیں کی تھی۔ اس اختلاف کا اثر بعد کے فقہاء پر بھی ہوا۔ احناف اور مالکی فقہاء کہتے ہیں کہ رجعی یا بائن طلاق ملنے پر مطلّقہ کو نفقہ اور رہائش ملے گی۔ امام شافعیؒ اور حنبلی فقہاء کے نزدیک رجعی طلاق کی صورت میں مطلّقہ کے لیے نفقہ ہے، لیکن مطلّقہ بائنہ یا ثلاثہ اگر حاملہ ہے تو اسے نفقہ ملے گا ورنہ نہیں ملے گا(۱)۔ یوں احناف اور مالکیوں نے حدیث کو نہیں لیا بلکہ حضرت عمرؓ کے فتویٰ پر عمل کیا ہے جبکہ شافعیہ اور حنابلہ نے حضرت فاطمہؓ کی روایت لی ہے۔

حضرت عمرؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے نزدیک جو شخص حالتِ جنابت میں ہو اُس کے لیے تیمم جائز نہیں ہے(۲)۔ ان دونوں حضرات کی یہ رائے تھی کہ تیمم طہارتِ کُبریٰ یعنی غسل کا بدل نہیں ہے(۳)۔

اس مسئلہ میں دیگر صحابہ کرامؓ جن میں حضرت علیؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت عمرو بن العاصؓ، حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ اور حضرت عمارؓ بن یاسرؓ وغیرہ شامل ہیں، ان کا یہ موقف تھا کہ جُنبی کے لیے تیمم کرنا جائز ہے اور تیمم طہارتِ کُبریٰ کا بدل ہے(۴)۔ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے اس مسئلہ میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے ساتھ بحث بھی کی تھی جس کی تفصیل امام بخاریؒ نے بیان کی ہے۔ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے حضرت ابن مسعودؓ سے پوچھا: اگر کوئی شخص جُنبی ہو جائے اور ایک مہینہ تک پانی نہ پائے تو کیا وہ تیمم کر کے نماز ادا کرے گا؟ حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا: ایسا شخص تیمم نہ کرے، خواہ اسے ایک ماہ تک پانی نہ ملے۔ اس پر حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے فرمایا: کیا آپ سورت المائدۃ کی یہ آیت نظر انداز کر دیں گے: ﴿فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا﴾ (۵) (پھر تم پانی نہ پاؤ تو پاک مٹی سے تیمم کرلو)؟ حضرت ابن مسعودؓ نے جواب دیا: اگر لوگوں کو اس بارے میں اجازت دے دی جائے تو پھر جب انہیں پانی ٹھنڈا لگے گا تو وہ مٹی سے تیمم کرلیا کریں گے۔

حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے فرمایا: کیا آپ نے حضرت عمار بن یاسرؓ کا حضرت عمرؓ سے یہ کہنا نہیں سنا: مجھے غسل کی ضرورت پڑی اور میں نے پانی نہ پایا تو میں زمین میں مٹی پر یوں لوٹ پوٹ ہو گیا جیسے جانور لوٹ پوٹ ہوتا ہے۔ پھر میں نے اس کا ذکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا تو آپ نے فرمایا: اِنَّمَا كَانَ يَكْفِيْكَ اَنْ تَصْنَعَ هٰكَذَا یعنی تمہیں صرف اس طرح کر لینا کافی تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ہتھیلی مبارک سے ایک ضرب زمین پر ماری پھر اسے جھاڑ دیا۔ اس کے بعد اپنے ہاتھ کی پشت کو ہاتھ سے مسح فرمایا اور پھر آپ نے دونوں ہاتھوں سے

۱۔ أحسن الهداية ۲۶۲/۵ ومابعد۔ المغني ۶۰۶/۷ ومابعد

۲۔ ابن ابی شیبہ، المصنّف، كتاب الطهارات، من قال لا يتيمم حتى يجد الماء ۱۸۳/۱۔ المحلّى بالآثار ۳۶۷/۱۔ الإستذكار ۳۰۳/۱

۳۔ بداية المجتهد و نهاية المقتصد ۵/۲

۴۔ المغني ۳۳۴/۱۔ بداية المجتهد و نهاية المقتصد ۵/۲۔ المحلّى بالآثار ۳۶۷/۱

۵۔ المآئدة ۶:۵

اپنے چہرہ مبارک کا مسح کرلیا۔ حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا: کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ حضرت عمرؓ نے حضرت عمارؓ کے قول پر بھروسہ نہیں کیا تھا۔(۱)۔

جُنبی کے لیے تیمّم کے اس مسئلہ پر صحابہؓ میں اختلاف کے دو اسباب تھے: قرآن مجید کی آیتِ تیمّم کے معنی میں احتمال اور جُنبی کے تیمّم سے متعلق موجود احادیث کو اپنے غالب گمان کے مطابق صحیح اور قابلِ حجت قرار نہ دینا۔

جُنبی شخص کے لیے تیمّم کے مخالف صحابہ کرامؓ یہ رائے رکھتے تھے کہ قرآن مجید کی آیت: ﴿وَ اِنْ كُنْتُمْ جُنُباً فَاطَّهَّرُوْا﴾ (۲) (اور جب تم حالتِ جنابت میں ہو تو پاک ہو جاؤ) میں جُنبی کے لیے غسل لازم قرار دیا گیا ہے(۳)۔ پھر قرآنی آیات: ﴿فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا﴾ (۴) (پھر تم پانی نہ پاؤ تو پاک مٹی سے تیمّم کرلو) میں یہ احتمال ہے کہ یہاں حدثِ اصغر مراد ہو اور یہ احتمال بھی ہے کہ حدثِ اصغر اور حدثِ اکبر دونوں اکٹھے مراد ہوں (۵)۔ حدثِ اصغر وہ ناپاکی ہے جو وضو کرنے سے دُور کی جا سکتی ہے، جیسے بے وضو ہونا اور وضو کے بغیر نماز نہیں ہو سکتی۔ حدثِ اکبر سے مراد وہ ناپاکی ہے جس سے پاک ہونے کے لیے غسل کرنا ضروری ہے۔

مزید یہ کہ آیت کے الفاظ: ﴿اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ﴾ (۶) (یا تم نے اپنی بیویوں سے لمس کیا ہو) کی تفسیر میں بھی اختلاف ہے۔ اس گروہ کے نزدیک لمس سے مراد ہاتھ سے چھونا ہے، جماع مراد نہیں ہے(۷)۔ لہٰذا جُنبی شخص رخصتِ تیمّم کے تحت نہیں آتا بلکہ اس پر قرآنِ مجید کی آیت: ﴿وَ اِنْ كُنْتُمْ جُنُباً فَاطَّهَّرُوْا﴾ (۸) کی رو سے غسل لازم ہے، اس کے لیے تیمّم جائز نہیں ہے۔

اس اختلاف کا دوسرا سبب حدیث کی صحت میں شک کرنا، یا اسے یاد نہ ہونے کی وجہ سے حدیث کو تسلیم نہ کرنا تھا۔ اسی لیے حضرت عمرؓ نے حضرت عمارؓ کی روایت پر عمل نہیں کیا تھا۔ حضرت عمرؓ سے حضرت عمارؓ نے کہا تھا: کیا آپ کو یاد نہیں کہ ہم سفر میں تھے اور دونوں کو غسل کی حاجت ہوگئی۔ آپ نے نماز ادا نہیں کی تھی اور میں نے مٹی میں لوٹ کر نماز ادا کرلی تھی۔ پھر میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ واقعہ بیان کیا۔ آپ نے فرمایا تھا: اِنَّمَا كَانَ يَكْفِيْكَ اَنْ تَصْنَعَ هٰكَذَا تمہیں صرف یہ کافی تھا، پھر آپ نے اپنے دونوں ہاتھ زمین پر مارے اور ان پر پھونک

۱۔ صحیح البخاری، کتاب التیمم، باب التیمم ضربة ۱/۵۰

۲۔ المآئدة ۵:۶

۳۔ المحلّٰی با لآثار ۱/۳۶۷

۴۔ النسآء ۴:۴۳، المآئدة ۵:۶

۵۔ بداية المجتهد ونهاية المقتصد ۲/۵

۶۔ النسآء ۴:۴۳، المآئدة ۵:۶

۷۔ جصاص، أحكام القرآن ۲/۳۶۹۔ بداية المجتهد و نهاية المقتصد ۶

۸۔ المآئدة ۵:۶

دیا۔ پھر ان سے اپنے منہ اور ہاتھوں پر مسح کر لیا(۱)۔ ایک روایت میں یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے حضرت عمارؓ سے کہا تھا: اے عمار! اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔ حضرت عمارؓ نے فرمایا: اگر آپ کہیں تو میں یہ حدیث بیان نہیں کروں گا(۲)۔

حضرت عمرؓ کو یہ واقعہ یاد نہیں تھا۔ آپ نے حضرت عمارؓ کی روایت کو نہیں جھٹلایا اور نہ ان کے حدیث بیان کرنے پر پابندی لگائی تھی۔ لیکن حضرت عمرؓ نے خود اس حدیث پر عمل نہیں کیا۔ آپ کو اس واقعہ کی صحت پر یقین نہیں تھا۔ اس مسئلہ میں حضرت عمرؓ کو حدیثِ عمارؓ کے علاوہ کوئی اور حدیث نہیں پہنچی تھی۔

جو صحابہ کرامؓ جُنبی شخص کے لیے تیمّم جائز قرار دیتے ہیں ان کے نزدیک حدیثِ عمارؓ اور بعض دوسری احادیث (۳) سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جُنبی کے لیے تیمّم جائز ہے اور حدیثِ عمارؓ پر عمل واجب ہونے میں حضرت عمرؓ کا بھول جانا کوئی اثر نہیں رکھتا(۴)۔ جُنبی کے لیے تیمّم کے قائلین صحابہ کرامؓ کے نزدیک آیت: ﴿ أَوْ لَـٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ ﴾(۵) میں لمس سے مراد جماع ہے (۶)۔

اس مسئلہ میں صحابہ کرامؓ کا یہ اختلاف بعد والے طبقات کو منتقل ہوا۔ لہٰذا حضرت عمرؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی طرح فقیہِ عراق امام ابراہیم نخعیؒ بھی جُنبی کے لیے تیمّم کے قائل نہیں تھے(۷)۔ لیکن عام فقہاء کے نزدیک جنابت میں تیمّم درست ہے۔ تیمّم طہارتِ کُبریٰ یعنی غسل کا بدل ہے۔ انہوں نے حضرت علیؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت عمرو بن العاصؓ، حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ اور حضرت عمارؓ وغیرہ کا مذہب اختیار کیا ہے(۸)۔

۱۔ صحيح البخاري، كتاب التيمم، باب التيمم ضربة ۱/۵۰

۲۔ صحيح مسلم، كتاب الحيض، باب التيمم ۱/۲۸۱

۳۔ ملاحظہ ہو: صحيح البخاري، كتاب التيمم، باب إذا خاف الجنب على نفسه المرض أو الموت ۱/۵۰۔ صحيح مسلم، كتاب المساجد، باب قضاء الصلوٰة الفائتة ۱/۴۷۵۔ جامع الترمذي، كتاب الطهارات، باب التيمم للجنب إذا لم يجد الماء ۱/۹۲ و مابعد۔ سنن أبي داؤد، كتاب الطهارة، باب الجنب يتيمم ۱/۱۳۲ و مابعد۔ السنن الكبرىٰ، كتاب الطهارة، باب الجنب يكفيه التيمم إذا لم يجد الماء ۱/۲۱۶۔ سنن النسائي، كتاب الطهارة، باب التيمم بالصعيد ۱/۱۸۶ و مابعد، حوالہ سابق، باب الصلوات بتيمم واحد ۱/۱۸۷

۴۔ بداية المجتهد و نهاية المقتصد ۲/۷

۵۔ النسآء ۴:۴۳، المآئدة ۵:۶

۶۔ جصاص، احكام القرآن ۲/۳۶۹

۷۔ المحلىٰ بالآثار ۱/۳۶۷

۸۔ بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع ۱/۴۵۔ المدونة الكبرىٰ ۱/۱۴۵۔ بداية المجتهد ونهاية المقتصد ۲/۵۔ المجموع شرح المهذب ۲/۲۰۷۔ المغني ۱/۳۳۴۔ المحلىٰ بالآثار ۱/۳۶۷۔ الإستذكار ۱/۳۰۳

اسلامی قانون

میں اجتہاداتِ صحابہؓ سے استدلال

اسلامی قانون اجتہاداتِ صحابہؓ سے مالا مال ہے۔فقہاء کرامؒ نے احکام اخذ کرنے میں اجتہاداتِ صحابہؓ کومختلف حیثیتوں سے بنیاد بنایا ہے۔فقہاء نے غیر منصوص مسائل میں اپنی رائے دینے سے قبل یہ انتہائی کوشش کی کہ انہیں کسی صحابی کا کوئی حکم، فیصلہ، فتویٰ، رائے یا عمل مل جائے۔ اگر انہیں کسی صحابی کا کوئی اثر مل گیا تو جس حد تک اور جس طور سے ممکن ہوا، فقہاء کرام نے اس اثرِ صحابی سے استدلال کیا۔اس امر کی شہادت اسلامی قانون کے موجودہ قابلِ فخر ذخیرہ سے ملتی ہے۔فقہاء نے کسی مسئلہ کا حکم دریافت کرنے میں اجتہاداتِ صحابہؓ سے کس حد تک استدلال کیا، اس کا اندازہ درج ذیل ایک مثال سے لگایا جاسکتا ہے:

احناف کے نزدیک اگر کسی شخص نے حالتِ احرام میں اپنے زخم یا پاؤں کے پھٹنوں پر زیتون کا تیل دوا کے طور پر استعمال کیا تو اس سے کفارہ واجب نہیں ہوتا۔زیتون کا تیل اگرچہ خوشبو کی اصل تو بن سکتا ہے لیکن وہ خود خوشبو نہیں ہے(۱)۔امام محمد شیبانیؒ نے یہ مسئلہ ان الفاظ میں بیان کیا ہے: وَاِنْ دَهَنَ شِقَاقُ رِجلِهِ بِزَيْتٍ اَوْ بِشَحْمٍ اَوْ بِسَمَنٍ لَمْ يَكُنْ عَلَيْهِ شَیْءٌ (۲)یعنی اگر مُحرم نے اپنے پاؤں کے پھٹنوں پر زیتون کا تیل یا چربی یا گھی دوا کے طور پر لگایا تو اس پر کچھ واجب نہیں ہے۔حنفی فقیہ کاسانیؒ لکھتے ہیں: اس پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ شق یعنی پھٹنا کی جمع شقوق ہے، جبکہ اس عبارت میں لفظ شقاق ہے۔کاسانیؒ نے اس اعتراض کا یہ جواب دیا ہے کہ امام محمدؒ نے یہ لفظ حضرت عمرؓ کی اقتداء میں استعمال کیا ہے، کیونکہ حضرت عمرؓ نے اس مسئلہ میں یہ لفظ یونہی بولا ہے۔ ہمارے اصحاب کی یہ عادت ہے کہ وہ صحابہ کرامؓ کے کلام کے صرف معانی ہی نہیں بلکہ ان کے الفاظ میں بھی ان کی اقتداء کرتے ہیں (۳)۔

۱۔ بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع ۱۹۰/۲

۲۔ کتاب الأصل ۴۷۶/۲

۳۔ بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع ۱۹۰/۲

ذیل میں مختلف عنوانات کے تحت فقہِ اسلامی کے مواد کا ایک طائرانہ جائزہ لیا گیا ہے۔ اس سے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ غیر منصوص مسائل کا شرعی حکم متعین کرنے میں فقہائے اُمت نے اجتہاداتِ صحابہؓ سے بہت استفادہ کیا ہے۔ یہاں ہر مسئلہ پر ہر مذہب کی رائے اور اس رائے کو اختیار کرنے کے دلائل بیان نہیں کیے جا رہے، بلکہ صرف یہ جائزہ لیا گیا ہے کہ ایک مذہب کے فقہاء نے کسی مسئلہ کا شرعی حکم معلوم کرنے کے لیے کس حد تک اجتہاداتِ صحابہؓ پر انحصار کیا ہے۔

طہارت

۱۔ پانی سے متعلق پوچھنا اور جواب دینا

حنبلی فقیہ ابن قدامہؒ نے لکھا ہے: اگر انسان راستہ میں پانی پائے تو اس کے بارے میں پوچھنا اس پر لازم نہیں ہے، کیونکہ اس پانی کی اصل یہ ہے کہ وہ پاک ہے (۱)۔ اس کی دلیل یہ واقعہ ہے کہ حضرت عمرؓ اور حضرت عمرو بن العاصؓ کچھ سواروں کے ہمراہ ایک راستہ میں تھے۔ انہیں ایک حوض ملا۔ حضرت عمرو بن العاصؓ نے صاحبِ حوض سے پوچھا: کیا تمہارے حوض پر درندے پانی پینے آتے ہیں؟ حضرت عمرؓ نے فرمایا: اے حوض والے! ہمیں مت بتا، کیونکہ کبھی ہم درندوں سے آگے آتے ہیں اور کبھی درندے ہم سے پہلے پانی پر پہنچ جاتے ہیں (۲)۔

اگر کسی نے ایسے پانی سے متعلق سوال پوچھا تو حنبلی فقیہ ابن عقیلؒ کے مطابق مسئول پر لازم نہیں ہے کہ وہ سائل کے سوال کا جواب دے۔ اس کی دلیل حضرت عمرؓ کا یہی اثر ہے (۳)۔

۲۔ کنویں میں نجاست گر جائے

احناف کے مطابق اگر کنویں میں نجاست گر جائے تو اس کا پانی نکالا جائے گا جس کے بعد وہ کنواں پاک ہو جائے گا۔ ان کے ہاں نجاست کی مقدار کے اختلاف سے پانی نکالنے کی مقداریں مختلف ہیں (۴)۔ حنفی فقیہ سَرَخْسِیؒ کہتے ہیں کہ کنویں کا پانی نکال کر کنویں کی طہارت کا حکم ہم نے آثارِ صحابہؓ سے معلوم کیا ہے۔ اس بارے میں حضرت علیؓ اور حضرت ابو سعید خدریؓ کے فتاویٰ مشہور ہیں (۵)۔

۳۔ کپڑوں پر تھوڑی نجاست لگ جائے

احناف کہتے ہیں: اگر کپڑوں پر قلیل نجاست لگ جائے تو اس حالت میں نماز استحساناً جائز ہے، خواہ وہ

۱۔ المغنی ۱/۸۷

۲۔ الموطا، کتاب الطهارة، باب الطهور للوضوء ص ۵۱

۳۔ المغنی ۱/۸۸

۴۔ تفصیل ملاحظہ ہو: بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع ۱/۷۵ ومابعد

۵۔ المحرر فی أصول الفقه ۲/۸۷

نجاست خفیفہ ہو یا نجاست غلیظہ ہو(۱)۔ان کی دلیل حضرت عمرؓ کا ایک قول ہے۔آپ سے اس قلیل نجاست کے متعلق پوچھا گیا جو کپڑے کو لگ جائے تو آپ نے فرمایا: اگر نجاست میرے ناخن کے برابر ہو تو اس سے نماز جائز ہے۔اس مسئلہ میں حنفی فقہاء نے حضرت عمرؓ کا قول لیا ہے، حالانکہ قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ اتنی مقدار سے نماز جائز نہ ہو، جیسا کہ ایک حنفی فقیہ امام زفرؒ نے یہ رائے اختیار کی ہے(۲)۔

۴۔ کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا بھول جانا

اگر کسی نے وضو کیا اور کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا بھول گیا، یا وہ جنبی تھا اور کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا بھول گیا، پھر اس نے نماز ادا کی، تو حنفی فقیہ امام محمد شیبانیؒ نے فرمایا: جس نے وضو کیا اس کی نماز مکمل ہوگئی۔جس نے غسل جنابت کیا، یا جو عورت حیض سے پاک ہوئی تو وہ کلی کرے، ناک میں پانی ڈالے اور دوبارہ نماز ادا کرے۔

امام محمد شیبانیؒ کہتے ہیں کہ یہ دونوں امور قیاس میں برابر ہیں لیکن ہم نے قیاس کو ایک اثر کی وجہ سے چھوڑ دیا ہے جو حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی طرف سے ہمیں ملا ہے(۳)۔حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا تھا: جس نے غسل جنابت کیا لیکن اس نے کلی نہ کی اور ناک میں پانی نہ ڈالا تو وہ دوبارہ وضو کرے اور جو شخص وضو میں یہ کام چھوڑ دے تو وہ نہ دہرائے(۴)۔

۵۔دورانِ غسل آنکھوں کو اندر سے دھونا

بعض شافعی فقہاء کے نزدیک دورانِ غسل آنکھوں کو اندر سے دھونا مستحب ہے(۵)۔اس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ جب غسل جنابت فرماتے تو اپنی آنکھوں کے اندر چھینٹے مارتے تھے(۶)۔

۱۔ احناف کہتے ہیں کہ نجاست کی دو اقسام ہیں: غلیظہ اور خفیفہ۔ان کی تعریفوں میں امام ابوحنیفہؒ اور صاحبین یعنی امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے مابین اختلاف ہے: امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک غلیظہ نجاست وہ ہے جس کا ثبوت ایسی نص سے ہو جس کے متضاد کوئی اور نص نہیں ہے۔نجاست خفیفہ کا ثبوت ایسی نص سے ہوتا ہے جس کے متضاد کوئی اور نص موجود ہے یعنی کوئی اور نص اس چیز کو پاک ثابت کر رہی ہے۔صاحبین کہتے ہیں کہ نجاست غلیظہ کا ثبوت اِجماع سے ہوتا ہے اور اُمت اسے نجاست تسلیم کرتی ہے جبکہ نجاست خفیفہ کے نجاست ہونے میں اُمت کا اختلاف ہے۔نجاست غلیظہ میں خون، پیشاب اور شراب وغیرہ ہیں جن کا نجس ہونا قطعی نص سے ثابت ہے۔نجاست خفیفہ میں حلال جانوروں کا پیشاب شامل ہے۔حلال جانوروں کے پیشاب کے نجس ہونے اور اس کے پاک ہونے دونوں پر احادیث موجود ہیں۔ أحسن الهداية ۲۶۹/۱

۲۔ بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع ۷۹/۱

۳۔ کتاب الأصل ۴۱/۱

۴۔ ابو یوسف، کتاب الآثار ص ۱۳۔ابن ابی شیبہ، المصنّف، کتاب الطهارات، فی الرجل ینسی المضمضة والإستنشاق ۲۲۴/۱

۵۔ المجموع شرح المهذب ۳۶۷/۱

۶۔ الموطا، کتاب الطهارة، باب العمل فی غسل الجنابة ص ۶۶

۶۔حیض کے خون کی رنگت

احناف کہتے ہیں: اگر حیض کالے رنگ کا آئے تو بالاتفاق حیض ہے اور اگر رنگت سرخ، زرد یا مٹیالی ہو تو اس کا حکم بھی یہی ہے۔ان کی دلیل یہ ہے کہ حضرت عائشہؓ سے عورتیں پوچھتی تھیں کہ کیا حائضہ زرد رنگت دیکھنے پر غسل کر کے نماز ادا کر لے؟ حضرت عائشہؓ فرماتیں: نہیں، بلکہ جب تک تم چونے کی طرح بالکل سفید رنگ کا خون نہ دیکھ لو(۱)۔حضرت عائشہؓ نے سفید رنگ کے علاوہ ہر رنگ کا خون حیض قرار دیا ہے۔احناف کا موقف ہے کہ بظاہر حضرت عائشہؓ نے یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سن کر فرمائی ہوگی، کیونکہ محض اجتہاد سے اس چیز کا ادراک نہیں کیا جا سکتا(۲)۔

۷۔حاملہ کب نماز چھوڑے

مالکی فقہاء کہتے ہیں: اگر حاملہ خون دیکھے تو نماز چھوڑ دے۔انہوں نے اپنے مسلک کی بنیاد حضرت عائشہؓ کے قول پر رکھی ہے۔آپ سے پوچھا گیا: اگر حاملہ خون دیکھے تو کیا وہ نماز ادا کرلے؟ حضرت عائشہؓ نے فرمایا: وہ نماز نہ ادا کرے، حتیٰ کہ اس سے خون دور ہو جائے(۳) اور فرمایا: وہ نماز کو چھوڑ دے(۴)۔امام مالکؒ نے فرمایا: ہمارے نزدیک یہی حکم ہے(۵)۔

وضو

۸۔کانوں کا مسح کس پانی سے کیا جائے

امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک دورانِ وضو کانوں کا مسح کرنے کے لیے از سرِ نو پانی استعمال کیا جائے گا۔جس پانی سے سر کا مسح کیا ہو، اسی پانی سے کانوں کا مسح نہیں کیا جائے گا(۶)۔ان کی دلیل حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا عمل ہے۔آپ اپنے کانوں کے مسح کے لیے دو انگلیوں سے پانی لیتے تھے(۷)۔

۹۔مشرک کے پانی سے وضو کرنا

امام شافعیؒ نے فرمایا: مشرک کے پانی سے وضو کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، جب تک یہ معلوم نہ ہو کہ

۱۔ عبدالرزاق، المصنّف، کتاب الحیض، باب کیف الطهر ۳۰۲/۱
۲۔ الهدایة ۶۱/۱۔ بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع ۳۹/۱
۳۔ المدوّنة الکبریٰ ۱۵۵/۱
۴۔ الموطا، کتاب الطهارة، باب جامع الحیضة ص ۷۶
۵۔ الإستذکار ۳۲۷/۱
۶۔ الإستذکار ۱۹۸/۱-۱۹۹۔ المغنی ۱۵۰/۱
۷۔ الموطا، کتاب الطهارة، باب ما جاء فی المسح بالرأس و الأذنین ص ۵۸۔عبدالرزاق، المصنّف، کتاب الطهارة، باب مسح بالأذنین ۱۲/۱-۱۳

اس میں نجاست ہے۔ پانی جس کے پاس بھی ہو اور جہاں بھی ہو وہ پاک ہے، جب تک ہم یہ نہ جان لیں کہ اس میں نجاست ملی ہوئی ہے۔ امام شافعیؒ نے اپنے موقف کی تائید میں حضرت عمرؓ کا عمل پیش کیا ہے کہ انہوں نے ایک مرتبہ ایک مسیحی عورت کے گھڑے میں موجود پانی سے وضو کیا تھا(۱)۔

۱۰۔ بُری بات کہنے یا نماز میں ہنسنے پر وضو کرنا

شافعی فقہاء کے مطابق مستحب یہ ہے کہ جو شخص نماز میں ہنس پڑے اور جو شخص قبیح بات کہے تو وہ دوبارہ وضو کرے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا تھا: مجھے پاک کھانے کے بعد وضو کرنے سے زیادہ پسندیدہ یہ امر ہے کہ میں کوئی گندی بات کرنے کے بعد وضو کروں (۲)۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا تھا: ناپاکی دو طرح کی ہے: ایک زبان کی ناپاکی اور دوسری شرم گاہ کی ناپاکی۔ ان دونوں میں زیادہ ناپاک زبان کی ناپاکی ہے(۳)۔ شافعی فقیہ ابو اسحاق شیرازیؒ نے ان آثار کو شرعی وضو پر محمول کیا ہے جو کہ معروف اعضاء یعنی ہاتھ، چہرہ، بازو اور پاؤں کا دھونا ہے(۴)۔

۱۱۔ دورانِ نماز نکسیر پھوٹنا

امام مالکؒ نے فرمایا: جس کی دورانِ نماز نکسیر پھوٹی اور اس سے کوئی چیز بہہ نکلی یا قطرے نکلے، خواہ وہ قلیل ہوں یا کثیر، تو وہ اسے اپنے سے دھو کر اپنی نماز مکمل کرے(۵)۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی نکسیر پھوٹتی تو وہ باہر جا کر خون دھوتے، پھر واپس آ کر جس قدر نماز ادا کر چکے ہوتے اسی پر بِنا کرتے تھے(۶)۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی دورانِ نماز نکسیر پھوٹتی تو وہ آتے، وضو کر کے لوٹ جاتے، پھر اپنی نماز جاری رکھتے اور کوئی بات نہ کرتے تھے(۷)۔

مالکی فقیہ ابن عبدالبرؒ کہتے ہیں: حضرت ابن عمرؓ کے بارے میں یہ روایت کہ جب ان کی نکسیر پھوٹتی تو وہ آتے اور وضو کرتے، ہمارے اصحاب اس کی یہ تاویل کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ خون دھو ڈالتے اور بات نہ کرتے اور جس قدر نماز ادا کر چکے ہوتے، وہ اسی پر بِنا کرتے تھے۔ مزید یہ کہ خون دھونے کو بھی وضو کہا جاتا ہے اس لیے کہ لفظ وضو الوضاءۃ سے مشتق ہے جس سے مراد نظافت ہے۔ اس کی وضاحت حضرت ابن عباسؓ کے عمل سے

۱۔ الأم ۲۱/۱

۲۔ عبدالرزاق، المصنّف، کتاب الطهارة، باب الوضو من الكلام ۱۲۷/۱۔ ابن ابی شیبہ، المصنّف، کتاب الطهارات، فی الوضو من الكلام الخبث و الغيبة ۱۵۹/۱

۳۔ المجموع شرح المهذب ۶۲/۲

۴۔ حوالہ بالا ۶۲/۲

۵۔ المدوّنة الكبرىٰ ۱۴۰/۱-۱۴۱

۶۔ الموطا، کتاب الطهارة، باب ما جاء فی الرُّعاف ص ۶۱

۷۔ حوالہ بالا ص ۶۱۔ المدوّنة الكبرىٰ ۱۴۲/۱

ہو جاتی ہے کہ وہ اپنے جسم سے خون دھو دیتے اور پھر نماز ادا فرماتے تھے(۱)۔

حضرت مِسوَر بن مَخرَمہؓ کہتے ہیں کہ وہ حضرت عمرؓ کے پاس اس رات گئے جب آپ زخمی ہوئے تھے۔ آپ کو نمازِ فجر کے لیے جگایا گیا۔ آپ نے فرمایا: ہاں، اس شخص کا اسلام میں حصہ نہیں جو نماز ترک کرے۔ پھر حضرت عمرؓ نے نماز ادا فرمائی اور ان کے زخم سے خون بہہ رہا تھا(۲)۔

ابن عبدالبرؒ کہتے ہیں: علماء کے نزدیک حدیثِ عمرؓ اس باب میں اصل ہے کہ جس کا خون نہ رُکے اور نکسیر ختم نہ ہو اور جب اسے یہ یقین ہو جائے کہ نماز کا وقت ختم ہونے سے قبل خون بند نہیں ہوگا تو اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ نماز کو اس کے وقت میں ادا کرے۔ ہمارے اصحاب کے مطابق حدیثِ عمرؓ میں فائدہ یہ ہے کہ آپ نے نماز ادا کی جبکہ آپ کے زخم سے خون بہہ رہا تھا اور آپ نے وضو کی بات نہیں کی تھی (۳)۔

تیمّم

۱۲۔ نماز کے آخری وقت تک پانی ملنے کی امید ہو

جب مسافر کو نماز کا آخری وقت آنے تک کہیں سے پانی مل جانے کی امید ہو تو احناف کے نزدیک مسافر کو چاہیے کہ تیمّم کرنا نماز کے آخری وقت تک مؤخر کردے۔ لیکن اگر اسے نماز کے آخری وقت تک پانی ملنے کی امید نہ ہو تو پھر تیمّم کو مؤخر نہ کرے۔ احناف اس کی دلیل یہ دیتے ہیں کہ حضرت علیؓ نے فرمایا تھا: جُنبی شخص تیمّم کو نماز کے آخری وقت تک مؤخر کردے اور انتظار کرے (۴)۔ ایسا روایت نہیں ہوا ہے کہ کسی صحابی نے حضرت علیؓ کے قول کی مخالفت کی ہو(۵)۔

۱۳۔ وضو کرتے ہوئے نمازِ جنازہ یا نمازِ عید فوت ہو جانے کا خدشہ

جسے یہ اندیشہ ہو کہ اگر وہ وضو کرنے میں مصروف ہو گیا تو اس کی نمازِ جنازہ یا عید کی نماز فوت ہو جائے گی، تو احناف کے نزدیک وہ تیمّم کر کے نماز ادا کر سکتا ہے۔ احناف نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا یہ قول لیا ہے: جب کوئی جنازہ آئے، تمہارا وضو نہ ہو اور تمہیں اندیشہ ہو کہ اگر تم وضو کرنے لگ گئے تو نمازِ جنازہ فوت ہو جائے گی تو تیمّم کرلو(۶)۔ ایسا ایک قول حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا ہے: اگر تمہیں ڈر ہو کہ نمازِ جنازہ فوت ہو جائے گی اور تم وضو کے

۱۔ الإستذكار ۱/۲۲۸

۲۔ الموطا، كتاب الطهارة، باب العمل فيمن غلبه الدم من جُرح أو رُعاف ص ۶۲

۳۔ الإستذكار ۱/۲۳۴

۴۔ ابن ابی شیبہ، المصنّف، كتاب الطهارات، باب من قال لا يتيمّم ما رجاء أن يقدر على الماء ۱/۱۸۶

۵۔ بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع ۱/۵۴

۶۔ حوالہ بالا ۱/۵۱

بغیر ہوتو تیمم کر کے نماز ادا کرو(۱)۔

۱۴۔ پانی اتنا کم ہو کہ وضو کر لیا تو پیاس لگنے کا خوف ہے

جس کے پاس پانی اتنی قلیل مقدار میں ہو کہ اگر اس سے وضو کر لیا تو اسے پیاس کا خوف ہے، تو امام مالکؒ کے نزدیک وہ پانی اپنے پاس بچا کر رکھے اور تیمّم کر لے(۲)۔ حنبلی فقیہ خِرَقیؒ نے بھی لکھا ہے: اگر ایسے شخص کو پیاس کا خوف ہو تو پانی روک لے، تیمّم کرے اور نماز کو نہ دہرائے(۳)۔ فقہاء نے اس مسئلہ میں حضرت علیؓ کا قول لیا ہے: جب تم جُنبی ہو جاؤ اور وضو، یا فرمایا: غسل کا ارادہ کرو، تمہارے پاس صرف بقدر پینے کا پانی ہو اور تمہیں پیاس کا خوف ہو تو تیمّم کر لو(۴)۔

۱۵۔ متیمّم کی وضو والوں کو امامت کرانا

حنفی فقہ میں ہے: امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اگر متیمّم وضو والوں کو امامت کرائے تو اگر وضو والوں کے پاس فالتو پانی موجود نہ ہو تو ان کی نماز جائز ہے۔ لیکن اگر ان کے پاس پانی موجود ہے اور اس سے امام بھی وضو کر سکتا ہے تو پھر متیمّم امام کے پیچھے ان کی نماز درست نہیں ہے۔ امام محمد شیبانیؒ کی رائے ہے کہ متیمّم امام کے پیچھے باوضو مقتدیوں کی نماز درست نہیں، خواہ ان کے پاس پانی ہو یا نہ ہو۔ امام زفرؒ کے مطابق ان کے پاس پانی ہو یا نہ ہو، دونوں صورتوں میں متیمّم امام کی اقتداء میں نماز جائز ہے(۵)۔

اس مسئلہ میں امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کی دلیل غزوہ ذات السلاسل (۸ھ) میں حضرت عمرو بن العاصؓ کا عمل ہے۔ اس جنگ میں حضرت عمرو بن العاصؓ پر غسل فرض ہو گیا تھا۔ وہ ڈرے کہ اگر انہوں نے غسل کیا تو مر جائیں گے۔ انہوں نے تیمّم کر کے ساتھیوں کو نمازِ فجر کی امامت کرادی تھی(۶)۔

امام محمدؒ نے حضرت علیؓ کا اثر لیا ہے۔ آپ نے مکروہ جانا کہ متیمّم شخص وضو والوں کو امامت کرائے(۷)۔ حضرت علیؓ کا قول ہے: متیمّم شخص وضو والوں کی امامت نہ کرائے اور قیدی شخص آزاد لوگوں کو امامت نہ کرائے(۸)۔

۱۔ ابن ابی شیبہ، المصنّف، کتاب الجنائز، فی الرجل یخاف أن تفوته الصلوٰة علی الجنازة وهو غیر متوضی ۱۸۸/۳

۲۔ المدوّنة الکبریٰ ۱۴۸/۱

۳۔ المغنی ۳۴۳/۱

۴۔ السنن الکبریٰ، کتاب الطهارة، باب الجنب أو المحدث یجد ماء لغسله و هو یخاف العطش فیتیمّم ۲۳۴/۱

۵۔ بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع ۵۶/۱

۶۔ سنن أبی داؤد، کتاب الطهارة، باب إذا خاف الجنب البرد أیتیمّم ۱۳۴/۱

۷۔ السنن الکبریٰ، کتاب الطهارة، باب کراهیة من کره ذلک ۲۳۴/۱

۸۔ بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع ۵۶/۱

حنفی فقیہ کاسانیؒ نے لکھا ہے: حضرت علیؓ کی جو روایت بیان کی گئی ہے وہ ان کا اپنا مسلک ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے اس مسئلہ میں حضرت علیؓ سے اختلاف کیا ہے۔ جب کوئی مسئلہ صحابہؓ کے مابین اختلافی ہو تو کسی ایک صحابی کا قول دوسرے کے مقابلے میں حجت نہیں ہوسکتا۔ کاسانیؒ مزید کہتے ہیں: حضرت علیؓ کی روایت میں یہ الفاظ ہیں: ''امامت نہ کرائے''، یہ الفاظ نہیں ہیں کہ اگر کسی نے امامت کرائی تو نماز جائز نہیں ہوگی (۱)۔

نماز

۱۶۔ سردیوں اور گرمیوں میں نمازِ ظہر کی ادائیگی

امام مالکؒ کے نزدیک پسندیدہ یہ ہے کہ لوگ سردی اور گرمی کے موسموں میں نمازِ ظہر اس وقت ادا کریں جب سایہ ایک ہاتھ کے برابر ہو جائے (۲)۔ اس موقف کی بنیاد حضرت عمرؓ کا یہ قول ہے: نمازِ ظہر ادا کرو جب سایہ ایک ہاتھ کے برابر ہو جائے (۳)۔

۱۷۔ رکوع میں دونوں ہتھیلیاں کہاں رکھی جائیں

حنفی فقیہ امام محمد شیبانیؒ فرماتے ہیں: ہم نے دورانِ رکوع ہتھیلیاں رکھنے کے مسئلے میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا قول نہیں لیا۔ وہ جب رکوع کرتے تو اپنے دونوں ہاتھ اکھٹے رکھتے اور پھر انہیں اپنے گھٹنوں کے درمیان رکھتے تھے۔ ہماری رائے یہ ہے کہ آدمی رکوع میں اپنی دونوں ہتھیلیاں اپنے دونوں گھٹنوں پر رکھے اور انگلیوں کو گھٹنوں کے نیچے پھیلا دے۔ حضرت عمرؓ اپنی دونوں ہتھیلیاں اپنے دونوں گھٹنوں پر رکھتے تھے۔ امام ابراہیم نخعیؒ نے فرمایا: حضرت عمرؓ کا یہ کام مجھے زیادہ پسند ہے۔ امام محمدؒ نے فرمایا: ہم نے اسی کو لیا ہے اور یہ مجھے حضرت ابن مسعودؓ کے کام سے زیادہ پسندیدہ ہے اور یہ امام ابوحنیفہؒ کا قول ہے (۴)۔

۱۸۔ دورانِ سجدہ دونوں ہتھیلیاں کہاں رکھی جائیں

امام مالکؒ نے فرمایا: آدمی دورانِ سجدہ اپنی دونوں ہتھیلیاں اپنی پیشانی رکھنے والی جگہ پر رکھے۔ مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ حضرت عمرؓ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ دونوں ایسا کیا کرتے تھے (۵)۔

۱۹۔ کوئی تشہد کے بعد مگر سلام پھیرنے سے پہلے چلا جائے

امام محمد شیبانیؒ حنفی نے بیان کیا ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ نے فرمایا: تشہد کے بغیر نماز نہیں ہوتی۔ اس کے

۱۔ بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع ۱/۵۲

۲۔ المدوّنۃ الکبریٰ ۱/۱۵۲

۳۔ الموطا، کتاب وقوت الصلاۃ، باب وقوت الصلاۃ ص ۳۹

۴۔ محمد، کتاب الآثار ص ۱۹

۵۔ المدوّنۃ الکبریٰ ۱/۱۷۰

بعد امام محمدؒ کہتے ہیں: ہم نے یہ قول لیا ہے، لہٰذا جس نے تشہد پڑھ لیا تو اس کی نماز مکمل ہوگئی۔ اگر وہ سلام کہنے سے قبل چلا جائے تو اس کی نماز ہو جائے گی لیکن جان بوجھ کر ایسا کرنا درست نہیں ہے(۱)۔

۲۰۔ نمازِ وتر میں دعائے قنوت

امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک وتر میں رکوع سے قبل دعائے قنوت پڑھی جائے گی (۲)۔ وہ اپنے حکم کی بنیاد حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے اس عمل پر رکھتے ہیں کہ آپ نے وتر میں رکوع سے قبل قنوت پڑھی تھی (۳)۔

۲۱۔ نمازِ فجر میں دعائے قنوت

امام ابوحنیفہؒ کے مطابق نمازِ فجر میں قنوت نہیں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی مبارک میں صرف ایک ماہ نمازِ فجر میں قنوت پڑھی تھی، اس سے قبل اور اس کے بعد کبھی نہیں پڑھی۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے بھی نمازِ فجر میں قنوت نہیں پڑھی یہاں تک کہ وہ فوت ہو گئے۔ حضرت عمرؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بھی نمازِ فجر میں قنوت نہیں پڑھتے تھے۔

احناف نے سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت ابن مسعودؓ کے آثار سے بھی دلیل لی ہے (۴)۔

۲۲۔ باجماعت نماز میں تاخیر سے شامل ہونا

مسبوق یعنی باجماعت نماز میں تاخیر میں شامل ہونے والے شخص کی امام کے ساتھ ملنے والی نماز اس کی ابتدائی نماز ہے یا اختتامی؟ مسبوق جو نماز بعد میں ادا کرتا ہے اس کی وہ ابتدائی نماز ہے یا اختتامی؟ اس مسئلہ میں امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کہتے ہیں: امام کے ساتھ ملنے والی نماز حکمی طور پر مسبوق کی اختتامی نماز ہے مگر حقیقت میں وہ اس کی ابتدائی نماز ہے۔ وہ جو نماز بعد میں ادا کرتا ہے وہ اگرچہ حقیقت میں اس کی اختتامی نماز ہے مگر حکمی طور پر وہ اس کی ابتدائی نماز ہے (۵)۔

احناف نے حضرت علیؓ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے اقوال بطور دلیل پیش کیے ہیں۔ حضرت علیؓ نے

۱۔ محمد، کتاب الآثار ص ۳۷

۲۔ حوالہ بالا ص ۴۳

۳۔ ابویوسف، کتاب الآثار ص ۷۰۔ ابن ابی شیبہ، المصنّف، کتاب صلوٰة التطوع و الإمامة، فی القنوت قبل الركوع أو بعده ۲/۲۰۲

۴۔ کتاب الحجّة علی أهل المدينة ۱/۹۷ ومابعد۔ ابویوسف، کتاب الآثار ص۴۷۔ محمد، کتاب الآثار ص۴۳۔ ابن ابی شیبہ، المصنّف، کتاب صلوٰة التطوع و الإمامة، من کان لا یقنت فی الفجر ۲/۲۰۷ ومابعد۔ عبدالرزاق، المصنّف، کتاب الصلوٰة، باب القنوت ۳/۱۰۶ ومابعد

۵۔ بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع ۱/۲۴۷

فرمایا تھا: تم نے امام کے ساتھ جو پایا وہ تمہاری ابتدائی نماز ہے۔ حضرت عمرؓ، حضرت ابن عمرؓ اور حضرت ابو الدرداءؓ کا بھی یہی قول ہے(۱)۔

احناف میں سے امام محمد شیبانیؒ، ابو طاہر الدباسؒ، فخر الاسلام بزدویؒ کے علاوہ دیگر فقہاء مثلاً بشر بن غیاث مریسیؒ اور امام شافعیؒ نے اس مسئلہ میں یہ موقف اختیار کیا ہے کہ امام کے ساتھ مسبوق کی ادا شدہ نماز جس طرح حقیقت میں اس کی ابتدائی نماز ہے اسی طرح وہ حکمی طور پر بھی اس کی ابتدائی نماز ہے۔ جو نماز وہ بعد میں ادا کرتا ہے وہ جس طرح حقیقت میں اس کی اختتامی نماز ہے اسی طرح وہ حکماً بھی اس کی اختتامی نماز ہے(۲)۔

اس مسئلہ میں صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا یہی موقف ہے۔ آپ نے فرمایا تھا: اپنی نماز میں سے جتنی پاؤ اسے اپنی اختتامی نماز بناؤ۔ آپ کا ایک اور قول ہے: تم نے امام کے ساتھ جو نماز پائی وہ تمہاری اختتامی نماز ہے(۳)۔

۲۳۔ جو شخص اپنی نماز بھول جائے

حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا: جو شخص نماز بھول جائے اور اسے یہ اس وقت یاد آئے جب وہ امام کے پیچھے ہو، تو جب امام سلام کہہ دے تو وہ شخص پہلے اپنی بھولی ہوئی نماز ادا کرے پھر کوئی اور نماز ادا کرے۔ امام مالکؒ نے فرمایا: اسی پر ہمارا حکم ہے ہر اُس بھولی ہوئی نماز کے بارے میں جسے وہ کسی اور نماز میں یاد کرتا ہے، خواہ وہ امام کے ساتھ ہو یا اکیلا ہو(۴)۔

۲۴۔ جماعت سے جتنی نماز رہ جائے اس کی قضا

جب امام کے ساتھ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے نماز کا جہری حصہ (باآواز بلند قراءت) چھوٹ جاتا تو امام کے نماز ختم کرنے پر آپ کھڑے ہو جاتے اور نماز کے چھوٹے ہوئے جہری حصہ میں جہری قرأت کرتے تھے۔ امام مالکؒ نے حضرت ابن عمرؓ کا یہ فعل بیان کرنے کے بعد فرمایا: اسی پر ہمارا حکم ہے کہ جو نماز رہ جائے اسے اسی طرح قضا کیا جائے جیسے وہ چھوٹی تھی(۵)۔

۱۔ عبدالرزاق، المصنّف، كتاب الصلوٰة، باب ما يقرأ فيما يقضى ۲/۲۲۶۔ ابن ابی شیبہ، المصنّف، كتاب صلوٰة التطوع و الإمامة، الرجل تفوته بعض الصلوٰة مع الإمام ۲/۲۲۲۔ السنن الكبرىٰ، كتاب الصلوٰة، باب ما أدرك من صلوٰة الإمام فهو أوّل صلوٰته ۲/۲۹۸

۲۔ بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع ۱/۲۴۷

۳۔ ابن ابی شیبہ، المصنّف، كتاب صلوٰة التطوع و الإمامة، من قال ما أدركت مع الإمام فاجعله آخر صلاتك ۲/۲۲۲ و مابعد

۴۔ المدوّنة الكبرىٰ ۱/۲۱۷

۵۔ حوالہ بالا ۱/۱۸۷

۲۵۔ دورانِ نماز امام کا وضو ٹوٹ جائے

حنبلی فقیہ ابن قدامہؒ نے لکھا ہے: اگر امام کا وضو ٹوٹ جائے تو وہ اپنی جگہ پر کسی کو کھڑا کرے جو لوگوں کو نماز مکمل کرائے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ جب پارسی غلام فیروز ابولولو نے حضرت عمرؓ کو خنجر مارا تو آپ نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کا ہاتھ پکڑ کر انہیں اپنی جگہ پر کھڑا کیا جنہوں نے لوگوں کو نماز مکمل کرائی تھی۔ یہ صحابہ کرامؓ کی موجودگی میں ہوا، کسی صحابی نے اس کی مخالفت نہیں کی، پس یہ اجماع ہے (۱)۔

۲۶۔ کسی کے گھر میں اس کی اجازت کے بغیر امامت کرانا

امام شافعیؒ کے نزدیک کسی کے گھر میں صاحبِ خانہ کی اجازت کے بغیر امامت کرانا مکروہ ہے۔ وہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا یہ قول نقل کرتے ہیں: یہ سنّت میں سے ہے کہ صاحبِ خانہ کے علاوہ کوئی شخص لوگوں کو امامت نہ کرائے۔ امام شافعیؒ یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ چند صحابہؓ ایک صحابی کے گھر میں تھے۔ نماز کا وقت ہوا۔ صاحبِ خانہ نے ایک صحابی کو آگے کیا تو اس نے کہا: آپ آگے بڑھیں کیونکہ آپ اپنے گھر میں امامت کے زیادہ حق دار ہیں۔ پھر صاحبِ خانہ آگے بڑھے (۲)۔

۲۷۔ برہنہ شخص کی نماز

حنفی فقیہ مرغینانیؒ نے لکھا ہے: جس کے پاس کپڑے نہ ہوں اور برہنہ بدن ہو تو وہ بیٹھ کر نماز ادا کرے اور رکوع و سجود اشارے سے کرے۔ صحابہؓ نے اسی طرح کیا تھا (۳)۔ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے لکھا ہے: یہ حدیث کہ صحابہؓ جب سمندر سے باہر (برہنہ) نکلے تو انہوں نے بیٹھ کر اشارے سے نماز ادا کی، میں نے اس حدیث کو نہیں پایا (۴)۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا: جو شخص کشتی میں نماز ادا کرے اور جو آدمی برہنہ نماز ادا کرے تو وہ بیٹھ کر ادا کرے (۵)۔ حافظ ابن حجرؒ کے مطابق اس روایت کی اسناد ضعیف ہیں (۶)۔ میمون بن مہرانؒ سے مروی ہے کہ حضرت علیؓ سے برہنہ شخص کی نماز کا پوچھا گیا۔ آپ نے فرمایا: اگر لوگ اسے دیکھ رہے ہوں تو وہ بیٹھ کر نماز ادا کرے اور اگر نہ دیکھ رہے ہوں تو وہ کھڑا ہو کر نماز ادا کرے (۷)۔ ابن حجرؒ نے لکھا ہے کہ اس اثر کی اسناد ضعیف ہیں (۸)۔

۱۔ المغنی ۵۰۷/۳
۲۔ الأم ۱۸۳/۱
۳۔ الهداية ۹۴/۱
۴۔ الدراية فی تخريج أحاديث الهداية ۱۲۴/۱
۵۔ عبدالرزاق، المصنّف، کتاب الصلوٰة، باب صلوٰة العريان ۵۸۴/۲
۶۔ الدراية فی تخريج أحاديث الهداية ۱۲۴/۱
۷۔ عبدالرزاق، المصنّف، کتاب الصلوٰة، باب صلوٰة العريان ۵۸۴/۲
۸۔ الدراية فی تخريج أحاديث الهداية ۱۲۴/۱

۲۸۔دورانِ نماز پھونک مارنا

حنبلی فقیہ ابن قدامہؒ لکھتے ہیں: جو شخص دورانِ نماز منہ سے دو حروف کے برابر پھونک مارے تو اس کی نماز فاسد ہو جاتی ہے کیونکہ یہ کلام ہے۔ اگر پھونک دو حروف کے برابر نہ ہو تو نماز فاسد نہیں ہوتی (۱)۔ امام احمد بن حنبلؒ نے فرمایا: میرے نزدیک پھونک بمنزلۂ کلام ہے اور آپ نے یہ بھی فرمایا کہ اس سے نماز فاسد ہو جاتی ہے (۲)۔ اس کی دلیل حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا یہ قول ہے: جس نے نماز میں پھونکا، اس نے کلام کیا (۳)۔ آپ ہی کا ایک اور قول ہے: نماز میں پھونک مارنا بمنزلۂ کلام ہے (۴)۔ آپ نے یہ بھی فرمایا: نماز میں پھونک مارنا کلام ہے جس سے نماز ٹوٹ جاتی ہے (۵)۔ حضرت ابو ہریرۃؓ کا بھی قول ہے: نماز میں پھونک کلام ہے (۶)۔

امام احمد بن حنبلؒ سے یہ بھی روایت کیا گیا ہے کہ وہ نماز میں پھونکنے کو مکروہ جانتے ہیں، اس سے نماز ختم نہیں ہوتی کیونکہ یہ کلام نہیں ہے۔ آپ کے اس قول کی یہ تاویل کی گئی ہے کہ پھونک سے نماز اس وقت ٹوٹتی ہے جب پھونک دو حروف کے برابر ہو۔ یہاں امام احمدؒ نے اسے کلام قرار دیا ہے اور دو حروف سے کم کلام نہیں ہوتا۔ جس جگہ امام احمدؒ نے فرمایا ہے کہ اس سے نماز نہیں ٹوٹتی، یہ اس وقت ہے جب پھونک دو حروف کے برابر نہ ہو (۷)۔

۲۹۔غروب آفتاب اور طلوع فجر سے قبل حائضہ پاک، کافر مسلمان اور بچہ بالغ ہو جائے

ابن قدامہؒ نے بیان کیا ہے کہ غروبِ آفتاب سے قبل حائضہ پاک ہو جائے، کافر مسلمان ہو جائے اور بچہ بالغ ہو جائے تو وہ سب ظہر اور پھر عصر کی نماز ادا کریں گے۔ اگر طلوعِ فجر سے قبل حائضہ پاک ہو جائے، کافر مسلمان ہو جائے اور بچہ بالغ ہو جائے تو وہ مغرب اور عشاء کی نمازیں ادا کریں گے۔ ابن قدامہؒ نے بطور دلیل حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے اقوال (۸) نقل کیے ہیں جو انہوں نے حیض سے پاک ہونے والی عورت کی نمازوں کے بارے میں کہے ہیں (۹)۔

۱۔ المغنی ۴۵۱/۲

۲۔ حوالہ بالا ۴۵۱/۲

۳۔ عبدالرزاق، المصنّف، کتاب الصلٰوۃ، باب النفخ فی الصلٰوۃ ۱۸۹/۲

۴۔ حوالہ بالا ۱۸۹/۲

۵۔ ابن ابی شیبہ، المصنّف، کتاب صلٰوۃ التطوع و الإمامة، فی النفخ فی الصلٰوۃ ۱۶۶/۲

۶۔ عبدالرزاق، المصنّف۔ کتاب الصلٰوۃ، باب النفح فی الصلٰوۃ ۱۸۹/۲

۷۔ المغنی ۴۵۲/۲

۸۔ السنن الکبریٰ، کتاب الصلٰوۃ، باب قضاء الظهر و العصر بادراك وقت العصر و قضاء المغرب و العشاء بادراك وقت العشاء ۳۸۶/۱

۹۔ المغنی ۴۶/۲ وما بعد

۳۰۔ گرجا میں نماز ادا کرنا

مالکی فقیہ ابن رُشدؒ نے گرجا میں نماز ادا کرنے پر فقہاء کا اختلاف لکھا ہے: ایک گروہ نے اسے مکروہ سمجھا ہے، بعض نے اسے جائز کہا ہے اور بعض فقہاء نے یہ فرق کیا ہے کہ ان گرجاؤں میں مجسمے ہیں یا نہیں ہیں۔ یہ آخری رائے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا مذہب ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا: ان کی عبادت گاہوں میں داخل نہ ہو کیونکہ ان میں مجسمے ہوتے ہیں (۱)۔ حضرت عمرؓ جب شام گئے تھے تو وہاں ایک مسیحی قائد نے حضرت عمرؓ کے لیے کھانا تیار کیا اور آپ کو دعوتِ طعام دی تو آپؓ نے فرمایا: ہم تمہارے کنیساؤں میں داخل نہیں ہوں گے، ان میں مجسمے ہیں (۲)۔

نمازِ جمعہ

۳۱۔ جمعہ کے روز غسل کرنا

امام ابو حنیفہؒ کے مطابق جمعہ کے روز غسل کرنا حسن ہے، واجب نہیں ہے (۳)۔ امام شافعیؒ نے فرمایا: ہمارے نزدیک جمعہ کا غسل اختیاری ہے (۴)۔ حنابلہ کے بقول جمعہ کے دن غسل کرنا مستحب ہے (۵)۔ جمہور نے حضرت عمرؓ کا ایک واقعہ تائیدی دلیل کے طور پر پیش کیا ہے۔

حضرت ابو ہریرۃؓ سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ جمعہ کا خطبہ ارشاد فرما رہے تھے کہ حضرت عثمانؓ داخل ہوئے۔ حضرت عمرؓ نے ان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: ان لوگوں کا کیا حال ہوگا جو اذان کے بعد دیر کرتے ہیں۔ حضرت عثمانؓ نے فرمایا: اے امیر المومنین! جب میں نے اذان سنی تو اور کچھ نہیں کیا سوائے اس کے کہ میں نے وضو کیا اور آ گیا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا: صرف وضو؟ کیا آپ نے نہیں سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

إِذَا جَاءَ اَحَدُكُمْ إِلَى الْجُمُعَةِ فَلْيَغْتَسِلْ (٦)

جب تم میں سے کوئی جمعہ کے لیے آئے تو اسے چاہیے کہ وہ غسل کرے۔

یہ واقعہ جمِ غفیر کے سامنے پیش آیا۔ سب صحابہؓ نے جانا کہ حضرت عثمانؓ نے جمعہ کے روز ترکِ غسل کیا ہے، لیکن صحابہؓ نے حضرت عثمانؓ کو یہ حکم نہیں دیا کہ وہ واپس جائیں اور غسل کریں۔ اگر جمعہ کا غسل واجب ہوتا تو

۱۔ بداية المجتهد و نهاية المقتصد ۱۹۴/۲

۲۔ عبدالرزاق، المصنّف، كتاب الصلوٰة، باب الصلوٰة فى البِيَعة ۱/۴۱۱

۳۔ كتاب الحجّة على أهل المدينة ۱/۲۷۹

۴۔ الأم ۱/۵۳

۵۔ المغنى ۳/۲۲۴

٦۔ صحيح مسلم، كتاب الجمعة ۲/۷۔ صحيح البخارى، كتاب الجمعة، باب فضل الغسل يوم الجمعة ۱/۱۲۰۔ كتاب الحجّة على أهل المدينة ۱/۲۸۱-۲۸۲۔ الأم ۱/۵۳-۵۴۔ المجموع شرح المهذب ۴/۵۳۵

حضرت عثمانؓ اسے ترک نہ فرماتے اور صحابہؓ حضرت عثمان کو واپس جانے کا حکم دینے سے رُکے نہ رہتے (۱)۔

۳۲۔ کسی کی پشت پر سجدہ کرنا

شافعی فقیہ امام نوویؒ نے فرمایا: ہمارے اصحاب نے کہا ہے کہ جو شخص امام کے ساتھ نمازِ جمعہ میں بوجہ ہجوم زمین پر سجدہ نہ کر سکے تو اگر ممکن ہو تو وہ کسی کی پُشت یا ٹانگ یا اس کے جسم کے کسی عضو پر سجدہ کر لے (۲)۔ امام نوویؒ اپنے موقف کی دلیل میں حضرت عمرؓ کا یہ قول پیش کرتے ہیں: جب تم میں سے کوئی شخص جمعہ کے روز سجدہ نہ کر سکے تو وہ اپنے بھائی کی پُشت پر سجدہ کر لے (۳)۔

سجدۂ تلاوت

۳۳۔ منبر پر آیتِ سجدہ کی تلاوت

حضرت عمرؓ نے جمعہ کے روز منبر پر آیتِ سجدہ تلاوت فرمائی، پھر وہ منبر سے نیچے اترے، پھر سب نے سجدہ کیا۔ حضرت عمرؓ نے اگلے جمعہ پھر آیتِ سجدہ تلاوت فرمائی۔ سب لوگ سجدہ کی تیاری کرنے لگے تو حضرت عمرؓ نے فرمایا: اپنے حال پر رہو، اللہ تعالیٰ نے یہ سجدہ تم پر فرض نہیں کیا، سوائے اس کے کہ یہ ہماری مرضی پر منحصر ہے۔ پھر حضرت عمرؓ نے سجدہ نہیں کیا اور لوگوں کو بھی سجدہ کرنے سے منع کیا (۴)۔ امام محمد شیبانیؒ فرماتے ہیں: ہمارا عمل حضرت عمرؓ کے پہلے فعل پر ہے اور یہ ہمیں زیادہ پسندیدہ ہے بہ نسبت اس کے کہ سجود کو ترک کیا جائے۔ حضرت عمرؓ نے یہ نہیں فرمایا کہ ان کا آخری فعل پہلے فعل کو منسوخ کرتا ہے بلکہ انہوں نے اپنے ان دونوں افعال کو جائز سمجھا تھا۔ پس سجدہ کرنا اسے ترک کرنے سے افضل ہے (۵)۔

اہلِ مدینہ کا عمل حضرت عمرؓ کے آخری فعل پر ہے (۶)۔ امام مالکؒ نے فرمایا: ہمارا اِس پر عمل نہیں ہے کہ اگر امام منبر پر آیتِ سجدہ تلاوت کرے تو وہ منبر سے نیچے اترے اور سجدہ کرے۔ ابن عبد البرؒ کے مطابق امام مالکؒ کا قول اس پر محمول کیا جا سکتا ہے کہ ان کی مراد سجدہ کرنے کے لیے منبر سے نیچے اترنا ہے، کیونکہ حضرت عمرؓ نے ایسی

۱۔ المجموع شرح المهذب ۴/۵۳۵۔ كتاب الحجّة على أهل المدينة ۱/۲۸۲

۲۔ المجموع شرح المهذب ۴/۵۶۳

۳۔ ابن ابی شیبہ، كتاب الصلوٰة، في الرجل يسجد على ظهر الرجل ۱/۲۹۶، ۲۹۷۔ السنن الكبرىٰ، كتاب الجمعة، باب الرجل يسجد على ظهر من بين يديه في الزحام ۳/۱۸۳

۴۔ كتاب الحجّة على أهل المدينة ۱/۲۸۷-۲۸۸۔ صحيح البخاري، أبواب ما جاء في سجود القرآن و سنّتها، باب من رأى أن الله عز و جل لم يوجب السجود ۱/۱۴۷۔ الموطا، كتاب القرآن، باب ما جاء في سجود القرآن ص ۱۸۲

۵۔ كتاب الحجّة على أهل المدينة ۱/۲۸۸

۶۔ حوالہ بالا ۱/۲۸۸

صورت میں ایک مرتبہ سجدہ کیا تھا اور ایک مرتبہ نہیں کیا تھا(۱)۔

۳۴۔آیتِ سجدہ کو بلا ارادۂ سماع سننا

حنبلی فقیہ ابن قدامہؒ کے مطابق جس شخص نے آیتِ سجدہ کو بلا ارادۂ سماع سنا تو اس پر سجدہ تلاوت مستحب نہیں ہے۔اس کی تائید میں حضرت عثمانؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور حضرت عمران بن حُصَینؓ کے اقوال و افعال ہیں(۲)۔ حضرت عثمانؓ اور حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا: سجدہ اس پر ہے جو آیتِ سجدہ سننے کے لیے مجلس میں بیٹھا(۳)۔ایک مرتبہ حضرت عثمانؓ ایک قصہ گو کے پاس سے گزرے۔اس نے آیتِ سجدہ تلاوت کی تاکہ حضرت عثمانؓ اس کے ساتھ سجدہ کریں۔لیکن حضرت عثمانؓ نے سجدہ نہ کیا اور فرمایا: سجدہ اس پر ہے جو آیتِ سجدہ دھیان اور توجہ سے سنتا ہے(۴)۔

مریض کی نماز

۳۵۔جو مریض سجدہ کرنے کی طاقت نہ رکھے

حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا: اگر مریض سجدہ کرنے کی طاقت نہ رکھتا ہو تو وہ اپنے سر سے اشارہ کرے لیکن کوئی چیز اپنی پیشانی کی طرف اونچی نہ کرے(۵)۔ مالکی فقیہ ابن عبدالبرؒ کے مطابق اکثر اہلِ علم کا عمل حضرت ابن عمرؓ کے اس قول پر ہے(۶)۔

۳۶۔دورانِ بیہوشی فوت شدہ نمازوں کی قضا

احناف کے نزدیک اگر مریض ایک دن اور ایک رات یا اس سے کم عرصہ بیہوش رہا، پھر ٹھیک ہو گیا تو وہ اپنی فوت شدہ نمازوں کی قضا کرے گا۔لیکن اگر وہ اس سے زیادہ عرصہ تک بیہوش رہا تو پھر اس پر اپنی فوت شدہ نمازوں کی قضا نہیں ہے(۷)۔

حنفی فقہاء بطور دلیل حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا یہ قول پیش کرتے ہیں کہ آپ نے ایسے شخص کے بارے میں جو ایک دن اور ایک رات بیہوش رہا، فرمایا تھا: وہ نمازوں کی قضا کرے گا(۸)۔مزید یہ کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ تین

۱۔ الإستذکار ۲/۵۰۸

۲۔ المغنی ۲/۳۶۶

۳۔ ابن ابی شیبہ، المصنّف، کتاب الصلوٰۃ، من قال السجدة علی من جلس لها و من سمعها ۱/۴۵۶

۴۔ المغنی ۲/۳۶۷

۵۔ الموطا، کتاب الصلوٰۃ، باب العمل فی جامع الصلوٰۃ ص ۱۵۴

۶۔ الإستذکار ۲/۳۳۵

۷۔ کتاب الأصل ۱/۲۲۱۔کتاب الحجّة علی أهل المدینة ۱/۱۵۴-۱۵۵

۸۔ کتاب الحجّة علی أهل المدینة ۱/۱۵۵

دن بیہوش رہے اور انہوں نے اس مدت کے دوران اپنی فوت شدہ نمازوں کی قضا نہیں کی تھی (۱)۔ایک مرتبہ حضرت ابن عمرؓ ایک ماہ بیہوش رہے، آپ نے فوت شدہ نمازوں کی قضا نہیں کی۔آپ نے صرف اس دن کی نمازیں ادا کیں جس میں وہ ٹھیک ہوئے تھے (۲)۔حضرت عمار بن یاسرؓ پر ظہر، عصر، مغرب اور عشاء کے اوقات میں بیہوشی طاری رہی، پھر آدھی رات کو وہ ٹھیک ہو گئے تو آپ نے ظہر، عصر، مغرب اور عشاء کی نمازیں ادا کیں (۳)۔حنفی فقیہ امام محمدؒ کہتے ہیں کہ ہم نے حضرت ابن عمرؓ اور حضرت عمارؓ کا قول لیا ہے (۴)۔

مالکی فقیہ ابن عبد البرؒ کے مطابق امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور ان کے اصحاب بیہوشی کے مسئلہ میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے مذہب پر ہیں کہ بیہوشی میں ان نمازوں کی قضا نہیں ہے جن کا وقت ختم ہو چکا ہو (۵)۔اس کی دلیل نافعؒ کی یہ روایت ہے کہ حضرت ابن عمرؓ بیہوش ہو گئے پھر انہوں نے نماز قضا نہیں کی (۶)۔امام مالکؒ نے فرمایا: ہمارے خیال میں -اللہ بہتر جانتا ہے- نماز کا وقت جاتا رہا ہوگا کیونکہ جو شخص نماز کے وقت میں ٹھیک ہو جائے تو وہ نماز ادا کرے گا (۷)۔

حنبلی فقیہ خِرَقیؒ کے مطابق صحتمندی کے بعد بیہوشی میں فوت شدہ تمام نمازوں کی قضا ہے۔بیہوش شخص پر سوئے ہوئے شخص کے حکم کا اطلاق ہوتا ہے۔وہ تمام واجبات جن کی قضا سوئے ہوئے شخص پر لازم ہے، ان کی قضا بیہوش شخص پر سے ساقط نہیں ہوتی، جیسے نماز اور روزہ (۸)۔حنبلی فقیہ ابن قدامہؒ کہتے ہیں: ہماری دلیل یہ ہے کہ حضرت عمار بن یاسرؓ کئی دن بے ہوش رہے اور انہوں نے کوئی نماز نہیں ادا کی تھی۔وہ تین دن بعد ہوش میں آئے۔انہیں کہا گیا: کیا آپ نے نماز ادا کی ہے؟ حضرت عمارؓ نے فرمایا: میں نے تین دن سے نماز نہیں ادا کی، اور فرمایا: مجھے وضو کے لیے پانی دو۔انہوں نے وضو کیا اور پھر اس رات نماز ادا کی (۹)۔

۱۔ السنن الکبریٰ، کتاب الصلوٰة، باب المغمى عليه يفيق بعد ذهاب الوقتين فلا يكون عليه قضاؤهما ۱/۳۸۷۔ کتاب الحجة على أهل المدينة ۱/۱۵۹

۲۔ عبدالرزاق، المصنّف، کتاب الصلوٰة، باب صلوٰة المريض على الدابة و صلوٰة المغمى عليه ۲/۴۷۹۔ ابن ابی شیبہ، المصنّف، کتاب صلوٰة التطوع و الإمامة، ما يعيد المغمى عليه من الصلوٰة ۲/۱۷۱

۳۔ کتاب الحجة على أهل المدينة ۱/۱۵۹۔عبدالرزاق، المصنّف، کتاب الصلوٰة، باب صلوٰة المريض على الدابة وصلوٰة المغمى عليه ۲/۴۷۹-۴۸۰

۴۔ کتاب الحجّة على أهل المدينة ۱/۱۵۹

۵۔ الإستذكار ۱/۱۷

۶۔ الموطا، کتاب وقوت الصلوٰة، باب جامع الوقوت ص ۴۴

۷۔ الإستذكار ۱/۱۷

۸۔ المغنی ۲/۵۱

۹۔ حوالہ بالا ۲/۵۱

مسافرکی نماز

۳۷۔ مسافر کہاں سے قصر کرے

احناف کے مطابق شہر کی آبادی سے نکلنے کے بعد مسافر نمازِ قصر ادا کرے۔ کوئی شخص محض نیت اور ارادہ سے مسافر نہیں ہو جاتا جب تک کہ وہ نیت کر کے شہر کی آبادی سے باہر نہ نکل جائے۔ جس طرح اقامت شہر میں داخل ہونے سے تعلق رکھتی ہے، اسی طرح سفر شہر سے باہر نکلنے سے شروع ہوتا ہے(۱)۔ اس مسئلہ میں احناف نے حضرت علیؓ کا عمل لیا ہے کہ آپ کوفہ جانے کے لیے بصرہ سے باہر نکلے۔ آپ نے نمازِ ظہر کی چار رکعات ادا فرمائیں۔ پھر آپ نے ایک جھونپڑی دیکھی تو فرمایا: اگر ہم اس جھونپڑی سے آگے چلے جاتے تو دو رکعات ادا کرتے (۲)۔

۳۸۔ مسافر کی کم از کم مدت اقامت

احناف کے نزدیک کم از کم مدتِ اقامت پندرہ ایام ہے۔ اگر مسافر شہر میں داخل ہو کر وہاں کم از کم پندرہ دن قیام کا ارادہ کر لے تو وہ پوری نماز ادا کرے گا اور قصر نہیں کرے گا۔ احناف حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا یہ عمل پیش کرتے ہیں کہ جب آپ پندرہ دن قیام کا ارادہ کر لیتے تو چار رکعات نماز ادا فرماتے تھے (۳)۔ احناف کے مطابق یہ ایسا مسئلہ ہے جس میں عقل و قیاس سے نہیں کہا جا سکتا۔ اس کا تعلق مقدار سے ہے جس میں کوئی شخص اپنی طرف سے بالیقین کچھ نہیں کہہ سکتا۔ لہٰذا ظاہر میں یہی معلوم ہوتا ہے کہ صحابی نے یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہوگا (۴)۔

۳۹۔ اقامت کی جگہ

امام ابو حنیفہؒ کے مطابق اقامت اس جگہ ہوگی جو عام طور پر ٹھہرنے اور قیام کرنے کے لیے موزوں ہو، مثلاً شہر، دیہات اور بستیاں وغیرہ۔ جنگلات، جزیرے جہاں انسانی آبادی نہ ہو اور کشتی وغیرہ اقامت کے لیے موزوں جگہیں نہیں ہیں۔ لہٰذا اِن مقامات پر پندرہ روز قیام کی نیت سے کوئی شخص مقیم نہیں بنتا، خواہ وہاں خیمے وغیرہ نصب کر کے ٹھہرا ہو۔ اسی طرح جو لشکر دارالحرب یعنی دشمن کے علاقہ میں داخل ہوا اور وہاں جنگل میں خیمہ زن ہو کر پندرہ دن قیام کی نیّت کر لے یا لشکر دشمن کے شہر کا محاصرہ کرنے کے بعد وہاں پندرہ روز ٹھہرنے کی نیت کر لے تو یہ اقامت درست نہیں، لشکر کے لوگ نماز قصر کرتے رہیں گے۔

۱۔ ملاحظہ ہو: الهداية ۱/۱۷۴۔ بدائع الصنائع ۱/۹۴

۲۔ عبدالرزاقؒ نے المصنّف میں لکھا ہے کہ حضرت علیؓ بصرہ جانے کے لیے نکلے تھے۔ عبدالرزاق، المصنّف، کتاب الصلٰوة، باب المسافر متى يقصر إذا خرج مسافرًا ۲/۵۲۹

۳۔ ابن ابی شیبہ، المصنّف، کتاب صلٰوة التطوع و الإمامة، من قال إذا أجمع على إقامة خمس عشرة أتم ۲/۳۴۳

۴۔ بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع ۱/۹۷

حنفی فقیہ کاسانیؒ نے لکھا ہے: ہمارا اِستدلال یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے ایک آدمی نے پوچھا کہ وہ دارالحرب میں طویل عرصہ تک ٹھہرے رہتے ہیں، آپ نے فرمایا: جب تک تم اپنے گھر والوں کے پاس لوٹ نہ آؤ، دو رکعات نماز ادا کرتے رہو(۱)۔

ابن ابی شیبہؒ نے روایت کیا ہے کہ ایک شخص نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے پوچھا: ہم بسلسلہ لڑائی خراسان میں طویل قیام کرتے ہیں۔ آپ کی کیا رائے ہے؟ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا: تم دو رکعات نماز ادا کرو اگر چہ وہاں دس سال ٹھہرے رہو(۲)۔

نماز عید

۴۰۔ نمازِ عیدالفطر اور نمازِ عیدالأضحیٰ کی تکبیرات

امام ابوحنیفہؒ کے مطابق عیدالفطر اور عیدالأضحیٰ دونوں کی نمازوں میں کُل نو تکبیرات ہیں۔ امام پہلی رکعت میں چار تکبیرات کہے گا، پھر قراءت کرے گا اور تکبیر کہہ کر رکوع میں جائے گا۔ پھر دوسری رکعت میں قراءت کے بعد چار تکبیرات کہے گا اور چوتھی تکبیر کے بعد رکوع میں جائے گا۔ یہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا قول ہے(۳)۔

امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور حنابلہ کے نزدیک پہلی رکعت میں سات تکبیرات اور دوسری رکعت میں پانچ تکبیرات ہیں جو دونوں رکعتوں میں قراءت سے قبل کہی جائیں گی۔ جمہور فقہاء نے حضرت ابوہریرۃؓ اور حضرت علیؓ کے اقوال پر عمل کیا ہے(۴)۔ حنفی امام محمد شیبانیؒ کہتے ہیں: حضرت ابوہریرۃؓ کے قول کی نسبت حضرت ابن مسعودؓ کا قول زیادہ لائق ہے کہ اسے لیا جائے(۵)۔

۴۱۔ نمازِ عید کی قضا

حنبلی فقیہ ابن قدامہؒ نے لکھا ہے: جس کی نمازِ عید فوت ہو جائے تو اس پر اس کی قضا لازم نہیں ہے۔ البتہ اگر وہ اس کی قضا کرنا چاہے تو اسے اختیار ہے۔ وہ چاہے تو چار رکعات ایک سلام کے ساتھ قضا کرے یا دو سلام کے ساتھ(۶)۔ اس کی تائید میں حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کا یہ قول ہے: جس شخص کی نمازِ عید فوت ہو جائے تو وہ چار

۱۔ بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع ۹۸/۱

۲۔ ابن ابی شیبہ، المصنّف، کتاب صلوٰۃ التطوع و الإمامة، فی المسافر یطیل المقام فی المصر ۳۴۱/۱

۳۔ کتاب الحجّة علی أهل المدینة ۲۹۸/۱

۴۔ الإستذکار ۳۹۴/۲-۳۹۵۔ المدوّنة الکبریٰ ۲۴۶/۱ وما بعد۔ الأم ۲۷۰/۱۔ المغنی ۲۷۱/۳۔ الإستذکار ۳۹۴/۲

۵۔ کتاب الحجّة علی أهل المدینة ۲۹۹/۱

۶۔ المغنی ۲۸۴/۳

رکعات قضا کرے اور جس کی نمازِ جمعہ فوت ہو جائے تو وہ چار رکعات قضا کرے(۱)۔حضرت علیؓ سے بھی ایک ایسا قول روایت کیا گیا ہے(۲)۔

۴۲۔عیدالاضحیٰ کی تکبیرات کا وقت

امام ابوحنیفہؒ کی رائے ہے کہ عیدالاضحیٰ کی تکبیرات عرفہ کے دن نمازِ فجر سے شروع کر کے یومِ نحر یعنی قربانی کے آخری دن نمازِ عصر تک کہی جائیں گی۔امام ابویوسفؒ اور امام محمدؒ کے مطابق یہ تکبیرات یومِ عرفہ کو نمازِ فجر سے شروع کر کے ایامِ تشریق کے آخری دن نمازِ عصر تک کہی جائیں گی۔ایامِ تشریق عید کے بعد کے تین دن ہیں۔

امام ابوحنیفہؒ نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور صاحبین یعنی امام ابویوسفؒ اور امام محمدؒ نے حضرت علیؓ کا اثر لیا ہے۔حضرت علیؓ عرفہ کے دن نمازِ فجر سے ایامِ تشریق کی آخری نمازِ عصر کے بعد تک تکبیرات کہتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے ایامِ تشریق کی تکبیرات کے بارے میں فرمایا تھا:عرفہ کے دن نمازِ فجر کے بعد سے لے کر یومِ نحر نمازِ عصر کے بعد تک تکبیرات کہی جائیں گیں(۳)۔

امام مالکؒ کے نزدیک حکم یہ ہے کہ ایامِ تشریق میں تکبیر نمازوں کے بعد کہی جائے۔اسے یومِ نحر کو نمازِ فجر کے بعد شروع کیا جائے۔امام تکبیر کہے اور لوگ اس کے ساتھ تکبیر کہیں۔اسے ایامِ تشریق کے آخری دن نماز ظہر کے بعد ختم کیا جائے۔اس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت عمرؓ یہ تکبیر عرفہ کے دن نمازِ فجر سے شروع کرتے اور ایامِ تشریق کے آخری دن نمازِ ظہر تک تکبیر کہتے تھے(۴)۔

نمازِ جنازہ

۴۳۔انسانی عضو کو غسل اور اس کی نمازِ جنازہ

احناف کا مسلک یہ ہے کہ اگر جسم کا کوئی عضو مثلاً ایک ہاتھ یا ایک پاؤں مل جائے تو اسے غسل نہ دیا جائے،لیکن اگر جسم کا بیشتر حصہ مل جائے تو اسے غسل دیا جائے۔فقہائے احناف کی دلیل قولِ صحابی ہے۔حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا:انسان کے عضو پر نماز نہ ادا کی جائے۔یہ قول اس بات کی بھی دلیل ہے کہ عضو کو غسل بھی نہ دیا جائے کیونکہ غسل نمازِ جنازہ کے لیے دیا جاتا ہے(۵)۔

۱۔ عبدالرزاق، المصنّف، کتاب العیدین، باب من صلاها غیر متوضیء و من فاته العیدان ۳۰۰/۳۔ ابن ابی شیبہ، المصنّف، کتاب صلوٰة العیدین، الرجل یفوته الصلوٰة فی العید کم یصلی ۸۸/۲

۲۔ السنن الکبریٰ، کتاب صلوٰة العیدین، باب الإمام یأمر أن یصلی بضعفة الناس فی المسجد ۳۱۰/۳

۳۔ کتاب الأصل ۳۸۴/۱، ۳۸۵۔ محمد، کتاب الآثار ص ۴۲۔ کتاب الحجّة علی أهل المدینة ۳۰۸/۱۔ ابویوسف، کتاب الآثار ص ۶۰

۴۔ الإستذکار ۳۳۷/۴

۵۔ بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع ۳۰۲/۱

شافعی فقہاء کے نزدیک میت کے عضو کو غسل دیا جائے گا اور اس پر نمازِ جنازہ ادا کی جائے گی۔ امام احمد بن حنبلؒ کا بھی یہی قول ہے(۱)۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے شام کے ملک میں انسانی ہڈیوں پر نمازِ جنازہ ادا کی تھی(۲)۔ حضرت عمرؓ سے بھی ایسا ہی منقول ہے(۳)۔ حضرت ابوعبیدۃؓ نے ملک شام میں انسانی سروں پر نمازِ جنازہ ادا کی تھی(۴)۔ جنگِ جمل (۳۶ھ) میں پرندے نے ایک ہاتھ لا کر شہر مکہ مکرمہ میں پھینک دیا تھا تو اہلِ مکہ نے اسے انگوٹھی سے پہچانا، اسے غسل دیا اور اس پر نماز جنازہ ادا کی تھی۔ یہ حضرت طلحہؓ یا حضرت عبدالرحمٰن بن عتاب بن اسیدؓ کا ہاتھ تھا(۵)۔

۴۴۔ خاوند کا بیوی کی میت کو غسل دینا

کیا خاوند اپنی بیوی کی میت کو غسل دے سکتا ہے؟ امام ابوحنیفہؒ کہتے ہیں کہ یہ جائز نہیں ہے۔ حنفی فقہاء اپنے موقف کی تائید میں دیگر عقلی دلائل کے علاوہ حضرت عمرؓ کا ایک قول بھی پیش کرتے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے اپنی بیوی کی وفات پر فرمایا تھا: جب وہ زندہ تھی تو ہم اس کے زیادہ حق دار تھے اور جب وہ فوت ہوگئی تو اب تم اس کے زیادہ حق دار ہو۔ امام محمدؒ کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے اپنی بیوی کے فوت ہونے کے بعد اس پر اپنا کوئی حق نہیں رکھا۔ اسی طرح ہم کہتے ہیں کہ خاوند اپنی بیوی کو غسل نہیں دے سکتا اور نہ اس پر نمازِ جنازہ کی امامت کرا سکتا ہے(۶)۔

امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک خاوند کا اپنی بیوی کی میت کو غسل دینا جائز ہے(۷)۔ حنبلی فقیہ خِرَقیؒ کا موقف ہے: اگر ناگزیر ہو تو خاوند کا اپنی بیوی کی میت کو غسل دینے میں کوئی حرج نہیں ہے، اگر خاوند کے علاوہ کوئی اور غسل دینے والا موجود ہو تو پھر خاوند کے لیے ایسا کرنا مکروہ ہے(۸)۔

جمہور نے آثارِ صحابہؓ سے استدلال کیا ہے۔ حضرت علیؓ نے حضرت فاطمہؓ کی میت کو غسل دیا تھا(۹)۔

۱۔ المجموع شرح المهذب ۲۵۳/۵ ومابعد۔ المغنی ؟

۲۔ ابن ابی شیبہ، المصنّف، کتاب الجنائز، فی الصلوٰۃ علی العظام و علی الرؤوس ۲۳۵/۳

۳۔ المغنی ۴۸۰/۳

۴۔ ابن ابی شیبہ، المصنّف، کتاب الجنائز، فی الصلوٰۃ علی العظام وعلی الرؤوس ؟

۵۔ السنن الکبریٰ، کتاب الجنائز، باب ما ورد فی غسل بعض الأعضاء ۱۸/۴۔ المجموع شرح المهذب ۲۵۳/۵۔ بدائع الصنائع ۳۰۲/۱۔ أُسد الغابة ۴۶۸/۳

۶۔ محمد، کتاب الآثار ص ۴۷۔ کتاب الأصل ۷۴/۳

۷۔ الإستذکار ۱۱/۳۔ الأم ۳۱۱/۱۔ المغنی ۴۶۱/۳

۸۔ المغنی ۴۶۱/۳ ومابعد

۹۔ الأم ۳۱۲/۱۔ الإستذکار ۱۱/۳۔ المدوّنة الکبریٰ ۲۶۰/۱۔ السنن الکبریٰ، کتاب الجنائز، باب الرجل یغسل إمرأته إذا ماتت ۳۹۶/۳

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے اپنی بیوی کی میت کو غسل دیا تھا(۱)۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا قول ہے: لوگوں میں سب سے زیادہ حق دار شوہر ہے کہ وہ اپنی بیوی کی میت کو غسل دے اور اس پر نماز جنازہ کی امامت کرائے (۲)۔

۴۵۔نمازِ جنازہ کی امامت کا حق دار

حنبلی فقیہ خرقیؒ لکھتے ہیں: نمازِ جنازہ کی امامت کرانے کا زیادہ حق دار وہ ہے جس کے لیے مرنے والے نے وصیت کی ہو۔ ابن قدامہؒ کے مطابق اس پر اجماعِ صحابہؓ ہے۔ حضرت ابوبکرؓ نے وصیت کی تھی کہ ان پر نمازِ جنازہ کی امامت حضرت عمرؓ کرائیں۔ حضرت عمرؓ نے حضرت صہیبؓ کے لیے، حضرت اُم سلمہؓ نے حضرت سعید بن زیدؓ کے لیے، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے حضرت زبیرؓ کے لیے، حضرت ابوبکرۃؓ نے حضرت ابو برزۃؓ کے لیے، حضرت عائشہ صدیقہؓ نے حضرت ابو ہریرۃؓ کے لیے اور حضرت ابو سریحہؓ نے حضرت زید بن ارقمؓ کے لیے وصیت کی تھی کہ وہ ان پر نمازِ جنازہ کی امامت کرائیں۔ صحابہ کرامؓ کے یہ تمام فیصلے مشہور ہوئے اور ان کی مخالفت ظاہر نہیں ہوئی تھی۔ لہٰذا اِس پر اجماع ثابت ہوگیا(۳)۔

۴۶۔میت کی قبر پر نمازِ جنازہ

شافعی فقہاء یہ مسلک رکھتے ہیں کہ اگر کسی شخص کی امام کے ساتھ نمازِ جنازہ فوت ہو جائے تو وہ میت کی قبر پر نمازِ جنازہ ادا کرلے۔ اس مسئلہ میں وہ حضرت علیؓ کا عمل روایت کرتے ہیں۔ امام بیہقیؒ نے اس پر روایات جمع کی ہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت سَہل بن حُنَیفؓ فوت ہو گئے تو حضرت علیؓ نے ان پر نمازِ جنازہ ادا کی تھی۔ حضرت قُرظہ بن کعبؓ اور آپ کے ساتھی نماز جنازہ ادا نہ سکے تھے۔ وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ آئے اور کہا: یاامیر المومنین! ہم سَہلؓ پر نمازِ جنازہ نہیں ادا کر سکے۔ حضرت علیؓ نے فرمایا: تم اس پر نمازِ جنازہ ادا کرلو۔ لوگوں نے حضرت قُرظہ بن مالکؓ کی امامت میں حضرت سَہلؓ پر نمازِ جنازہ ادا کی۔ اس مسئلہ میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ اور حضرت عائشہؓ کے بھی ایسے ہی اقوال ہیں (۴)۔

۴۷۔باغیوں اور ڈاکوؤں پر نمازِ جنازہ

احناف کے مطابق اسلامی ریاست کے باغیوں اور ڈاکوؤں پر نماز جنازہ نہیں ادا کی جائے گی۔ اس کی

۱۔ السنن الکبریٰ، کتاب الجنائز، باب الرجل یغسل إمرأته إذا ماتت ۳/۳۹۷

۲۔ عبدالرزاق، المصنّف، کتاب الجنائز، باب المرأة تغسل الرجل ۳/۴۱۰۔ السنن الکبریٰ، کتاب الجنائز، باب الرجل یغسل إمرأته إذا ماتت ۳/۳۹۷

۳۔ المغنی ۳/۴۰۵-۴۰۶

۴۔ المجموع شرح المهذب ۵/۲۴۹۔ السنن الکبریٰ، کتاب الجنائز، باب الرجل تفوته الصلوٰة مع الإمام فلیصلیها بعده ۴/۴۸

دلیل حضرت علیؓ کا عمل ہے۔حضرت علیؓ نے اپنے عہدِ خلافت میں ایسا کیا تھا۔آپ نے اہلِ نہروان (۱) کوغسل دیا اور نہ ان پر نماز جنازہ ادا کی۔ جب آپ سے پوچھ گیا: کیا یہ لوگ کافر ہیں؟ آپ نے فرمایا: یہ ہمارے بھائی ہیں، انہوں نے ہمارے خلاف بغاوت کی ہے جس کی وجہ سے ہم نے ان کے خلاف لڑائی کی ہے(۲)۔اس واقعہ میں حضرت علیؓ نے یہ اشارہ دیا ہے کہ اہلِ نہروان کوغسل نہ دینا اوران پر نماز جنازہ نہ ادا کرنا ان کی تذلیل واہانت اور دوسروں کے لیے عبرت کے طور پر ہے۔ یہ واقعہ صحابہؓ کی موجودگی میں ہوا تھا،کسی نے حضرت علیؓ کے اس اقدام مخالفت نہیں کی تھی۔لہٰذا یہ صحابہؓ کا اجماع سمجھا جاتا ہے(۳)۔

زکوۃ

۴۸۔مقروض صاحبِ نصاب پرزکوٰۃ

احناف کہتے ہیں: اگرکسی صاحبِ نصاب پر قرض ہوتو بقدراس قرض کے اس پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی، خواہ قرض کی ادائیگی فوراً ہو یا تاخیر سے۔ان کی دلیل حضرت عثمانؓ کا ماہِ رمضان میں دیا جانے والا خطبہ ہے جس میں آپ نے فرمایا تھا: اے لوگو! تمہاری زکوٰۃ کا یہ مہینہ آ گیا ہے۔پس جس پرکوئی قرض ہےتو وہ اسے ادا کرے، پھر باقی کی زکوٰۃ دے(۴)۔حضرت عثمانؓ نے صحابہ کرامؓ کی موجودگی میں یہ خطبہ دیا اورکسی نے آپ کی مخالفت نہیں کی۔پس صحابہ کرامؓ کا اس بات پر اجماع ہوگیا کہ جس قدر مال قرض میں گھِرا ہو،اس پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے(۵)۔

۴۹۔نابالغ اوریتیم پرزکوٰۃ

احناف کے نزدیک نابالغ اور یتیم پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے(۶)۔انہوں نے اپنے موقف کی تائید میں

۱۔ حضرت علیؓ اورحضرت معاویہؓ کےلشکروں کے درمیان جنگِ صفین (۳۷ھ) میں قرآن کی تحکیم کے مسئلہ پرحضرت علیؓ کے حامیوں میں سے ایک گروہ نے تحکیم کوکفر قرار دیا اور کہا کہ اللہ کے علاوہ کسی اورکوحکم نہیں بنایا جاسکتا۔وہ لوگ حضرت علیؓ کے خلاف ہوگئے اورخوارج کہلائے۔خوارج نے اپنی افرادی قوت نہروان میں جمع کرلی اورحضرت علیؓ کی خلافت اورمسلمانوں کےخلاف ریشہ دوانیاں شروع کردیں۔حضرت علیؓ نے ان کے خلاف تلوار اٹھانے سے پہلے انہیں سمجھانے اورراہِ راست پر لانے کی کوشش کی مگروہ باز نہ آئے۔خارجیوں نے حضرت علیؓ کےلشکر پرحملہ کرنے میں پہل کردی جس پرحضرت علیؓ کےلشکرکو بھی لڑنا پڑا۔ایک خونریز جنگ کے بعد خوارج کوشکستِ فاش ہوئی اوروہ مارے گئے۔ماخوذ۔ تاریخ اسلام ازشاہ معین الدین احمد ص۳۰۴ومابعد

۲۔ البدایة و النهاية ۲۸۷/۷

۳۔ بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع ۳۱۲/۱

۴۔ محمد، کتاب الآثار ص ۶۰۔عبدالرزّاق،المصنّف، کتاب الزکوة، باب لا زکوة إلا فی فضل ۹۲/۴، ۹۳۔ الأم ۵۳/۲

۵۔ بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع ۶/۲

۶۔ کتاب الحجة علی أهل المدینة ۴۵۸/۱ ۔ابویوسف، کتاب الآثار ص ۹۲۔محمد، کتاب الآثار ص ۶۰، ۱۷۱

اقوالِ صحابہؓ پیش کیے ہیں۔ حضرت علیؓ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا: بچے پر نماز فرض ہونے تک اس پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے(۱)۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا: یتیم کے مال پر زکوٰۃ نہیں ہے(۲)۔ ایسا ہی ایک قول حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا ہے(۳)۔

مالکی، شافعی اور حنبلی فقہاء کے نزدیک یتیم کے مال پر زکوٰۃ واجب ہے، زکوٰۃ کی فرضیت کے لیے بلوغت شرط نہیں ہے(۴)۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا: یتیموں کے اموال تجارت میں لگاؤ تا کہ انہیں زکوٰۃ ختم نہ کر دے(۵)۔ قاسم بن محمدؒ کہتے ہیں: میں اور میرا بھائی ہم دونوں یتیم تھے اور حضرت عائشہؓ کی پرورش میں تھے، وہ ہمارے اموال میں سے زکوٰۃ نکالتی تھیں(۶)۔ حضرت علیؓ اپنے زیر پرورش یتیموں کے اموال سے زکوٰۃ نکالا کرتے تھے(۷)۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا بھی یہی عمل تھا(۸)۔ حضرت جابرؓ بھی مالِ یتیم میں زکوٰۃ کے قائل تھے(۹)۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا تھا: مالِ یتیم میں سے زکوٰۃ کا حساب کیا جائے، جب وہ بالغ ہو جائے تو اسے حسابِ زکوٰۃ کے بارے میں بتا دیا جائے(۱۰)۔

۵۰۔ سونے اور چاندی کے زیورات پر زکوٰۃ

احناف سونے اور چاندی سے بنے زیورات پر زکوٰۃ کے قائل ہیں۔ انہوں نے قرآن وسنّت کے علاوہ قولِ صحابی سے بھی دلیل لی ہے۔ امام محمدؒ نے روایت بیان کی ہے کہ ایک عورت نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے پوچھا: میرے پاس زیور ہے، کیا مجھ پر اس میں سے زکوٰۃ ادا کرنا واجب ہے؟ آپ نے فرمایا: ہاں(۱۱)۔ زیورات پر فرضیتِ زکوٰۃ کے بارے میں حضرت عمرؓ کا بھی ایک قول ہے(۱۲)۔

۱۔ بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع ۴/۲

۲۔ کتاب الحجّة علی أهل المدینة ۱/۴۵۹۔ محمد، کتاب الآثار ص ۶۰، ۱۷۱

۳۔ کتاب الحجّة علی أهل المدینة ۱/۴۶۰

۴۔ الإستذکار ۳/۱۵۵۔ المجموع شرح المهذب ۵/۳۳۱

۵۔ الموطا، کتاب الزکوة، باب زکوة الیتامٰی و التجارة لهم فیها ص ۲۱۵

۶۔ حوالہ بالا

۷۔ ابن ابی شیبہ، المصنّف، کتاب الزکوة، ما قالوا فی مال الیتیم زکوة و من کان یزکیه ۳/۴۰

۸۔ عبدالرزّاق، المصنّف، کتاب الزکوة، باب صدقة مال الیتیم والإلتماس فیه و إعطاء زکوته ۴/۶۶

۹۔ ابن ابی شیبہ، المصنّف، کتاب الزکوة، ما قالوا فی مال الیتیم زکوة ۳/۴۰

۱۰۔ ابویوسف، کتاب الآثار ص۹۲۔ کتاب الحجّة علی أهل المدینة ۱/۴۵۸۔ السنن الکبریٰ، کتاب الزکوة، باب من تجب علیه الصدقة ۴/۱۰۸

۱۱۔ محمد، کتاب الآثار ص ۶۱

۱۲۔ السنن الکبریٰ، کتاب الزکوة، باب من قال فی الحلی زکوة ۴/۱۳۹

فقہائے مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک عورتوں کے زیر استعمال زیورات پر زکوٰۃ نہیں ہے(۱)۔ وہ دیگر دلائل کے علاوہ آثارِ صحابہؓ سے بھی استدلال کرتے ہیں۔

امام احمد بن حنبلؒ کا قول ہے: پانچ صحابہ کرامؓ نے فرمایا کہ زیورات پر زکوٰۃ نہیں ہے، ان کی زکوٰۃ انہیں ادھار دینا ہے(۲)۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت جابرؓ، حضرت انسؓ، حضرت عائشہؓ اور حضرت اسماءؓ کے مطابق اگر زیورات پہنے یا ادھار دیئے جاتے ہیں تو ان پر زکوٰۃ نہیں ہے(۳)۔ حضرت ابن مسعودؓ سے بھی ایک ایسا قول مروی ہے(۴)۔ حضرت عائشہؓ اپنی زیر پرورش بھتیجیوں کے زیورات میں سے زکوٰۃ نہیں نکالتی تھیں(۵)۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ اپنی بیٹیوں اور لونڈیوں کو سونے کے زیورات پہناتے اور ان سے زکوٰۃ نہیں نکالتے تھے(۶)۔ حضرت جابرؓ سے کسی نے زیورات پر زکوٰۃ کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا: نہیں۔ اس شخص نے پوچھا: اگرچہ زیورات ہزار دینار تک پہنچ جائیں؟ آپ نے فرمایا: کثیر(۷)، یعنی خواہ وہ بہت زیادہ ہو جائیں۔

۵۱۔ مال کی زکوٰۃ قرض خواہ پر ہے یا مقروض پر؟

امام ابراہیم نخعیؒ کے نزدیک اگر ایک شخص نے دوسرے کو ایک ہزار درہم قرض دیا تو اس سال کی زکوٰۃ اسے استعمال کرنے والے اور اس سے فائدہ لینے والے پر ہے۔ حنفی فقیہ امام محمد شیبانیؒ یہ قول نقل کرنے کے بعد کہتے ہیں: ہم نے یہ قول نہیں لیا، بلکہ ہم حضرت علیؓ کے اس قول پر عمل کرتے ہیں کہ مال کی زکوٰۃ اس کے مالک پر واجب ہے۔ جب وہ اسے اپنے قبضہ میں لے گا تو وہ گزشتہ سالوں کی زکوٰۃ دے گا(۸)۔ امام محمدؒ نے اپنے استاد امام ابوحنیفہؒ کے استاد کے استاد امام ابراہیم نخعیؒ کا قول چھوڑ کر صحابی حضرت علیؓ کا قول اختیار کیا ہے۔

۵۲۔ کونسی بکری زکوٰۃ میں دی جائے

امام ابوحنیفہؒ کے مطابق بکری کی زکوٰۃ میں صرف ثَنی یعنی وہ بکری جو دوسرے سال میں داخل ہو چکی ہو یا اس سے زیادہ عمر والی بکری جائز ہے۔ حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا: زکوٰۃ میں صرف بکری کا ثَنی اور

۱۔ المدوّنة الکبریٰ ۱/۳۰۵۔ الأم ۲/۴۴۔ المغنی ۴/۲۲۰

۲۔ المغنی ۴/۲۲۱

۳۔ حوالہ بالا ۴/۲۲۰

۴۔ المدوّنة الکبریٰ ۱/۳۰۶

۵۔ الموطا، کتاب الزکاة، باب ما لا زکاة فیه من الحلی و التبر و العنبر ص ۲۱۴

۶۔ حوالہ بالا

۷۔ الأم ۲/۴۴۔ السنن الکبریٰ، کتاب الزکوة، باب من قال لا زکوة فی الحلی ۴/۱۳۸

۸۔ محمد، کتاب الآثار ص ۶۰

اس سے اوپر ہی کافی ہو سکتا ہے۔ یہ بیان کرنے کے بعد حنفی فقیہ کاسانیؒ لکھتے ہیں: حضرت علیؓ کے قول کے خلاف کسی صحابی سے مروی نہیں ہے، لہٰذا یہ اجماعِ صحابہؓ سے ثابت ہے۔ مزید یہ کہ نصابِ زکوٰۃ میں قیاس و اجتہاد کا دخل نہیں ہے، پس ظاہر میں یہی ہے کہ حضرت علیؓ نے یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سن کر کہی ہے(۱)۔

روزہ

۵۳۔ روزہ دار کا بیوی کا بوسہ لینا

احناف کی رائے میں روزہ دار کے لیے بیوی کا بوسہ لینے میں کوئی حرج نہیں ہے اگر وہ اپنے نفس پر قابو رکھتا ہو(۲)۔ امام مالکؒ کے نزدیک ایسا کرنا مکروہ ہے، خواہ روزہ دار بوڑھا ہو یا نوجوان(۳)۔ امام شافعیؒ کے مطابق نوجوان کے لیے بیوی کا بوسہ لینا مکروہ ہے لیکن بوڑھے کے لیے رخصت ہے(۴)۔

احناف اور شوافع نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا قول لیا ہے۔ آپ کے پاس ایک بوڑھا آیا اور روزہ میں بیوی کا بوسہ لینے کا پوچھا۔ حضرت ابن عباسؓ نے اسے ایسا کرنے میں رخصت دی۔ پھر آپ کے پاس ایک نوجوان آیا تو آپ نے اسے ایسا کرنے سے منع کر دیا(۵)۔ روزہ دار کے لیے بوسہ کے جواز میں حضرت علیؓ اور حضرت ابوہریرۃؓ کے اقوال بھی ہیں(۶)۔ امام مالکؒ نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے بجائے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا قول اختیار کیا ہے کیونکہ اس میں احتیاط ہے(۷)۔ حضرت ابن عمرؓ روزہ دار کو بوسہ لینے سے منع کرتے تھے(۸)۔

۵۴۔ مریض صحت یابی کے بعد فرض روزے قضا کیے بغیر فوت ہو جائے

احناف کے مطابق جو شخص رمضان شروع ہونے سے قبل بیمار ہوا، ماہِ رمضان گزر گیا اور وہ تندرست نہ ہوا، پھر وہ اپنی وفات سے ایک ماہ قبل صحت یاب ہو گیا تو اس کا بیٹا اس کی طرف سے رمضان کے روزوں کی قضا نہیں کر سکتا۔ اس بارے میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور امام ابراہیم نخعیؒ کے اقوال موجود ہیں(۹)۔ حضرت ابن عمرؓ کے یہ

۱۔ بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع ۲/۳۲-۳۳

۲۔ حوالہ بالا ۲/۱۰۶

۳۔ المدوّنة الکبریٰ ۱/۲۶۸۔ الإستذکار ۳/۲۹۷

۴۔ الأم ۲/۱۰۷

۵۔ عبدالرزّاق، المصنّف، کتاب الصیام، باب القبلة للصائم ۴/۱۸۵۔ الموطا، کتاب الصیام، باب ما جاء فی التشدید فی القبلة للصائم ص ۲۴۴

۶۔ ابن ابی شیبہ، المصنّف، کتاب الصیام، من رخص فی القبلة للصائم ۲/۴۷۵

۷۔ الإستذکار ۳/۲۹۷

۸۔ الموطا، کتاب الصیام، باب ما جاء فی القبلة للصائم ص ۲۴۴

۹۔ کتاب الأصل ۲/۲۲۹-۲۳۰

الفاظ بھی روایت کیے گئے ہیں: کوئی کسی کی طرف سے نہ نماز ادا کرے اور نہ روزہ رکھے۔ لیکن اگر تم نے ایسا کیا تو پھر تم نے اس کی طرف سے صدقہ یا ہدیہ کیا(۱)۔

۵۵۔ حیض اور نفاس میں عورت کے روزے

حیض اور نفاس کے دوران عورت پر رمضان کے روزے واجب نہیں ہیں، بلکہ اس پر ان روزوں کی قضا لازم ہے(۲)۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت عائشہؓ سے ایک عورت نے پوچھا: حائضہ روزہ کی قضا کیوں کرتی ہے حالانکہ وہ نماز کی قضا نہیں کرتی؟ حضرت عائشہؓ نے فرمایا: کیا تم حروریہ(۳) ہو؟ عورت نے کہا: میں حروریہ نہیں ہوں، بلکہ میں نے پوچھا ہے۔

حضرت عائشہؓ نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہمیں ایسی حالت پیش آتی تھی۔ ہمیں روزہ قضا کرنے کا حکم دیا گیا اور ہمیں نماز قضا کرنے کا حکم نہیں دیا گیا(۴)۔ احناف کہتے ہیں: ظاہر ہے کہ حضرت عائشہؓ کا یہ فتویٰ صحابہؓ تک پہنچا اور کسی کا انکار منقول نہیں ہے۔ لہٰذا اِس پر صحابہ کرامؓ کا اجماع ہے(۵)۔

اعتکاف

۵۶۔ نفلی اعتکاف میں عیادت کے لیے باہر جانا

شافعی فقیہ ابو اسحاق شیرازیؒ کہتے ہیں: نفلی اعتکاف میں عیادت کے لیے باہر جانا جائز ہے۔ نفلی اعتکاف میں معتکف کو اختیار ہے کہ وہ باہر نکل کر اپنا اعتکاف باطل کر دے۔ اگر معتکف قضائے حاجت اور کھانا وغیرہ کے لیے باہر نکلا اور راستہ میں مریض کے بارے میں پوچھ لیا مگر ٹھہرا نہیں تو یہ درست ہے۔ اس سے اعتکاف باطل نہیں ہوتا۔ لیکن اگر وہ رک گیا تو اس کا اعتکاف باطل ہو جائے گا(۶)۔ اس کی دلیل حضرت عائشہ صدیقہؓ کا عمل ہے۔ آپ دورانِ اعتکاف جب کسی ضرورت کے لیے اپنے گھر سے نکلتیں اور کسی مریض کے پاس سے گزرتیں تو اس سے پوچھتیں مگر اس کے پاس کھڑی نہیں ہوتی تھیں(۷)۔

۱۔ عبدالرزاق، المصنّف، کتاب الوصایا، الصدقة عن المیّت ۹/۶۱

۲۔ بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع ۲/۸۹۔ المغنی ۴/۳۹۷

۳۔ حروریہ۔ یہ لوگ کوفہ کے قریب ایک مقام حروراء کی طرف منسوب ہیں۔ اس جگہ خوارج کا پہلا اجتماع ہوا تھا، اس لیے خوارج اس علاقہ کی طرف منسوب کیے جاتے ہیں۔ اللباب فی تهذیب الأنساب ۱/۳۵۹۔ معجم البلدان ۲/۲۴۵

۴۔ عبدالرزاق، المصنّف، کتاب الحیض، باب قضاء الحائض الصلوة ۱/۳۳۱۔ السنن الکبریٰ، کتاب الحیض، باب الحائض تقضی الصوم و لا تقضی الصلوٰة ۱/۳۰۸

۵۔ بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع ۲/۸۹

۶۔ المجموع شرح المهذب ۶/۵۱۰

۷۔ عبدالرزاق، المصنّف، کتاب الإعتکاف، باب سنّة الإعتکاف ۴/۳۵۸

۵۷۔ معتکف کا خرید وفروخت کرنا

احناف کہتے ہیں: معتکف کا خرید وفروخت کرنا جائز ہے۔ خرید وفروخت سے مراد زبانی معاملہ طے کرنا ہے، نہ کہ سامان مسجد میں لانا۔ احناف نے اس مسئلہ میں جہاں کتاب وسنت میں مذکور احکامِ بیع وشراء کے عموم سے استدلال کیا ہے وہاں حضرت علیؓ کا اثر بھی لیا ہے۔ آپ نے اپنے بھتیجے سے فرمایا تھا: تم نے کوئی خادم کیوں نہیں خرید لیا؟ اس نے جواب دیا: میں اعتکاف میں تھا۔ حضرت علیؓ نے فرمایا: اگر تم خرید لیتے تو تم پر کیا گناہ ہوتا؟ یہاں حضرت علیؓ نے مسجد میں خریداری کے جواز کی طرف اشارہ فرمایا ہے(۱)۔

حضرت علیؓ کا ایک اور واقعہ ہے۔ آپ نے جَعدة بن ہُبَیرةؓ کو چھ سو درہم دیئے تا کہ وہ کوئی خادم خرید سکیں۔ راستہ میں ملنے پر حضرت علیؓ نے جعدةؓ سے اس بارے میں پوچھا۔ انہوں نے جواب دیا: میں اعتکاف میں تھا۔ حضرت علیؓ نے فرمایا: اگر تم نکل کر بازار سے اسے خرید لیتے تو تم پر کیا گناہ ہوتا؟(۲)۔

حج

۵۸۔ مُحرم کا اپنا چہرہ ڈھانپنا

شوافع کے نزدیک مُحرم، یعنی وہ شخص جو حالتِ احرام میں ہو، اس کا اپنا چہرہ ڈھانپنا جائز ہے، اس پر کوئی فدیہ نہیں ہے۔ امام نوویؒ نے اسے جمہور علماء کا قول کہا ہے(۳)۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ حضرت عثمانؓ اور حضرت زید بن ثابتؓ حالتِ احرام میں اپنے چہرے ڈھانپ لیتے تھے(۴)۔

۵۹۔ مُحرم کا سایہ میں بیٹھنا

اکثر فقہاء کے نزدیک بلا کراہت جائز ہے کہ مُحرم خیمہ کے سایہ میں بیٹھے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت عمرؓ درخت پر کپڑا یا چمڑا ڈال لیتے اور اس کے سائے میں بیٹھتے تھے۔ حضرت عثمانؓ کے لیے منٰی میں خیمہ گاڑا جاتا تھا جس کے سایہ میں وہ بیٹھتے تھے(۵)۔

۶۰۔ حجِ تمتع میں قربانی

حجِ تمتع (۶) میں ہدی یعنی قربانی سے متعلق قرآن کا حکم ہے:

۱۔ بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع ۲/۱۱۷
۲۔ عبدالرزّاق، المصنّف، کتاب الإعتکاف، باب المعتکف و ابتیاعه و طلب الدنیا ۴/۳۶۲
۳۔ المجموع شرح المهذب ۷/۲۶۸
۴۔ السنن الکبریٰ، کتاب الحج، باب لا یغطی المحرم راسه و له أن یغطی وجهه ۵/[illegible] ۔ الموطا، کتاب الحج، باب تخمیر المحرم وجهه ص ۲۶۷
۵۔ بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع ۲/۱۸۶۔ المغنی ۵/۱۳۱
۶۔ اس کی وضاحت پیچھے صفحہ ۳۷۱ پر گزر چکی ہے۔

فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ إِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ أَيَّامٍ فِي الْحَجِّ وَ سَبْعَةٍ إِذَا رَجَعْتُمْ تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ(۱)

پس جو تم میں حج کے وقت عمرہ سے فائدہ اٹھانا چاہے وہ جیسی قربانی میسر ہو کرے اور جسے قربانی نہ ملے وہ تین روزے ایامِ حج میں رکھے اور سات جب تم واپس لوٹ جاؤ۔ یہ پورے دس ہوئے۔

فقہائے احناف کہتے ہیں: اگر روزے نہ رکھے اور یہ ایام گزر جائیں تو روزے فوت ہو کر ساقط یعنی ختم ہو جاتے ہیں اور قربانی کا حکم لوٹ آتا ہے(۲)۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ کے پاس ایک آدمی آیا جس نے حجِ تمتع کیا تھا اور اس کے دس روزے فوت ہو گئے تھے۔ حضرت عمرؓ نے اسے فرمایا: بکری ذبح کر دو۔ اس شخص نے جواب دیا: میرے پاس نہیں ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا: اپنی قوم سے مانگ لو۔ اس نے کہا: ان میں سے کوئی بھی یہاں نہیں ہے۔ حضرت عمرؓ نے اپنی طرف سے اسے بکری کی قیمت دلوا دی۔ ایسا ہی ایک قول حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا بھی ہے(۳)۔

۶۱۔ حالتِ احرام میں عورت کا ریشم و زیور پہننا

حنفی فقیہ کاسانیؒ نے لکھا ہے: اکثر علماء کے نزدیک عورت حالتِ احرام میں ریشم، سونا اور جو زیور چاہے پہن سکتی ہے، اس میں کوئی حرج نہیں ہے(۴)۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی بیویاں اور بیٹیاں حالتِ احرام میں زیورات پہنا کرتی تھیں(۵)۔

۶۲۔ منٰی کے بجائے کہیں اور قربانی کا جانور ذبح کرنا

امام ابوحنیفہؒ کے مطابق جس نے ایامِ حج میں منٰی کے بجائے کہیں اور قربانی کا جانور ذبح کیا تو جائز ہے، اگر وہ جگہ حرم میں واقع ہو(۶)۔ اس کی دلیل حضرت ابن عباسؓ کا یہ قول ہے: سارا مکہ قربانی کی جگہ ہے لیکن اسے خون کی آلودگی سے بچایا گیا ہے اور منٰی مکہ کا حصہ ہے(۷)۔

۱۔ البقرة ۲:۱۹۶

۲۔ بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع ۲/۱۷۳

۳۔ ابن ابی شیبہ، المصنّف، کتاب الحج، فی المتمتع إذا فاته الصوم ۴/۲۲۸

۴۔ بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع ۲/۱۸۶

۵۔ ابن ابی شیبہ، المصنّف، کتاب الحج فی الحلی للمحرمة و الزینة ۴/۳۶۷

۶۔ کتاب الحجّة علی أهل المدینة ۲/۴۱۵

۷۔ حوالہ بالا ۲/۴۱۷

۶۳۔قربانی کے ایام

احناف کے نزدیک ایامِ قربانی تین ہیں: دس، گیارہ اور بارہ ذوالحجہ۔اس کی دلیل حضرت عمرؓ،حضرت علیؓ، حضرت ابن عمرؓ،حضرت ابن عباسؓ اور حضرت انسؓ کے اقوال ہیں (۱)۔اس مسئلہ میں فقہائے احناف کا استدلال یہ ہے:صحابہ کرامؓ نے یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہوگی کیونکہ عبادات اور قربِ الٰہی کے اوقات سماع کے بغیر معلوم نہیں ہوسکتے (۲)۔

نکاح

۶۴۔دورانِ عدت نکاح

جس عورت نے دورانِ عدت کسی شخص سے نکاح کیا اور ان دونوں کے درمیان جماع ہوگیا تو امام ابوحنیفہؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک ان دونوں کے درمیان تفریق کرادی جائے گی۔پھر پہلے شوہر سے باقی عدت پوری ہونے کے بعد وہ دوسرے شوہر سے عدّت پوری کرے،اس کے بعد وہ چاہے تو دوسرے شوہر سے شادی کرسکتی ہے (۳)۔ امام ابوحنیفہؒ نے اپنے موقف کی تائید میں حضرت علیؓ کا قول لیا ہے۔حضرت علیؓ نے عدّت میں نکاح کرنے والی عورت کے بارے میں فرمایا تھا:اس عورت اور اس کے دوسرے خاوند کے درمیان تفریق کرادی جائے گی۔عورت کو اس سے مہر ملے گا۔وہ عورت پہلے خاوند سے بقیہ عدّت مکمل کرے گی ،پھر دوسرے خاوند سے ایک مستقل عدّت گزارے گی۔پھر وہ چاہے تو دوسرے (خاوند) سے نکاح کرسکتی ہے (۴)۔

امام مالکؒ کے نزدیک دونوں میں علیحدگی کرادی جائے گی اور وہ عورت دوسرے شوہر کے لیے کبھی حلال نہیں ہوگی (۵)۔امام مالکؒ اور ان کے ہم خیال فقہاء نے حضرت عمرؓ کا قول اختیار کیا ہے۔سعید بن میسّبؒ اور سلیمان بن یسارؒ سے مروی ہے کہ ایک خاتون طلیحہ الاسدیہؒ کے خاوند نے اسے طلاق دی تو طلیحہؒ نے عدت میں دوسرے شخص سے نکاح کرلیا۔حضرت عمرؓ نے ان دونوں کو دُرّے مارے،ان کا نکاح چھڑادیا اور فرمایا: جس عورت نے عدّت میں نکاح کیا اور شوہر نے اس کے ساتھ خلوتِ صحیحہ نہ کی ہو تو دونوں میں تفریق کرادی جائے گی۔وہ عورت

۱۔ السنن الکبریٰ ، کتاب الضحایا، باب من قال الأضحي یوم النحر و یومین بعده ۔ بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع ۶۵/۵

۲۔ بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع ۶۵/۵

۳۔ محمد، کتاب الآثار ص ۸۷۔ بدایة المجتهد و نهایة المقتصد ۲۹۴/۴

۴۔ محمد، کتاب الآثار ص ۸۷۔ کتاب الحجّة علی أهل المدینة ۱۹۱/۳۔عبدالرزّاق، المصنّف، کتاب النکاح، باب نکاحها فی عدّتها ۲۰۸/۶

۵۔ الإستذکار ۴۷۳/۵۔ بدایة المجتهد و نهایة المقتصد ۲۹۴/۴۔ المدوّنة الکبریٰ ۲۱/۲

پہلے شوہر سے عدت کی بقیہ مدّت پوری کرے گی، پھر دوسرے شوہر کی حیثیت رشتہ مانگنے والوں میں سے ایک کی طرح ہوگی۔ اگر دوسرے شوہر نے اس سے خلوتِ صحیحہ کر لی ہو تو دونوں میں تفریق کرا دی جائے گی، پھر وہ عورت پہلے شوہر سے عدت کی بقیہ مدّت پوری کرے گی۔ پھر وہ دوسرے شوہر سے عدت پوری کرے گی، پھر وہ دونوں کبھی نکاح نہیں کریں گے(۱)۔

حنفی فقیہ امام محمد شیبانیؒ کہتے ہیں: ہم نے حضرت علیؓ کا قول اختیار کیا ہے اور ہمیں یہ بات پہنچی ہے کہ حضرت عمرؓ نے اپنے قول سے رجوع کر لیا تھا(۲)۔

۶۵۔زانی اور زانیہ کا آپس میں نکاح

امام ابوحنیفہؒ کہتے ہیں: جس نے عورت سے زنا کے بعد اس سے نکاح کرنا چاہا تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔احناف نے بطور دلیل حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے آثار پیش کیے ہیں۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اپنے عہد میں ایک کنوارے مرد اور کنواری عورت پر حد جاری کی، پھر دونوں کی شادی کرادی تھی۔اس واقعہ میں استبراءِ رحم (یعنی یہ کہ حمل نہیں ٹھہرا) یا عدّت کا کوئی ذکر نہیں ملتا۔حضرت عمرؓ سے بھی ایسا ہی واقعہ منقول ہے(۳)۔حضرت ابن عباسؓ سے اس شخص کے بارے میں پوچھا گیا جو عورت سے زنا کرنے کے بعد اس سے نکاح کرنا چاہتا ہے، آپ نے فرمایا: اس کا پہلا کام جرم تھا اور دوسرا کام نکاح ہے(۴)۔حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت عائشہؓ بھی اس نکاح کی حمایت کرتے ہیں(۵)۔

۶۶۔مرض الموت میں نکاح

جس نے حالتِ مرض میں نکاح کیا اور پھر اُسی مرض میں فوت ہو گیا تو احناف اور شوافع کے نزدیک ایسا نکاح صحیح ہے(۶)۔حضرت معاذ بن جبلؓ نے مرض الموت میں فرمایا تھا: میری شادی کرادو، مجھے ناپسند ہے کہ میں مجرّد یعنی بے نکاحا ہو کر اللہ سے ملوں(۷)۔حضرت عمرؓ نے فرمایا تھا: جب آدمی نے اپنی بیماری میں عورت سے نکاح

۱۔ الموطا، کتاب النکاح، باب جامع ما لا یجوز من النکاح ص۴۲۳۔السنن الکبریٰ، کتاب العدد، باب إجتماع العدتین ۷/۴۴۱

۲۔ محمد، کتاب الآثار ص ۸۷۔کتاب الحجّة علی أھل المدینة ۳/۱۸۷

۳۔ کتاب الحجّة علی أھل المدینة ۳/۳۸۷ ومابعد

۴۔ کتاب الحجّة علی أھل المدینة ۳/۳۹۲۔عبدالرزّاق، المصنّف، باب الرجل یزنی بامرأة ثم یتزوجھا ۷/۲۰۲

۵۔ عبدالرزّاق، المصنّف، باب الرجل یزنی بامرأة ثم یتزوجھا ۷/۲۰۲

۶۔ کتاب الحجّة علی أھل المدینة ۳/۴۹۵۔ الأم ۴/۱۰۸۔ المجموع شرح المھذب ۱۵/۴۳۹

۷۔ الأم ۴/۱۰۹۔کتاب الحجّة علی أھل المدینة ۳/۵۰۰

کیا تو عورت کو ایک تہائی میں سے مہر ملے گا۔ یہ قول نقل کرنے کے بعد حنفی فقیہ امام محمدؒ لکھتے ہیں: حضرت عمرؓ نے یہ نکاح باطل قرار نہیں دیا تھا(۱)۔

۶۷۔ مفقود الخبر کی بیوی کا نکاحِ ثانی کرنا

مفقود الخبر یعنی وہ شوہر جس کے بارے میں کوئی خبر نہ ہو کہ وہ کہاں ہے، اس کی بیوی سے متعلق احناف کا فتویٰ ہے کہ وہ نکاحِ ثانی نہیں کر سکتی جب تک اسے اپنے شوہر سے طلاق یا اس کی وفات کی خبر نہ مل جائے۔ پھر وہ عدت گزار کر دوسرا نکاح کر سکتی ہے، ورنہ وہ خود کو نکاحِ ثانی سے روکے رکھے گی (۲)۔ اس کی دلیل حضرت علیؓ کا ایک قول ہے۔ آپ نے مفقود الخبر کی بیوی کے بارے میں فرمایا تھا: وہ صبر کرے یہاں تک کہ اس کی وفات یا اس کی طرف سے بیوی کو طلاق دینے کی خبر آ جائے (۳)۔ ایسا ایک قول حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے بھی فرمایا ہے (۴)۔

امام شافعیؒ کے مطابق بھی وہ عورت کبھی نکاح نہیں کر سکتی جب تک کہ شوہر کی وفات کا یقین نہ ہو جائے اور اس کی عدت نہ گزار لے۔ یہ آپ کا قولِ جدید ہے (۵)۔

امام مالکؒ کی رائے میں مفقود الخبر کی بیوی چار برس انتظار کرے، پھر وہ چار ماہ دس دن عدت گزار کر نکاح کر سکتی ہے (۶)۔ ان کی دلیل حضرت عمرؓ کا یہ قول ہے: جس عورت کا شوہر گم ہو جائے اور اس کا پتہ معلوم نہ ہو کہ وہ کہاں ہے، تو جس روز سے اس کے متعلق خبر منقطع ہوئی ہے، اس روز سے چار برس تک انتظار کرے۔ پھر چار ماہ دس دن عدت گزار کر وہ چاہے تو نکاح کر لے (۷)۔ ایسا ہی حضرت عثمانؓ سے ثابت ہے (۸)۔

امام احمد بن حنبلؒ کی رائے بھی یہی ہے کہ مفقود الخبر کی بیوی چار سال انتظار کرے، پھر عدتِ وفات چار ماہ دس دن گزارے، پھر وہ شادی کر سکتی ہے۔ امام احمدؒ کے مطابق جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے اپنے قول سے

۱۔ كتاب الحجّة على أهل المدينة ۳/۵۰۱-۵۰۲

۲۔ كتاب الحجّة على اهل المدينة ۴/۴۹۔ محمد، كتاب الآثار ص ۹۶

۳۔ محمد، كتاب الآثار ص ۹۶۔ عبدالرزّاق، المصنّف، باب التى لا تعلم مهلك زوجها ۷/۸۷۔ ابن ابی شیبہ، المصنّف، كتاب النكاح، فى إمرأة المفقود من قال: ليس لها أن تزوج ۳/۳۵۲۔ الإستذكار ۶/۱۳۳

۴۔ الإستذكار ۶/۱۳۳۔ عبدالرزّاق، المصنّف، باب التى لا يعلم مهلك زوجها ۷/۹۰-۹۱

۵۔ الأم ۵/۲۵۵۔ المجموع ۸/۱۵۵

۶۔ الإستذكار ۶/۱۳۰۔ المدوّنة اكبرىٰ ۲/۳۰،۳۱

۷۔ الموطا، كتاب الطلاق، باب عدّة التى تفقد زوجها ص ۴۵۰۔ المدوّنة الكبرىٰ ۲/۳۱۔ السنن الكبرى، كتاب العدد، باب من قال تنتظر أربع سنين ثم أربعة أشهر و عشرًا ثم تحل ۷/۴۴۵

۸۔ عبدالرزّاق، المصنّف، باب التى لا تعلم مهلك زوجها ۷/۸۵۔ السنن الكبرىٰ، كتاب العدد، باب من قال تنتظر أربع سنين ثم أربعة أشهر وعشرًا ثم تحل ۷/۴۴۵

رجوع کر لیا تھا، وہ لوگ درست نہیں کہتے (۱)۔ ابن حجر عسقلانیؒ لکھتے ہیں: میں نے کہیں نہیں پایا کہ حضرت عمرؓ نے اپنے قول سے رجوع کر لیا تھا (۲)۔

۶۸۔ عنّین شوہر کو علاج کے لیے مہلت

تمام فقہاء کے نزدیک عنّین یعنی وہ شوہر جو بیوی سے جماع پر قادر نہ ہو، اسے علاج کے لیے ایک سال کی مہلت دی جائے گی (۳)۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت عمرؓ کو ایک عورت نے اپنے شوہر کے متعلق بتایا کہ وہ اس سے صحبت نہیں کر سکتا۔ آپ نے شوہر کو علاج کے لیے ایک سال کی مہلت دی۔ ایک سال گزرنے پر وہ اپنی بیوی سے صحبت نہ کر سکا تو حضرت عمرؓ نے عورت کو اختیار دیا۔ عورت نے شوہر کے بجائے خود کو اختیار کیا۔ حضرت عمرؓ نے دونوں میں تفریق کرا دی اور اسے طلاق بائن بنا دیا (۴)۔ حضرت علیؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت مغیرۃ بن شعبہؓ بھی یہی رائے رکھتے تھے (۵)۔

۶۹۔ زوجین ارتداد کے بعد مسلمان ہو جائیں

احناف نے کہا ہے: اگر خاوند اور بیوی دونوں اکھٹے مرتد ہوئے، پھر دونوں نے اکھٹے اسلام قبول کیا تو استحساناً وہ دونوں اپنے نکاح پر ہوں گے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ قبیلہ بنو حنیفہ ارتداد کے مرتکب ہوئے، پھر وہ اسلام لے آئے تھے اور صحابہ کرامؓ نے انہیں اپنے نکاحوں کی تجدید کرنے کو نہیں کہا تھا (۶)۔

۷۰۔ نکاح ثانی نہ کرنے کی شرط پر نکاح

جو شخص کسی عورت سے اس شرط پر شادی کرے کہ وہ اس پر دوسری شادی نہیں کرے گا، تو امام مالکؒ کے نزدیک ایسا نکاح جائز اور شرط باطل ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ ایک شخص نے اس شرط کے ساتھ عورت سے شادی کی تھی کہ وہ اسے اس کے علاقہ سے باہر لے کر نہیں جائے گا۔ حضرت عمرؓ نے یہ شرط ختم کر دی اور فرمایا تھا: عورت

۱۔ المغنی ۲۴۸/۱۱

۲۔ الدرایۃ فی تخریج احادیث الهدایۃ ۱۴۳/۲

۳۔ ابو یوسف، کتاب الآثار ص ۱۴۱۔ المغنی ۸۲/۱۰۔ المدوّنۃ الکبریٰ ۱۸۴/۲-۱۸۵۔ محمد، کتاب الآثار ص ۱۰۷۔ الهدایۃ ۴۲۶/۲

۴۔ محمد، کتاب الآثار ص ۱۰۷۔ المدوّنۃ الکبریٰ ۱۸۵/۲۔ ابن ابی شیبہ، المصنّف، کتاب النکاح کم یؤجل العنین ۳۳۱/۳-۳۳۲، کتاب الطلاق، ما قالوا فی إمرأۃ العنین ۱۲۴/۴۔ ابو یوسف، کتاب الآثار ص ۱۴۱۔ السنن الکبریٰ، کتاب النکاح، باب أجل العنّین ۲۲۶/۷

۵۔ عبدالرزّاق، المصنّف، کتاب النکاح، باب أجل العنّین ۲۵۳/۶، ۲۵۴۔ ابن ابی شیبہ، المصنّف، کتاب النکاح، کم یؤجل العنّین ۳۳۱/۳۔ السنن الکبریٰ، کتاب النکاح، باب اجل العنّین ۲۲۶/۷، ۲۲۷

۶۔ الهدایۃ ۳۶۷/۲

اپنے خاوند کے ساتھ ہے(۱)۔

رضاعت

۷۱۔رضاعت پر گواہی

احناف کے مطابق رضاعت یعنی ماں کے بجائے کسی اور عورت کا بچے کو اپنا دودھ پلانے کو ثابت کرنے کے لیے دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں گواہی دیں گے۔اس سے کم آدمیوں کی گواہی قبول نہیں ہے اور نہ اکیلی عورتوں کی گواہی قبول ہے(۲)۔اس کی دلیل حضرت عمرؓ کا قول ہے۔آپ نے فرمایا تھا: دو سے کم گواہ ہونے پر رضاعت تسلیم نہیں کی جائے گی۔امام محمد شیبانیؒ کہتے ہیں: ہم نے یہ قول اختیار کیا ہے(۳)۔ایک عورت نے کہا کہ اس نے ایک شخص اور اس کی بیوی دونوں کو دودھ پلایا ہے۔حضرت عمرؓ نے فرمایا: ایک عورت کی گواہی قبول نہیں ہے جب تک دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں گواہی نہ دیں(۴)۔

حنبلی فقیہ خرقیؒ نے لکھا ہے: اگر ایسی عورت نے رضاعت پر گواہی دی جو دودھ پلانے والی ہے تو نکاح حرام ہو جائے گا۔امام احمد بن حنبلؒ سے ایک روایت ہے کہ اگر وہ عورت دودھ پلانے والی ہے تو اس سے حلف لیا جائے گا۔اگر وہ اپنی گواہی میں جھوٹی ہوئی تو ایک سال گزرنے سے پہلے ہی اس کی چھاتیوں پر برص کے سفید نشانات پڑ جائیں گے(۵)۔حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا تھا: رضاعت میں اکیلی دودھ پلانے والی عورت کی گواہی جائز ہے لیکن گواہی کے ساتھ اس سے قسم بھی لی جائے گی۔ایک روایت میں ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا تھا: دیکھو' اگر وہ جھوٹی ہوئی تو بہت جلد اس پر مصیبت آئے گی۔راوی کا بیان ہے کہ ابھی ایک سال نہیں گزرا تھا کہ اس عورت کی چھاتیوں پر برص کے نشانات بن گئے تھے(۶)۔

مدتِ حمل

۷۲۔حمل کی زیادہ سے زیادہ مدت

احناف کے نزدیک حمل کی زیادہ سے زیادہ مدت دو سال ہے(۷)۔اس کی دلیل حضرت عائشہؓ کا یہ قول

۱۔ المدوّنة الكبرىٰ ۱۳۱/۲

۲۔ بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع ۱۴/۴

۳۔ کتاب الأصل ۱۱۲/۳

۴۔ السنن الکبریٰ، کتاب الرضاع، باب شهادة النساء فی الرضاع ۴۶۳/۷

۵۔ المغنی ۳۴۰/۱۱

۶۔ عبدالرزّاق، المصنّف، باب شهادة إمرأة علی الرضاع ۴۸۲/۷

۷۔ بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع ۲۱۱/۳۔ الهدایة ۴۳۸/۲

ہے: عورت کا حمل چرخہ کے تکلہ کو تیل لگانے کے برابر بھی دو سال سے زیادہ نہیں ہو سکتا (۱)۔ حنفی فقیہ کاسانیؒ کہتے ہیں: بظاہر یہی ہے کہ حضرت عائشہؓ نے یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سن کر کہی ہوگی۔ ایسی بات اجتہاد سے معلوم نہیں ہو سکتی۔ حضرت عائشہؓ کے متعلق یہ گمان نہیں کیا جا سکتا کہ انہوں نے یہ بات محض اندازے سے کہی ہوگی۔ لہٰذا اِس مسئلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت عائشہؓ کا سماع متعیّن ہے (۲)۔ امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک بھی حمل کی اکثر مدت دو سال ہے۔ حنابلہ نے بھی حضرت عائشہؓ کا قول دلیل بنایا ہے (۳)۔

۷۳۔ حمل کی کم سے کم مدت

کم سے کم مدتِ حمل چھ ماہ ہے (۴)۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت عمرؓ کے سامنے ایسی عورت کا مقدمہ پیش ہوا جس نے چھ ماہ بعد بچہ جنم دیا تھا۔ حضرت عمرؓ نے عورت کو رجم کرنے کا ارادہ کیا۔ حضرت علیؓ نے حضرت عمرؓ سے فرمایا: آپ کو یہ حق حاصل نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَ الْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ (۵)

اور مائیں اپنے بچوں کو پورے دو سال دودھ پلائیں

اور فرمایا:

وَ حَمْلُهُ وَ فِصَالُهُ ثَلَاثُوْنَ شَهْرًا (۶)

اور بچہ کا حمل میں رہنا اور دودھ چھوڑنا تیس ماہ میں ہوتا ہے۔

پس دو سال اور چھ ماہ کل تیس ماہ ہو گئے، اس لیے یہ عورت رجم نہیں کی جائے گی۔ حضرت عمرؓ نے حضرت علیؓ کا موقف تسلیم کرتے ہوئے عورت کو چھوڑ دیا۔ اس نے دوسری مرتبہ پھر اتنی ہی مدت بعد ایک بچے کو جنم دیا تھا (۷)۔

ایسا ایک قول حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا بھی ہے جو آپ نے ایسے ہی ایک مقدمہ میں حضرت عثمانؓ سے کہا تھا (۸)۔ عاصم الاحولؒ نے عِکرِمہؒ سے کہا: ہمیں یہ بات پہنچی ہے کہ حضرت علیؓ نے ایسا کہا تھا۔ عِکرِمہؒ نے جواب

۱۔ السنن الكبرىٰ، كتاب العدد، باب ما جاء في اكثر الحمل ۷/۴۴۳
۲۔ بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع ۳/۲۱۱
۳۔ المغني ۱۱/۲۳۲
۴۔ الأم ۵/۲۳۸۔ المغني ۱۱/۲۳۱۔ بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع ۳/۲۱۱
۵۔ البقرة ۲: ۲۳۳
۶۔ الأحقاف ۴۶: ۱۵
۷۔ السنن الكبرىٰ، كتاب العدد، باب ما جاء في أقل الحمل ۷/۴۴۲۔ عبدالرزّاق، المصنّف، باب التي تضع لستة أشهر ۷/۳۵۰
۸۔ عبدالرزّاق، المصنّف، باب التي تضع لستة أشهر ۷/۳۵۱۔ السنن الكبرىٰ، كتاب العدد، باب ما جاء في أقل الحمل ۷/۴۴۲

دیا: حضرت ابن عباسؓ کے سوا کسی نے یہ قول نہیں کہا(۱)۔

طلاق

۷۴۔ خیارِ طلاق استعمال کر کے شوہر کو اختیار کرنا

احناف کہتے ہیں: اگر شوہر نے اپنی بیوی کو اختیارِ طلاق دے دیا اور بیوی نے اپنے شوہر کو اختیار کر لیا تو اس سے طلاق واقع نہیں ہوتی۔ اس مسئلہ میں احناف نے حضرت عائشہؓ کا یہ قول لیا ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اختیار دیا تو ہم نے آپ کو اختیار کر لیا(۲)۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے طلاق شمار نہیں کیا تھا۔ ایسا ہی قول حضرت عمرؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا ہے(۳)۔

۷۵۔ خیارِ طلاق استعمال کر کے بیوی کا خود کو اختیار کرنا

اگر بیوی نے خیارِ طلاق کا حق استعمال کر کے خود کو اختیار کر لیا تو احناف کے مطابق یہ ایک طلاقِ بائن ہے(۴)۔ امام مالکؒ کے نزدیک یہ تین طلاقیں ہیں(۵)۔ شوافع اور حنابلہ کے نزدیک یہ ایک طلاقِ رجعی ہے(۶)۔

احناف اپنی تائید میں حضرت علیؓ کا قول لائے ہیں: اگر بیوی نے خود کو اختیار کیا تو یہ ایک طلاقِ بائن ہے(۷)۔ امام مالکؒ نے حضرت زید بن ثابتؓ کا یہ قول لیا ہے: اگر بیوی نے خود کو اختیار کیا تو یہ تین طلاقیں ہوں گی اور وہ اپنے سابقہ شوہر پر حرام ہوگی، جب تک وہ کسی دوسرے سے نکاح نہ کر لے(۸)۔ شوافع اور حنابلہ نے بھی دلیل میں حضرت عمرؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے اقوال پیش کیے ہیں۔

زاذانؒ کہتے ہیں: میں حضرت علیؓ کے پاس بیٹھا تھا۔ آپ سے خیار کے متعلق پوچھا گیا۔ آپ نے فرمایا: مجھ سے امیر المومنین حضرت عمرؓ نے اس بارے میں پوچھا تو میں نے کہا تھا: اگر بیوی نے خود کو اختیار کیا تو یہ طلاقِ بائن ہے اور اگر اس نے اپنے خاوند کو اختیار کیا تو یہ ایک طلاق ہے اور خاوند اس کا زیادہ حق دار ہے۔ حضرت عمرؓ نے

۱۔ المغنی ۲۳۲/۱۱

۲۔ محمد، کتاب الآثار ص ۱۱۶۔ بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع ۱۱۹/۳۔ بدایة المجتهد ۳۶۶/۴

۳۔ ابن ابی شیبہ، المصنّف، کتاب الطلاق، ما قالوا فی الرجل یخیر إمرأته فتختاره أو تختار نفسها ۴۶،۴۵/۴

۴۔ بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع ۱۲۰/۳۔ بدایة المجتهد ۳۶۶/۴

۵۔ شرح الخرشی علی مختصر سیدی خلیل ۷۱/۴

۶۔ الأم ۲۷۵/۵۔ المغنی ۳۸۲/۱۰

۷۔ ابن ابی شیبہ، المصنّف، کتاب الطلاق، ما قالوا فی الرجل یخیّر إمرأته فتختاره أو تختار نفسها ۴۵/۴۔ عبدالرزّاق، المصنّف، باب الخیار ۹/۷

۸۔ محمد، کتاب الآثار ص ۱۱۶۔ عبدالرزّاق، المصنّف، باب الخیار ۹/۷۔ السنن الکبریٰ، کتاب الخلع والطلاق، باب ما جاء فی التخییر ۳۴۵/۷

فرمایا: ایسا نہیں ہے جس طرح آپ (حضرت علیؓ) کہتے ہیں۔ اگر بیوی نے خود کو اختیار کیا تو یہ ایک طلاق ہے اور اگر اس نے اپنے شوہر کو اختیار کیا تو پھر کوئی طلاق نہیں ہوگی اور خاوند اپنی بیوی کا زیادہ حق دار ہے (۱)۔

اس مسئلہ میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے اقوال حضرت عمرؓ کے قول کے مطابق ہیں (۲)۔ حضرت ابن مسعودؓ کا ایک قول حضرت علیؓ کے قول کے مطابق ہے کہ یہ طلاق بائن ہے (۳)۔

۷۶۔ شوہر اپنی بیوی کو کہے: تم مجھ پر حرام ہو

اگر کسی نے اپنی بیوی کو کہا: "تم مجھ پر حرام ہو"، تو امام مالکؒ کہتے ہیں کہ شوہر سے اس کی نیت نہیں پوچھی جائے گی اور تین طلاقیں واقع ہو جائیں گی۔ آپ نے تائید میں حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ اور حضرت ابو ہریرۃؓ کے اقوال نقل کیے ہیں (۴)۔ حضرت زید بن ثابتؓ کے مطابق بھی اس جملے سے تین طلاقیں واقع ہو جائیں گی (۵)۔

ابن قدامہؒ نے امام ابوحنیفہؒ کا قول نقل کیا ہے کہ اگر شوہر نے اپنی بیوی سے کہا: "تو مجھ پر حرام ہے"، تو اس سے بیوی حرام نہیں ہوگی بلکہ یہ یمین یعنی قسم ہے اور شوہر پر کفارۂ یمین (۶) لازم ہوگا (۷)۔ اسے یمین قرار دینے

۱۔ ابن ابی شیبہ، المصنّف، کتاب الطلاق، ما قالوا فی الرجل یخیّر إمرأته فتختاره أو تختار نفسها ۴/۴۶۔ السنن الکبریٰ، کتاب الخلع و الطلاق، باب ما جاء فی التخییر ۷/۳۴۵

۲۔ عبدالرزاق، المصنّف، باب الخیار ۷/۸۔ السنن الکبریٰ، کتاب الخلع و الطلاق، باب ما جاء فی التخییر ۷/۳۴۵۔ ابن ابی شیبہ، المصنّف، کتاب الطلاق، ما قالوا فی الرجل یخیّر إمرأته فتختاره أو تختار نفسها ۴/۴۵، ۴۷

۳۔ ابن ابی شیبہ، المصنّف، کتاب الطلاق، ما قالوا فی الرجل یخیّر إمرأته فتختاره أو تختار نفسها ۴/۴۵

۴۔ المدوّنة الکبریٰ ۲/۲۸۵ ومابعد۔ ابن ابی شیبہ، المصنّف، کتاب الطلاق، ما قالوا فی الحرام، من قال لها: أنت علیّ حرام، من رآه طلاقا ۴/۵۵

۵۔ السنن الکبریٰ، کتاب الخلع و الطلاق، باب من قال لإمرأته أنت علیّ حرام ۷/۳۵۰۔ ابن ابی شیبہ، المصنّف، کتاب الطلاق، باب ما قالوا فی الحرام، من قال لها: أنت علیّ حرام، من رآه طلاقا ۴/۵۶

۶۔ کفارۂ یمین یعنی قسم توڑنے کا کفارہ دس مساکین کو اوسط درجے کا کھانا کھلانا یا کپڑے دینا یا ایک غلام آزاد کرنا یا تین دن روزے رکھنا ہے۔ قرآن مجید میں ہے: ﴿لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيٓ اَيْمَانِكُمْ وَ لٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَيْمَانَ فَكَفَّارَتُهٗٓ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِيْنَ مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِيْكُمْ اَوْ كِسْوَتُهُمْ اَوْ تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ ذٰلِكَ كَفَّارَةُ اَيْمَانِكُمْ اِذَا حَلَفْتُمْ وَ احْفَظُوْٓا اَيْمَانَكُمْ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ﴾ [المآئدة ۵:۸۹] تم لوگ جو بے ارادہ قسمیں کھاتے ہو اُن پر اللہ تعالیٰ گرفت نہیں کرتے، مگر جو قسمیں تم ارادتاً کھاتے ہو ان پر وہ ضرور تم سے مواخذہ کریں گے۔ ایسی قسموں کا کفارہ یہ ہے کہ دس مسکینوں کو وہ اوسط درجہ کا کھانا کھلاؤ جو تم اپنے بال بچوں کو کھلاتے ہو، یا انہیں کپڑے پہناؤ، یا ایک غلام آزاد کرو اور جو اس کی استطاعت نہ رکھتا ہو وہ تین دن کے روزے رکھے۔ یہ تمہاری قسموں کا کفارہ ہے جبکہ تم قسم کھا کر توڑ دو۔ اپنی قسموں کی حفاظت کیا کرو۔ یوں اللہ تعالیٰ اپنے احکام تمہارے لیے واضح کرتے ہیں شائد کہ تم شکر ادا کرو۔

۷۔ المغنی ۱۰/۳۹۶

والوں میں حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عائشہؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے اقوال ملتے ہیں (۱)۔ امام شافعیؒ نے نقل کیا ہے کہ امام حمادؒ نے امام ابراہیم نخعیؒ سے اس شخص کے بارے میں پوچھا جس نے اپنی بیوی سے کہا: ''تم مجھ پر حرام ہو''۔ امام نخعیؒ نے جواب دیا: اگر اس نے طلاق کی نیت کی تو یہ طلاق ہے، ورنہ یہ یمین ہے (۲)۔ حنابلہ کے نزدیک ایسا قول ظہار (۳) ہے۔ وہ اس کی تائید میں حضرت عثمانؓ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے اقوال پیش کرتے ہیں (۴)۔

۷۷۔ حالتِ نشہ میں بیوی کو طلاق دینا

جس نے شراب پی اور حالتِ نشہ میں اپنی بیوی کو طلاق دی تو جمہور فقہاء کے نزدیک طلاق واقع ہو جاتی ہے (۵)۔ انہوں نے دیگر دلائل کے علاوہ اقوالِ صحابہؓ سے بھی استدلال کیا ہے۔ حضرت عمرؓ نے عورتوں کی گواہی کے ساتھ طلاقِ سکران یعنی نشہ کی حالت میں طلاق جائز قرار دی ہے (۶)۔ حضرت علیؓ کا قول ہے: ہر طلاق جائز ہے سوائے پاگل کی طلاق کے (۷)۔

۱۔ ابن ابی شیبہ، المصنّف، کتاب الطلاق، باب من قال: الحرام یمین ولیست بطلاق ۵۶/۴، ۵۷۔ السنن الکبریٰ، کتاب الخلع والطلاق، باب من قال لإمرأته أنت عليّ حرام ۳۵۰/۷۔ المعنی ۳۹۶/۱۰

۲۔ الأم ۲۷۸/۵

۳۔ ظہار سے مراد ایک پُشت کو دوسری پُشت سے تشبیہ دینا ہے۔ شوہر بیوی سے کہے: ''تم میرے لیے میری ماں کی پُشت کی طرح ہو''۔ ظہار کا کفارہ یہ ہے: ایک غلام آزاد کرنا، یا دو ماہ مسلسل روزے رکھنا، یا ساٹھ مساکین کو کھانا دینا۔ ظہار سے متعلق احکام قرآن مجید میں یوں بیان ہوئے ہیں:
﴿وَ الَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا قَالُوْا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَآسَّا ذٰلِكُمْ تُوْعَظُوْنَ بِهٖ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ. فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَآسَّا فَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَاِطْعَامُ سِتِّيْنَ مِسْكِيْنًا ذٰلِكَ لِتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ وَ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ﴾ [المجادلة ۵۸: ۳۔۴] جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کریں پھر اپنی اُس بات سے رجوع کریں جو انہوں نے کہی تھی، تو قبل اس کے کہ دونوں ایک دوسرے کو ہاتھ لگائیں، ایک غلام آزاد کرنا ہوگا۔ اس سے تمہیں نصیحت کی جاتی ہے۔ جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے باخبر ہے۔ جو شخص غلام نہ پائے وہ دو مہینے کے پے در پے روزے رکھے، قبل اس کے کہ دونوں ایک دوسرے کو ہاتھ لگائیں۔ جو اس پر بھی نہ قادر ہو وہ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے۔ یہ حکم اس لیے دیا جا رہا ہے کہ تم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاؤ۔ یہ اللہ تعالیٰ کی مقرر کی ہوئی حدیں ہیں اور کافروں کے لیے دردناک سزا مقرر ہے۔

۴۔ المغنی ۳۹۶/۱۰، ۳۹۷

۵۔ بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع ۹۹/۳، المدوّنة الکبریٰ ۸۳/۲۔ الأم ۲۷۰/۵۔ المجموع شرح المهذب ۶۲/۱۷۔ المغنی ۳۴۷/۱۰

۶۔ ابن ابی شیبہ، المصنّف، کتاب الطلاق، من اجاز طلاق السکران ۳۱/۴

۷۔ السنن الکبریٰ، کتاب الخلع و الطلاق، باب من قال یجوز طلاق السکران و عتقه ۳۵۹/۷

طلاقِ سکران پر صحابہ کرامؓ کے مابین اختلاف ہے۔ حضرت عثمانؓ اسے جائز قرار نہیں دیتے (۱)۔ امام احمد بن حنبلؒ نے اس مسئلہ میں توقف فرمایا ہے اور صحابہ کرامؓ کے اختلافی اقوال اور متعارض دلائل کی بنا پر کوئی جواب نہیں دیا، بلکہ یہ کہا ہے: اس مسئلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرامؓ نے اختلاف کیا ہے (۲)۔ امام احمد بن حنبلؒ کا اختلافِ صحابہؓ میں یہ عمل بھی رہا ہے کہ آپ نے جس مسئلہ میں صحابہ کرامؓ کا اختلاف دیکھا، اس سے متعلق جواب دینے میں توقف کیا، صحابہؓ کے اختلافی اقوال بیان کر دیئے مگر اپنی کوئی رائے نہ دی۔

۷۸۔ مفقود الخبر کی بیوی شادی کرلے اور مفقود واپس آجائے

یہ امام ابوحنیفہؒ کی رائے میں اگر مفقود الخبر یعنی وہ شوہر جس کے متعلق کوئی اطلاع نہ ہو کہ وہ کہاں ہے، اس کی بیوی نے دوسری شادی کر لی، پھر اس کا پہلا خاوند واپس آ گیا تو عورت اور اس کے آخری شوہر کے درمیان جدائی کرا دی جائے گی۔ وہ عورت تین حیض گزار کر پہلے خاوند کی طرف لوٹ جائے گی (۳)۔ وہ عورت ہر حال میں پہلے شوہر کی بیوی ہے (۴)۔ اس کی دلیل حضرت علیؓ کا یہ قول ہے: وہ عورت پہلے شوہر کی بیوی ہے۔ وہ اس وقت تک شادی نہیں کرے گی جب تک اس کے شوہر کی طرف سے طلاق یا اس کی موت کی خبر نہ آجائے (۵)۔

جس عورت کو اپنے شوہر کی موت کی خبر پہنچی اور اس نے شادی کر لی، پھر پہلا شوہر آ گیا تو اس مسئلہ میں بھی امام ابوحنیفہؒ نے حضرت علیؓ کا قول لیا ہے۔ وہ عورت پہلے شوہر کو لوٹا دی جائے گی۔ آخری شوہر سے اس کی جدائی کرا دی جائے گی۔ وہ آخری شوہر سے عدّت گزارنے سے قبل پہلے شوہر کے پاس نہیں جائے گی۔ اسے آخری شوہر سے مہر ملے گا۔ پہلا شوہر بھی عورت کے پاس نہیں جائے گا جب تک وہ آخری شوہر سے عدّت نہ گزار لے (۶)۔

خُلع

۷۹۔ خلع کے لیے حاکم کی موجودگی

حنفی فقیہ کاسانیؒ نے لکھا ہے: جمہور فقہاء کے نزدیک خلع حاصل کرنے کے لیے حاکم کی موجودگی شرط نہیں ہے، خلع غیر حاکم کے پاس بھی جائز ہے (۷)۔ اس کی تائید میں حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے آثار ملتے ہیں۔

۱۔ ابن ابی شیبہ، المصنّف، کتاب الطلاق، من أجاز طلاق السکران ۴/۳۱

۲۔ المغنی ۱/۳۴۶

۳۔ کتاب الحجّة علی أهل المدینة ۴/۴۹ و مابعد

۴۔ محمد، کتاب الآثار ص ۹۶

۵۔ کتاب الحجّة علی أهل المدینة ۴/۵۸

۶۔ ابو یوسف، کتاب الآثار ص ۱۳۱

۷۔ بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع ۳/۱۴۵

حضرت عمرؓ کے پاس خلع کا معاملہ پیش ہوا تو آپ نے اسے جائز قرار دیا تھا(۱)۔ ایک عورت اوراس کا چچا دونوں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے پاس آئے۔ عورت نے بتایا کہ اس نے حضرت عثمانؓ کی خلافت میں اپنے شوہر سے خلع لیا تھا۔ یہ معلوم ہونے پر حضرت عثمانؓ نے اسے غلط قرار نہیں دیا تھا۔ حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا: ایسی عورت کی عدّت مطلّقہ عورت کی عدّت ہے(۲)۔

عدّت

۸۰۔ طلاق کے بعد حیض بند ہونے پر عدّت

حنبلی فقیہ ابن قدامہؒ کہتے ہیں: جس عورت کو طلاق کے بعد حیض آنا بند ہو گئے اور وہ نہیں جانتی کہ حیض کس وجہ سے بند ہوئے تو وہ ایک سال عدّت گزارے گی۔ اس میں نو ماہ حمل کی غالب مدّت ہے جو یہ معلوم کرنے کے لیے ہے کہ وہ حاملہ ہے یا نہیں۔ اگر حمل معلوم نہ ہو تو پھر اس کے بعد وہ عورت آیسہ۔ یعنی وہ عورت جو حیض سے مایوس ہو چکی ہو۔ اس کی عدّت تین ماہ گزارے گی۔ یہ حضرت عمرؓ کا قول ہے۔ ابن قدامہؒ نے امام شافعیؒ کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ حضرت عمرؓ نے یہ فیصلہ مہاجرین وانصار صحابہؓ کے سامنے کیا تھا اوران میں سے کسی نے اس کا انکار نہیں کیا تھا۔ امام شافعیؒ کا ایک قول چار سال پھر اس کے بعد تین ماہ کا ہے۔ امام شافعیؒ کا قولِ جدید یہ ہے کہ وہ عورت ہمیشہ عدّت میں رہے گی جب تک کہ اسے حیض نہ آ جائے، یا وہ سنِ ایاس یعنی حیض سے مایوس ہو جانے کی عمر کو نہ پہنچ جائے، پھر وہ تین ماہ عدت پوری کرے گی۔ ابن قدامہؒ کہتے ہیں: امام شافعیؒ نے جو اِجماع بیان کیا ہے، ہم نے اسے لیا ہے(۳)۔

امام شافعیؒ کا قولِ قدیم یہ ہے کہ وہ عورت سنِ ایاس کو پہنچ جانے پر نو ماہ انتظار کرے گی، پھر تین ماہ عدّت گزارے گی(۴)۔ امام مالکؒ کے نزدیک بھی اس کی عدّت ایک سال ہے(۵)۔

رجعت

۸۱۔ جڑواں بچوں والی حاملہ مطلّقہ کے خاوند کا رجوع

جس نے حاملہ بیوی کو ایک طلاق دی، اس نے ایک بچہ جنم دیا اور دوسرا ابھی پیٹ میں ہو تو امام مالکؒ کے نزدیک وہ عورت جب تک پیٹ میں موجود آخری بچہ کو جنم نہیں دے لیتی، اس کے شوہر کو رجوع کا حق ہے۔

۱۔ ابن ابی شیبہ، المصنّف، کتاب الطلاق، ما قالوا فی الخلع یکون دون السلطان ۸۸/۴

۲۔ السنن الکبریٰ، کتاب الخلع و الطلاق، باب الخلع عند غیر السلطان ۳۱۶/۷

۳۔ المغنی ۲۱۴/۱۱ ومابعد

۴۔ الأم ۲۲۹/۵

۵۔ المدوّنة الکبریٰ ۵/۲

امام مالکؒ اس کی دلیل میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت جابر بن عبداللہؓ کے اقوال لاتے ہیں(۱)۔ان کے علاوہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا قول بھی ہے کہ اگر شوہر نے حاملہ کو طلاق دی اور اس کے پیٹ میں جڑواں بچے ہوں، وہ ایک کو جنم دے چکی ہو تو جب تک وہ عورت دوسرے بچے کو جنم نہ دے لے اس کا شوہر رجوع کرسکتا ہے(۲)۔

۸۲۔مطلّقہ کا غسل نہ کرنے تک خاوند کا حق رجوع

تیسرا حیض ختم ہو جانے کے بعد غسل نہ کرنے تک عورت عدّت میں ہے اور اس کا شوہر رجوع کا حق رکھتا ہے(۳)۔اس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت عمرؓ سے ایک عورت نے کہا: میرے شوہر نے مجھے طلاق دی، پھر مجھے دو حیض آئے اور تیسرا شروع ہو گیا حتیٰ کہ تیسرے حیض کا خون بھی رک گیا۔ میں نہانے کے لیے غسل خانہ میں داخل ہوئی اور اپنے کپڑے اتارے۔ اتنے میں میرا شوہر آیا اور کہا: میں نے تیری طرف رجوع کیا۔ ابھی میں نے اپنے اوپر پانی نہیں انڈیلا تھا۔

حضرت عمرؓ کے استفسار پر حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا تھا: اے امیر المومنین! میری رائے ہے کہ وہ اپنی بیوی کی طرف رجوع کا حق رکھتا ہے کیونکہ وہ عورت ابھی حائضہ ہے، ابھی اس کے لیے نماز حلال نہیں ہوئی۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا: میری بھی یہی رائے ہے۔ حضرت عمرؓ نے عورت کو شوہر کی طرف لوٹا دیا۔ اس موقع پر آپ نے حضرت ابن مسعودؓ سے فرمایا تھا: آپ علم سے بھرا برتن ہیں(۴)۔

۸۳۔خاوند رجوع کی اطلاع نہ دے اور مطلّقہ شادی کرلے

ایک شخص نے اپنی بیوی کو طلاق دی اور اسے بتا دیا۔ پھر عدّت پوری ہونے سے قبل اس شخص نے رجوع کرلیا لیکن عورت کو اس کی اطلاع نہیں دی۔ جب وہ آیا تو وہ عورت دوسری شادی کرچکی تھی۔ اس شخص نے حضرت عمرؓ کے پاس آکر سارا معاملہ بیان کیا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا: اگر تم یہ پاؤ کہ اس عورت کے شوہر نے اس سے خلوتِ صحیحہ نہیں کی تو تم اس عورت کے زیادہ حق دار ہو۔ اگر اس نے عورت سے خلوتِ صحیحہ کرلی ہے تو پھر تمہارا اُس عورت پر کوئی حق نہیں ہے(۵)۔

حضرت علیؓ کی رائے ہے: جس نے اپنی بیوی کو ایک طلاق دی تو اسے حقِ رجوع حاصل ہے۔ پھر عدّت

۱۔ المدوّنة الكبرى ۲/۴

۲۔ عبدالرزّاق، المصنّف، باب المطلقة الحامل فی بطنها توأمان ۷/۱۷

۳۔ محمد، كتاب الآثار ص ۱۰۴۔ المغنی ۱۰/۵۵۶، ۱۱/۲۰۴

۴۔ محمد، كتاب الآثار ص ۱۰۴

۵۔ ابو یوسف، كتاب الآثار ص ۱۲۹۔ محمد، كتاب الآثار ص ۱۰۵

پوری ہونے سے قبل بیوی سے رجوع کرنے پر وہ گواہ بناتا ہے۔ عورت اس رجوع سے لاعلم ہوتے ہوئے شادی کر لیتی ہے۔ دوسرا خاوند اس سے خلوتِ صحیحہ کر لیتا ہے تو اس عورت اور دوسرے خاوند کے درمیان جدائی کرا دی جائے گی۔ وہ عورت پہلے خاوند کی طرف لوٹا دی جائے گی (۱)۔ حنفی فقیہ امام محمد شیبانیؒ کہتے ہیں: ہم نے حضرت علیؓ کا قول لیا ہے اور یہ ہمیں پہلے قول یعنی حضرت عمرؓ کے قول سے زیادہ پسندیدہ ہے۔ یہی قول امام ابوحنیفہؒ کا ہے (۲)۔

ایلاء

۸۴۔ مدتِ ایلاء گزر جانے پر طلاقِ بائن

جب شوہر اپنی بیوی سے جسمانی طور پر ترکِ مقاربت کی قسم کھائے تو اسے ایلاء کہتے ہیں جس کی مدت زیادہ سے زیادہ چار ماہ ہے۔ اس کے احکام قرآن مجید کی سورت البقرۃ (۳) میں آئے ہیں۔ احناف کے مطابق رجوع کے بغیر مدتِ ایلاء گزرنے پر طلاقِ بائن واقع ہو جاتی ہے۔ انہوں نے دیگر دلائل کے علاوہ یہ دلیل بھی دی ہے کہ اس پر اجماعِ صحابہؓ ہے کیونکہ حضرت عثمانؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور حضرت زید بن ثابتؓ سے مروی ہے کہ جب مدت ایلاء یعنی چار ماہ گزر جائیں تو یہ طلاق بائن ہے (۴)۔

ظھار

۸۵۔ اجنبی عورت سے ظہار کے بعد اس سے شادی کرنا

جس نے کسی اجنبی عورت سے کہا: ''تم میرے لیے ایسی ہو جیسے میری ماں کی پیٹھ''، پھر وہ شخص اس عورت سے شادی کر لے تو وہ کفارۂ ظہار (۵) دینے تک اس عورت سے جسمانی تعلقات قائم نہ کرے (۶)۔

اس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت عمرؓ کے زمانہ خلافت میں ایک شخص نے ایک عورت کے بارے میں یہ کہا تھا

۱۔ محمد، کتاب الآثار ص ۱۰۵، ابویوسف، کتاب الآثار ص ۱۳۰

۲۔ محمد، کتاب الآثار ص ۱۰۵

۳۔ ﴿لِلَّذِيْنَ يُؤْلُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ تَرَبُّصُ اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ فَاِنْ فَآءُوْ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ. وَ اِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ فَاِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ﴾ [البقرۃ ۲:۲۲۶،۲۲۷] جو لوگ اپنی بیویوں سے جسمانی تعلق ترک کرنے کی قسم کھا لیتے ہیں، ان کے لیے چار مہینے کی مہلت ہے۔ اگر انہوں نے رجوع کر لیا تو اللہ تعالیٰ معاف کرنے والے اور رحیم ہیں۔ اور اگر انہوں نے طلاق ہی کا عزم کر لیا ہے تو جان لیں کہ اللہ تعالیٰ سب کچھ سنتے اور جانتے ہیں۔

۴۔ بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع ۳/۱۷۷۔ الھدایۃ ۲/۴۱۱۔ عبدالرزّاق، المصنّف، کتاب الطلاق، من قال: إذا مضت أربعة أشهر فی الإیلاء تعتد ۴/۹۹۔ السنن الکبریٰ، کتاب الإیلاء، باب من قال عزم الطلاق إنقضاء الأربعة الأشهر ۷/۳۷۹

۵۔ ظہار کا کفارہ یہ ہے: ایک غلام آزاد کرنا، یا دو ماہ مسلسل روزے رکھنا، یا ساٹھ مساکین کو کھانا کھلانا۔ ظہار کی تعریف اور اس حکم سے متعلقہ قرآنی آیات صفحہ ۴۱۶ کے حاشیہ میں گزر چکی ہیں۔

۶۔ المغنی ۱۱/۷۵

کہ اگر میں اس سے نکاح کروں تو وہ مجھ پر ایسی ہے جیسے میری ماں کی پیٹھ۔ حضرت عمرؓ نے حکم دیا تھا کہ اگر وہ اس عورت سے نکاح کرے تو اس سے جماع نہ کرے جب تک کفارۂ ظہار ادا نہ کر لے(۱)۔

میراث

۸۶۔ مرض الموت میں طلاق دینے پر مطلّقہ کا میراث میں حصہ

فقہائے احناف کے مطابق جس نے مرض الموت میں بیوی کو تین طلاقیں دیں تو جب تک وہ عورت عدت میں ہے، اسے متوفی کے ترکہ میں سے حصہ ملے گا(۲)۔ اس کی دلیل حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ اور حضرت عائشہؓ کے اقوال و فیصلے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا تھا: اگر شوہر نے حالتِ مرض میں بیوی کو طلاق دی تو جب تک وہ عدت میں ہے شوہر کی وارثہ ہے۔ لیکن مرد کو عورت کے ترکہ سے کچھ نہیں ملے گا(۳)۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے حالتِ مرض میں اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیں جس کی عدت کے دوران وہ فوت ہو گئے تھے۔ حضرت عثمانؓ نے اس عورت کو حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کے ترکہ سے میراث دلوائی تھی(۴)۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے ایسی عورت کے بارے میں فرمایا تھا: وہ اپنے سابق شوہر کے ترکہ میں سے حصہ پائے گی، جب تک وہ عدت میں ہے(۵)۔

۸۷۔ دادا کی میراث

میّت کے بھائیوں اور بہنوں کے ساتھ دادا کی میراث کے مسئلہ میں امام ابوحنیفہؒ کا موقف ہے کہ دادا، باپ کی جگہ ہے۔ دادا کے ہوتے ہوئے تمام بھائی بہن میراث سے محروم رہیں گے، جیسے باپ کی موجودگی میں ان سب کو حصہ نہیں ملتا(۶)۔

امام ابو یوسفؒ، امام محمدؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک تمام بہن بھائی دادا کے ساتھ میراث پائیں گے۔ دادا، باپ کی مانند انہیں محرومِ میراث نہیں کرے گا(۷)۔

دادا کی میراث پر صحابہ کرامؓ میں اختلاف تھا جس کا اثر بعد میں فقہاء کرام کی آراء پر بھی پڑا۔ امام ابوحنیفہؒ

۱۔ الموطا، کتاب الطلاق، باب ظهار الحر ص ۴۳۹۔ السنن الکبریٰ، کتاب الظهار، باب لا ظهار قبل نكاح ۳۸۳/۷

۲۔ بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع ۲۱۹/۳۔ کتاب الحجّة على أهل المدينة ۴۹۵/۳

۳۔ عبدالرزاق، المصنّف، باب طلاق المريض ۶۴/۷۔ المدوّنة الکبریٰ ۸۹/۲

۴۔ عبدالرزاق، المصنّف، باب طلاق المريض ۶۲/۷۔ السنن الکبریٰ، کتاب الخلع والطلاق، باب ما جاء في توريث المبتوتة في مرض الموت ۳۶۲/۷

۵۔ ابن ابی شیبہ، کتاب الطلاق، ما قالوا في الرجل يطلق إمرأته ثلاثا و هو مريض، هل ترثه؟ ۱۵۱/۴

۶۔ کتاب الحجّة على أهل المدينة ۲۰۵/۴۔ بداية المجتهد و نهاية المقتصد ۴۱۸/۵۔ المغني ۶۶/۹

۷۔ الإستذكار ۳۴۰/۵۔ کتاب الحجّة على أهل المدينة ۲۰۷/۴۔ الأم ۸۵/۴، ۱۳۷/۷، ۱۸۹۔ المغني ۶۶/۹

نے جن صحابہؓ کا قول اختیار کیا ہے ان میں حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت عائشہؓ، حضرت معاذ بن جبلؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت عبداللہ بن زبیرؓ، حضرت اُبی بن کعبؓ، حضرت ابودرداءؓ، حضرت ابوموسی اشعریؓ، حضرت ابوہریرۃؓ، حضرت عمران بن حُصینؓ، حضرت جابرؓ بن عبداللہ، حضرت ابوطفیلؓ اور حضرت عبادۃ بن صامتؓ شامل ہیں(۱)۔

جمہور فقہاء نے حضرت علیؓ، حضرت زید بن ثابتؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا مسلک اپنایا ہے(۲)۔

امام شافعیؒ نے فرائض یعنی میراث کے اکثر مسائل میں حضرت زید بن ثابتؓ کا قول اختیار کیا ہے۔ مثلاً بھائیوں کے ساتھ دادا کے حصہ میں امام شافعیؒ کے نزدیک دادا کا حصہ ایک تہائی ہے، یا تقسیم میں سے جو حصہ بڑا ہے وہ دادا کو ملے گا۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں: یہ قول حضرت زید بن ثابتؓ کا ہے اور فرائض یعنی میراث کے اکثر مسائل ہم نے ان سے لیے ہیں (۳)۔

وصیّت

۸۸۔ دس سالہ بچے کا وصیّت کرنا

امام احمد بن حنبلؒ کہتے ہیں کہ جب ایک بچہ دس سال کا ہوجائے تو اس کی وصیت جائز ہے(۴) یعنی وہ وصیت کرسکتا ہے اور اگر وہ وصیت کرے تو نافذ ہوگی۔ اس کی دلیل حضرت عمرؓ سے مروی ایک فیصلہ ہے۔ آپ کو بتایا گیا کہ مدینہ میں قبیلہ غسان کا ایک لڑکا ہے جو بلوغت کے قریب ہے مگر ابھی بالغ نہیں ہوا۔ وہ صاحبِ مال ہے۔ اس کے وارث شام میں ہیں۔ یہاں سوائے ایک چچازاد بہن کے اس کا کوئی اور وارث موجود نہیں ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا تھا: وہ اسی بہن کو وصیت کرے۔ لڑکے نے اپنی اس بہن کے لیے وصیت کی۔ یہ لڑکا اپنی وفات کے وقت دس یا بارہ برس کا تھا(۵)۔

۸۹۔ عورت کو وصی بنانا

جو کسی وصیت کو نافذ کرے اسے وصی کہتے ہیں۔ حنبلی فقیہ ابن قدامہؒ نے لکھا ہے: اکثر اہل علم کے مطابق

۱۔ المغنی ۶۶/۹۔ کتاب الحجّة علی أهل المدینة ۲۰۶/۴ ومابعد۔ بدایة المجتهد و نهایة المقتصد ۴۱۸/۵۔ ابن ابی شیبہ، المصنّف، کتاب الفرائض، فی الجد من جعله ابا ۳۴۹/۷۔ عبدالرزاق، المصنّف، کتاب الفرائض، باب فرض الجد ۲۶۳/۱۰ ومابعد

۲۔ المغنی ۶۶/۹۔ الأم ۸۵/۴، ۱۳۷/۷، ۱۸۹۔ الإستذکار ۳۴۰/۵۔ کتاب الحجّة علی أهل المدینة ۲۰۷/۴۔ ابن ابی شیبہ، المصنّف، کتاب الفرائض، إذا ترك إخوة و جدّاً و إختلافهم فیه ۳۵۱/۷ ومابعد

۳۔ الأم ۸۵/۴

۴۔ المغنی ۵۰۸/۸

۵۔ الموطا، کتاب الوصیة، باب جواز وصیة الصغیر و الضعیف و المصاب ص ۵۸۴

عورت کو وصی بنانا درست ہے(۱)۔اس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ نے اپنی بیٹی حضرت حفصہؓ ام المومنین کو اپنے مال کی وصی بنایا تھا(۲)۔

بیوع

۹۰۔انعقادِ بیع کے لیے فریقین کا مجلس سے جدا ہونا

امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ دونوں کے نزدیک انعقادِ بیع کے لیے فریقین کا مجلس سے تفرّق بالأبدان ہونا یعنی اس مجلس سے جدا ہونا ضروری ہے(۳)۔اس کی دلیل حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا عمل ہے۔آپ کے بارے میں آتا ہے کہ آپ جب کسی چیز کی خرید و فروخت کر چکتے تو تھوڑا سا چل لیتے اور اپنے فریق سے جدا ہو جاتے تھے تا کہ بیع واجب ہو جائے(۴)۔

۹۱۔خریدار سے فروخت شدہ چیز کم قیمت پر خریدنا

جمہور فقہاء کے مطابق جس نے کوئی چیز نقد یا ادھار فروخت کی،خریدار نے اس کا قبضہ لے لیا مگر ابھی قیمت ادا نہیں کی تو فروخت کنندہ کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ خریدار سے وہی چیز کم قیمت پر خرید لے(۵)۔

اس کی دلیل حضرت عائشہؓ کا موقف ہے۔آپ کے پاس ایک عورت آئی اور کہا: میں نے حضرت زید بن ارقمؓ سے ایک غلام آٹھ سو دراہم میں خریدا، پھر ان ہی کو چھ سو دراہم میں بیچ دیا۔حضرت عائشہؓ نے فرمایا تھا: اللہ کی قسم! بہت بُرا ہے جو تم نے فروخت کیا اور اللہ کی قسم! بہت بُرا ہے جو حضرت زید بن ارقمؓ نے خریدا۔حضرت زید بن ارقمؓ کو بتا دو کہ اگر انہوں نے توبہ نہ کی تو اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ ان کا جہاد باطل کر دیا ہے(۶)۔

اس روایت سے یہ استدلال ہے کہ حضرت عائشہؓ نے حضرت زید بن ارقمؓ کو اُن کی عبادت ضائع ہونے کی وعید سنائی ہے۔حنفی فقیہ کاسانیؒ نے لکھا ہے: انسان اپنی ذاتی رائے سے ایسی چیز سے آگاہ نہیں ہو سکتا۔حضرت

۱۔ المغنی ۵۵۲/۸

۲۔ سنن أبی داؤد، کتاب الوصایا، باب ما جاء فی الرجل یوقف الوقف ۳۲۵/۲

۳۔ المغنی ۱۰/۶۔ بدایة المجتهد و نهایة المقتصد ۲۶/۵۔ الأم ۴/۳

۴۔ صحیح البخاری، کتاب البیوع، باب کم یجوز الخیار ۲۸۳/۱۔ صحیح مسلم، کتاب البیوع، باب ثبوت خیار المجلس للمتبایعین ۱۱۶۴/۳۔عبدالرزّاق، المصنّف، کتاب البیوع، باب البیعان ما لم یتفرقا ۵۱/۸

۵۔ بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع ۱۹۸/۵۔ المغنی ۲۶۰/۶۔کتاب الحجّة علی أهل المدینة ۷۴۶/۲

۶۔ عبدالرزّاق، المصنّف، کتاب البیوع، باب الرجل یبیع السلعة ثم یرید إشتراء ها بنقد ۱۸۴/۸،۱۸۵۔ کتاب الحجّة علی أهل المدینة ۷۴۷/۲، ۷۴۸۔ ابویوسف، کتاب الآثار ص ۱۸۶۔ کتاب الأصل ۲۰۶/۵

عائشہؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بات سنی ہوگی (۱)۔

امام شافعیؒ نے ایسی بیع جائز قرار دی ہے۔ ان کا موقف یہ ہے کہ اگر کچھ صحابہؓ نے کسی مسئلہ میں اختلاف کیا تو اصل یہ ہے کہ ہم اس قول کی طرف جائیں گے جس کے ساتھ قیاس ہو۔ اس مسئلہ میں قیاس حضرت زید بن ارقمؓ کے قول کے ساتھ ہے (۲)۔ احناف نے حضرت عائشہؓ کے قول کے مقابلہ میں قیاس ترک کر دیا ہے (۳)۔ یہاں یہ بات ملاحظہ کی جاسکتی ہے کہ فقہاء کرامؒ اجتہاداتِ صحابہؓ سے باہر نہیں نکلے۔

۹۲۔ بیعانہ دے کر کوئی چیز خریدنا

امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک بیع عُربان (۴) میں کوئی حرج نہیں ہے۔ حضرت عمرؓ نے ایسا کیا تھا اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے اسے جائز قرار دیا ہے (۵)۔ حضرت نافع خزاعیؓ نے حضرت صفوانؓ سے جیل خانہ کے لیے ایک گھر چار ہزار دراہم میں خریدا تھا کہ اگر حضرت عمرؓ راضی ہوئے تو یہ بیع ان کے لیے ہوگی اور اگر حضرت عمرؓ راضی نہ ہوئے تو چار ہزار دراہم حضرت صفوانؓ کے ہوں گے (۶)۔

۹۳۔ مصحفِ قرآن کی بیع

شافعی فقیہ ابو اسحاق شیرازیؒ کہتے ہیں: مصحفِ قرآن کی بیع جائز ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے اس بیع کے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا: اس میں کوئی حرج نہیں ہے، لوگ اپنی محنت کا اجر لیتے ہیں اور یہ تمام اموال کی طرح پاک اور فائدہ مند ہے (۷)۔ حضرت ابن عباسؓ سے یہ بھی مروی ہے کہ وہ مصاحف کی خرید میں رخصت دیتے تھے اور اس کی فروخت کو ناپسند کرتے تھے۔ حضرت جابرؓ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا بھی یہی موقف ہے (۸)۔

اجارہ

۹۴۔ اجیر مشترک ضامن ہے

امام ابو یوسفؒ، امام محمد شیبانیؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ کا ایک قول اور حنابلہ کے نزدیک اگر اجیر مشترک

۱۔ بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع ۵/۱۹۹

۲۔ الأم ۳/۷۹ ومابعد۔ المجموع شرح المهذب ۱۰/۱۴۹ ومابعد

۳۔ تخریج الفروع علی الأصول ص ۱۸۲،۱۸۱۔ عبدالعزیز بخاری، کشف الأسرار ۳/۳۲۶

۴۔ بیع عُربان یہ ہے کہ ایک شخص کوئی چیز خریدے اور فروخت کنندہ کو تھوڑی سی رقم دے اور اسے کہے کہ اگر اس نے وہ چیز اپنے پاس رکھ لی تو یہ رقم چیز کی قیمت سے حساب کر لی جائے گی اور اگر اس نے وہ چیز نہ رکھی تو یہ رقم فروخت کنندہ کی ہوگی۔

۵۔ المغنی ۶/۳۳۱

۶۔ ابن ابی شیبہ، المصنّف، کتاب البیوع والأقضیة، فی العربان فی البیع ۵/۳۹۲

۷۔ المجموع شرح المهذب ۹/۲۵۲،۲۵۱

۸۔ ابن ابی شیبہ، المصنّف، کتاب البیوع والأقضیة، من رخص فی اشترائها ۵/۳۱۔ عبدالرزاق، المصنّف، کتاب البیوع، باب بیع المصاحف ۸/۱۱۲

یعنی وہ آدمی جس سے بہت سے لوگ اجرت دے کر اپنی چیزیں بنواتے ہیں، اس کے پاس کوئی چیز ضائع ہوگئی تو وہ ضامن ہے اور اس چیز کا تاوان ادا کرے گا(۱)۔ان فقہاء نے اپنی تائید میں جو دلیل پیش کی ہے وہ حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ کا اثر ہے۔ حضرت عمرؓ نے کاریگروں اور رنگریزوں کو ضامن بنایا تھا کہ اگر ان کے پاس لوگوں کی چیزوں کا نقصان ہو جائے تو وہ اسے پورا کریں گے۔ حضرت علیؓ نے بھی اجیر کو ضامن بناتے ہوئے فرمایا تھا: لوگوں کے مفادات کا تحفظ کرنے کے لیے یہ ضروری ہے(۲)۔

گواہی

۹۵۔قاذف کی گواہی

قذف کا مرتکب توبہ کرلے تو اس کی گواہی مقبول ہے۔ یہ امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور حنابلہ کا موقف ہے(۳)۔ان کی دلیل حضرت عمرؓ کا فیصلہ ہے۔ حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کے خلاف چار لوگوں نے زنا کی گواہی دی۔ان میں سے ایک اپنی گواہی سے منحرف ہوگیا۔ حضرت عمرؓ نے بقیہ تین پر حدِ قذف جاری کی۔ پھر حضرت عمرؓ نے انہیں کہا کہ وہ توبہ کرلیں۔ دو افراد نے توبہ کرلی اور ان کی گواہی قبول کی گئی۔ حضرت ابوبکرۃؓ نے توبہ کرنے سے انکار کیا تو ان کی گواہی قبول نہیں کی گئی تھی(۴)۔ حضرت عمرؓ کے اس فیصلہ کا کسی نے انکار نہیں کیا، پس یہ اجماع ہے(۵)۔

اس مسئلہ میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا ایک قول بھی نقل کیا گیا ہے۔قرآن مجید کی آیت ہے: ﴿وَ لَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَاسِقُوْنَ﴾ (۶)(ان کی گواہی کبھی قبول نہ کرو اور یہی لوگ بدکردار ہیں)۔ پھر اس آیت سے اگلی آیت میں فرمانِ الٰہی ہے: ﴿اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا﴾ (۷)(سوائے ان کے جو توبہ کرلیں)، اس کی تفسیر میں حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا: جس نے توبہ کی اور اپنی اصلاح کرلی تو اللہ تعالیٰ کی کتاب میں اس کی گواہی قبول کی جائے گی(۸)۔

۱۔ بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع ۲۱۰/۴۔ بداية المجتهد ۱۵۳/۴۔ الأم ۱۰۲/۷۔ المغنی ۱۰۳/۸

۲۔ عبدالرزاق، المصنّف، کتاب البیوع، باب ضمان الأجیر الذی یعمل بیده ۲۱۷/۸۔ابن ابی شیبہ، المصنّف، کتاب البیوع و الأقضیة، فی القصار و الصباغ و غیره ۱۲۲/۵

۳۔ المدوّنة الکبریٰ ۲۳/۴۔ الأم ۲۱۵/۶۔ المغنی ۱۸۸/۱۴

۴۔ عبدالرزاق، المصنّف، کتاب الشهادات، باب شهادة القاذف ۳۶۲/۸۔ المدوّنة الکبریٰ ۲۳/۴۔ الأم ۲۱۵/۶۔ السنن الکبریٰ، کتاب الشهادات، باب شهادة القاذف ۱۵۲/۱۰

۵۔ المغنی ۱۸۹/۱۴

۶۔ النّور ۲۴:۴

۷۔ النّور ۲۴:۵

۸۔ السنن الکبریٰ، کتاب الشهادات، باب شهادة القاذف ۱۵۳/۱۰۔ المغنی ۱۸۹/۱۴

۹۶۔بچوں کی ایک دوسرے کے لیے گواہی

امام مالکؒ کے نزدیک بچوں کی آپس کی لڑائی میں ان کی ایک دوسرے کے بارے میں گواہی جائز ہے، جب تک وہ الگ الگ نہ ہو گئے ہوں، یا الگ الگ ہو کر اپنے گھر والوں کے پاس نہ چلے گئے ہوں (۱)۔

اس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت علیؓ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے بچوں کی گواہی ایک دوسرے کے بارے میں جائز قرار دی ہے، جب تک وہ اس جگہ سے چلے نہ جائیں یا اپنے گھر والوں کے پاس نہ لوٹ جائیں (۲)۔

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے لڑکوں کی آپس کی مار پیٹ میں ان کی گواہی کو درست قرار دیا تھا (۳)۔ حضرت علیؓ بھی بچوں کی ایک دوسرے کے متعلق گواہی جائز سمجھتے تھے جب وہ اسی حالت میں گواہی دیں۔ اگر گھر والوں نے انہیں سکھا دیا ہو تو پھر آپ کے نزدیک بچوں کی ایک دوسرے کے خلاف گواہی جائز نہیں ہے (۴)۔

۹۷۔عورتوں کے پوشیدہ امور میں عورت کی گواہی

جن امور سے مرد آگاہ نہیں ہوتے کیا ان میں صرف ایک عورت کی گواہی مقبول ہے؟ امام مالکؒ کے مطابق کم از کم دو عورتوں کی گواہی جائز ہے۔ ایک عورت کی گواہی کسی معاملہ میں جائز نہیں ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت علیؓ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے ایسے شخص کے بارے میں پوچھا گیا جس نے کسی عورت سے شادی کی تھی۔ پھر ایک عورت آئی جو یہ کہتی تھی کہ اس نے ان دونوں میاں بیوی کو اپنا دودھ پلایا ہے۔ حضرت علیؓ اور حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا: اگر تم اپنی بیوی سے الگ ہو جاؤ تو یہ تمہارے لیے بہتر ہے اور یہ کہ کوئی اس عورت کو تم پر حرام کر دے تو ایسا نہیں ہے (۵)۔

فے

۹۸۔فے کی تقسیم

فے یعنی دشمنوں کا وہ مال جو جنگ کے بغیر مسلمانوں کے قبضہ میں آ جائے، اس کی تقسیم میں خلفائے راشدین کا اختلاف تھا۔ حضرت ابوبکرؓ نے لوگوں میں مالِ فے کی مساویانہ تقسیم کی اور غلاموں کو بھی اس تقسیم میں شامل کیا تھا۔ لیکن جب حضرت عمرؓ خلیفہ بنے تو انہوں نے تقسیم میں حفظِ مراتب اور سبقتِ اسلام کا لحاظ رکھا اور غلاموں کو اس تقسیم سے نکال دیا۔ جب حضرت علیؓ خلیفہ ہوئے تو انہوں نے حضرت ابوبکرؓ کے اصول پر مالِ فے کو تقسیم

۱۔ المدوّنة الکبریٰ ۲۶/۴۔ الإستذکار ۱۲۴/۷

۲۔ المدوّنة الکبریٰ ۲۶/۴، ۲۷

۳۔ الموطا، کتاب الأقضیة، باب القضاء فی شهادة الصبیان ص ۵۵۸

۴۔ عبدالرزّاق، المصنّف، کتاب الشهادات، باب شهادة الصبیان ۳۵۱/۸

۵۔ المدوّنة الکبریٰ ۲۲/۴ ومابعد

کیا(۱)۔اس اختلاف کے پیش نظر امام احمد بن حنبلؒ نے یہ موقف اپنایا کہ یہ دونوں امور درست ہیں۔حکمران اپنے اجتہاد کی روشنی میں جسے مناسب سمجھے اس پر عمل کر سکتا ہے(۲)۔

قسم و نذر

۹۸۔قسم توڑنے کا کفارہ

حنفی فقیہ امام محمد شیبانیؒ کہتے ہیں: کفارۂ یمین یعنی قسم توڑنے کے کفارے کے تین روزے متواتر رکھنا ہوں گے۔انہوں نے اس مسئلہ میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی قراءت پر عمل کیا ہے۔حضرت ابن مسعودؓ قرآن مجید کی آیت: ﴿فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ اَيَّامٍ﴾ (۳) کی تلاوت یوں کیا کرتے تھے: فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ اَيَّامٍ مُتَتَابِعَاتٍ (۴) یعنی جو شخص آزاد کرنے کے لیے غلام نہ پائے تو وہ تین دن مسلسل روزے رکھے۔حضرت ابن مسعودؓ نے قرآنی حکم ﴿ثَلَاثَةِ اَيَّامٍ﴾ (تین دن) سے ثَلَاثَةِ اَيَّامٍ مُتَتَابِعَاتٍ (تین دن مسلسل) مراد لی۔امام شافعیؒ کا بھی ایک قول یہ ہے کہ کفارۂ یمین کے روزے متواتر رکھنا ہوں گے(۵)۔

۹۹۔بیٹا ذبح کرنے کی نذر کا کفارہ

جس نے قسم کھائی کہ وہ خود کو یا اپنا بیٹا ذبح کرے گا تو وہ کفارہ کے طور پر ایک مینڈھا ذبح کرے۔یہ فقہی حکم احناف اور امام احمد بن حنبلؒ کے ایک قول کے مطابق ہے۔انہوں نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے اس قول سے استدلال کیا ہے: جس نے نذر مانی کہ وہ اپنے بیٹے کی قربانی دے گا تو وہ ایک مینڈھا ذبح کرے(۶)۔امام مالک اور امام احمد بن حنبلؒ کے ایک قول کے مطابق ایسے شخص پر کفارہ یمین یعنی قسم کا کفارہ(۷) ہے۔انہوں نے حضرت ابن عباسؓ کا دوسرا قول لیا ہے جس کے مطابق قسم کھانے یا نذر ماننے والے پر یمین کی طرح کا کفارہ ہے(۸)۔

۱۔ السنن الکبریٰ، کتاب قسم الفئ، باب التسویة بین النّاس فی القسمة ۶/۳۴۸

۲۔ المغنی ۹/۳۰۱

۳۔ المآئدة ۵:۸۹

۴۔ کتاب الأصل ۲/۲۱۸۔عبدالرزّاق، المصنّف، کتاب الأیمان و النذور، باب صیام ثلاثة أیام وتقدیم التکفیر ۸/۵۱۳-۵۱۴

۵۔ الأم ۲/۱۱۳

۶۔ محمد، کتاب الآثار ص ۱۶۰۔المغنی ۱۳/۴۷۸۔بدایة المجتهد ۴/۶۵۔عبدالرزّاق، المصنّف، کتاب الأیمان والنذور، باب من نذر لینحرنّ نفسه ۸/۴۶۰۔السنن الکبریٰ، کتاب الأیمان، باب ما جاء فیمن نذر ان یذبح ابنه أو نفسه ۱۰/۷۲،۷۳

۷۔ قسم کا کفارہ یہ ہے: دس مسکینوں کو اوسط درجہ کا کھانا کھلانا جو تم اپنے بال بچوں کو کھلاتے ہو، یا انہیں لباس دینا، یا ایک غلام آزاد کرنا، یا تین دن روزے رکھنا۔اس سے متعلقہ آیت صفحہ ۴۱۵ پر گزر چکی ہے۔

۸۔ المدوّنة الکبریٰ ۱/۵۷۶۔المغنی ۱۳/۴۷۸

۱۰۰۔ایک مدت تک کسی سے بات نہ کرنے کی قسم

حنبلی فقیہ ابن قدامہؒ کہتے ہیں: جس شخص نے قسم کھائی کہ وہ فلاں سے ایک مدت تک بات نہیں کرے گا تو یہ مدت اسّی سال ہوگی (۱)۔ انہوں نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے ایک تفسیری قول کو دلیل بنایا ہے۔ آپ نے قرآن مجید کی آیت: ﴿لَّٰبِثِينَ فِيهَآ أَحْقَابًا﴾ (۲)، اس میں وہ مدتوں پڑے رہیں گے، کی تفسیر میں فرمایا: ایک حُقب اسّی سالوں کا ہے (۳)۔

۱۰۱۔بیت اللہ پیدل جانے کی نذر کا کفارہ

جس نے نذر مانی کہ وہ پیدل بیت اللہ جائے گا، پھر وہ حانث ہو گیا، یعنی پیدل کے بجائے کسی سواری پر جا کر اپنی قسم توڑ دی تو اس پر عمرہ ہے۔ اگر چاہے تو وہ حج کر لے۔ وہ چاہے تو سوار ہو کر حج کرے یا پیدل۔ سواری پر کرنے سے وہ ایک بکری ذبح کرے گا۔ امام محمد شیبانیؒ حنفی کہتے ہیں کہ ہمیں حضرت علیؓ سے پہنچا ہے کہ آپ نے فرمایا: جس نے اپنے اوپر پیدل حج لازم کیا، پھر سواری پر حج کیا تو وہ سوار ہونے پر بکری ذبح کرے (۴)۔

قصاص

۱۰۲۔فرد کے قاتل گروہ سے قصاص

اگر ایک گروہ نے کسی ایک شخص کو قتل کیا تو اس گروہ کے تمام افراد قصاص میں قتل کر دیئے جائیں گے (۵)۔ ابن قدامہؒ نے حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے آثار نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ ان صحابہؓ کے زمانہ میں اس مسئلہ پر ان کی مخالفت معلوم نہیں ہوئی، پس یہ اجماع ہے (۶)۔

حضرت عمرؓ نے یمن کے شہر صنعاء کے پانچ یا سات افراد کو ایک شخص کے قتل میں بطور قصاص قتل کرا دیا تھا۔ اس موقع پر آپ نے فرمایا تھا: اگر صنعاء کے سارے لوگ اس کے قتل میں شریک ہوتے تو میں سب کو قتل کر دیتا (۷)۔ اسی طرح حضرت علیؓ سے بھی مروی ہے کہ انہوں نے ایک آدمی کے قاتل گروہ کو قتل کرایا تھا (۸)۔

۱۔ المغنی ۵۷۳/۱۳

۲۔ النباء ۷۸: ۲۳

۳۔ جامع البیان فی تفسیر القرآن ۸/۳۰

۴۔ کتاب الأصل ۱۸۱/۳

۵۔ بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع ۲۳۸/۷۔ المغنی ۴۹۱/۱۱۔ المدوّنة الکبریٰ ۶۵۱/۴۔ الأمّ ۲۴/

۶۔ المغنی ۴۹۱/۱۱

۷۔ الموطا، کتاب العقول، باب ما جاء فی الغیلة و السحر ص ۵۸۷۔ اس واقعہ کی تفصیل صفحات ۱۹۵ و مابعد کے حواشی میں گزر چکی ہے۔

۸۔ ابن ابی شیبہ، المصنّف، کتاب الدیات، باب لرجل یقتله النفر ۳۹۲/۶

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا قول ہے: اگر ایک آدمی کو ایک سو افراد نے بھی قتل کیا تو وہ سب اس ایک کے بدلہ میں قتل کیے جائیں گے(۱)۔

۱۰۳۔ایک ولی کی طرف سے قاتل کو معافی

حنفی فقیہ کاسانیؒ نے لکھا ہے: اگر مقتول کے ولی دو سے زیادہ ہوں، ان میں سے ایک ولی قاتل کو معاف کر دے تو قاتل سے قصاص ساقط ہو جائے گا اور اس پر دیت واجب ہوگی(۲)۔ حضرت عمرؓ کے پاس قتلِ عمد کا مجرم لایا گیا۔ آپ نے اسے قتل کرنے کا حکم دیا۔ مقتول کے بعض اولیاء نے قاتل کو معاف کر دیا، لیکن پھر بھی حضرت عمرؓ نے اس کے قتل کا حکم دیا۔ اس پر حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا تھا: سب اولیاء خون کے حق دار تھے۔ جس نے خون معاف کر دیا اس نے قاتل کو زندگی دے دی۔ کوئی اس کا یہ حق چھین نہیں سکتا، یعنی جن اولیاء نے معاف نہیں کیا وہ ولی سے معاف کرنے کا حق نہیں لے سکتے۔

حضرت عمرؓ نے حضرت ابن مسعودؓ سے ان کی رائے پوچھی۔ حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا: میری یہ رائے ہے کہ آپ قاتل پر اس کے مال میں سے دیت لازم کر دیں اور جس ولی نے قاتل کو معاف کیا ہے اس کا حصہ ساقط ہو جائے گا۔ اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا: میرا بھی یہی خیال ہے۔

امام محمدؒ کہتے ہیں کہ یہی رائے امام ابوحنیفہؒ کی ہے(۳)۔ کاسانیؒ لکھتے ہیں: یہ صحابہ کرامؓ کی موجودگی میں ہوا، کسی صحابی کا اس سے اختلاف منقول نہیں ہے، پس یہ اجماع ہے(۴)۔

۱۰۴۔قتل سے کم تر جرم میں متعدد مجرموں سے قصاص

احناف کا یہ مسلک ہے کہ جان سے کم تر ایسے جرم میں متعدد مجرموں سے قصاص نہیں لیا جائے گا کہ اگر اس جرم کا ارتکاب ان میں سے کوئی ایک مجرم اکیلا کرتا تو اس پر قصاص واجب ہوتا، بلکہ ان سب مجرموں پر مساوی جرمانہ عائد ہوگا(۵)۔

امام شافعیؒ کے نزدیک سب پر قصاص واجب ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ حضرت علیؓ کے پاس دو آدمی آئے جنہوں نے ایک شخص کے خلاف جھوٹی گواہی دی۔ چور کا ہاتھ کاٹ دیا گیا۔ پھر وہ دونوں ایک اور شخص کو لے کر آئے اور کہنے لگے کہ یہ چور ہے اور پہلا شخص چور نہیں تھا، ہم سے غلطی ہوئی ہے۔ حضرت عمرؓ نے دوسرے شخص کے

۱۔ عبدالرزّاق، المصنّف، کتاب العقول، باب النفر یقتلون الرجل ۹/۴۷۹

۲۔ بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع ۷/۲۴۷۔الأم ۶/۱۴

۳۔ محمد، کتاب الآثار ص ۱۲۹

۴۔ بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع ۷/۲۴۷

۵۔ حوالہ بالا ۷/۲۹۹

خلاف ان دونوں گواہوں کی گواہی قبول نہ کی اور پہلے آدمی کے ہاتھ کی دیت ان دونوں پر بطور جرمانہ عائد کر دی۔ اس موقع پر حضرت علیؓ نے فرمایا تھا: اگر مجھے یہ معلوم ہو جائے کہ تم دونوں نے ارادتاً جھوٹی گواہی دی تھی تو میں تم دونوں کے ہاتھ کاٹ دیتا(۱)۔

امام شافعیؒ نے فرمایا: ہم بھی یہی کہتے ہیں، جب ان دونوں گواہوں نے کہا کہ پہلے شخص کے بارے میں ہم سے غلطی ہوئی تو ان دونوں پر قطع شدہ ہاتھ کی دیت بطور جرمانہ عائد ہوگئی۔ اگر وہ دونوں یہ کہتے کہ ہم نے جان بوجھ کر اس کے خلاف جھوٹی گواہی دی ہے تو اس شخص کے ایک ہاتھ کے بدلے میں دونوں گواہوں کے ہاتھ کاٹ دیئے جاتے(۲)۔

حنفی فقہاء نے اس مسئلہ میں امام شافعیؒ کا یہ استدلال تسلیم نہیں کیا۔ احناف کے مطابق حضرت علیؓ نے جو فرمایا تھا وہ سیاست کے طور پر تھا۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت علیؓ نے ہاتھ کاٹنے کو اپنی طرف منسوب کیا تھا اور فرمایا تھا: میں تم دونوں کے ہاتھ کاٹ دیتا۔ ایسا بطور سیاست ہی کہا جاتا ہے(۳)۔

دِیَت

۱۰۵۔ ریاستی خوف سے جنین ساقط ہونے پر دِیَت

اگر حکمران کسی عورت کو اپنے ہاں طلب کرے، سرکاری آدمی آنے پر عورت کا جنین (پیٹ کا بچہ) ساقط ہو جائے اور مردہ بچہ پیدا ہو تو اس کی دِیَت حکمران کی عاقلہ(۴) پر ہوگی(۵)۔

اس کی دلیل یہ ہے کہ ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے کسی عورت کو بلوایا۔ اس عورت سے کہا گیا کہ جاؤ اور حضرت عمرؓ کو جواب دو۔ اس عورت نے خود سے کہا: تیری بربادی ہو، حضرت عمرؓ کو تیرے ساتھ کیا کام ہو سکتا ہے؟ وہ عورت

۱۔ الأم ۷/۱۹۱۔ صحیح البخاری، کتاب الدیات، باب إذا أصاب قوم من رجل ۲/۱۰۱۸

۲۔ الأم ۷/۱۹۱

۳۔ بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع ۷/۲۹۹

۴۔ اسلامی فوجداری قانون میں عاقلہ کا تصور پایا جاتا ہے۔ عاقلہ سے مراد وہ افراد ہیں جو اجتماعی طور پر قتلِ خطا میں دِیَت ادا کرتے ہیں۔ یہ افراد قاتل کو پشت پناہی فراہم کرتے ہیں۔ ان میں قبیلہ، خاندان، برادری اور بااثر متعلقہ لوگ وغیرہ شامل ہیں۔ ان کی پشت پناہی کی وجہ سے قاتل نے بے احتیاطی کی، اس لیے ان پر اجتماعی طور پر دِیَت ڈالی جاتی ہے۔ یہ نہ صرف معقول، حکمت پر مبنی اور قابلِ عمل نظام ہے بلکہ اس سے بڑے بڑے مفاسد کا سدِّ باب ہو سکتا ہے۔ اگر تمام افراد مل کر قاتل کی دِیَت ادا کریں گے تو کل کوئی شخص تھوڑی سی بھی بے احتیاطی کرے گا تو کئی افراد اسے بے احتیاطی سے روکیں گے اور کہیں گے کہ میں اپنی کمائی سے دِیَت کے طور پر تیرے لیے اتنی رقم ماہوار ادا کر رہا ہوں، ابھی پہلی دِیَت کی رقم پوری نہیں ہوئی اور تم پھر بھی باز نہیں آئے۔ ماخوذ: محاضراتِ فقہ از ڈاکٹر محمود احمد غازی، ص ۴۲۳

۵۔ الأم ۶/۹۴۔ المجموع شرح المهذب ۱۹/۱۱۔ المغنی ۱۲/۱۰۱

ابھی راستہ میں تھی کہ اس پر دہشت طاری ہوگئی۔اس نے بچہ جنم دیا جو دو چیخیں مار کر مر گیا۔

حضرت عمرؓ نے صحابہ کرامؓ سے مشورہ لیا۔بعض نے مشورہ دیا کہ آپ پر کوئی ذمہ داری نہیں ہے۔آپ حکمران ہیں اور آپ کو سزائیں دینے کا اختیار ہے۔حضرت علیؓ خاموش تھے۔حضرت عمرؓ کے پوچھنے پر حضرت علیؓ نے فرمایا: اگر ان لوگوں نے اپنی رائے دی ہے تو ان کی رائے غلط ہے اور اگر انہوں نے ایسا آپ کی حمایت میں کہا ہے تو انہوں نے آپ کے ساتھ خیر خواہی نہیں کی۔میری رائے یہ ہے کہ اس بچے کی دِیَت آپ پر ہے۔وہ عورت آپ کی وجہ سے دہشت زدہ ہوئی اور آپ کی طرف آتے ہوئے راستہ میں اس کا حمل ضائع ہو گیا۔اس پر حضرت عمرؓ نے حضرت علیؓ سے فرمایا کہ وہ اس کی دِیَت قریش پر تقسیم کر دیں (۱)۔

۱۰۶۔عورت کی دِیَت

فقہائے احناف کہتے ہیں کہ عورت کی دِیَت مرد کی دِیَت کا نصف ہے۔اس مسئلہ میں وہ حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ کے اس قول سے استدلال کرتے ہیں: جان اور جان کے علاوہ یعنی اعضاء کے جرائم میں عورت کی دِیَت مرد کی دِیَت کا نصف ہے (۲)۔

۱۰۷۔باپ بیٹے کو عمداً قتل کردے

جس شخص نے اپنے بیٹے کو جان بوجھ کر قتل کیا تو اس قاتل باپ سے قصاص نہیں لیا جائے گا بلکہ باپ کے مال میں سے دِیَت ہوگی جو تین سال کے اندر ادا کی جائے گی۔حنفی فقیہ امام محمد شیبانیؒ کہتے ہیں: ہمیں یہ پہنچا ہے کہ حضرت عمرؓ نے اس شخص کے متعلق جس نے اپنے بیٹے کو عمداً قتل کیا تھا، یہ فیصلہ دیا کہ اس کے مال میں سے دِیَت ادا کی جائے گی (۳)۔

۱۰۸۔چھ اجناس میں خون بہا واجب

حنفی فقہاء امام ابو یوسفؒ اور امام محمد شیبانیؒ کے نزدیک چھ اجناس میں خون بہا ادا کرنا واجب ہے اور وہ یہ ہیں: سونا، چاندی، اونٹ، گائے، بھیڑ بکری اور کپڑوں کے جوڑے (۴)۔اس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے صحابہ کرامؓ کی موجودگی میں ان اجناس سے خون بہا ادا کرنے کا حکم دیا تھا (۵)۔

۱۔ عبدالرزّاق، المصنّف، کتاب العقول، باب من افزعه السلطان ۹/۴۵۸،۴۵۹

۲۔ کتاب الحجّة علی أهل المدینة ۴/۲۷۷،۲۸۴۔ کتاب الأصل ۴/۴۵۲۔محمد، کتاب الآثار ص ۱۲۶۔ بدائع الصنائع ۷/۲۵۴۔عبدالرزّاق،المصنّف، کتاب العقول، باب متی یعاقل الرجل المرأة ۹/۳۹۷

۳۔ کتاب الأصل ۴/۴۶۴

۴۔ بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع ۷/۲۵۳

۵۔ ابو یوسف، کتاب الآثار ص ۲۲۱۔کتاب الأصل ۴/۴۵۱

رجم

۱۰۹۔ سزائے رجم کے نفاذ میں پہل کون کرے

امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کا یہ مسلک ہے کہ اگر حدِ رجم گواہوں کی گواہی سے ثابت ہوتو پھر سزائے رجم کے نفاذ میں یہ شرط ہے کہ گواہ پتھر مارنے میں پہل کریں (۱)۔ اس کی دلیل حضرت علیؓ سے مروی یہ قول ہے: اے لوگو! اگر زانی نے اعتراف کیا ہوتو پھر لوگوں میں سے حکمران سب سے پہلے زانی کو پتھر مارے گا۔ اگر چار گواہوں نے زنا پر گواہی دی ہوتو پھر ان کی گواہی کی بنا پر گواہ سب سے پہلے زانی کو پتھر ماریں گے، پھر حکمران اور پھر دوسرے لوگ پتھر ماریں گے (۲)۔

چوری

۱۱۰۔ ملازم چور کی سزا

اس ملازم کے چوری کرنے پر قطع ید نہیں ہے جو اپنے آقا کے مال میں سے چوری کرے کیونکہ ایسے لوگوں کو اپنے مالکوں کے گھروں میں کام کاج کے لیے داخلہ کی اجازت ہوتی ہے۔ ایسے گھر اُن کے حق میں حرز یعنی محفوظ جگہ نہیں ہوتے (۳)۔ عبداللہ بن عمرو بن حضرمیؒ اپنے غلام کو حضرت عمرؓ کے پاس لائے اور کہا کہ میرے اس غلام کا ہاتھ کاٹیں۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا: اس نے کیا چرایا ہے؟ عبداللہ بن عمرو حضرمیؒ نے کہا: اس نے میری بیوی کا آئینہ چرایا ہے جس کی قیمت ساٹھ دراہم ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا: اسے چھوڑ دو، اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ تمہارے خادم نے تمہارا مال چرایا ہے (۴)۔ حضرت عمرؓ کے اس فیصلہ سے کسی صحابی کا اختلاف بیان نہیں ہوا ہے، لہٰذا اِس مسئلہ میں یہ اِجماعی فیصلہ ہے (۵)۔

۱۱۱۔ مسخرے چور کی سزا

اگر چور نے گھر میں نقب لگائی اور اس میں اپنا ہاتھ داخل کر کے مال باہر نکال لیا مگر خود گھر میں داخل نہیں ہوا، تو امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ اس کی دلیل حضرت علیؓ کا یہ قول ہے: اگر چور

۱۔ بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع ۵۸/۷

۲۔ عبدالرزاق، المصنّف، باب الرجم و الإحصان ۳۲۶/۷، ۳۲۷۔ ابن ابی شیبہ، المصنّف، کتاب الحدود، باب فیمن یبدأ بالرجم ۵۵۹/۶

۳۔ بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع ۷۴/۷، ۷۵

۴۔ الموطا، کتاب الحدود، باب ما لا قطع فیه ص ۶۴۰۔ السنن الکبریٰ کتاب السرقة، باب العبد یسرق من مال إمرأة سیده ۲۸۲/۸

۵۔ بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع ۷۵/۷

مسخرہ ہوتو اس پر ہاتھ کاٹنے کی سزا جاری نہیں کی جائے گی۔ آپ سے پوچھا گیا: مسخرے سے کیا مراد ہے؟ آپ نے فرمایا: جو اپنا ہاتھ گھر کے اندر داخل کرے، حالانکہ وہ خود بھی اندر آ سکتا تھا۔ کاسانیؒ کہتے ہیں: حضرت علیؓ کے اس قول کے خلاف کسی صحابی کا قول نہیں ملتا، پس یہ مسئلہ اجماعی ہوا(۱)۔

شراب نوشی

۱۱۲۔ منہ سے شراب کی بو آنے پر سزا

امام مالکؒ کا موقف ہے کہ جس کے منہ سے شراب کی بو آئے اور شرابی اقرار کرے کہ یہ شراب کی بو ہے، یا جب گواہ گواہی دیں کہ یہ شراب کی بو ہے تو اس پر حد جاری ہو گی (۲)۔ حضرت سائب بن یزیدؓ سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نکلے اور فرمایا: میں نے فلاں کے منہ سے شراب کی بو پائی۔ وہ کہتا ہے کہ اس نے طِلاء (۳) پی ہے۔ میں پوچھتا ہوں کہ اگر اس میں نشہ ہے تو میں اسے کوڑے ماروں گا۔ پھر حضرت عمرؓ نے اس پر حد جاری کی (۴)۔ حضرت عمرؓ کے علاوہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور اُم المومنین حضرت میمونہؓ کی بھی یہ رائے تھی کہ جس کے منہ سے شراب کی بو آئے، اس پر حد جاری ہو گی (۵)۔

اِرتداد

۱۱۳۔ مرتد کو توبہ کی مہلت دینا

احناف کے مطابق مستحب یہ ہے کہ مرتد کو توبہ کرنے کا کہا جائے۔ اگر حکمران چاہے کہ مرتد توبہ کر لے، یا وہ مہلت کی درخواست کرے تو حکمران اسے تین دن کی مہلت دے (۶)۔ اس کی دلیل میں حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ کے آثار بیان کیے جاتے ہیں۔ حضرت عمرؓ کے پاس جب بصرہ کے علاقہ تستر فتح ہونے کی خبر پہنچی تو آپ نے لوگوں سے پوچھا: کیا کوئی عجیب خبر ہے؟ لوگوں نے کہا: مسلمانوں میں سے ایک شخص مشرکوں کے ساتھ مل گیا، پھر ہم نے اسے پکڑ لیا۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا: تم لوگوں نے اس کے ساتھ کیا سلوک کیا؟ انہوں نے کہا: ہم نے اسے قتل کر دیا۔

۱۔ بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع ۶۶/۷

۲۔ الإستذكار ۷/ ۔ بداية المجتهد و نهاية المقتصد ۱۶۱/۲

۳۔ طلاء: انگور کا رس جو اتنا اُبالا جائے کہ گاڑھا ہو کر اس تارکول کی مانند ہو جائے جس سے پالش کی جاتی ہو۔ معجم مقاييس اللغة ۴۱۶/۳

۴۔ الموطا، كتاب الأشربة، باب الحد فی الخمر ص ۶۴۲۔ السنن الكبرىٰ، كتاب الأشربة و الحد فيها، باب من وجد منه ريح شراب أولقی سكران ۳۱۵/۸

۵۔ الإستذكار ۳/۸

۶۔ بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع ۱۳۴/۷

حضرت عمرؓ نے فرمایا: تم نے اسے کسی گھر میں داخل کیوں نہ کیا اور اس پر دروازہ بند کر دیتے۔ اسے ہر روز ایک روٹی کھلاتے، اسے توبہ کرنے کو کہتے اور اسے تین دن کی مہلت دیتے۔ اگر وہ توبہ کر لیتا تو ٹھیک ورنہ اسے قتل کر دیتے۔ پھر حضرت عمرؓ نے یہ فرمایا: اے اللہ! میں موجود نہیں تھا، نہ میں نے حکم دیا اور جب مجھ تک یہ خبر پہنچی تو میں اس پر راضی نہیں ہوا۔ حضرت عمرؓ کے اس اثر کے علاوہ حضرت علیؓ کا یہ قول ہے: مرتد کو توبہ کرنے کے لیے تین مرتبہ کہا جائے گا۔ پھر اگر وہ توبہ نہ کرے تو قتل کر دیا جائے گا(۱)۔

اسلامی قانون کے مندرجہ بالا ایک طائرانہ جائزہ سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ مسائل کے شرعی احکام متعین کرنے میں اجتہاداتِ صحابہؓ کی بہت اہمیت ہے۔ اسلامی قانون کا ایک بڑا حصہ اجتہاداتِ صحابہؓ پر قائم ہے۔ یہ اجتہادات بہت سے فقہی احکام کی دلیل بنے ہیں۔ فقہائے اسلام نے غیر منصوص مسائل میں ان اجتہادات کو قانون سازی کی اساس بنایا ہے۔ اگر قرآن وسنت سے کسی مسئلہ کا حکم نہیں ملا اور اس پر کسی صحابی کا کوئی اثر مل گیا تو اسے محض اس بنا پر چھوڑ نہیں دیا گیا کہ وہ تو ایک صحابی کا قول یا فعل ہے، قرآن یا حدیث تو نہیں ہے۔ فقہاء کرامؒ نے صحابہ کرامؓ کے اجتہادات کو ہر حیثیت سے لیا ہے۔ کہیں ان اجتہادات کو بطور حجت اختیار کیا گیا ہے تو کہیں تائیدی دلیل کے طور پر انہیں اپنایا گیا ہے۔ اسلامی قانون کی تشکیل میں صحابہ کرامؓ کا کلیدی کردار ہے۔ ان کے اجتہادات سے اسلامی قانون مالا مال ہے۔ صحابہ کرامؓ کے اجتہادات اور مناہجِ اجتہاد مسلمان قانون دانوں اور قانون سازی کے مسلم اداروں کے لیے مشعلِ راہ ہیں۔

۱۔ ابن ابی شیبہ، المصنّف، کتاب الحدود، فی المرتد عن الإسلام، ما علیه ؟ ۵۸۴/۶۔ السنن الکبریٰ، کتاب المرتد، باب من قال یحبس ثلاثة أیام ۲۰۶/۸-۲۰۷

رجال

حضرات صحابہ کرامؓ

۱۔ ابوایوب انصاریؓ، بدری۔ آپ کا نام خالد بن زید بن کلیب ہے۔ مدینہ آمد پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے گھر تشریف فرما ہوئے تھے۔ آپ ۵۲ھ میں قسطنطنیہ کی لڑائی میں شہید ہوئے۔

۲۔ ابو برزۃ الأسلمیؓ۔ آپ اور آپ کے والد کے ناموں میں اختلاف ہے۔ صحیح نام یہ کہا گیا ہے: نضلۃ بن عبید۔ آپ ۶۰ھ کو بصرہ میں فوت ہوئے۔ ایک قول کے مطابق آپ کا سال وفات ۶۴ھ ہے۔

۳۔ ابوبصرہ، حَمِیل بن بصرہ غفاریؓ۔ آپ کو جمیل بھی کہا گیا ہے۔

۴۔ ابوبکر صدیقؓ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کا نام عبداللہ رکھا تھا۔ آپ کا جاہلی نام عبدالکعبہ تھا۔ واقعہ معراج کی تصدیق کرنے پر دربارِ نبوت سے صدیق کہلائے۔ مَردوں میں سب سے پہلے اسلام قبول کیا۔ مسلمانوں کے پہلے خلیفہ منتخب ہوئے۔ آپ ۱۳ھ کو فوت ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں دفن ہوئے۔

۵۔ ابوبکرۃ، نُفَیْع بن حارثؓ۔ آپ طائف کے علاقہ میں غلام تھے۔ دورانِ محاصرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلانِ امان جاری ہونے پر آپ ایک چرخی (بَکْرَۃٌ) کے ذریعہ قلعہ سے نیچے اتر آئے تھے اور غلامی سے آزادی پائی۔ اس واقعہ سے آپ کو ابوبکرۃ کی کنیت ملی۔ آپ ۵۱ھ کو بصرہ میں فوت ہوئے۔

۶۔ ابوحذیفہؓ بن عتبہ بن ربیعہ، قرشی، بدری۔ آپ کے یہ نام آتے ہیں: مُہَشَّم، مُہشِم، ہُشَیم، ہاشم اور قیس۔ ابتدائی زمانہ میں اسلام قبول کیا۔ حبشہ کی طرف دو مرتبہ ہجرت کی۔ دونوں قبلوں یعنی بیت المقدس اور خانہ کعبہ کی طرف رخ کر کے نمازیں ادا کیں۔ آپ جنگ یمامہ (۱۲ھ) میں شہید ہوئے۔

۷۔ ابوالدرداءؓ، انصاری۔ آپ کا نام عُوَیمر ہے۔ والد کے نام میں اختلاف ہے، اس بارے میں عامر، قیس، ثعلبہ، زید اور مالک کے نام آتے ہیں۔ آپ غزدۂ بدر (۲ھ) کے روز مسلمان ہوئے تھے۔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو "حکیم الأمت" قرار دیا۔ آپ ۳۶ھ کو دمشق میں فوت ہوئے۔

۸۔ ابوذر غِفاریؓ۔ اکثر مورخین کے نزدیک آپ کا نام جُندب بن جُنادہ بن سَکَن ہے۔ حضرت ابوذر غِفاریؓ کبار صحابہؓ میں سے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے بارے میں فرمایا تھا: میری اُمت میں ابوذر غفاریؓ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا زہد ہے۔ آپ ۳۰ھ میں فوت ہوئے۔

۹۔ ابوسعید خُدریؓ کا نام سعد بن مالک بن سنان ہے۔ اپنے جد امجد خُدرۃ بن عوف کی نسبت سے خُدری کہلائے۔ انصاری، حافظ، کثیر الحدیث اور فقہاء صحابہ میں شمار تھا۔ آپ ۷۴ھ میں فوت ہوئے۔

۱۰۔ ابوسُریحہؓ،حذیفہ بن اسید بن خالد،غفاری۔آپ بیعتِ رضوان (۶ھ) میں شریک تھے۔کوفہ میں رہے۔۴۲ھ میں ارمینیہ میں وفات پائی۔

۱۱۔ ابوسنابل بن بعککؓ۔شاعر۔آپ کے کئی نام آئے ہیں:حبّہ،عمرو،عامر،اَصْرَم،لبسید۔رحلتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ کا پتہ نہیں چلتا۔بعض کے مطابق ابوسنابل اپنی وفات تک مکہ میں رہے۔

۱۲۔ ابوطفیل عامر بن واثلہ الکنانیؓ،عالم،فاضل،فصیح البیان اور شاعر۔عہدِ رسالت کے آٹھ سال پائے۔کوفہ میں حضرت علیؓ کا ساتھ دیا۔ان کی شہادت کے بعد آپ مکہ آ گئے جہاں ۱۰۰ھ اور بعض روایات کے مطابق ۱۱۰ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔آپ وفات پانے والے سب سے آخری صحابی ہیں۔

۱۳۔ ابوطلحہ زید بن سہل بن اسودؓ،بدری۔آپ نے ۳۴ھ کو مدینہ میں وفات پائی۔اہلِ بصرہ کی روایت کے مطابق دریائی سفر کے دوران فوت ہوئے۔لوگوں نے آپ کو کسی جزیرہ میں دفن کر دیا تھا۔

۱۴۔ ابوعبیدہ بن الجراحؓ،فاتح شام۔آپ کا نام عامر بن عبداللہ بن الجراح ہے۔رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو اُمت کا امین قرار دیا اور لشکرِ شام کا امیر مقرر کیا۔آپ ۱۸ھ کو شام میں فوت ہوئے۔

۱۵۔ ابوقتادہؓ،حارث بن رِبعِی بن بلدَمۃ،انصاری۔ان کا ایک نام نعمان بھی آیا ہے۔لیکن حارث اکثر لوگوں کا قول ہے۔آپ کے بدری ہونے میں اختلاف ہے۔آپ غزوۂ اُحد و دیگر غزوات میں شریک ہوئے۔آپ ۵۴ھ کو مدینہ میں اور ایک قول کے مطابق کوفہ میں فوت ہوئے۔

۱۶۔ ابوواقدؓ،حارث بن عوف۔آپ کے نام حارث بن مالک اور عوف بن حارث بھی آتے ہیں۔کہا جاتا ہے کہ آپ بدری تھے مگر یہ ثابت نہیں ہے۔آپ ۶۸ھ کو مکہ میں فوت ہوئے۔

۱۷۔ ام سلمہؓ ہند بنت ابوامیہ سہیل۔ام المومنین۔حبشہ کی طرف دونوں ہجرتوں میں شریک تھیں۔آپ کی وفات ۵۹ھ میں ہوئی۔

۱۸۔ ابوموسیٰ اشعریؓ،قدیم الاسلام۔آپ کا نام عبداللہ بن قیس ہے۔حضرت عمرؓ نے آپ کو بصرہ کا حاکم مقرر کیا۔آپ نے مکہ میں وفات پائی۔آپ کے سالِ وفات میں متعدد اقوال ہیں:۴۲ھ،۴۴ھ،۵۰ھ اور ۵۲ھ۔

۱۹۔ ابوہریرہؓ،عبدالرحمان بن عامر،آپ کا ایک نام عبداللہ بن صخر بھی ہے۔غزوہ خیبر (۷ھ) اور صلح حدیبیہ (۸ھ) کے درمیان اسلام قبول کیا۔سب سے زیادہ احادیث آپ سے مروی ہیں۔آپ نے ۵۸ھ میں وفات پائی۔

۲۰۔ اُبی بن کعبؓ بن قیس،انصاری،بدری،سید القراء۔حضرت عمرؓ نے آپ کو ''سید المسلمین'' کا خطاب دیا۔آپ ۱۹ھ یا ۲۰ھ میں فوت ہوئے۔

۲۱۔ اُسامہ بن زید بن حارثہؓ۔رحلتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت آپ کی عمر ۱۸/۲۰ برس تھی۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو لشکر کا سپہ سالار بنایا تھا۔۴۵ھ کو مدینہ میں آپ کا انتقال ہوا۔

۲۲۔ اشعث بن قیسؓ،رحلتِ نبوی کے بعد مرتد ہو کر یمن چلے گئے تھے۔خلافتِ حضرت ابوبکر صدیقؓ میں گرفتار ہو کر آئے اور تائب ہو کر دوبارہ اسلام قبول کیا۔آپ ۴۲ھ میں فوت ہوئے۔

۲۳۔ اُم عطیہ نسیبہؓ،بنت کعب یا بنت الحارث،بزرگ صحابیہ۔آپ زخمیوں کی خبر گیری اور مُردہ خواتین کو غسل دیا کرتی تھیں۔

۲۴۔ انس بن مالکؓ،انصاری،خادمِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم۔کثیر الاَ ولاد اور مال دار۔بصرہ میں فوت ہونے والے آخری صحابی تھے۔آپ کے سالِ وفات کے متعلق ۹۰ھ اور ۹۳ھ کے درمیان مختلف اقوال ہیں۔

۲۵۔ اُنیس بن ضحاک اسلمیؓ۔آپ کے مفصل حالات نہیں مل سکے۔

۲۶۔ اوس بن الصامتؓ، انصاری، غزوہ بدر اور دیگر تمام غزوات میں شرکت کی۔ اپنی بیوی سے ظہار کیا جو اسلام میں پہلا ظہار تھا۔ ان کے معاملہ میں سورت المجادلة کی ابتدائی آیات نازل ہوئیں۔ حضرت عثمانؓ کے دورِ خلافت (۲۴ھ تا ۳۵) میں حضرت اوسؓ نے ۸۵ برس کی عمر میں وفات پائی۔

۲۷۔ براء بن عازبؓ، انصاری۔ آپ بوجۂ صغرسنی غزدۂ بدر میں شریک نہ ہو سکے تھے۔ دیگر غزوت میں حصہ لیا۔ آپ ۷۲ھ میں فوت ہوئے۔

۲۸۔ بروع بنتِ واشقؓ، الرواسیہ الکلابیہ۔ آپ کے پہلے شوہر کا نام ہلال بن مُرّ ۃ تھا۔

۲۹۔ بُریدۃ بن الحُصَیبؓ، سفرِ ہجرت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس سے گزرے تو حضرت بُریدۃؓ نے حاضر ہو کر اسلام قبول کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو زکوٰۃ وصول کرنے پر افسر مقرر کیا تھا۔ سال وفات ٦۳ھ ہے۔

۳۰۔ بلالؓ بن رباح حبشی۔ مؤذنِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم، بدری۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اپنے ایک سیاہ فام مضبوط جسم والے غلام کے عوض آپ کو غلامی سے آزاد کرایا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کی شادی بنی زہرہ کی ایک خاتون سے کرائی تھی۔ آپ ۲۰ھ میں دمشق شام میں سپردِ خاک ہوئے۔

۳۱۔ ثوبانؓ بن بُجدُد، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں جو کہ غلام تھے، خرید کر آزاد کر دیا تھا۔ لیکن حضرت ثوبانؓ اپنی خوشی سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے۔

۳۲۔ جابر بن عبداللہ بن عمرو بن حرامؓ، انصاری۔ آپ ۷۸ھ میں فوت ہوئے اور مدینہ میں وفات پانے والے آخری صحابی تھے۔

۳۳۔ جارود بن المعلّیٰؓ، العبدی۔ آپ کے کئی نام آتے ہیں: بشر بن عمرو بن حنس، جارود بن عمرو بن المعلیٰؓ، جارود بن عمرو بن العلاء، جارود بن المعلی بن العلاء۔ آپ قبل از اسلامؓ نصرانی اور قبیلہ عبدالقیس کے سردار تھے۔ آپ کے قبولِ اسلام پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اظہارِ مسرت فرمایا تھا۔ آپ ٦۱ھ یا ٦۲ھ کے اوائل میں فوت ہوئے۔

۳۴۔ جریر بن عبداللہ بجلیؓ۔ آپ نے رحلتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سال (۱۰ھ) اسلام قبول کیا۔ اپنے قبیلہ البجیلہ کے سردار۔ آپ اپنی قوم کو لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مشرف بہ اسلام ہوئے۔ آپ ۵۱ھ میں یا ایک اور قول کے مطابق ۵۴ھ میں فوت ہوئے۔

۳۵۔ جُلاس بن سوَیدؓ سے پہلے منافقت سرزد ہوئی، پھر توبہ کر کے دوبارہ دولتِ اسلام سے مالا مال ہوئے۔

۳٦۔ جَعدۃ بن ہُبَیرۃ اشجعیؓ، کوفی، حدیث خَیْرُ النَّاسِ قَرْنِیْ کے راوی۔

۳۷۔ حُباب بن المنذر بن الجموح، انصاری، بدری۔ حضرت عمرؓ کی خلافت (۱۳ھ تا ۲۴ھ) میں فوت ہوئے۔

۳۸۔ حذیفہ بن الیمانؓ، بدری، یہ حذیفہ بن حُسَیل ہیں۔ حُسَیل کا لقب الیمان تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے دشمنوں میں جاسوسی کرتے تھے۔ آپ ۳٦ھ کو مدائن میں فوت ہوئے۔

۳۹۔ جُندُب بن عبداللہ بن سفیانؓ۔ آپ پہلے کوفہ میں رہے پھر بصرہ چلے گئے تھے۔

۴۰۔ حسّان بن ثابتؓ، انصاری۔ ساٹھ سال جاہلیت اور ساٹھ سال اسلام میں گزارے۔ کمزور دل ہونے کی وجہ سے کسی غزوہ میں شرکت نہیں کی۔ انہوں نے زبان یعنی شاعری سے جہاد کیا۔

۴۱۔ حسن بن علیؓ، نواسۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم۔ آپ ۴۹ھ میں فوت ہو کر جنت البقیع میں دفن ہوئے۔ اس موقع پر اتنا رش تھا کہ اگر سوئی بھی گرتی تو وہ کسی نہ کسی کے سر پر گرتی۔

۴۲۔ حفصہؓ، زوجۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت عمر فاروقؓ کی بیٹی۔ ام المومنین حضرت حفصہؓ سال ۴۱ھ میں فوت ہوئیں۔

آپ کی وفات کے بارے میں ایک قول ۴۵ھ کا بھی ہے۔

۴۳۔ حکیم بن حزام بن خویلدؓ، قرشی، بدری۔ آپ حضرت خدیجہؓ کے بھانجے تھے۔ آپ نے ساٹھ سال جاہلیت میں اور ساٹھ سال اسلام میں گزارے۔ آپ نے ۵۴ھ میں وفات پائی۔

۴۴۔ حمزہؓ بن عبدالمطلب۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا اور رضاعی بھائی۔ آپ دونوں کو ابولہب کی باندی ثوبیہ نے دودھ پلایا تھا۔ بعثت نبوی کے دوسرے سال اسلام قبول کیا۔ غزوہ اُحد (۳ھ) میں شہادت کا رتبہ پایا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو ''سید الشہداء'' کے لقب سے نوازا۔

۴۵۔ حمل بن مالک النابغہؓ۔ امام مسلمؒ نے ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث روایت کرنے والے اہلِ مدینہ میں شمار کیا ہے۔ دوسرے علماء انہیں اہل بصرہ میں شمار کرتے ہیں۔

۴۶۔ خالد بن ولید بن مغیرةؓ۔ عظیم جرنیل اور زمانہ جاہلیت میں شرفائے قریش میں سے تھے۔ آپ نے ۷ھ میں اسلام قبول کیا۔ ''سیف اللہ'' کا لقب پایا۔ غزوۂ مُوتہ (۸ھ) میں آپ کے ہاتھ میں نو تلواریں ٹوٹیں۔ آپ نے دمشق فتح کیا۔ فارس اور روم کے خلاف لڑے۔ آپ کا انتقال ۲۱ھ کو حمص میں ہوا۔

۴۷۔ خولہ بنت ثعلبہؓ، بنت حکیم اور بنت مالک کے نام بھی آتے ہیں۔ آپ حضرت اوس بن الصامتؓ کی بیوی تھیں جنہوں نے آپ سے ظہار کیا تھا۔ یہ اسلام میں پہلا ظہار تھا۔ حضرت خولہؓ کے متعلق سورت المجادلة کی آیات نازل ہوئیں تھیں۔

۴۸۔ ذوالیدینؓ۔ آپ کا نام خِرباق تھا۔ آپ حجازی تھے۔

۴۹۔ رافع بن خَدِیج انصاریؓ، بوجہ کم سنی غزوۂ بدر میں شریک نہیں ہوسکے تھے۔ آپ ۷۴ھ میں فوت ہوئے۔

۵۰۔ رفاعہ بن رافع بن مالکؓ، انصاری، بدری۔ آپ ۴۱ھ یا ۴۲ھ میں فوت ہوئے۔

۵۱۔ زبیر بن العوام بن خویلد بن اسدؓ۔ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی تھے۔ ہجرتِ حبشہ و مدینہ میں شریک تھے۔ آپ ۳۶ھ میں شہید ہوئے۔

۵۲۔ زید بن ارقمؓ، انصاری۔ کم سنی کی وجہ سے غزوہ احد (۳ھ) میں شرکت نہ کرسکے۔ دیگر غزوات میں شریک ہوئے۔ ۶۸ھ کو کوفہ میں وفات پائی۔

۵۳۔ زید بن ثابت بن ضحاکؓ انصاری۔ بوجہ کم عمری غزوۂ بدر (۲ھ) میں شرکت کی اجازت نہ ملی۔ کاتبِ وحی تھے۔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی حکم پر آپ نے سُریانی زبان سیکھی۔ جمع و تدوینِ قرآن کا کام آپ کی سربراہی میں ہوا۔ اکثر کے نزدیک آپ کا سالِ وفات ۴۵ھ ہے۔

۵۴۔ زید بن حارثہ بن شُرَحْبِیل بن کعب۔ غلاموں میں سب سے پہلے اسلام قبول کیا۔ حضرت اسامہؓ کے والد۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ بولے بیٹے۔ لوگوں نے آپ کو زید بن محمد صلی اللہ علیہ وسلم کہنا شروع کردیا۔ قرآن میں متبنّیٰ بنانے کی ممانعت آ گئی۔ ﴿ أُدْعُوهُمْ لِآبَآئِهِمْ ﴾ [الأحزاب ۳۳:۵] (انہیں ان کے باپوں کی نسبت سے بلایا کرو)۔ آپ واحد صحابی ہیں جن کا نام قرآن میں آیا ہے۔ ﴿ فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا ﴾ [الأحزاب ۳۳:۳۷] (پھر جب زیدؓ نے اسے یعنی حضرت زینبؓ کو طلاق دینے کی خواہش پوری کرلی تو ہم نے اس مطلقہ خاتون کا نکاح آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کردیا)۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا تھا: اگر حضرت زیدؓ زندہ ہوتے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو اپنے بعد خلیفہ بناتے۔ آپ ۵۵ سال کی عمر پاکر غزوہ موتہ (۸ھ) میں بطور سپہ سالار شہید ہوئے۔

۵۵۔ زید بن خالد جُهَنِيؓ۔ آپ کی روایت کردہ احادیث صحیحین یعنی بخاری و مسلم اور دیگر کتب احادیث میں موجود ہیں۔

آپ ۷۸ھ کو مدینہ میں فوت ہوئے۔ ایک قول ۶۸ھ کا بھی ہے۔

۵۶۔ سالم بن معقلؓ، بدری۔ آپ زوجۂ حضرت ابوحذیفہؓ کے آزاد کردہ غلام اور حضرت ابوحذیفہؓ کے متبنّٰی یعنی منہ بولے بیٹے تھے۔ آپ جنگ یمامہ (۱۲ھ) میں شہید ہوئے۔

۵۷۔ سَبرۃ بن معبدؓ جہنی، ابوربیع۔ آپ غزوہ خندق (۵ھ) میں شریک ہوئے۔ آپ نے حضرت معاویہؓ کے دورِ خلافت (۴۱ھ تا ۵۹ھ) میں وفات پائی۔

۵۸۔ سعد بن ابی وقاصؓ۔ والد کا نام مالک بن اُہیب بن عبدالمناف۔ آپ عشرہ مبشرہ میں سے تھے۔ سترہ سال کی عمر میں اسلام قبول کیا۔ آپ بدری، عظیم جرنیل اور فاتحِ عراق و ایران تھے۔ آپ ہی نے اپنا گھوڑا دریائے دجلہ میں ڈال دیا تھا جس پر علامہ اقبالؒ نے کہا تھا:

دشت تو دشت ہیں دریا بھی نہ چھوڑے ہم نے : بحرِ ظلمات میں دوڑا دیئے گھوڑے ہم نے

آپ ۵۵ھ میں فوت ہوئے۔ اس بارے میں ۵۷ھ اور ۵۸ھ کے اقوال بھی ہیں۔

۵۹۔ سعد بن عُبادۃ بن دُلیمؓ، انصاری۔ ان کے بدری ہونے میں اختلاف ہے۔ ۱۳ھ کو ملکِ شام کے ایک مقام حوران میں آپ کا انتقال ہوا۔

۶۰۔ سعد بن معاذؓ، بدری، انصاری۔ غزوۂ خندق (۵ھ) میں تیر لگنے سے رگ کٹ گئی جس کا خون بند نہ ہوا۔ آپ نے ۳۷ سال کی عمر میں وفات پائی۔ آپ کے جنازہ پر ستر ہزار فرشتے بھی حاضر تھے۔

۶۱۔ سعید بن زید بن عمرو بن نُفَیل قُرشیؓ، حضرت عمرؓ کے چچازاد بھائی۔ آپ نے حضرت عمرؓ سے قبل اسلام قبول کیا تھا۔ آپ ۵۰ھ یا ۵۱ھ کو فوت ہوئے اور مدینہ میں دفن ہوئے۔

۶۲۔ سفینہؓ، مولیٰ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام۔ آپ کے نام سے متعلق اکیس اقوال ہیں مثلاً مہران، رومان، طہمان، مروان وغیرہ۔ آپ فارس الاصل تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو سفینہ کا نام دیا۔ ایک دفعہ دورانِ سفر جو تھک جاتا اپنا سامان آپ کو پکڑا دیتا تھا یہاں تک کہ حضرت سفینہؓ نے بہت سا سامان اٹھالیا۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو فرمایا تھا: أَنْتَ سَفِيْنَةٌ تم تو سفینہ یعنی کشتی ہو۔

۶۳۔ سلمان فارسیؓ۔ آپ سے والد کا نام پوچھا جاتا تو فرماتے: میں سلمان بن اسلام بن بنی آدم ہوں۔ اکثر علماء کے نزدیک آپ کا سالِ وفات ۳۵ھ ہے۔

۶۴۔ سلمہ بن عَمرو بن الاکوعؓ۔ بیعت رضوان (۶ھ) میں شریک ہوئے۔ آپ ۷۴ھ کو مدینہ میں فوت ہوئے۔

۶۵۔ سَمُرۃ بن جُندُبؓ۔ آپ بصرہ میں فوت ہوئے۔ آپ کا سالِ وفات ۵۸ھ یا ۵۹ھ یا ۶۰ھ ہے۔

۶۶۔ سہل بن حُنَیف بن واہبؓ، انصاری۔ تمام غزوات میں شرکت کی۔ جنگِ صفین (۳۷ھ) میں حضرت علیؓ کا ساتھ دیا۔ حضرت علیؓ نے آپ کو کئی علاقوں پر حکمران مقرر کیا۔ ۳۸ھ کو کوفہ میں وفات پائی۔

۶۷۔ سہل بن سعد بن مالکؓ، انصاری۔ رحلتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت آپ کی عمر ۱۵ برس تھی۔ آپ کا سالِ وفات ۸۸ھ اور ایک قول کے مطابق ۸۱ھ ہے۔

۶۸۔ شریک بن سحماءؓ، سحماء آپ کی والدہ کا نام ہے۔ والد کا نام عبدۃ بن مغیث ہے۔ حضرت ہلال بن امیہؓ نے اپنی بیوی پر قذف کا الزام آپ کے ساتھ لگایا تھا۔

۶۹۔ صفوان بن امیہ بن خلف قرشیؓ۔ آپ زمانہ جاہلیت میں اشراف قریش میں سے تھے۔ آپ کی وفات ۴۱ھ میں ہوئی۔

۷۰۔ صہیبؓ بن سنان بن مالک، رومی، بدری۔ آپ ۳۸ھ کو مدینہ میں فوت ہوئے۔

۷۱۔ طارق بن شہابؓ، کوفی۔ آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تھا۔ حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کی خلافتوں میں جنگوں میں حصہ لیا۔ آپ کثرتِ جہاد کے ساتھ ساتھ علماء میں بھی شمار ہوتے تھے۔ آپ ۸۳ھ میں فوت ہوئے۔

۷۲۔ طلحہ بن عبید اللہ بن عثمان بن عمروؓ۔ آپ عشرۃ مبشرۃ میں سے تھے اور ۳۶ھ میں جنگِ جمل میں شہید ہوئے۔

۷۳۔ عائشہ صدیقہؓ، ام المومنین، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ اور حضرت ابو بکرؓ کی صاحبزادی۔ اکابر صحابہؓ آپ سے مسائل پوچھتے تھے۔ آپ اپنی وفات تک فتویٰ دیتی رہیں۔ آپ کا انتقال ۵۷ھ اور ایک روایت کے مطابق ۵۸ھ میں ہوا۔

۷۴۔ عُبادۃ بن الصامتؓ، انصاری۔ آپ بیعتِ عقبہ اولیٰ (۱۲ نبوی) اور بیعتِ عقبہ ثانیہ (۱۳ نبوی) میں شامل تھے اور تمام غزوات میں شرکت کی۔ حضرت عمرؓ نے تعلیم قرآن اور فقہ دین سکھانے کے لیے شام بھیجا۔ آپ فلسطین کے قاضی بھی رہے۔ حضرت عبادۃؓ رملہ یا بیت المقدس میں ۳۴ھ کو فوت ہوئے۔

۷۵۔ عبدالرحمان بن عوفؓ، بدری، عشرہ مبشرہ میں سے اور حضرت عمرؓ کی چھ رکنی مجلس کے رکن تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ دورانِ سفر آپ کی اقتداء میں نماز ادا فرمائی تھی۔ آپ ۳۱ھ میں فوت ہوئے۔

۷۶۔ عبداللہ بن ابی سرحؓ ہجرتِ مدینہ کے بعد مرتد ہو کر مکّہ چلے گئے تھے۔ فتح مکّہ کے موقع پر حضرت عثمانؓ کے ہمراہ دربارِ نبوی میں حاضر ہو کر امان پائی۔ انہوں نے حضرت عثمانؓ کے عہد میں افریقہ فتح کیا اور ۳۶ھ یا ۳۷ھ میں انتقال فرمایا۔

۷۷۔ عبداللہ بن بُحَیْنَہؓ۔ آپ کا نام عبداللہ بن مالک بن القِب اور آپ کی والدہ بُحَیْنَۃؓ بنت الحارث تھیں۔ آپ کی وفات ۵۶ھ میں ہوئی۔

۷۸۔ عبداللہ بن رواحہ بن ثعلبہؓ، انصاری۔ بدری اور کاتبِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ آپ غزوۂ موتہ (۸ھ) میں شہید ہوئے۔

۷۹۔ عبداللہ بن زائدہ بن الاصمؓ۔ اہلِ عراق انہیں عمرو بن قیس بن زائدہ بن الاصم کہتے ہیں۔ اپنی والدہ حضرت اُم مکتوم عاتکہ بنت عبداللہ کی نسبت سے ابن اُمِ مکتوم مشہور ہوئے۔ بچپن سے نابینا تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوات کے موقع پر آپ کو مدینہ میں اکثر اپنا نائب بنا کر جاتے تھے۔ حضرت عمرؓ کی وفات (۲۳ھ) کے بعد آپ کا ذکر نہیں سنا گیا۔

۸۰۔ عبداللہ بن زبیر بن عوامؓ۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ کے نواسے۔ یزید کی وفات کے بعد آپ کی خلافت پر بیعت کی گئی۔ حجاز، یمن، عراق اور خراسان نے آپ کی اطاعت کی۔ آپ ۷۳ھ میں شہید کیے گئے۔

۸۱۔ عبداللہ بن سلام، اسرائیلی، انصاری۔ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ آمد پر اسلام قبول کیا۔ آپ کا نام الْحُصَین تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کا نام عبداللہ رکھا۔ آپ ۴۳ھ کو مدینہ میں فوت ہوئے۔

۸۲۔ عبداللہ بن عباس بن عبدالمطلبؓ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے حکمت اور تاویلِ قرآن کی دعا فرمائی۔ حضرت عمرؓ بدری اور اکابر مہاجرین و انصار کی موجودگی میں حضرت ابن عباسؓ سے مشورہ لیتے تھے۔ آپ کو ترجمانِ قرآن کہا جاتا ہے۔ آپ نے حضرت جبریل علیہ السلام کو دو مرتبہ دیکھنے کا دعویٰ کیا۔ آپ ۶۸ھ میں فوت ہوئے۔

۸۳۔ عبداللہ بن عمر بن الخطابؓ۔ اپنے والد حضرت عمرؓ کے ہمراہ اسلام قبول کیا۔ بوجہ کم سنی غزوۂ بدر (۲ھ) میں شرکت کی اجازت نہیں ملی تھی۔ آپ نے کثرت سے احادیث روایت کیں۔ حضرت ابن عمرؓ کا شمار فقہاء صحابہؓ میں ہوتا ہے۔ آپ ۸۴ھ میں فوت ہوئے۔ ایک اور قوی رائے ۷۳ھ کی بھی ہے۔

۸۴۔ عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ۔ قرأت اور کتبِ سابقہ کے عالم تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو احادیث لکھنے کی

اجازت دی۔ آپ ۶۳ھ میں فوت ہوئے۔

۸۵۔ عبداللہ بن مسعود بن غافلؓ، بدری۔ آپ ابن اُمِ عبد کے نام سے بھی مشہور ہیں۔ حضرت عمرؓ نے آپ کو قاضی مقرر کیا۔ آپ ۳۶ھ میں فوت ہوئے۔

۸۶۔ عبداللہ بن مُغَفّل۔ بیعتِ رضوان (۶ھ) میں حصہ لیا۔ حضرت عمرؓ نے آپ کو اہل بصرہ کو دین سکھانے بھیجا۔ آپ وہیں ۶۰ھ میں فوت ہوئے۔

۸۷۔ عبیدۃ بن عازبؓ، انصاری۔ بعض نے آپ کا نام عبید لکھا ہے۔ انہیں اہل کوفہ میں شمار کیا گیا ہے۔

۸۸۔ عتّاب بن اُسیدؓ، آپ نے فتح مکہ پر اسلام قبول کیا۔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو مکہ کا عامل مقرر کیا۔ حضرت ابوبکرؓ نے بھی آپ کو برقرار رکھا۔ آپ حضرت عمرؓ کے عمال میں سے بھی تھے۔ آپ کا انتقال خلافتِ حضرت عمرؓ (۱۳ھ تا ۲۴ھ) کے آخری دور میں ہوا۔

۸۹۔ عدی بن حاتمؓ، آپ نے ۸ھ میں اسلام قبول کیا۔ آپ ۶۷ھ کو کوفہ میں فوت ہوئے۔

۹۰۔ عرباض بن ساریہؓ۔ صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم۔ آپ قدیم الاسلام اور اصحابِ صفہ میں سے تھے۔ آپ ۷۵ھ کو شام میں فوت ہوئے۔

۹۱۔ عُقبہ بن عامر جُہَنیؓ، قاری، عالمِ میراث وفقہ، فصیح اللسان شاعر، کاتبِ وحی اور قرآن جمع کرنے والے صحابہؓ میں سے تھے۔ آپ ۵۸ھ میں فوت ہوئے۔

۹۲۔ علیؓ، آپ کے والد جناب ابوطالب بن عبدالمطلب تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی اور داماد۔ بنو ہاشم میں سب سے پہلے حضرت علیؓ نے دس برس کی عمر میں اسلام قبول کیا۔ آپ چوتھے خلیفہ راشد، فقیہ اور علم نحو کے موجد تھے۔ ایک قاتلانہ حملے میں آپ کی شہادت ۴۰ھ میں ہوئی۔

۹۳۔ عمار بن یاسر بن عامرؓ، بدری۔ حضرت عمرؓ نے آپ کو کوفہ کا گورنر بنایا۔ آپ جنگ صفین (۳۷ھ) میں حضرت علیؓ کا ساتھ دیتے ہوئے شہید ہوئے۔

۹۴۔ عمرو بن حزم بن زید بن لوذان انصاریؓ۔ آپ ۵۱ھ کو مدینہ میں فوت ہوئے۔ آپ کے سالِ وفات میں ۵۳ھ اور ۵۴ھ کے اقوال بھی ہیں۔

۹۵۔ عمر بن الخطابؓ، لقب فاروق، دوسرے خلیفہ راشد (۱۳ھ تا ۲۳ھ)۔ آپ کے دور میں روم اور ایران فتح ہوئے۔ آپ قاتلانہ حملے میں زخمی ہو کر یکم محرم ۲۴ھ کو فوت ہوئے۔

۹۶۔ عمران بن الحُصَینؓ۔ قدیم الاسلام تھے۔ آپ نے جس ہاتھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی، اس ہاتھ سے اپنا عضوِ خاص کبھی نہ چھویا۔ کئی برس بسترِ مرض پر رہے۔ دورانِ مرض ملائکہ ان سے مصافحہ کرتے اور سلام کہتے۔ آپ بصرہ کے قاضی بھی رہے اور وہیں ۵۲ھ میں وفات پائی۔

۹۷۔ عمرو بن العاصؓ بن وائل۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مبارک میں آپ عمان کے والی رہے۔ عہدِ عمرؓ میں مصر فتح کیا اور اس کے حکمران رہے۔ آپ کا انتقال ۴۳ھ کو مصر میں ہوا۔

۹۸۔ عمرو بن معدی کربؓ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال پر ارتداد کے مرتکب ہوئے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے دور میں گرفتار ہو کر آئے، اسلام دوبارہ قبول کیا اور خلافتِ حضرت عثمانؓ میں فوت ہوئے۔

۹۹۔ عمیر بن سعدؓ، انصاری، بعض نے آپ کے والد کا نام سعید لکھا ہے۔ حضرت عمرؓ نے آپ کو حمص کا عامل مقرر کیا تھا۔ آپ شام

میں فوت ہوئے۔

۱۰۰۔ عویم بن ساعدۃؓ، انصاری۔ تمام غزوات میں دادِ شجاعت دی۔ خلافتِ حضرت عمرؓ میں وفات پائی۔

۱۰۱۔ فاطمہ بنتِ قیس بن خالد قرشیہؓ، آپ اوّلین مہاجرات میں سے اور عقل وکمال والی خاتون تھیں۔ خلیفہ ثانی حضرت عمرؓ کی شہادت (۲۳ھ) کے موقع پر اصحابِ شوریٰ کا اجلاس آپ کے گھر میں ہوا تھا۔

۱۰۲۔ قدامۃ بن مظعونؓ، بدری۔ حضرت عمرؓ نے آپ کو بحرین کا گورنر مقرر کیا۔ آپ ۳۶ھ میں فوت ہوئے۔

۱۰۳۔ قرظہ بن کعب بن ثعلبہؓ، انصاری۔ آپ غزوۂ احد اور دیگر غزوات میں شریک ہوئے۔ آپ حضرت علیؓ کی خلافت (۳۵ھ تا ۴۰ھ) میں کوفہ میں فوت ہوئے۔

۱۰۴۔ کعب بن مالکؓ، انصاری۔ آپ کے بدری ہونے میں اختلاف ہے۔ دیگر غزوات میں حصہ لیا۔ آپ نے اپنے اشعار سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دفاع کیا۔ آپ ۵۰ھ/۵۳ھ کو شام میں فوت ہوئے۔

۱۰۵۔ ماریہ قبطیہؓ بنت شمعون۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرزند حضرت ابراہیمؓ کی والدہ۔ حضرت ماریہؓ نے ۱۶ھ میں وفات پائی۔ آپ پر نمازِ جنازہ کی امامت حضرت عمرؓ نے کی۔

۱۰۶۔ ماعز بن مالک الاسلمیؓ۔ دربارِ نبوت میں خود حاضر ہو کر ایک گناہ کا اعتراف کیا اور سزا پا کر اسی دنیا میں مغفرت حاصل کی۔

۱۰۷۔ مالک بن الحویرثؓ، آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی سعادت حاصل ہوئی تھی۔ ۶۴ھ کو بصرہ میں وفات پائی۔

۱۰۸۔ مُجَزِّز المُدْلِجیؓ۔ نام مجزز بن الاعور بن جعدہ۔ آپ مُدلج قبیلہ کے سردار اور قیافہ شناس تھے۔

۱۰۹۔ محمد بن مَسْلَمہ بن خالدؓ، انصاری، بدری۔ آپ جنگِ جمل (۳۶ھ) جو حضرت عائشہؓ اور حضرت علیؓ کی فوجوں کے درمیان ہوئی تھی اور جنگ صفین (۳۷ھ) جو حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کے لشکروں کے مابین ہوئی تھی، ان میں شریک نہیں ہوئے تھے۔ آپ ۴۶ھ کو مدینہ میں فوت ہوئے۔

۱۱۰۔ مُرثد بن ابی مرثدؓ، بدری۔ والد کا نام کناز الغنوی ہے۔ آپ ۳ھ کو غزوۃ الرجیع میں شہید ہوئے۔

۱۱۱۔ مِسْوَر بن مخرمہ بن نوفلؓ۔ آپ صحبتِ نبوی سے فیض یاب تھے اور روایت بھی کرتے تھے۔ آپ فقیہ صحابی تھے۔ آپ نے ۶۴ھ میں وفات پائی۔ اس بارے میں ایک قول ۷۴ھ کا بھی ہے۔

۱۱۲۔ مُصعب بن عمیرؓ، بدری۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو عُقبہ کے لوگوں کے ہمراہ اہل مدینہ کو دین سکھانے بھیجا تھا۔ آپ غزوہ احد (۳ھ) میں شہید ہوئے۔

۱۱۳۔ معاذ بن جبلؓ، انصاری۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو یمن کا عامل اور قاضی مقرر کیا تھا۔ آپ کی صلاحیتوں کا اعتراف کرتے ہوئے حضرت عمرؓ نے ایک مرتبہ یہ فرمایا تھا کہ اگر آپ حضرت معاذؓ کو پاتے تو انہیں خلیفہ بناتے۔ آپ کا انتقال ۱۸ھ میں ہوا۔

۱۱۴۔ معاذ بن عبداللہ بن خُبَیبؓ، جُهَنی، مدنی۔ اپنے والد، چچا، بھائی، حضرت ابن عباسؓ اور حضرت جابرؓ سے روایت کیا۔

۱۱۵۔ معاویہ بن ابی سفیانؓ۔ کاتبِ نبوی۔ آپ نے اپنے والد حضرت ابوسفیانؓ کے ہمراہ فتح مکہ (۸ھ) کے موقع پر اسلام قبول کیا۔ ایک قول یہ ہے کہ اپنے والد سے پہلے صلح حدیبیہ (۶ھ) کے دن اسلام قبول کر لیا تھا مگر اس کا اظہار فتح مکہ کے دن کیا۔ حضرت عمرؓ نے آپ کو شام کا والی مقرر کیا۔ حضرت عثمانؓ نے آپ کو اس عہدے پر برقرار رکھا۔ جنگِ صفین (۳۷ھ) کے بعد حضرت معاویہؓ شام کے آزاد حکمران بن گئے۔ آپ ۶۰ھ میں دمشق میں فوت ہوئے۔

۱۱۶۔ معقل بن یسار بن عبداللہؓ، بیعتِ رضوان (۶ھ) میں شریک تھے۔ آپ حضرت معاویہؓ کی خلافت (۴۱ھ تا ۵۹ھ) کے

اواخر میں بصرہ میں فوت ہوئے تھے۔

۱۱۷۔ میمونہ بنت حارثؓ، اُم المومنین۔ آپ کے سالِ وفات میں ۵۱ھ، ۶۱ھ ۶۳ھ وغیرہ کے اقوال ہیں۔

۱۱۸۔ مغیرۃ بن شعبہؓ۔ غزوہ خندق کے سال (۵ھ) قبولِ اسلام کیا۔ حضرت عمرؓ کی خلافت میں بصرہ اور کوفہ کے والی رہے۔ حضرت عثمانؓ نے انہیں اس عہدہ پر برقرار رکھا۔ آپ ۵۰ھ کو کوفہ میں فوت ہوئے۔

۱۱۹۔ مقداد بن اسودؓ کا اصل نام مقداد بن عمرو بن ثعلبہ ہے۔ انہیں مقداد کندی بھی کہا جاتا ہے۔ وہ بدری تھے اور ۳۳ھ کو مدینہ میں فوت ہوئے۔

۱۲۰۔ نافع بن عبدالحارث خزاعیؓ

۱۲۱۔ وائل بن حُجرؓ، آپ حضرموت کی طرف سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے لیے چادر بچھائی۔ آپ کے والد حضرموت کے حکمرانوں میں سے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ اور آپ کے والد کے لیے دعا فرمائی تھی۔ آپ جنگِ صفین (۳۷ھ) میں حضرت علیؓ کے ہمراہ تھے اور شہادت پائی۔

۱۲۲۔ وحشیؓ بن حرب حبشی، سوڈانی۔ غزوہ اُحد (۳ھ) میں حضرت حمزہؓ کو نیزہ مار کر شہید کیا۔ بعد میں مسلمان ہو گئے۔ حضرت وحشیؓ نے جنگِ یمامہ (۱۱ھ) میں نبوت کے جھوٹے مدعی مسیلمہ کو نیزہ مار کر قتل کیا۔ حضرت وحشیؓ نے فرمایا تھا: میں نے خیر الناس یعنی حضرت حمزہؓ کو قتل کیا اور شر الناس یعنی مسیلمہ کذاب کو قتل کیا۔ حضرت عثمانؓ کی خلافت (۲۴ھ تا ۳۵ھ) تک زندہ تھے، پھر حمص چلے گئے اور وہیں وفات پائی۔

۱۲۳۔ ہلال بن امیہؓ انصاری۔ غزوہ بدر اور دیگر غزوات میں شرکت کی۔ آپ نے اپنی بیوی پر قذف کا الزام شریک بن سحماء کے ساتھ لگایا تھا۔ جس پر قانونِ لعان کی آیات (۶ تا ۱۰) سورت النور میں نازل ہوئیں۔ آپ ان تین حضرات میں سے تھے جو غزوہ تبوک میں پیچھے رہ گئے تھے اور جن کے بارے میں سورت التوبۃ میں احکام نازل ہوئے۔ آپ حضرت معاویہؓ کے دورِ خلافت (۴۱ھ تا ۵۹ھ) تک زندہ رہے۔

دیگر شخصیات

۱۔ **آمدی**، ابوالحسن سیف الدین علی بن ابی علی بن محمدؒ، شافعی، اصولی اور متکلم۔ ایک شہر "آمد" کی نسبت سے آمدی کہلائے۔ آپ ۶۳۱ھ میں فوت ہوئے۔

۲۔ **ابراہیم نخعی**، ابوعمران ابراہیم بن یزید بن اسودؒ، فقیہِ عراق، حافظ، عالمِ حدیث، زاہد۔ ۹۵ھ یا ۹۶ھ میں کوفہ میں وفات پائی۔

۳۔ **ابن ابی شیبہ**، ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ ابراہیمؒ، کوفی، حافظ، محدّث، آپ صاحبِ مسند و احکام و تفسیر تھے۔ آپ ۲۳۵ھ کو بغداد میں فوت ہوئے۔

۴۔ **ابن ابی نَجِیح**، ابویسار عبداللہ بن ابی نَجِیحؒ، ثقہ، مفسر، مفتی اہلِ مکہ۔ آپ ۱۳۱ھ میں فوت ہوئے۔

۵۔ **ابن ابی لیلیٰ**، عبدالرحمانؒ۔ ائمہ تابعین میں سے تھے۔ آپ ۸۳ھ کو حجاج بن یوسف کے خلاف لڑائی میں شہید ہوئے۔

۶۔ **ابن الاثیر**، ابو السعادات ابن الاثیر مبارک بن محمد بن محمد بن عبد الکریمؒ، جزری، الشافعی۔ تفسیر، حدیث، فقہ اور نحو کے عالم، ادیب اور ناثر۔ آپ ۶۰۶ھ کو موصل میں فوت ہوئے۔

۷۔ **ابن الانباری**، ابوبکر محمد بن القسم بشارؒ، نحوی، لغوی، ثقہ۔ آپ کا انتقال ۳۲۸ھ میں ہوا۔

۸۔ **ابن اسحاق**، محمد بن اسحاق بن یسار مطلبیؒ، تابعی، ثقہ، حدیث میں "امیر المومنین" کہلائے۔ آپ ۱۵۱ھ میں فوت ہوئے۔

۹۔ **ابن برہان بغدادی**، احمد بن علیؒ، شافعی المسلک، اصولی۔ آپ ۵۲۰ھ میں فوت ہوئے۔

۱۰۔ **ابن تیمیہ**، ابوالعباس تقی الدین احمد بن عبدالحلیمؒ، حنبلی۔ ابن تیمیہ کے وجہ تسمیہ میں اختلاف ہے۔ آپ کی دادیؒ کا نام تیمیہ تھا جن کی مناسبت سے خاندان کا نام ابن تیمیہ پڑ گیا۔ ایک رائے کے مطابق یمن کے علاقہ تیما سے اس کی نسبت ہے۔ آپ حافظ، فقیہ، مفسر، مجتہد اور تخریج احادیث کے ماہر تھے۔ کئی مسائل میں امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ سے اختلاف کیا۔ آپ نے حق گوئی کی پاداش میں دورانِ قید ۷۲۸ھ کو دمشق کے قلعہ میں وفات پائی۔

۱۱۔ **ابن جُرَیْج**، عبدالملک بن عبدالعزیزؒ، حافظ، فقیہِ حرم۔ آپ کا سالِ وفات ۱۵۰ھ ہے۔

۱۲۔ **ابن حاجب**، ابوعمرو عثمان بن عمرو بن ابی بکرؒ، مالکی، اصولی اور نحوی۔ والد حاکمِ وقت کے دربان تھے اس لیے ابن حاجب کہلائے۔ آپ ۶۴۶ھ میں فوت ہوئے۔

۱۳۔ **ابن حبان**، ابوحاتم محمد بن حبانؒ، حافظِ حدیث، فقیہ، عالمِ طب و نجوم اور قاضی سمرقند۔ آپ ۳۵۴ھ میں فوت ہوئے۔

۱۴۔ **ابن حجر**، شہاب الدین ابوالفضل احمد بن علی بن محمدؒ، کنعانی، عسقلانی، مصری، شافعی، حافظ، محدّث، شاعر اور قاضی۔ آپ اپنے جدامجد کے لقب سے ابن حجر کہلائے۔ ۸۵۲ھ میں وفات پائی۔

۱۵۔ **ابن حزم**، ابومحمد علی بن احمد بن سعیدؒ، قرطبی، ظاہری، حافظ، مجتہد، اصولی، فقیہ اور غیر مقلد۔ اپنے فقہی افکار میں شدت برتی اور اندلسی علماء کی مخالفت کا سامنا کرنا پڑا۔ آپ کی متعدد کتب مذہبی تعصب میں نذرِ آتش کی گئیں۔ ۴۵۶ھ میں فوت ہوئے۔

۱۶۔ **ابن خطل**، یہ شخص مرتد بھی تھا اور قاتل بھی۔ فتحِ مکہ کے موقع پر اس کے قتل کا حکم دیا گیا تھا۔

۱۷۔ **ابن خلدون**، عبدالرحمان بن محمد بن محمدؒ۔ مالکی، عالم، ادیب، مؤرخ، حکیم اور قاضی۔ ابن خلدون کے نام سے مشہور ہوئے۔

اشبیلیہ سے تعلق تھا۔آپ نے تاریخ پر کتاب لکھی جس کا مقدمہ بہت مشہور ہوا جو ''مقدمہ ابن خلدون'' کے نام سے جانا جاتا ہے۔آپ کا انتقال ۸۰۸ھ کو قاہرہ میں ہوا۔

۱۸۔ ابن خیروان، احمد بن الحسنؒ، ابوالفضل، بغدادی، شافعی، حافظ، ناقد، ثقہ۔۴۸۸ھ میں فوت ہوئے۔

۱۹۔ ابن رُشد، ابوالولید محمد بن احمد بن محمد بن احمد بن رُشدؒ، قرطبی، اندلسی، مالکی، فقیہ، فلسفی، قاضی۔اپنی پوری زندگی صرف دوراتیں وہ کتب بینی نہ کر سکے: ایک شادی کی رات اور دوسری وہ رات جس میں آپ کے والد فوت ہوئے تھے۔آپ نے ہر فنِ علم پر لکھا۔آپ کا سالِ وفات ۵۹۵ھ ہے۔

۲۰۔ ابن سعد، محمدؒ۔مشہور مورّخ۔علمائے جرح وتعدیل نے آپ کو اہلِ عدالت میں شمار کیا ہے۔آپ کاتبِ واقدی (م ۲۰۷ھ) کے لقب سے مشہور ہیں۔آپ نے ۲۳۰ھ میں وفات پائی۔

۲۱۔ ابن سمعانی، ابوسعید عبدالکریم بن ابی بکر محمد بن ابی المظفر المنصور بن محمدؒ، شافعی، فقیہ۔آپ ۵۶۲ھ کو مرو میں فوت ہوئے۔

۲۲۔ ابن سیرین، ابوبکر محمد بن سیرینؒ، تابعی، انصاری، بصری۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم حضرت انسؓ کے آزاد کردہ غلام، حافظ، حدیث اور فقہ کے عالم۔آپ کا سالِ وفات ۱۱۰ھ ہے۔

۲۳۔ ابن شہاب زہری، محمد بن مسلم بن عبیداللہ بن عبداللہؒ، ابوبکر، تابعی، حافظ، مدنی محدّث اہلِ حجاز، کثیر الحدیث اور ثقہ۔آپ کا سالِ وفات ۱۲۳ھ اور ایک قول کے مطابق ۱۲۴ھ ہے۔

۲۴۔ ابن صباغ، عبدالسید بن محمد بن عبدالواحدؒ، شافعی، اصولی، متکلم اور فقیہ۔ابن الصباغ کے نام سے مشہور ہوئے کیونکہ آپ کے آباء میں سے ایک رنگریز تھے۔آپ ۴۷۷ھ کو بغداد میں فوت ہوئے۔

۲۵۔ ابن صلاح، عثمان بن مفتی صلاح الدین عبدالرحمانؒ، شافعی، دمشقی، محدّث، فقیہ، مجتہد اور مفتی۔سال وفات ۶۴۳ھ ہے۔

۲۶۔ ابن عبدالبر، ابوعمر یوسف بن عبداللہ بن سلامؒ، قرطبی، مالکی۔آپ حافظِ حدیث، قاضی، فقیہ، علم الانساب اور علم الرجال کے ماہر تھے۔آپ ۴۶۳ھ میں فوت ہوئے۔

۲۷۔ ابن العربی، ابوبکر محمد بن عبداللہ بن محمدؒ، اندلسی، اشبیلی، قاضی اور مالکی۔۵۴۳ھ میں فوت ہوئے۔

۲۸۔ ابن عقیل، ابوالوفاء علی بن محمدؒ، بغدادی، حنبلی اور قاضی القضاۃ (چیف جسٹس)۔۵۱۳ھ میں انتقال ہوا۔

۲۹۔ ابن فورک، ابوبکر محمد بن الحسنؒ، اصولی، متکلم، ادیب، واعظ اور نحوی۔۴۰۶ھ کو نیشاپور میں فوت ہوئے۔

۳۰۔ ابن قدامہ، ابومحمد عبداللہ بن احمد بن محمد بن قدامہؒ، حنبلی۔آپ تفسیر، حدیث، فقہ، علمِ خلاف، فرائض، اصولِ فقہ، نحو، حساب اور علمِ نجوم کے ماہر تھے۔آپ ۶۲۰ھ کو دمشق میں فوت ہوئے۔

۳۱۔ ابن قطان، ابوالحسن علی بن محمد بن عبدالملکؒ، مراکشی، قاضی، اصولی محدّث اور فقیہ۔آپ نے ۶۲۸ھ میں وفات پائی۔

۳۲۔ ابن قیم جوزیہ، شمس الدین ابوعبداللہ محمد بن ابی بکر بن ایوبؒ۔آپ حنبلی، حافظ، فقیہ، مجتہد، اصولی، مفسر، نحوی اور متکلم تھے۔آپ ۷۵۱ھ کو دمشق میں فوت ہوئے۔

۳۳۔ ابن کثیر، ابوالفداء اسماعیل بن عمرؒ، بصری، دمشقی، شافعی، حافظ، محدّث، مفسّر، مؤرخ اور فقیہ۔سال انتقال ۷۷۴ھ ہے۔

۳۴۔ ابن لحام، ابوالحسن علی بن محمد بن عباسؒ، دمشقی، حنبلی۔آپ کا سال وفات ۸۰۳ھ ہے۔

۳۵۔ ابن المدینی، ابوالحسن علی بن عبداللہ بن جعفر بن نُجَیْح، حافظ، بصری۔آپ معرفتِ حدیث وعلل اور اختلافِ حدیث کے ماہر تھے۔آپ ۲۳۴ھ میں فوت ہوئے۔

۳۶۔ ابن معین، ابوزکریا یحییٰ بن معینؒ، بغدادی، محدّث اور عالمِ جرح وتعدیل۔آپ نے ۲۳۳ھ کو مدینہ میں وفات پائی۔

۳۷۔ ابن نجار، محمد بن احمد بن عبدالعزیزؒ، مصری، حنبلی، اصولی، فقیہ، لغوی اور قاضی القضاۃ۔ آپ ۹۷۲ھ میں فوت ہوئے۔

۳۸۔ ابن الوزیر، محمد بن ابراہیم الوزیرؒ، حسنی، صنعانی، عالم حدیث و اصول حدیث۔ ۸۴۰ھ سالِ وفات ہے۔

۳۹۔ ابن ہُرمُز، ابوبکر عبداللہ بن یزیدؒ۔ ایک قول یہ ہے کہ آپ کا نام یزید بن عبداللہ بن ہرمز ہے۔ سالِ وفات ۱۴۸ھ ہے۔

۴۰۔ ابن ہمام، محمد بن عبدالواحد بن عبدالحمیدؒ، اسکندری، حنفی، فقیہ، اصولی، نحو، صرف، علومِ طبعیہ، فرائض، حساب اور تصوف کے عالم۔ آپ ۸۶۱ھ کو قاہرہ میں فوت ہوئے۔

۴۱۔ ابوادریس خولانی، عائذ اللہ بن عبداللہؒ، تابعی، واعظ اور قاضی دمشق۔ آپ کا سالِ وفات ۸۰ھ ہے۔

۴۲۔ ابواسحاق شیرازی، ابراہیم بن علی بن یوسفؒ، شافعی، فقیہ، اصولی زاہد اور شاعر۔ ۴۷۶ھ کو بغداد میں وفات پائی۔

۴۳۔ ابواسحاق مروزی، ابراہیم بن احمد بن اسحاقؒ، شافعی، فقیہ۔ آپ ۳۴۰ھ کو مصر میں فوت ہوئے۔

۴۴۔ ابواُمامہ اسعد بن سہل بن حُنَیف انصاریؒ۔ آپ اپنی کنیت سے مشہور تھے اور مدینہ کے کبار تابعین میں سے تھے۔ آپ ۱۰۰ھ میں فوت ہوئے۔

۴۵۔ ابوبکر اسماعیلی، احمد بن ابراہیم بن اسماعیلؒ، شافعی، اصولی۔ فقہاء و محدثین کے شیخ۔ آپ ۳۷۰ھ کو غزّہ میں فوت ہوئے۔

۴۶۔ ابوبکر بن عبدالرحمٰن بن الحارث بن ہشامؒ، تابعی۔ آپ کا نام نہیں تھا۔ ابوبکر کنیت ہی سے پکارے جاتے تھے۔ ثقہ، فقیہِ مدینہ اور کثیر الحدیث تھے۔ آپ ۹۴ھ کو مدینہ میں فوت ہوئے۔

۴۷۔ ابوبکر محمد بن عبداللہ بن صالح ابہریؒ، فقیہ، ثقہ، مالکی مذہب کے ائمہ میں سے تھے۔ آپ ۳۹۵ھ کو بغداد میں فوت ہوئے۔

۴۸۔ ابوجعفر منصور بن محمد بن علی بن عبداللہ بن العباس بن عبدالمطلبؓ، عباسی خلیفہ۔ ۲۲ سال خلیفہ رہے۔ ۱۵۸ھ میں وفات پائی۔

۴۹۔ ابوحامد اسفرائنی، احمد بن محمد بن احمدؒ، شافعی، شیخ عراق، شافعی مذہب کے حافظ۔ ۴۰۶ھ میں وفات پائی۔

۵۰۔ ابوالحسین بصری، محمد بن علی بن الطیبؒ، معتزلی، اصولی اور کلامی۔ ۴۳۶ھ کو بغداد میں فوت ہوئے۔

۵۱۔ ابوحنیفہ، نعمان بن ثابتؒ، تابعی، کوفی، حنفی مذہب کے بانی و امام۔ آپ ۱۵۰ھ کو بغداد میں فوت ہوئے۔

۵۲۔ ابوخازم، عبدالحمید بن عبدالعزیزؒ، حنفی، فقیہ، قاضی، فنونِ حساب و فرائض کے عالم۔ آپ ۲۹۲ھ کو بغداد میں فوت ہوئے۔

۵۳۔ ابوالخطاب کلوذانی، محفوظ بن احمد بن الحسینؒ، بغدادی، حنبلی، اصولی، فقیہ، ادیب اور شاعر۔ ان کی وفات ۵۱۰ھ میں ہوئی۔

۵۴۔ ابوداؤد، سلیمان بن اشعث بن اسحاقؒ، سجستانی، محدّث اور اپنے زمانے کے امام اہلِ حدیث۔ مؤلف سنن ابی داؤد۔ آپ ۲۷۵ھ کو بصرہ میں فوت ہوئے۔

۵۵۔ ابوذویب، خویلد بن خالد یا خالد بن خویلدؒ۔ جاہلی اسلامی شاعر۔ عہدِ رسالت میں مسلمان ہوئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیماری کی خبر پر مدینہ آئے اور نمازِ جنازہ اور تدفین میں شرکت کی۔ آپ حضرت عثمانؓ کے دورِ خلافت (۲۴ھ تا ۳۵ھ) میں فوت ہوئے۔

۵۶۔ ابوطاہر الدباس، محمد بن محمد بن سفیانؒ، فقیہ۔ عراق میں اہل الرائے کے امام تھے۔ شام کے قاضی تھے۔ آپ نے مکہ میں وفات پائی۔ آپ عبیداللہ کرخیؒ حنفی (م ۳۴۰ھ) کے ہم عصر تھے۔

۵۷۔ ابوالعالیہؒ، تابعی، مفسر قرآن۔

۵۸۔ ابوعمر زاذانؒ، کندی، تابعی، علمائے کوفہ میں سے تھے۔ آپ ۸۲ھ میں فوت ہوئے۔

۵۹۔ ابوزرعہ رازی، عبیداللہ بن عبدالکریمؒ، حافظِ حدیث، عالمِ جرح و تعدیل اور مفسر۔ آپ کا سالِ وفات ۲۶۴ھ ہے۔

۶۰۔ ابوزنادؒ کے حالاتِ زندگی نہیں مل سکے۔

٦١۔ ابوزہرہؒ، محمد، مصری۔ آپ متعدد علوم مثلاً تاریخ، فقہ، فلسفہ اور ادب وغیرہ پر مجتہدانہ نظر رکھتے تھے۔ آپ ۴٠ سے زیادہ کتب کے مصنف ہیں۔ آپ نے جامعۃ الازہر کے شعبہ اسلامی علوم، قاہرہ یونیورسٹی میں اسلامی قانون اور فواد یونیورسٹی مصر میں قانون پڑھایا۔ آپ ١٩٧۴ء کو مصر میں فوت ہوئے۔

٦٢۔ ابوسعید اصطخری، الحسن بن احمد بن یزیدؒ، شافعی، فقیہ، قاضی قم، زاہد۔ ٣٢٨ھ کو بغداد میں فوت ہوئے۔

٦٣۔ ابوسعید بردعی، احمد بن الحسینؒ، بغدادی، قاضی، حنفی۔ آپ کا سالِ وفات ٣١٧ھ ہے۔

٦۴۔ ابوسلمہ بن عبدالرحمان بن عوفؒ۔ تابعی، مدنی، قاضی، حافظ، کثیر الحدیث۔ آپ کا نام اور کنیت ابوسلمہ ہی ہے۔ آپ کا انتقال ٩۴ھ میں ہوا۔

٦٥۔ ابوالشعثاء جابر بن زیدؒ۔ اپنے زمانہ میں اہلِ بصرہ کے عالم۔ آپ ٩٣ھ میں فوت ہوئے۔

٦٦۔ ابوالعالیہ رُفَیع بن مہران الریاحیؒ۔ بصری، مفسر اور مقری۔ آپ کبار تابعین میں سے تھے۔ آپ نے رحلتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے دو سال بعد اسلام قبول کیا اور ٩٠ھ یا ٩٣ھ یا ٩٦ھ میں فوت ہوئے۔

٦٧۔ ابوعبداللہ بصری، الحسین بن علیؒ، معتزلی۔ آپ ٣٩٩ھ میں فوت ہوئے۔

٦٨۔ ابوعبداللہ صیمری، الحسن بن علیؒ، بغدادی، شافعی، قاضی۔ آپ ۴٣٦ھ میں فوت ہوئے۔

٦٩۔ ابوعلی بن ابی ہریرہؒ کا نام الحسن بن الحسین ہے۔ بغدادی، فقیہ، قاضی اور شیخ الشافعیہ تھے۔ آپ ٣۴٥ھ میں فوت ہوئے۔

٧٠۔ ابوعلی جُبّائی، محمد بن عبدالوہاب بن سلامؒ۔ علم الکلام میں امام اور معتزلہ کے ائمہ میں سے تھے۔ آپ کا انتقال ٣٠٣ھ میں ہوا۔

٧١۔ ابومسلم خولانی، عبداللہ بن ثوبؒ، مُخَضْرَم یعنی آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مبارکہ کا زمانہ پایا تھا لیکن آپ صحبتِ نبوی سے محروم رہے۔ سید التابعین اور زاہد العصر۔ ٦٢ھ میں روم میں فوت ہوئے۔

٧٢۔ ابوالمظفر سمعانی، منصور بن محمد بن عبدالجبارؒ، قبیلہ سمعان کی نسبت سے سمعانی اور شہر مرو کی نسبت سے مروزی کہلائے۔ آپ شافعی المذہب، مفسر اور عالم حدیث تھے۔ آپ ۴٨٩ھ میں فوت ہوئے۔

٧٣۔ ابومنصور عبدالقاہر بن طاہر بن محمدؒ، شافعی، بغدادی، اصولی، فقیہ، عالمِ فروض و حساب، ادیب، شاعر اور نحوی۔ آپ نے ۴٢٩ھ میں وفات پائی۔

٧۴۔ ابومنصور ماتریدی، محمد بن محمد بن محمودؒ حنفی، امامِ متکلمین، سمرقند کے علاقہ ماترید کی نسبت سے ماتریدی کہلائے۔ آپ ٣٣٣ھ میں فوت ہوئے۔

٧٥۔ ابووائل شقیق بن سلمہؒ، مُخَضْرَم، شیخ الکوفہ، ثقہ، کثیر الحدیث۔ آپ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے اصحاب میں سے تھے۔ آپ ٨٢ھ میں فوت ہوئے۔

٧٦۔ ابوہاشم جُبّائی، عبدالسلام بن محمد بن عبدالوہاب بن سلامؒ، بصرہ کے ایک گاؤں کی نسبت سے جُبّائی کہلائے۔ معتزلہ کے شیوخ میں سے تھے۔ معتزلہ کا ہاشمیہ فرقہ انہی سے منسوب ہے۔ آپ ٣٢١ھ کو بغداد میں فوت ہوئے۔

٧٧۔ ابویعلی محمد بن الحسین بن محمد بن خلفؒ، حنبلی، بغدادی، قاضی القضاۃ۔ آپ ۴٥٨ھ میں فوت ہوئے اور امام احمد بن حنبلؒ کے مقبرہ میں دفن ہوئے۔

٧٨۔ ابویوسف، یعقوب بن ابراہیمؒ، امام۔ آپ امام ابوحنیفہؒ کے شاگرد، قاضی القضاۃ (چیف جسٹس) اور حافظِ حدیث تھے۔ آپ ١٨٢ھ کو بغداد میں فوت ہوئے۔

٧٩۔ احمد بن حنبلؒ، بغدادی، امام، حافظ، فقیہ اور حنبلی مذہب کے بانی۔ آپ ٢۴١ھ میں فوت ہوئے۔ آپ کی وفات پر مسلمانوں،

یہود، نصاریٰ اور مجوسیوں سب نے سوگ منایا۔

۸۰۔ ارموی، محمد بن ابراہیم بن محمدؒ، ہندی، شافعی، فقیہ، اصولی اور متکلم۔ آپ نے ۷۱۵ھ کو دمشق میں وفات پائی۔

۸۱۔ اسود، ابوعبدالرحمٰن اسود بن یزید بن قیسؒ، فقیہ، عابد، ثقہ اور مُخَضرَم۔ ۷۵ھ کو کوفہ میں فوت ہوئے۔

۸۲۔ البانی، محمد ناصر الدین، سلفی، حدیث اور فقہ کے ماہر۔ آپ البانیہ میں پیدا ہوئے پھر آپ کا خاندان شام کے شہر دمشق منتقل ہو گیا۔ علومِ اسلامیہ میں خدمات کے اعتراف میں آپ کو سعودی عرب کی طرف سے کنگ فیصل انٹرنیشنل پرائز ۱۹۹۹ء میں دیا گیا۔ اِسی سال آپ کا انتقال ہوا۔

۸۳۔ اوزاعی، ابوعمرو عبدالرحمٰن بن عمرو بن محمدؒ، دمشقی، مفتی، فقیہِ اہلِ شام اور کثیر الحدیث۔ ۱۵۷ھ کو بیروت میں فوت ہوئے۔

۸۴۔ اویس قرنی، اویس بن عامرؒ، یمنی، اپنے کسی جدِ امجد کے نام سے قرنی کہلائے۔ حیاتِ نبوی کا زمانہ پایا مگر ملاقات سے محروم رہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ کو آپ کے بارے میں بشارت دی تھی۔ دربارِ نبوت سے ''خیر التابعین'' کا لقب پایا۔ آپ جنگِ صفین (۳۷ھ) میں شہید ہوئے۔

۸۵۔ باجی، ابوالولید سلیمان بن خلف بن سعیدؒ۔ باجہ شہر کی نسبت سے باجی کہلائے۔ آپ محدّث، فقیہ، اصولی، متکلم، ادیب اور شاعر تھے۔ اندلس میں کئی شہروں کے قاضی رہے۔ آپ ۴۷۴ھ میں فوت ہوئے۔

۸۶۔ باقلانی، ابوبکر محمد بن طیّب بن محمدؒ، مالکی، قاضی، اصولی، خطیب اور عالمِ حدیث۔ آپ ۴۰۳ھ کو بغداد میں فوت ہوئے۔

۸۷۔ بخاری، ابوعبداللہ محمد بن اسماعیلؒ، محدّث اور فقیہ۔ آپ کا انتقال ۲۵۶ھ میں بخارا میں ہوا۔

۸۸۔ بزّار، ابوبکر احمد بن عمرو بن عبدالخالقؒ، بصری، ثقہ۔ آپ ۲۹۲ھ میں فوت ہوئے۔

۸۹۔ بزدوی، ابوالحسن علی بن محمد بن الحسینؒ، فخر الاسلام، حنفی، فقیہ، اصولی، محدث اور مفسر۔ آپ ۴۸۲ھ کو سمرقند میں فوت ہوئے۔

۹۰۔ بشر بن غیاث بن عبدالرحمٰنؒ، مریسی، معتزلی، فقیہ اور متکلم۔ آپ کا سالِ وفات ۲۱۸ھ ہے۔

۹۱۔ بُکَیر بن عبداللہ بن الاشجؒ۔ آپ صغار تابعین میں سے اور فقیہ، حافظ، مدنی اور مصری تھے۔ آپ ۱۲۷ھ میں فوت ہوئے۔

۹۲۔ بیضاوی، ناصر الدین عبداللہ بن عمر بن محمدؒ، شافعی، قاضی القضاۃ، فقیہ، محدّث، مفسر اور منطقی۔ ۶۸۵ھ کو تبریز میں فوت ہوئے۔

۹۳۔ بیہقی، ابوبکر احمد بن الحسین بن علیؒ۔ متعدد کتب کے مصنف۔ آپ شافعی المذہب تھے لیکن آپ بطور محدّث زیادہ مشہور ہیں۔ آپ کا سالِ وفات ۴۵۸ھ ہے۔

۹۴۔ تفتازانی، سعد الدین مسعود بن عمر بن عبداللہؒ۔ فقیہ، اصولی، منطقی اور نحوی۔ اپنی جائے پیدائش تفتازان کی نسبت سے تفتازانی کہلائے۔ آپ ۷۹۲ھ کو سمرقند میں فوت ہوئے۔

۹۵۔ جبائی، دعوان بن علی حمادؒ، حنبلی، فقیہ۔ بغداد کے ایک قریہ کی نسبت سے جبائی کہلائے۔ آپ کا انتقال ۵۴۲ھ میں ہوا۔

۹۶۔ جُرجانی، ابوعبداللہ محمد بن یحییٰ بن مہدیؒ، حنفی، فقیہ، مناظر اور زاہد۔ آپ کا شمار اصحابِ تخریج میں ہوتا تھا۔ آپ ۳۹۷ھ میں فوت ہوئے اور روضۂ امام ابوحنیفہؒ کے پاس دفن کیے گئے۔

۹۷۔ جصاص، ابوبکر احمد بن علیؒ، رازی، حنفی، فقیہ، اصولی، مجتہد۔ آپ کا سالِ وفات ۳۷۰ھ ہے۔

۹۸۔ جوینی، ابوالمعالی عبدالملک بن عبداللہؒ، شافعی، فقیہ، اصولی، متکلم، مفسر ۴۷۸ھ کو نیشاپور میں وفات پائی۔

۹۹۔ حاکم نیشاپوری، ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ بن محمدؒ۔ حاکم کے نام سے مشہور تھے۔ نیشاپور میں پیدا ہوئے۔ فنِ حدیث میں امام تھے۔ آپ ۴۰۵ھ میں فوت ہوئے۔

۱۰۰۔ الحکم بن ابی العاص، ابومروان۔ فتحِ مکّہ کے دن مسلمان ہوا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے مدینہ بدر کر دیا تھا۔ وہ آپ

صلی اللہ علیہ وسلم کے راز افشا کرتا، دیوار کے سوراخ سے آپ کے گھر جھانکتا اور آپ کی نقلیں اتارتا تھا۔ وہ ۳۲ھ میں مرا۔

۱۰۱۔ حسن بصری، ابن یسارؒ، تابعی، فقیہ، زاہد اور امام اہلِ بصرہ۔ آپ ۱۱۰ھ میں فوت ہوئے۔

۱۰۲۔ حلوانی، ابومحمد الحسن بن علی بن محمدؒ، حافظ، محدث، عالمِ رجال یعنی احادیث کے راویوں کے احوال و حالات کے عالم۔ آپ کا سالِ وفات ۲۴۲ھ ہے۔

۱۰۳۔ حماد بن ابی سلیمانؒ، ابواسماعیل، فقیہِ عراق۔ آپ کا سال وفات ۱۲۰ھ ہے۔

۱۰۴۔ حمید بن اسود بن اشقرؒ، بصری، ثقہ اور صدوق۔ آپ ۱۰۰ھ کے بعد فوت ہوئے۔

۱۰۵۔ حنظلہ سدوسیؒ، بصری۔ انہیں ابن عبداللہ یا ابن عبید اللہ کہا جاتا ہے۔ علمائے جرح و تعدیل نے ان پر تنقید کی ہے۔

۱۰۶۔ خِرَقی، عمر بن الحسین بن عبداللہؒ، ابوالقاسم، حنبلی، قاضی، فقیہ۔ آپ ۳۳۴ھ کو دمشق میں فوت ہوئے۔

۱۰۷۔ خطیب بغدادی، ابوبکر احمد بن علیؒ، شافعی، حافظ، شاعر اور ادیب۔ شہر کے واعظوں اور خطیبوں کو حکم تھا کہ وہ آپ کو دکھائے بغیر کوئی حدیث روایت نہ کریں۔ آپ ۴۶۳ھ میں فوت ہوئے۔

۱۰۸۔ خلال، ابوبکر احمد بن محمد بن ہارونؒ، بغدادی، حنبلی، فقیہ اور محدث۔ آپ نے امام احمد بن حنبلؒ کا علم جمع و مرتب کیا۔ آپ کا انتقال ۳۱۱ھ میں ہوا۔

۱۰۹۔ داؤد بن علی بن خلفؒ، ابوسلیمان، امام اہل الظاہر اور حافظ۔ آپ ۲۷۰ھ کو بغداد میں فوت ہوئے۔

۱۱۰۔ دبوسی، ابوزید عبداللہ بن عمر بن عیسیٰؒ، حنفی، فقیہ، اصولی اور قاضی۔ سمرقند کے قریہ دبوسیہ کی نسبت سے دبوسی کہلائے۔ آپ ۴۳۰ھ کو بخارا میں فوت ہوئے۔

۱۱۱۔ ذہبی، شمس الدین ابوعبداللہ محمد بن احمد بن عثمان بن قاز یمازؒ، شافعی، حافظ، محدث، مورخ اور شیخ الجرح والتعدیل۔ آپ ۷۴۸ھ کو دمشق میں فوت ہوئے۔

۱۱۲۔ رافعی، ابراہیم بن علی بن حسن بن علیؒ، شافعی، مدنی، ثقہ۔ آپ ۳۶۶ھ میں فوت ہوئے۔

۱۱۳۔ ربیع بن سلیمان بن عبدالجبارؒ، ابومحمد، المرادی، الموذن، المصری، صاحب امام شافعیؒ۔ امام شافعیؒ کی اکثر کتب ربیعؒ سے مروی ہیں۔ ربیعؒ کی وفات ۲۷۰ھ کو مصر میں ہوئی۔

۱۱۴۔ ربیعۃ الرای، ربیعہ بن ابی عبدالرحمٰن فروخؒ، تابعی، فقیہ، حافظِ فقہ و حدیث، ثقہ، مفتیٔ مدینہ، مجتہد اور کثیر الحدیث۔ آپ ۱۳۶ھ کو مدینہ میں فوت ہوئے۔

۱۱۵۔ زُرقانی، ابوعبداللہ محمد بن عبدالباقی بن یوسفؒ، مالکی۔ آپ ۱۱۲۲ھ میں فوت ہوئے۔

۱۱۶۔ زرکشی، محمد بن بہادر بن عبداللہؒ، مصری، شافعی۔ آپ کا سالِ وفات ۷۹۴ھ ہے۔

۱۱۷۔ زید بن عمرو بن نفیل یہودی یا نصرانی نہیں تھے۔ وہ فرمایا کرتے تھے: ''میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے رب کی پرستش کرتا ہوں''۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے لیے یہ فرمایا تھا: نَعَمْ فَإِنَّهُ يُبْعَثُ أُمَّةً وَّاحِدَةً۔ ہاں ان کے لیے دعا کی جائے گی، کیونکہ وہ واحد اُمت کے طور پر دوبارہ زندہ کیے جائیں گے یعنی وہ اپنے عقائد کے اکیلے ہی فرد ہوں گے۔

۱۱۸۔ سالم بن عبداللہ بن عمر بن الخطابؓ، تابعی، زاہد، حافظ، مفتیٔ مدینہ، ثقہ اور کثیر الحدیث۔ آپ ۱۰۷ھ اور ایک قول کے مطابق ۱۰۶ھ کو مدینہ میں فوت ہوئے۔

۱۱۹۔ سائب بن یزید بن عبداللہ بن سعید الکندیؒ۔ حضرت عمرؓ کے دورِ خلافت میں آپ مدینہ کے بازاروں پر عامل مقرر تھے۔ آپ کے سالِ وفات میں کئی اقوال ہیں: ۸۰ھ، ۸۲ھ، ۸۶ھ، ۹۰ھ، ۹۱ھ اور ۹۴ھ۔

۱۲۰۔ سبکی، ابوالنصر تاج الدین عبدالوہاب بن علی بن الکافیؒ، شافعی، مصری، اصولی اور فقیہ۔ آپ ۷۷۱ھ میں فوت ہوئے۔

۱۲۱۔ سخاوی، شمس الدین محمد بن عبدالرحمان بن محمدؒ، حافظ، محدث، فقیہ، مورّخ اور اصولی۔ آپ نے ۹۰۲ھ کو مدینہ میں وفات پائی۔

۱۲۲۔ سُدّیؒ، اسماعیل بن موسیٰ، کوفی، مفسر۔ آپ ۱۲۹ھ اور ایک رائے کے مطابق ۱۲۶ھ میں فوت ہوئے۔

۱۲۳۔ سَرَخسِی، محمد بن احمد بن ابی سہلؒ، حنفی، فقیہ، اصولی، متکلم، مناظر۔ آپ ۴۹۰ھ میں فوت ہوئے۔

۱۲۴۔ سعید بن جُبَیر ؒ، تابعی، مولیٰ یعنی آزاد کردہ غلام۔ آپ کوفہ کے مشہور معلّمِ قرآن اور فقیہ تھے۔ مشہور قول کے مطابق حجاج بن یوسف نے ان کو ۹۵ھ میں شہید کیا۔

۱۲۵۔ سعید بن مسیّب بن حزنؒ، تابعی، فقیہ۔ آپ صحابہ کرامؓ کی موجودگی میں فتویٰ دیتے تھے۔ آپ نے حکمرانوں کی صعوبتیں جھیلیں اور ۹۴ھ میں فات پائی۔

۱۲۶۔ سفیان ثوری، ابوعبداللہ سفیان بن سعیدؒ، فقیہ اور زاہد۔ آپ ۱۶۱ھ میں فوت ہوئے۔

۱۲۷۔ سفیان بن عُیَیْنَہ بن ابی عمران میمونؒ، تابعی، مکی، محدّث، مفسر، ثقہ اور کثیر الحدیث۔ آپ ۱۹۸ھ کو مکہ میں فوت ہوئے۔

۱۲۸۔ سلیمان بن یسارؒ، تابعی اور مدینہ کے فقہائے سبعہ میں سے ایک تھے۔ آپ ۱۰۷ھ میں فوت ہوئے۔

۱۲۹۔ سیوطی، جلال الدین عبدالرحمان بن ابی بکر بن محمدؒ، شافعی۔ آپ مصر کے شہر سیوط کی نسبت سے سیوطی کہلائے۔ انہوں نے تقریباً ہر شعبہ علم پر قلم اٹھایا۔ آپ کا سالِ وفات ۹۱۱ھ ہے۔

۱۳۰۔ شاطبی، ابراہیم بن موسیٰؒ، غرناطی، مالکی، مفسر، فقیہ، اصولی اور نحوی۔ آپ کا انتقال ۷۹۰ھ میں ہوا۔

۱۳۱۔ شافعی، محمد بن ادریسؒ، امام مذہب شافعی، عالمِ لغت و فقہ و حدیث۔ ۲۰۴ھ میں قاہرہ میں وفات پائی۔

۱۳۲۔ شاہ ولی اللہ دہلوی، احمد بن ابراہیمؒ، حنفی، مفسر، محدّث، فقیہ، صوفی، عقائد اور کلام کے ماہر، متحدہ ہندوستان کی عظیم علمی شخصیت۔ آپ ۱۱۷۶ھ کو دہلی میں فوت ہوئے۔

۱۳۳۔ شبلی نعمانیؒ، سیرت نگار، شاعر، دار المصنفین اعظم گڑھ ہند کے بانیوں میں سے تھے۔ آپ عربی، فارسی، ہندی، اردو اور ترکی زبانیں جانتے تھے۔ آپ کا سالِ وفات ۱۹۱۴ء ہے۔

۱۳۴۔ شُرَیح بن الحارث بن قیسؒ۔ کوفی، تابعی، قاضی، ثقہ۔ مُخَضرَم ۔ حضرت عمرؓ نے انہیں قاضی کوفہ مقرر کیا۔ آپ نے ساٹھ سال بطور قاضی خدمات سرانجام دیں۔ آپ کا سال وفات ۷۸ھ ہے۔

۱۳۵۔ شعبی، عامر بن شَرَحبِیلؒ، ابوعمر، ہمدانی، کوفی، تابعی، حافظ، فقیہ، مفتی، قاضی، زاہد۔ کوفہ میں ۱۰۳یا ۱۰۴ھ میں فوت ہوئے۔

۱۳۶۔ شوکانی، ابوعبداللہ محمد بن علیؒ، یمن کے شہر شوکان کی نسبت سے شوکانی کہلائے۔ مفسر، محدّث، فقیہ، اصولی، قاضی، ادیب، نحوی، منطقی اور متکلم۔ آپ پہلے زیدی تھے پھر خود کو کسی ایک مذہب کے ساتھ وابستہ نہ کیا۔ آپ ۱۲۵۰ھ میں فوت ہوئے۔

۱۳۷۔ شہرستانی، ابوالفتح محمد بن عبدالکریم بن احمدؒ، اشعری، فقیہ، واعظ۔ آپ کا سالِ وفات ۵۴۸ھ ہے۔

۱۳۸۔ صُبَیّ بن معبد الجُھَنِی، آپ تابعی تھے۔

۱۳۹۔ صدر الشریعہ (الاصغر)، عبیداللہ بن مسعود بن محمودؒ، حنفی، فقیہ، اصولی، محدّث، مفسر اور نحوی۔ سالِ وفات ۷۴۷ھ ہے۔

۱۴۰۔ صَیرفی، ابوبکر محمد بن عبداللہ، شافعی، فقیہ۔ کہا جاتا ہے کہ امام شافعیؒ کے بعد آپ اصولِ فقہ میں سب سے بڑے عالم تھے۔ آپ ۳۳۰ھ میں فوت ہوئے۔

۱۴۱۔ طاؤس بن کیسانؒ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے شاگرد اور فقیہ۔ آپ کا انتقال ۱۰۶ھ کو مکہ میں ہوا۔

۱۴۲۔ طلیحہ الاسدیہؒ۔ یہ عبداللہ کی بیٹی تھیں۔ ایک رائے یہ ہے کہ آپ کے والد کا نام عبیداللہ تھا۔

۱۴۳۔ طوفی، سلیمان بن عبد القوی بن عبد الکریمؒ، بغدادی، حنبلی، اصولی، فقیہ۔ آپ سنّی عقائد سے منحرف شیعہ تھے۔ آپ نے ۷۱۶ھ میں وفات پائی۔

۱۴۴۔ عاصم بن سلیمان الاحولؒ، کنیت ابوعبدالرحمٰن۔ ایک کنیت ابوعبداللہ بھی ہے۔ بصری، تابعی، حافظ، ثقہ، قاضی مدائن، کوفہ میں اوزان اور پیمانوں پر نگران تھے۔ آپ ۱۴۱ھ یا ۱۴۲ھ میں فوت ہوئے۔

۱۴۵۔ عبدالحی لکھنوی، بن عبدالحلیم بن امین اللہؒ، سہالوی، حنفی، اصول و فروع میں ماہر اور کثیر کتب کے مصنف۔ آپ ۱۳۰۴ھ میں فوت ہوئے۔

۱۴۶۔ عبدالرحمٰن بن عتاب بن اَسید بن ابی العیصؒ، قرشی، اموی۔ آپ نے جنگِ جمل (۳۶ھ) میں حضرت عائشہؓ کا ساتھ دیا۔ آپ جنگِ جمل کے دوران بصرہ میں شہید ہوئے۔

۱۴۷۔ عبدالرحمٰن بن غنمؒ، اشعری، تابعی، ثقہ۔ حضرت عمرؓ نے اہلِ شام کو تعلیم دینے کے لیے آپ کو بھیجا تھا۔

۱۴۸۔ عبدالعزیز بخاریؒ بن احمد بن محمد، حنفی، اصولی اور فقیہ۔ آپ ۷۳۰ھ میں فوت ہوئے۔

۱۴۹۔ عبداللہ بن ابی الحمساءؒ۔ قبل از بعثت انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی چیز خریدی، قیمت اسی جگہ ادا کرنے کا وعدہ کر کے چلے گئے، تین دن بعد یاد آنے پر واپس آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو وہیں پایا۔ بعد میں انہوں نے اسلام قبول کیا مگر حالتِ ایمان میں ملاقات ثابت نہیں ہے۔

۱۵۰۔ عبداللہ بن ابی سلول، رئیس المنافقین۔ اسے حاکم بنانے کی تیاریاں مکمل تھیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ آمد سے وہ حکمران نہ بن سکا۔ وہ مسلمان تو ہو گیا مگر نفاق اور کینے پر قائم رہا۔

۱۵۱۔ عبیداللہ بن جحش حبشہ جا کر نصرانی ہو گیا تھا اور نصرانی ہی فوت ہوا۔

۱۵۲۔ عبداللہ بن حطب بن الحارثؒ، قرشی مخزومی۔ ابن حبانؒ (م ۳۵۴ھ) کے مطابق آپ نے صحبتِ نبوی پائی۔ آپ کے متعلق امام ترمذیؒ (م ۲۷۹ھ) نے لکھا ہے کہ آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں پایا۔

۱۵۳۔ عبداللہ بن ذکوانؒ، ابوالزناد، تابعی، مدنی، مفتی، فقیہ، حافظ، مجتہد، ثقہ۔ آپ کی رحلت ۱۳۰ھ میں ہوئی۔

۱۵۴۔ عبدالرحمٰن بن سعید بن وہبؒ، تابعی۔ آپ بہت کم روایت کرتے تھے۔

۱۵۵۔ عبداللہ بن مبارکؒ، خراسانی، زاہد، ثقہ، امیر المومنین فی الحدیث، امام احمد بن حنبلؒ نے فرمایا تھا: ابن المبارکؒ کے زمانہ میں ان سے بڑھ کر علم کا طالب کوئی نہیں تھا۔ آپ ۱۸۱ھ میں فوت ہوئے۔

۱۵۶۔ عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ بن مسعودؒ، ابوعبداللہ، فقیہِ مدینہ اور کثیر الحدیث۔ آپ کے دادا حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے بھائی تھے۔ آپ کا سالِ وفات ۹۸ھ اور ایک قول کے مطابق ۹۹ھ ہے۔

۱۵۷۔ عبداللہ بن عمرو بن حضرمیؒ۔ آپ کی ولادت حیاتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں ہوئی تھی۔

۱۵۸۔ عبیدۃ بن عمرو سلمانیؒ، کوفی، تابعی، فقیہ۔ فتح مکہ (۸ھ) کے زمانہ میں اسلام قبول کیا۔ آپ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے اصحابِ مفتیان میں سے تھے۔ آپ ۷۲ھ میں فوت ہوئے۔

۱۵۹۔ عراک بن مالکؒ، غفاری، مدنی، تابعی، ثقہ۔ آپ ۱۰۱ھ کو مدینہ میں فوت ہوئے۔

۱۶۰۔ عراقی، ابوالفضل زین الدین عبدالرحیم بن الحسینؒ، شافعی، فقیہ، اصولی، ادیب اور لغوی۔ آپ مدینہ کے قاضی رہے اور ۸۰۶ھ میں فوت ہوئے۔

۱۶۱۔ عروۃ بن الزبیر بن العوامؒ، تابعی، حافظ۔ آپ نے اپنی خالہ حضرت عائشہؓ سے علمِ فقہ حاصل کیا۔ آپ مدینہ کے سات مشہور

فقہاءِ "فقہائے سبعہ" میں سے ایک تھے۔ آپ ۹۴ھ میں فوت ہوئے۔

۱۶۲۔ عطا بن ابی رباحؒ، تابعی، فقیہِ حجاز، زاہد۔ آپ کا سالِ وفات ۱۱۴ھ ہے۔

۱۶۳۔ عِکرِمہ، ابوعبداللہ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے مولیٰ یعنی آزاد کردہ غلام، تابعی، مفسر اور کثیر الحدیث۔ ان کے ثقہ ہونے میں علماء کا اختلاف ہے۔ آپ ۱۰۷ھ کو مدینہ میں فوت ہوئے۔

۱۶۴۔ علاء الدین سمرقندیؒ، ابوبکر محمد بن احمد بن ابی احمد، حنفی، اصولی۔ آپ کتاب بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع کے مصنف علاء الدین کاسانیؒ (م ۵۸۷ھ) کے سسر تھے۔ علاء الدین سمرقندیؒ کا انتقال ۵۵۲ھ میں ہوا۔

۱۶۵۔ علقمہ بن قیسؒ نخعی، کوفی، تابعی، فقیہ، ثقہ، کثیر الحدیث، حافظ، مجتہد۔ آپ کا سالِ وفات ۶۲ھ ہے۔

۱۶۶۔ علائی، ابوسعید خلیل بن کیکلدی بن عبداللہؒ، شافعی، محدث، فقیہ، متکلم، ادیب اور شاعر۔ ۷۶۱ھ کو القدس میں فوت ہوئے۔

۱۶۷۔ عمر بن عبدالعزیز بن مروان بن الحکمؒ، حافظ، مجتہد، فقیہ، اموی خلیفہ۔ آپ ۲۱ سال مصر کے گورنر رہے۔ مدینہ کے بھی گورنر رہے۔ پھر آپ امیر المومنین (۹۹ھ تا ۱۰۱ھ) بھی بنے۔ آپ کی والدہ اُمِّ عاصمؒ حضرت عمرؓ کی پوتی اور آپ کے بیٹے عاصمؒ کی بیٹی تھیں۔ آپ ۱۰۱ھ میں فوت ہوئے۔

۱۶۸۔ عمران بن حِطّانؒ، تابعی، بصری، خارجی مگر اہلِ ہوی یعنی خواہشِ نفس کی پیروی کرنے والوں میں سے نہیں تھے۔ ثقہ تھے۔ آپ کو حدیث میں متہم نہیں کیا گیا۔ آپ کا انتقال ۸۴ھ میں ہوا۔

۱۶۹۔ عمرو بن دینارؒ، تابعی، حافظ، ثقہ، فقیہ۔ اپنے زمانہ کے شیخ الحرم تھے۔ آپ کا سالِ وفات ۱۲۶ھ ہے۔

۱۷۰۔ عمرو بن شُرحُبیلؒ، ابومیسرہ، ہمدانی، کوفی۔ آپ کوفہ میں فوت ہوئے۔

۱۷۱۔ عمرو بن میمونؒ، ابوعبداللہ، کوفہ کے کبار تابعین میں سے تھے۔ حیاتِ نبوی میں اسلام قبول کیا۔ ۷۵ھ میں فوت ہوئے۔

۱۷۲۔ عون بن عبداللہ بن عتبہ بن مسعودؒ، زاہد، واعظ، کثیر العلم۔ آپ کا انتقال ۱۱۰ھ میں ہوا۔

۱۷۳۔ عیسیٰ بن ابان بن صدقۃؒ، حنفی، قاضی، آپ امام محمد شیبانیؒ کے اصحاب میں سے تھے۔ آپ ۲۲۱ھ کو بصرہ میں فوت ہوئے۔

۱۷۴۔ غازی، محمود احمدؒ، ڈاکٹر۔ شریعت اور فقہ کے استاد، انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی اسلام آباد کے صدر، سپریم کورٹ پاکستان کے شریعت اپیلیٹ بنچ کے جج، وفاقی شرعی عدالت پاکستان کے جج، وفاقی وزیر مذہبی امور پاکستان اور نیشنل سیکورٹی کونسل پاکستان کے ممبر رہے۔ آپ نے پاکستان کے قوانین کو اسلامیانے کے عمل حصہ لیا۔ جنوبی افریقہ میں قادیانیوں کے خلاف مقدمہ میں اُمت اسلامیہ کی طرف سے بطور ماہر پیش ہوئے۔ آپ ۲۰۱۰ء میں اسلام آباد میں سپرد لحد ہوئے۔

۱۷۵۔ غزالی، ابوحامد محمد بن محمدؒ، طوسی، شافعی۔ فلسفہ، تصوف، اصول اور علم الکلام وغیرہ کے بلند پایہ عالم۔ ۵۰۵ھ میں انتقال ہوا۔

۱۷۶۔ فخر الدین رازیؒ، ابوعبداللہ محمد بن عمر بن الحسین۔ آپ علومِ شرعیہ کے ممتاز عالم اور علومِ عقلیہ میں اپنے زمانے کے امام تھے۔ آپ ۶۰۶ھ میں فوت ہوئے۔

۱۷۷۔ فیروز ابولؤلؤ، یہ شخص حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کا پارسی غلام تھا۔ اس نے خنجر سے حملہ کر کے حضرت عمر فاروقؓ کو زخمی کر دیا تھا جس کے نتیجہ میں آپ کی شہادت واقع ہو گئی تھی۔

۱۷۸۔ قاسم بن محمد بن ابی بکر الصدیقؒ، تابعی، عالمِ مدینہ، ثقہ، فقیہ اور کثیر الحدیث۔ ۱۰۸ھ میں فوت ہوئے۔

۱۷۹۔ قاضی عبدالوہابؒ، ابومحمد عبدالوہاب بن نصر، فقیہ اور مالکی مذہب کے ائمہ میں سے تھے۔ ۴۲۲ھ کو مصر میں فوت ہوئے۔

۱۸۰۔ قبیصہ بن ذؤیب بن حلحلہؒ، ابوسعید، تابعی، مدنی، ثم دمشقی، ثقہ، فقیہ اور کثیر الحدیث۔ آپ ۸۶ھ یا ۸۷ھ میں فوت ہوئے۔

۱۸۱۔ قتادہ بن دعامہؒ، بصری، تابعی، حافظ، ثقہ، مفسر، عربی لغت اور انساب و ایامِ عرب کے عالم۔ آپ پیدائشی نابینا تھے۔ آپ

سال ۱۱۷ھ میں فوت ہوئے۔

۱۸۲۔ قُرطبی، ابوعبداللہ محمد بن احمد بن ابی بکرؒ، مالکی، مفسر۔ آپ کا انتقال ۶۷۱ھ میں ہوا۔

۱۸۳۔ قسطلانی، احمد بن محمد بن ابی بکرؒ، شافعی۔ مصر کے شہر قسطلان کی نسبت سے قسطلانی کہلائے۔ آپ ۹۲۳ھ میں فوت ہوئے۔

۱۸۴۔ قفال، ابوبکر محمد بن علی بن اسماعیلؒ، شاشی، شافعی، اصولی، فقیہ، محدث، مفسر، لغوی، کلامی، شاعر اور ادیب۔ آپ کا انتقال ۳۶۵ھ کو شاش میں ہوا۔

۱۸۵۔ کاسانی، ابوبکر بن مسعود بن احمدؒ، علاء الدین، حنفی، فقیہ۔ آپ نے ۵۸۷ھ کو حلب میں وفات پائی۔

۱۸۶۔ کرخیؒ، عبید اللہ الحسین بن دلال ابوالحسن۔ آپ حنفی مذہب کے ممتاز فقیہ اور اصولی تھے۔ آپ کو حنفی مذہب میں مجتہد فی المسائل کہا جاتا ہے۔ آپ کا انتقال ۳۴۰ھ کو عراق میں ہوا۔

۱۸۷۔ لیث بن سعد بن عبدالرحمٰنؒ، مفتی، عالمِ مصر، ثقہ، محدث، کثیر الحدیث۔ آپ ۱۷۵ھ میں فوت ہوئے۔

۱۸۸۔ مالک، ابوعبداللہ مالک بن انسؒ۔ حافظ، فقیہ، امام دارالہجرت اور مالکی مذہب کے بانی۔ ۱۷۹ھ کو مدینہ میں فوت ہوئے۔

۱۸۹۔ المایمرغی، محمد بن محمد بن الیاسؒ، ایک شہر ''مایمرغ'' کی نسبت سے المایمرغی کہلائے۔ آپ اصولی، فقیہ اور متکلم تھے۔ آپ ۷۵۱ھ میں فوت ہوئے۔

۱۹۰۔ مجاہد بن جبرؒ، تابعی، فقیہ، مفسر اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے شاگرد۔ آپ ۱۰۳ھ کو مکہ میں فوت ہوئے۔ اس بارے میں ۱۰۲ھ، ۱۰۴ھ اور ۱۰۸ھ کے اقوال بھی ہیں۔

۱۹۱۔ مجدد الف ثانی، احمد بن شیخ عبدالاحدؒ۔ آپ کا عالی نسب ۲۷ واسطوں سے حضرت عمر فاروقؓ سے جا ملتا ہے۔ آپ دوسرے ہزار سالہ دور کے متفقہ مجدد ہیں۔ آپ نے مغل بادشاہ اکبر (م ۱۶۰۵ء) کے ایجاد کردہ ''دین الٰہی'' اور مغل بادشاہ جہانگیر (م ۱۶۲۷ء) کے سجدۂ تعظیمی کا انکار کیا اور قید و بند کی سختیاں جھیلیں۔ آپ نے ۱۰۳۴ھ/۱۶۲۴ء میں وفات پائی اور سرہند میں محوِ استراحت ہیں۔

۱۹۲۔ محب اللہ بن عبدالشکور، بہاری، ہندی، حنفی، قاضی۔ آپ کا انتقال ۱۱۱۹ھ میں ہوا۔

۱۹۳۔ محمد بن کعب بن سلیم القرظیؒ، مدنی، تابعی، ثقہ، کثیر الحدیث اور عالمِ قرآن۔ آپ کا انتقال ۱۰۸ھ میں ہوا۔ ۱۰۸ھ اور ۱۲۰ھ کے درمیان بھی اقوال ہیں۔

۱۹۴۔ محمد بن الحسن شیبانیؒ، ابوعبداللہ۔ امام ابوحنیفہؒ کے شاگرد۔ آپ ۱۸۹ھ میں فوت ہوئے۔

۱۹۵۔ محمد بن الحنفیہؒ، آپ کا نام محمد بن علی بن اَبی طالب تھا اور آپ ابن الحنفیہ کے نام سے مشہور تھے۔ آپ کی والدہ کا نام الحنفیہ خولہ بنت جعفر تھا۔ آپ کی کنیت ابوالقاسم تھی۔ آپ ۸۱ھ میں فوت ہوئے۔

۱۹۶۔ محمد صدیق حسن خان بہادرؒ، نواب بھوپال ہند۔ آپ ۱۸۹۰ء میں فوت ہوئے۔

۱۹۷۔ محمد طیب، قاریؒ، دارالعلوم دیوبند بھارت کے آٹھویں مہتمم، مولانا قاسم نانوتویؒ کے پوتے۔ ۱۹۸۳ء میں وفات پائی۔

۱۹۸۔ مراغی، احمد مصطفیٰؒ، مفسر قرآن۔

۱۹۹۔ مرغینانیؒ، برہان الدین علی بن ابی بکر بن عبدالجلیل فرغانی، حنفی، فقیہ، محدث، مفسر، اصولی، زاہد، ادیب اور شاعر۔ آپ ۵۹۳ھ میں فوت ہوئے۔

۲۰۰۔ مروان بن الحکم بن ابی العاصؓ، تابعی۔ حیاتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں آپ کی ولادت ہوئی لیکن مروانؒ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا نہیں۔ مدینہ، مکہ، طائف اور مصر و شام کے حکمران رہے۔ آپ کا سال وفات ۶۵ھ ہے۔

۲۰۱۔ مسروق بن الاجدعؒ، تابعی، فقیہ، ثقہ۔ آپ بچپن میں اغوا کر لیے گئے تھے، پھر آپ مل گئے تھے۔ تب سے آپ کا نام مسروق پڑ گیا۔ آپ ۶۳ھ کو کوفہ میں فوت ہوئے۔

۲۰۲۔ مسلم بن خالد زنجیؒ، ابو خالد، فقیہ مکہ، عابد اور کثیر الحدیث۔ آپ نے ۱۸۰ھ کو مکہ میں وفات پائی۔

۲۰۳۔ معتضد باللہ، ابو العباس احمد بن موفقؒ، عباسی خلیفہ (۲۷۹ھ تا ۲۸۹ھ)، امیر المومنین۔

۲۰۴۔ مقیس بن صُبابہ بظاہر مسلمان ہو کر مدینہ آیا، اپنے بھائی کی دِیَت کا مطالبہ کیا۔ دیت وصول کرنے کے بعد بھائی کے قاتل کو قتل کیا اور خود مرتد ہو گیا۔

۲۰۵۔ مکحول بن ابی مسلم شہراب بن سادلؒ، تابعی، دمشقی، فقیہ اور عالمِ اہلِ شام۔ آپ ۱۱۳ھ میں فوت ہوئے۔

۲۰۶۔ میمون بن مہرانؒ، ابو ایوب، تابعی، فقیہ، ثقہ مگر قلیل الحدیث تھے۔ آپ ۱۱۶ھ کو الجزیرہ میں فوت ہوئے۔

۲۰۷۔ نافعؒ، ابو عبداللہ، مدنی، حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے مولیٰ یعنی آزادہ کردہ غلام۔ امام مالکؒ (م ۱۷۹ھ) کے استاد۔ امام بخاریؒ (م ۲۵۶ھ) نے فرمایا تھا: حدیث کی صحیح ترین سند یہ ہے: مالک عن نافع عن ابن عمرؓ۔ آپ کا انتقال ۱۱۷ھ میں ہوا۔

۲۰۸۔ نسفی، ابو البرکات حافظ الدین عبداللہ بن احمد بن محمودؒ، حنفی، فقیہ، اصولی، مفسر، متکلم، عالمِ حدیث۔ سالِ وفات ۷۱۰ھ ہے۔

۲۰۹۔ نظام، ابراہیم بن یسار بن ہانیؒ، ابو اسحاق، بصری، معتزلی۔ آپ شاعر، ادیب اور صاحب النظر والکلام تھے۔ آپ کی وفات ۲۳۱ھ میں ہوئی۔

۲۱۰۔ نووی، ابو زکریا محی الدین یحییٰ بن شرفؒ، شافعی، فقیہ، علوم حدیث اور علمِ رجال کے ماہر۔ اپنی جائے پیدائش اور جائے وفات دمشق کے علاقہ نوا کی نسبت سے نووی کہلائے۔ ۶۷۶ھ میں فوت ہوئے۔

۲۱۱۔ واحدی، ابو الحسن علی بن احمدؒ، شافعی، مفسّر، فقیہ، لغوی اور شاعر۔ آپ ۴۶۸ھ کو نیشاپور میں فوت ہوئے۔

۲۱۲۔ واقدی، ابو عبداللہ محمد بن عمر بن واقدؒ، مدنی، مغازی و سِیَر کے بلند پایہ عالم۔ ہر قسم کے شخص سے روایت کرتے تھے۔ ان کی حدیث کو ترک کرنے پر محدّثین کا اتفاق ہے۔ آپ کا انتقال ۲۰۷ھ میں ہوا۔

۲۱۳۔ ورقہ بن نوفل، نصرانی۔ اُم المومنین حضرت خدیجہؓ کے چچازاد بھائی۔ پہلی وحی کے نزول پر حضرت خدیجہ الکبریٰؓ آپ کے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو لے کر آئی تھیں اور آپ نے نبوت محمدی کی تصدیق کی تھی۔

۲۱۴۔ ہارون الرشید بن المہدی محمد بن المنصورؒ، عباسی خلیفہ۔ آپ کا سالِ انتقال ۱۹۳ھ ہے۔

۲۱۵۔ یحییٰ بن عثمان بن صالح مصریؒ، ابو زکریا، حافظِ حدیث، شہروں کی تاریخ اور علماء کی وفیات کے عالم تھے۔ آپ نے ان اخبار کو روایت کیا جو کسی اور کے پاس نہ تھیں۔ آپ ۲۸۲ھ میں فوت ہوئے۔

۲۱۶۔ یحییٰ بن سعید بن قیسؒ، تلمیذ فقہائے سبعہ، عالمِ مدینہ، قاضی، حافظ اور ثقہ۔ ۱۴۳ھ میں فوت ہوئے۔

۲۱۷۔ یزید بن ابی حبیب سُویدؒ، تابعی، مفتیٔ مصر، ثقہ اور کثیر الحدیث۔ آپ کا سالِ وفات ۱۲۸ھ ہے۔

مصادر و مراجع

۱۔ قرآن مجید

تفسیر

۲۔ آلوسی، ابوالفضل شہاب الدین السید محمود (م ۱۲۷۰ھ)، **روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم والسبع المثانی**، دار احیاء التراث العربی، بیروت لبنان، سال اشاعت ندارد

۳۔ ابن تیمیہ، ابوالعباس تقی الدین احمد بن عبدالحلیم (م ۷۲۸ھ)، **التفسیر الکبیر**، دار الباز للنشر و التوزیع، مکۃ المکرمۃ + دار الکتب العلمیۃ، بیروت لبنان ۱۴۰۸ھ/۱۹۸۸ء

۴۔ ابن جریر، ابوجعفر محمد بن جریر طبری (م ۳۱۰ھ)، **جامع البیان فی تفسیر القرآن**، المطبعۃ الکبریٰ الأمیریۃ ببولاق مصر المحمیۃ + دار المعرفۃ، بیروت لبنان ۱۳۲۳ھ

۵۔ ابن جوزی، ابوالفرج جمال الدین عبدالرحمان بن علی بن محمد (م ۵۹۷ھ)، **زاد المَسیر فی علم التفسیر**، المکتب الاسلامی، بیروت + دمشق ۱۴۰۴ھ/۱۹۸۴ء

۶۔ ابن عربی، ابوبکر محمد بن علی بن محمد بن احمد الطائی الحاتمی (م ۶۳۸ھ)، **تفسیر القرآن العظیم**، انتشارات ناصر خسرو، تہران ایران، سال اشاعت ندارد

۷۔ ابن عطیہ، ابومحمد عبدالحق بن غالب بن عطیہ اندلسی (م ۵۴۶ھ)، **المحرّر الوجیز فی تفسیر الکتاب العزیز**، تحقیق المجلس العلمی بفاس، بمکناس، بتارودانت ۱۴۱۳ھ/۱۹۹۲ء

۸۔ ابن کثیر، عماد الدین ابوالفداء اسماعیل بن کثیر قرشی دمشقی (م ۷۷۴ھ)، **تفسیر القرآن العظیم**، ۱۴۰۰ھ/۱۹۸۰ء

۹۔ ابوحیان، محمد بن یوسف اندلسی (م ۷۵۴ھ)، **تفسیر البحر المحیط**، دار الفکر، بیروت لبنان ۱۴۰۳ھ/۱۹۸۳ء

۱۰۔ ابومسعود، قاضی القضاۃ محمد بن محمد العمادی (م ۹۵۱ھ)، **تفسیر أبی مسعود المسمّٰی ارشاد العقل السلیم الی مزایا القرآن الکریم**، دار احیاء التراث العربی، بیروت لبنان

۱۱۔ بغوی، ابومحمد الحسین بن مسعود الفرّاء (م ۵۱۶ھ)، **تفسیر البغوی المسمّٰی معالم التنزیل**، ادارہ تالیفات اشرفیہ، بیرون بوہڑ گیٹ ملتان، سال اشاعت ندارد

۱۲۔ جصاص، ابوبکر احمد بن علی رازی حنفی (م ۳۷۰ھ)، **احکام القرآن**، سہیل اکیڈمی، لاہور پاکستان ۱۴۰۰ھ/۱۹۸۰ء

۱۳۔ رازی، فخر الدین ابوعبداللہ محمد بن عمر (م ۶۰۶ھ)، **تفسیر الفخر الرازی** المشتہر بالتفسیر الکبیر و مفاتیح الغیب، دار الفکر، بیروت لبنان ۱۴۱۰ھ/۱۹۹۰ء

۱۴۔ زمخشری، ابوالقاسم جاراللہ محمود بن عمر خوارزمی (م ۵۳۸ھ)، **الکشاف عن حقائق التنزیل و عیون الأقاویل فی وجوہ التأویل**، دار المعرفۃ، بیروت لبنان، سال اشاعت ندارد

۱۵۔ طبری، ابوجعفر محمد بن جریر (م ۳۱۰ھ)، **تفسیر الطبری جامع البیان عن تأویل آی القرآن**، دار المعارف بمصر

۱۶۔ طبری، **جامع البیان فی تفسیر القرآن**، دار المعرفۃ بیروت لبنان

۱۷۔ عبدالرزاق، ابوبکر بن الہمام صنعانی (م ۲۱۱ھ)، **تفسیر القرآن العزیز المسمیٰ تفسیر عبدالرزاق**، دار

المعرفة، بیروت لبنان، ۱۴۱۱ھ/ ۱۹۹۱ء

۱۸۔ فرّاء، ابوزکریا یحیٰی بن زیاد (م۲۰۷ھ)، **معانی القرآن**، انتشارات ناصر خسرو، ایران

۱۹۔ قاسمی، محمد جمال الدین (م۱۳۳۲ھ)، **تفسیر القاسمی المسمّٰی محاسن التاویل**، دار الفکر، بیروت ۱۳۹۸ھ/ ۱۹۷۸ء

۲۰۔ قرطبی، ابوعبداللہ محمد بن احمد الانصاری (م۶۷۱ھ)، **الجامع لأحكام القرآن**، داراحیاء التراث العربی، بیروت+ انتشارات ناصر خسرو، طهران، ایران، سال اشاعت ندارد

۲۱۔ ماوردی، ابوالحسن علی بن محمد بن حبیب بصری (م۴۵۰ھ)، **النكت و العيون تفسير الماوردی**، دار الكتب العلمية، بیروت لبنان، سال اشاعت ندارد

۲۱۔ مجاہد، ابوالحجاج مجاہد بن جبر تابعی (م۱۰۴ھ)، **تفسیر مجاهد**، المنشورات العلمیة، بیروت، سال اشاعت ندارد

۲۲۔ مراغی، احمد مصطفیٰ، **تفسير المراغی**، شركة مكتبة و مطبعة مصطفى البابی الحلبی و اولاده مصر ۱۳۸۹ھ/ ۱۹۷۰م

۲۳۔ نسائی، امام عبدالرحمان احمد بن شعیب بن علی (م۳۰۳ھ)، **تفسير النسائی**، مكتبة السنة+ الدار السلفية لنشر العلم، قاهرة ۱۴۱۰ھ/ ۱۹۹۰ء

۲۴۔ نسفی، ابوالبرکات عبداللہ بن احمد بن محمود (م۷۱۰ھ)، **تفسير القرآن الجليل المسمّٰی بمدارك التنزيل و حقائق التاويل**، المكتبة العلمية، لاهور ۱۳۹۷ھ/ ۱۹۷۶ء

علومِ قرآن

۲۵۔ دہلوی، شاہ ولی اللہ، احمد بن ابراہیم (م۱۱۷۶ھ)، **الفوز الكبير فی اصول التفسير**، قدیمی کتب خانہ، آرام باغ کراچی، سال اشاعت ندارد

۲۶۔ زرقانی، محمد عبدالعظیم، **مناهل العرفان فی علوم القرآن**، دار احياء التراث العربی+دار احياء الكتب العربية، عيسىٰ البابی الحلبی و شركاؤه، سال اشاعت ندارد

۲۷۔ زرکشی، بدرالدین محمد بن عبداللہ (م۷۹۴ھ)، **البرهان فی علوم القرآن**، دار المعرفة، بیروت

۲۸۔ سیوطی، جلال الدین عبدالرحمان بن ابی بکر (م۹۱۱ھ)، **الإتقان فی علوم القرآن**، دار الكتب العربی، بیروت لبنان، طبع اوّل ۱۴۱۹ھ/ ۱۹۹۹ء

۲۹۔ سیوطی، **لباب النقول فی اسباب النزول**، مکتبہ اسلامیہ، میزان مارکیٹ، کوئٹہ، پاکستان

۳۰۔ سیوطی، **التحبير فی علم التفسير**، دار نشر الكتب الإسلامية، ۲ شارع شیش محل لاہور

۳۱۔ شوکانی، محمد بن علی بن محمد (م۱۲۵۰ھ)، **فتح القدير بين فنّي الرواية و الدراية من علم التفسير**، دار المعرفة، بیروت لبنان، سال اشاعت ندارد

۳۲۔ مناع القطان، **المباحث فی علوم القرآن**، مكتبة وهبة القاهرة الطبعة السابعة [الشاملة]

۳۳۔ واحدی، ابوالحسن علی بن احمد نیشاپوری (م۴۶۸ھ)، **اسباب النزول**، دار الكتب العلمية، بیروت لبنان+مكتبة انتشارات الرضی ۱۳۶۲ء

حدیث

۳۴۔ ابن ابی شیبہ، ابوبکر عبداللہ بن محمد کوفی (م۲۳۵ھ)، **كتاب المصنّف فی الأحاديث و الآثار**، دار الفكر، بیروت لبنان ۱۴۱۴ھ/ ۱۹۹۴ء

۳۵۔ ابن الأثیر، ابوالسعادات مبارک بن محمد بن عبدالکریم جزری شافعی (م۶۰۶ھ)، **جامع الأصول من احادیث الرسول صلی اللہ علیہ وسلم**، دار احیاء التراث العربی، بیروت لبنان ۱۴۰۰ھ/۱۹۸۰ء

۳۶۔ ابن حجر عسقلانی، شہاب الدین احمد بن علی بن محمد بن محمد (م۸۵۲ھ)، **فتح الباری شرح صحیح البخاری**، المدینۃ الکبریٰ ببولاق مصر المحمیۃ ۱۳۰۰ھ+دارالمعرفۃ، بیروت لبنان

فتح الباری بشرح صحیح الإمام ابی عبداللہ محمد بن اسماعیل البخاری ، ادارات البحوث العلمیۃ والإفتاء والدعوۃ والإرشاد بالمملکۃ العربیۃ السعودیۃ

۳۷۔ ابن عبدالبر ، ابوعمر یوسف بن عبداللہ بن محمد نمری قرطبی مالکی (م۴۶۳ھ)، **الإستذکار، الجامع لمذاهب فقهاء الأمصار وعلماء الأقطار فیما تضمنه الموطأ من معانی الرأی والآثار وشرح ذلك کله بالإیجاز والإختصار**، دارالکتب العلمیۃ، بیروت لبنان ۱۴۲۱ھ/۲۰۰۰ء

۳۸۔ ابن العربی، ابوبکر محمد بن عبداللہ بن محمد بن احمد مالکی (م۵۴۳ھ)، **کتاب القَبَس فی شرح موطا مالك بن انس**، دارالغرب الإسلامی، بیروت لبنان ۱۹۹۲ء

۳۹۔ ابن ماجہ، ابوعبداللہ محمد بن یزید القزوینی (م۲۷۳ھ)، **سنن إبن ماجه**، دار المعرفۃ،بیروت لبنان ۱۴۱۶ھ/۱۹۹۶ء

۴۰۔ ابن ماجہ،سنن إبن ماجه، الحدیث اکادمی اردو بازار لاہور

۴۱۔ ابوحنیفہ، نعمان بن ثابت (م۱۵۰ھ)، **مسند ابی حنیفة**، مکتبۃ الکوثر، ریاض ۱۴۱۵ھ/۱۹۹۴ء

۴۲۔ ابوداؤد، سلیمان بن الاشعث سجستانی ازدی (م۲۷۵ھ)، **سنن أبی داؤد**، دار الکتب العلمیۃ، بیروت۱۴۱۶ھ

۴۳۔ ابوداؤد، سلیمان بن الاشعث سجستانی ازدی (م۲۷۵ھ)، **سنن أبی داؤد**، دارالحدیث، بیروت لبنان ۱۳۹۱ھ/۱۹۷۱ء

۴۴۔ ابوداؤد، سلیمان بن الاشعث سجستانی ازدی (م۲۷۵ھ)، **سنن أبی داؤد**، دارالاشاعت کراچی

۴۵۔ ابوعونہ، یعقوب بن اسحاق اسفرائنی (م۳۱۶ھ)، **مسند أبی عونة**، دا رالباز للنشر و التوزیع مکۃ المکرمۃ، ناشر دار المعرفۃ ، بیروت لبنان، سال اشاعت ندارد

۴۶۔ ابویعلی، احمد بن علی بن المثنی موصلی (م۳۰۷ھ)، **مسند أبی یعلی الموصلی**، دارالاقبلۃ للثقافۃ الإسلامیۃ ،جدۃ+ مؤسسۃ علوم القرآن بیروت ۱۴۰۸ھ/۱۹۸۸ء

۴۷۔ احمد بن حنبل (م۲۴۳ھ)، **مسند احمد بن حنبل**، المکتب الإسلامی، بیروت ۱۳۹۸ھ/۱۹۷۸ء

۴۸۔ البانی، محمد ناصرالدین (م۱۹۹۹ء)، **سلسلة الأحادیث الضعیفة والموضوعة وأثرها السیی فی الأمة**، المکتبہ الأثریہ، جامع مسجد باغوالی سانگلہ ہل، ضلع شیخوپورہ، پاکستان

۴۹۔ بخاری، ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل (م۲۵۶ھ)، **صحیح البخاری**، دار إبن کثیر، دمشق، بیروت ۱۴۱۰ھ/۱۹۹۰ء

۵۰۔ بخاری، **صحیح البخاری**، قدیمی کتب خانہ مقابل آرام باغ کراچی ۱۹۶۱ء

۵۱۔ بخاری، **صحیح البخاری**، مکتبہ تعمیر انسانیت، اردو بازار لاہور ۱۹۸۰ء

۵۲۔ بزّار، ابوبکر احمد بن عمرو بن عبدالخالق العتکی (م۲۹۲ھ)، **البحر الزّخّار المعروف بمسند البزّار**، مؤسسۃ علوم القرآن +مکتبۃ العلوم و الحِکم ،المدینۃ المنوّرۃ ۱۴۰۹ھ/۱۹۸۸ء

۵۳۔ بغوی، الحسین بن مسعود (م۵۱۶ھ)، **شرح السنّة**، المکتب الإسلامی، بیروت ۱۹۸۳ء

۵۴۔ بیہقی، ابوبکر احمد بن الحسین بن علی شافعی (م۴۵۸ھ)، **السنن الکبریٰ**، دار الفکر، بیروت

۵۵۔ بیہقی، **شعب الإیمان**، دارالکتب العلمیۃ، بیروت لبنان ۱۴۱۰ھ/۱۹۹۰ء

۵۶۔ بیہقی، **معرفة السنن و الآثار**، جامعۃ الدراسات الإسلامیۃ، کراچی پاکستان ۱۴۱۲ھ/۱۹۹۱ء

۵۷۔ ترمذی، ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ (م۲۷۹ھ)، **صحیح الترمذی** بشرح عارضۃ الأحوذی للإمام إبن العربی المالکی (م۵۴۳ھ)، دار احیاء التراث الإسلامی، بیروت لبنان ۱۴۱۵ھ/۱۹۹۵ء

۵۸۔ حاکم نیشاپوری، ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ (م۴۰۵ھ)، **المستدرك على الصحيحين فى الحديث**، دار الكتاب العربی، بیروت لبنان، سال اشاعت ندارد

۵۹۔ خطابی، ابوسلیمان حمد بن محمد (م۳۸۸ھ)، **أعلام الحديث فى شرح صحيح البخارى**، جامعة ام القرى، المملكة العربية السعودية، مكة المكرمة ۱۴۰۹ھ/۱۹۸۸ء

۶۰۔ خوارزمی، ابوالمؤید محمد بن محمود (م۶۶۵ھ)، **جامع المسانيد مجموعة الأحاديث و الآثار تضم ۱۵ مسانيد للإمام أبي حنيفة** (م ۱۵۰ھ)، المكتبة الإسلامية، سمندری، لائل پور

۶۱۔ دارقطنی، علی بن عمر (م۳۸۵ھ)، **سنن الدارقطني**، السيد عبدالله هاشم يمانى المدنى بالمدينة المنورة، الحجاز ۱۳۸۶ھ/۱۹۶۶ء

۶۲۔ دارمی، ابومحمد عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن الفضل بن بہرام (م۲۵۵)، **سنن الدارمي**، دار الكتب العلمية، بیروت لبنان

۶۳۔ زُرقانی، ابوعبداللہ محمد بن عبدالباقی بن یوسف (م۱۱۲۲ھ)، **شرح الزرقانی علی موطا الإمام مالك**، دار الفكر

۶۴۔ زیلعی، جمال الدین ابومحمد عبداللہ بن یوسف حنفی (م۷۶۲ھ)، **نصب الراية لأحاديث الهداية**، دار نشر الكتب الإسلامية، ۲ شیش محل روڈ لاہور، سال اشاعت ندارد

۶۵۔ سبکی محمود محمد خطاب، **المنهل العذب المورود شرح سنن الإمام أبي داؤد**، مؤسسة التاريخ العربى، بيروت

۶۶۔ سرخسی، محمد بن احمد (م۴۵۰ھ)، **شرح السِّيَر الكبير** لمحمد بن الحسن الشيبانى (م۱۸۹ھ)، المكتب للحركة الثورة الإسلامية للمجاهدين افغانستان، سال اشاعت ندارد

۶۷۔ سعید بن منصور بن شعبہ (م۲۲۷ھ)، **سنن سعيد بن منصور**، دار الكتب العلمية، بيروت لبنان ۱۴۰۵ھ/۱۹۸۵ء

۶۸۔ سلیمان بن خلف، ابوالولید (م۴۹۴ھ)، **المنتقى شرح موطا للإمام مالك**، دار الفكر العربى، سال اشاعت ندارد

۶۹۔ سیوطی، جلال الدین عبدالرحمٰن بن ابی بکر بن محمد شافعی (م۹۱۱ھ)، **إسعاف المُبَطّأ برجال الموطا**، منشورات دار الافاق الجديدة، بيروت ۱۴۰۳ھ/۱۹۸۳ء

۷۰۔ شاشی، ابوسعید الہیثم بن کلیب (م۳۳۵ھ)، **المسند**، مكتبة العلوم و الحِكم، المدينة المنورة ۱۴۱۴ھ/۱۹۹۳ء

۷۱۔ طبرانی، ابوالقاسم سلیمان بن احمد بن ایوب (م۳۶۰ھ)، **المعجم الأوسط**، مكتبة المعارف للنشر و التوزيع، رياض، ۱۴۱۵ھ/۱۹۹۵ء

۷۲۔ طبرانی، **المعجم الكبير**، وزارة الأوقاف و الشؤن الدينية، الجمهوريه العراقيه، احياء التراث الإسلامى + مطبعة الزهراء الحديثية المحدودة، موصل عراق ۱۴۰۹ھ/۱۹۸۹ء

۷۳۔ طحاوی، ابوجعفر احمد بن محمد بن سلامہ (م۳۲۱ھ)، **شرح معاني الآثار**، دار الكتب العلمية ۱۴۰۷ھ/۱۹۸۷ء

۷۴۔ طیبی، شرف الدین حسین بن محمد (م۷۴۳ھ)، **شرح الطيبى على مشكوة المصابيح المسمّٰى الكاشف عن حقائق السنن**، ادارة القرآن و العلوم الإسلامية، کراچی

۷۵۔ عبدالرزاق، ابوبکر بن ہمام صنعانی (م۲۱۱ھ)، **المصنّف**، تحقيق حبيب الرحمان الأعظمى المجلس العلمى ۱۳۹۰ھ/۱۹۷۰ء

۷۶۔ عثمانی، شبیر احمد (م۱۳۶۹ھ)، **فتح الملهم شرح صحيح مسلم**، المكتبة الرشيدية، کراچی

۷۷۔ عظیم آبادی، ابوالطیب محمد شمس الحق، **عون المعبود شرح سنن أبى داؤد**، دار الفكر، بيروت ۱۳۹۹ھ/۱۹۷۹ء

۷۸۔ علی حسن عبدالحمید، **النكت نزهة النظر فى توضيح نخبة الفكر**، دار ابن الجوزى، الدمام ۱۴۲۷ھ

۷۹۔ عینی، بدرالدین محمود بن احمد بن موسیٰ المعروف بالبدر العینی (م۸۵۵ھ)، **عمدة القارى شرح الصحيح البخارى**، دار الفكر ۱۳۹۹ھ/۱۹۷۹ء

۸۰۔ قرطبی، ابوالعباس احمد بن عمر بن ابراہیم (م۶۵۶ھ)، **المُفهم لماأشكل من تلخيص كتاب مسلم**، دار ابن كثير،

دمشق ،بیروت +دار الکلم الطیّب دمشق ،بیروت ۱۴۱۷ھ/۱۹۹۶ء

۸۱۔ قسطلانی ،ابوالعباس شہاب الدین احمد بن محمد (م۹۲۳ھ) ،**ارشاد الساری** لشرح صحیح البخاری، دار الفکر+ المطبعة الكبرى الأميرية ببولاق مصر المحمية ۱۳۰۵ھ

۸۲۔ قلیوبی ،عبد ربّه بن سلیمان بن محمد ،**جامع المعقول و المنقول شرح جامع الأصول** لابی السعادات إبن الأثير (م۶۰۶ھ)، مطبعة المقاهد، مصر ۱۳۴۸ھ

۸۳۔ مالک بن انس (م۱۷۹ھ) ،**الموطا**، دار الحديث ،شارع جوهر القائد امام جامعة الأزهر ۱۴۱۳ھ/۱۹۹۳ء

۸۴۔ مالک ،**الموطا**، اسلامی اکادمی ،اردو بازار لاہور

۸۵۔ ملا علی قاری ،نورالدین علی بن سلطان حنفی (م۱۰۱۴ھ)، **الأسرار المرفوعة في الأخبار الموضوعة المعروف بالموضوعات الكبرى**، دار الأمانة/مؤسسة الرسالة ۱۳۹۱ھ/۱۹۷۱ء

۸۶۔ مسلم بن الحجاج ،ابوالحسین قشیری (م۲۶۱ھ)، **صحيح مسلم بشرح النووی**، دارالفکر، بیروت لبنان ۱۳۹۲ھ/۱۹۷۲ء

۸۷۔ مسلم ،**صحیح مسلم**، دار احياء الكتب العربية، عيسىٰ البابی الحلبی و شركاه+ دار الكتب العلمية، بيروت لبنان ،سال اشاعت ندارد

۸۸۔ مسلم ،**صحیح مسلم**، نعمانی کتب خانہ ،اردو بازار لاہور ۱۹۸۱ء

۸۹۔ منذری ،زکی الدین عبدالعظیم بن عبدالقوی (م۶۵۶ھ)، **الترغيب و الترهيب من الحديث الشريف** ، دار احياء التراث العربی ،بیروت لبنان ۱۳۸۸ھ/۱۹۶۹ء

۹۰۔ نسائی ،ابوعبدالرحمٰن احمد بن شعیب بن علی (م۳۰۳ھ)، **سنن النسائی** بشرح جلال الدین السيوطی ، دار المعرفة بیروت لبنان ۱۴۱۴ھ/۱۹۹۴ء

۹۱۔ ہندی ،علاء الدین علی المتقی بن حسام الدین برہان فوری (م۹۷۵ھ) .**كنز العمال في سنن الأقوال والأفعال**، مؤسسة الرسالہ، بیروت ۱۴۱۳ھ/۱۹۹۳ء

۹۲۔ ہیثمی ،نورالدین علی بن ابی بکر بن سلیمان (م۸۰۷ھ)، **مجمع الزوائد و منبع الفوائد**، مؤسسة المعارف ،بیروت ۱۴۰۶ھ/۱۹۸۶ء

علوم حدیث

۹۳۔ ابن حجر ،شہاب الدین احمد بن علی عسقلانی (م۸۵۲ھ)، **نزهة النظر شرح نُخبة الفكر فی مصطلح أهل الأثر** ،المكتبة العلمية ، مدينة منوّرة ،سال اشاعت ندارد

۹۴۔ ابن دقیق العید ،تقی الدین محمد بن علی منفلوطی شافعی (م۷۰۲ھ)، **الإقتراح في بيان الإصطلاح و ما اضيف إلى ذلك من الأحاديث المعدودة من الصحاح** ، مطبعة الأرشاد، بغداد ۱۴۰۲ھ/۱۹۸۲ء

۹۵۔ ابن الصلاح ،ابوعمرو عثمان بن عبدالرحمٰن شہرزوری شافعی (م۶۴۳ھ)، **علوم الحديث المشهور به مقدمة إبن الصلاح**، المكتبة العلمية ،مدينة منوّرة ۱۹۷۲ء

۹۶۔ ابن قتیبہ ،ابومحمد عبداللہ بن مسلم دینوری (م۲۷۶ھ)، **كتاب تأويل مختلف الحديث**، دار الكتاب العربی، بیروت ،سال اشاعت ندارد

۹۷۔ ابن کثیر ،ابوالفداء عمادالدین اسماعیل (م۷۷۴ھ)، **اختصار علوم الحديث**، مع شرحه الباعث الحثيث، جمعية احياء التراث الإسلامی، کویت ۱۴۱۴ھ/۱۹۹۴ء

۹۸۔ ابوشہبہ ،محمد بن محمد ،الدکتور ،**الوسيط في علوم و مصطلح الحديث**، دار المعرفة للنشر و التوزيع ،جدة

۱۴۰۳ھ/۱۹۸۳ء

۹۹۔ اسعدی، محمد عبید اللہ، مولانا، **علوم الحدیث**، مجلس نشریات اسلام، ناظم آباد کراچی

۱۰۰۔ اعظمی، محمد مصطفیٰ، الدکتور، **منہج النقد عند المحدثین نشأته و تاریخه**، مکتبة الکوثر، المملکة السعودیة العربیة ۱۴۱۰ھ/۱۹۹۰ء

۱۰۱۔ جرجانی، ابوالحسن علی بن السید محمد بن علی (م۸۱۶ھ)، **المختصر فی أصول الحدیث**، دار الدعوة للطبع و النشر و التوزیع، ۲۔ شارع منشا، محرم بك الأسکندریا، سال اشاعت ندارد

۱۰۲۔ حاکم، ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ نیشاپوری (م۴۰۵ھ)، **معرفة علوم الحدیث**، منشورات دار الأفاق الجدیدة، بیروت ۱۴۰۰ھ/۱۹۸۰ء

۱۰۳۔ خاطر السمین، عبداللہ بن حسین، **حاشیة لقط الدرر بشرح متن نخبة الفکر** و بالهامش شرح نخبة الفکر فی مصطلح أهل الأثر لإبن حجر عسقلانی، مطبعة شرکة مصطفیٰ البابی الحلبی و أولاده، مصر ۱۳۵۶ھ/۱۹۳۸ء

۱۰۴۔ خالد علوی، ڈاکٹر، **اصولِ حدیث، مصطلحات وعلوم**، الفیصل ناشران وتاجران کتب، اردو بازار لاہور

۱۰۵۔ خطیب بغدادی، ابوبکر احمد بن علی شافعی (م۴۶۳ھ)، **الکفایة فی علم الروایة**، دار الکتب العلمیة، بیروت لبنان

۱۰۶۔ رازی، ابومحمد عبدالرحمٰن بن ابی حاتم محمد بن ادریس المنذر (م۳۲۷ھ)، **کتاب الجرح و التعدیل**، دار الکتب العلمیة، بیروت لبنان ۱۳۷۱ھ/۱۹۵۲ء

۱۰۷۔ سباعی، مصطفیٰ الدکتور، **السنّة و مکانتها فی التشریع الإسلامی**، مکتبة دار العروبة، قاهرة ۱۳۸۰ھ/۱۹۶۱ء

۱۰۸۔ سخاوی، ابوعبداللہ محمد بن عبدالرحمٰن شافعی (م۹۰۲ھ)، **فتح المغیث بشرح الفیّة الحدیث** للعراقی (م۸۰۶ھ)، دار الإمام الطبری ۱۴۱۲ھ/۱۹۹۲ء

۱۰۹۔ سیوطی، جلال الدین عبدالرحمٰن أبی بکر شافعی (م۹۱۱ھ)، **تدریب الراوی فی شرح تقریب النواوی** (م۶۷۶ھ)، دار نشر الکتب الإسلامیة، شیش محل روڈ لاہور، سال اشاعت ندارد

۱۱۰۔ شاکر، احمد محمد، **الباعث الحثیث شرح إختصار علوم الحدیث** للحافظ إبن کثیر (م۷۷۴ھ)، جمعیة احیاء التراث الإسلامی کویت ۱۴۱۴ھ/۱۹۹۴ء، ۱۴۱۹ھ/۱۹۹۹ء

۱۱۱۔ صُبحی صالح، الدکتور، **علوم الحدیث و مصطلحه**، منشورات الرضی قم+منشورات دار الکتاب الإسلامی ۱۳۶۳ھ

۱۱۲۔ صلاح الدین بن احمد الأدلبی، **منهج نقد المتن عند علماء الحدیث النبوی**، منشورات دار الآفاق الجدیدة، بیروت ۱۴۰۳ھ/۱۹۸۳ء

۱۱۳۔ صنعانی، محمد بن ابراہیم الوزیر الحسنی الیمنی (م۸۴۰ھ)، **تنقیح الأنظار** مع شرحه توضیح الأفکار، دار احیاء التراث العربی ۱۳۶۶ھ

۱۱۴۔ صنعانی، محمد بن اسماعیل الأمیر الحسنی (م۱۱۸۲ھ)، **توضیح الأفکار لمعانی تنقیح الأنظار**، دار احیاء التراث العربی ۱۳۶۶ھ

۱۱۵۔ طاہر بن صالح بن احمد جزائری دمشقی، **توجیه النظر إلی اصول الأثر**، دار المعرفة، بیروت لبنان، سال اشاعت ندارد

۱۱۶۔ طیبی، الحسین بن عبداللہ (م۷۴۳ھ)، **الخلاصة فی أصول الحدیث**، احیاء التراث الإسلامی+رئاسة دیوان الأوقاف، جمهوریة عراق ۱۳۹۱ھ/۱۹۷۱ء

۱۱۷۔ عراقی، زین الدین عبدالرحیم بن الحسین شافعی (م۸۰۲ھ)، **التقیید و الإیضاح شرح مقدمة ابن الصلاح** (م۶۴۳ھ)، المکتبة السلفیة، مدینة منوّرة ۱۳۸۹ھ/۱۹۶۹ء

۱۱۸۔ عیاض بن موسیٰ، ابوالفضل قاضی (م۵۴۴ھ)، **الإلماع إلی معرفة أصول الروایة و تقیید السماع**، دار التراث، قاهرة+المکتبة العتیقیة، تونس ۱۳۸۹ھ/۱۹۷۰ء

۱۱۹۔ فصیح الهروی، ابوالفیض محمد بن محمد بن علی فارسی حنفی (م۸۳۷ھ)، **جواهر الأصول فی علم حدیث الرسول صلی الله علیه وسلم**، المکتبة العلمیة، مدینة منوّرة، سال اشاعت ندارد

۱۲۰۔ لکھنوی، ابوالحسنات محمد عبدالحی ہندی (م۱۳۰۴ھ)، **تحفة الأخیار باحیاء سنّة سیّد الأبرار**، مکتب المطبوعات الإسلامیة، حلب+دار القلم، دمشق ۱۴۱۲ھ/۱۹۹۲ء

۱۲۱۔ نصر پوری، محمد اکرم قاضی سندی (ااویں صدی ہجری)، **إمعان النظر شرح شرح نخبة الفکر**، اکادیمیہ شاہ ولی اللہ، حیدرآباد، سندھ پاکستان، سال اشاعت ندارد

۱۲۲۔ نووی، امام محی الدین یحیٰ بن شرف (م۶۷۶ھ)، **التقریب للنووی من أصول الحدیث**، مکتبہ خاور، مسلم مسجد، لاہور ۱۳۹۹ھ/۱۹۷۸ء

۱۲۳۔ نووی، **کتاب ارشاد طلاب الحقائق إلی معرفة سنن خیر الخلائق**، مکتبة الإیمان، مدینة منوّرة ۱۴۰۸ھ/۱۹۸۷ء

۱۲۴۔ ہروی، علی بن سلطان محمد، **شرح نخبة الفکر فی مصطلحات اهل الأثر فی اصول الحدیث** لابن حجر العسقلانی، ناشر عبدالکریم مکتبہ اسلامیہ، میزان مارکیٹ کوئٹہ

اصول فقه

۱۲۵۔ آمدی، سیف الدین ابوالحسن علی بن ابی علی بن محمد شافعی (م۶۳۱ھ)، **الإحکام فی اصول الأحکام**، دار الکتب العلمیة، بیروت لبنان ۱۴۰۵ھ/۱۹۸۵ء

۱۲۶۔ ابن امیر الحاج، محمد امین حلبی حنفی (م۸۷۹ھ)، **التقریر و التحبیر شرح علی تحریر الإمام الکمال بن الهمام** (م۸۶۱ھ)، دار الکتب العلمیة، بیروت لبنان ۱۴۰۳ھ/۱۹۸۳ء

۱۲۷۔ ابن برہان، احمد بن علی بغدادی شافعی (م ۵۲۰ھ)، **الوصول إلی الأصول**، مکتبة المعارف، ریاض ۱۴۰۳ھ/۱۹۸۳ء، جلد دوم ۱۴۰۴ھ/۱۹۸۴ء

۱۲۸۔ ابن حاجب، جمال الدین ابوعمرو عثمان بن عمرو بن ابی بکر مالکی (م۶۴۶ھ)، **منتهٰی الوصول و الأمل فی علمي الأصول و الجدل**، دار الکتب العلمیة، بیروت لبنان ۱۴۰۵ھ/۱۹۸۵ء

۱۲۹۔ ابن حبیب الحلبی، زین الدین ابوالعز طاہر بن حسن حنفی (م۸۰۸ھ)، **مختصر المنار**، المکتبة الهاشمیّة، دمشق

۱۳۰۔ ابن حزم، ابومحمد علی بن احمد بن سعید اندلسی ظاہری (م ۴۵۶ھ)، **الإحکام فی اصول الأحکام**، السنّة ادارة الترجمة و التالیف، فیصل آباد پاکستان ۱۴۰۴ھ

۱۳۱۔ ابن عباد العجلی، ابوعبداللہ محمد بن محمود اصفہانی شافعی (م۶۵۳ھ)، **الکاشف عن المحصول فی علم الأصول**، دار الکتب العلمیة، بیروت لبنان ۱۴۱۹ھ/۱۹۹۸ء

۱۳۲۔ ابن عبدالسلام، ابومحمد عز الدین عبدالعزیز شافعی (م۶۰۶ھ)، **قواعد الأحکام فی مصالح الأنام**، المکتبة الحسینیة المصریة بجوار الأزهر ۱۳۵۳ھ/۱۹۳۴ء

۱۳۳۔ ابن عقیل، ابوالوفا علی بن عقیل بن محمد بغدادی حنبلی (م۵۷۳ھ)، **الواضح فی أصول الفقه**، مؤسسة الرسالة، بیروت، طبع اول ۱۴۲۰ھ/۱۹۹۹ء

۱۳۴۔ ابن قاسم عبادی، احمد شافعی (م۹۹۴ھ)، **الآیات البیّنات علی شرح جمع الجوامع** للإمام جلال الدین محمد المحلّی (م ۸۸۱ھ)، دار الکتب العلمیة، بیروت لبنان ۱۴۱۷ھ/۱۹۹۶ء

۱۳۵۔ ابن قاسم عبادی، الشرح الكبير على الورقات فى أصول الفقه للإمام الحرمين الجويني (م ۴۷۸ھ)، مؤسسة قرطبة ۱۴۱۶ھ/۱۹۹۵ء

۱۳۶۔ ابن قدامہ، موفق الدین ابو محمد عبداللہ بن احمد دمشقی حنبلی (م۶۲۰ھ)، روضة الناظر و جُنّة المناظر فى اصول الفقه على مذهب الامام احمد بن حنبل، ومعها شرحها نزهة الخاطر العاطر لابن بدران، مطبعه سلفية مصر ۱۳۴۲ھ

۱۳۷۔ ابن اللحام، علاء الدین ابوالحسن علی بن محمد بن علی بن عباس دمشقی حنبلی (م۸۰۳ھ)، المختصر في أصول الفقه على مذهب الإمام احمد بن حنبل، كلية الشريعة و الدراسات الإسلامية، جامعة الملك عبدالعزيز مكة المكرمة المملكة العربية السعودية ۱۴۰۰ھ/۱۹۸۰ء

۱۳۸۔ ابن النجار، محمد بن احمد بن عبدالعزیز حنبلی (م۹۷۲ھ)، شرح الكوكب المنير المسمى بمختصر التحرير او المختبر المُبتكر شرح المختصر فى أصول الفقه لابن اللحام (م۸۰۳ھ)، كلية الشريعة و الدراسات الإسلامية، جامعة الملك عبد العزيز، مكة المكرمة ۱۴۰۰ھ/۱۹۸۰ء

۱۳۹۔ ابن الہمام، کمال الدین محمد بن عبدالواحد بن عبدالحمید اسکندری حنفی (م۸۶۱ھ)، التحرير فى علم اصول الفقه الجامع بين اصطلاحي الحنفية و الشافعية مع شرحه تيسير التحرير لأمير بادشاه، مطبع مصطفى البابي الحلبى و اولاده، مصر ۱۳۵۱ھ

۱۴۰۔ ابو زہرہ، محمد، أصول الفقه، دار الفکر العربی، سال اشاعت ندارد

۱۴۱۔ ابو شامہ، عبدالرحمن بن اسماعیل بن ابراہیم شافعی (م۶۶۵ھ)، مختصر المؤمّل في الرد الي الأمر الأول، مکتب الصحوة الإسلامية، کویت، سال اشاعت ندارد

۱۴۲۔ ابویعلی محمد بن الحسین الفراء بغدادی حنبلی (م۴۵۸ھ)، العدة فى أصول الفقه، ریاض، المملكة العربية السعودية، طبع اول ۱۴۱۰ھ/۱۹۹۰ء

۱۴۳۔ ارموی، سراج الدین محمود بن ابی بکر شافعی (م۶۸۲ھ)، التحصيل من المحصول، مؤسسة الرسالة، بیروت ۱۴۰۸ھ/۱۹۸۸ء

۱۴۴۔ ارموی، صفی الدین محمد بن عبدالرحیم ہندی شافعی (م۹۲۳ھ)، نهاية الوصول فى دراية الأصول، المكتبة التجارية مصطفى احمد الباز، مكة مکرمة، سال اشاعت ندارد

۱۴۵۔ اسنوی، جمال الدین ابو محمد عبدالرحیم بن الحسن شافعی (م۷۷۲ھ)، التمهيد في تخريج الفروع على الأصول، مؤسسة الرسالة، بیروت ۱۴۰۷ھ/۱۹۸۷ء

۱۴۶۔ اسنوی، نهاية السُول فى شرح منهاج الأصول للبيضاوى (م۶۸۵ھ) و معه حاشية سلّم الوصول للمطيعى عالم الكتب، سال اشاعت ندارد

۱۴۷۔ امیر بادشاہ، محمد امین (م۹۸۷ھ)، تيسير التحرير شرح على كتاب التحرير فى أصول الفقه لابن الهمام (م۸۶۱ھ)، مطبعه مصطفى البابى الحلبى و اولاده، مصر ۱۳۵۱ھ

۱۴۸۔ امیر عبدالعزیز، الدکتور، أصول الفقه الإسلامي، دار السلام، شارع الأزهر الغورية ۱۴۱۸ھ/۱۹۹۷ء

۱۴۹۔ باجی، ابوالولید سلیمان بن خلف بن سعد اندلسی قرطبی مالکی (م۴۷۴ھ)، الإشارة فى أصول الفقه، مكتبة نزار مصطفى الباز، مكة المكرمة، ریاض ۱۴۱۸ھ/۱۹۹۷ء

۱۵۰۔ باجی، إحكام الفصول فى أحكام الأصول، مؤسسة الرسالة بیروت ۱۴۰۹ھ/۱۹۸۹ء

۱۵۱۔ باحسنی محمد عبدالغنی، الوجيز الميسر فى اصول الفقه المالكى، الطبعة الأولى ۱۹۶۸م [الشاملة]

۱۵۲۔ بدران، بدران ابوالعینین الدکتور، أصول الفقه الإسلامي، مؤسسة شباب الجامعة، الأسكندرية مصر

۱۵۳۔ بدران، عبدالقادر بن احمد بن مصطفیٰ حنبلی، **نزھة الخاطر العاطر شرح روضة الناظر**، المطبعة السلفية، مصر ۱۳۴۲ھ

۱۵۴۔ بدخشانی، محمد انور، **تیسیر أصول الفقه**، بیت العلم، جہانگیر روڈ، کراچی ۱۴۱۶ھ

۱۵۵۔ بردیسی، محمد زکریا، **أصول الفقه**، دار الثقافة للنشر و التوزيع، شارع سيف الدين ۱۹۸۳ء

۱۵۶۔ برزنجی، عبداللطیف عبداللہ عزیز، **التعارض و الترجيح بين الأدلة الشرعية**، دار الكتب العلمية، بيروت لبنان ۱۴۱۳ھ/۱۹۹۳ء

۱۵۷۔ بصری، ابوالحسین محمد بن علی الطیب بصری معتزلی (م۴۳۶ھ)، **المعتمد فی أصول الفقه**، دار الكتب العلمية، بيروت لبنان ۱۴۰۳ھ

۱۵۸۔ بنانی، عبدالرحمٰن بن جاداللہ مالکی (م۱۱۹۸ھ)، **حاشية العلامة البناني** على شرح الجلال شمس الدين محمد بن احمد المحلي (م۸۶۴ھ) على متن جمع الجوامع لتاج الدين عبد الوهاب ابن السبكي **(م۷۷۱ھ)** دار الفكر ۱۹۸۲ء/۱۴۰۲ھ

۱۵۹۔ بوطی، محمد سعید رمضان، **ضوابط المصلحة فی الشريعة الإسلامية**، المكتبة الأموية دمشق ۱۳۸۶ھ/۱۹۶۶ء

۱۶۰۔ بیضاوی، ناصرالدین عبداللہ بن عمر شافعی (م۶۸۵ھ)، **منهاج الأصول** مع شرحه نهاية السول للاسنوي عالم الكتب، سال اشاعت ندارد

۱۶۱۔ تفتازانی، سعدالدین مسعود بن عمر بن عبداللہ حنفی (م۷۹۲ھ)، **التلويح** بهامش التوضيح لصدر الشريعة (م۷۴۷ھ)، نور محمد اصح المطابع و کارخانہ تجارت کتب، آرام باغ کراچی ۱۴۰۰ھ

۱۶۲۔ تقی امینی، محمد، اجتہاد، قدیمی کتب خانہ آرام باغ کراچی

۱۶۳۔ تقی امینی، محمد، احکام شرعیہ میں حالات و زمانہ کی رعایت، الفیصل، اردو بازار لاہور

۱۶۴۔ جصاص، ابوبکر احمد بن علی رازی حنفی (م۳۷۰ھ)، اصول الفقه المسمى **الفصول فی الأصول**، وزارة الأوقاف و الشئون الإسلامية، التراث الإسلامي، كويت، ۱۴۰۵ھ+۱۴۰۸ھ

۱۶۵۔ جصاص، **أصول الجصاص** المسمى الفصول في الأصول، دار الكتب العلمية، بيروت لبنان ۱۴۲۰ھ/۲۰۰۰ء

۱۶۶۔ جوینی، ابوالمعالی عبدالملک بن عبداللہ بن یوسف شافعی (م۴۷۸ھ)، **البرهان فی اصول الفقه**، طبع على نفقة صاحب السمو الشيخ خليفة بن احمد آل ثاني امير دولة قطر ۱۳۹۹ھ

۱۶۷۔ خضری بک، محمد، **أصول الفقه**، دار احياء التراث العربي، بيروت ۱۳۸۹ھ/۱۹۶۹ء

۱۶۸۔ خلاف، عبدالوہاب، **علم أصول الفقه**، دار القلم، كويت ۱۳۹۸ھ/۱۹۷۸ء

۱۶۹۔ الخن، مصطفیٰ سعید، ڈاکٹر، **قواعد اصولیہ میں فقہاء کا اختلاف اور فقہی مسائل پر اس کا اثر**، مترجم ڈاکٹر حافظ حبیب الرحمٰن، شریعہ اکیڈمی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد ۲۰۰۲ء

۱۷۰۔ دبوسی، ابوزید عبیداللہ بن عمرو بن عیسیٰ حنفی (م۴۳۰ھ)، **تقويم الأدلّة فی اصول الفقه**، دار الكتب العلمية، بيروت لبنان + مكتبة عباس احمد الباز مكة المكرمة ۱۴۲۱ھ/۲۰۰۱ء

۱۷۱۔ ڈھلوں، عرفان خالد، ڈاکٹر، (شریک مصنف و مرتب)، **علم اصول فقہ: ایک تعارف**، شریعہ اکیڈمی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد ۲۰۰۶ء

۱۷۲۔ رازی، فخرالدین ابوعبداللہ محمد بن عمر شافعی (م۶۰۶ھ)، **المحصول فی علم أصول الفقه**، مكتبة نزار مصطفى الباز، المملكة العربية السعودية ۱۴۱۷ھ/۱۹۹۷ء

۱۷۳۔ زرکشی، بدرالدین محمد بن بہادر بن عبداللہ شافعی (م۷۹۴ھ)، **البحر المحيط فی اصول الفقه**، دار الصفوة + وزارة الأوقاف و الشئون الإسلامية كويت ۱۴۱۳ھ/۱۹۹۲ء

۱۷۴۔ زرکشی،**البحر المحیط فی اصول الفقه**، دارالکتبی ۱۴۱۴ھ/۱۹۹۴ء

۱۷۵۔ زرکشی،**تشنیف المسامع بجمع الجوامع** لتاج الدین السبکی (م۷۷۱ھ)، دارالکتب العلمیة ،بیروت لبنان، ۱۴۲۰ھ/۲۰۰۰ء

۱۷۶۔ زنجانی،ابوالمناقب شہاب الدین محمود بن احمد شافعی (م۶۵۶ھ)،**تخریج الفروع علی الأصول** ،مؤسسة الرسالة، بیروت ۱۴۰۲ھ/۱۹۸۲ء

۱۷۷۔ زیدان،عبدالکریم،**الوجیز فی أصول الفقه**، دارنشر الکتب الإسلامیة،شارع شیش محل،لاہور

۱۷۸۔ زیدان،**الوجیز فی أصول الفقه**،اردوترجمہ جامع الأصول،مترجم ڈاکٹر احمد حسن،مکتبہ مجتبائی ہسپتال روڈ لاہور ۱۹۸۶ء

۱۷۹۔ سبکی،شیخ الإسلام علی بن عبدالکافی شافعی (م ۷۵۶ھ) وولدہ تاج الدین عبدالوہاب بن علی السبکی (م۷۷۱ھ)،**الإبهاج فی شرح المنهاج** علی منهاج الوصول علی علم الأصول للبیضاوی (م۶۸۵ھ)،دارالکتب العلمیة . بیروت لبنان ۱۴۰۴ھ/۱۹۸۴ء

۱۸۰۔ سرخسی ،ابوبکر محمد بن احمد بن ابی سہل حنفی (م۴۵۰ھ)،**المحرر فی أصول الفقه**، دارالکتب العلمیة، بیروت لبنان ۱۴۱۷ھ/۱۹۹۶ء

۱۸۱۔ سلقینی ،ابراہیم محمد،الدکتور،**المیسّر فی أصول الفقه الإسلامی**، دارالفکر المعاصر، بیروت ۱۴۱۱ھ/۱۹۹۱ء

۱۸۲۔ سمرقندی،علاءالدین ابوبکر محمد بن احمد بن ابی احمد حنفی (م۵۳۹ھ)،**میزان الأصول فی نتائج العقول** ، مکتبة دارالتراث، قاهرة ۱۴۱۸ھ/۱۹۹۷ء

۱۸۳۔ سمعانی،ابوالمظفر منظور بن محمد بن عبدالجبار شافعی (م۴۸۹ھ)، **قواطع الادلّة فی الأصول**، دارالکتب العلمیة، بیروت لبنان ۱۴۱۸ھ/۱۹۹۷ء

۱۸۴۔ شاطبی،ابواسحاق ابراہیم بن موسیٰ مالکی (م۷۹۰ھ)،**الموافقات فی اصول الشریعة**، المکتبة التجاریة الکبریٰ باول شارع محمد علی مصر ۱۳۹۵ھ/۱۹۷۵ء

۱۸۵۔ شافعی،محمد بن ادریس،امام (م۲۰۴ھ)،**الرسالة**، المکتبة العلمیة، بیروت لبنان

۱۸۶۔ شافعی،الرسالة، مترجم مولانا مفتی امجد العلی،ادارہ تحقیقات اسلامی،ناشر محمد سعید اینڈ سنز ناشران وتاجران کتب قرآن محل، مقابل مولوی مسافرخانہ کراچی ۱۹۶۸ء

۱۸۷۔ شوکانی،محمد بن علی بن محمد (م۱۲۵۰ھ)،**ارشاد الفحول إلی تحقیق علم الأصول** ، دارالفکر ، بیروت لبنان ۱۴۱۲ھ/۱۹۹۲ء

۱۸۸۔ شیرازی،ابواسحاق ابراہیم بن علی بن یوسف شافعی فیروز آبادی (م۴۷۶ھ)،**التبصرة فی أصول الفقه** ، دارالفکر، دمشق ، سوریا ۱۴۰۳ھ/۱۹۸۳ء

۱۸۹۔ شیرازی،**اللمع فی أصول الفقه**، دارالکتب العلمیة، بیروت لبنان ۱۴۰۵ھ/۱۹۸۵ء

۱۹۰۔ صدرالشریعہ،عبیداللہ بن مسعود حنفی (م۷۴۷ھ)،**التوضیح** مع حاشیته التلویح للتفتازانی (م۷۹۲ھ)، نورمحمد اصح المطابع وکارخانہ تجارت کتب،آرام باغ کراچی ۱۴۰۰ھ

۱۹۱۔ صدیق حسن خان بہادر،محمد (م۱۳۰۷ھ)،**حصول المامول من علم الأصول**، المکتبة التجاریة الکبریٰ بأول شارع محمد علی ،مصر،سال اشاعت ندارد

۱۹۲۔ طحاوی،ابوجعفر احمد بن محمد حنفی (م۳۲۱ھ)،**اختلاف الفقهاء** ،مطبوعات معهد الأبحاث الإسلامیة ،اسلام آباد پاکستان ۱۳۹۱ھ/۱۹۷۱ء

۱۹۳۔ طوفی،نجم الدین ابی الربیع سلیمان بن عبدالقوی بن عبدالکریم حنبلی (م۷۱۶ھ)،**شرح مختصر الروضة** ، مؤسسة الرسالة، بیروت ۱۴۰۷ھ/۱۹۸۷ء

۱۹۴۔ عبدالعزیز بخاری، علاء الدین بن احمد حنفی (م۷۳۰ھ)، **كشف الأسرار عن اصول فخر الإسلام البزدوى**، دار الكتب العلمية، بيروت لبنان ۱۴۱۸ھ/۱۹۹۷ء

۱۹۵۔ عبدالعزیز بخاری، **كشف الأسرار عن اصول فخر الإسلام البزدوى**، الصدف پبلشرز کراچی

۱۹۶۔ عبدالعلی محمد بن نظام الدین انصاری ہندی حنفی (م۱۲۲۵ھ)، **فواتح الرحموت** بهامش المستصفیٰ للغزالی، المطبعة الأميرية ۱۳۲۴ھ + منشورات الشريف الرضى قم ايران

۱۹۷۔ علائی، صلاح الدین خلیل بن کیکلدی شافعی (م۷۶۱ھ)، **إجمال الإصابة فى اقوال الصحابة**، جمعية حياء التراث الإسلامی+مركز المخطوطات و التراث، كويت ۱۴۰۷ھ/۱۹۸۷ء

۱۹۸۔ علی حسب اللہ، **أصول التشريع الإسلامى**، ادارة القرآن و العلوم الاسلامية، کراچی پاکستان ۱۴۰۷ھ/۱۹۸۷ء

۱۹۹۔ علی الخفیف، **اسباب اختلاف الفقهاء**، دار الفكر العربى، قاهرة ۱۹۹۶ء

۲۰۰۔ غزالی، ابوحامد محمد بن محمد بن محمد شافعی (م۵۰۵ھ)، **المستصفىٰ فى علم الأصول**، دار الكتب العلمية، بيروت لبنان ۱۴۱۳ھ/۱۹۹۳ء

۲۰۱۔ غزالی، **المستصفىٰ من علم الأصول و بذيله فواتح الرحموت** بشرح مسلّم الثبوت منشورت الشريف الرضى قم+ المطبعة الأميرية ببولاق مصر المحمية ۱۳۲۴ھ

۲۰۲۔ غزالی، **المنخول من تعليقات الأصول**، دار الفكر، دمشق ۱۴۰۰ھ/۱۹۸۰ء

۲۰۳۔ فتحی الدرینی، دکتور، **المناهج الأصولية فى الإجتهاد بالراى فى التشريع الإسلامى**، الشركة المتحدة للتوزيع، طبع دوم ۱۴۰۵ھ/۱۹۸۵ء

۲۰۴۔ قرافی، شہاب الدین ابوالعباس احمد بن ادریس بن عبدالرحمٰن مصری مالکی (م۶۸۴ھ)، **شرح تنقيح الفصول فى الأصول**، المطبعة الخيرية المنشأة بجمالية مصر المحمية ۱۳۰۶ھ

۲۰۵۔ قرافی، **نفائس الأصول فى شرح المحصول** للرازى (م۶۰۶ھ)، مكتبة نزار مصطفى الباز ۱۴۱۶ھ/۱۹۹۵ء

۲۰۶۔ کلوذانی، ابوالخطاب محفوظ بن احمد بن الحسن حنبلی (م۵۱۰ھ)، **التمهيد فى أصول الفقه**، مركز البحث العلمى و احياء التراث الإسلامى+ جامعه ام القرى السعودية ۱۴۰۶ھ/۱۹۸۵ء

۲۰۷۔ محب اللہ بن عبدالشکور حنفی (م۱۱۱۹ھ)، **مسلّم الثبوت فى أصول الفقه** بهامش المستصفىٰ للغزالى المطبعة الأميرية ببولاق مصر المحمية ۱۳۲۴ھ + منشورات الشريف الرضى قم

۲۰۸۔ محمد طیب، قاری (م۱۹۸۳ھ)، **اجتہاد اور تقلید**، ادارہ اسلامیات، انارکلی لاہور ۱۹۷۸

۲۰۹۔ مدکور، محمد سلاّم، **المدخل للفقه الإسلامى، تاريخه ومصادره ونظرياته العامة**، دار الكتاب الحديث، كويت

۲۱۰۔ مطیعی، محمد بخیت شافعی، **سلّم الوصول لشرح نهاية السول** للأسنوى (م۷۷۲ھ) فى شرح منهاج الأصول للبيضاوى (م۶۸۵ھ)، عالم الكتب، سال اشاعت ندارد

۲۱۱۔ ملاّ جیون، احمد بن ابی سعید بن عبیداللہ حنفی (م۱۱۳۰ھ)، **نور الأنوار**، المطبعة الكبرىٰ الأميرية ببولاق مصر المحمية ۱۳۱۶ھ+ الصدف پبلیشرز، ناظم آباد کراچی، سال اشاعت ندارد

۲۱۲۔ موصلی، رشید الخطیب، **أصول الفقه الإسلامى**، احياء التراث الإسلامى، عراق ۱۹۸۰ء

۲۱۳۔ نسفی، ابوالبرکات عبداللہ بن احمد حنفی (م۷۱۰ھ)، **كشف الأسرار شرح المصنّف على المنار فى الأصول**، المطبعة الكبرىٰ الأميرية ببولاق مصر ۱۳۱۶ھ+ الصدف پبلشرز کراچی

۲۱۴۔ نملہ، عبدالکریم بن علی بن محمد، دکتور، حنبلی، **اتحاف ذوى البصائر بشرح روضة الناظر فى أصول الفقه على مذهب الإمام احمد بن حنبل**، مكتبة الرشد، الرياض ۱۴۲۲ھ/۲۰۰۱ء

۲۱۵۔ وھبۃ الزحیلی، ڈاکٹر (م۲۰۱۵ء)،**اصول الفقہ الإسلامی**، دار الفکر، دمشق۱۴۰۶ھ/۱۹۸۶ء

فقہ

۲۱۶۔ ابن تیمیہ،تقی الدین احمد بن عبدالحلیم حنبلی (م۷۲۸ھ)،**مجموع فتاویٰ شیخ الإسلام احمد بن تیمیة** ، مطبع بأمر ولی العھد المعظم فھد بن عبدالعزیز آل سعود ۱۳۹۸ھ

۲۱۷۔ ابن حزم،ابومحمد علی بن احمد بن سعید اندلسی ظاہری (م۴۵۶ھ)،**المحلّی بالآثار** ، دار الکتب العلمیة، بیروت لبنان ۱۴۰۸ھ/۱۹۸۸ء

۲۱۸۔ ابن رشد،ابوالولید محمد بن احمد بن محمد بن رشد قرطبی اندلسی مالکی (م۵۹۵ھ)، **بدایة المجتھد و نھایة المقتصد** دار الکتب العلمیة، بیروت لبنان ۱۴۱۶ھ/۱۹۹۶ء

۲۱۹۔ ابن قدامہ،موفق الدین ابومحمد عبداللہ بن احمد بن محمد حنبلی (م۶۲۰ھ)،**المغنی شرح مختصر الخِرَقی** ، ھجر للطباعة و النشر و التوزیع و الاعلان، القاھرة ۱۴۱۲ھ/۱۹۹۲ء

۲۲۰۔ ابن مفلح،ابواسحاق برہان الدین ابراہیم بن محمد بن عبداللہ بن محمد بن مفلح حنبلی (م۸۸۴ھ)،**المُبْدِعُ فی شرح المُقْنِع**، المکتب الإسلامی ،دمشق، بیروت،سال اشاعت ندارد

۲۲۱۔ ابوعبید،القاسم بن سلام (م ۲۲۴ھ)، **کتاب الأموال** ، مکتبة الکلیات الأزھریة، الأزھر+ دار الفکر، قاھرة ۱۴۰۱ھ/۱۹۸۱ء

۲۲۲۔ ابویوسف،یعقوب بن ابراہیم حنفی (م۱۸۲ھ)، **کتاب الآثار** ، دار الکتب العلمیة ، بیروت+ المکتبة الأثریة، جامع مسجد اہلحدیث باغ والی،سانگلہ ہل پاکستان،سال اشاعت ندارد

۲۲۳۔ حمید بن زنجویہ (م۲۵۱ھ)،**کتاب الأموال** ، مرکز الملک فیصل للبحوث و الدراسات الإسلامیة ۱۴۰۶ھ/۱۹۸۶ء

۲۲۴۔ خَرَشی،ابوعبداللہ محمد مالکی (م۱۱۰۱ھ)، **شرح الخَرَشی علی مختصر سیدی خلیل** ابو الضیاء بن اسحاق بن موسیٰ (م۷۶۷ھ)،دار صادر بیروت

۲۲۵۔ شافعی،ابوعبداللہ محمد بن ادریس (م۲۰۴ھ)، **الأم** ،دار الفکر، بیروت ۱۴۰۳ھ/۱۹۸۳ء

۲۲۶۔ شیبانی،ابوعبداللہ محمد بن الحسن حنفی (م۱۸۹ھ)، **کتاب الأصل المعروف بہ المبسوط**، ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ،کراچی، سال اشاعت ندارد

۲۲۷۔ شیبانی، کتاب الحجة علی أھل المدینة ،دارالمعارف النعمانیہ،الجامعہ المدنیہ،کریم پارک لاہور

۲۲۸۔ شیبانی، کتاب الآثار ،ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ،کراچی پاکستان ۱۴۰۷ھ

۲۲۹۔ شیرازی،ابواسحاق ابراہیم بن علی بن یوسف فیروزآبادی شافعی (م۴۷۶ھ)،**المھذب فی فقہ الإمام الشافعی**، دار الفکر ،سال اشاعت ندارد

۲۳۰۔ صدیقی،محمد یٰسین مظہر، ڈاکٹر، عہد نبوی میں اسلامی احکام کا ارتقاء،نشریات،اردو بازار لاہور ۲۰۰۸ء

۲۳۱۔ عبدالوہاب،ابومحمد بن علی بن نصر قاضی، بغدادی، مالکی (م۴۲۲ھ)، **الإشارات علی نکت مسائل الخلاف** ، دار ابن حزم، بیروت لبنان ۱۴۲۰ھ/۱۹۹۹ء

۲۳۲۔ غازی،محمود احمد، ڈاکٹر، (م۲۰۱۰ء)، اسلام کا قانون بین الممالک،شریعہ اکیڈمی بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد ۲۰۰۷ء

۲۳۳۔ غازی،محمود احمد، ڈاکٹر، محاضرات فقہ،الفیصل ،غزنی سٹریٹ،اردو بازار لاہور ۲۰۰۵ء

۲۳۴۔ قاسمی بستوی،عبدالحلیم،مفتی، احسن الہدایہ ترجمہ وشرح اردو ہدایہ،مکتبہ رحمانیہ،اردو بازار لاہور

۲۳۵۔ کاسانی، علاء الدین ابوبکر بن مسعود، حنفی (م ۵۸۷ھ)، **بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع**، المکتبة الحبیبیة، کانسی روڈ کوئٹہ پاکستان ۱۴۰۹ھ/۱۹۸۹ء

۲۳۶۔ مالک بن انس، امام (م ۱۷۹ھ)، **المدوّنة الکبریٰ**، مکتبة دار الباز، مکة المکرمة + دار الکتب العلمیة، بیروت لبنان ۱۴۱۵ھ/۱۹۹۴ء

۲۳۷۔ مرغینانی، برہان الدین ابوالحسن علی بن ابی بکر فرغانی حنفی (م ۵۹۳ھ)، **الهدایة** مع الدرایة لابن حجر عسقلانی (م ۸۵۲ھ)، مکتبہ رحمانیہ، غزنی سٹریٹ، اردو بازار لاہور۔

۲۳۸۔ محمد شفیع، مفتی (م ۱۹۷۶ء)، اوزانِ شرعیہ، ادارہ المعارف کراچی ۲۰۰۹ء

۲۳۹۔ نووی، محی الدین یحییٰ بن شرف شافعی (م ۶۷۶ھ)، **المجموع شرح المهذب** لأبی اسحاق شیرازی (م ۴۷۶ھ)، دار الفکر، سال اشاعت ندارد

سیرت

۲۴۰۔ ابن جوزی، ابوالفرج عبدالرحمٰن بن الجوزی (م ۵۹۷ھ)، **الوفاء بأحوال المصطفیٰ**، دار الکتب الحدیثة، مطبعة السعادة، مصر ۱۳۸۶ھ/۱۹۶۶ء

۲۴۱۔ ابن سید الناس، ابوالفتح فتح الدین محمد بن محمد بن محمد بن احمد الیعمری الربعی الشافعی (م ۷۳۴ھ)، **عیون الأثر فی فنون المغازی و الشمائل و السیر**، دار القلم بیروت ۱۴۱۴ھ/۱۹۹۳م

۲۴۲۔ ابن قیم، ابوعبداللہ محمد بن ابی بکر بن ایوب الجوزیہ (م ۷۵۱ھ)، **زاد المعاد فی هدی خیر العباد**، مؤسسة الرسالة، بیروت، مکتبة المنار الإسلامیة، کویت ۱۳۹۹ھ/۱۹۷۹ء

۲۴۳۔ ابن کثیر، ابوالفداء اسماعیل بن عمر (م ۷۷۴ھ)، **السیرة النبویة**، دار المعرفة، بیروت ۱۹۸۶ء

۲۴۴۔ ابن ہشام، ابومحمد عبدالملک بن ہشام (م ۲۱۳ھ یا ۲۱۸ھ)، **السیرة النبویة**، مطبعة مصطفیٰ البابی الحلبی و اولاده، مصر ۱۳۵۵ھ/۱۹۳۶ء

۲۴۵۔ ابن ہشام، **السیرة النبویة**، دار الفکر، بیروت لبنان ۱۴۱۲ھ/۱۹۹۲م

۲۴۶۔ اصبہانی، ابوالقاسم اسماعیل بن محمد بن الفضل (م ۵۳۵ھ)، **دلائل النبوّة**، دار العاصمة، المملکة العربیة السعودیة، ریاض ۱۴۱۲ھ

۲۴۷۔ زُرقانی، محمد بن عبدالباقی مالکی (م ۱۱۲۲ھ)، **شرح العلامة الزرقانی علی المواهب اللّدُنیّة** للقسطلانی، دار المعرفة، بیروت ۱۴۱۴ھ/۱۹۹۳ء

۲۴۸۔ شبلی نعمانی (م ۱۹۱۴ء)، سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم، مکتبہ تعمیر انسانیت اردو بازار لاہور ۱۹۷۵ء

۲۴۹۔ قسطلانی، احمد بن محمد (م ۹۲۳ھ)، **المواهب اللّدنیّة بالمِنَح المحمدیة**، المکتب الإسلامی، بیروت، دمشق، عمان ۱۴۱۲ھ/۱۹۹۱ء

سوانح

۲۵۰۔ ابن جوزی، ابوالفرج عبدالرحمٰن بن الجوزی (م ۵۹۷ھ)، **مناقب الإمام احمد بن حنبل**، مطبعة السعدة بجوار محافظة مصر سال اشاعت ندارد

۲۵۱۔ ابن عبدالبر، ابوعمر یوسف بن عبداللہ بن محمد قرطبی (م ۴۶۳ھ)، **الإنتقاء فی فضائل الثلاثة الأئمة الفقهاء مالک و الشافعی و أبی حنیفة و ذکر عیون من أخبارهم و أخبار أصحابهم للتعریف بجلالة أقدارهم**، مکتبة القدسی، قاهرة ۱۳۵۰ھ

۲۵۲۔ ابوزہرہ، محمد (م۱۹۷۴ء)، ابن تیمیة۔ حیاته و عصره، آراؤه و فقهه، دار الفکر العربی
۲۵۳۔ ابوزہرہ، إبن حزم۔ حیاته و عصره ، آراؤه و فقهه، مطبعة مخیمر ۱۹۵۳ء
۲۵۴۔ ابوزہرہ، إبن حنبل۔ حیاته و عصره، آراؤه و فقهه، دار الفکر العربی، سال اشاعت ندارد
۲۵۵۔ ابوزہرہ، أبو حنیفة۔ حیاته و عصره ، آراؤه و فقهه، دار الفکر العربی، سال اشاعت ندارد
۲۵۶۔ ابوزہرہ، الشافعی۔ حیاته و عصره ، آراؤه و فقهه، دار الفکر العربی ۱۹۴۸ء
۲۵۷۔ ابوزہرہ، مالك۔ حیاته و عصره ، آراؤه و فقهه، دار الفکر العربی، قاہرہ ۱۹۵۲ء
۲۵۸۔ ابوزہرہ، الإمام الصادق، دار الفکر العربی، سال اشاعت ندارد
۲۵۹۔ اکبر شاہ، محمد، ذکرِ طیّب، ادراہ اسلامیات، انارکلی، لاہور ۱۴۰۴ھ/۱۹۸۴ء
۲۶۰۔ بیہقی، ابوبکر احمد بن الحسین (م۴۵۸ھ)، مناقب الشافعی، دا رالتراث، قاهرة ۱۳۹۱ھ/۱۹۷۱ء
۲۶۱۔ دسوقی، محمد، ڈاکٹر، امام محمد بن حسن شیبانی اوران کی فقہی خدمات، مترجمین: حافظ شبیر احمد جامعی، ڈاکٹر محمد یوسف فاروقی، ادارہ تحقیقات اسلامی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد ۲۰۰۵ء
۲۶۲۔ رازی، ابومحمد عبدالرحمٰن بن ابی حاتم (م۳۲۷ھ)، آداب الشافعی و مناقبه، مطبعة السعادة ، مصر ۱۳۷۲ھ/۱۹۵۳ء
۲۶۳۔ زواوی، عیسیٰ بن مسعود، کتاب مناقب سیدنا الإمام مالك مع المدوّنة الکبریٰ للإمام مالك، مکتبة دار الباز، مکة المکرمة+ دار الکتب العلمیة، بیروت لبنان ۱۴۱۵ھ/۱۹۹۴ء
۲۶۴۔ صیمری، ابوعبداللہ حسین بن علی (م۴۳۶ھ)، اخبار أبی حنیفة و أصحابه ، مکتبہ حنفیہ، اردو بازار گوجرانوالہ + مکتبہ عزیزیہ، عنایت پور، ڈاکخانہ جلالپور پیروالا، تحصیل شجاع آباد، ضلع ملتان، پاکستان
۲۶۵۔ سیوطی، جلال الدین عبدالرحمان بن ابی بکر (م۹۱۱ھ)، کتاب تزیین الممالك بمناقب سیدنا الإمام مالك ، مکتبة دار الباز + دار الکتب العلمیة، بیروت لبنان ۱۴۱۵ھ/۱۹۹۴ء
۲۶۶۔ شبلی نعمانی (م۱۹۱۴ء)، سیرت النعمان، انجمن حمایت اسلام، لاہور ۱۹۶۱ء
۲۶۷۔ شکعه، مصطفیٰ، الدکتور، الأئمة الأربعة، الناشرون دار الکتب الإسلامیة+دار الکتاب المصری قاهرة+دار الکتاب اللبنانی بیروت ۱۴۰۳ھ/۱۹۸۳ء
۲۶۸۔ صالحی، محمد بن یوسف دمشقی شافعی (م۹۴۲ھ)، عقود الجمان فی مناقب الإمام الأعظم أبی حنیفة النعمان، مطبعة المعارف الشرقیة، حیدرآباد، الہند ۱۳۹۴ھ/۱۹۷۴ء
۲۶۹۔ گیلانی، مناظر احسن (م۱۹۵۶ء)، حضرت امام ابوحنیفہؒ کی سیاسی زندگی، نفیس اکیڈمی، کراچی ۱۹۸۳ء
۲۷۰۔ فرنگی محلی، مولوی محمد یونس انصاری، ابن رشد، دار المصنفین، شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ، یوپی ہند ۲۰۰۹ء

تاریخ

۲۷۱۔ ابن اثیر، ابوالحسن علی بن ابی المکرم محمد بن محمد (م۶۳۰ھ)، الکامل فی التاریخ، دار صادر، بیروت ۱۳۹۹ھ/۱۹۷۹ء
۲۷۲۔ ابن جوزی، ابوالفرج عبدالرحمٰن بن علی بن محمد (م۵۹۷ھ)، المنتظم فی تاریخ الأمم و الملوك، دار الکتب العلمیة، بیروت لبنان ۱۴۱۲ھ/۱۹۹۲ء
۲۷۳۔ ابن خلدون، عبدالرحمٰن (م۸۰۸ھ)، مقدمة إبن خلدون و هی مقدمة الکتاب المسمی: کتاب العبر و دیوان المبتدأ و الخبر فی أیام العرب و العجم و البربر و من عاصرهم من ذوی السلطان الأکبر ، مکتبة دار الباز + دار الکتب العلمیة، بیروت لبنان ۱۴۱۳ھ/۱۹۹۳ء
۲۷۴۔ ابن کثیر، ابوالفداء عماد الدین اسماعیل بن عمر دمشقی (م۷۷۴ھ)، البدایة و النهایة، المکتبہ القدوسیہ، اردو بازار، لاہور پاکستان ۱۴۰۴ھ/۱۹۸۴ء
۲۷۵۔ ابن منظور، محمد بن مکرم (م۷۱۱ھ)، مختصر تاریخ دمشق لابنِ عساکر ابو القاسم علی بن الحسن بن هبة اللّٰه شافعی (م۵۷۱ھ)، دار الفکر، دمشق ۱۴۰۸ھ/ ۱۹۸۸ء
۲۷۶۔ احمد امین مصری (م۱۹۵۴ء)، فجر الإسلام، دار الکتاب العربی، بیروت لبنان ۱۹۶۹ء

۲۷۷۔ بخاری، ابوعبداللہ اسماعیل بن ابراہیم (م۲۵۶ھ)، **كتاب التاريخ الكبير**، دارالكتب العلمية، بيروت لبنان
۲۷۸۔ تقی امینی، محمد، فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر، اسلامک پبلی کیشنز لمیٹڈ، لاہور ۱۹۷۹ء
۲۷۹۔ حجوی، محمد بن الحسن مالکی، **الفكر السامی فی تاریخ الفقه الإسلامی**، مكتبة دارالباز، مكة المكرمة+ دارالكتب العلمية، بيروت لبنان ۱۴۱۶ھ/۱۹۹۵ء
۲۸۰۔ خضری بک، محمد، **تاريخ التشريع الإسلامی**، دارالفکر ۱۳۸۷ھ/۱۹۶۷ء
۲۸۱۔ خطیب بغدادی، ابوبکر احمد بن علی (م۴۶۳ھ)، **تاريخ بغداد**، المكتبة السلفية، مدينة منوّرة
۲۸۲۔ خلاف، عبدالوہاب، **خلاصة تاريخ التشريع الإسلامی**، دارالقلم، کویت ۱۳۹۱ھ/۱۹۷۱ء
۲۸۳۔ ربعی، ابوسلیمان محمد بن عبداللہ بن احمد دمشقی (م۳۷۹ھ)، **تاريخ مولد العلماء ووفاتهم**، دارالعاصمة، رياض ۱۴۱۰ھ
۲۸۴۔ سیوطی، جلال الدین عبدالرحمٰن بن ابی بکر بن محمد (م۹۱۱ھ)، **تاريخ الخلفاء أمراء المومنين القائمين بأمر الأمة**، ادراة الطباعة المنيرية، دمشق ۱۳۵۱ھ
۲۸۵۔ طبری، ابوجعفر محمد بن جریر (م۳۱۰ھ)، **تاريخ الأمم و الملوك**، دارالفکر ۱۳۹۹ھ/۱۹۷۹ء
۲۸۶۔ مسعودی، ابوالحسن علی بن الحسین بن علی (م۳۴۶ھ)، **مروج الذهب و معادن الجوهر**، المكتبة التجارية الكبرىٰ بأول شارع محمد على مصر ۱۳۸۴ھ/۱۹۶۴ء
۲۸۷۔ نباہی، ابوالحسن بن عبداللہ بن الحسن اندلسی (م ۷۹۳ھ)، **تاريخ قضاة اندلس و سماه كتاب المرقبة العليا فيمن يستحق القضاة و الفتيا**، دارالأفاق الجديدة، بیروت ۱۴۰۰ھ/۱۹۷۹ء
۲۸۸۔ ندوی، شاہ معین الدین احمد، تاریخ اسلام، مکتبہ رحمانیہ، اردو بازار لاہور، سال اشاعت ندارد

تراجم

۲۸۹۔ ابن ابی یعلٰی، ابوالحسین محمد الفرّاء حنبلی (م۵۲۶ھ)، **طبقات الحنابلة** مع كتاب الذيل طبقات الحنابلة لابن رجب (م ۷۹۵ھ)، دارالمعرفة، بيروت لبنان، سال اشاعت ندارد
۲۹۰۔ ابن اثیر، عزالدین ابوالحسن علی بن محمد الجزری (م۶۳۰ھ)، **أسد الغابة فی معرفة الصحابة**، دارالكتب العلمية، بيروت لبنان ۱۴۱۵ھ/۱۹۹۴ء
۲۹۱۔ ابن اثیر، **اللباب فی تهذيب الأنساب**، مكتبة المثنّى، بغداد، سال اشاعت ندارد
۲۹۲۔ ابن جوزی، جمال الدین ابوالفرج عبدالرحمٰن بن علی (م۵۹۷ھ)، **صفة الصفوة**، دار الفكر، بیروت ۱۴۱۲ھ/۱۹۹۱ء
۲۹۳۔ ابن حبان، محمد بن حبان بن احمد ابی حاتم تیمیی بستی (م۳۵۴ھ)، **تاريخ الصحابة الذين روي عنهم الأخبار**، دارالكتب العلمية، بيروت لبنان ۱۴۰۸ھ/۱۹۸۸ء
۲۹۴۔ ابن حبان، **كتاب الثقات**، مطبعة مجلس دائرة المعارف العثمانية، حیدرآباد، دکن ہند ۱۹۷۳ء
۲۹۵۔ ابن حجر، شہاب الدین ابوالفضل احمد بن علی عسقلانی (م۸۵۲ھ)، **الإصابة فی تمييز الصحابة**، مكتبة الكليات الأزهرية، سال اشاعت ندارد
۲۹۶۔ ابن حجر، **الدُرَر الكامنة فی أعيان المائة الثامنة**، درالحيل، بیروت، سال اشاعت ندارد
۲۹۷۔ ابن حجر، **تهذيب التهذيب**، مجلس دائرة المعارف النظامية، حیدرآباد دکن ۱۳۲۷ء
۲۹۸۔ ابن حجر، **لسان الميزان**، موسسة الأعلمی للمطبوعات، بیروت لبنان ۱۳۹۰ھ/۱۹۷۱ء
۲۹۹۔ ابن الخطیب، ابوالعباس احمد بن حسن بن علی (م۸۱۰ھ)، **الوفيات**، دارالأفاق الجديدة، بیروت ۱۴۰۳ھ/۱۹۸۳ء
۳۰۰۔ ابن خلکان، شمس الدین ابوالعباس احمد بن محمد (م۶۸۱ھ)، **وفيات الأعيان و أنباء إبناء الزمان**، دار صادر، بیروت ۱۳۹۸ھ/۱۹۷۸ء
۳۰۱۔ ابن رجب، عبدالرحمٰن بن شہاب الدین احمد بن رجب دمشقی حنبلی (م۷۹۵ھ)، **طبقات الحنابلة**، دارالمعرفة، بیروت، سال اشاعت ندارد

۳۰۲۔ ابن سعد، ابی عبداللہ محمد بن سعد بن منیع بصری (م ۲۳۰ھ)، **الطبقات الکبریٰ**، دار صادر، بیروت ۱۳۸۸ھ/۱۹۶۸ء

۳۰۳۔ ابن عبدالبر، ابو عمر یوسف بن عبداللہ بن محمد مالکی (م ۴۶۳ھ)، **الإستیعاب فی معرفة الأصحاب**، مکتبة الکلیات الأزهریة، سال اشاعت ندارد

۳۰۴۔ ابن عدی، ابو احمد عبداللہ جرجانی (م ۳۶۵ھ)، **الکامل فی ضعفاء الرجال**، سانگلہ ہل پاکستان، سال اشاعت ندارد

۳۰۵۔ ابن العراقی، ولی الدین ابی زرعہ احمد بن عبدالرحیم بن الحسین (م ۸۲۶ھ)، **الذیل علی العبر فی خبر من غبر**، مؤسسة الرسالة، بیروت ۱۴۰۹ھ/۱۹۸۹ء

۳۰۶۔ ابن العماد، عبدالحی حنبلی (م ۱۰۸۹ھ)، **شذرات الذهب فی أخبار من ذهب**، دار المسیرة، بیروت ۱۳۹۹ھ/۱۹۷۹ء

۳۰۷۔ ابن فرحون، ابو الوفاء قاضی ابراہیم بن محمد بن ابی القاسم مالکی (م ۷۹۹ھ)، **الدیباج المُذهَب فی معرفة اعیان علماء المَذهب**، دار الکتب العلمیة، بیروت لبنان ۱۴۱۷ھ/۱۹۹۶ء

۳۰۸۔ ابن قتیبہ، ابو محمد عبداللہ بن مسلم دینوری (م ۲۷۶ھ)، **المعارف**، احیاء التراث العربی، بیروت لبنان ۱۳۹۰ھ/۱۹۷۰ء

۳۰۹۔ ابن قطلوبغا، زین الدین ابو العدل قاسم (م ۸۷۹ھ)، **تاج التراجم فی طبقات الحنفیة**، ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی

۳۱۰۔ ابن قنفذ، ابو العباس احمد بن حسن (م ۸۰۷ھ)، **کتاب الوفیات**، دار الأفاق الجدیدة، بیروت ۱۴۰۳ھ/۱۹۸۳ء

۳۱۱۔ ابن الکیّال، ابو البرکات محمد بن احمد (م ۹۳۹ھ)، **الکواکب النیّرات فی معرفة من إختلط من الرواة الثقات**، دار المامون للتُراث، دمشق، بیروت ۱۴۰۱ھ/۱۹۸۱ء

۳۱۲۔ ابن ماکولا علی بن ھبۃ اللہ (م ۴۷۵ھ)، **الإکمال فی رفع الإرتیاب عن الموتلف و المختلف فی الأسماء والکنی و الأنساب**، دائرۃ المعارف عثمانیہ، عثمانیہ یونیورسٹی، حیدر آباد ہند ۱۹۶۲ء

۳۱۳۔ ابن المدینی، علی بن عبداللہ (م ۲۳۴ھ)، **عِلَل الحدیث و معرفة الرجال**، دار الوّعی، حلب ۱۴۰۰ھ/۱۹۸۰ء

۳۱۴۔ ابن مفلح، برہان الدین ابراہیم بن محمد بن عبداللہ (م ۸۸۴ھ)، **المقصد الأرشد فی ذکر أصحاب الإمام احمد**، مکتبة الرشد ریاض ۱۴۱۰ھ/۱۹۹۰ء

۳۱۵۔ ابوشامہ، شہاب الدین ابو محمد عبدالرحمٰن بن اسماعیل مقدسی دمشقی (م ۶۶۵ھ)، **تراجم رجال القرنین، السادس والسابع، المعروف بالذیل علی الروضتین**، دار الجیل، بیروت لبنان ۱۹۷۴ء

۳۱۶۔ ابونُعَیم اصبہانی، احمد بن عبداللہ بن احمد بن اسحاق (م ۴۳۰ھ)، **حلیة الأولیاء و طبقات الأصفیاء**، دار الکتب العربی، بیروت ۱۴۰۰ھ/۱۹۸۰ء

۳۱۷۔ **ابونُعَیم اصبہانی، معرفة الصحابة**، مکتبة الدار المدینة المنورة + مکتبة الحرمین، ریاض ۱۴۰۸ھ/۱۹۸۸ء

۳۱۸۔ احمد بن محمد بن حنبل (م ۲۴۱ھ)، **کتاب فضائل الصحابة**، مؤسسة الرسالة، بیروت ۱۴۰۳ھ/۱۹۸۳ء

۳۱۹۔ اکفانی، ابو محمد ہبۃ اللہ بن احمد بن محمد (م ۵۲۴ھ)، **ذیل ذیل تاریخ مولد العلماء و وفیاتهم** للکتانی (م ۴۶۶ھ)، دار العاصمة، ریاض ۱۴۰۹ھ/۱۹۸۹ء

۳۲۰۔ جعدی، عمر بن علی بن سمرۃ (م ۵۸۶ھ تقریباً)، **طبقات فقهاء الیمن**، دار الکتب العلمیة، بیروت ۱۴۰۱ھ/۱۹۸۱ء

۳۲۱۔ جوزجانی، ابو اسحاق ابراہیم بن یعقوب (م ۲۵۹ھ)، **أحوال الرجال**، المکتبة الأثریة، سانگلہ ہل پاکستان

۳۲۲۔ حسینی، ابوبکر بن ہدایۃ اللہ (م ۱۰۱۴ھ)، **طبقات الشافعیة**، منشورات دار الأفاق الجدیدة، بیروت ۱۴۰۲ھ/۱۹۸۲ء

۳۲۳۔ دارقطنی، ابو الحسن علی بن عمر بن احمد (م ۳۸۵ھ)، **ذکر اسماء التابعین و من بعدهم ممن صحت روایته عن الثقات عند البخاری و المسلم**، مؤسسة الکتب الثقافیة ۱۴۰۶ھ/۱۹۸۵ء

۳۲۴۔ داوٗدی، شمس الدین محمد بن علی بن احمد (م ۹۴۵ھ)، **طبقات المفسرین**، دار الکتب العلمیة، بیروت ۱۴۰۳ھ

۳۲۵۔ ذہبی، شمس الدین ابو عبداللہ محمد بن احمد بن عثمان قایماز (م ۷۴۸ھ)، **العبر فی خَبَر مَن غَبَر**، دار الکتب العلمیة، بیروت لبنان

۳۲۶۔ ذہبی، **تجرید أسماء الصحابة**، دار المعرفة، بیروت، سال اشاعت ندارد

۳۲۷۔ ذہبی، **سِیَر أعلام النُّبلاء**،مؤسسة الرسالة، بیروت۱۴۰۱ھ/۱۹۸۱ء

۳۲۸۔ ذہبی،**تذکرۃ الحفاظ**، دار الفکرالعربی بیروت +دائرۃ المعارف عثمانیہ حیدرآباد ذکن بھارت ۱۹۵۶ء

۳۲۹۔ ذہبی،**میزان الإعتدال**، المکتبة الأثریة،سانگلہ ہل،شیخوپورہ پاکستان۱۳۸۲ھ/۱۹۶۳ء

۳۳۰۔ ذہبی،**الکاشف فی معرفة من له روایة فی الکتب السنّة**، دارالکتب العلمیة، بیروت لبنان ۱۴۰۳ھ/۱۹۸۳ء

۳۳۱۔ رازی،ابومحمد عبدالرحمٰن بن ابی حاتم محمد بن ادریس بن المنذر (م۳۲۷ھ)، **کتاب الجرح و التعدیل**، داراحیاء التراث العربی، بیروت ۱۳۷۳ھ/۱۹۵۳ء

۳۳۲۔ زرکلی،خیرالدین،**الأعلام قاموس تراجم لأشهر الرجال والنساء من العرب و المستغربین و المستشرقین**،مطبعة کوستا تسوماس وشرکاه ۱۳۷۴ھ/۱۹۵۴ء

۳۳۳۔ سبکی،تاج الدین ابونصر عبدالوہاب بن تقی الدین علی (م۷۷۱ھ)،**طبقات الشافعیة الکبریٰ**، دارالمعرفة بیروت

۳۳۴۔ سخاوی،شمس الدین محمد بن عبدالرحمٰن (م۹۰۲ھ)،**الضوء اللامع لأهل القرن التاسع**، منشورات دارمکتبة الحیاة، بیروت،سال اشاعت ندارد

۳۳۵۔ سمعانی،ابوسعد عبدالکریم بن محمد بن منصور تیمی (م۵۶۲ھ)،**الأنساب**، مطبعة مجلس دائرة المعارف العثمانیة ،حیدر آباد الدکن، الهند ۱۳۸۶ھ/۱۹۶۶ء

۳۳۶۔ سیوطی، جلال الدین عبدالرحمٰن بن ابی بکر بن محمد (م۹۱۱ھ)،**طبقات المفسرین**، دارالکتب العلمیة، بیروت ۱۴۰۳ھ/۱۹۸۳ء

۳۳۷۔ سیوطی ،**طبقات الحفاظ**، دارالکتب العلمیة، بیروت لبنان ۱۴۰۳ھ/۱۹۸۳ء

۳۳۸۔ شوکانی ،محمد بن علی بن محمد (م۱۲۵۰ھ)، **دَرّ السحابة فی مناقب القرابة والصحابة** ، دار الفکر، دمشق سوریا ۱۴۱۱ھ/۱۹۹۰ء

۳۳۹۔ شوکانی ،**البدر الطالع بمحاسن مَن بعد القرن السابع**، دارالمعرفة ، بیروت لبنان

۳۴۰۔ شیرازی، ابواسحاق ابراہیم بن علی بن یوسف شافعی (م۴۷۶ھ)،**طبقات الفقهاء** ، دارالرائد العربی، بیروت لبنان ۱۴۰۱ھ/۱۹۸۱ء

۳۴۱۔ صدیق بن حسن بن علی حسینی بخاری قنوجی (م۱۳۰۷ھ/۱۸۹۰ء)،**تاج المُکلل من جواهر مآثر الطّراز الآخر و الأول**، مکتبة دارالسلام للنشر و التوزیع، ریاض ۱۴۱۶ھ/۱۹۹۵ء

۳۴۲۔ صفدی،صلاح الدین خلیل بن ایبک،**الوافی بالوفیات**، انتشارات جہان،تہران ایران۱۹۶۱ء

۳۴۳۔ طاہر محمد مولانا ،**نیل السائرین فی طبقات المفسرین**، اسلامی کتب خانہ،قصہ خوانی بازار، پشاور

۳۴۴۔ عبادی،ابوعاصم محمد بن احمد،**طبقات فقهاء الشافعیة**، LEIDEN ,E.J. BRILL 1964

۳۴۵۔ عبدالرحمٰن، زین الدین ابوالفرج بن شہاب الدین احمد حنبلی (م۷۹۵ھ)، **کتاب الذیل علی طبقات الحنابلة** لابن رجب (م۷۹۵ھ)،دارالمعرفة، بیروت لبنان،سال اشاعت ندارد

۳۴۶۔ عبداللہ بن عبدالحکم،ابومحمد،**سیرة عمر بن عبدالعزیز** ،عالم الکتب بیروت لبنان۱۴۰۴ھ

۳۴۷۔ عراقی ،ابوالفضل عبدالرحیم بن الحسین (م۸۰۶ھ)،**ذیل میزان الإعتدال**، جامعة ام القریٰ ، مکة المکرمة ،طبع اوّل ۱۴۰۶ھ

۳۴۸۔ عقیلی،ابوجعفر محمد بن عمرو بن موسیٰ بن حماد المکی (م۳۲۲ھ)،**کتاب الضعفاء الکبیر**، دارالکتب العلمیة بیروت لبنان

۳۴۹۔ عیاض،ابوالفضل عیاض بن موسیٰ بن عیاض (م۵۴۴ھ)،**ترتیب المدارك و تقریب المسالك لمعرفة أعلام مذهب مالك**، منشورات دارمکتبة الحیاة ، بیروت

۳۵۰۔ کتانی، ابومحمد عبدالعزیز بن احمد بن محمد (م۴۶۶ھ)،**ذیل تاریخ مولد العلماء و وفیاتهم**، دارالعاصمة،ریاض ۱۴۰۹ھ

۳۵۱۔ لکھنوی،ابوالحسنات محمد عبدالحی (م۱۳۰۴ھ)،**طبقات الفقهاء اعنی النافع الکبیر لمن یُطا الجامع الصغیر**، مکتبہ نشرالقرآن والحدیث،محلّہ جنگی عقب قصہ خوانی، پشاور پاکستان

۳۵۲۔ لکھنوی، الفوائد البهية فی تراجم الحنفية، قدیمی کتب خانہ، کراچی، سال اشاعت ندارد

۳۵۳۔ لکھنوی، نزهة الخواطر و بهجة المسامع و النواظر، طیب اکادمی، ملتان ۱۹۹۳ء

۳۵۴۔ مراغی، عبداللہ مصطفیٰ، الفتح المبين فی طبقات الأصوليين، ناشر محمد امين دمج و شركاه، بيروت، ۱۳۹۴ھ/۱۹۷۴ء

۳۵۵۔ مزّی، جمال الدین ابی الحجاج یوسف (م ۷۴۲ھ)، تهذيب الكمال فی أسماء الرجال، مؤسسة الرسالة ۱۴۱۳ھ/۱۹۹۲ء

۳۵۶۔ موسوی، محمد باقر اصبہانی، روضات الجنات فی أحوال العلماء و السادات، مکتبہ اسماعیلیان، قم + دار المعرفة، بیروت ۱۳۹۰ھ

۳۵۷۔ وکیع، محمد بن خلف بن حیّان (م ۳۰۶ھ)، أخبار القضاة، عالم الكتب، بیروت، سال اشاعت ندارد۔ المكتبة التجارية الكبرى شارع محمد على بمصر ۱۳۶۶ھ/۱۹۴۷م

۳۵۸۔ ہندی، محمد بن طاہر بن علی بن سفیان (م ۹۸۸ھ)، المغنى فی ضبط أسماء الرجال و معرفة كنى الرواة و القابهم، دار الكتاب العربی، بیروت لبنان ۱۳۹۹ھ/۱۹۷۹ء

۳۵۹۔ یافعی، ابوعبداللہ بن اسعد بن علی (م ۷۶۸ھ)، مِرآة الجِنان و عبرة اليقظان فی معرفة ما يعتبر من حوادث الزمان، مؤسسة الاعلمی للمطبوعات، بیروت لبنان ۱۳۹۰ھ/۱۹۷۰ء

۳۶۰۔ یوسف بن تغری بردی (م ۸۷۴ھ)، الدليل الشافی على المنهل الصافی، جامعة ام القرىٰ مكة المكرمة المملكة العربية السعودية، سال اشاعت ندارد

لغات

۳۶۱۔ ابن درید الأزدی، ابوبکر محمد بن الحسن بصری (م ۳۲۱ھ)، كتاب جمهرة اللغة، اداره مجلس دائرة المعارف العثمانية، حیدرآباد دکن ۱۳۵۱ھ

۳۶۲۔ ابن فارس، ابوالحسین احمد بن فارس بن زکریا (م ۳۹۵ھ)، معجم مقاييس اللغة، مركز النشر، مكتب الأعلام الإسلامی ۱۴۰۴ھ

۳۶۳۔ ابن منظور، ابوالفضل جمال الدین محمد بن مکرم افریقی مصری (م ۷۱۱ھ)، لسان العرب، دارصادر، بيروت

۳۶۴۔ احمد عطیہ اللہ، القاموس الإسلامی، مكتبة النهضة المصرية، قاهرة ۱۳۸۳ھ/۱۹۶۳ء

۳۶۵۔ ازہری، ابومنصور محمد بن احمد (م ۳۷۰ھ)، تهذيب اللغة، المؤسسة المصرية العامة للتاليف و الأنباء و النشر + مركز البحث العلمی، كلية الشريعة، مكة، سال اشاعت ندارد

۳۶۶۔ جوہری، اسماعیل بن حماد (م ۳۹۳ھ)، الصِحاح تاج اللغة و صِحاح العربية، دار العلم للملايين، بيروت ۱۴۰۷ھ/۱۹۸۷ء

۳۶۷۔ حسین یوسف موسیٰ و عبدالفتاح السعیدی، الافصاح فی فقه اللغة، مركز النشر مكتب الاعلام الإسلامی، طهران ۱۴۰۴ھ

۳۶۸۔ رضا، احمد الشیخ، معجم متن اللغة، موسوعة لغوية حديثية، منشورات دار مكتبة الحياة، بيروت ۱۳۷۹ھ/۱۹۶۰ء

۳۶۹۔ زاوی، الطاہر احمد، ترتيب القاموس المحيط على طريقة المصباح المنير و اساس البلاغة، دار الفكر

۳۷۰۔ زاوی، ترتيب القاموس المحيط، دار المعرفة بيروت ۱۳۹۹ھ/۱۹۷۹ء

۳۷۱۔ زبیدی، محمد مرتضیٰ (م ۱۲۰۵ھ)، تاج العروس، دارصادر، بيروت ۱۳۸۶ھ/۱۹۶۶ء

۳۷۲۔ مطرّزی، ناصر بن عبدالسید علی ابوالفتح ناصر الدین (م ۶۱۰ھ)، المُغرِب فی ترتيب المُعْرِب، ادراة دعوة الإسلام، المدرسة اليوسفية البنورية، کراچی، سال اشاعت ندارد

۳۷۳۔ مقری، احمد بن محمد بن علی (م ۷۷۰ھ)، كتاب المصباح المنير فی غريب الشرح الكبير للرافعی، المطبعة

الکبریٰ الأمیریة ببولاق مصر المحمیة ۱۳۲۴ھ/۱۹۰۶ء
۳۷۴۔ ندوی، سید سلیمان (م۱۳۷۳ھ)، **لغات جدیدة،** مطبع معارف، اعظم گڑھ ۱۳۵۶ھ/۱۹۳۷ء

معاجم

۳۷۵۔ اسمٰعیل پاشا بغدادی، **هدایة العارفین، أسماء المؤلفین و آثار المصنّفین،** منشورات مکتبة المثنی بغداد جلد اول ۱۹۵۱ء، جلد دوم ۱۹۵۵ء
۳۷۶۔ اسمٰعیل پاشا بغدادی، **إیضاح المکنون** فی الذیل علی کشف الظنون عن اسامی و الکتب و الفنون، منشورات مکتبة المثنی، بغداد، سال اشاعت ندارد
۳۷۷۔ انیس، **المعجم الوسیط،** دار الفکر، سال اشاعت ندارد
۳۷۸۔ تھانوی، محمد اعلیٰ، قاضی (م۱۱۹۱ھ/۱۷۷۷م)، **کشاف إصطلاحات الفنون،** سہیل اکیڈمی لاہور ۱۴۱۳ھ/۱۹۹۳ء
۳۷۹۔ حاجی خلیفہ، مصطفیٰ بن عبداللہ حنفی (م۱۰۶۷ھ)، **کشف الظنون عن أسامی الکتب و الفنون،** المکتبة الإسلامیة و المکتبة الجعفری، طهران ۱۳۸۷ھ/۱۹۹۷ء
۳۸۰۔ صیداروی، ابوالحسین محمد بن احمد بن جُمَیع (م۴۰۲ھ)، **کتاب معجم الشیوخ**، مؤسسة الرسالة، بیروت لبنان + دار الإیمان، طرابلس لبنان ۱۴۰۵ھ/۱۹۸۵ء
۳۸۱۔ قلعہ جی، د۔ محمد رواس، **معجم لغة الفقهاء،** ادارة القرآن والعلوم الإسلامیہ، کراچی پاکستان
۳۸۲۔ کحالہ، محمد رضا، **معجم المؤلفین تراجم مصنفی الکتب العربیة،** داراحیاء التراث العربی، بیروت لبنان
۳۸۳۔ نووی، ابوزکریا محی الدین بن شرف (م۶۷۶ھ)، **تهذیب الأسماء و اللغة،** دار الکتب العلمیة، بیروت
۳۸۴۔ ہروی، ابوالفضل عبیداللہ بن عبداللہ بن احمد (م۴۰۵ھ)، **المعجم فی مشتبه أسامی المحدثین،** مکتبة الرشد، ریاض ۱۴۱۱ھ/۱۹۹۰م
۳۸۵۔ یاقوت حموی، شہاب الدین یاقوت بن عبداللہ (م۶۲۶ھ)، **معجم البلدان،** دار صادر، بیروت، لبنان ۱۳۹۹ھ/۱۹۷۹ء

متفرّق

۳۸۶۔ ابن ابی العز، صدر الدین محمد بن علاء الدین علی بن محمد حنفی (م۷۹۴ھ)، **شرح العقیدة الطحاویة** لأبی جعفر احمد بن محمد بن سلامة الطحاوی (م۳۲۱ھ)، المکتب الإسلامی ۱۴۱۶ھ
۳۸۷۔ ابن تیمیہ، ابوالعباس تقی الدین احمد بن عبدالحلیم حنبلی (م۷۲۸ھ)، **اقتضاء الصراط المستقیم مخالفة أصحاب الجحیم،** المکتبة السلفیة، شیش محل روڈ لاہور ۱۳۹۸ھ/۱۹۷۸ء
۳۸۸۔ ابن حجر ہیثمی مکی، شہاب الدین احمد (م۹۷۴ھ)، **الفتاویٰ الحدیثیة،** مطبعة مصطفی البابی الحلبی و أولاده، مصر ۱۳۹۰ھ/۱۹۷۰ء
۳۸۹۔ ابن عبدالبر، ابوعمر یوسف بن عبداللہ بن سلام مالکی (م۴۶۳ھ)، **جامع بیان العلم و فضله** ، دار ابن الجوزی، المملکة العربیة السعودیة ۱۴۱۴ھ/۱۹۹۳ء
۳۹۰۔ ابن العربی، ابوبکر محمد بن عبداللہ بن محمد مالکی، قاضی (م۵۴۳ھ)، **العواصم من القواصم فی تحقیق مواقف الصحابة بعد وفاة النبی صلی الله علیه و سلّم**، لجنة الشباب المسلم
۳۹۱۔ ابن عربی، محی الدین محمد بن علی، صوفی (م۱۲۴۰ھ)، **الفتوحات المکیة،** المکتبة العربیة ۱۴۰۵ھ/۱۹۸۵ء
۳۹۲۔ ابن عساکر، ابوالقاسم علی بن الحسن بن ہبۃ اللہ دمشقی (م۵۷۱ھ)، **تبیینُ کَذِبِ المُفتَرِی فیما نُسِبَ إلی الإمام ابی الحسن الأشعری** (م۳۳۰ھ تقریباً)، دار الکتاب العربی، بیروت لبنان ۱۳۹۹ھ/۱۹۷۹ء

۳۹۳۔ ابن قیم، شمس الدین ابی عبداللہ محمد بن ابی بکرا الجوزیہ دمشقی حنبلی (م۷۵۱ھ)، **أعلام المؤقعين عن رب العالمين**، دارالجیل للنشر و التوزیع و الطباعة، بیروت لبنان، سال اشاعت ندارد

۳۹۴۔ ابن قیم، **الطرق الحكمية في السياسة الشرعية**، المؤسسة العربية للطباعة و النشر، قاهرة ۱۳۸۰ھ/۱۹۶۱ء

۳۹۵۔ ابن الوزیر، محمد بن ابراہیم یمانی (م ۸۴۰ھ)، **العواصم و القواصم في الذّب عن سنّة أبي القاسم**، مؤسسة الرسالة، بيروت ۱۴۱۲ھ/۱۹۹۲ء

۳۹۶۔ ابوزہرۃ، محمد احمد، **المذاهب الإسلامية**، ادرارة الثقافة العامة بوزارة التربية و التعليم بمصر

۳۹۷۔ اجری، ابوبکر محمد بن الحسین (م۳۶۰ھ)، **الشريعة**، انصار السنّة المحمدية، لاہور

۳۹۸۔ تیمی، ابومنصور عبدالقاہر بن طاہر (م۴۲۹ھ)، **كتاب أصول الدين**، دارالكتب العلمية، بيروت لبنان ۱۴۰۱ھ/۱۹۸۱ء

۳۹۹۔ خُضَری بک، محمد، **إتمام الوفاء في سيرة الخلفاء**، دارالإيمان، بيروت ۱۹۸۲ء

۴۰۰۔ دہلوی، شاہ ولی اللہ احمد بن عبدالرحیم (م۱۱۷۶ھ)، **التفهيمات الإلٰهية**، أكادمية الشاه ولي الله الدهلوي، حیدرآباد سندھ، مغربی پاکستان ۱۳۹۰ھ/۱۹۷۰ء

۴۰۱۔ دہلوی، شاہ ولی اللہ، **إزالة الخفاء عن خلافة الخلفاء**، قدیمی کتب خانہ، آرام باغ کراچی

۴۰۲۔ دہلوی، شاہ ولی اللہ، **حجة الله البالغة**، دارالتراث، قاهرة ۱۳۵۵ھ

۴۰۳۔ دہلوی، شاہ ولی اللہ، **الإنصاف في بيان سبب الإختلاف**، هيئة الأوقاف حکومت پنجاب لاہور پاکستان ۱۹۷۱ء

۴۰۴۔ سیوطی، جلال الدین عبدالرحمٰن بن ابی بکر بن محمد شافعی (م۹۱۱ھ)، **الحاوي للفتاوي**، المكتبة التجارية الكبرىٰ بشارع محمد علي، مصر ۱۳۸۷ھ/۱۹۵۹ء

۴۰۵۔ شاطبی، ابواسحاق ابراہیم بن موسیٰ مالکی (م۷۹۰ھ)، **الإعتصام**، دار الفكر

۴۰۶۔ شعرانی، عبدالوہاب بن احمد بن علی شافعی (م۹۷۳ھ)، **الميزان الكبرىٰ**، دارالفكر

۴۰۷۔ شعرانی، **اليواقيت و الجواهر في بيان عقائد الأكابر**، مطبعة مصطفى البابي الحلبي و اولاده، مصر ۱۳۷۸ھ/۱۹۵۹ء

۴۰۸۔ شہرستانی، ابوالفتح محمد بن عبدالکریم (م۵۴۸ھ)، **الملل و النحل**، دارالسرور، بيروت لبنان ۱۳۶۸ھ/۱۹۴۸ء

۴۰۹۔ صدیق بن حسن قنوجی (م۱۳۰۷ھ)، **أبجد العلوم المسمّٰى بالسحاب المركوم**، المکتبہ القدوسیہ، اردو بازار لاہور ۱۴۰۳ھ/۱۹۸۳ء

۴۱۰۔ عالم الدین، مولانا قاضی، **مکتوبات امام ربانیؒ**، ادارہ اسلامیات، انارکلی لاہور ۱۹۸۸ء

۴۱۱۔ غزالی، ابوحامد محمد بن محمد شافعی (م۵۰۵ھ)، **المُنقِذ من الضّلال**، ھئیہ اوقاف حکومت پنجاب، لاہور ۱۹۷۱ء

۴۱۲۔ کلاباذی، ابوبکر محمد بن ابراہیم بن یعقوب (م۳۸۰ھ)، **التعرف لمذهب أهل التصوف**، مكتبة الكليات الأزهرية، قاهرة ۱۴۰۰ھ/۱۹۸۰ء

۴۱۳۔ کوثری، محمد زاہد (م۱۳۷۱ھ)، **مقالات الكوثري**، مطبعة الأنوار، قاهرة، سال اشاعت ندارد

۴۱۴۔ کوثری، **فقه أهل العراق و حديثهم**، ایچ ایم سعید کمپنی کراچی

۴۱۵۔ نجار، عبدالوہاب، **الخلفاء الراشدون**، دارالكتب العلمية، بيروت لبنان ۱۳۹۹ھ/۱۹۷۹ء

اصطلاحات

اصطلاح	صفحہ
اِجماع	۲۴
اِجتہاد	۱۴۶
اجیرِ مُشترَک	۲۶۲
اِستِصحاب	۳۰۱
اِستقرارِ مذاہب	۲۳۷
اِستقرارِ خلاف	۲۵۱
اَشاعِرہ	۲۷۱
اصحابِ حدیث	۳۷۵
اصحابِ رائے	۳۷۵
اِفک	۶۹
اِکسال	۹۹
اُمم سابقہ	۲۲۲
اُمہاتُ الأولاد/ اُمِ ولد	۱۰۴
انصار	۳۵
اِنقراضِ عصر	۲۳۹
اہل السنۃ والجماعہ	۵۸
اِیجاب	۱۳۲
اِیلاء	۷۴، ۴۳۴
باطل	۲۶۱
بٹائی	۱۰۵
بیع سَلَم	۲۶۲
بیع صرف	۳۸۸
بیع عُربان	۴۲۸
تحکیم	۲۰۸
تشریع سماوی	۱۴۱
تشریع وضعی	۱۴۱
تفرّق بالأبدان	۳۳۲
تفرّق بالأقوال	۳۳۲
تقریری حدیث	۱۰۱
تواتر	۱۵۲
حاجب	۲۵۸
حجِ اِفراد	۳۸۵
حجِ تمتع	۳۸۵
حجِ قِران	۳۸۵
حدثِ اصغر	۳۹۲
حدثِ اکبر	۳۹۲
حَرّہ	۱۶۵
حِرز	۴۴۶
حروریہ	۴۱۹
خُطب	۴۴۲
خاص	۳۳۱
خبرِ واحد	۱۵۲
خوارج	۸۶
دلیلِ ظنّی	۱۰۷
دلیلِ قطعی	۱۰۷
دِیَت	۱۷۰
ذوی الأرحام	۲۲۸
ذوی الفروض	۲۲۸
ذِمّی	۲۵۶
رِبا نسیئہ	۲۵۰
رَبائب	۱۹۶
رَجم	۱۸۲
رضاعت	۴۲۶
سدِّ ذریعہ	۲۱۱
شریعہ	۱۴۰
شیخ	۲۳۱
صاع	۹۸
صحیح حدیث	۲۷۰

صغائر ۵۷
ضعیف حدیث ۲۷۰
طعن ۳۸۲
طلاء ۴۴۷
ظاہری ۲۷۱
ظہار ۷۳، ۳۲۹
عاقلہ ۴۴۴
عام ۳۳۱
عدالت ۵۳
عَزل ۹۸
عصبات ۲۲۸
عِلّت ۲۰۵
عِلّتِ خفی ۲۰۵
عمومِ بلویٰ ۲۴۵
عِنّین ۴۲۵
عول ۲۳۶
غریب حدیث ۷۹
فاسِد ۲۶۱
فَرسخ ۱۵۴
فرض ۱۳۲
فرقہ ناجیہ ۲۷۹
فقہائے سبعہ ۳۴۸
فے ۴۴۰
قَذف ۲۰۵
قولِ جدید ۱۰۹، ۲۳۴
قولِ قدیم ۱۰۹، ۲۳۴
قیاس جلی ۳۷۶
قیاس خفی ۳۷۶
قیراط ۹۴
کبائر ۵۶
کتابیہ ۲۰۲
کشف ۲۴
کلالہ ۲۱۴، ۳۰۲
متروک حدیث ۸۴
متفق علیہ حدیث ۳۸۰
محصن ۱۳۳
محدِّث ۲۸۲
مجبوب ۲۰۶
مخابرہ ۱۰۵
مُخَضرَم ۴۶۱
مُدّ ۲۵۲
مُدرک بالقیاس ۲۵۹
مَذِی ۱۴۵
مُرسَل حدیث ۲۷۰
مَرفُوع حدیث ۹۹، ۱۰۰
مُسنَد حدیث ۹۹
مشترک ۳۳۱
مصلحت عامہ ۲۰۹
مصلحہ مُرسَلَہ ۲۰۹
مُعتزلہ ۲۳۴
مُفَسَّر ۱۳۴
مفقود الخبر ۴۳۱
مقامِ ابراہیمؑ ۶۷
مَندوب ۱۳۲
منکر حدیث ۱۸۵
موالی/مولیٰ ۱۹۷
موضوع ۲۹۷
موقوف ۱۰۶
مہاجرین ۳۵
نجاست خفیفہ ۳۹۶
نجاست غلیظہ ۳۹۶
نَدب ۱۳۲
نسخ ۱۲۳
نکاحِ مُتعَہ ۳۸۷
وجوب ۱۳۲
یمین ۴۲۹

اس کتاب کے بارے میں

قانون کی حقیقی منشا سے آگاہ اس کا شارع ہوتا ہے۔ جو شخص شارع سے جتنا قریب ہے اُس کا منشائے قانون کے متعلق فہم وادراک اتنا ہی درست ترین ہے۔ حقیقی شارع اللہ تعالیٰ اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ قانون سازی کا حق مجتہدین اُمت میں سب سے پہلے صحابہ کرامؓ کو ملا۔ وہ نزولِ شریعت اور سیرتِ صاحبِ شریعت کے شاہد، مزاج شناسِ شریعت اور دین کے سچے راویٔ اوّل ہیں۔ ان کا ایمان معیارِ ایمان قرار دیا گیا ہے۔ صحابہ کرامؓ نے کارِ نبوت کو جاری رکھا اور اسلامی قانون کی تشکیل میں کلیدی کردار ادا کیا۔

زیرِ نظر کتاب میں حضرات صحابہ کرامؓ کے اسی کردار کا مطالعہ کیا گیا ہے۔ ان کے احکام، فیصلوں، فتاویٰ اور آراء کو اسلامی قانون سازی میں اہم مقام حاصل ہے۔ مسلمانوں کے مسلّمہ فقہی مسالک۔ حنفی، مالکی، شافعی اور حنبلی وغیرھم۔ میں انسانی مسائل کا شرعی حکم جاننے کے جتنے اصول ہیں ان کے پس منظر میں صحابہ کرامؓ ہی کا اسلوب موجود ہے۔ یہ کتاب واضح کرتی ہے کہ صحابہ کرامؓ کے واسطہ سے یہ سب مسلّمہ فقہی مسالک ایک ہی چشمۂ قانون یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس سے جڑے ہیں۔

اس کتاب میں ۱۲۳ صحابہ کرامؓ، ۲۱۷ محدثین، ماہرین قانون اسلامی، اصولیین، فقہاء اور علماء کرام وغیرہ کا تذکرہ اور ۱۱۳ ضروری انسانی مسائل پر فقہی احکام شامل ہیں۔ اپنے موضوع پر یہ کتاب اسلامی ادب کی ۴۱۵ مستند کتب کا حاصل مطالعہ ہے۔

کچھ مصنف کے بارے میں

عرفان خالد ڈِھلّوں [۱۹۶۱ء-] نے سنٹرل ماڈل سکول لاہور سے میٹرک کیا۔ انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی اسلام آباد سے ایل ایل بی شریعہ اور ایل ایل ایم شریعہ کی ڈگریاں لیں۔ پنجاب یونیورسٹی لاہور سے علوم اسلامیہ میں ایم اے اور ڈاکٹریٹ مکمل کی۔ متعدد جامعات میں پی ایچ ڈی تک تدریس وتحقیق کا تجربہ ہے۔ آپ کتاب ''علم اصولِ فقہ: ایک تعارف'' [۳ جلدیں] کے مرتب اور شریک مصنف ہیں۔ ان کے متعدد مقالات موقر جرائد میں شائع ہو چکے ہیں۔ آپ آج کل یونیورسٹی آف انجینئرنگ اینڈ ٹیکنالوجی لاہور میں ایسوسی ایٹ پروفیسر اور چیئرمین شعبہ علوم اسلامیہ ہیں۔

ISBN 978-969-503-1041-4
9 78 96950 31041 4

الفیصل
ناشران وتاجرانِ کتب
غزنی سٹریٹ اُردو بازار لاہور